

دانش تحقیق

McGill University Library



3 102 830 989 J

سید امداد امام اثر مرحوم

مکتبہ معین الادب اردو بازار لاہور

MG7

A7985k

INSTITUTE
OF
ISLAMIC
STUDIES

40422

★

McGILL
UNIVERSITY

R121-



جنا
مخا
مرا
مک
طبع



رحمۃ حقوق محفوظ ہیں

از زمین تا بہ آسمان سخن راست

کاشف الحقائق

معروف بہ

بہارستان سخن

مشتمل بر شاعری ہائے مختلف اقوام جہان
و اخلاق و تہذیب و معاشرت ایشان و غیرہ و غیرہ
از تصانیف

جناب حکیم مولوی سید امداد امام صاحب منوطن نیورہ ضلع پٹنہ
مخاطب بہ اشمس العلماء بحکم گورنمنٹ ہند و ام فیضہ مصنف کتاب
مرآة الحکماء و کتاب الاثمار و کتاب الزرع و تہذیب و معیار الحق و دیوان اثریغہ

جلد اول (۱)

در بیان شاعری مصر و یونان و ایتالیا و عرب

مکتبہ معین الادب - اردو بازار - لاہور

۱۰۰۰

جنوری ۱۹۵۶ء

طبع دوم

MG7

A7985k

گنیا فی پریس لاہور

فہرست مطالب

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۶	طیور نواسخ فخرتی ماہر	۱۱	۱۲	عرض تصنیف	۱
۲۷	موسیقی میں		۱۷	تعریف شاعری و مجازت	۲
	بعض حیوانات پر بھی موسیقی	۱۲		شاعری با موسیقی و مصوری	
	کا اثر پیدا ہوتا ہے		۱۸	موسیقی	۳
۲۸	موسیقی اور غنا پر مذہبی	۱۳		موزونی و ناموزونی اصوات	۴
	پہلو سے نظر			موسیقی کا کیوں نکر اثر انسان	۵
۳۲	موسیقی مصلح اخلاق ہے	۱۴		پر پیدا ہوتا ہے ..	
۳۰	مصوری	۱۵	۲۱	موسیقی کا کیا اثر پیدا	۶
	مصور کے لیے علوم	۱۶		ہوتا ہے	
	کی ضرورت		۲۲	موسیقی اور غنا کا فرق ..	۷
۳۱	ضرورت علوم کی مثالیں	۱۷		موسیقی کے لیے دفعہ	۸
۳۵	تین تصویریں	۱۸		قابلیت کی ضرورت ہے	
۳۶	پہلی تصویر	۱۹	۲۳	امیرزادوں کا مذاق غنا	۹
۵۱	دوسری تصویر	۲۰	۲۴	موسیقی قانونِ فطرت	۱۰
۵۲	تیسری تصویر	۲۱		پر مبنی ہے	

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۷۶	صنائع برائے	۳۳	۵۳	مصوّر کو مشاہدہ عالم	۲۲
"	پست خیالی	۳۴		کی حاجت	
۷۸	مکروہ مضامین	۳۵	۵۵	اس عہد میں مصوّر کی	۲۳
"	یہ مذاقی جدید	۳۶	"	ترقی	
۸۱	شاعری ایک امر	۳۷	"	ہندوستانی مصوّر کی	۲۴
	طبعی ہے		۵۶	مصوّر اور نقالی	۲۵
۸۳	اغراض شاعری	۳۸	۵۷	صحت و عدم صحت	۲۶
۸۴	شاعری کا زور جیسا	۳۹		مناق مصوّر کی	
	تقاضا بھی ہے		۶۱	شاعری	۲۷
۸۷	اغراض انسان سے	۴۰	"	بیان عالم مادی	۲۸
	شاعری کا تعلق			و غیر مادی	
۸۸	معاملات تمدن	۴۱		شاعری کی تقسیم	۲۹
"	اخلاق	۴۲	۶۷	از رو سے تقاضائے	
۹۵	تعلیم توحید	۴۳		مضامین	
۹۶	توحید باری تعالیٰ	۴۴		معاملات فطرت سے	۳۰
	کلام حضرت	۴۵		اطلاعی کی ضرورت	
۹۷	امیر المومنین		۷۵	رعایت لفظی	۳۱
	حضرت علی		"	مبالغہ پر وازی	۳۲

صفحہ	عنوان	بر شمار	صفحہ	عنوان	بر شمار
۱۳۰	بزمی شاعری مشتمل بر لیرکس یعنی غزل سرائی	۶۱	۹۸	شاعری ادویہ صحیفہ کاملہ	۲۶
۱۳۲	تقائیس رزمی شاعری	۶۲	۹۹	مختلف اقوام کی شاعری پر ریویو	۲۷
۱۳۳	ڈراما ..	۶۳	۱۰۰	جغرافیہ مصر ..	۲۸
۱۳۴	غرض ڈراما ..	۶۴	۱۰۹	مصریان سابق کا لٹریچر	۲۹
"	کامیڈی ..	۶۵	۱۱۱	شاعری مصر سابق ..	۵۰
"	ٹریجڈی ..	۶۶	۱۱۲	شاعری اہل یونان ..	۵۱
۱۳۵	اسلامی شعرا میں عدم ڈراما نگاری	۶۷	"	بیان ملک یونان -	۵۲
۱۳۶	ایران میں ابتدائے ڈراما نگاری	۶۸	۱۱۶	ہومیروس ..	۵۴
"	شعراے سنسکرت کی ڈراما نگاری	۶۹	۱۱۷	بیان اہل یونان ..	۵۵
۱۳۷	فارسی اور اردو کی شعراے جو کامیڈی اور ٹریجڈی پر لایہ رکھتی ہیں	۷۰	۱۱۹	قصہ اریڈ ..	۵۶
۱۳۸	ڈانی ڈائمنگ شاعری	۷۱	۱۲۱	ہومیروس کی قابلیت شاعری	۵۷
			۱۲۵	ہیکلائی ہکٹواندریو کی	۵۸
			۱۲۸	ہومیروس کی دماغی قوت	۵۹
			۱۲۹	قصہ اڈیسی ..	۶۰

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۶۴	ہارس شاعر رومی	۹۰	۱۳۹	پسیٹورل شاعری	۷۲
۱۶۶	خطاب بہ پیرا	۹۱	"	ڈرامائی شاعری	۷۳
۱۷۰	لوکن شاعر رومی	۹۲	"	مدح و قدح	۷۴
"	جوئیل شاعر رومی	۹۳	۱۴۰	مرثیہ نگاری	۷۵
"	مضامین ہجو	۹۴	۱۴۲	ہنسیر پید شاعر لیونانی	۷۶
۱۷۳	یورپ کے عہد جالت	۹۵	۱۴۴	سیفیونانی شاعر	۷۷
	کا بیان اور اس عہد کی		۱۴۵	پنڈار	۷۸
	شاعری		۱۴۷	اسکائلس	۷۹
۱۷۴	ڈینیٹ شاعر سیزوہ	۹۶	"	سفا کلینز	۸۰
	صدی مسیحی		۱۵۰	یورپیاڈیز	۸۱
۱۷۷	اہل عرب کی شاعری	۹۷	"	ارسطو نینز	۸۲
"	ملک عرب اور	۹۸	۱۵۱	لاطینی شاعری	۸۳
	اس کے صوبے		"	بیان ملک ایطالیہ	۸۴
۱۷۸	کیفیت ملک عرب	۹۹	۱۵۲	بیان اہل روم	۸۵
۱۸۰	اہل عرب کا بیان	۱۰۰	۱۵۷	لکریٹس	۸۶
۱۸۳	عرب کی شاعری قبل	۱۰۱	"	کیٹلس	۸۷
	و بعد پشت معلوم		۱۵۸	مرثیہ	۸۸
۱۹۳	عربی شاعری کے نمونے	۱۰۲	۱۶۰	وہیل شاعر رومی	۸۹

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۳۹۶	تجدید از مجالست جاہلان و تنقیح از موانست غانزلان	۱۱۴	۱۹۴	قصیدہ اولی از امری القیس	۱۰۳
			۲۳۱	داستان گھوڑے کی تصریفات میں	۱۰۴
۳۹۷	شکایت از روزگار غدار و حکایت دوستان بے اعتبار	۱۱۵	۲۸۵	انتخابات از حماسہ	۱۰۵
			۲۹۹	قصیدہ در مدح ابوعلی بارون بن عبدالعزیز	۱۰۶
۴۰۱	دعا و مناجات باقاضی الحاجات	۱۱۶	۳۲۲	الماوراجی از کاتب علی بن ابی طالب	۱۰۷
۴۰۲	بیان آنکہ بنا بر کارم و بر مال است نہ بر عقل کامل و طبع راست	۱۱۷	۳۲۳	جنگ بدر	۱۰۸
			۳۲۶	جنگ احد	۱۰۹
			۳۵۲	جنگ خندق	۱۱۰
"	مدح علم و ادب و حکم عقل و حسب	۱۱۸	۳۵۴	جنگ خیبر	۱۱۱
"	ارشاد و آداب ملاح بہ اسباب ملاح	۱۱۹	۳۸۵	جنگ حنین	۱۱۲
۴۰۸	قصیدہ فرزدق	۱۲۰	۳۹۴	منتجات از دیوان امیر المومنین علی علیہ السلام	۱۱۳
۴۰۹	نمونہ کلام زبیر قطرہ تار مہتاب کاشف الحقائق	۱۲۱		نقی نسبت طینی و مدح علم دینی	
		۱۲۲			

تق

م

کی

نار

ک

ی

ن

قا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صَلِّ عَلٰی اٰحْسَنِ وَاٰلِ كَرِیْمٍ

مقدم بعد ذکر اللہ ذکر ہم فی کلّ بدء و مختوم بدء الکلم

اما بعد راقم الحروف بندہ سید امجد ادا امام متخلص بہ اثر خدمت
حضرات بامصدق و صغایں عرض پرواز ہے کہ یہ پیمانہ ابتدا سے سن شعور میں بھی شانہ
کی طیف میلان طبعی رکھتا تھا ہر چند اسے شاعری کی قوت نہ تب حاصل تھی اور
ناب ہے تو بھی شاعری کی پرت تاثیر کا اس وقت بھی ویسا ہی مقترف تھا۔ جیسا
کہ اس وقت ہے۔ اسی میلان طبعی کے تقاضے سے یہ فقیر عہد طالب العلمی
میں شعر سے یورپ و ایشیا کی تصانیف کو استادوں سے بر غبت تمام پڑھا کرتا
تھا اور بعد منقضی ہونے اس عہد کے بھی حتی الامکان کتب بینی کے ذریعے سے اپنی

واقفیت شاعری کو بڑھا تا رہا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ کسی قدر شعرا سے یورپ و ایشیا کے طرز کلام اور انداز مذاق سے آشنا ہو گیا۔ یورپ کے اکثر شعرا کی تصنیف سے مطلع ہونے کی یہ صورت ہوئی کہ اس فقیر کو سالہا سال اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے کا مشغلہ رہا جس کے ذریعے سے علوم جدیدہ کے علاوہ یورپ کے بہت سے شعرا کے نام کی تصانیف کے درس لینے کا موقع ملا۔ اس سلسلہ وار تعلیم کے بعد کتب بینی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مختصر یہ ہے کہ اسی طور سے فقیر کو یورپ کی شاعری سے از وقت بہتر و سوا تا عہد سنین کم و بیش طور پر اطلاع کی شکل پیدا ہو گئی۔ اس انگریزی تعلیم کے ساتھ ایشیائی شعرا کی تصانیف سے بھی مطلع ہونے کے سامان میسر آئے اس کا یہ طور ہوا کہ جناب والد ماجد شمس العلماء سید وحید الدین خان بہادر اعلیٰ اللہ مقامہ فی الجندہ خوشحالی کے ساتھ علوم یورپ و ایشیا سے بہرہ وافر رکھتے تھے۔ حضرت غفران مآب نے حتی المقدور اس ناچیز کی تعلیم میں کوئی کوشش اٹھانہیں رکھی۔ خود بہت سی عربی و فارسی کی کتابیں پڑھائیں اور جب ہجوم کار سے عدیم القامت رہنے لگے تو باوقات مختلف چند معلم کیے بعد دیگرے مقرر فرماتے گئے جسے علاوہ معقولات و منقولات کی تحصیل کے فقیر کو اکثر شعرا سے عرب کی تصانیف کے درس لینے کا بھی موقع ملا۔ پھر کتب بینی اور صحبت علمائے با مذاق سے بھی منتفع ہوتا رہا۔ تعلیم عربی کے ساتھ فارسی کی بھی تعلیم ہوتی رہی اور اکثر شعرا سے محرم کے روادین وغیرہ نظر سے گزرے۔ عربی اور فارسی کی تحصیل کے زمانے میں بعض اردو کے شعرا کے بھی کلاموں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بغداد اہل اکثر و ادین اتھرا گزرے۔ رفتہ رفتہ اطلاع ہوتی گئی

عمد طالب علمی کے متفقہ ہونے کے بعد فقیر کو بذریعہ ترجمہ وغیرہ کے تعلیم
 شعرا کے ہند کی تصانیف کو دیکھنے کا اتفاق ہوا اور بعد ازاں اہل جاپان و برہما
 چین کے شعرا کے مذاق بھی دریافت میں آئے گئے۔ بالخصوص اس فقیر کو آج تک
 شاعری کی طرف میلان سابق باقی ہے۔ اب بھی جب اجاب بانذاق کی صحبت
 نصیب ہو جاتی ہے تو کچھ نہ کچھ شعر شاعری کا ذکر چہرہ ہا ہی جاتا ہے۔ وہم تحریر
 فقیر کی آنکھوں میں بہت سی ایسی صحبتیں پھر رہی ہیں جن میں یورپ اور ایشیا کے شعرا
 کا مذکورہ گفتوں رہا ہے۔ کبھی زبانِ زبانِ فرنگ کی صحبتوں میں ہومر، ورجیل،
 ہارس، شیکسپیر، بلڈن، بائیرن، شتلی، ٹینسن وغیرہ کے کلام پرلٹھے گئے ہیں۔
 کبھی حضراتِ علمائے بانذاق کے جلسوں میں حسانہ، سبجہ معلقہ دیوان زہیر
 وغیرہ سے اشعار خوانیاں ہوتی ہیں۔ اور کبھی مجالس اجاب باخبر و بانذاق میں فرود
 ظہیر، خاقانی، سنائی، انوری، مولوی، رومی، سعدی، حافظ، جامی، صائب،
 نائی، مرزا نوشہ، عمر خیام، ابن سینا وغیرہ کی لبا عیوں سے روح کو حظ وافر نصیب
 ہوا ہے۔ اور کبھی مجمع سخن سخاں میں میر تقی، میر درد، مرزا اسودا، میر حسن ذوق، مومن
 خان، خواجہ آتش، انور اب سید محمد خان، رند، مہیا، بھر، قلق، اسخر کے کلاموں نے
 جان کو تازگی بخشی ہے۔ یہ سب صحبتیں خواب ہی معلوم ہوتی ہیں۔ اکثر اجاب
 بانذاق جن کی صحبتیں ذریعہ لذت روحانی تھیں راہی ملک بنا ہو گئے۔ خدا ہی
 جانے کہ برسوں کا ساتھ چھوڑ کر کہاں گئے اور کیا ہوئے
 شگہہ ہے رفتگان مقام بید کا
 ایسے گئے کہ خط بھی نہ بھیسار سید کا

اسی قسم کی صحبتوں میں جب کبھی فقیر کو اپنے اُن خیالات کو جو فن شاعری
 سے متعلق ہیں بعض اجاب سے عرض کرنے کا اتفاق ہوا۔ تو اُن حضرات نے
 اُن کے مدون کرنے کی ہدایت فرمائی بہت روزوں تک تو دارا وہ ہی کرتا رہا
 اور حقیقت یہ ہے کہ کثرت مشاغل سے اس کام کے انجام کی فرصت بھی
 نہیں ملی۔ حتیٰ کہ آخر کار جناب برادر معظم و محترم حکیم اسید محمد لقمان حیدر
 صاحب دام مجرہ نے اُن خیالات کی تدوین پر اصرار بلیغ فرمایا ناچار بجا آوری
 ارشاد میں گوشاں ہوا جس کا نتیجہ یہ رسالہ عجاہ ہے۔ حضرات ناظرین بالکلین اس قلم
 فرسائی سے یہ زہنا خیال نہ فرمائیں کہ فقیر اپنے کو شاعری کا محقق سمجھتا ہے۔ شاعر کا
 کا محقق وہی ہو سکتا ہے جو استعداد کافی اور قابلیت وافی کے ساتھ اپنی تمام عمر
 عزیز کو تحقیق و تدقیق فن شاعری میں بسر کر ڈالے فقیر کو تو باطمینان اس فن کے ساتھ
 ہشتم حصہ زندگی کافی کے صرف کرنے کا بھی موقع نہیں ملا ہے۔ پس دعویٰ تحقیق و
 تدقیق سے اس فن کو یہ فقیر کو کیا غلاقتہ۔ ایسی حالت میں حضرات ناظرین کا ملین سے
 ایسا ہے کہ صفت ستاری کے تقاضے سے فقیر کی عیوب پر شی فرمائیں گے اور
 اس کی خطاؤں سے بغوائے اذام و ابا للغو مر واکر اما در گزر
 فرمائیں گے و العذر عند کرام الناس مقبول

غرض تصنیف ہذا

یہ رسالہ نہ سبیل تذکرہ لکھا جاتا ہے اور نہ علم عروض سے اس کو کسی طرح کا تعلق ہے اس رسالے کے ملاحظہ سے حضرات ناظرین پر روشن ہو گا کہ شاعری کیا شے ہے۔ اس کی کئی قسمیں ہیں ہر قسم کا کیا تقاضا ہے۔ فطری غیر فطری شاعری میں کیا فرق ہے۔ اور دونوں سے کیا نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ تصدیقہ، شہسوئی، غزل، رباعی، امراتی وغیرہ کا کیا انداز ہونا چاہیے یہ بھی اس رسالے کے ملاحظہ سے ہو گا کہ ہر نظم حکم شاعری کا نہیں رکھتی بلکہ شاعری کے لیے نظم کی پابندی کچھ ضرور نہیں۔ یعنی یہ سوجنی ممکن ہے کہ ایک کتاب منظوم ہو اور لطف شاعری سے بالکل معزتا ہو۔ اور دوسری ایسی ہو جو نثر ہو مگر مذاق شاعری سے تمام تر مملو ہو۔ فقیر جو شاعر کے اصول قائم کرتا گیا ہے ان سے حضرات حق مین کو شعرا کی وہی اور کسی قابلیتوں کے موازنے کا بھی موقع ملے گا۔ اور ان کی تصانیف کے حسن و فصیح آسانی کے ساتھ درک میں آئیں گے۔ مگر ضرور ہے کہ پہلے فقیر کے قائم کردہ اصول صحیح مان لیے جائیں ظاہر یہ اصول بعد استقرار و تصفیح بلوغ کے قائم ہوئے ہیں۔ اور زبان کی محض فطرت پر واقع ہوئی ہے اگر فقیر سے قوانین فطرت کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے یا استقرا و تصفیح میں خطا لاحق ہوئی ہے تو البتہ ایسی حالت میں وہ اصول قائم کردہ یعنی غلط ہوں گے۔ بہر حال حضرات اہل انصاف سے امید ہے کہ طرف داری حق میں کوتاہی ہوں گے اور اگر ان اصول کو قرین حق ملاحظہ فرمائیں گے تو ان سے جو

مسائل مستخرج ہوں گے ان کو بھی ویدہ حق میں سے معاینہ فرمائیں گے۔

شاعری کی تعریف آئندہ آتی ہے مگر یہاں چند امور جو شاعری سے متعلق

ہیں اندراج پاتے ہیں اور باب واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ شاعری کا احاطہ

اس قدر وسیع ہے کہ اس کے اندر مضامین اللہ و اسوائے اللہ سب کی گنجائش دیکھی

جاتی ہے۔ اسی سے شاعری کی عظمت اور بلند پایگی عیان و آشکارا ہے شاعری کو

ایسے ایسے مضامین سے جیسے توحید، عدل، ذات، صفات، وجود، عدم، قدم،

حدوث، کون، فساد، جبر، اختیار، تقدیر، تدبیر، بقا، فنا، جزا، سزا، حشر، فتنہ،

جہل، ملن، زمان، مکان، صورت، ہیولہ، جوہر، عرض، روح، جسم، ثواب، عذاب

دنیا، عقبی، محافظہ، خیال، وہم، عقل، ہوش، ایمان، خلوص، حیا، وفا، قہر، غضب

علم، صبر، رضا، شکر، ہمت، شجاعت، سخاوت، مروت، حسد، بغض، جبن،

جہل، حرص، طمع، ہوا، ہوس، حسرت، عیش، جہنم، رنج، ملال، رغبت، نفرت

رشک، غور، شمس، قمر، کواکب، ثوابت، سیار، قوس قزح، بردج، قطب

ہوا، برقی، باران، جبال، بحور، سبزہ زار، دشت، ہامون، صحرا، وحش، طیور

حجر، شجر وغیرہ وغیرہ ہیں۔ کافی طور پر مطلع رہنا چاہیے۔ پس جب اس طرح کے

مختلف انداز کے مضامین احاطہ شاعری میں داخل ہیں تو ضرور ہے کہ ایسے مضامین

کی تقسیم کوئی علمی طور پر عمل میں لائی جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اگر کسی شاعر نے

کسی مضمون کو باندھا ہے تو وہ از روی تقسیم کے کس قسمت میں داخل ہوتا ہے۔

اور جب مختلف اقسام کی شاعری کا مختلف تقاضا ہے تو اسی قسم کی رو سے

یہ امر بھی دریافت میں آسکے گا کہ آیا وہ مضمون اس قسم شاعری کے تقاضے کے

مطابق اپنے عمل پر بندھا ہے یا نہیں۔ اس تقسیم کے سمجھنے کے لیے ضرور ہے
 کہ ماسوائے اللہ تعالیٰ مخلوقات خداوندی پر ہم لوگ غور کریں اور دیکھیں کہ ماسوائے
 اللہ کی خلقت کس نوع پر واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ جب ہم فلسفی کی آنکھ سے ماسوائے
 اللہ کو دیکھتے ہیں تو مخلوقات خداوندی کو دو نوع پر واقع پاتے ہیں۔ ایک نوع میں صفت
 ابعاد و ثلثہ یعنی طول، عرض، عمق کو داخل پاتے ہیں مابعد و سری قسم میں اس صفت
 کو بالکل مفقود دیکھتے ہیں۔ اول عبارت عالم مادی سے ہے جس سے صفت
 ابعاد و ثلثہ کی کسی حال میں منفک نہیں ہو سکتی۔ دوم سے مراد عالم غیر مادی ہے جسے
 اس صفت سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ مثلاً جب ہم کسی شے فی الخارج جیسے
 انگور کی طرف اشارہ کریں تو انگور کو کسی حال میں ابعاد و ثلثہ سے خالی نہیں پائیں گے
 برخلاف اس کے اگر ہم حکم و قہر و محبت و عبادت وغیرہ کا جو واردات
 قلبیہ میں ذکر کریں تو ان کو ہر حال میں ابعاد و ثلثہ سے بری پائیں گے۔ مختصر یہ ہے
 کہ مخلوقات خداوندی پر لحاظ کرنے سے عالم مادی اور غیر مادی کا فرق دریافت
 میں آجاتا ہے اور اس فرق کو سمجھنے سے ان مضامین کا فرق بھی جو ان سے متعلق ہیں۔
 آسانی کے ساتھ ذہن میں در آتا ہے اس تقسیم کے مطلع رہنے سے ہر شخص فوراً سمجھ
 سکتا ہے کہ کس شاعر نے اپنے کلام میں کس قسم کے مضامین کو دخل دیا ہے یعنی
 آیا اس نے امور عالم خارج کو یا امور فی الذہن کو حوالہ دیا ہے اس اطلاع سے
 شاعر کے کلام کی حقیقت آسانی کے ساتھ منکشف ہو جا سکتی ہے صاف معلوم
 ہو جائے گا کہ اس کا کلام موقع اور محل سے درست ہے یا نہیں۔ یعنی جس قسم کی
 شاعری اس شاعر نے اختیار کی ہے اس کا کلام اس شاعری تقاضے کے مطابق ہے

یائیں۔ باب اطلاع سے پرشیدہ نہیں ہے کہ بعض شاعری کا یہ تقاضا ہے۔ کہ
 اس میں معاملات خارجیہ کو داخل ہونا چاہیے اور بعض شاعری متقاضی اس کی ہے۔ کہ
 اس میں امور ذہنیہ جگہ پائیں۔ اور بعض میں دونوں کی آمیزش درکار ہوتی ہے۔ پس تقسیم
 مضامین کے وقت رہنے سے ہر شخص شاعر کی مناسبت و موزونی طبیعت کا اندازہ
 آسانی کے ساتھ کر سکتا ہے۔ یعنی مجوز آسانی کے ساتھ تجویز کر لے سکتا ہے کہ آیا
 وہ شاعر معاملات خارجیہ کے بیان کی قدرت زیادہ رکھتا ہے یا امور ذہنیہ کے
 بیان پر زیادہ قادر ہے یا دونوں کے بیان کی اسے یکساں قدرت حاصل ہے
 اُتبدہ معلوم ہوتا جائے گا کہ بعض شعرا ایسے ہیں کہ معاملات خارجیہ کے بیان کی زیادہ
 صلاحیت رکھتے ہیں اور بعض نے اس کے برعکس طبیعت پائی ہے۔ اس اختلاف
 صلاحیت کو تیز کرنے سے اُن کی شاعری کا رنگ بخوبی سمجھ میں آجائے گا اور یہ
 بات بھی باسانی ذہن میں در آئے گی کہ اُن کا رنگ بہ تقاضائے موقع و محفل
 حسب مراد ہے یا نہیں۔ تقسیم بالا کو ملحوظ رکھنے سے جب شعرا کی صلاحیتوں کا
 اندازہ معلوم ہوتا جائے گا۔ تو بین طرد پر یہ بات بھی تحقیق کر پہنچے گی کہ بہت کم
 ایسے شاعر گورسے ہیں کہ معاملات خارجیہ اور امور ذہنیہ دونوں کے بیان پر یکساں
 قدرت رکھتے تھے۔ لیکن جن کو ایسی صلاحیت مودع تھی وہ لاریب شاعر کامل الیاً
 اور نادر روزگار تھے۔ علاوہ امور بالا کے اس کتاب کے مصلیہ سے اُن حضرات کو
 جنہیں وسعت اطلاع کی حاجت ہے۔ مختلف مسائل علمیہ کی دانستگی کی شکل
 پیدا ہوگی۔ راہ اضع ہو کہ اس کتاب میں جن ملکوں کی شاعری کا ذکر آیا ہے۔ وہاں
 کے حالات بھی جو وہاں کے جغرافیہ، تاریخ، تمدن، اخلاق، مذہب و معاشرت

و غیرہ سے متعلق ہیں حوالہ قلم کیے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ ان باتوں کے نہیں جاننے سے کوئی شخص کسی ملک خاص کی شاعری کے حسن و قبح کو بخوبی نہیں سمجھ سکتا ہے۔ لاریب تعاضلے ملک و قوم سے ناواقف رہ کر کوئی شخص کسی ملک کی شاعری سے حظ کامل اٹھانہیں سکتا۔ بلاشبہ افتاد ملک و قوم کو شاعری میں بڑا دخل ہے۔ اس واسطے راقم نے جن ملکوں کی شاعریوں کا ذکر اس کتاب میں کیا ہے وہاں کی ملکی اور قومی حالتوں کے بیان کو بھی بقدر ضرورت بسبیل التزام ملحوظ رکھا ہے تاکہ مختلف اقوام کے شاعرانہ مذاق اور ان کے اسباب ہویدا ہو جائیں۔

تعریف شاعری و مجاہدت شاعری بمصطفیٰ و مصومی

واضح ہو کہ شاعری حسب خیال راقم رضائے الہی کی ایسی نقل صحیح ہے جو الفاظ بامعنی کے ذریعے سے ظہور میں آتی ہے۔ رضائے الہی سے مراد فطرت اللہ ہے اور فطرت اللہ سے مراد وہ قوانین قدرت ہیں جنہوں نے حسب مرضی الہی نفاذ پایا ہے۔ اور بن کے مطابق عالم درونی و برونی نشرو ناپاتے کئے ہیں۔ پس جاتا چاہیے کہ اسی عالم درونی و برونی کی نقل صحیح جو الفاظ بامعنی کے ذریعے سے عمل میں آتی ہے شاعری ہے۔ جب شاعری کا ایسا تقاضا ہے تو ضرور ہے کہ جو شاعر ہودہ رضائے الہی کی نقل پوری صورت کے ساتھ الفاظ بامعنی کے ذریعے سے اتار دے ورنہ اس کی شاعری فطرت اللہ کے مطابق نہ ہوگی جو شاعری کے لیے ایک بہت بڑا عیب ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ و وضاحت کے ساتھ شاعری کی بحث آئندہ حوالہ قلم ہوگی۔ مگر

قبل اس کے مناسب ہے کہ کچھ حالات ان دونوں کے بھی اندراج پائیں جو شاعری سے
مجاہزت رکھتے ہیں اور جو حقیقت شاعری کی قسمیں ہیں ساؤل ان سے علم موسیقی ہے
جو رضائے الہی کی نقل صحیح بذریعہ اصوات موزون کے ہے دوم مصوری ہے۔ جو
رضائے الہی کی نقل صحیح بذریعہ نقوش اور قلم کاریوں کے ہے۔ الغرض شاعری و موسیقی
و مصوری یہ تینوں شریف اور نفیس فن رضائے الہی کی نقل صحیح ہیں اور دار و مدار ان تینوں فنون کا
بتعیق فطرت اللہ پر ہے پس جو شخص تو انین فطرت کی خوبیوں اور باریکیوں کو دوک نہیں کر
سکتا ہے اور مشاہدات عالم درونی و بیرونی کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے اور ہند مشاہدات
صحیح کے رضائے الہی کی نقل صحیح الفاظ یا معنی یا اصوات موزون یا نقوش و قلم کاریوں کے
وسائل سے نہیں کر سکتا ہے تو ایسا شخص نہ شاعر نہ ماہر موسیقی نہ مصور کہلا سکتا ہے۔

موسیقی

موزونی و راقم کو اس رسالے میں پورے طور پر اس فن کو جو القلم کرنے کا موقع نہیں
ناموزونی ہے۔ لیکن جس قدر امور متعلق موسیقی ہیں اور جو اس رسالے کے مباحث
اصوات سے تعلق رکھتے ہیں سبیل اختصار عرض کرتا ہے۔ جاننا چاہیے۔ کہ
خدا تعالیٰ نے اپنے کمال حکمت سے اصوات کو کیفیتیں موزونی اور غیر موزونی کی بخشی
ہیں اور انسان بلکہ بعض حیوانات کی قوت سمع کو بھی اس موزونی اور غیر موزونی کی قوت
تیز علی قدر مراتب عطا فرمائی ہے۔ پھر یہ قوت تیز مختلف بنی آدم میں مختلف
درجے کی پائی جاتی ہے۔ اصوات کی موزونی اور غیر موزونی کی بوری تیز بہت کم اشخاص کو

وہب ہوتی ہے۔ بہر حال جس قدر انسان میں یہ قوت زیادہ حاصل رہتی ہے اسی حساب سے اُس میں مذاق موسیقی بھی موجود رہتا ہے۔ جیسا کہ بحث بالا سے ظاہر ہوا ہوگا۔ موسیقی بھی ایک قسم شاعری کی ہے یہ شاعری ان قوانین فطرت کی تبعیت ہے جن پر موزونی اصوات کا مدار ہے جو شخص اصواتی قانون فطرت سے واقف ہے اور اس سے بھی باخبر ہے کہ کیا کیا کوائف مطلوب اس کے ذریعے سے پیدا ہو سکتی ہیں وہ علم موسیقی کا عالم کہا جا سکتا ہے۔ پھر وہ شخص جو اصواتی قانون فطرت سے مطلع ہو کر اور اصوات کی کوائف سے باخبر ہو کر اصوات موزون کو طرح طرح پر طبعی کے ساتھ برت سکتا ہے اور اجتادات کی قوت بھی رکھتا ہے تو ایسا ماہر موسیقی و تحقیقت شاعر موسیقی ہے۔ موسیقی علم الاصوات کا ایک جزو ہے مگر اس فن سے وہی اصوات متعلق ہیں جو قوانین فطرت کے مطابق موزونیت کا حکم رکھتی ہیں اور بھی جو قانون فطرت کے رُو سے سامع باخبر کے امور اندرونی اور واردات قلبیہ اور قوائے داخلیہ پر ایک خاص حسب مراد اثر پہنچا سکتی ہیں۔

موسیقی کا کیونکر
 اثر انسان پر پیدا ہوتا ہے۔
 موسیقی کا کیونکر اور کیا اثر انسان اور بھی بعض حیوانات پر پیدا ہوتا ہے ایک بیان وسیع کا طالب ہے جس کی گنجائش پورے طور پر اس رسالے میں نہیں ہے لیکن سبب اختصاً یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ انسان میں چند قوتیں ایسی مودعہ ہیں۔ جو انسان کے وسائل مسرت و غم ہوا کرتی ہیں اور ان قوتوں پر امور خارجیہ کا اثر پیدا ہوا کرتا ہے۔ منجملہ امور خارجیہ کے اصوات بھی ہیں۔ اگر اصوات قانون فطرت کی مطابقت کے ساتھ موزونیت سے خالی نہیں ہوتی ہیں تو جو کچھ ان اصوات کا تقاضا ہوتا ہے۔ اُس کے مطابق

ان تو اسے اندرونی پر اثر پیدا ہوتا ہے اور اسی درجہ اثر کے اعتبار سے انسان کیفیت
 سرور و غم کو حاصل کرتا ہے اسی پر ان حیوانات کو بھی جو کون دس ہوتے ہیں قیاس کرنا
 چاہیے جامع میں سرور و غم کی کیفیت پیدا کرنے کے واسطے اصوات کے فطرتی
 تقاضوں سے واقفیت رکھنا ضروری ہے کوئی آواز از روئے فطرت سرور پیدا
 کرنے کی اور کوئی غم پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے عالم موسیقی کو آوازوں کے
 برتنے کے وقت ان کی کیفیتوں پر لحاظ رکھنا واجبات سے ہے ورنہ نتائج حسب
 مراد پیدا نہ ہوں گے۔ مثلاً اگر کوئی گویا کسی خوشی کی تقریب میں شانہ کے عوض بروے
 کے سروں میں کسی گیت کو گانا اختیار کرے تو سرور کے عوض سامعین کے دلوں میں
 غم کے انداز پیدا ہوں گے اور اسی طرح جہاں بردا کے گانے کا موقع ہو وہاں
 شانہ گانے لگے تو سامعین حسب مراد تکلیف نہ ہوں گے یہ عالم موسیقی کا فرض منصبی
 ہے کہ علاوہ اصوات و غم و سرور کے ہر کیفیت کی آواز سے الماع رکھے اور ان کے
 برتنے پر پورے طور سے قادر ہو۔ ورنہ لطف موسیقی کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ میرے
 ایک دوست سیر عالی نسب والا حسب نے جو فن موسیقی میں کمال رکھتے تھے بلکہ
 اس فن کے امام تھے۔ آواز پر ایسی قدرت بہم پہنچانی تھی کہ آواز سے سرور، غم،
 رنج، راحت، محبت، عداوت، دلیری، بڑولی، وفاداری، بے وفائی، امید،
 بیم، عشرت، حسرت، رحم، قہر، رشتی، نرمی وغیرہ وغیرہ کی کیفیتیں سامعین کے
 دلوں پر پیدا کر دیتے تھے۔ پس جس طرح شاعر الفاظ با معنی سے اور صورت و نقش
 اور قلم کاریوں سے جو کام لیتا ہے میرے دوست سرور و مغفوراں اصوات کے ذریعے
 سے کام لیتے تھے اور اپنے زور کمال سے موسیقی کو شاعری اور مصوری کے ہم درجہ

کر کے دکھا دیتے تھے۔ واضح ہو کہ یہ امر بعید از عقل نہیں۔ جب کہ وہ حقیقت موسیقی
 ایک قسم شاعری اور مصواری کی ہے اور جب صرف فرق اس قدر ہے کہ موسیقی رفاغی
 کی نقل صیح بذریعہ اصوات موزون کے ہے اور شاعری و مصواری ویسی ہی نقلیں بذریعہ
 الفاظ بامضیٰ اور نقوش اور قلم کاریوں کے ہیں۔ اب رہا کہ کیا اثر موسیقی کا انسان اور بعض
 حیوانات پر پیدا ہوتا ہے اس کا بھی کسی قدر بیان ضروری ہے یہ حکیم باندان کا کام ہے
 کہ شرح و بسط کے ساتھ ان اثروں کو بیان کرے جنہیں موسیقی انسان میں پیدا کر دے
 سکتی ہے۔ راقم کو اتنی اطلاع حاصل نہیں کہ حکیمانہ طور پر موسیقی کی تاثیر کی کیفیتوں کو
 حوالہ قلم کرے البتہ حسی طور پر موسیقی کا جو اثر مزاج انسان پر پیدا ہوتے دکھایا
 جاتا ہے۔ اُسے کسی قدر عرض کر سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ سنگ ولی اس سے دور
 ہوتی ہے۔ مزاج میں رحیمی آتی ہے

موسیقی کا کیا صبر و رضا کی صفیت پیدا ہوتی ہیں۔ خیال ایذا رسانی اور
اثر پیدا ہوتا ہے حق تلفی کا دور ہوتا ہے اپنی بے حقیقتی، بے چارگی،
 بے مائیگی ہو پیدا ہو جاتی ہے میلان شر و فساد جاتا رہتا ہے۔ انکسار، تحمل، فروتنی،
 عجز، مروت، حق پسندی، وفاداری، بے غرضی، بیخوشی، شجاعت، مردانگی، محبت،
 درمندی، خلوص اور بھی دیگر صفات حمیدہ دل میں جگہ کرتے ہیں۔ خشونت، رعونت،
 عداوت، خود تنائی، خود غرضی، تکبر، تشنج وغیرہ وغیرہ جو زہل کیفیات بشریہ ہیں
 ان کی اصلاح مزیز طور سے نمودیں آتی ہے۔ لیکن وہ شے جسے عوام موسیقی کہتے
 ہیں اور جس سے نفس حرام کاری، فسق و فجور ریندی، ادب اشی وغیرہ کی طرف مائل ہو
 جاتا ہے وہ زہار موسیقی نہیں ہے۔ وہ حقیقت غنا ہے اور یہ وہی شے ہے

کہ جسے اہل تقویٰ اشد من الزما سمجھتے ہیں بجنسہ یہی حالت شاعری کی بھی ہے کہ
 موسیقی اور جو شے درحقیقت حکم شاعری کا رکھتی ہے وہ بجا سے
 غنا کا فرق خود عبادت ہے جیسے ذمائد حمد و نعت و محامد اہلبیت

و ائمہ معصومین علیہ الصلوٰۃ والسلام یا وسیلہ تہذیب نفسی و تزکیہ روحی ہے مگر وہ شے
 جسے عوام شاعری کہتے ہیں اور جس کا تقاضا یہ ہے کہ قوائے شہوانیہ کو حرکت میں لائے
 نفس کو بدی کی طرف مائل کرے اور انسان کو از تکاب بمعصیت پر آمادگی دلائے وہ
 زہار شاعری نہیں ہے۔ ایسی شاعری وہی ہے جسے شیطان نجیث مزاجوں کے
 دلوں میں القا کرتا ہے اور جس کی مثال شعرائے ایام جاہلیت میں بہت دیکھی جاتی
 ہے۔ علیہم السلام علیہم

موسیقی کے لیے واضح ہو کہ کبھی موسیقی جو ایک قسم شاعری کی ہے نہایت
 و فور قابلیت کی پرتاثر شے ہے اور بغیر پرمادیگی کے اس میں انسان دستگاہ
 حاجت نہیں پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے حصول کمال کے لیے

نہایت اعلیٰ درجے کی استعداد و درکار ہے یہی حال شعر گوئی کا بھی ہے کہ بغیر پرمادیگی
 اور و فور استعداد کے کوئی شخص شاعر نہیں ہو سکتا ہے۔ موسیقی کا اثر تب ہی حسب
 مراد پیدا ہوتا ہے جب انسان فطرتی قوانین اصوات سے بہرہ وافر رکھتا ہے۔

قوانین اصوات سے اطلاع کافی رکھنے کے لیے بہت سے علموں میں ماہر ہونا درکار
 موسیقی حق یہ ہے کہ بے عالم ریاضی اور حکیم و نادول ہونے کوئی شخص ماہر
 اور علم الاصوات نہیں ہو سکتا۔ المختصر موسیقی کا مدار بڑی قابلیت علمی پر ہے

ریاضی اور یہی سبب ہے کہ فن موسیقی کسی انسان کی بربادی کا سبب نہیں۔

ہوتا ہے بخلات غنا کے کہ جس کے ذریعے سے سیکڑوں امیرزادے بد حال بد وقت
 امیرزادوں کا پریشان روزگار افلاس زوہ مبتلائے کمبخت ہو جاتے ہیں۔ یہ
 مذاق غنا امیرزادے نماز پروردہ اتنی معیبت کب گوارا کر سکتے ہیں۔ کہ
 تحصیل صرف و نحو و ادب و معقولات و ریاضی کے بعد علم الاصوات کی طرف توجہ
 فرمائیں اور اس علم کے دشوار مسائل کو ذہن نشین کرنے میں دل و دماغ کو ایذا میں پہنچائیں
 راقم کو آج تک اپنے وطن کے کسی ایسے امیرزادہ صاحب سے شرف نیاز کے
 حصول کی صورت نہ سبوتی جو اتنا بھی واقف ہوتے کہ صوت کیا شے ہے موج سوا کما
 کیا طور ہوتا ہے کس طرح ہوائے مہموج صماخ گوش میں داخل ہو کر طبل گوش پر ضرب لگاؤ
 ہے اندرونی گوش کی ساخت کس وضع پر واقع ہوئی ہے۔ جس سمع کا فعل کس طرح ہوتا
 ہے اصوات بسیدہ کیا ہیں اور ان بسائط سے مرکبات کیونکر شکل پکڑتے ہیں۔ علم موسیقی
 کی کتابیں پروردہ بین زبانوں کے علاوہ عربی میں بھی ہیں۔ شیخ الرئیس کی تصنیف علم الاصوات
 اور فن موسیقی میں موجود ہیں۔ شفا کی جلد رابع اسی علم میں ہے مگر حضرات عیش مزاج
 عیش طلب کو ان سرزنشوں سے کیا علاقہ۔ ان بے چاروں نے موسیقی اسی لایعنی
 شے کو سمجھ لیا ہے کہ بی قلان بی فلان بڑا کرتی ہیں اگر کاش ان امیرزادوں میں موسیقی
 کا سچا مذاق موجود رہتا تو زنان بازار کی غنا پروازیوں پر جان و مال نثار نہ کرتے اور
 خسران و نیا و عاقبت کے مصداق نہ بنتے۔ صحیح مذاق موسیقی کا دکھ کر کب کوئی بد
 اوقاتی اختیار کر سکتا ہے مگر اس صحیح مذاق کے پیدا کرنے کے لیے بڑی کدو کاوش
 و کار ہے اور یہ ناعاقبت اندیش حضرات سے ظہور میں آنا معلوم۔ پس برتقا ضائع
 بے ہنری لہو و لعب میں عمر ضائع کر ڈالتے ہیں اور اکثر بے زری بد حالی بد وضعی

میں مبتلا ہو کر انواع طرح کی تکالیف جسمانی و روحانی اٹھاتے رہتے ہیں اللہ سر
 احفظنا من ذلک۔ اگر ایسے حضرات موسیقی کا صحیح مذاق پیدا کیے ہوتے تو
 لاریب یہ روز سیاہ ان کو دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ کس واسطے کہ موسیقی کے مذاق صحیح کا
 یہی تقاضا ہے کہ ارباب غنا اور ارباب لہو و لعب سے منفرد پیدا کرے۔ اہل وقتیت
 سے پوشیدہ نہیں ہے کہ موسیقی کا مذاق صحیح قوانین فطرت پر مبنی ہے۔ فطرتی قوانین
 کی دانست یا پروردی سے انسان تباہ و خراب نہیں ہو سکتا ہے۔ میرے دوست
 مرحوم جن کا ذکر سابق میں آچکا ہے اکثر مجھ سے فرماتے تھے کہ موسیقی اور غنا دو شے
 ہیں اور موسیقی زینار محتاج غنا نہیں ہے۔ موسیقی کی لطافت تک غنا کی رسائی
 ناممکن ہے۔ ایک بار موسیقی اور غنا کے فرق ثابت کرنے کا جناب میر صاحب
 کو ایک خوبصورت موقع ملا۔ اتفاق وقت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایران کے
 ایک حضرت مجتہد صاحب مجلس سوز خوانی کی شرکت سے اس بنیاد پر انکار فرماتے
 ہیں کہ ہندیوں کی مجلس سوز خوانی غنا کا حکم رکھتی ہے۔ اس پر مرحوم نے وعادہ فرمایا
 کہ مجلس سوز خوانی اس انداز پر انجام پائے گی کہ غنا کا کچھ لگاؤ نہ ہوگا چنانچہ ایسا ہی
 ہوا کہ جناب مجتہد صاحب کو عند التجربہ اقرار کرنا پڑا کہ ایسی سوز خوانی زینار غنا کا
 حکم نہیں رکھتی ہے بعد ازاں ارباب تمیز سے یہ بات دریافت میں آئی کہ میر صاحب
 نے غنا سے علیحدہ رہنے کے لیے موسیقی کی دشوار راہیں اختیار کی تھیں اور تمام تر
 ننگری اور تان وغیرہ سے احتیاط فرماتے گئے تھے۔

موسیقی قانون فطرت پر مبنی ہے۔
 فقیر نے بھی چند بار اس ماہر علم موسیقی کو اسی طوع
 پر سوز خوانی کرتے دیکھا تھا۔ واقعی مرحوم کی

سوز خوانی غنا سے الگ ہو کر ایک عجیب پاکیزگی پیدا کرتی تھی کہ جس کے سننے سے خدا یاد آجاتا تھا اور تمام نامشروع نغمے قابل تنفر معلوم ہوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ بے کمال موسیقی کے کوئی شخص ایسا اثر دل سامعین پر پیدا نہیں کر سکتا ہے جو میر صاحب کرتے تھے وہ اعلیٰ درجے کے علم الاصوات کے اصول سے متعلق تھے اور تمام تر قوانین فطرت کے ساتھ تطابق رکھتے تھے اسی باعث سے سامعین پر ایک اثر خاص پیدا ہوتا تھا۔ جناب مرحوم یہ فرماتے تھے کہ اگر موسیقی کا علم قوانین فطرت پر مبنی نہ ہوتا تو روح انسانی کو اس سے زہار خطر نہیں ملتا اور واقعی امر یہ ہے کہ موسیقی کو لذت عذیبستی سے کوئی تعلق نہیں ہے برخلاف غنا کہ سراپا لذت حسی سے متعلق ہے اور ہرگز نشایانِ روح پاکبازان نہیں ہے ارباب الملاح سے پوشیدہ نہیں ہے کہ عموماً جو گانا گوئیے وغیرہ گمایا کرتے ہیں وہ علم موسیقی کے احاطے سے گذر کر غنا کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ فن موسیقی زہار محتاج ان ترکیبوں کا نہیں ہے۔ جس کے خوگر خواص مغنی دیکھے جاتے ہیں۔ مثلاً ماہران موسیقی گنگری اور جبرٹے کی تان وغیرہ کو داخل فن موسیقی نہیں جانتے اور بالکل ایسی چیزوں سے احتیاط کرتے ہیں چونکہ موسیقی رضائے الہی کی نقل صحیح ہے۔ ماہر موسیقی کو فطرت اللہ کی تبعیت کرنا واجبات سے ہے فطرت اللہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ فطرتی اصول موسیقی کیا ہیں۔ مرغان نواسخ میں خلقی خوبیاں موسیقی کی مودعہ ہیں۔ فطرت کے گوئیے بھی طیور نغمہ سرا ہیں آدمی نواسخ پیدا نہیں ہوا ہے۔ مگر نواسخ کی کسب کی صلاحیت رکھتا ہے۔ پس ان فطرتی گوئیوں کی تبعیت سے بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے اور جہان سے حاصل کرے گا اسی کو لب لباب موسیقی سمجھنا چاہیے اور

چونکہ یہ حاصل کردہ انسان کا تمام تر مطابق قانون فطرت کے ہو گا تو ضرور ہے کہ جو
مطابق قانون فطرت ہو وہ سبب انشراح روح بھی ہو۔

طیور نوا سنج اسی غرض سے میر صاحب مرحوم بہت سے طیور خوش نوا
فطرتی ماہر از قسام شاما، پدا، بو کو تھا، کوئل، چلیا، بلبل وغیرہ اپنے
موسیقی ہیں پاس رکھتے تھے اور ان کی نوا سنجیوں کو عالم موسیقی کے کانوں
سے سنا کرتے تھے۔ میرے بہشت نصیب دوست تو بڑے ماہر موسیقی تھے۔
اور خدا جانے کیا کیا نکات موسیقی کے نغمہ ہائے طیور سے نکالتے تھے۔ لیکن کیا
کیسے ان کی مقطر طبی صحبت سے نفیر کو بھی فطرتی نغموں سے متلذذ ہونے کا مذاق
پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ آخر شب کو اکثر بیدار ہو کر مرغان سحر کی خوش آوازیوں سے ایک
خاص طرح کی لذت روحی اٹھاتا ہے۔ سوا ان مرغان سحر کے اور بھی نوا سنج
طیور ہیں جن کے نغمے سراپا مدہوشی ہیں۔ اس عاجز کی ایک دن کی سرگذشت یہ ہے
کہ حسب عادات ایک جنگل میں مصروف شکار تھا اتفاق وقت سے سا بردوں کی
تلاش میں ایک طرف کو جا نکلا۔ ایک اور بھی شکاری دوست ساتھ تھے۔ ادھر
ادھر نظر ڈال رہا تھا کہ اتنے میں کسی طائر نغمہ زن کی ایسی صدائے دلکش کانوں میں
پہنچی کہ دل ہاتھ سے جاتا رہا ہم تن گوش ہو گیا۔ رفل ہاتھ سے جدا ہو گئی۔ جب
تک وہ صدائے ہوش رُبا کانوں تک پہنچا کی دنیا و ما فیہا کی کچھ خبر نہیں رہی میرے
ساتھی دوست کی بھی وہی حالت ہوئی جو میری ہوئی۔ خدا جانے چند منٹ تک
ہم دونوں کس عالم میں رہے آج تک بھی جو اس فطرتی نغمے کے تلذذ و روحی کو
یاد کرتے ہیں تو طبیعت ہاتھ سے جانے لگتی ہے اسی طرح کو ہی جھاڑیوں میں

بہت سے چھوٹے چھوٹے طیور پائے جاتے ہیں جن کے نغمے نہایت دردناک ہوتے ہیں بہت مرتبان خرد و مقدار فطرتی مطربوں نے ایسے نغمے و لکش سنائے ہیں کہ اپنے نغفل صیدا نگینی میں کچھ نہ کچھ حلال لاسن ہوتے گئے ہیں۔

سوا انسان کے بعض حیوانات پر بھی موسیقی کا اثر مفیز طور سے پیدا ہوتا ہے۔ سانپ کو تلذذ خاص موسیقی سے حاصل ہوتا ہے خوش آئند آواز کا اثر اس موذی جانور پر بہت ہوتا ہے اور جب تک خوش آئند آواز سے مست رہتا ہے مائل ایذا وہی نہیں ہوتا کبھی یہ جانور شب کے وقت پازیب کی جھینکا سن کر پائیہ بھر سے درگزدتا ہے یہ کوئی مبالغہ نہیں ہے۔

بعض حیوانات پر بھی صوت خوش آئند سے موذی کا دل بھی بھرتا ہے موسیقی کا اثر پیدا ہوتا ہے اونٹوں پر صدی خوانی کا اثر جیسا ہوتا ہے رائیج اس کی شہادت دے سکتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے جو فرمایا ہے۔ کہ "اثر شریر شعرب در حالت مست و طرب" ایک امر واقعی ہے اسی طرح آہوان شتی بھی مست نغمہ ہو جاتے ہیں اور اثر نغمہ سے ان کی ساری وحشت بھی ہرن ہو جاتی ہے مصنف مثنوی سحر البیان یعنی میر حسن غیب لسان نے جو لکھا ہے کہ

جہاں بٹھے کر دو بجاتی تھی بین ! تو سننے کو آتے تھے آہوے چین

ہوا بندھ گئی اس گھڑی اس اصول بسیرا گئے جانور اپنا بھول

زناہر قانون فطرت کے خلاف نہیں ہے۔ سوا ان جانوروں کے مؤلف کی اطلاع ذاتی میں اور بھی جانور ہیں جن پر موسیقی کا اثر واضح طور پر ہوتا ہے۔ مثلاً خرگوش صحرائی وغیرہ اور حتیٰ کہ عکسبت کہ ستار اور بین کی آواز سے دیوار پر مضطربانہ

دوڑنے لگتا ہے اور کبھی مطربوں کے پاس مشتاقانہ پہنچ بھی جاتا ہے۔ نغمہ خوش آئند
 سے مرغان نواسخ کا مست ہو کر چکنا چرک شخص کو معلوم ہے محتاج بیان نہیں ہے۔
 کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوران سب اعلیٰ پر بھی موسیقی کا اثر نمایاں
 طور سے ظاہر ہوتا ہے چنانچہ محققین نے لکھا ہے کہ ایک ایسے ملک میں جہاں
 بھیرٹیوں کی کثرت رہا کرتی تھی اتفاقاً ایک بوڑھا گویا شب کے وقت کسی
 گائوں کی طرف بغرض شریک ہونے کسی جلسے کے چلا جاتا تھا رات زیادہ آگئی
 تھی اور راہ بسبب بھیرٹیوں کے محدود ہورہی تھی۔ نصف راہ جب طے کر چکا تھا
 کہ اُس نے بھیرٹیوں کی آواز سنی اور سمجھا کہ وہ سب اُس کی طرف آرہے ہیں خوف
 جان سے ہجاگ نکلا۔ مگر جب مفر کی صورت نظر نہ آئی۔ تب ایک شکستہ مکان کے
 چھپر چڑھ گیا اتنے میں بھیرٹیے آپہنچے اور وہ سب بھی اُس چھپر پر چڑھنے کی
 مستعدی ظاہر کرنے لگے۔ جب اُس گویے نے یہ دیکھا کہ اُن موزیوں سے وہاں
 بھی جان بچتی نظر نہیں آتی ہے۔ تب اُس نے فوراً بغل سے سازگی نکال کر بجانا
 شروع کی جتنے بھیرٹیے تھے اُس ساز کی خوش آئند صدا سن کر محو و سہو ہو گئے اور
 جو جہاں تھے وہیں رہ گئے امتحاناً جب گویا سازگی بجانا موقوف کرنا تو پھر اُن کی
 درنگی عود کر آتی اور وہ سب اُس کے پکڑنے کا قصد کرتے لیکن وہ فی الفور اُن کو
 جادوے نغمہ سے بے حس کر دیتا۔ اسی طرح دو گھنٹہ کامل گزر گئے اتنے میں کچھ
 لوگ اُس طرف کو آپہنچے اور بھیرٹیے اُن کو دیکھ کر فرار ہو گئے۔

موسیقی اور غنا پر ملتہ سب واضح ہو کہ اہل اسلام عموماً موسیقی کو حرام جانتے
 ہیں اور علمائے اہل اسلام کے فتاویٰ بھی اس کی

حرمت میں دیکھے جاتے ہیں راقم کو فتاویٰ سے یہ نہیں ثابت ہوا کہ حکم علمائے
اعلام کا موسیقی کی نسبت ہے یا غنا کی نسبت اگر غنا کی نسبت ہے تو بہت بجلا ہے
بدیں وجہ کہ غنا اکثر معاصی کا سبب ہوتا ہے۔ خاص کر ایسے لوگوں کو جو بڑا وقت
ناعاقبت اندیش اور نفس پرست ہوتے ہیں لیکن اگر موسیقی کی نسبت بھی وہی حکم ہے
تو اس کی حرمت کا کوئی سبب معقول بھی حضرات علمائے ضرور سمجھ لیا ہوگا۔ ورنہ
بے سمجھے بوجھے ایسے حکم شرعی کا جاری کرنا چہ معنی وارد۔ اب سوال یہ ہے کہ
وقت استفتا حضرات علمائے موسیقی اور غنا کا فرق سمجھایا گیا تھا یا نہیں۔ یا یہ کہ
حضرات علمائے موسیقی اور غنا کے مفہوم سے خبر رکھتے تھے یا نہیں۔ دونوں شکوں
میں اگر حضرت مفتی یا حضرت مجتہد کو موسیقی اور غنا کے فرق سے لاعلمی تھی تو عقلاً
کوئی حکم مفتی زمان یا مجتہد عصر کا جو ایسی لاعلمی کے ساتھ نفاذ پایا ہو دل میں جگہ
نہیں کر سکتا بہ تکلف اس حکم کی نسبت مرد عاقل آزار باللسان کر سکتا ہے۔ لگ
بالقلب ایسے حکم کی پابندی طاقت انسانی سے باہر معلوم ہوتی ہے۔ فقیر کو ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ حضرات علمائے جو حرمت موسیقی کا فتویٰ صادر فرمایا ہے زہار
موسیقی اور غنا کے فرق کو ملحوظ رکھ کر نہیں فرمایا ہے جیسا مفتی کا سوال فتاویٰ سیاہی
اس کا جواب ملا۔ ظاہر موسیقی کے حرام ہونے کی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے
اسلام ایسے عقلی مذہب میں علم موسیقی حرام سمجھا جائے محض تعجب ہی تعجب
ہے اسلام بالیقین معین و موید و محافظ علوم ہے ایک اتنا بڑا علم جس کا مدار
بہت سے علوم پر ہو ایسے سرسری طور سے بلاوجہ کافی حرام کر دیا جائے۔ اہل
عقل کی سمجھ سے بہت بعید ہے علم موسیقی ایک جزو علم الاصوات کا ہے۔

اور علم الاصوات کے اصول علم طبیعیات و علم ریاضی پر مبنی ہیں۔ عالم موسیقی ہونے کے لیے بہت بڑا شخص محض ہونا چاہیے۔ پس ایسے علم کو جس کے حصول کے لیے ایک بھاری تحصیل علمی کی حاجت ہو اسلام کا حرام کر دینا ناممکن تر عقل انسانی سے باہر ہے عقلاً اگر دیکھئے تو موسیقی کا حرام کر دیا جانا عجیب حیرت خیز مقدم ہوتا ہے۔ جن چیزوں کو اسلام نے حرام کیا ہے ان کی حرمت کی وجہیں نہایت کافی اور واقعی نظر آتی ہیں انہیں عقل کسے دیتی ہے کہ حرام ہونا چاہیے چنانچہ بعض غیر اہل اسلام جو اپنے کو بائبل عقل سمجھتے ہیں وہ بھی ان کی حرمت کو قابل پسندیدگی سمجھتے ہیں برخلاف حرمت موسیقی کے کہ جس کے واسطے کوئی وجہ کافی کسی پہلو سے نظر نہیں آتی ہے اور واقعی نہایت تعجب خیز امر یہ ہے کہ موسیقی ایسا علم ہے کہ جس پر علم کی تعریف پورے طور پر صادق آتی ہے اور جس کو سوا مرد و عاقل فلسفی یا حکیم کے اور کوئی شخص حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ بڑے شہ و مد کے ساتھ حرام سمجھا جائے ضرور ہے کہ ہمارے حضرات علما کو حقیقت موسیقی سے اطلاع نہیں ہوئی ہے ورنہ ایسی شدت کا حکم اس علم کی نسبت صادر نہ فرماتے۔ ظاہر مذہب اسلام ایسا مذہب نہیں ہے کہ اس کا پیرو نعمتائے الہی سے محروم کیا جائے اگر اسلام کی وسعت تمتع پر لحاظ کیجیے تو اس قدر وسیع ہے کہ اس سے اس کا دائرہ تب ہی وسیع تر ہو سکتا ہے کہ جب اشیائے ضارہ اس کے احاطہ تمتع میں ور آئیں مگر جہاں تک تمتع بلا ضرر کا احاطہ ہے وہاں تک اسلام کی پوری اجازت دیکھی جاتی ہے اسلام نے زبان کے ذریعے سے تمتع ہونے کو منع نہیں فرمایا۔ جو لطیف و خوش گواردانہ نذیب خیر خوار چیزیں کہ انسان ذائقہ کر سکتا ہے سب

اس دین نے حلال کر دیں۔ حرام اُسی کو کر دیا ہے کہ جس سے صحت بدنی میں فرق
 اسکے جیسا کہ سُور شراب یا اور اشیائے ضارہ و ناپاک جن سے خرابی جسمانی یا
 روحانی مترتب ہو اسی طرح اسلام نے قوتِ بصر سے تمتع ہونے میں کوئی امتناعی
 حکم صادر نہیں فرمایا۔ آدمی یا بندی اسلام کے ساتھ تمام رنگ رنگ کی مخلوقات
 خداوندی کو جو احاطہ بصر میں آسکتی ہیں بلا خوفِ معصیت دیکھ سکتا ہے۔ البتہ
 اسلام نے اُنھیں چہرہوں کے دیکھنے کو منع فرمایا ہے کہ جن کا دیکھنا بے حیائی
 سے خالی نہیں ہے یا جن کے دیکھنے کا حق دیکھنے والے کو نہیں ہے اگر اسلام
 نے ایسی چہرہوں کے دیکھنے کی ممانعت فرمائی تو کیا بے جا کیا ماعقل آدمی
 اسلام کی ایسی ہدایت کو ضرور تسلیم کرے گا پھر اگر قوتِ شہم سے تمتع ہونے کو
 خیال میں لائے تو پوری وسعت تمتع اسلام کے رو سے اس کے پیرو کو حاصل ہے
 البتہ اسلام ایسے سم قائل کو شہم کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا ہے۔ جس سے
 نقل نفس منسج ہو سکے یا جس کے شہم کرنے کا شہم کرنے والے کو حق حاصل نہ ہو۔
 اسی پر قوتِ لمس کے تمتع کو بھی خیال کرنا چاہیے۔ پیرو اسلام جائز طور سے ہر
 شے کو مس کر سکتا ہے البتہ اس قوت کو ایسے طور پر استعمال نہیں کر سکتا ہے۔
 کہ جو طور مافی عقل و شہم ہو۔ اسلام کا حکم تمتعاتِ جسمی کی نسبت بہت وسیع
 ہے اور عجیب اندازِ اعتدال رکھا ہے اسلام نے جو رہبانیت کو حرام کر دیا۔ وہ
 بھی اسی وسعتِ تمتع کے اصول پر مبنی ہے یہ عقل کے بہت خلاف ہے
 کہ انسان جائز طور پر لذتِ مواصلت سے محروم رہے۔ پس جب تمتع کا
 دائرہ اس قدر وسیع ہے تو نہایت عجیب انگیزہ امر ہے کہ انسان اُس

صورت میں کونش و بے حیائی و مفرات جسمانی سے بچ کر جس سمع سے شکل متع
 پیدا کرے تو یہ تمتع اُس کا فعل حرام سمجھا جائے جس سمع ایک نہایت شریف
 انسان کو دیا گیا ہے یہ قوت انسان کے لیے نثررت بالمعرفت کا ذریعہ ہے
 اگر یہ قوت مودعہ نہ ہوتی تو انسان کسی حال سے صاحب علم و دانش نہ ہوتا یہ وہ قوت
 ہے کہ جس پر تمام تعلیمات روحانی کا مدار ہے پس ایسی قوت سے اُس چیز کا تمتع
 کہ جس کو علوم مختلفہ سے تعلق عظیم ہو کیونکہ ایک ایسے عقلی مذہب کے رو سے رمیا
 کہ فی الواقع اسلام ہے حرام مانا جا سکتا ہے موسیقی کو بخش بے حیائی مفرات
 جسمانی و روحانی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

موسیقی مصلح نہ موسیقی کسی طور سے محرک ثنوات نفسانی ہے بلکہ
 اخلاق ہے برخلاف اس کے مصلح اخلاق و مفید صحت جسمانی و معین
 لذات روحانی ہے ان خوبیوں کے ساتھ ایسی شے جیسی کہ موسیقی ہے اسلام
 ایسے عقلی مذہب کے رو سے حرام سمجھی جائے خالی از حیرت نہیں ہے ان سب
 باتوں کو خیال کر کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے حضرات علمائے موسیقی پر بحیثیت
 موسیقی توجہ مبذول نہیں فرمائی ہے ورنہ ایسا حکم موسیقی کی نسبت صادر نہ فرماتے
 علماء کسی شے کی نسبت حکم مناسب حاصل کرنے کے لیے ضرور ہے کہ
 یا خود علمائے استفتاء طلب سے مطلع ہوں یا واقع طور پر کسی اہل اطلاع سے
 واقف فرمائے جائیں جب دونوں میں ایک شکل بھی موجود نہ ہو تو حکم صبیح کے
 صدور کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ بخیاں راقم حضرات علمائے جس قدر استفتاء
 اس مادے میں ہوتا گیا ہے وہ اس طور پر ہوتا گیا ہے کہ فرق موسیقی اور

غنا کا خدمت حضرات علمائیں نہیں عرض کر دیا گیا ہے اگر موسیقی اور غنا کا فرق اتنا
 بھی عرض کر دیا جاتا کہ موسیقی ایک علم ہے کہ علم الاصوات کا ایک جزو ہے
 اور بحیثیت علمی نہایت دشوار اور قابل توجہ ہے اور چند ایسے قوانین اصوات پر
 مبنی ہے کہ جو تمام زلفطرقی انداز رکھتے ہیں جن سے قوت سمع کو فطرتی تلذذ حاصل
 ہوتا ہے جن سے قواعد اخلاقیہ خراب نہیں ہوتے ہیں جن سے خواہشات
 نفسانیہ کو ہیجان نہیں ہوتا ہے جن سے انسان کو پست خیالی و پست حوصلگی
 مترتب نہیں ہوتی ہے اور جن سے صحت جسمانی کو نقصان کی صورت نہیں
 پیدا ہوتی ہے بلکہ اس کے عوض انسان میں صفیں دردمندی، ہمدردی، خلوص،
 انکسار، فروتنی، تقویٰ وغیرہ وغیرہ کے پیدا ہوتی ہیں اور غنا وہ نئے ہے کہ ضرب
 اخلاق اور سراپہ لہو و لعب ہے اس سے قواعد شہوانیہ حرکت میں آتے ہیں۔
 اور انسان ترکیب معاصی ہوتا ہے اور آخر کار بد حال و بد اوقات ہو کر خسرو الدنیا
 والعباقبت کا مصداق ہو جاتا ہے تو راقم کو اس کا یقین کامل ہے کہ ہمارے
 علمائے دین کو فی حکم سخت موسیقی کی نسبت صادر نہ فرماتے موسیقی موزونی
 اصوات کا دوسرا نام ہے موزونی اصوات سے خرابی جسمانی و روحانی منتج
 ہو اس کا ادراک احاطہ عقل سے باہر ہے محض حضرات نے فقیر سے حرمت
 موسیقی کے مادے میں یہ تقریر فرمائی ہے کہ چونکہ موسیقی ذریعہ ہیجان قواعد
 شہوانیہ ہے اور اس سے ارتکاب معاصی کا ظہور میں آتا قرین قیاس ہے اس
 واسطے ایسی شے کو جو ایسا ہیجان پیدا کرے ضرور حرام ہونا چاہیے۔ اول تو
 یہ دلیل ہی غلط ہے۔ اگر یہ دلیل حرمت غنا کے لیے پیش ہوتی تو درست تھا

دوم یہ کہ موسیقی کو مجوز و ریحان قرآنے شہوانیہ قرار دے کر حرام کتنا کوئی
 قوی دلیل حرمت نہیں معلوم ہوتی بہت سی چیزیں حلال ایسی ہیں کہ جن کے استعمال
 سے قرآنے شہوانیہ کو موسیقی کے اعتبار سے زیادہ ہیجان ہوتا ہے جیسے دماغ
 عصفور و گوشت مرغ و گوشت تیز و حلوائے مسطکی و شہد خالص و ورق طلا
 وغیرہ وغیرہ تو کیا یہ سب اشیاء جن کی فہرست ایک کتاب مبسوطہ میں جاسکتی ہے
 حرام قرار دی جائیں گی عقلاً ایسی ایسی و لیلیں کوئی وزن نہیں رکھتی ہیں۔ ہاں اگر کوئی
 نص قرآنی یا حدیث نبوی صلعم موسیقی کے بارے میں موجود ہے تو اس کے رد سے
 موسیقی کی حرمت ایک امر مقبول منصوص ہے مگر باطلاغ فقیر موسیقی کی نسبت
 کوئی حکم خداوندی معلوم نہیں ہوتا ہے۔ اگر کوئی حکم خداوندی خلاف میں ہے
 تو غنا کے خلاف میں ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ قول زور کی قدح فرماتا
 ہے۔ قول زور سے اگر مراد کوئی شے لی جائے تو یہی غنا ہے مگر چونکہ موسیقی
 اور غنا کا فرق عوامانہ نہیں کیا جاتا ہے پس جو حکم غنا کے لیے پایا جاتا ہے وہی حکم
 موسیقی کے لیے بھی قرار دیا گیا ہے یہ امر ویسا ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص ناقصیت
 کے باعث سر کر اور شراب کے فرق کو امتیاز نہیں کر کے شراب کے حکم میں
 سر کر کو بھی داخل سمجھے۔ بہر حال قول زور کا مقدرح ہونا ایک امر نہایت قرین
 حق ہے۔ فقیر نے اس قول کی اصلیت کو یوں سمجھا ہے کہ کفار عرب جو پڑے
 بست پرست تھے بتوں کے سامنے شراب پی پی کر ملا جلا بجاتے تھے۔ اور
 بتوں کے مناقب گاتے تھے اور اسی طرح داہیات گیتوں سے نفس کو
 شاد کرتے تھے خدا نے تعالیٰ نے ان کے ایسے گانے بجانے کو قول زور

قرار دیا اور واقعی خوب ہی قول زور قرار دیا کس واسطے کہ انہوں نے خدائے تعالیٰ
 کی جگہ پریتوں کو قائم کیا تھا یہ امر ایک امر زور تھا پس جو مناقب وہ لوگ اس
 زور کی نسبت گما کر پڑھتے تھے سو اُسے قول زور کے اور کیا ہو سکتا تھا اب حضرات
 ناظرین انصاف فرمائیں کہ موسیقی کیونکر قول زور کہی جاسکتی ہے عالم موسیقی نہ خدا
 کی جگہ بتوں کو قائم کرتا ہے نہ ان کے مناقب جلاجل کے ساتھ گاتا ہے عالم
 وہاں موسیقی کو تو صرف چند اصوات موزوں سے تعلق ہے جنہیں وہ شکل بسط
 و مرکب برتا ہے۔ اگر اصوات موزوں کا برتنا حرام قرار دیا جائے تو اسلام
 کے مذہب عقلی ہونے میں کشتگی لاحق ہوتی ہے۔ یہ بات عجیب نظر آئے گی کہ
 جس ذائقہ کے لیے کھانا جو پکائے تو اُس میں نمک، مرچ، گھی، دھنیا، پیاز
 اور کدو، دہی، دودھ، مصری ایک وزن مناسب کے ساتھ داخل کریں تو یہ
 موزوں کی کسی طرح پر سبب حرمت نہ قرار دی جائے۔ لیکن اگر جس سمع کے
 لیے اصوات کی موزوں کو ملحوظ رکھیے تو یہ فعل حرام سمجھا جائے۔ جس ذائقہ
 کو جس سمع پر کیا تفوق حاصل ہے دریافت طلب امر ہے ظاہر تو جس سمع جن
 ذائقہ سے اشرف معلوم ہوتا ہے۔ کس واسطے کہ جس ذائقہ کا فعل محض لذائذ
 حسیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ برخلاف جس سمع کے کہ ایک بہت شریف ہے۔
 اور ذریعہ تشریف بالمعرفت ہے اور معاملات روحانیہ سے بہت تعلق رکھتا
 ہے پس کیا سبب ہے کہ ایک اذنی جس کی خاطر داری تو اس قدر کی جائے
 کہ جو جو اُس کے تلمذ کے عقلی امور ہوں۔ اُن میں کوئی قید نہیں رکھی جائے
 اور جس سمع جو اشرف ہے اُس سے منہج ہونا تقاضائے عقل کے خلاف حرام

قرار دیا جائے۔ فقیر کو اس مسئلہ موسیقی میں بہت مشکوک الامتن میں اور خاص کر اُس روز
 سے اس کی نسبت فقیر کے خیالات بہت انقلاب پذیر ہو گئے جس روز فقیر کو
 حضور میں جناب مجدد قبلہ و کعبہ حضرت شمس العلماء مولانا مفتی میر عباس صاحب
 اعلیٰ اللہ مقامہ فی الجنۃ کے ایک قصیدے کے سنیے کا اتفاق ہوا۔ اور اس کی حقیقت
 یہ ہے کہ ایک روز فقیر قدمت مدوح میں حاضر تھا۔ جناب مدوح نے فقیر کی طرف
 مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تو نے میرے اُس قصیدے کو جسے میں نے منقبت
 حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام میں لکھا ہے سنا ہے فقیر اُس قصیدے کو چند روز پہلے
 تھے کہ اُس چمکا تھا مگر جناب مدوح نے اُسے ایک صاحب کو جو قریب بیٹھے ہوئے
 تھے پڑھنے کے لیے اشارہ فرمایا انہوں نے حسب ایمانے مدوح اُسے
 پڑھنا شروع کیا جب تک وہ پڑھتے رہے سامعین محو حیرت رہے حتیٰ کہ یہ ہے
 کہ انہوں نے خوب پڑھا اور ایسا پڑھا کہ اس وقت بھی اس کی لذت دل میں
 موجود ہے اور پھر جس سماع اُس کے سنیے کا طالب ہے خدا پر ویسا سنتا نصیب
 فرمائے۔ یہ امر بدیہی ہے کہ پڑھنے والے صاحب نے اُس قصیدے کو حضور
 میں جناب حضرت مجدد صاحب کے پیرایہ غنا میں نہیں پڑھا تھا اگر غنا کے طور
 پر پڑھتے تو حضرت مدوح کب اس کو گوارا فرما سکتے تھے اور یہی ریگ و جہان مجلس
 جو صاحب و رع و تقویٰ تھے کب اُس کو سن سکتے تھے اور خود پڑھنے والے
 صاحب جو ارباب احتیاط سے تھے کب غنا پر وازی کے مرتکب ہو سکتے
 تھے اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ ان کا پڑھنا غنا سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا
 تھا۔ بہر حال جس رنگ سے انہوں نے پڑھا وہ ضرور کوئی ایسا رنگ تھا کہ

حکم فقہ کے خلاف نہ تھا جب حکم فقہ کے خلاف نہ تھا تو معلوم ہوا کہ ایسا پڑھنا اسلام میں مجاز ہے۔ اب اس پڑھنے کی کیفیت فقیر سے پوچھیے کہ کیا تھی حضرت ناظرین بالکین کیفیت یہ تھی کہ تمام قصیدہ کو پڑھنے والے صاحب نے سنا نہ کافی تھی وہ میں نہایت سنجائی کے ساتھ پڑھا البتہ تان یا ٹکری کہیں بھی انھوں نے نہ لی مگر سوائے تال میں کہیں بھی سر موصول نہ آیا ہر لفظ کو پورے طور پر ادا فرمایا مخارج الفاظ میں کہیں نقصان لاحق ہونے نہ دیا نام کو بھی کوئی لفظ کہیں سے نہ کٹا چونکہ پڑھنے والے صاحب آدمی خوش آواز بھی تھے۔ ان کی سنجائی اور موزونی ان کی خوش آوازی کو بڑا جلوہ دے گئی اگر سروں پر ان کو ایسا اختیار نہ ہوتا تو مجرد خوش آوازی ایسا اثر مطبوع سامعین پر پیدا نہیں کر سکتی تھی مختصر یہ ہے کہ جو سچی موسیقی کا تقاضا ہے اس کے مطابق بلاشبہ وہ قصیدہ پڑھا گیا۔ اشخاص نامہ اس پڑھنے کو سن وغیرہ سے تعبیر کریں تو کریں۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ جس طور سے وہ قصیدہ پڑھا گیا تھا وہ اہل اطلاع کے نزدیک سچی موسیقی کا حکم کہتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ان صاحب کے پڑھنے کا وہی طور تھا جس کو ہزار درجہ اور بھی زیادہ عمدگی کے ساتھ جناب میرزا حسین صاحب غفران آباد سوز خوانی میں برتا کرتے تھے اور یہ طور وہی ہے کہ ماہران موسیقی و مرہیت کے گانے میں ملحوظ رکھتے ہیں اور برخلاف غنا کے صرف سوائے تال سے کام لیتے ہیں۔ الفاظ کو تان ٹکری سے خراب نہیں کرتے۔ مخارج الفاظ کا پورا لحاظ رکھتے ہیں اور جو فطرتی تقاضے اصوات کے ہیں ان کے مطابق ہمار بند ہوتے ہیں بالتحقر اس روز کی قصیدہ خوانی سے فقیر کے دل پر یہ بات جم گئی کہ موسیقی ممنوعات

شرعی سے نہیں ہے یعنی اگر کوئی قصیدہ بشرطیکہ بخش اور بد آموز نہ ہو سندرہ کافی
 میں بطرز بالا پڑھا جا سکتا ہے تو پہلو جنگلا بردا وغیرہ میں بھی اُس کا یا اُس کے ایسے
 اور قصائد کا پڑھنا حرام نہ ہوگا۔ واضح ہو کہ فقیر کو علت موسیقی پر اصرار نہیں ہے
 اگر حضرات علماء اس کو حرام سمجھتے ہیں تو بسم اللہ اقتدایت بھدا ا کلاما درہم بھی
 حرام سمجھتے ہیں مگر اپنی تشفی اور تسکین کے لیے دلیل کافی ڈھونڈتے ہیں۔ اگر یہ کہا
 جائے کہ موسیقی کے استعمال بد سے فرجہ جانی و روحانی کا پیدا ہونا مقصود ہے تو
 ہزاروں چیزیں حلال ایسی ہیں کہ ان کا استعمال بد سبب ضرر دنیا و دین ہو سکتا ہے
 قریہ کوئی دلیل حرمت موسیقی کے لیے کافی نہیں ہو سکتی ہے اگر ایسی دلیلوں پر بھروسہ
 کیا جائے تو زندگی کرنا انسان کے لیے دشوار ہو جائے ایسی صورت میں تو پھر
 کا ہے کہ کوئی مسلمان شیرہ انگور پی سکتا ہے کس واسطے کہ اُس کا استعمال بشرط
 کی شکل پیدا کر سکتا ہے اگر کوئی شخص بد عقلی سے موسیقی کا استعمال بد کرے تو
 اُس میں موسیقی کا کیا قصور ہے۔ موسیقی سے تو بہت عمدہ عمدہ کام لیے جاسکتے
 ہیں سوز خرائی منقبت خرائی نہایت عمدہ کام ہیں ان کی پرتائیری اور عمدگی میں
 کیا گفتگو ہو سکتی ہے۔ وہی سلام، مرثیہ یا قصیدہ کوئی غیر یا بندری موسیقی کے
 ساتھ پڑھے اور انہیں چیزوں کو بقاعدہ موسیقی پڑھے دونوں کا فرق محتاج بیان
 نہیں ہے تعجب ہے کہ فن موسیقی جو ایک عمدہ ذریعہ گداختلی طبیعت و نرمی
 دل کا ہے بلاوجہ معقول حرام سمجھا گیا ہے وہ سوز خرائی یا منقبت خرائی جو غنا
 علیحدہ ہو کیوں حرام سمجھی جاسکتی ہے البتہ اگر موسیقی تئوں کے مناقب و محامد
 میں استعمال کی جائے تو یہ اس کا استعمال بد قیاس کیا جائے گا مگر اس سے

بنفسہ اُس کی حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ تلوار کا استعمال نیک یہ ہے۔ کہ
 قصاص کے لیے قاتل کی گردن کاٹے لیکن اگر اسی تلوار سے کوئی شخص کسی بیٹے کو
 کا سر اتار لے تو وہ تلوار سوزن شراب کی طرح حرام نہیں سمجھی جاسکتی ہے۔ یہی
 کیفیت شاعری کی بھی ہے کہ شاعری کا استعمال بلا مقصد و حسیہ اور اگر شاعری
 سے بہت پرستی کی اشاعت غرض ہے تو یہ اس کا استعمال بالیقیناً حرام ہے لیکن
 اس سے شاعری کا بنفسہ حرام ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ کس واسطے کہ اگر شاعری
 بنفسہ ایک شے مفید و حرام ہوتی تو پیغمبر خدا صلعم حسان ابن ثابت کی اس قدر
 توثیق فرماتے اور یوم غدیر پر حسان کا قطعہ مبارک یاد جس کا پہلا مصرع یہ ہے۔

یناد ینسکر یوم الخدییر یتیرھ

پڑھنے پر پائے۔ مصوری کی نسبت بھی بہت باتیں حسب حال معلوم ہوتی
 ہیں مصوری کا استعمال بدو سوا حرام کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ مثلاً تلوں کی تصویریں
 پرستش کے لیے بنانا لیکن اگر اس سے علم حیوانات وغیرہ کی ترقی مراد ہے تو
 اسلام ایسا مذہب نظر نہیں آتا ہے کہ کسی طور پر مانع ترقی علوم ہو۔ آئندہ جو
 حضرات علمائے اعلام فقیر کو آرائے حضرات علمائین کوئی مجال گفتگو نہیں
 ہے۔

مصوری

یہ بھی ایک قسم شاعری کی ہے اور جیسا کہ راقم اس کی تعریف لکھ چکا ہے یہ فن بھی رضائے الہی کی نقل صحیح ہے صرف فرق یہ ہے کہ یہ نقل نقوش اور قلم کاریوں کے ذریعے سے ظہور میں آتی ہے۔ صفحہ کا نڈکے یا کا نڈکے ایسے مسطح اشیا پر جو انہما اس فن کا کیا جاتا ہے اُسے مصوری کہتے ہیں اور سنگ و آہن و چوب و گل وغیرہ کے ذریعہ سے جو نقل خطرات اللہ کی کی جاتی ہے وہ بت سازی ہے۔ مؤلف دونوں قسم کی دستکاریوں کے لیے اس رسالے میں مصوری کے لفظ کو استعمال کرے گا۔

مصور کے لیے مصوری کی حقیقت کو بیان کرنے کے لیے مناسب ہے علوم کی ضرورت تھا کہ کچھ ایسے امور اندراج پائیں کہ جن سے معلوم ہو جائے کہ مصور کو کن کن صفات سے متصف ہونا چاہیے۔ واضح ہو کہ علاوہ اُس اعلیٰ درجے کی استعداد خلقی اور طباعی کے جن کی حاجت شاعر اور ماہر موسیقی کو بھی ہے مصور کو پورے طور پر ایسے علوم سے جو عالم بردنی اور عالم روحانی سے متعلق ہیں حسبِ مزاج واقف ہونا چاہیے۔ علم حساب، جبر و مقابلہ، اقلیدس، علم مثلث، کمٹری علوم معدنیات، نباتات، علم حیوانات، علم ہیئت، علم مریا و مناظرہ وغیرہ وغیرہ اور بھی جغرافیہ تاریخ، ہیرنکایات قصص، تمدن، معاشرت، ادب اور جمیع علوم متعلق آداب مجلس میں اُسے کافی دستگاہ رکھنا واجبات سے ہے۔ علاوہ

ان کے علوم ذہنیہ میں بھی اُسے پوری مہارت درکار ہے۔ اگر کسی معذور کو یہ علوم نصیب نہیں ہوئے ہیں تو وہ معذور نہیں ہے رنگ ساز یا چنیرا ہے گو کیسا ہی طباع اور کنتہ مشق ہو۔ ان علموں کی کیا ضرورت معذور کو ہے عوام اس کو بخوبی نہیں سمجھ سکتے مگر تقسیم عوام کی نظر سے ہم چند مثالیں عرض کرتے ہیں جن سے بعض ان علوم کی ضرورت ظاہر ہوگی۔

ضرورت علوم فرض کیجیے کہ ایک ایسا معذور ہے جو کمٹری نہیں جانتا ہے۔
کی مثالیں ایسا معذور انوان کو حسب ضرورت کیونکر مرکب کر سکتا ہے
 یارنگوں کی ترکیبوں کو کیونکر جان سکتا ہے یا رنگوں پر جو اسباب خارجی از قسم شفاع شمسی وغیرہ سے اثر کیمیائی پیدا ہوتے ہیں کیونکر سمجھ سکتا ہے۔ خود اصول کمٹری کے جاننے کے لیے حساب و جبر و مقابلہ و طبیعات وغیرہ میں دستگاہ ایک ضروری امر ہے اسی طرح اگر کوئی معذور جغرافیہ سے ناواقف ہے اور اس سے یہ فرمائش کی جائے کہ کوہ لبنان کی ایک تصویر کھینچ لاؤ تو ناواقفیت جغرافیہ سے وہ بے چارہ سخت پریشان ہوگا۔ اس لیے کہ اسے کیا معلوم کہ وہ کوہ کس ملک میں واقع ہے اور وہ ملک آیا سرد ہے یا کہ گرم۔ اُس کوہ پر برف باری ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر گرم ہے تو خط استوا سے کس فاصلے پر ہے اُس کا مزاج بلدان کیا ہے۔ نباتات کی روئیدگی کا اس پر کیا طور ہے کس طرح کے جانور اُس میں مسکن ہیں میں ترکیب اُس کی آتش فشاں ہے یا کیا ہے آیا کسی وقت میں خود آتش فشاں تھا یا نہیں اگر اب بھی آتش فشاں ہے تو اُس کی آتش فشانی کس انداز کی ہے۔ اگر اس کی آتش فشانی موقوف ہوگئی ہے تو اُس موقعی کو کتنے

روز گزرے اور اس موقوفی سے ہیئت موجودہ اُس کی کیا ہے خلقت اس کے
پتھروں کی طبعی ہے یا غیر طبعی ہے اور اسی طرح کی بہت باتیں ہیں جن کا یہاں
ذکر خالی از تطویل کلام نہ ہو گا۔ بہر حال اگر ان موئی باتوں سے بھی کوئی مصور بے خبر
ہے تو کیا مصوری کی داد دے سکے گا عدم اطلاع تاریخی سے جو نقص مصور متصور
ہے۔ اُس کی مثال یہ ہے کہ اگر اُس سے یہ فرمائش کی جائے کہ قیصر اول کی
تصویر کھینچ دو تو لاریب یہ بے چارہ سخت مبتلائے پریشانی ہو گا۔ جب اس جاہل
کو یہ نہیں معلوم کہ قیصر اول کس قوم کا بادشاہ تھا اور اُس کی قوم کس ہیکل اور قومی اور شکل
و شمائل کی تھی۔ اُس کی قوم کے بادشاہوں کا لباس کیا تھا اور اُس کے خاص لباس کا
کیا طور تھا۔ سر پر وہ تاج رکھتا تھا یا دستار کمر میں خنجر باندھتا تھا یا تلوار۔ تو ایسے
لا یدلیم مصور سے کیا صناعت کی امید ہو سکتی ہے اسی طرح اگر اُس جاہل سے یہ کہا جائے
کہ تم اُس جنگ کی تصویر جو سورس بعد حضرت مسیح کے قسطنطین اور مخالفین مذہب عیسائی
کے درمیان واقع ہوئی ہے اور جس کا تاریخی نام پل والی لڑائی ہے کھینچو تو وہ مصور
فرط حماقت سے نکلے گا کہ ایک ایسی خیالی تصویر کھینچ دے کہ جو اُس پانی پت
کی لڑائی سے جس میں احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کو شکست دی تھی مشابہ معلوم ہو
علوم سیر تمدن و معاشرت و آداب مجلس کی عدم اطلاع سے جو نقصانات مصور
کی مصوری میں لاحق ہو سکتے ہیں۔ اُن کی کچھ مثالیں ذیل میں عرض کی جاتی ہیں۔

۱۔ فرض کیجیے کہ ایک مصور علم سیر سے واقف نہیں ہے اور اُس سے یہ
کہا جائے کہ تم قوم ثمود اور عاد کے انداز معاشرت کو بذریعہ مصوری کے دکھاؤ۔
یا فرعون و قوم فرعون کی حرکات اور بے عنوا نیوں کا نقشہ کھینچو یا غیبت حضرت

موسیٰ میں جو بنی اسرائیل نے حضرت ہارون سے نافرمانی کر کے لگاؤ سالہ بنایا تھا اور
 اُس کی پرستش شروع کی تھی اُس کی تصویر بناؤ تو ظاہر ہے کہ وہ مصوّر جاہل تعمیل فرمائش
 نہیں کر سکے گا اسی طرح اگر ناطعیم یافتہ مصوّر سے کہا جائے کہ تم ایران کے صدر اعظم
 کے کسی جلسہ تمدنی کی تصویر کھینچو یا انگلستان کی پارلیمنٹ کی تصویر بناؤ یا چین کے
 شاہنشاہ کے دربار کا نقشہ تیار کرو تو وہ عدم اطلاع کے سبب سے بجا آوری حکم میں
 قاصر رہے گا ممکن ہے کہ ایسا لایعلم مصوّر ایران کے صدر اعظم کی شکل اکبر شاہ کے
 رفیق پیر کیسی اپنی سنی سنائی اطلاع کے مطابق کھینچ دے اور انگلستان کے ممبران
 پارلیمنٹ کے منہ سے بڑے بڑے جواہر نگار جتنے لگاؤ سے اسی طرح چین کے
 بادشاہ کو بھی کسی شیخ عرب کی طرح اونٹ پر سوار دکھلا دے۔ جاہل مصوّر سے ایسی
 غلطیوں کا سرزد ہونا بعید از قیاس نہیں ہے مختصر یہ ہے کہ مصوّر کے لیے تہایت اعلیٰ
 درجے کی اطلاع علمی اور تعلیم یافتگی درکار ہے بلکہ مصوّر کو شاعر اور ماہر موسیقی کی طرح
 رتبہ حکیم کا حاصل رہنا ضروریات سے ہے تاکہ وہ اپنے وفور دانست کے فریضے سے
 فطرت اللہ کی نقل صحیح اتارنے میں کسی طرح عاجز نہ ہو۔ اسی طرح علم ذہنیات کے
 عدم واقفیت سے مصوّر جاہل واردات قلبیہ و دیگر امور تعینہ کی نقل صحیح اتارنے میں
 قاصر رہے گا۔ مصوّر کا فرض منصبی ہے کہ کیفیات اندرونی از قسم محبت، نفرت،
 عداوت، رحم، کرم، غضب، قہر، رشک، حسد، ضد، بغض، مروت، سخاوت
 شجاعت، اُکسار، خاکساری، خود، کبر، نخوت، فخر، بزدلی، ندامت، سفاہت
 حماقت، سرور، غم، الم، عشق، جنون، وحشت، یقینت، خشونت، صبر،
 شکر، رضا، قناعت، حلم، راستبازی، حق پسندی، کد، حیلہ، فریب،

رفا، وفا، جفا، خوف، اتون، استقلال، تجمل، زور ورنجی، پشیمانی، حرص، ہوس
 طمع، صدق، کذب، حیا، بے حیائی، امید، بیم، یاس، بے تابی، حرمان، انتظار،
 انتشار، اطمینان، خوش دلی، بے دلی، وہم، خیال، حافظہ، یقین، انکار، اصرار،
 عقیدت، اختیار، بے اعتدالی، زہد، تقویٰ، ایمان، کفر، توحید، عدل، شرک،
 الحاد، سفاکی، بے دردی، ہمدردی، انعام، علم، جمل، حیرت، تنگ چستی، جوہر، تجمل،
 صفا، کورسٹ، عظمت، عفت، فسق، آلودگی، شرافت، سجاوت، احتیاط و غیرہ
 وغیرہ کو علمی قواعد کے ساتھ جاننے ورنہ مادہ مصدوری نہیں دے سکے گا۔ ظاہر ہے
 کہ سدا اے حکیم وانا کہے جس سے ایک اچھا حصہ خرخریز کا علم ذہنیات کی
 تحصیل میں بسر کیا ہوگا۔ دوسرا شخص ان امور ذہنیہ سے خبر نہیں رکھ سکتا ہے شاعر کو
 بھی اسی طرح ان سے باعلم ہونا چاہیے خواہ باعلمی اس کی ایک امر الہامی خواہ کسی ہو
 بہر حال مصدور کو بھی شاعر کی طرح علوم ذہنیہ سے باخبر ہونا واجبیت سے ہے ورنہ
 اُس کی بے علمی اُس کے نقص فن کا سبب ہوگی۔ جانتا چاہیے کہ مصدور کا کمال اسی
 میں ہے کہ جو شخص دلیر ہے اُس کی دلیری کو اور جو یزدول ہے اس کی بزدلی کو اور جو عاشق
 ہے اس کے عشق کو اور جو فاضل ہے اس کے فن کو اور جو کاذب ہے اس کے کذب کو
 اور جو صادق ہے اس کے صدق کو اور جو حاسد ہے اس کے حسد کو اور جو قانع ہے
 اس کی قناعت کو اور جو حریص ہے اس کی حرص کو اور جو غصہ ور ہے اس کے غصے
 کو اور جو رحیم ہے اس کی رحیمی کو اور جو غضبناک ہے اس کی غضبناکی کو اور جو دوست
 ہے اس کی دوستی کو اور جو دشمن ہے اس کی دشمنی کو اور جو راست باز ہے اُس کی لکنت کو
 کو اور جو یاہس اس کی گویائی کو اور جو الکن ہے اس کی لکنت کو اور جو صاحب
 شرم ہے اس کی شرم گفنی کو اور جو بے حیا ہے اس کی بے حیائی کو اور

جو بارہ پرست ہے اس کی بارہ پرستی کو اور جو حسن پرست ہے اس کی حسن پرستی کو اور جو زر پرست ہے اس کی زر پرستی کو اور اسی طرح کی دیگر کیفیات اندرونی کو جو مختلف بنی آدم میں پائی جاتی ہیں زور قلم کاری سے اس طور پر دکھا دے کہ ذرہ بھر بھی تقاضائے فطرت کے خلاف نہ ہو۔ راقم کو دم تحریر تین تصویریں یاد آگئی ہیں جو کمال مصوری کا نمونہ تھیں اور جن کے بیان سے کسی قدر معلوم ہو جائے گا کہ مصور کو علم ذہنیات سے واقف رہنے کی کیا ضرورت ہے۔

تین برس کا عرصہ ہوا ہونگا کہ فقیر ہم رکاب جناب۔ المراد جواد علی اللہ مقام فی الجنت کے کلکتہ گیا ہوا تھا۔ اس وقت راقم بھانگل پور کے سرکاری اسکول میں کسی نیچے کے درجے میں پڑھتا تھا ملکہ میلان طبعی سے کسی قدر تصویر کشی کی صلاحیت رکھتا تھا۔

تین تصویریں جناب غفران مآب فقیر کے مذاق مصوری سے خبر رکھتے تھے اور خود بھی ذور علم عربی و انگریزی و لاطینی وغیرہ کے ساتھ اس فن کے بھی بڑے قدروان و جوہر شناس تھے عین قیام کلکتہ ایک روز یہ ارشاد فرمایا کہ تین تصویریں ایک جگہ قابل دید ہیں چلو دیکھو اور انسان کی قدرت صناعتی کو مشاہدہ کر کے قدرت خداوندی پر غور و فکر کرو۔ حسب ارشاد نجیفت ہر رکاب حضرت نہایت مشتاقانہ و ماں پنہا ہوا وہ تین تصویریں تھیں مالک ان تصویروں کا کوئی انگریز تھا جو نہایت تکلف کے ساتھ ان تصویروں کو ایک وسیع اور محفوظ جگہ میں مقفل رکھتا تھا اور ان کے دکھانے کی اجازت فی شخص ایک روپیہ لیا کرتا تھا۔ یہ تصویریں بقریبہ غالب بارہ فٹ طول میں اور آٹھ فٹ عرض میں ہوں گی۔ یہ تصویریں مضامین کتب میر کے مطابق

اور تعینت فطرت سے جو تلذذ روحانی انسان کو میسر آسکتا ہے اُس کی پوری کیفیت ان کے ہر انداز سے ہویدا تھی بشرۃً ابوالبشر سے یہ امر ظاہر تھا کہ خداوند تعالیٰ نے کوئی خوشی ان کے واسطے اٹھائیں رکھی ہے کسی شے کی اُن کو محتاجی باقی نہیں رہی ہے طلب سے اُن کے دلوں کو استغنا حاصل ہے فکر و ترو جس سے اُن کی اولاد مبتلا ہے آلام ہو رہی ہے ان کے واسطے مخلوق ہی نہیں ہوئے تھے اس آرامِ روحی کے میسر آنے کی شکل مصوّر نے یوں دکھلائی تھی کہ ارد گرد حضرت آدم و حوا کے تمام معاملات فطرت ہی کو جگہ دی تھی کہیں معنویت کی جھلک کو بھی گزر ہونے نہیں دیا تھا۔ جانتا چاہیے کہ تعینت فطرت ہی ذریعہ انشراحِ روحی ہے جنت میں اگر صنعت کو دخل ہو تو جنت دنیا کی طرح دارالحن ہو جائے۔ روحی تلذذ انسان کو فطرت ہی کی بدولت نصیب ہو سکتا ہے اگر کچھ بھی فطرت میں صنعت کی شرکت لاحق ہو جائے تو کمال تلذذِ روحی میں نقصان پیدا ہو جائے گا۔ ملٹن (Milton) شاعر انگلستان نے اپنی کتاب پیڑیا ریڈ لاسٹ (Paradise Lost) میں بڑی خوبصورتی اور قابلیت شاعرانہ کے ساتھ حضرت آدم کے حالات منظوم کیے ہیں۔ باغ عدن کے سبب معاملات کو کہ محض اصول فطرت پر مبنی ہیں دکھلایا ہے اُس حیرت خیز شاعر نے یہ لکھا ہے کہ بہشت عدن میں حضرت آدم و حوا کی معاشرت کا طور بالکل فطرتی طریق پر تھا آدم اور حوا عانے مسج و شام پڑھا کرتے تھے اور اوقات معینہ میں تسبیح و تہلیل کا مشغلہ رکھتے تھے۔ اس یاد الہی کے ذکر کرنے کی یہ فردت تھی کہ یاد الہی ذریعہ انشراحِ روح ہے جو شخص یاد الہی سے ماغل ہوتا ہے یا متذہب یا ملحد ہوتا ہے زہنا د ایسے کو روحی خوشی نصیب

نہیں ہو سکتی ہے روحی خوشی نصیب ہونے کے لیے انسان کو تجدید کی حاجت ہے
 جب بندہ خدا کو یاد کرتا ہے تو خدا بھی اپنے یاد کرنے والے بندے کو یاد کرتا ہے
 پس جب خدا کسی بندے کو یاد فرمائے تو پھر اس بندے کے واسطے اس سے
 زیادہ اور زیادہ و مہر و خوشی متصور ہو سکتی ہے عبادت کے اصول محض قانونِ فطرت
 پر مبنی ہیں عقل کہتی ہے کہ مخلوق خالق کو مانے اور اُس کی عبادت تہ دل سے کرے
 بالمشغولت میں نے کمال طباعی سے حضرت آدمؑ و عوا کے لذائذ بہشت سے قلع
 اٹھانے کے وسائل میں مضمون نصیر کو پیش نظر رکھا ہے۔ پھر اُس کے ساتھ معاشرت
 کا طور ابوالبشر کے ایسا دکھلایا ہے کہ جس میں تصنع کو کسی طرح دخل نہیں دیا ہے
 حضرت آدمؑ کے قیام کے واسطے نہ کسی ایوان کا ذکر کیا ہے نہ باورچی خانہ، غسل خانہ
 نوشتہ خانہ، مودی خانہ، شفاخانہ، اثمارخانہ، انبارخانہ، اصطبل، خیمہ، خرگاہ،
 نشہ نشین، نگیر، شامیانہ کی حاجت دکھلائی ہے۔ لشکر، سوار، پیادے، پالکی،
 نالکی، ہاتھی، گھوڑے، فٹن، بروش لینڈ و آفس جان، کبھی، ٹمٹم، میز، کرسی،
 آئینہ، چیمبر کھٹ، مسری، چھری، کانٹے، رکابی، گلاس، کٹورے، پیالے اور
 دنیا کے جتنے بکھیرے جن سے راحت نصیب ہونے کے عوض اہل دنیا ہمیشہ
 متلاشے رنج و ادکار رہتے ہیں کہیں بھولے سے بھی حضرت آدمؑ کے لگاؤ سے
 یا نہیں کیے گئے ہیں حتیٰ کہ حضرت آدمؑ کے لیے فردرت لباس کی بھی نہیں دکھائی
 گئی ہے اسی طرح حضرت عوا کے لیے بھی کوئی تکلف انگیز سامان کا نقشہ
 نہیں کینچیا گیا ہے اگر حضرت عوا کو مجرد لباس کا شوق دیا جاتا تو حضرت آدمؑ
 میلینرس (Milliners) یعنی زنان لباس سازی میں اد ا کرتے

کرتے اور حضرت عیسیٰ کی باسی فرمائشوں کو بجالاتے لاتے آخر کار گھبرا کر باغ عدن
 سے کسی اور طرف نکل جاتے جہاں ہوسناک تن پرور مسرت عورتوں کا گورنہ ہو
 سکتا اور بائیں ایک طرف صرف لباس کی پابندی فقین یعنی دفعہ داری سے تو عورت
 اپنے شوہر کی رُوح پر اس کی قبائے جسم کو تنگ کر دے سکتی ہے۔ اگر کاش
 حضرت عیسیٰ کو پورا مذاق اس زلفے کی خاتونان فرنگ (French) کا ہوتا۔ تو
 خدا جانے حضرت آدمؑ کس عذاب شدیدی میں مبتلا رہتے پس اس نظر سے کہ حضرت
 آدمؑ کو بہشت عدن میں تملذو روحانی نصیب تھا اس کے دکھلانے کے لیے شاعر
 نے تمام ایسے امور کو جس میں صنعت انسانی کو دخل ہے۔ بہشت عدن کے بیان
 میں داخل ہونے نہیں دیا ہے اگر ذرہ بھی صنعت کو خلل انداز فطرت ہونے دیتا
 تو بہشت عدن کی صورت و وزخ سے بدل ہو جاتی یعنی پھر وہی کبھی طرے جو خاص ہے
 اس زمانہ کے ہیں اور علی الخصوص جس کے مبتلا اس زلفے کے زن و مرد ہو رہے ہیں۔
 بہشت عدن میں دخل پاتے تو بہشت عدن دار العافیت ہونے کے عوض دار العین
 ہو جاتا پس شاعر نے نہایت بانذاتی کے ساتھ حضرت آدمؑ کی معاشرت کا طرہ محض
 فطرت کے مطابق دکھایا ہے اس کے شاعرانہ بیان کے مطابق حضرت آدمؑ
 نہایت آزادانہ طور پر زندگی بسر کرتے دیکھے جاتے ہیں جہاں چاہتے ہیں بیٹھتے
 ہیں۔ جس طرف چاہتے ہیں ٹہلنے پھرتے ہیں حسب خواہش چشموں سے پانی پیتے
 ہیں۔ درختوں سے پھل توڑ کر کھا لیتے ہیں۔ ہزاروں رنگ کے گلے خود رو
 کا نانا شاد کھیتے ہیں نہ غم زد و نہ غم کالا ہر طرح سے ادکار و بیوی سے محفوظ نظر
 آتے ہیں صرف ایک مرتبہ تنہائی سے متوحش ہوئے تھے کہ ان کی وحشت تنہائی کو

دور کرنے کے واسطے خدا نے تعالیٰ نے اُن کے لیے حضرت حاکم کو پیدا کر دیا اور اس قدر سامانِ فطرت میں جو نقصان رہ گیا تھا وہ بھی پورا کر دیا گیا۔ اس آزادی اور بے فکری کے ساتھ کسی محبوب موافق و دلکش کے ساتھ اوقات بسر کرنا اگر جنت نہیں ہے تو پھر اور کس کو جنت کہیں گے اگر ایسی جنت کے علاوہ اور کوئی جنت ہے تو کسی ملا کی جنت ہوگی یا مذاقوں کی تو نہ ہوگی

تو وطوبیٰ او ما و تا مات یار

فکر کس بقدر ہمت اوست

دافع ہو کہ اس تصویر میں مصوّر نے قلم کاری کے ذریعے سے یہ سب کیفیتیں ایک جسمِ مسلح پر دکھلائی ہیں جنہیں ملٹن اور بھی دیگر میز مصنفین نے اپنی اپنی کتابوں میں حوالہ قلم کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصوّر بھی ایک قسم شاعری کی ہے اور دونوں میں جو فرق ہے وہ اسی قدر ہے کہ ایک رضائے الہی کی نقل نقوش اور قلم کاریوں کے ذریعے سے عمل میں آتی ہے اور دوسری وہی رضائے الہی کی نقل الفاظِ بامعنی کے ذریعے سے ظہور میں آتی ہے۔

دوسری تصویر دوسری تصویر یہ تھی کہ حضرت حاکم قیام بہشت عدن کے زمانہ تصویر میں حضرت آدم کو گندم کھلانے کی ترغیب دے رہی ہیں۔ یہ تصویر بھی سراپا قلم کاری کی صنعتوں سے معمور تھی اور اگر پوری کیفیت اس کی خوبیوں کی لکھی جائے تو کلامِ طویل لانی ہو جائے گا۔ اس واسطے راقم اس تصویر کے عرفِ منشا کے بیان پر قناعت کرتا ہے اس تصویر میں مصوّر نے اپنا کمال قلم کاریوں کے ذریعے سے اس طرح دکھلایا تھا کہ جس سے ہو دیا تھا کہ ترغیب کی بات ہے

عورت کی ترغیب وہی کس درجے تک پہنچ سکتی ہے عورت کے ترغیب دینے کا اثر مرد پر اور وہ بھی مرد عاقل اور مستقل مزاج پر کیا ہو سکتا ہے۔ ترغیب اور لطمہ کے وقت عورت کی آنکھوں کا عنوان کیا ہو جاتا ہے اور اس کے تمام حرکات جسمانی اس کے عنوان چشم کی کیونکہ مدد و کاری کرتے ہیں۔ محبوبہ کے اصرار و ترغیب کے وقت مرد عاقل اور مستقل مزاج کی آنکھیں اندیشہ، تفکر اور سوچ کے ساتھ کس طرح رفتہ رفتہ پایہ عقل و حزم و استقلال سے گزرنے لگتی ہیں۔ اس تیس برس کے عرصے کے بعد بھی راقم کی آنکھوں میں حضرت خواجہ اور حضرت آدم کی آنکھیں پھر رہی ہیں یا وجود اس مدت میں دیکھ کر بھی مصور کی کمال صناعتی کا اثر آج تک فقیر کے دل پر تازہ ہو رہا ہے بلکہ مرد و ایام اور افزائش الطلاع سے اس اثر میں ترقی ہوتی جاتی ہے راقم اس لطیف تصویر کو بھول نہیں سکتا کہ حضرت حوا اپنی محبوبیت کے اعتماد پر کہ حضرت آدم ان کا کمانہ اٹھائیں گے مشغول اصرار و ترغیب ہو رہی ہیں۔ ان کی آنکھوں سے یہ کیفیتیں ٹپک رہی ہیں یا تھیں جو گندم کے خوشے ہیں وہ اس انداز سے حضرت حوا ایسے ہوتی ہیں کہ بجائے خود گلدرستہ ترغیب ہو رہے ہیں۔ حضرت حوا کی آنکھیں کہ وہی ہیں کہ یہ عورت کی آنکھیں ہیں جن کو عاقبت اندیشی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ آنکھیں نہیں ہیں مجسم تریا ہٹ ہیں اسی کے برخلاف حضرت آدم کی آنکھیں انظار، تفکر و مال اندیشی کر رہی ہیں اور عجب کشمکش کا عالم دکھا رہی ہیں خدا کی نافرمانی کا خوف حوا کی آرزوگی کا خیال عجب مرکب کیفیتیں آنکھوں میں پیدا کیے ہوئے ہیں پھر حوا کی سردست بیدلی کا اندیشہ آئندہ کی ناخوشنودی خدا پر غلبہ و کملا رہا ہے۔ اسے حضرات ناظرین بانیکن اس عاجز کو اس قدر اطلاع

علمی کہاں ہے کہ اُس مصورِ عالم کی پوری تعریف رقم کر سکے جس نے کمالِ صناعتی کے ساتھ دشوار و دشوار امور ذہنیہ کو اس طور پر حوالہ قلم کاری کیا تھا بلاشبہ وہ مصورِ علاوہ علوم مختلفہ کے علوم ذہنیہ میں بھی مہارت تامہ رکھتا تھا ورنہ ایسی عالمانہ مصوری کا جلوہ خاص و عام کو کس طرح دکھلا سکتا ہے۔ اس تصویر کے دیکھنے سے شعر ذیل کی کوئی رعظمت راقم کی آنکھوں میں باقی نہیں رہی ہے۔

گر مصورِ صورتِ آں جانِ جانِ خواہد کشید

حیرتِ ماینِ ستِ نازش را چسپاںِ خواہد کشید

معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعرا اُس عہد کا ہے کہ جب فنِ مصوری حال کے درجہ کمال کو نہیں پہنچا تھا ورنہ اس زمانے میں نازِ معشوق کے کھینچنے والے بہت اہل فن موجود ہیں۔

تیسری تصویر - تیسری تصویر بھی دونوں تصویر ہائے بالا سے تقاست اور صناعتی میں کم نہ تھی اس تصویر کا منشا یہ تھا کہ گندم خوری سے حضرت آدم پر کیا گزری۔ اور ان کی حالت میں کیا انقلاب پیدا ہوا معاملاتِ خارجیہ کا جو کچھ نقشہ مصور نے کھینچا تھا اُس کا بیان طوالت سے خالی نہیں ہے مگر اس نافرمانیِ خدا سے جو

پشیمانی بد حالی بے قراری بے چینی وغیرہ وغیرہ حضرت آدم کو لاحق ہوئیں۔

ان کی نسبت اتنا عرض کر دینا ضرور ہے کہ ان کے چہرے سے یہ کیفیتیں ایسی نمایاں تھیں کہ ان کیفیتوں کا بیان زبان کے وسیعے سے بھی خالی از وقت نہیں ہے

مصور کو مشاہدہ علومِ خارجیہ و ذہنیہ کی دانست کے علاوہ مصور

عالم کی حاجت کو چاہیے کہ وسعتِ نظر کے ساتھ صحیح طور پر عالمِ کمال مشاہدہ کیے ہو ملک ملک پھرا ہو طرح طرح کے بیابان، صحرا، جنگل، بحیرہ و جبا

کو اپنی آنکھوں سے دیکھے ہو ہر قسم کے جانوروں کو ان کی صحرائی اور پروردہ حالتوں
 میں معائنہ کیے ہو اقوام مختلفہ کی اوضاع و عمارت کس و حال کو ملاحظہ کیے ہو اور
 جتنی چیزیں اس عالم میں فطرتی اور مصنوعی ہیں بحد طاقت بشریہ ان سے ذاتی اطلاع
 رکھتا ہو فطرتی اشیاء میں قابل مشاہدہ ایسی ایسی چیزیں ہیں مثلاً ملک ملک کی شفق
 رنگ آسمان فصل بہار فصل خزاں سمندروں کے بوقش طوفان روف باری ژالہ باری
 برق باران قوس قزح اردو اور بالاس (یعنی شفق شمالی) انگلستان۔ گرد باد۔ بادِ موسم
 نستان۔ مرنزار۔ سبزہ زار۔ چراگاہیں۔ دشت۔ صحرا۔ کوہ آتش فشاں پہاڑوں کی
 چوٹیاں و امان کوہ دریاؤں کا پہاڑوں سے نکلنا ان کا بلند یوں سے نشیب کی طرف
 جست کرنا۔ ان کا پہاڑوں سے گزارا ان کا پہاڑوں کو پھینکا کر بہ نکلنا ان کا میدانی
 حصوں میں کچ دکا واک راہوں کا اختیار کرنا چشموں کا اُبنا بڑی بڑی جمعیں (جیسے
 ایک کو مو وغیرہ) اور طرح طرح کے اشجار و اثمار و ازہار و طیور و دواب وغیرہ وغیرہ
 مصنوعی چیزوں میں قابل دید بڑے بڑے شہر بادشاہوں کے محل ان کے دیوان
 عام و خاص قلعہ جات۔ سفارت خانے امرا کے ایوان۔ مساجد۔ مندر۔ گرجے
 مقابر۔ روئے۔ خانقاہیں۔ مدارس۔ رصدیں۔ منارے۔ باغ۔ فوارے۔ مہمان
 سراہیں۔ پیادے اور سواروں کی بارکیں۔ پڑتیں۔ توپ خانے۔ جہاز جنگی۔ جہاز
 تجارتی۔ بندرگاہیں۔ تجارت گاہیں۔ تجارتی چیزوں کی کارگاہیں وغیرہ وغیرہ
 بالتحقیق علم مختلفہ کے ساتھ معاملات عالم کا مشاہدہ صحیح بھی مستور کو حاصل
 ہو گا تب اس کی صنعت اہل اطلالیغ کے نزدیک قابل توجہ متصور ہوگی اس
 زمانے میں مستوری کا فن اس درجہ ترقی کر چکا ہے کہ اگر بہر ادو مانی قبر سے اٹھ کر

آئیں تو سر جسٹس اور نیلزڈ۔ روئیس وینڈک اور ان کے برابر کے مصوروں کی عنایاں دیکھ کر خود تصور پیرت ہو جائیں۔ اب مصوری اس بلنڈ پائیگی کو پہنچ گئی ہے۔ کہ مصور حکم حکیم کا رکھتا ہے۔

اس عہد میں اس زمانے کے مصوروں کی عنایوں کے سمجھنے کے لیے انسان کو خود بھی جامع علوم پر ماوہ اور طباع ہونا چاہیے۔ بے اعلیٰ ترقی درجے کی تعلیم یافتگی کے مصوری کے نکات سمجھ میں نہیں آسکتے ایک ایک تصویر اس عہد کی ایسی ہے کہ برائی خود اہل نظر کی وسعت، اطلاع، جہاں دیدگی، باریک بینی، صحیح مذاقی، مضمون دسی، خوش پسندی، قوت و داعی کی آزمائش ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس وقت کے مصوران یورپ فن مصوری کو خوب جانتے ہیں اور ان کی صنعتوں کو ان کے ملک کے لوگ بھی خوب سمجھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جس درجے کی تعلیم یافتگی یورپ کے مصورین رکھتے ہیں ان کے ملک والے بھی اسی درجے کی تعلیم یافتگی رکھتے ہیں۔

ہندوستانی اہل ہند کو مصوری کا مذاق بہت کم ہے اور جن لوگوں کو ہے مصوری بھی تو اکثر ناقص طور پر ہے اور جن کو اس کا فنوڑا بہت مذاق ہے بھی تو انہیں اہل یورپ کی بدولت ہے ایک وقت میں دہلی کے مصور مشہور دیار و امصار تھے اور اب بھی مصور پیشہ لوگ دہلی میں موجود ہیں فولوگرافی کے رواج پکڑنے کے پہلے دہلی کے مصوروں کو اعتباری دوریوں یعنی پریسکٹو کی تمیز مطلق نہ تھی عمر ظفر شاہ تک کی تصویریں جو فقیر نے دیکھی ہیں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصوران دہلی کو پریسکٹو کے قاعدے کچھ نہیں معلوم تھے

مثلاً اگر کوئی تصویر ایسی ہے کہ جس کا منشا یہ ہے کہ بادشاہ تخت پر بیٹھے ہیں اور اراکین دولت چپ و راست کھڑے ہیں اور تخت کی پشت کی جانب یعنی بیک گرؤنڈ (Back Ground) میں کوئی عمارت اور باغ ہے تو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ تخت کا پایہ ہوا میں متعلق ہے یا کسی رکن دولت کے سر پر قرار لیے ہے عمارت کا نیلپا یہ قریب ہے یا باغ کا سرو دور ہے۔ مختصر یہ ہے کہ تمام تصویر میں پرسپیکٹو کا لحاظ ہی نہیں رکھا گیا ہے۔ نزدیک کی چیز دور اور دور کی چیز نزدیک یا سب چیزیں برابر فاصلے پر نظر آتی ہیں مگر جب سے فوٹو گراف نے رواج پکڑا اور مصوران وہی فوٹو کی نقلیں اتارنے لگے تو ان کے پرسپیکٹو کی طرف ناچار توجہ کرنی پڑی جس سبب سے اعتباری دوریوں کا تصویروں میں لحاظ رکھنا آ گیا اب مصوران وہی بلکہ تمام مصوران ہند جو فوٹو کی نقلیں اتار رہے ہیں۔ فوٹو کی مدد سے اچھی تصویریں بسیل نقالی کیصنعت ہیں اور ہندوستانی اور ولایتوں سے اس نقالی کے ذریعے سے خوب منتفع ہوتے ہیں۔

مصوری اور واضح ہو کہ نقالی اور مصوری دو شے ہیں مصور کو علوم مختلفہ سے

نقالی بڑا بہرہ درکار ہے اور اُسے مشاہدہ عالم نہایت وسعت اور صحت کے ساتھ حاصل رہنا چاہیے۔ علاوہ اس کے اُسے بڑا ہی طباع

ذہین خلاق مضمون معنی رس اور صاحب اختیار ہونے کی حاجت ہے۔ نقالی کے لیے مشق اور فہم معمولی کے سوا اور کوئی قابلیت نہیں درکار ہے۔ نقالی پر نقل راہ عقل کا مضمون تمام تر صادق ہے۔ ایک ادنیٰ فرق مصور اور نقال کے درمیان یہ ہے کہ مصور اپنے ذہن اور علم اور طبیعت اور قوت معنی رسی سے صحیح تصویریں

مخلوقات خداوندی کی کھینچ سکتا ہے۔ نقال سے ممکن نہیں کہ اس کام کو کر سکے اگر کیسا ہی کفن مشق بھی ہوگا تو بھی نقال نقال ہے ایسا شخص اصول فطرت کے مطابق اپنے ذہن کے زور سے معاملات خارجیہ یا امور ذہنیہ کا تماشائے نقوش اور کلم کاروں کے ذریعے سے نہیں دکھلا سکتا ہے۔ نقال شاعر کی بلند پائیگی نہیں رکھتا ہے۔ برعکاس اس کے مصوّر شاعر مصوّر ہی ہوتا ہے اور شاعر کا ہم رتبہ مصوّر ہے تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ مصوّران ہندوستان کو سچی مصوّر ہی کی دانست مطلق حاصل نہ تھی۔ جتنی پرانی پرانی تصویریں فقیر کی نظر سے گزری ہیں کوئی بھی نقص پر سپکٹو سے خالی نہ تھیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم مصوّروں کو کسی قدر شبیہ کشی میں دخل تھا مگر اس شبیہ کشی کی بھی یہ حالت معلوم ہوتی ہے کہ بادشاہان اور امرا کی بد مذاقی سے اکثر مصوّرین شبیہ کشی سے احتراز کرتے تھے اور کچھ نہ کچھ منعوموں کی رضامندی کی نظر سے مبالغہ گوراء دے جاتے تھے۔ شبیہ کشی کے لیے منعوم اور مصوّر دونوں کو مذاق صحیح حاصل رہنا اور کار ہے۔ لارڈ کرامول (Lord Cromwell) نے جب اپنی شبیہ کھینچنے کے لیے مصوّر کو حکم دیا تو مصوّر کو پرزور لفظوں میں یہ نمائش کی کہ میں جیسا ہوں میری تصویر ویسی ہی کھینچو۔ اگر میرے چہرے پر کئے تلواروں کے داغوں کو جن سے میرا چہرہ بدنام ہو رہا ہے چھوڑ دو تو میں تمہیں ایک کوڑی نہ دوں گا۔

صحت و عدم
صحت مذاق
مصروری

مگر اس مذاق کے خلاف کے لوگ اس وقت بھی دیکھے جاتے ہیں چنانچہ میرے صورت آشنایک حضرت ہیں جنہوں نے ایک مصوّر کو اپنی شبیہ کشی کا حکم دیا۔

مصوّر بے چارہ ان کے مذاق سے واقف تھا سمجھا کہ اگر حضرت کی تصویر میں آبلہ
 ردئی بد لونی وغیرہ نے جگہ پائی تو ساری محنت رائگاں جاے گی اور ایک خرمنرہ
 نہیں ملے گا۔ پس اس نے ایک ایسی تصویر لکھی جو سبب وجاہت و جمال کے کبھی
 ان کی شبیہ ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ تصویر کو اس طور پر خوبصورت بنانے کے علاوہ
 مصوّر نے حضرت کے فرق اقداس پر خاندان تیموریہ کا ایک تاج بھی چڑھا دیا جس سے
 اُس تصویر میں ولی کے شاہزادوں کا انداز پیدا ہو گیا۔ چائے لحاظ ہے کہ جب
 ہندوستان کے خوشحال عوام کا یہ مذاق ہے تو سابق کے مصوّر با اختیار بادشاہا
 و لو ابان و عمائد کی پوری شبیہیں لکھنے میں بہت سی حالتوں میں مضائقہ کرتے
 ہوں گے اس پر بھی اُن مصوّروں کی قلم کاریوں سے عیاں ہے کہ ان کو بلا شبہ
 کسی قدر شبیہ کشی میں دخل تھا اور اکثر سابق زمانے کے مہیرا شخص خاص اپنی شبیہ
 کھجورایا کرتے تھے۔ چنانچہ فقیر کے بھی بعض بزرگوں کی تصویریں اس وقت موجود ہیں
 جن سے سابق کے مصوّروں کی صناعی کا اندازہ دریافت میں آتا ہے اس بات میں
 کوئی شک نہیں ہے کہ عہد سابق کے اکثر دایان ملک و اہل حکومت فن مصوری
 کا مذاق صحیح نہیں رکھتے تھے جس سبب سے مصوّروں کا مذاق بھی خراب ہو جاتا
 تھا اور اس خرابی مذاق کے باعث ان کو اپنے فن میں ترقی کرنے کی صلاحیت
 باقی نہیں رہتی تھی۔ یہی حال ایشیائی شعرا کا بھی دیکھا جاتا ہے کہ تقرب سلطانی اور
 تقاضائے سلطنت سے ان کو فطرت اللہ کی تبعیت کا خیال باقی نہیں رہتا تھا
 اور اپنے حمد و حین کی خوشامدوں سے اپنی شاعری کو بد مذاقی کا نمونہ کر ڈالتے تھے
 انشاء اللہ تعالیٰ شعرا کی بد مذاقی کی بحث اُمیدہ بسط کے ساتھ حوالہ تلم ہوگی الغرض

اس وقت جو عہد مسلمانان کی مصوری کے آثار پائے جاتے ہیں ان سے مصوروں کی خوش مذاقی کا کوئی پتہ نہیں لگتا۔ اس عدم خوش مذاقی کی توجیہ بعض ناواقف اشخاص نے یوں کی ہے کہ تصویر مسلمانوں کے مذہب کے رُو سے ایک ممنوع امر ہے۔ اس واسطے عہد مسلمانان کے مصوروں میں بد مذاقی کا نقص دیکھا جاتا ہے۔ ظاہر یہ توجیہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے اور غیر محصل شخص کو دھوکے میں ڈال سکتی ہے۔ مگر جو حضرات واقف حقیقت ہیں وہ اس توجیہ کو سراپا غلط سمجھیں گے۔ کس واسطے کہ اگر اسلام کے تقاضائے ممانعت سے مصوران ہند میں نقص بد مذاقی وغیرہ پایا جاتا ہے تو ضرور تھا کہ عہد ہنود کے مصور یہ تقاضائے بت پرستی و صنم سازی اسلامی مصوروں سے بہتر ہوتے حالانکہ معاملہ برعکس دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ میرے اس دعوے کے معین النفسٹون صاحب مصنف تاریخ ہند کی تحریر ہے جو فرماتے ہیں کہ ہنود اگرچہ تقاضائے مذہب سے صنم پرست ہیں اس پر بھی اسلامی مصوروں پر ترجیح نہیں رکھتے۔ بہر حال عہد مسلمانان کی مصوری کا جو نقص ہے اس کا اعظم سبب فرماں روا یوں کی بد مذاقی ہے۔ چنانچہ اہل سلطنت کی بد مذاقی کی مثال ایک یہ ہے کہ صوبہ بیسور میں ایک باغ ٹیپو صاحب کا آراستہ کیا ہوا ہے۔ اس کی حفاظت اور مرمت آج تک سرکار انگلشیہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اُس باغ میں ایک پختہ مکان بھی ٹیپو صاحب کا تعمیر کردہ ہے۔ اس مکان کے ایک کمرے کی دیوار پر ایک جنگ کی تصویر کھینچی ہوئی ہے۔ جو ٹیپو صاحب اور انگریزوں کے درمیان واقع ہوئی تھی اور جس میں ٹیپو صاحب کی فوج چہرہ دست رہی تھی۔ اُس دیواری تصویر کا منشا یہی ہے جو ابھی عرض ہوا۔ مگر اب مصور کی

صناعی پر غور و درکار ہے۔ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مصوّر نے کبھی مضمون
 فطرت اللہ پر غور نہیں کیا تھا ساری تصویر بیعت فطرت اللہ سے معرا پانی جانی
 ہے۔ اول تو ٹیپو صاحب کے گھوڑے کا رنگ شہابی دکھلایا گیا ہے دوم یہ کہ
 ٹیپو صاحب کا گھوڑا ان کے لشکریوں کے گھوڑے سے بلا لحاظ پر سپکٹوسہ گو نہ
 جسامت میں زیادہ معلوم ہوتا ہے اور خود ٹیپو صاحب اپنے لشکریوں سے پابندی
 تناسب دو گو نہ جسم معلوم ہوتے ہیں علاوہ ٹیپو صاحب اور ٹیپو صاحب کے گھوڑے
 کے ان کے سواروں کے گھوڑے کوئی آسمانی کوئی زنگاری کوئی کھاسنی کوئی بیگنی
 کوئی دہانی رنگ وغیرہ وغیرہ نظر آتے ہیں۔ ماشاء اللہ ہاتھیوں میں بھی عجیب انقلاب
 نمایاں ہے کوئی ہاتھی عبیری کوئی گلابی کوئی نارنجی کوئی زعفرانی رنگ کا دکھائی
 دیتا ہے۔ اس تصویر میں انگریز میدان جنگ سے بھاگتے دکھلائے گئے ہیں مگر
 نہ ان کا رنگ نہ ان کا لباس نہ ان کی صورت کو ان کے واقعی حالت سے کوئی
 علاقہ معلوم ہوتا ہے۔ انگریزوں کے ساتھ ان کے فانسماں خدمت گزار بھی بھاگتے
 نظر پڑتے ہیں مگر ان فانسماں و خدمت گزار کی شناخت صرف دو چیزوں سے ہوتی
 ہے۔ یعنی ایک نوشراب کی بوتلیں اور دوسری چائے کی بڑی بڑی کیتلیاں۔ خدا
 جانے عین میدان جنگ میں یہ کبجنت خانسان خدمت گزار کیا کرتے تھے۔ اور
 ان کی وہاں ضرورت کیا تھی۔ اس قسم کی غیر فطرتی مصوّر یوں کی اور بھی بہت مثالیں ہیں
 جن کے اعادے کی یہاں حاجت نہیں۔ یہی ایک مثال اظہار مطلب کے واسطے
 کافی ہے۔

داخل ہو کہ بالائیں بہت سے امور جو راقم نے مصوّر کی کے متعلق بیان

کیسے ہیں ان کو شاعری سے بھی تمام تو تعلق ہے۔ جو جو امور صحیح مذاق شاعری کے
 جیسے درکار ہیں وہی امور صحیح مذاق مصوٰری کے لیے بھی درکار ہیں حقیقت یہ ہے کہ
 مصوٰری اور شاعری میں اس قدر مجابست ہے کہ جب انسان کا مذاق مصوٰری صحیح
 ہوتا ہے تو شاعری کا مذاق بھی درست ہوتا ہے یہ ناممکن ہے کہ مصوٰری کا مذاق صحیح
 ہو اور شاعری کا مذاق غلط ہو جیسا ہوں گے تو دونوں فنوں کے مذاق صحیح ہوں گے
 یا دونوں کے غلط ہوں گے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک فن کا مذاق صحیح ہو۔ اور
 دوسرے کا غلط ہو موسیقی کا بھی یہی حال ہے۔ اب فقیر شاعری کی حقیقت
 کی طرف حضرات با مذاق کی توجہ کا خواستگار ہوتا ہے۔

شاعری

راقم شاعری کی تعریف سابق میں عرض کر چکا ہے کہ یہ رضائے الہی کی ایسی
 نقل صحیح ہے جو الفاظ با معنی کے ذریعے سے ظہور میں آتی ہے۔ رضائے الہی سے
 مراد فطرت اللہ ہے اور فطرت اللہ سے مراد وہ قوانین فطرت ہیں جنہوں نے
 حسب مرضی الہی نفاذ پایا ہے اور جن کے مطابق عالم درونی و برونی نشوونما پاتے
 گئے ہیں۔ پس جانتا چاہیے کہ اسی عالم درونی و برونی کی نقل صحیح جو الفاظ با معنی کے
 ذریعے سے عمل میں آتی ہے شاعری ہے۔

بیان عالم مادی واسع ہو کہ عالم دو پنج پر واقع ہے ایک عالم خارج
 وغیر مادی ہے اور دوسرا عالم باطن عالم خارج سے مراد وہ

عالم ہے کہ جس کی ترکیب میں مادہ داخل ہے۔ اور مادہ وہ شے ہے کہ جس سے صفت ابعاد ثلاثہ کی منفک نہیں ہو سکتی۔ جیسے شجر، حجر و قمر وغیرہ جس سے طول و عرض و عمق منفک نہیں ہو سکتے اور یہ عالم مادی وہی عالم ہے جس پر حواس خمس کا فعل ہوا کرتا ہے۔ اس عالم کے وسائل درک ہی حواس خمس ہیں۔ اگر یہ تو اسے ظاہر یہ ہم لوگوں کو عطا نہیں ہوئے ہوتے تو ہم لوگ عالم خارج سے مطلع نہیں ہو سکتے تھے اس عالم خارج کی وسعت پر غور کیجیے تو عجب حیرت و انگیز ہوتی ہے تحقیق بلیغ کے بعد بھی اس عالم کی ابتداء اور انتہا کوئی دریافت نہیں کر سکتا۔ اگر آسمان کی طرف دن کو نظر اٹھا کر دیکھیے تو صرف ایک آفتاب دکھائی دیتا ہے اس آفتاب پر اگر علمی نگاہ ڈالیے تو یہ دریافت میں آتا ہے کہ یہ آفتاب صاحب نظام ہے خود مرکز ہے اور اس کے گرد قریب قریب تین سو سیارے گردش کرتے ہیں۔ بعض سیارے کے ساتھ ایک قمر بعض کے ساتھ چار اور بعض کے ساتھ سات قمر بھی گردان ہیں۔ اس نظام کے قوانین عجائب و غرائب ہیں ان کی تحقیق کسی قادر علما کرتے گئے ہیں یہ تہاری دنیا بھی اسی آفتاب کی فدیوں سے ہے اور بقابلہ مشتری و زحل کے کہ ایک محقر سیارہ ہے اور خود مشتری و زحل جسامت و عظمت آفتاب کے مقابلے میں محقر اجرام ہیں مجرد اس نظام پر فکر و غور کرنے سے جب اس ارض کی حقیقی عیال ہوتی ہے اور پھر ان اشیا کو جو اس کرے سے منغلن ہیں کیا وزن ہو سکتا ہے۔ ان علمی مسائل کی دریافت سے کیا کیا حیرت نہیں پیدا ہوتی ہے مجرد آفتاب کی عظمت جثہ اور اس کے گرد اس قدر سیاروں کی کثرت ایک حیرت خیز بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جب ان کروی اجسام کے نظام گردش کے لیے

کس قدر وسعت کی حاجت ہے اس کو خیال کیجیے تو ایک فضا کے عظیم کما تصور
 دل میں جبکہ کرتا ہے جس سے ایک سخت نجر منتج ہوتا ہے یہ تو اس آفتاب کا
 نظام ہے جس کو ہم لوگ دن کو تابان اور درخشاں دیکھتے ہیں اور جو دن کے ظہور
 کا سبب ہے۔ جب رات آتی ہے اور آسمان میں ہزاروں بظاہر خرد مقدار
 تابان کر دی اجسام جو ثابت کھلتے ہیں اور جو درحقیقت آفتاب ہیں اور
 ہمارے آفتاب سے جسامت میں بزرگ نہیں نمایاں ہوتے ہیں تو بصورت
 حاصل رہنے علم فلکیات کے یہ تعجب گزرنے لگتا ہے کہ خداوندان کو نور
 ایک آفتاب نظر آتا ہے۔ جس کو دیکھ کر حیرت دامگیر ہوتی ہے اب تو ہزاروں
 آفتاب دکھائی دیتے ہیں اور کوئی بھی ان شمس سے ہمارے شمس سے چھوٹا
 نہیں ہے پس اس قدر شمس کے نظام و در نظام کے لیے کس قدر وسعت فضا
 درکار ہوگی لاریب عقل مرد محفل کے ان خیالوں سے مبتلائے تجیر ہوتی ہے۔
 اور یہ اختیار چلا اٹھتی ہے کہ الہی یہ کارخانہ عالم مادی کا کیسا ہے کہ جس کی
 نہ ابتدائے اتہا معلوم ہوتی ہے اس وقت کوئی اس دنیا کو خیال میں لائے اور
 سوچے کہ یہ گہر غیر محدود عالم خارج کا کیا جزو ہے مقدار ہے اسی طرح بندرت
 دنیا کی چیزوں پر اگر غور کرتے جائیے تو ایک سے چھوٹی دوسری چیز۔ نظر آئیگی
 یہاں تک کہ اجسام خرد مقدار کے جس کرنے کے لیے خرد بین شیشوں کی ضرورت
 ہوگی۔ جانتا چاہیے کہ جس طرح دوربین و آلات رصد کے وسیلوں سے بڑے
 بڑے اجرام فلکیہ کے عجائبات سے کسی قدر اطلاع کی صورت پیدا ہوتی ہے
 اسی طرح ان کلان بینوں کے ذریعے سے اشیاء خرد مقدار کے عجائبات

دریافت میں آتے ہیں اور عقل ان خرد مقدار اجسام کے درک سے ویسی ہی حیرزد
ہوتی ہے جیسی کہ شمس و دیگر اجرام فلکیہ کی دریافت سے متحیر ہوتی ہے الخضر
عالم مادی برائے خود ایک ایسا تعجب انگیز عالم ہے کہ جس کے تصور سے
انسان کا دماغ چکر میں آنے لگتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ عقل انسانی ایک
محدود شے ہے اور زہن اس کو اتنی صلاحیت حاصل نہیں ہے کہ عالم مادی اور
اس کے متعلق کے قوانین کا حسب مراد اندازہ کر سکے اس وقت تک جو کچھ محققین نے
دریافت کیا ہے وہ بہت قلیل ہے ان کی تحقیقات سے صرف ان کے عجز کا
اظہار متصور ہے یہ تو حالت عالم مادی کی ہے اب عالم ذہن پر غور کیجیے۔ تو
اس کی دریافت حقیقت میں عقل انسانی اور بھی مجبور ہے یہ عالم بالکل ہی جداگانہ
ہے۔ عالم مادی سے اس کو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے اس عالم میں تمام ایسے
امور ذہنیہ داخل ہیں جن کو مادیت سے کوئی سروکار نہیں ہے اور جو ابعاد ثلاثہ
سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے یہ عالم اُلوہیت سے اقرب ہے اور اسی لیے
عالم مادی سے اشرف ہے اس عالم کی برتری کے آگے تمام اجرام فلکیہ وغیرہ
کی بزرگی ہوا ہو جاتی ہے اسی عالم کے وسیع سے انسان کی رسائی خدا تک
ہوتی ہے اور اسی عالم کو معرفت الہی کا ذریعہ قیاس کرنا چاہیے انسان کو اسی
عالم کے تزکیے اور تصفیے کی فکر لازم ہے افسوس ہے کہ اس عمر میں اس عالم
کی طرف علمائے زمانہ نے توجہ یک قلم موقوف کر دی ہے۔ خاص کر علما
یورپ کہ بالکل میٹرالیٹک (Materialistic) خیال اور مذاق کے ہو
رہے ہیں اور جو کچھ ترقیاں کرتے ہیں عالم مادی کے متعلق کرتے ہیں۔ کوئی

شک نہیں کہ علما یورپ نے مادیات میں بڑی ترقی کی ہے اور کرتے جاتے
 ہیں مگر عالم روحانی سے غفلت اختیار کرنا خالی از ضرر نہیں ہے اس عالم مادی کی
 ترقی نے اہل یورپ کو روحی معاملات میں سست بنا رکھا ہے مذہب بھی ایک
 جز و معاملات ذہنی کا ہے اور بہت کچھ قابل توجہ ہے افسوس ہے کہ مادی
 مذاق کے اہل یورپ مذہب کو توجہ کی آنکھ سے نہیں دیکھتے ہیں خیر جو کچھ اہل یورپ
 کی حالت ہو عالم ذہن ایک بہت قابل لحاظ امر ہے اس عالم ذہن کو جس طرح
 خاصان خدا نے سمجھا ہے اُس سے فقیر کو کوئی اطلاع نہیں ہے مگر جو کچھ تفحص
 کے ذریعے سے اس عالم کے معاملات و ریاضت میں آئے ہیں اُس سے یہ
 معلوم ہوتا ہے کہ ہم میں ایک شے غیر مادی ایسی ہے کہ جس کی طرف انا نحن
 کی نسبت کی جاتی ہے اور وہ شے جو منسوب بہ انا نحن ہے اُس کو چند طرح کے
 قوی فطرت نے بخشے ہیں اور یہ قوی مختلف کام کے لیے دیے گئے ہیں ان میں
 سے ایک کا کام یہ ہے کہ حواس خمس کے ذریعے سے عالم فی الخارج کو درک کرے
 دوسرے کا کام یہ ہے کہ جو اس سبیل سے اشیائے فی الخارج کے صور فی الذہن
 قائم ہوں۔ ان کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ تیسرے کا کام یہ ہے کہ ان محفوظ صور
 کو آپس میں ترکیب دے اور ان سے صور مرکبہ قائم کرے۔ چوتھے کا کام یہ
 ہے کہ ان صور کو ایک دوسرے سے تمیز کرے۔ پانچویں کا کام یہ ہے کہ تمیز
 کے بعد ان میں تجزیہ کو دخل دے اسی طرح مختلف قوی کے متعلق مختلف حدیثیں
 ہیں سو ایسے ایسے قوائے فاعلیہ کے قوائے اخلاقیہ ہیں اور یہ قوائے اخلاقیہ
 یا حمیدہ ہیں یا ذمیرہ علاوہ ان قوائے اخلاقیہ کے دارواتِ تعلیمیہ ہیں۔ جن سے

قولے دماغیر کو کوئی متعلق نہیں ہے اور ان واردات قلبیہ سے اہم امور روحی متعلق
ہیں اور ان واردات قلبیہ کی وسعت اس قدر ہے کہ وحی والہام تک اس کے
حیطے کے اندر آتے ہیں اور دیگر معاملات الہی کو تمام نرس سے تعلق ہے مثلاً
اقرار توحید و ایمان جماعتیں واردات قلبیہ میں داخل ہیں اور انہیں واردات قلبیہ
کی ترقی سے انسان رفتہ رفتہ مقرب ذات ایزدی ہو جاتا ہے اس تقرب سے
اسرار خداوندی اس پر کشف ہوتے ہیں اور آخر کار یہی واردات قلبیہ عالم اکبر
دکھائی دیتے ہیں۔ جن میں عالم اصغر یعنی عالم فی الخارج مادیت سے بری ہو کر
شامل ہو جاتا ہے اور پھر وہی عالم اکبر محل و گزر گاہ ذات باری قرار پاتا ہے
یعنی ذات و صفات باری تعالیٰ کا جلوہ نگاہ قرار پا کر عرش اللہ تعالیٰ ہو جاتا ہے

لمؤلفہ

کیوں کعبہ دل میں نہ رکھیں تجھ سے صنم کو
جلو جانے ترے ایک کیا دیر و حرم کو
ہم نے وہ صنم خانہ بنایا ہے کہ جس میں
ہو و ظل نہ زاہد ترے نفوس کے صنم کو
دل ہے جو گزر گاہ خدا کعبہ یہی ہے
اے شیخ ترا کعبہ نہیں چاہیے ہم کو

المختصر ان باتوں سے عالم باطن کی عظمت کو خیال کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے
کہ عالم باطن عالم خارج سے کس قدر اشرف ہے خیر ان دونوں عالم کی کیفیت

تو اس طرح واقع ہے جیسا کہ فقیر نے سبیل اختصار سابق میں ان کے بیان کو حوالہ قلم کیا ہے مگر اب یہ جاننا چاہیے کہ یہ دونوں عالم یعنی عالم خارج و عالم باطن جو رضائے الہی کے مطابق ظہور میں آئے ہیں انہیں کی نقل صحیح الفاظ بامعنی کے ذریعہ سے شاعری کا حکم رکھتی ہے۔

شاعری کی تقسیم پس جب عالم دو پنج پر واقع ہے یعنی مادی اور خیالی از روئے تقاضائے تو مضامین بھی جو ان سے متعلق ہوں گے ضرور ہے کہ مضامین ہمزنگ نہ ہوں چنانچہ حقیقت حال بھی یہی ہے۔ کہ

جو مضامین اشیائے فی الخارج سے متعلق رکھتے ہیں ان کا رنگ جدا ہے۔ اور جو امور ذہنیہ سے متعلق ہیں ان کی کیفیت کچھ علحہ ہے اسی فرق رنگ کے اعتبار سے شاعری دو قسم پر تقسیم پاتی ہے یعنی شاعری متعلق عالم خارج جسے بزبان انگریزی **Objective** اور شاعری متعلق بعالم ذہن جسے بزبان انگریزی **Subjective** کہتے ہیں۔ اول قسم کی شاعری جس کا نام راقم خارجی رکھتا ہے ایسے بیانات پر مشتمل ہوتی ہے۔ جن سے عالم فی الخارج کے معاملات پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کی شاعری میں اکثر بیانات رزم، بزم، جلوس، فرج، نزدیک، ہفتام، بسائین، باغ، قصور، چمن، گلدار، سبزہ زار، المازار، جبال، بحور، صحرا، دشت، بیابان، ریگستان، خارستان، جبگل، آبستان، چشمے، ہوا، برق، باران، سیل، برف، شفق، سحر، شام، روز، شب، شمس، قمر، سیارے، ثوابت، قطب، بردج اور دیگر خارجی اشیاء کے متعلق ہوتے ہیں۔ بعض شعرا میں اس قسم کی شاعری کی صلاحیت ایسی دیکھی جاتی ہے کہ ان کے

بیان سے معاملات خارجیہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتی ہے اور جو
 لطف اعلیٰ درجے کے مصوّر کی قلم کاروں سے اُمّقتا ہے وہی لطف ان کے بیان
 سے پیدا ہوتا ہے۔ یورپ میں اس رنگ کے شاعر کی مثال رائیڈی شاعروں میں
 سرواٹراسکاٹ اور اردو شاعروں میں کسی قدر تیز نظر اکبر آبادی ہے۔ یورپ اور ایشیا
 دونوں میں اس رنگ کے کچھ ایسے شعر گذرتے گئے ہیں کہ اگر انھوں نے کسی
 معاملہ رزم کو حوالہ قلم کیا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ معاملہ رزم آنکھوں کے
 سامنے ظہور میں آ رہا ہے اسی طرح اگر انھوں نے جبال و بحرد و صحرا وغیرہ کے
 حالات موزوں کیے ہیں تو یہ سب موجودات فی الخارج پیش نظر معلوم ہوتی ہیں
 اس طرح کی واقعہ نگاری پر قادر ہونا آسان امر نہیں ہے۔ جب تک کہ شاعر کو
 معاملات خارجیہ پر غور اور فطرت اللہ کی تبعیت کی صلاحیت بدرجہ اتم حاصل نہ
 ہوگی اپنے بیانات میں تصویر کا عالم نہیں پیدا کر سکے گا۔ دوسری قسم کی شاعری
 جس کو راقم داخل موسوم کرتا ہے تمام تر ایسے مضامین سے متعلق ہوتی ہے۔
 کہ جن کو سراسر امور ذہنیہ سے سروکار رہتا ہے یہ شاعری انسان کے قوائے
 و اہلیہ اور واردات تلبلیہ کی کیفیتوں کی مصوّر ہے۔ اس رنگ کے بھی قناز شعرا
 یورپ اور ایشیا میں گزرے ہیں منجملہ ان کے انگریزی شعرا میں لارڈ بیرن (Lord Byron)
 ہے اور اردو شاعروں میں میر تقی۔ اس رنگ کے شاعروں نے
 اگر عشق کو بیان کیا ہے تو عشق کی تصویر سامنے لا کر کھڑی کر دی ہے اسی طرح اگر
 انھوں نے غم، غصہ، رنج، ملال، انوس، حسد، بغض، دشمنی، محبت
 عداوت، رشہنت، نفرت وغیرہ وغیرہ کو حوالہ قلم کیا ہے تو ایسے ایسے امور

ذہنیہ کے بیان میں مہموور کی قلمکاری کا لطف دکھایا ہے۔ بہر حال ان دونوں رنگوں کے شعرا کے کلام مختلف زبانوں میں موجود ہیں جن کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کسی کو معاملات خارجیہ کے بیان پر قدرت حاصل تھی اور کسی کو امور ذہنیہ کے اظہار کو انہف کی صلاحیت مودعہ تھی علاوہ ان کے کچھ ایسے شعرا بھی اقدام مختلفہ میں دیکھے جاتے ہیں کہ دونوں رنگ کی شاعری پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ اور اسی شہرہ کی قابلیت کی وجہ سے ان کی شہرت آج تک برقرار ہے بلکہ ترقی علماء و فنون کے ساتھ ترقی کرتی جاتی ہے۔ اس جامعیت کی مثال ہومیر و سوجرل فردوسی، شیکسپیر، ملٹن، گوٹے، میرانیس، والیسکی، بیاس اور کالیڈاس میں لے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اقسام بالاکے شعرا کا مذکور زیادہ تفصیل کے ساتھ آئے گا جس سے فقیر کے مضامین بالالاکے تشریح اور بھی واضح طور پر ہو جائے گی۔

جاننا چاہیے کہ شاعری کے مذاق صمیم و غیر صمیم کا مدار انہیں معاملات خارجیہ اور امور ذہنیہ کی دانست پر ہے جن شعرا نے عالم درونی و برونی کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر مضمون بندی کی ہے ان کی شاعری مذاق صمیم سے خالی نہیں ہو سکتی۔ عالم خارج و داخل کے تقاضوں پر لحاظ رکھ کر کما بند ہونا تبعیت فطرت ہے۔ پس جب کوئی شاعر تبعیت فطرت کی پابندی کے ساتھ مضمون بندی کرے گا تو عام اس سے کہ اس کی شاعری کا انداز خارجی ہو یا داخلی اس کی شاعری ضرور فطرتی ہوگی اسی فطرتی شاعری کو مذاق صمیم کا مصداق سمجھا چاہیے برخلاف اس کے اگر کوئی شاعر معاملات خارجیہ و ذہنیہ کے تقاضوں سے انحراف کرے یعنی تبعیت فطرت نہ کرے تو اس کی شاعری مذاق غیر صمیم کا نقشہ پیدا کرے گی

اسی اصول پر سخن فہموں کے مذاق کو بھی قیاس کرنا چاہیے اور حق یہ ہے کہ سخن فہم کو معاملات خارجیہ اور امور ذہنیہ کی دانست اور ان کے تقاضوں کی اطلاع و شعاع کے برابر یا شعاع سے بھی زیادہ درکار ہے اگر زیادہ نہ ہو تو خود شعاع کے برابر تو ہو کس واسطے کہ اگر یہ ہوتا ہے کہ فطرتی مضامین شعاع کو تبعیت فطرت کے قصد کے بغیر بسبب الہام تفویض ہوتے ہیں اور خود شعاع اپنے کلام کی خوبیوں سے شعور کوئی سکے وقت آگاہ نہیں رہتا ہے بلکہ بہت سے ایسے مضامین اس کے قلم سے الہامی طور پر نکل آتے ہیں کہ سخن فہموں کو اس کی خوبیاں بعد فکر و غور کے درک میں آتی ہیں اور خود شعاع ان کی اطلاع سے ممکن ہے کہ تادم آخر محروم رہ جائے پس ایسی صورت میں ضرور ہے کہ سخن فہم معاملات خارجیہ اور امور ذہنیہ کی نہایت وسیع اطلاع رکھے ورنہ شعر فہمی میں عاجز رہے گا اسی لیے ذی فہموں نے کہا ہے کہ شعر گوئی سے شعر فہمی مشکل ہے یہ قول اگر تمام تر صحیح نہ بھی مانا جائے اس پر بھی کوئی شک نہیں ہے کہ شعر فہمی ایک دشوار امر ہے کس واسطے کہ اس کے واسطے بڑے مذاق صحیح کی ضرورت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ شعر فہمی کا مذاق صحیح کسی کو نہیں حاصل ہو سکتا ہے جب تک کہ معاملات خارجیہ اور امور ذہنیہ کی دانست اور ان کے تقاضوں سے آگہی بدرجہ اتم حاصل نہ ہو جب تک انسان سجد امر مکان اس کی واقفیت پیدا نہ کرے زہنار و عموئی سخن فہمی نہ کرے کیا تعجب کی بات ہے کہ بعض اشخاص جو عالم مادی اور عالم ذہنی کا فرق تک نہیں سمجھتے ہیں شعرا کی نسبت رائے زنی کے لیے مستعد ہو جاتے ہیں اور بے محابا جو کچھ منہ میں آجاتا ہے فرما جاتے ہیں ایسے حضرات سے جب چاہیے سن لیجیے کہ مطلقاً شعاع منے

خوب غزلیں لکھی ہیں فلاں شاعر نے خوب قصیدے لکھے ہیں۔ فلاں شاعر نے خوب
 مثنویاں کہی ہیں۔ حالانکہ یہ بھی ان حضرات کو نہیں معلوم کہ غزل کو کس مضامین سے
 تعلق ہے اور قصیدے اور مثنویوں کے لیے کن انعام کے مضامین درکار ہیں۔ یعنی
 انھیں اس کی کوئی خبر نہیں کہ غزل و قصیدہ و مثنوی کے لیے معاملات خارجیہ یا امور
 ذہنیہ کے متعلق مضامین درکار ہیں یا دونوں کے مضامین کی آمیزش کی حاجت ہے
 پس جب کسی شخص کو ان باتوں کی تمیز نہ ہوگی تو وہ فطرتی اور غیر فطرتی شاعری کے پہلو
 کیا سمجھے گا۔ پھر ایسے شخص سے سخن فہمی اور شاعروں کی قدر دانی کی کیا امید کی جا سکتی
 ہے سخن فہم کو فطرت اللہ سے و فوراً اطلاع کی بڑی حاجت ہے ایسے شخص کی اطلاع
 کو بہت وسیع ہونا چاہیے ضرور ہے کہ ایسا شخص معاملات خارجیہ اور امور ذہنیہ سے
 پوری واقفیت رکھے اور واقفیت اس کی محصلانہ طور کی ہو محصلانہ سے مراد حکیمانہ
 ہے یعنی یہ نہیں کہ عدم ترتیب کے ساتھ ہزاروں امور سے واقفیت رکھنا ہو مگر
 اس بے ترتیبی کے سبب سے اپنی دانست سے کوئی کام نہ لے سکے۔ مرد محصل
 کے خیالات سلسلہ دار اور منتظم ہوتے ہیں اور فطرت اللہ کے سمجھنے کے لیے اس
 ترتیب و انتظام کی بڑی ضرورت ہے۔ المختصر شعر فہمی حکیم کا کام ہے اور شعرا
 کی نسبت رائے زنی آسان امر نہیں ہے۔ پس مناسب نہیں ہے کہ غیر محصل
 اشخاص رائے زنی کی تکلیف کو اپنے اوپر گوارا کریں۔

جیسا کہ سابق میں عرض ہوا کہ سخن فہم کو فطرت اللہ سے محصلانہ اطلاع درکار
 ہے اس عدم اطلاع سے حضرات ناواقف عجیب عجیب طرح کے مضامین میں پڑتے
 ہیں بعض اشخاص معاملات فطرت سے ناواقف رہنے کے باعث مجرد شوکت

لفظی کو شاعری سمجھنے لگتے ہیں اور اسی غلط خیالی میں ہمیشہ مبتلا رہ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مجرّد شوکت لفظی کوئی شے نہیں ہے شاعری زہار شوکت لفظی نہیں۔

معاملات فطرت سے شاعری کا مداد خوش خیالی پر ہے نہ شوکت لفظی پر اطلاع کی ضرورت شاعری کی جان خوش خیالی ہے شوکت لفظی شاعری کا کوئی جزو بدن نہیں ہے البتہ شوکت لفظی خلعتِ فاخرہ کا حکم رکھتی ہے اور تب ہی خوشنامعلوم ہوتی ہے کہ قطع برید سے درست ہو اور جس مضمون کو پہنائیں وہ جامہ زیب بھی ہو ورنہ شعورِ سعدی صادق آئے گا۔

گر بود بر عروس نازیا

بد ناید و بیقی و دیبا

اس میں شک نہیں کہ اگر موقع کی شوکت لفظی ہوتی ہے تو اس سے شاعری میں ایک ویدہ پیدا ہوتا ہے لیکن اگر شوکت لفظی بدترکیبی کے ساتھ ہے یعنی فطرت اللہ کی تبعیت کے ساتھ نہیں ہے تو ایسی شوکت لفظی شخصِ محصل کی آنکھ میں بدنامعلوم ہوگی گو اس سے غیر محصل اور ناقص التعلیم کو چکا چوند لگ جائے۔ اکثر شوکت لفظی اس قسم کی ہوتی ہے کہ حکیم اس سے نافر اور جاہل اس کی طرف راغب ہوتا ہے کثر شوکت لفظی ایسی دیکھی جاتی ہے۔ کہ تبعیت فطرت کے ساتھ اس سے کسی مضمونِ عالی کی بندش ظہور میں آئی ہو۔ جانتا چاہیے کہ مسائلِ محققانہ اور امورِ فطرتی کبھی محتاج شوکت لفظی کے نہیں ہیں وہی شعرا اس سے کام لیتے ہیں جو اپنے غیر فطرتی اقوال کو پُر از شان و شکوہ دکھایا چاہتے ہیں۔ فطرت کا تقاضا سادگی ہے اور جب کلام تبعیت فطرت کے ساتھ ہوگا ضرور اس میں سادگی ہوگی۔

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی
 قبلے گل میں گل بڑا کساں ہے
 ولمؤلفہ

حسن کے واسطے درکار نہیں آرائش
 ماہر و یار حسین کے لیے گنا ہے گن

شوکت لفظی کے مارے عوام ہی نہیں ہیں بعض خواص بھی اس کے مبتلا نظر آتے
 ہیں ایسے مصنفین بہت ہیں جنہوں نے شوکت لفظی کو اپنا شیوہ بنا لیا ہے آئندہ اس کی
 تصریح مثالوں کے ساتھ آتی ہے اہل انصاف سے راقم کو تمام تر امید ہے کہ محض
 مصنفانہ نگاہ سے فقیر کے بیانات کو ملاحظہ فرمائیں گے اور بے لوثی تحریر کی
 داد دیں گے۔

المختصر جاننا چاہیے کہ بے موقع کی شوکت لفظی نہایت نامطبوع امر ہے اور
 اس لیے قابلِ حذر ہے جب بے موقع اس کا استعمال ہوگا تو کبھی تقاضائے
 فطرت کے مطابق نہیں ہوگا اور جب تبعیت فطرت کی باقی نہیں رہی تو حکیمانہ
 دماغ کو ایسے پر شکوہ غیر فطرتی کلام سے حظ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ شوکت لفظی کی
 مثال مصوری کے پیرائے میں یہ ہے کہ اگر کسی مصور کو کہا جائے کہ تم ایک عربی گھوڑے
 کی تصویر کھینچ لاؤ۔ اگر مصور صاحب مذاق صحیح ہے یعنی مردِ محصل ہے تو اپنی اطلاع
 کے مطابق جیسا کہ عربی گھوڑا ہوتا ہے ویسے ہی اس کی تصویر کھینچ لائے گا لیکن
 اگر بد مذاق ہے یا جان بوجہ کہ فطرت اللہ سے عداوت رکھتا ہے تو ترقی شان و شوکت

کی نظر سے تصویر کشی میں جس قدر فطرت اللہ سے انحراف ممکن ہے۔ انحراف کریگا۔
 مثلاً گھوڑے کے بدن کو وہانی رنگ دے گا۔ سَم لعل کے کان یا قوت کے
 آنکھیں سلیم کی منہ غیر ذرے کا پیشانی پکھراج کی دم تھیش کی بنا دے گا بلکہ اس پر بھی
 قناعت نہیں کر کے دو پر بھی جواہر نگار لگا دے گا۔ گھوڑے کی ایسی تصویر عالم
 فطرت کو جیسی مکروہ معلوم ہوگی محتاج بیان نہیں ہے مگر غیر محصل شخص تو ایسے بظلمونی
 الوان و مریع کاری کو دیکھ کر جان و مال سے محسوس ہو جائے گا یہی حال نا تعلیم یافتہ آدمی
 کے ہر قسم کے مذاق کا ہے شخص غیر محصل باس وہی اختیار کرتا ہے جو رنگارنگ اور
 زرا آلود ہو۔ گھوڑے، ہاتھی، ریل کے، بالے، نوکر چاکر سب کی آراستگی اسی نامطبوع
 ترکیب سے پسند کرتا ہے مکان اسی مذاق کے ساتھ تعمیر کرتا ہے مختصر یہ ہے کہ جو
 کچھ کرتا ہے جاہلانہ شان و شکوہ کے ساتھ کرتا ہے خیر راقم نے جو مصوری کے پیرے
 میں مثال بالا عرض کی اس میں چنداں مبالغہ کو کو دخل نہیں ہے۔ غیر محصل اشخاص کا
 مذاق ایسا ہی ناپسندیدہ انداز کا ہوتا ہے۔ جس کی واقعی مثال اس تصویر میں ملے گی۔
 جس کا بیان مصوری کی بحث میں آیا ہے یعنی جہاں راقم نے ٹیپو سلطان کے باغ کی
 اس تصویر دیواری کا ذکر کیا ہے جس میں ہاتھی گلابی اور گھوڑے سبز زرد آسمانی۔
 وہانی رنگے ہوئے آج تک موجود ہیں بہر کیف یہ مثال تو مصوری کے پیرے میں تھی
 اگر شعراے ایشیا کے کلاموں میں ایسی مثالیں ڈھونڈھئے تو بے شمار ملتی ہیں واقعی
 شعراے ایشیائی نے ملوک و اُمرا کو عجب تماشے کا گھوڑا بنا رکھا ہے۔ اگر
 گھوڑے کو بلند دکھایا ہے تو اس کی بلند کی کو آسمان سے بھی زیادہ رفیع دکھلایا
 ہے چنانچہ ظہیر ناریابی نے اپنے ممدوح کے گھوڑے کو اس قدر بلند دکھلایا ہے

کہ عرش اللہ تعالیٰ بھی اُس سے کچھ نیچا ہی نظر آتا ہے فرماتے ہیں ۷

نہ کر سی فلک ندانہ لیشہ زیر پا

تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان بُد

اس شعر کی سیئے کی محتاج بیان نہیں ہے مگر سعدی کہ شاعری کا مذاق صحیح رکھتے

تھے نہایت تبعیت فطرت کے ساتھ فرماتے ہیں ۷

چہ حاجت کہ نہ کر سی آسمان

نہی زیر پاسے قزل ارسلان

رعایت شذکت لفظی کے علاوہ عوام رعایت لفظی کو بھی جان شاعری قیاس لفظی کرتے ہیں۔ حالانکہ رعایت لفظی بجائے خود کوئی شے نہیں ہے اور

شاعری سے اس کو کوئی تعلق ضروری نہیں ہے اگر بے تکلف کسی شعر میں رعایت

لفظی کی صورت پیدا ہو جائے تو ایسی رعایت لفظی حالی از لطف تصور نہیں

ہے مگر بے تکلف رعایت لفظی کا التزام صرف ناپسندیدہ ہی نہیں ہے بلکہ سچی

شاعری کے بہت منافی ہے بعض شعرا کو رعایت لفظی کا مرض ہوتا ہے اور غیر محصل

اشخاص اُن کے کلام کو مجبور رعایت لفظی کے خیال سے پسند کرتے ہیں رعایت

لفظی تب ہی لطف دیتی ہے کہ خود بخود الفاظ میں معنوی تعلق موجود ہو ایسی صورت

میں رعایت لفظی انتخاب الفاظ مناسب و مربوط کے اصول پر مبنی ہوتی ہے۔

میالغہ پرواز می - منجملہ بد مذاقیوں کے غیر فطرتی مبالغہ پر دازی بھی ایک

نہایت ناپسندیدہ امر ہے اس کے ترکیب ایشیائی شعرا بہت دیکھے جاتے ہیں۔

ان شعرا کی اس بد مذاقی کا سبب بیشتر بادشاہان اور اُمرا ہوتے گئے ہیں تقریب

سلطانی نے اکثر عالی دماغ اور عالی خیال شعرا کو بھی برباد کر ڈالا ہے۔ علوم مبالغہ پر داری کو عین شاعری سمجھتے ہیں حالانکہ فطرتی شاعری میں مبالغہ پر داری کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

صنائع بدائع - سوا ان لغویات کے غیر محصل اشخاص بہت سے صنائع بدائع کو ضروریات شاعری سے شمار کرتے ہیں۔ لیکن اہل مذاق سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ایسے ایسے ڈیکوسلوں کو شاعری سے کوئی تعلق نہیں ہے انشاء اللہ تعالیٰ ان امور کی تصریح مثالوں کے ساتھ آئندہ حوالہ قلم ہوگی۔

پست خیالی - اس مقام پر ایک اور بھی بد مذاقی کا اعادہ ضرور معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ شعرا کبھی کبھی پست خیالی کو اپنے کلام میں بیکہ دیتے ہیں شاعری کے لیے پست خیالی سخت عجیب ہے بعض اساتذہ سے کبھی ایسی بد مذاقی سرزد ہوتی گئی ہے اور انھیں اساتذہ کو دیکھ کر اس وقت کے بعض زندہ شعرا کو بھی اس عجیب کو اختیار کرتے گئے ہیں زندہ شعرا کیوں کے ایسے کلاموں کو تو مثلاً اہم اس غرض سے عرض نہیں کر سکتے کہ ان کے ایسے کلاموں کا اعادہ ان کی دل شکنی کا سبب ہوگا۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ بعض زندہ شعرا کو ایسے ہیں کہ فطرت کے رد سے پست خیال ہیں اور ان کی طبیعت ہمیشہ پستی کی طرف میلان رکھتی ہے۔ راقم ایسے حضرات کو شاعر کے معزز خطاب کے قابل نہیں سمجھ کر اور ان کو شاعر سے فرق کرنے کی نظر سے شعرا کو کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ ایسے حضرات بلا تامل زنان بازاری کے مناقب لکھنے کے ایسے تلمے رہتے ہیں اور خاص کر غزل سرائی میں انھیں فواحش کو معشوق قرار دیتے ہیں اور کلام کی ترکیب ایسی بری

رکھتے ہیں کہ جس سے معشوق بازار کی سوا معشوق حقیقی مراد لیا جا ہی نہ سکے۔ اسی طرح
 بخشش جوانی وغیرہ کا بیان اس بدذاتی کے ساتھ کرتے ہیں کہ جس سے دلی تضر پیدا ہوا
 ہے اور سوا اور لیائے ماورزاؤ کے اکثر بشر کے دل میں کچھ نہ کچھ ناپاک خیال
 پیدا ہوتے ہیں اور تقاضائے بشریت سے ناجائز امور کی طرف طبیعت کو میلان
 بھی ہوتا ہے مگر جوانی کے ایسے معاملات زہنا اس قابل نہیں ہیں کہ شاعر ان کو بڑے
 ذوق و رغبت کے ساتھ شعروں میں باندھے اور وہ شعر زانو پر ہاتھ مارا مار کر پڑھے
 جائیں کیوں نہ ہو جیسے کہنے والے خوبصورت ویسے پڑھنے والے خوبصورت
 انہیں شعر گوئیوں کے کلاموں میں سراپا وغیرہ کے متعلق بھی ایسے مضامین دیکھے
 جاتے ہیں کہ جن سے طبیعت کو کراہت پیدا ہوتی ہے بہر حال زندہ شعر گوئیوں
 کے بدذات اشعار کے اعادے کے عوض راقم مثلاً عرف و معروف شعر دو بڑے
 شاعروں کے ذیل میں عرض کرتا ہے

نہ اٹلیا نہ کسرتی ہے جانی تمھاری

نہیں پاس کوئی نشانی تمھاری

یہ مطلع نواب سید محمد خان زند کا ہے۔ زند عموماً نفیس گو شاعر ہے اتنے

بڑے شاعر کو ایسا شعر کہنا زبانہ نقاس اس شعر کا مذاق بہت پست ہے

چنان بُرد و آورد و آورد و بُرد

کہ دایر ز حسرت پس پردہ مُرد

خردوسی سے ایسی بدذاتی کا سرزد ہونا محض امر اتفاقی ہے مگر راقم کو تعجب

ہے اُن حضرات سے کہ جو اس شعر کو غایت بدذاتی کی وجہ سے بڑی واہ واہ کے

سناختے پڑھتے ہیں۔ اہل مذاق صحیح سے پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ شعر باوجود اس کے کہ اس کی زبان نہایت عمدہ ہے اور مضمون نچرل طور پر بند ہا بھی ہے مگر زہار اس قابل نہیں ہے کہ شاہنامہ ایسی با وقعت کتاب میں جگہ پاسکتا۔

مکر وہ مضامین۔ مکر وہ مضامین سے حتی الامکان اجتناب واجب است سے ہے مگر نچرل ہونے سے کوئی مضمون شاعر کے اختیار کرنے کے قابل نہیں ہوتا ہے۔ ہزاروں مضمون ایسے ہیں کہ جو نچرل یعنی فطرتی ہیں مگر اس سے ضرور نہیں کہ شاعر یا ناولسٹ ان کو حوالہ قلم کر ڈالے نسبتی خیالات سے احتراز پہلا کام شاعر اور ناولسٹ کا ہے اردو کے ایک اٹھنے والے ناولسٹ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جو مضمون نچرل ہے عام اس سے کہ کیسا ہی مکر وہ و بد قرینہ ہو اس کو اختیار کر لینا ناولسٹ کا کام ہے چنانچہ وہ ناولسٹ نہایت بد مذاقی کے ساتھ ایک عورت کی قضائے حاجت کے مضامین کو محض نچرل امر سمجھ کر حوالہ قلم کرتا ہے اس بد مذاقی نے یہ نہ سمجھا کہ آداب تحریر کیا ہیں اور عورت کی مستوریت کے کیا کیا تقاضے ہیں۔ بلاشبہ جو مصنف با مذاق ہو گا عورت کو درکنار مرد کی اس طرح کی فروریات کا ذکر زبان قلم پر نہیں لائے گا۔ افسوس ہے کہ راقم کو ایسے ایسے مکر وہ مضامین کی طرف اس رسالے میں رجوع لانا پڑا مگر چونکہ اس سے اصلاح بد مذاقی منظور تھی ناچار ایسے تنفر خیز امروں کو حوالہ قلم کرنا گوارا کیا۔

بد مذاقی سابق میں جو بد مذاقیوں کو حوالہ قلم ہوئی ہیں بیشتر ان میں اوپر سے چلی آئی جدید ہیں اور امراض قدیمہ سے شمار کی جاسکتی ہیں مگر اس زمانے میں ایک نئی بیماری پیدا ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ اکثر ادھورے انگریزی خوانوں کے دماغ

میں اس خیال فاسد نے جگہ کر لی ہے کہ ساری خوبیاں یورپ پر حتم ہو گئی ہیں۔ ایشیا
 کو خوبی کا کوئی حصہ ملا ہی نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس نقطہ میں یورپ
 نے مادیات میں بڑی ترقی کی ہے یہاں تک کہ اکابر علمائے یورپ خدا سے
 بھی مستغنی نظر آتے ہیں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے معلوم مادیات کا یہی تقاضا
 ہے کہ انسان مذہب اختیار کرے چنانچہ یہ امر محقق ہے کہ انسان جس قدر مادیات
 میں ترقی کرتا جاتا ہے روحانیات سے دور پڑتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ آخر کار خدا اور
 تمام روحانیات سے منکر ہو بیٹھتا ہے خیر جو کچھ یورپ مذہب کی حالت میں مبتلا ہو
 رہا ہے اس کی مادی ترقیوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے مگر اس سے یہ بات
 نہیں ثابت ہوتی ہے کہ اگر یورپ ساری خوبیوں سے محروم ہے تو ایشیا تمام خوبیوں
 سے محروم ہے تصور معاف اکثر ہمارے نئی روشنی والے حضرات کا تو ایسا ہی
 خیال معلوم ہوتا ہے وہ ایشیائی خیالات ادنیٰ و معاملات کو یک قلم قابل
 نفرت سمجھتے ہیں یورپ کے ہر امر پر عام اس سے کہ معقول ہو یا غیر معقول جان
 دے دیتے ہیں اور اپنے اقوال و افعال سے عجیب طرح کی ناویدگی ظاہر کرتے
 ہیں جاو بے جا ہر قدم پر اہل یورپ کے نتیج پر مستعد رہتے ہیں معلوم ہوتا ہے
 خذ ما صفا و دع ما کدر کا مضمون ان کے گوش مبارک تک کبھی پہنچا ہی
 نہیں ان حضرات کی دلدادگیان معاملات یورپ کی نسبت اس وجہ کو پہنچ گئی ہیں
 کہ ایشیائی شاعری بھی ان کی نظر میں ذلیل و مخقر معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ خود اہل
 یورپ اس کے مقربین کہ ابھی تک انھیں ایشیائی خیالات شاعرانہ سے آشنائی
 پیدا نہیں ہوئی ہے اور بہت کچھ ان کو معلوم کرنا ہے۔ چنانچہ اس وقت تک جو کچھ

ان کو ایشیائی شاعری سے اطلاع کی شکل پیدا ہوئی ہے وہ پایہ اعتبار نہیں رکھتی ہے اس پر بھی جس قدر وہ مطلع ہو چکے ہیں اُس حساب سے ایشیائی شاعری کی وقعت ان کے دلوں میں پیدا ہو چکی ہے۔ حضرات ناظرین راقم کی اس تحریر سے یہ نہ سمجھیں کہ ایشیائی شاعری تمام معائب سے پاک ہے اس پر بھی قابل نفرت نہیں ہے مگر نئی روشنی والے حضرات نے اس کو تسلیم کر لیا ہے کہ جو معائب ہیں ایشیائی شاعری میں ہیں اور یورپین شاعری تمام معائب سے مبرا ہے میں آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ یورپین شاعری کے معائب بھی دکھلاؤں گا جس سے معلوم ہو جائے گا کہ یورپین شاعری ایسی نہیں ہے کہ آنکھ بند کر کے شعراے یورپ کا متبع کیا جائے اس میں شک نہیں کہ فادسی اور اردو کی شاعریاں معائب و کھتی ہیں مگر ان معائب سے ایشیائی شاعریاں ایسی ذلیل نہیں ہیں کہ کسی حکیم یا مرد محصل کے قابل توجہ نہ ہوں راقم جب ان نئی روشنی والوں کو یورپ کی شاعری کا ذکر کرتے سنتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں یورپین شاعری تمام معائب سے پاک متعود ہے اور ایشیائی شاعری اس کے برخلاف مبرا مرعیب ہے۔ بدانت راقم اس تنگ چشمی کا سبب ناویدگی ہے یا یہ کہ یورپین شاعری بسبب ایک امر جدید ہونے کے پر لذت معلوم ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ یورپین شاعری کی آٹکا ہی سے ہم ایشیائیوں کی شاعری کو بہت کچھ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ نئے نئے مضمون دستیاب ہو سکتے ہیں مگر یہ فائدہ یورپین شاعری کو بھی ہماری ایشیائی شاعری سے پہنچ سکتا ہے۔ اس واسطے کہ بہت سی نازک خیاباں ایشیائی شاعری میں ایسی ہیں جن سے شعراے یورپ کے دماغ کو ابھی آشنائی پیدا نہیں ہوئی ہے اس

امر سے اختلاف خود اہل یورپ اور اہل امریکہ کو ہے بہر حال اہل یورپ کو ایشیائی
 خیالات سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے ضرور ہے کہ یا پوری طرح اردو فارسی عربی
 سیکھیں یا ان زبانوں کے شعرا کی تعنائیت کو نہایت صحت کے ساتھ ترجمہ کر ڈالیں۔
 اسی طرح ہم لوگوں کو ترقی فن شاعری کے لیے دو امور کار میں ایک یہ کہ جو معائب
 ایشیائی شاعری کے ہیں ان سے متنبہ ہو کر ان کے اہلے کی نگو کریں۔ دوم یہ کہ جو جو
 خوبیاں یورپین شاعری میں ہیں ان کو حسب ضرورت اپنی شانوی میں داخل کرنے کی
 صورتیں نکالیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ان دونوں امور کا بیان اپنے محل پر آئے گا
 لیکن یہاں ایک بات یورپین شاعری کی خوبی کی نسبت عرض کر دینا مناسب ہے۔
 یہ ایسی بات ہے کہ جس سے ہمارے ایشیائی شعرا محروم معلوم ہوتے ہیں۔ یعنی
 شعرا نے یورپ اپنی تعنائیت میں ہزاروں امور کو جو تعلق جغرافیہ اور تاریخ کے ہیں
 داخل کرتے ہیں برخلاف اس کے ایشیائی شاعر ان امور سے خاص کر امور جغرافیہ سے
 نہایت نا بلد معلوم ہوتے ہیں۔ چند معمولی شہر و دریا و کوہ کا ذکر بھی جو کرتے ہیں تو آگاہی علم
 جغرافیہ سے ان کے ذکر کو تعلق نہیں معلوم ہوتا ہے۔ بلاشبہ جب ہمارے ملک کے
 طبیعت داروں کو اہل یورپ کا یہ مذاق صحیح معلوم ہو جائے گا تو حسب مراد تاریخ و
 جغرافیہ کی اطلاع کی صورت پیدا کریں گے اور اس فہمیے سے بہت سے نئے نئے
 مضامین ایشیائی شاعری میں داخل ہو جائیں گے۔

شاعری ایک امر واضح ہو کہ شاعری ایک امر طبعی ہے اور جزو فطرت
 طبعی ہے ہونے کے باعث کسی حال میں انسان سے منفک
 نہیں ہو سکتی۔ جیسے کہ تاریخی وسائل سے انسان کے حالات کا پتا لگتا ہے۔ ہر

ملک ہر قوم اور ہر وقت میں شاعری نثر یا نظم کے پیرائے میں جلوہ گر رہی ہے۔ وحشی سے وحشی قوم پر لحاظ کیجیے تو کچھ نہ کچھ شاعری اس قوم میں پائی جائے گی گو اس قوم کی شاعری ہومیروس، ورجیل، فردوسی، ملٹن، بالیکسی، میرانیس کے دُبجے کی شائستگی اور بلند خیالی کے اعتبار سے نہ سمی کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں ہے کہ جس میں کچھ نہ کچھ گیت نہ لگائے جاتے ہوں۔ یہی گیت ذمعی شاعری سے خبر دیتے ہیں اگر انھیں وحشی اقوام کو تعلیم یا ننگی نصیب ہوتوان کے شعر میں بھی ہومیروس وغیرہ کی عالی خیالی پیدا ہو سکتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ چونکہ شاعری داخل فطرت انسانی ہے۔ جہاں انسان کا وجود پایا جاتا ہے وہاں شاعری بھی موجود رہتی ہے گو وہ شاعری کسی درجہ ابتذال کی ہو اس سے شاعری کا ایک امر فطرتی ہونا ثابت ہوتا ہے اگر شاعری کے ذہنی تعلق پر غور کیجیے تو شاعری سے ایک قلبی کیفیت درک ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعری تب انسان سے منفک ہو سکتی ہے جبکہ خود قلب معدوم و مفقود ہو جائے۔ البتہ مختلف انسانوں کو مختلف دُبجے کی صلاحیت قلبی بخشی گئی ہے اور گو بہت سے انسان بظاہر شاعری سے بے لگاؤ معلوم ہوتے ہیں۔ مگر کبھی ایسا نہیں ہے کہ قلب انسان کو دیا گیا ہو اور قلب واردات قلبیہ سے خالی ہو۔ جتنا چاہیے کہ یہی واردات قلبیہ شاعری کے تخم ہیں عام اس سے کہ ان سے شاعری کا درخت اُگے یا نہ اُگے فقیر کی دانست میں ہر صاحب واردات قلبیہ کچھ نہ کچھ شاعر ہے گو اس نے کبھی ایک مصرع بھی نہ کہا ہو ایسا شخص اپنے لیے تو ضرور شاعر ہے گو اپنی شاعری کا اثر دوسرے تک بسبب موانع کے نہیں پہنچا سکتا ہے۔ فقیر شاعر نہیں ہے مگر اپنے واردات قلبیہ پر جو لحاظ کرتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ واردات قلبیہ ایک ایسا عالم رکھتی ہیں جس کی گرو کو بھی عالم مادی نہیں پہنچ سکتا ہے۔ حقیقت واردات قلبیہ کا ایک ایسا عالم معلوم ہوتا ہے کہ تمام عالموں سے مستغنی ہے اور اگر اُس عالم میں ترقیاں پیدا ہوں تو قلب پورا عالم اکبر کا عالم دکھلا سکتا ہے یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ قلب سے مراد وہ منور بری شکل مضمر گوشت نہیں ہے جو انسان کے سینے کے اندر جانب چپ میں واقع ہے قلب سے مراد وہ لطیفہ ربانیہ ہے کہ جس کو خدا نے اپنی جلوہ گاہ بنایا ہے اور جس سے متعلق روحانیات کو کر دیا ہے پس جاننا چاہیے کہ شاعری اسی لطیفہ ربانیہ کا جوش ہے عالم اس سے کہ اُس کا اظہار لفظ یا قلم سے ہو یا واردات قلبیہ کی طرح دل ہی دل میں رہ جائے جب شاعری کو اتنا بڑا تعلق قلب کے ساتھ ہے تو شاعری کے فطرتی ہونے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔

اعراض شاعری جب شاعری ایک امر فطرتی ہے تو اس سے اغراض انسانی کا کم و بیش طور پر تعلق رکھنا بھی خالی از فطرت نہیں ہے۔ چنانچہ عند التخصیص یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شاعری اگلے زمانوں میں اپنا جلوہ دکھلاتی رہی ہے اور آج بھی اُس کی وہی رونق باقی ہے اور تا بقائے نوع انسان اُس کی رونق سابق کی طرح رہے گی قدیم اہل مصر و اہل یونان و اہل روم و اہل ہند اور بھی بعثت آنحضرت صلعم سے پہلے کے اہل عرب کے درمیان میں شاعری ایک قومی آلہ تمدن و مذہب سمجھی جاتی تھی بعد بعثت کے بھی اس کا زور شور قائم رہا گو انداز شاعری میں بہت فرق آتا گیا اور اُس کے اغراض کے پہلو بدلتے گئے۔ کتب تزار بیخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی بادشاہوں نے شاعری کو بہت عزیز رکھا ہے۔ گو

اُن کی توجہ سے نفس شاعری کو ضرر بھی بہت پہنچتا گیا ہے۔

شاعری صرف شامان اسلام میں ممتاز صورت نہیں رہی ہے بلکہ عیسائی شاہان یورپ بھی اس کے قدروان رہے ہیں۔ یورپ اور ایشیا دونوں بڑا عظیم میں اس کی کیسا توفیر یا کی ہے اور جو اس کی قوت سابق میں تھی آج تک باقی ہے

مؤلفہ

جیسا نقائصن یا رہا باقی ہے وی اگلی بہار باقی ہے

شاعری کا زور فرق اسی قدر ہے کہ اب شاعری کے عنوان بدل گئے ہیں جیسا تھا اب ورنہ نفس شاعری اپنے حال پر ہے اور اُس سے رنگ تب بھی ہے

سابق تمدنی افلاقی اور مذہبی کام لیے جا رہے ہیں۔ نامیابہ خیال کا آدمی پوچھ سکتا ہے کہ اس انیسویں صدی میں تو نہ یورپ نہ ایشیا میں شاعری کو کسی قسم کا فروغ نظر آتا ہے پھر شاعری کی سابق قوت سے اعتراض کیوں کر کیا جاسکتا ہے ظاہر شخص ناواقف کا اعتراض بہت بجا معلوم ہوتا ہے واقعی اس وقت میں کہاں ہومیرس، اور جیل، شیکسپیر، ملٹن، گوئیٹے، فرووسی، سعدی، حافظ، کالیداس، بالٹی وغیرہ کے مماثل لوگ ہیں جن سے شاعری کے فروغ کی صورت قیاس کی جا سکتی ہے۔ اس عہد میں ظاہر شاعری کی رونق تو کمیں بھی دکھیں نہیں جاتی ہے۔ مگر جب نفس شاعری کے فروغ وغیر فروغ پر لحاظ کیجیے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ شاعری انسان کے داخل فطرت ہونے کے باعث اُسی قدر فروغ پر ہے جس قدر سابق اہم کے وقت میں تھی البتہ شاعری نے لباس بدل دیا ہے ورنہ شاعری معزول نہیں ہو گئی ہے انسان کا جو کام شاعری پہلے کرتی تھی اس صدی میں بھی کرتی ہے

اور زمانہ نکیندہ میں بھی کرتی رہے گی گو اُس کے پیرائے انقلاب پذیر ہونے چلے جائیں

یہ ہر رنگے کو خواہی جامہ می پوشش

من انداز قدرت رامی شناسم

اس عہد میں البتہ ممتاز اقوام دینا بلباس نظم شاعری سے کم کام لیتے ہیں مگر شاعری کو اتنے رنگوں سے برتتے ہیں کہ اہم سابقہ نے نہیں برتا ہے شاعری فی زمانہ مختلف پیرایہ زبان و قلم میں برتی جاتی ہے اور مختلف فنون کے لباسوں میں درآ کر اپنی قوت دکھلاتی ہے مختلف پیرایہ زبان و قلم کی مثال یہ ہے کہ عہد جدید کے فصحا و بلغا کی اسپیشیوں عام اس سے کہ تمدنی یا اخلاقی یا مذہبی عنوان رکھتی ہوں وہ کام کرتی ہیں کہ جسے قوی ترین شعرائے عہد سابق بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ برک (Burdge) اور شریڈن (Shredun) اور ان کے عہد سے آج تک کے فصحا و بلغا نے یورپ نے نطق کے وہ تماشے دکھلائے ہیں کہ مجروحان کے خیال سے عقل و ذہن نظر آتی ہے ان فصحا کے نطق نے سلطنتیں قائم کی ہیں اور سلطنتیں معدوم کی ہیں ملکوں کو خوریزی سے بچایا ہے اور ملکوں کو خوریزی میں مبتلا کیا ہے ظلم کی بنیادیں ڈالی ہیں اور ظلم کی بنیادیں کھودی ہیں بادشاہوں کو تخت سے اٹھایا ہے اور تخت پر بٹھا یا ہے مختصر یہ ہے کہ قوموں کو جس راہ پر چلایا ہے تو میں وہ راہ چلی ہیں کیا ان فصحا و بلغا کے نطق لطافت شاعری سے خالی تھے۔ درحقیقت ان کے نطق عین شاعری تھے جو ان سے ایسے ایسے حیرت خیز اثر قوموں پر پیدا ہوتے گئے ہیں اسی طرح نطق کے فریب سے فرقہ اہل قانون عجیب و غریب تماشے دکھلاتا ہے واقعی اس عہد کے بے سرطان نامی اک رنگ کے شعرا ہیں ان کے کمال نطق کا اثر یہ ہوتا ہے کہ سامعین

عالم حیرت طاری ہوتا ہے بہت بار ایسا ہوا ہے کہ سامعین کو آشکباری کی نوبت پہنچی ہے اور بہت بار ہنسی کا رد کنا و شوار ہو گیا ہے غرض یہ ہے کہ جادوئے نطق سے ہنسا نارا لانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی بے گنا شخص ماخوذ جرم ہو کر عدالت کے سامنے لایا گیا ہے اس کو اپنی بے گناہی کا پورا یقین ہے مگر حیب اس کے خلاف میں بیسٹرنے بخت شروع کی اور اس کی مجرمیت کو دکھلانا شروع کیا تو بے چارہ ماخوذ باوجود بے جرم ہونے کے اپنے مخالف کی اسپیچ کے اثر سے اپنے کو مجرم سمجھنے لگا ہے چنانچہ وارن ہسٹینس (Warren - Hastings) لکھتے ہیں کہ جس وقت میرے خلاف میں اسپیس بجنور ممبران پارلیمنٹ ہونے لگیں تو ہر چیز میں بے گناہ تھا مگر مخالف کے زور نطق کا میاں ہمارے دل پر پیدا ہوا کہ ہم اپنے کو مجرم سمجھنے لگے ایسی ایسی پرائیڈ اسپیس اگر شاعری میں ہیں تو کیا ہیں علاوہ فرقہ اہل قانون کے موغلیں و مقررین جو طرح طرح کی تاثیریں سامعین کے دلوں پر پیدا کرتے ہیں۔ شاعری کی داد اگر نہیں دیتے ہیں تو کیا کرتے ہیں۔ لسانی شاعریوں کے سوا مدغین و ناولسٹ جو کام کرتے ہیں وہ عین شاعری نہیں ہے تو کیا ہے مزین تاریخ کے پردے میں شاعری کے عجیب عجیب جلوے دکھلاتے ہیں اور ناولسٹ نے تو درحقیقت نظم کی راہ شاعری کو چھوڑ کر نشر کی راہ شاعری کو اختیار کیا ہے اور اپنی طباعی اور فلفلی سخن کے روسے ان کی شاعرانہ نثر منظوم شاعری سے کسی بات میں کم نہیں معلوم ہوتی ہے اسی طرح اور بھی طرح طرح کی شاعرانہ نثر کی تحریریں شاران یورپ نے حوالہ نظم کی ہیں جن کو منظوم شاعری کے ہم پلوقیاس کرنا نہایت حق پسندی ہے مثلاً راڈین، میکالے، دکار لائل وغیرہ کی نثر علی درجے

کی شاعری کے سوا اور کیا سمجھی جاسکتی ہیں علاوہ تقریری اور نثری شاعری کے فنون
 کے وسائل سے شاعری سے کام لیے جا رہے ہیں مثلاً اس عہد میں مصوری، بہت
 تراشی، بہت سازی اور موسیقی نے جو شاعری کی صورتیں نکالی ہیں انہیں اعلیٰ درجے کی
 شاعری نہیں کہیں گے تو کیا کہیں گے۔ بالخصوص یہ نامیاد خیال کہ اس عہد میں شاعری
 ذہنت ہو گئی ہے بالکل غلط ہے البتہ اس کی منظوم شکل میں جو کچھ کمی لاحق ہو گئی
 ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن اُس نے اور شکلوں میں جو زور پکڑا ہے۔
 اس سے شخص محصل انکار نہیں کر سکتا یہ درحقیقت بڑی تنگ بینی ہے کہ انسان
 جب شاعری کو تصور کرے تو صرف منظوم پر اُٹے میں تصور کرے نفس امر کے بیسے پر یہ
 کیا شے ہے ایک ہی شراب تو قسم کے طرف میں رکھی جاسکتی ہے اس سے
 اُس کی خمریت میں فرق نہیں آسکتا یہ کوئی نہیں کہ سکتا کہ جب تک شراب شیشے
 کے ظرف میں رہے گی شراب رہے گی اور جب سونے کے ظرف میں منتقل ہو
 جائے گی تو شراب نہیں رہے گی۔ شراب ہر حیثیت سے اُس وقت تک شراب ہے
 جب تک اُس کی ماہیت نہ بدل جائے۔

اغراض انسانی سے شاعری کو اغراض انسانی سے بڑا تعلق ہے۔ ہر
 شاعری کا تعلق زمانے میں شاعری انسان کے تمدنی اخلاقی اور مذہبی
 معاملات میں تاثیر رسانی اور بکار آمد ہوتی رہی ہے تمدنی معاملات پر شاعری کے
 کیا کیا اثر پیدا ہوتے رہے ہیں اس کی مثالیں مستند کتب تاریخ یونان و روم و
 عرب وغیرہ میں موجود ہیں۔ زمانہ جدید بھی اس کے اثر سے خالی نہیں ہے یورپ
 قدیم اور جدید کی شاعری تو زیادہ تمدنی ہے یا ایسی ہے کہ زیادہ تمدن سے تعلق

رکھتی ہے ہی انداز عرب میں بھی بے پشت آنحضرت صلعم کے قبل کی شاعری کا معلوم ہوتا ہے کہ تقاضائے ملک کے مطابق تمدنی مذاق سے خالی نہیں ہے اگر نام بنام یورپ تہذیب و تہذیب اور بھی عرب قدیم کے شعرا کے تمدنی حالات لکھے جائیں تو اس جلد میں بھی ان کے بیان کو کٹفتی نہیں ہو سکتی ہیں۔

معاملات بہر حال اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ انسان کے معاملات تمدن میں شاعری کو دخل رہا ہے اور انسان کے تمدنی اغراض شاعری سے کم و بیش طور پر ہر عہد میں متعلق رہے ہیں۔

معاملات اخلاق اخلاقی معاملات انسان سے شاعری کو کیا تعلق ہے اس کے لیے اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ جتنے معاملات اخلاقی ہیں شعرا قلم نہ کر چکے ہیں۔ بدافہمیت راقم شاعری سے کوئی قوی تر آلاء اخلاق آموزی کا دوسرا نہیں ہے کیا امیر المؤمنین علیہ السلام اور سعدی کے اشعار سے کوئی زیادہ بڑا تاثیر اخلاق آموزی کا آکر نشان دیا جاسکتا ہے کیا اخلاق کی معروف کتابیں یہ تاثیر قوت رکھتی ہیں ہرگز نہیں لاریب شاعری بہترین ذریعہ اخلاق آموزی کا ہے بے سچی شاعری کے انسان کے تو اے اخلاقیہ ترقی نہیں کر سکتے شاعری عین فلسفہ اخلاقی ہے راقم اس وقت ایک ایسی جگہ کی روداد کو عرض کیا چاہتا ہے جس سے شاعری کا اخلاقی اثر پر اخلاق آموز ہونا ثابت ہوتا ہے چالیس پینالیس برس کا عرصہ گزرا ہو گا کہ کپتان ڈی ال ریچرڈسن صاحب کلکتہ کے کانٹن سرکاری میں علم ادب یعنی لٹریچر کا درس دیتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ اس فن خاص میں اس وقت تک کلکتہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے خود شاعر بھی تھے اور شعرا نے یورپ کی تصانیف سے نایت دہے کی اطلاع رکھتے تھے۔

فقیروں کے زبانی سے بہت پہلے اُن کا زمانہ گزرا ہے لیکن فقیر نے ان کی ایک حجم تالیف کو جس میں اُنھوں نے ازونت چامبر (Chambers) تمام شرعے انگلستان کے کلاموں کو نہایت خوبصورتی اور مذاقِ مہج کے ساتھ منتخب کیا ہے اپنی زندگی کے مختلف حصوں میں چند بار معائنہ کیا ہے۔ کپتان مدوح کے درس یافتہ طلبہ اب بہت کم رہ گئے ہیں اُن میں سے ایک صاحب نے جو ایک وقت میں فقیر کے پرائیویٹ ٹیوٹر یعنی سچ کے معلم تھے اور اعلیٰ درجے کی مناسبت ادب پر رکھتے تھے۔ شاعری کی قوتِ اخلاق آموزی کے تذکرے میں اُس جیسے کی زوداد جس کا ابھی اوپر حوالہ ہوا ہے یہ بیان کی ہے کہ کچھ متعصب عیسائیوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ شیکسپیر کے کلامِ مخرب اخلاق ہیں اس واسطے اس کی پڑھائی سرکاری کالجوں سے اٹھادینا چاہیے۔ جب یہ بات کپتان مدوح کے گوش گزار ہوئی تو کپتان صاحب نے فرمایا کہ میری مانند میں اگر ایک پہلے (Play) شیکسپیر کا طلبہ کو اچھی طرح پڑھایا جائے اور اچھی طرح اُنھیں ذہن نشین ہو جائے تو ہزار داعظمین کے مواعظ سے زیادہ اخلاق آموز ہے۔ خیر در دو چار روز کے اندر ایک جلسہ انعقاد پایا اور بڑے بڑے حکام اور اہل علم اعتراض بالا کے حق و ناحق تجویز کرنے کے لیے کالج میں جمع ہوئے کپتان صاحب نے فرمایا کہ ہم اس کتاب کی نیک آموزی اور بد آموزی میں کوئی بحث نہیں کریں گے مگر ہم آپ حضرات کے سامنے ایک جماعت طلبہ کو اس کتاب کے دو ایک ورق پڑھائیں گے۔ میرے درس کے بعد آپ حضرات جو رائے قائم فرمائیں گے ہم اس کی تبعیت کریں گے چنانچہ باجاہزت صدر انجمن جو اس وقت کے صدر روٹوئی عدالت کے چیف جسٹس تھے اور بڑے ذہنی علم اور محصل شخص تھے کپتان صاحب نے

درس دینا شروع کیا۔ ایک صفحے کا نصف بھی نہیں پڑھایا تھا کہ چیف صاحب مع
 دیگر ممبران انجمن جمیوں سے رومال نکال کر آنکھوں سے آنسو پونچھنے لگے اور جب
 فیض وقت نہ کر سکے تو میز پر سر ڈال کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔
 اس بدافغانی کو دیکھ کر کپتان صاحب طلبہ سے فرمانے لگے کہ اب ہم درس موقوف کرتے
 ہیں عدالت عالیہ کے صدر اور ممبران جلسہ کی حالت قابل توجہ ہو رہی ہے ظاہر ہے
 کہ ایسی شورش کے بعد چیف جسٹس صاحب اور دیگر حضرات کو شیکسپیر کی پرتاثر اخلاق
 آموزی میں کیا گفتگو کی حکمہ باقی رہی تھی سب ممبران نے بالاتفاق اس اعتراض کو جو
 متعصبانہ اشخاص نے پیش کیا تھا محض بے معنی اور عمل قرار دیا اور شیکسپیر کی پڑھائی
 اپنے حال پر قائم رہی۔ اس واقعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم میں
 ملائے خشک موجود ہیں سو اٹلائے خشک کے کس کو یہ سوچ سکتی ہے۔ کہ
 شیکسپیر یا میر حسن کی مثنوی نہ پڑھائی جائے مثنوی میر حسن کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ اٹندہ
 آتا ہے جس سے اس کتاب کی ندرت اور عظمت ثابت ہوگی۔ خیر واد بالانور اتم
 کی چشم دید نہیں ہے مگر شیکسپیر کیا کتاب ہے اس کی شہادت فقیر بھی کسی قادر سے
 سکتا ہے اس عاجز نے شیکسپیر کے چند پلے اپنے کالج کے زمانے میں ایسے ایسے
 اسنادوں سے جیسے مسٹر مکڈنل (Ma. Rindale) اور مسٹر گریفتہ
 (Griffith) تھے پڑھے ہیں۔ میں اپنی واردات قلبیہ سے سمجھ
 سکتا ہوں کہ شیکسپیر کے کلام کیا تاثر رکھتے ہیں اور ان کو اخلاق آموزی میں کیا دخل ہے
 واضح ہو کہ انسان کی طبیعت سے خشونت دفع کرنے کا وسیلہ شاعری سے بہتر کوئی
 دوسرا نہیں ہے شاعری مزاج انسان میں عجب ملایمت پیدا کرتی ہے جن کو شاعری کا

مذاق صحیح ہا زور سے فطرت حاصل رہتا ہے ان کی طبیعت تو یقیناً خشونت سے پاک واقع ہوا کرتی ہے۔ لیکن جو اس کے برخلاف مزاج رکھتے ہیں ان میں بھی اکتسابی طور سے کچھ نہ کچھ ملامیت آہی جاتی ہے بلاشبہ شاعری خراط کا کام کرتی ہے گندہ نازاں کو بھی چھیل چھال کر درست کر دیتی ہے یہ بات عنبر البحر پر پایہ ثبوت کو پہنچی ہے۔ کہ جن کی خلقت میں صفات حمیدہ بہ سبیل فطرت داخل ہیں۔ بلاشبہ شاعری کا مذاق صحیح ان کی نطفی خمیر میں کو افزود کر دیتا ہے اور جب ناہموار مزاجوں پر شاعری اپنا اثر کچھ نہ کچھ پیدا ہی کرتی ہے تو کیا تعجب ہے کہ اچھوں کو اس سے حسب مراد نتائج مترتب ہوں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ سچی شاعری کا احاطہ بہت وسیع ہے اس کے اندر اللہ و ماسوئی اللہ کے متعلق جو مضامین ہیں گنجائش پاتے ہیں پس جن فن کا احاطہ اس قدر وسیع ہو اور اس وسعت کے ساتھ پُر ز لطف و نرہمت بھی ہو تو ایسے فن سے کیونکر تعلیم و تہذیب کی صورت نہیں پیدا ہو سکتی ہے۔ پس اس فن کو اخلاق آموز سمجھنا نہایت قرین انصاف ہے اور اس حیثیت سے یہ فن ایک اہم غرض انسانی سے تعلق رکھتا ہے جو حضرات شاعری کو اس نگاہ سے نہیں دیکھتے ہیں۔ انہوں نے شاعری کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہے اور لاریب بہت محدود خیالات کے آدمی ہیں۔

انسان کے مذہبی اغراض سے شاعری کو کس قدر تعلق رہا ہے کتب تاریخ و دیر سے اس کی تحقیق دشوار نہیں ہے۔ علمی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم سے مشرک و معدا قوم دونوں مذہبی معاملات میں شاعری سے کام لیتی رہی ہیں۔ اہل یونان و اہل روم مشرک قومیں تھیں اور ان کے دیوتاؤں کی کوئی حد نہیں معلوم ہوتی تھی۔ کوئی پہاڑ کوئی جنگل، کوئی جھاڑ، کوئی دریا، کوئی پتھر کوئی مدخت دیوتا سے خالی نہیں

سمجھا جاتا تھا علاوہ ان کے بہت سے آسمانی اور ارضی دیوتا تھے ان میں کچھ مذکر اور کچھ مؤنث مانے جاتے تھے ان دیوتاؤں کے محاد اور مناقب کے لیے شاعری استعمال میں لائی جاتی تھی۔ اسی طرح قبل بعثت آنحضرت صلعم کے اہل عریب بت پرست تھے اور بتوں کی پرستشوں میں شاعری سے کام لیتے تھے اور ان کے مناقب کو جلابیل وغیرہ پر لگاتے تھے جیسا کہ اس وقت ہنود بھی اپنے دیوتاؤں کے بھجن جھانج وغیرہ پر لگاتے جلاتے ہیں ہنود جن کا سلسلہ شائستگی یونانیوں سے بھی قدیم تر نظر آتا ہے ساری مذہبی تعلیمات کو حوالہ شاعری کیے ہوئے تھے اور آج تک بھی ان کی مذہبی کتابیں شاعرانہ پر لائے میں دیکھی جاتی ہیں جیسا پھر ان کی مذہبی کتابیں رامائن، مہا بھارت جو معروف خاص و عام ہیں بہت اعلیٰ درجے کی شاعری سے خبر دینی ہیں علاوہ ان کے ہزاروں اشلوک ہیں جو محض مذہبی پیرایہ رکھتے ہیں اور مذہبی تعلیم کی نظر سے سکھلائے پڑھائے جاتے ہیں اگر بت پرست اقوام میں شاعری کا دخل اس زور شور کے ساتھ دیکھا جاتا ہے تو موصوفوں کی مذہبی کتابیں بھی مذاق شاعری سے خالی نہیں نظر آتی ہیں عتیق صمیمیوں میں علی الخصوص زبور یعنی ادعیہ حضرت داؤد و اقوال حضرت سلیمان علیہم السلام بہترین نمونہ شاعری ہیں صحف جدیدہ میں جس قدر اقوال حضرت مسیح علیہ السلام کے پائے جاتے ہیں کس قدر پاک مذاق شاعری کا رکھتے ہیں۔ مثلاً آپ فرماتے ہیں کہ اگر تم کو کوئی ایک گال پرتیا چامار سے تو تم دو سر اگال بھی پیش کر دو اس قدر یہ قول شاعرانہ ہے کہ آج تک ان کی کسی امت سے اس کی تعیل نہ ہو سکی بلکہ ان کی امت اس کے برخلاف السن بالسن کے اصول کی پابند رہتی چلی آئی۔ لیکن اگر نفس قول پر لحاظ کیجیے تو سبحان اللہ کیا یہ قول ہے جس سے بڑی نفس کشی کی تعین مراد ہے۔ میں بہت سے

اس طرح کے پیارے اقوال اُس جناب کے پیش کر سکتا ہوں مگر خوف تطہیل کلام سے قلم کو روک لیتا ہوں اور اب میں بسبیل اختصار شاعری کے اسلامی تعلق کو عرض کیا چاہتا ہوں۔

یہ امر مسلم ہے کہ ہم مسلمانوں کے تمام امور غرضی و مذہبی کا دار و مدار قرآن پر ہے اور یہ کتاب مقدس جس کو ہم مسلمان اُمم الکتاب کے لقب کے ساتھ یاد کرتے ہیں کچھ ایسی ہی متبرک اور بزرگ شے ہے کہ اس کا ذکر رسول خدا نے اپنی نبوت پاک کے ساتھ اپنے آخر عمر حیات میں فرمایا چنانچہ اس قول کی صحت کی حدیث انی تارک فیکم فی الثقلین کتاب اللہ و عترتی ہے اب جو ہم قرآن کو دیکھتے ہیں تو اس میں اس دجے کی شاعری پاتے ہیں کہ لایعین لرأت ولا اذن سمعت کا مضمون پیش نظر ہو جاتا ہے واقعی اس کی فصاحت و بلاغت اور لطافت شاعریہ کی انتہا نظر نہیں آتی ہے کوئی تعجب نہیں کہ اُس کی آیات نے شعرائے عرب کی شاعریوں کو ہلا دیا اس کتاب خدا کے اجزا کچھ تورات موسویہ کی طرح احکامات پر مشتمل ہیں اور کچھ قصص سے اور کچھ وعده و وعید غمگنیت توحید و تمجید عبادات ادعیہ وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں احکامات بھی فصاحت و بلاغت سے جو ضروریات شاعری ہیں خالی نہیں ہیں۔ مثلاً خداوند تعالیٰ حکم صادر فرماتا ہے کہ اگر کوئی شخص خون کرے تو قاتل مستحق قصاص ہے۔ اس قصاص کی ضرورت کو خدا کس شاعرانہ خوبصورتی کے ساتھ سمجھاتا ہے۔ لقولہ تعالیٰ و لکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الاباب یعنی تم لوگوں کے واسطے قصاص میں زندگی ہے اسے سمجھ رکھنے والو۔ فی الواقع اس قول کی بلاغت کی کوئی حد نہیں معلوم ہوتی ہے لفظ تو قصور ہے میں مگر کس قدر معنی فیز

ہیں۔ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قصاص میں حیات کی صورت ہو سکتی ہے کس واسطے کہ جس شخص پر حکم قصاص جاری کیا جاتا ہے اس کی زندگی تمام ہو جاتی ہے۔ برعکس اس کے تو اللہ تعالیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ قصاص ذریعہ حیات ہے لیکن اگر غور سے دیکھیے تو واقعی قصاص میں حیات ہے اول تو قصاص ذریعہ حیات اس شخص کے لیے ہے کہ جو جرم قتل کا مرتکب ہوا یعنی اگر اس سے قصاص نہیں لیا جائے تو مقتول کا خون اس کی گردن پر رہ جائے گا اور بعد مردن جو عالم حیات ابدی کا پیش آنے والا ہے وہ اُس کے لیے بجز راز موت کی شکل پیدا کرے گا اور حقیقت پوچھیے تو حیات ابدی ہی حیات ہے اور جس حیات کو ہم لوگ حیات کہتے ہیں ایسی ہی حیات ہے کہ اُس کے پیچھے موت لگی ہوئی ہے۔ دوم یہ کہ قاتل کے قصاص پانے سے اور نبی آدم کی حیات کی صورت متصور ہے اگر قاتل کو مزائے موت نہیں دی جائے تو امن کی صورت قائم نہیں رہ سکتی ہے ہر انسان کی حیات معرض خطر میں رہا سکتی ہے۔ کس واسطے کہ جب قاتل کو سزا پانے کا خوف نہیں رہا تو اگر اُس نے آج ایک آدمی کو مارا ہے تو کل دس کو مارے گا پھر اُس کو خنزیری میں مطلق العنان دیکھ کر اور اشخاص بھی خنزیری کے مرتکب ہونے لگیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام معاملات تمدنی و اخلاقی و مذہبی برہم ہو جائیں گے جس کے سبب سے بقلے نوع انسانی کی کوئی صورت قائم نہیں رہے گی۔ جو حصے قرآن مجید کے قصص سے مشتمل ہیں ان کے بیان کی خوبی کی کوئی حد نظر نہیں آتی ہے۔ حضرت یوسفؑ کا قصہ کس سے مذاق شاعری کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ نورات میں بھی یہ قصہ موجود ہے مگر وہی قصہ کس نحو بصورتی قدرت اور بلاغت کے ساتھ قرآن میں دہرایا گیا ہے

جاتی کی کتاب منقولہ معروف پر یوسف وزلیخا گوہر ارشاد ازانہ خوبوں سے آراستہ ہے مگر قرآنی لطافتوں کی اُس کو ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ راقم کو اس رسالہ مجالہ میں اس سورہ کی شاعرانہ خوبیوں کے بیان کا موقع نہیں ہے۔ تخریر طولانی ہو جائے گی اس واسطے ناچار قلم کو روک لیتا ہے اسی طرح سورہ مرقم کی بھی خوبیاں قابل ذکر نہیں مگر اسی غرت سے وہ بھی حوالہ قلم نہیں کی جاتی ہیں۔ بالآخر اگر قرآن کے اُن اجزا پر لحاظ کیجیے جو وعدہ و وعید، موعظت توجیہ و تہذیب، عبادات ادعیہ وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں تو یہ سب کے سب نہایت اعلیٰ و بھلی لطافت شاعرانہ سے خبر دیتے ہیں چنانچہ جہاں خدا نے تعالیٰ نیک کاروں کو جزائے خیر کی بشارت دیتا ہے۔ تو تہبیم عوام کی غرض سے معاملات روحیہ کو حسابات کی شکل میں بڑی ندرت کے ساتھ بیان فرماتا ہے اسی پر اُس کے وعیدوں کو بھی تپاس کرنا چاہیے کہ اسی پر ایسے مذکور ہوتے گئے ہیں۔ موعظت کے ایسے انداز ہیں کہ ان فصیح و اعظ بھی اُس انداز کو نہیں اٹھا سکتا اور جو ان موعظت کے مضامین ہیں اخلاق کے ایسے جید اصولوں پر مبنی ہیں کہ فلاسفر اخلاقی ان کی تبعیت سے فائدہ بے شمار حاصل کر سکتا ہے۔

تعلیم توجیہ۔ توجیہ کی تعلیم نو وہ تعلیم ہے کہ پیر و محمد بانگ بلند سے ساکنان دنیا کو پکار کر کہہ سکتا ہے کہ اے اقوام مختلفہ آؤ اور ہم سے توجیہ کا سبق لو اس انیسویں صدی کے موجدین جو اپنے توجیہ مذہب کے ایجاد پر فخر و مباہات کرتے ہیں وہ حقیقت خوشہ چین اسلام کے ہیں۔ اس زمانے کے دعویٰ داران توجیہ نے معاملہ توجیہ میں کوئی بات توجیہ قرآنی سے ایک حس کے برابر بھی زیادہ نہیں پیدا کی ہے۔ لا الہ الا اللہ ایک ایسا قول زبردست ہے کہ اس سے زیادہ کوئی

دوسرا زبردست قول معاملہ توحید میں ہو نہیں سکتا۔ یہ دعویٰ دوران توحید کیا ایجاد توحید کریں گے۔ بہت دعویٰ دوران توحید کے حالات مالی و ملکی سے فقیر کو ذاتی اطلاع ہے خیر یہ کیا ہیں توحید موسوی تو توحید محمدی کی برابری نہیں کر سکتی پھر اور کوئی کلمت و مذہب کی توحید تو کیا توحید محمدی کو پہنچے گی۔ جن حضرات نے پانچوں صحیفے حضرت موسیٰ کے آنکھ کھول کر پڑھے ہیں اور قرآن کو بھی تامل کے ساتھ پڑھا ہے وہ توحید موسوی اور توحید محمدی میں تمیز کر سکتے ہیں۔ راتم کو اس سے زیادہ یہاں لکھنے کا موقع نہیں ہے بہر حال توحید کی تویہ ندرت ہے

تمجید باری تعالیٰ اب تجید باری تعالیٰ کے مضامین کو دیکھیے تو انصاف یہی کہتا ہے کہ قرآنی تجید کی نظیر کسی کتاب دینی یا دنیوی میں نہیں ہے کوئی شخص تجید کی ایک آیت بھی صحف سابقہ سے یا ایک مصرع بھی کسی شاعر کی تصنیف سے دکھلا دے جو قولہ تعالیٰ هو اللہ الذی لا الہ الا هو الملک القدوس السلام المؤمن المہدیین العزیز الجبار المتکبر کا جواب ہو یا کسی کتاب میں آیتہ الکرسی کے برابر کوئی تجیدی تحریر کا نشان دے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان آیتوں کے برابر توحید اور تجیدی مضامین اس وقت تک کہیں دیکھے نہیں گئے۔ اور تاقیامت نہیں دیکھے جائیں گے۔ عبادات کے مضامین بھی لطافت شاعرانہ سے خالی نہیں ہیں اور ادویہ کے مجمع عبادت ہیں اس شاعرانہ پیرائے کے ہیں کہ جن کے آگے تمام دنیا کی دعائیں بد دعائیں معلوم ہوتی ہیں المختصر قرآن شریف تمام تر سچی شاعری کا نمونہ ہے اس کی شاعری کہیں داخلی یعنی سبجیکٹو (Subjective) اور کہیں خارجی یعنی آبجیکٹو (Objective) اور کہیں دونوں قسموں کی آمیزش کے ساتھ

واقع ہوئی ہے۔ عبارات کے رد سے قرآن شریف کو نظم ہے مگر سچے مذاق کی شاعری کے لیے جیسی عبارت چاہیے اُس کا عیار کامل ہے یہی سبب ہے کہ سب کے شعرا و فصحاء و بلغا ترکیب عبارت سے الگ عاجز آئے اور عالی خیالی اور بلند پروازی سے الگ مغلوب رہے ناچار بعضوں کو کمنا پڑا کہ قرآن کلام بثر نہیں ہے اور بعض اپنی شاعری کی بے حقیقتی کے معترف ہو کر حلقۂ اسلام میں در آئے۔

ظاہر ہے کہ جو کچھ اس اُمّ الکتاب کے شاعرانہ مذاق کا ذکر بالامین حوالہ رقم ہوا وہ واقعی بہت قلیل اور مختصر طور پر ہوا ہے بہر حال اب عزت رسول اللہ کے بعض حضرات کے مذاق شاعری پر غور درکار ہے بلاشبہ بحیثیتِ دُور علم و فضل عزت رسول اللہ کے سردار علی ابن ابی طالب ہیں۔

کلام حضرت امیر المومنین علی کا دیوان حضرت کی شاعرانہ عالی مذاقی کا گواہ ہے۔ سوا اس کے حضرت کے خطبات کس قدر سچے مذاق شاعری سے خبر دیتے ہیں سوا ان خطبات کے جو نبع البلاغت میں موجود ہیں بہت سے خطبات آپ کے ایک کتاب میں مدون ہیں۔ جن سے اُن جناب کی عالی درجے کی قوت شاعر یہ عیاں ہے روزانہ کے کلام حضرت کے کیا کم رتبہ شاعری رکھتے ہیں۔ علاوہ ان کے حضرت کی ادیبیہ حضرت کے کمال و درجے کے توجیدی اور تجبیہی مذاق سے خبر دیتی ہیں۔ منجملہ اور ادیبیہ کے حضرت کی دعائے صبح کس قدر پرتاثر مذاق شاعری کا نمونہ ہے۔ اس دعا کو پڑھ کر کون انسان ہے جس پر عالم و جہ نہیں طاری ہو سکتا ہے۔ یہ دعا انسان کو خدا کے سامنے بے جا کر کھڑا کر دیتی ہے۔ داعی کہ صفات درک ہوتا ہے کہ مدح

حضور میں حاضر ہے اب اس سے براہ کراور کیا توحیدی اور تجیدی شاعری ہو سکتی ہے
 علاوہ اُس جناب کے دیگر حضرات خاندان پیغمبر بھی نہایت سچا مذاق شاعری رکھتے
 تھے کہ حضرت خاتونِ جنتؓ۔ چنانچہ وہ شعر حضرت کا جسے اپنے پدربزرگوار کی رحلت
 میں مرثیہ کے طور پر فرمایا ہے کس قدر سچے مذاق شاعری سے مملو ہے وہ شعر کس قدر
 اعلیٰ درجے کی وارداتِ قلبیہ سے خبر دیتا ہے اور اُس تعلق کو کس عمدگی سے دکھاتا ہے
 جو کسی سے حد پیاری بچی کو اپنے بے حد پیارے باپ کے ساتھ ہوتا ہے اُس شعر
 کی مرثیت حضرت آدمؑ کے اُس شعر کی مرثیت سے بڑھی ہوئی ہے جسے حضرت ابوالبشر
 نے ہابیل کے غم میں ارشاد فرمایا تھا اس طرح کے اشعار مرثی کا شمار اگر مذہبی شاعری
 میں کیا جائے تو خلاف عقل نہیں ہے۔ کس واسطے کہ جو کلام مذہبی سرداروں کے ہیں
 بہت مناسب ہے کہ مذہب سے متعلق سمجھے جائیں۔

شاعری ادیبیہ خیر اب ہم اُن ادیبیہ کا ذکر کرتے ہیں جو مندرجہ صحیفہ کلامہ
 صحیفہ کلامہ ہیں یہ کتاب زبور آل محمد ہے اور یہ دعائیں امام ابن امام
 ابن امام حضرت سجاد زین العباد سے ہیں جن کو امام ممدوح اذنان کے بعد کے ائمہ
 پڑھا کرتے تھے اور آج تک فریقین کے غیر متعصب ارباب عبادت پڑھا کرتے
 ہیں اُن ادیبیہ کی توحیدی اور تجیدی شاعری اس اعلیٰ درجے کی ہے کہ اُن کے مضامین
 سے عجب تازگی اور سچا جوش عبادت پیدا ہوتا ہے۔ میرے اس قول کی گواہی وہی
 حضرات دے سکتے ہیں جو اس صحیفہ مقدس کو پڑھا کرتے ہیں۔ کیا دنیا میں ایسا کوئی
 مذہبی مزاج کا آدمی ہے کہ صحیفہ کلامہ کی دعاؤں کو پڑھے اور متاثر نہ ہو۔ ان ادیبیہ
 کو خلوص دل سے پڑھنے کے وقت صفاتِ فرقہ دہائی و مدعو۔ خالق و مخلوق۔ عابد و

معبود کا قلب درک کرنے لگتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا تجیدی اور تجیدی شاعری ہو سکتی ہے علاوہ ان ادیبہ کے ائمہ علیہم السلام کے بہت سے منظوم و غیر منظوم ایسے کلام ہیں جو تجیدی اور تجیدی شاعری کے عیار ہیں۔ ان سرداران دین کے اقوال و کلام کے سوا شعرائے عرب و فارس کے بہت کلام ہیں جو مذہبی شاعری کے عمدہ نمونے ہیں۔ مثلاً قصیدہ بردہ، قصیدہ فرزدق، قصیدہ علامہ مغربی، قصائد خاقانی و سنائی، مثنوی مولانا روم، ہفت بند کاشی وغیرہ علاوہ شعرائے اسلام کے عیسائی شعرا میں بھی مذہبی شاعری کا رواج دیکھا جاتا ہے۔ انگلستان کے گرامی ترین شاعر یعنی ملٹن کے کلاموں کا زیادہ حصہ مذہبی پیرایہ رکھتا ہے بلکہ جس تصنیف نے ملٹن کی شہرت شاعری کو منتائے اورج کو پہنچایا تمام تر مذہبی پیرایہ رکھتی ہے۔ یہ تصنیف ملٹن کی دو حصوں میں مشتمل ہے ایک حصے میں حضرت آدمؑ کے جنت کو کھونے کے احوال مندرج ہیں۔ دوسرے میں ان کے پھر جنت کے پانے کے احوال رقم ہوئے ہیں۔ ملٹن نے حصہ اول میں شیطان کو ان کے جنت کے کھونے کا سبب دکھلایا ہے۔ اور حصہ ثانی میں حضرت یسوعؑ کو ان کے پھر جنت کے پانے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ المختصر راقم کی تحریر بالا سے حقرات ناظرین بالکلین پر روشن ہوا ہوگا کہ شاعری کو مذہبی اغراض انسانی میں کس قدر دخل رہا ہے ہر مذہب نے عام اس سے کہ اندازاً اس کا مشترک نام یا موجدانہ ہو شاعری سے تعلق رکھا ہے اور ہر قوم عام اس سے کہ قدیم یا جدید ہو کچھ نہ کچھ شاعری سے کام لیتی رہی ہے۔

تخلیف اقوام کی یہ ظاہر ہے کہ اس رسالہ مجاہد میں طول و سبٹ کے شاعری پر ریویو ساتھ تمام اقوام دنیا کی شاعری پر ریویو کو گنجائش

نہیں دی جاسکتی ہے مگر چونکہ مرکز خاطر راقم یہ ہے کہ ایسے حضرات کو جن کو اپنی ویسی شاعری کے علاوہ کسی اور ملک کی شاعری کے انداز مذاق کو دریافت کرنے کا موقع نہیں ملا ہے فقیر کی تحریر سے کچھ اطلاع کی شکل پیدا ہو جائے اس لیے سبیل اختصار اقوام مختلفہ کی شاعریوں کے عنوان و انداز کو ذیل میں عرض کرتا ہے اس اطلاع وہی سے اول عرض راقم یہ ہے کہ حضرات ناواقف پر نفس شاعری کی وسعت منکشف ہو جائے دوم یہ کہ ہماری ویسی شاعری کی حیثیت دریافت میں آئے۔

واضح ہو کہ مصر بڑا عظیم افریقہ کے ملکوں سے ایک مشہور ملک ہے۔

جغرافیہ مصر۔ ہمارے ایسے ناظرین جن کو ملائی طریقہ تعلیم کے سبب سے

علم جغرافیہ کی تحصیل کا اتفاق نہیں ہوا ہے ان کی خدمت میں بذکر تفہیم مضمون بڑا عظیم

گزارش یہ ہے کہ علم جغرافیہ کے روسے دنیا کی تقسیم چند بڑے بڑے حصوں میں عمل

میں آئی ہے ان میں ہر حصے کو بڑا عظیم کہتے ہیں اور اس کا لفظ مترادف زبان انگریزی

میں کانٹینٹ (Continent) ہے یہ بڑے بڑے حصے پانچ ہیں۔ اور وہ

بڑا عظیم ایشیا۔ بڑا عظیم یورپ۔ بڑا عظیم افریقہ۔ بڑا عظیم امریکہ جنوبی و شمالی۔ اور

بڑا عظیم اوشینیا ہیں ہر بڑا عظیم میں بہت ملک داخل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بڑا عظیم

ایشیا میں جاپان۔ چین ملاکا۔ سیام۔ برہما۔ ہندوستان۔ تبت۔ تانار۔ چین

روس۔ کابل۔ فارس۔ عرب۔ عراق۔ عرب۔ ایشیا کے کو یک داخل ہیں۔ اور

جو اقوام کہ ان ملکوں میں رہتی ہیں انہیں ایشیائی کہتے ہیں۔ اس تقسیم کے روسے

ہم لوگ جو ہند کے رہنے والے ہیں ایشیائی ہونے میں اہل جاپان و چین و فارس و

عرب و غیرہ کے برابر ہیں۔ اسی طرح بڑا عظیم یورپ میں چند ملک داخل ہیں۔

جیسے ناروے، سویڈن، جرمنی، ڈنمارک، انگلستان، اسکاٹ لینڈ، آئر لینڈ،
 روس، پرتگال، سوئٹزر لینڈ، یونان و ترکی جیسے اہل اسلام روم کہتے ہیں۔ اور
 جس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ ہے بڑا عظیم افریقہ کے ملک بہت ہیں۔ نحو
 طوالت کلام مرت بعض درج کیے جاتے ہیں۔ اور وہ بعض یہ ہیں یعنی مقرر، بوہر،
 بارکا، ٹری پولی، میونس، الجیریا یعنی الجزائر۔ فیزان، مراکو۔ حبش۔ کیپ وغیرہ
 بڑا عظیم امریکہ شمالی و جنوبی میں بھی اسی طرح بہت ملک ہیں۔ امریکہ شمالی کے
 ملکوں سے نیو فونڈ لینڈ، کینیڈا، مککو وغیرہ ہیں۔ اور امریکہ جنوبی کے چلی برازیل
 وغیرہ ہیں۔

جاننا چاہیے کہ جو اقوام جن ملکوں میں رہتی ہیں وہ علاوہ ان ناموں کے جو ان
 ملک کا ہے ان بڑا عظیم کے نام سے بھی یاد کی جاتی ہیں جن بڑا عظیم میں کائی اور جو
 شام میں وطن رکھتے ہیں۔ شامی اور جو چین میں وطن رکھتے ہیں چینی کہلاتے ہیں تو علاوہ
 ملکی ناموں کے یہ اقوام ایشیائی بھی کہلاتی ہیں۔ اس سبب سے کہ یہ ملک سب
 بڑا عظیم ایشیا میں واقع ہیں۔ اسی طرح جو اقوام مختلف بلا دیورپ میں رہتی ہیں۔ ملکی
 نام کے علاوہ یورپین کہلاتی ہیں۔ چنانچہ جرمن، انگریز، فرانسیسی، اسپینی، پرتگالی
 روسی وغیرہ پرکیساں لفظ یورپین ولالت کرتا ہے۔ یورپین بزبان انگریزی اہل
 یورپ کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق تمام ملک ہائے یورپ کے سکنا پرکیساں طور
 سے ہوتا ہے اسی طرح ملک ہائے افریقہ کے رہنے والے افریقی کہلاتے ہیں
 عام ان سے کوئی قوم مقرر رہتی ہو یا حبش میں یا بربر میں یا الجزائر وغیرہ میں
 اسی طرح ملک ہائے امریکہ شمالی و جنوبی کے ملکوں کے رہنے والے امریکن

یعنی اہل امریکہ کہلاتے ہیں ان امور متعلق جغرافیہ کو ذہن نشین کرنے سے حضرات ناواقف
 کو فائدہ یہ ہوگا کہ جن ملکوں کی شاعری کا بیان اس کتاب میں آتا جائے گا اُن رات کو
 معلوم ہوتا جائے گا کہ وہ ملک سب دنیا کے کس حصے میں ہیں۔ بڑے غضب ربات
 ہے کہ آدمی ملکوں کی سمت و جہات و عام حالات سے واقف نہ ہو اس وقت کی
 ملانی تعلیم کا تو یہی تقاضا معلوم ہوتا ہے کہ انسان دنیا کے ضروری معاملات بری
 و بھری سے ناواقف رہے پڑانے طریقہ تعلیم کے پابند حضرات سے فقیر کو کوئی
 ایسے صاحب نہ ملے کہ جو دنیا کے ملکوں کے نام و سمت و جہت سے سرسری طور
 پر بھی واقفیت رکھتے ہوں۔ ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جو کبھی چین، جاپن، کانام، لیتھیا، تو اس سے
 اُن صاحب کو اس کی کبھی اطلاع نہیں ہے کہ اُن کے دولت خانے سے چین، جاپن
 پچھم واقع میں یا پورب۔ از واقع میں یا دکھن۔ درس دریس میں خدو خن بول جاتے
 ہیں مگر موضعی اطلاع کچھ نہیں رکھتے ان کے علم جغرافیہ میں صرف چند ملک و شہر ہیں۔
 جیسے تبت، تانار، کابل، فارس، عراق، شام، عرب، مصر، روم لیکن ان ملکوں کے
 نام کے سوا ان کی نسبت کچھ نہیں جانتے۔ بہت حضرات تو ملک و شہر میں فرق نہیں
 کرتے غرض عجیب طرح کی لاعلمی میں مبتلا نظر آتے ہیں اس پر اگر علم جغرافیہ کی ضرورت
 کو ایسے حضرات سے بیان کیجیے تو اس علم کو شاید کسی قسم کی بدعت تیناس کر کے برہم
 ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ علم ایک وقت میں عین مسلمانوں کا علم تھا ہائے شامت کہ اس
 وقت یہ علم صرف بے ضرورت ہی تیناس نہیں کیا جاتا ہے۔ بلکہ کوئی ایسا امر ترویج سمجھا
 جاتا ہے۔ جو پرانی تعلیم والوں کی برا فرد خستگی کا سبب ہوتا ہے راقم زہار مبالغہ
 پر دوازی کے پیرائے میں ان باتوں کو عرض نہیں کرتا ہے فقیر یہ یہ سا نخر گزر چکا ہے

اور صرف ایک بار نہیں بلکہ چند بار منجملہ ان المفیرہ واقعات کے ایک واقعہ یہ ہے
 کہ ایک حضرت ارباب علم و فضل سے سکندر زمانہ کا درس و سے رہے تھے اور اسی
 طرح ہر روز کتب عربیہ و فارسیہ کا درس دیا کرتے تھے اور نہیں معلوم عمر بھر میں کیا
 سکندر زمانہ وغیرہ کا درس دے چکے ہوں گے میں نے اس طالب العلم سے جو
 اس وقت سکندر زمانہ پڑھ رہا تھا پوچھا کہ سکندر کا وطن کہاں تھا وہ کچھ نہ بتا سکا
 پھر میں نے پوچھا کہ سکندر کی قومیت کیا تھی اس کا بھی کوئی جواب نہ ملا۔ پھر میں نے
 پوچھا کہ سکندر کے ظہور کو کتنا عرصہ ہوا ہو گا۔ اس کا جواب بھی خاموشی کے سوا کچھ
 نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ مدرس صاحب نے ان باتوں کی طرف توجہ کو مبذول نہیں فرمایا
 کتابیہ چارے طالب علم کا کوئی قصور نہ تھا بلکہ ان جود مدرس صاحب سے
 بسبب تذکرہ ان باتوں میں گفتگو پیش آئی تو معلوم ہوا کہ مدرس صاحب کے نزدیک
 علم جغرافیہ یا علم تاریخ کوئی شے نہیں ہے۔ واقعی سر پٹینے کی بات ہے جو ہمارے
 حضرات اہل علم کے ایسے خیالات ہو رہے ہیں جیسے غور ہے کہ اس زمانے کے
 یا ایسے ملایانہ خیالات ہیں یا ایک ایسا وقت مسلمانوں کا تھا کہ علاوہ اور علوم کے
 علم جغرافیہ اور علم تاریخ میں اہل اسلام اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اہل یورپ جو اس وقت
 علموں میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں مسلمانوں کے رشتہ دکھاتے ہیں کیا تماشہ ہے کہ یہ علم
 سب اختیار میں چلے گئے اور ہم سے صرف رخصت ہی نہیں ہو گئے بلکہ ہم کو اپنے
 سے نفرت بھی دلا گئے تاکہ پھر ہم لوگ ان کے کبھی خواستگار نہ ہوں۔ واضح ہو
 کہ اہل یورپ نے علم جغرافیہ اور علم تاریخ کو اس قدر ضروری سمجھا ہے کہ اپنی شاہکار
 اور عام لٹریچر میں ان علموں کو اس طرح حمزہ و ج کیا ہے کہ اس وقت ان کا لٹریچر

کیا نظم کیا نثر ایسا ہو رہا ہے کہ بے علم جزافیہ و علم تاریخ کوئی شخص قرآن کے لٹریچر کو بخوبی سمجھ سکتا ہے اور زمان کے لٹریچر سے کچھ خطا اٹھا سکتا ہے۔
 ہر چند امور بالا کی تحریر کی حاجت اس کتاب میں نہ تھی مگر ملکی ضرورتوں کو لحاظ
 کر کے راقم نے معنائین بالا کو جو الیٰ تعلم کرنا مناسب سمجھا خیراب جو امور فروری بیان مصر
 سے منسلق ہیں اس کی طرف حضرات ناظرین توجہ فرمائیں۔

میساکہ بالائیں ذکر ہو ملک مصر بڑا عظیم فریقہ میں واقع ہے اہل یورپ اس
 ملک کو ایجیپٹ (Egypt) کہتے ہیں اس کی جانب شمال میں بحیرہ مغرب یعنی
 میڈیٹیرینین سی (Mediterranean sea) اور مشرق میں بحیرہ
 احمر یعنی ردھی (Red sea) اور خاکسائے سریز واقع ہے۔ شمال میں ملک
 تیوبیاد واقع ہے اور مغرب میں صحرا ہائے ریگستانی جو ملک یزدان تک چلے گئے ہیں۔
 اس ملک کا عرض ۵۰° لم - اور درجہ ۱۱۰۰۰ میل ہے۔ اس ملک میں مرفہ ایک دیہا ہے
 جس کا نام نیل ہے۔ یہ دیہا دریا کے اور بہت دور سے نکل کر مصر سے گزرتا ہوا بحیرہ مغرب میں
 گرا ہے۔ تخمیناً اس دریا کا طول ۵۰۰۰ میل ہے یہ دریا مصر کی ندامت کی آبادی کا سبب بنتا
 ہے۔ اگر یہ دریا نہ ہوتا تو مصر ایک غیر آباد ملک ہوتا اس ملک میں پہاڑ بھی واقع ہیں
 مگر بہت مرتفع نہیں ہیں علاوہ پہاڑوں کے چند وسیع حصیل ہیں بھی ہیں۔ آب دہوا اچھی
 ہے مگر بیوست غالب پائی جاتی ہے جو شخص مبتلائے امراض بارود ہوتے ہیں
 ان کے مزاج کے ساتھ یہ ملک موافقت کرتا ہے۔ اس کے بعض حصوں میں
 بارش کی فصل ۱۳ روز سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ بیشتر ہوائے گرم ملتی ہے۔
 ریگستانی حصوں میں بادِ موسم آزار دہ ہوتی ہے امراضِ وبائی بھی پیدا ہوتے ہیں اور اکثر انجان عوارض

چشم میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جانور ان وحشی اس ملک کے تیز رفتار، گرگ، آہو، سناس، جاہوس، گھوڑے
 گدھے، نگر اور سپر پومیس ہیں۔ واضح ہو کہ ہر ایک قسم شیر کی ہے اور یہ وہی جانور
 سباعی ہے جسے انگریزی میں ٹائیگر (Tiger) کہتے ہیں اور یہ جانور ہمارے ملک
 ہندوستان میں کثیر الوجود ہے۔ اہل ہند اسے سیلا یا سلودہا یا گھ کہتے ہیں اس کے
 جسم پر لابی لابی سیاہ و ہاریاں ہوتی ہیں یہ جانور نہایت قوی پنجہ عظیم الجثہ اور خوشخوار
 ہوتا ہے جو تناسل علم حیوانات سے اطلاع نہیں رکھتے وہ ہر کو مترادف اسد کا
 سمجھتے ہیں اور ہر کو محل اسد میں استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ اسد ایک اور جانور سباعی ہے۔
 جس کے سر اور گردن میں بڑے بڑے بال ہوتے ہیں اور جس کی کینٹ ابوالمحارت ہے۔
 یہ جانور بڑا عظیم افریقہ میں پوری نشوونما پاتا ہے گو اس کی خرد پیکر قسمیں ایران و گجرات
 و راجستھان وغیرہ کی اطراف میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اسد کو افریقہ سے ویسے ہی خصوصیت
 ہے جیسا کہ ہر کو ہندوستان و برہما وغیرہ سے ان ملکوں کے سوا ہر جہاں جہاں دیکھا
 جاتا ہے وہاں خرد مقدار پایا جاتا ہے۔ سپر پومیس ایک ایسا آبی جانور ہے کہ بروجر
 دونوں سے تعلق رکھتا ہے اور مثل کینڈے کے عظیم پیکر ہوتا ہے یہ بھی ایک خشک اور
 قوی جانور ہے اور اہل افریقہ اس کا گوشت و غبٹ کے ساتھ کھاتے ہیں۔ لیڈ اس
 ملک کے شتر مرغ، عقاب، باز، بط و غیرہ ہیں۔ ایک اور بھی چڑیا ہوتی ہے۔
 جسے اہل یورپ آئیٹس (Ibis) کہتے ہیں۔ اس چڑیا کے طور کی ایک چڑیا
 ہندوستان میں بھی دیکھی جاتی ہے۔ جسے شکاری منڈل کہتے ہیں۔ اس چڑیا کو قدیم
 مصری نہایت مقدس و متبرک سمجھتے تھے اور مذہبی حکم کے مطابق اس کی پرستش
 کرتے تھے۔ حشرات الارض اس ملک میں بہت اقسام کے پائے جاتے ہیں

بمخلد ان کے ایک قسم سانپ کی ہوتی ہے جس کے سر پر چھوٹے چھوٹے دو سینک
 ہونے ہیں۔ اس سانپ کا زہر نہایت قاتل ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے ایک سانپ
 کچھ دار ہوتا ہے جس کو نیجا کہتے ہیں یہ ہمارے ملک کے ٹھن سانپ سے مشابہت
 رکھتا ہے اور نہایت زہر لانا ہوتا ہے۔ مہر کی زراعتی پیداوار ٹھنا، گیہوں، دہان،
 پیاز، تر بوڑ، خیار، شکر، افیون، نسیا کو، پٹوا، روٹی، اسی اور نیل ہیں۔ مہر کی زراعتی
 کا دار مدار دریائے نیل کے جوش پر ہے جب فصل برنگال آتی ہے یہ دریا سیلاب
 کی شکل پیدا کرتا ہے اور جب اس کا پانی نکل جاتا ہے تو اس دریا کی ہر دو جانب کی
 اراضی پر کوسوں تک نیل کی سطح جم جاتی ہے جو زراعت کے حق میں کھاد کا کام
 کرتی ہے اور جس کے سبب سے پیداوار حسبِ مراد ظہور میں آتی ہے اس ملک میں
 پھل بھی بہت قسم کے ہوتے ہیں۔ نباتاتی چیزیں بھی کثرت سے پیدا ہوتی ہیں یہاں کے
 انار، نارنگی، کوٹے، گیہوں، انجیر، لکھنور، بادام، کیلے اور بیڑ ہیں۔ نباتاتی چیزوں میں
 ایک شے ہوتی ہے جسے ایل یورپ پیپرس (Paperulus) کہتے ہیں۔ اس شے
 سے پہلے پہل کاغذ بنایا گیا تھا انگریزی میں کاغذ کو پیپر (Paper) کہتے ہیں جو تسمیہ
 پیپر کی ہی ہے کہ اس نباتی شے سے شروع شروع بنایا گیا تھا۔ علاوہ اس کے اس
 ملک میں نیل فر بھی اقسام طرح کا کثرت پیدا ہوتا ہے معدنی اشیاء از قسم سونا چاندی
 وغیرہ نہیں پیدا ہوتی ہیں مگر چند طرح کے پتھر جو عمارت سازی کے کام کے ہوتے
 ہیں۔ کثیر الوجود ہیں۔ بعض اقسام سنگ میں ایک سرخ رنگ کا پتھر دیکھا جاتا ہے
 جس سے اہرام مصری بنائے گئے ہیں۔ جو اہرات میں صرف زرد پایا جاتا ہے۔
 اور اس پتھر کی کانیں ان پہاڑوں میں دیکھی جاتی ہیں جو ساحل بحیرہ احمر کے قرب

میں واقع ہیں۔ اس ملک کی تجارتی اشیاء وہاں فیل آبنوس مشک غنبر شتر مرغ کے
 پر اور تمبوہ ہیں۔ کتب سابقہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت میں مصر
 اور ہندوستان کے درمیان تجارتی کاروبار جاری تھا اور جناب مسیح علیہ السلام
 کے قبل اور بعد بھی مصری جہاز ہندوستان کو جاتے آتے تھے مصر کی عمارت کہن بہت
 قابل لحاظ ہیں سب سے پہلے توجہ طلب وہاں کے اہرام ہیں یہ عمارتیں جو مربع شکل
 اور نہایت مرتفع ہیں اپنے دیکھنے والوں پر عجیب حیرت پیدا کرتی ہیں جو ان میں سے
 ارفع سے وہ قریب پانسو فٹ کے بلند ہے۔ یہ عمارت تعمیر کردہ جیسا پس (Cheops)
 کی ہے جو فراغۃ مصر سے ایک تومی بادشاہ تھا اس کے عہد کو قریب چار ہزار برس
 کا زمانہ گزرا ہو گا اتنے عرصہ وراز کے بعد بھی یہ عمارت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گو با
 آج بھی ہے۔ اہرام مصر کی تعمیر کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل مصر قدیم کا یہ عقیدہ تھا
 کہ جب تک بعد ممات لاش کی شکل قائم رہتی ہے تب تک روح بھی فنا پذیر نہیں
 ہوتی ہے اس غرض سے مرنے کے بعد وہ اپنے مردوں کی لاشوں میں ایسی ڈالیں
 جو مانع بوسیدگی ہوتی ہیں داخل کرتے تھے اور ان لاشوں کو محفوظ جگہوں میں رکھتے
 تھے۔ فراغۃ مصر بھی جو اس عقیدے کے شریک تھے۔ غرض بالاسے اہرام بناتے
 گئے تاکہ بعد ممات ان کی لاشیں محفوظ رہیں اسی خیال کی پابندی سے چند بادشاہوں نے
 یکے بعد دیگرے یہ عمارتیں جو حقیقت ان کے مقابر ہیں تعمیر کیں۔ ان عمارتوں کو دیکھ کر
 یہ تعجب گزرتا ہے کہ ان کی تعمیر کیوں کمزور میں آسکی۔ کس واسطے کہ ان کی تعمیر میں اتنے
 بڑے بڑے پتھر ایسی ایسی بلندیوں پر چڑھائے گئے ہیں کہ ان کو دیکھ کر یہ بات معلوم ہوتی
 ہے کہ اس زمانے کے مصریوں کو جو جبر و تکلیف کا ادراک کوئی علم حاصل تھا باسباب ظاہر اس

زمانہ کا علم جو عقل کسی طرح بکار آد نہیں ہو سکتا ہے خدا جانے کہ وہ قوم کیسی تھی اور کیا کرتی تھی۔ علاوہ ان عمارات حیرت انگیز کے اُس قوم کے معابد بھی موجود ہیں جن کی عمارتیں اُن احرام کے برابر ترقی نہ نہیں ہیں مگر صنایعی کا وہ نمائندہ کھلائی ہیں کہ جو کسی اور ملک کی عمارت کُن کو نصیب نہیں ہے علاوہ ان احرام و معابد کے ایک شہر جس کا نام تھیسس

(Thebes) تھا اب ویران پڑا ہوا ہے۔ دس میل کے اندر تک اُس کی عمارتیں مبتلائے بد حالی نظر آتی ہیں۔ اُس کے سیکڑوں سنگی پائے جن پر بڑے بڑے سنگی شہنیر دہرے ہوئے ہیں۔ ابھی تک کھڑے ہوئے ہیں یہ پائے ایک ڈال ہیں اور ان کے طول و عرض و عمق کو دیکھ کر عقل دنگ ہوتی ہے کہ وہ کہاں سے آئے اور کیوں کر کھڑے کیے گئے۔ اندر سو میل کے ترکوئی پہاڑ بھی نہیں ہے جہاں سے اُن کا ایسا جانا قیاس کیا جائے۔ ان باتوں کو دیکھ کر مضمون قرآنی ذات الحماد کا پیش نظر ہو جاتا ہے اور عبرت مجسم آگے آکھڑی ہوتی ہے۔ اسے جبارین زمانہ ہوش میں آؤ دیکھو تو وہ کیسی اُمت تھی جس کے آثار اُس اُمت کی گزشتہ قوت و عظمت کو کن حسرتوں کے ساتھ ثابت کر رہے ہیں وہ اُمت کیا ہو گئی اور تم کیا ہو جاؤ گے اس چند روزہ زندگی پر یہ بے اعتنائیاں اگر تم مرتے نہیں تو کیا نہیں کرتے۔ اسے متاع دنیا کے خریدار و اگر دولت و زیادتی نے تمہارے دماغ میں خلل پیدا کیے ہیں۔ تو اس شہر ذات الحماد کے ویرانوں کی سیر کر آؤ۔ وہاں پہنچ کر تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم کیا ہو اور تمہاری حقیقت کیا ہے۔ تمہاری ثروت کیا اعتبار رکھتی ہے اور تمہارے جاہ و چشم عنقریب کیا ہو جانے والے ہیں ان حیرت انگیز ویرانوں کو دیکھ کر کیا کوئی دنیا پر ناز کر سکتا ہے۔ مصرعہ کہ بسیار کس چوں تو پرورد و گشت

اُس کا دوا می دھندا ہے دنیا کیا اور اس کی ثروت کیا اور اس ثروت پر ناز کیا -
 آل چہ دیر نیاید و بستی را نشاید - اگر تم کو خدا نے عود حج و تیموی بخشا ہے تو سر کو
 سجدہ شکمیں ڈالو احسان منعم حقیقی کو ما تو تم کو گردن کشتی کا کیا موقع ہے تم نے خود
 کیا کیا ہے کہ جس پر تم کو اس قدر ناز و بخت ہے اور بالفرض اگر یہ سب کیا دیا تھا راہی
 ہے تمہارے اُس آتاکا نہیں ہے جس نے تم کو معدوم سے موجود کر دیا ہے تو
 پھر تمہارا عہد زندگی ہی کیا ہے اور اگر زندگی دراز بھی سہی تو زندگی موجود میں کون بڑی
 خیریاں ہیں کہ مرد حقیقت بین و عاقبت اندیش کو محسوس کر ڈالیں -

لمولفہ

سبب شور و شغف اہل جہاں کا کیا ہے عمر دروزہ کونا فہوں نے سمجھا کیا ہے
 پر چھپے تارک دنیا سے بُرائی اس کی کیا خبر طالب دنیا کو کہ دنیا کیا ہے
 مانے بن بن کے بگڑ جاتی ہیں شکلیں کیا کیا مطلب اس عالم نانی کا خدا کیا ہے
 لذت ہستی و اندازہ لذت معلوم اور کچھ روز جنیں اس کی تمنا کیا ہے
 دل گرفتہ نہ ہونا سازی دنیا سے اثر ہے غلام شہ مرغان تجھے پر کیا ہے
 مصر بیان سباق واضح ہو کہ ان قدم مصریوں کے حالات اہل یورپ کی
 تحقیقات و تفتیشات سے کسی قدر معلوم ہوتے گئے
 ہیں۔ مگر ان مصریوں کے لٹریچر کی نسبت راقم کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم اپنے وقت
 میں بہت کچھ برسرِ ثروت تھی مگر اس قوم کا لٹریچر ممتاز شکل نہ تھا جو نوشتے اُن کے
 اس عہد میں موجود ہیں ان میں اہل یرمان و اہل روم کے لٹریچر کی خوبیاں نام کو پائی نہیں
 جاتی ہیں ان مصریوں کے زوال کے بعد ملک مصر کیانی شانان ایران کے زیر حکومت

در آیا پھر اہل یونان کو ہاتھ لگا چنانچہ شہر اسکندریہ جو مصر کے شمالی جزیرے میں واقع ہے
 سکندریونانی کی یادگار ہے یہ سکندریہ بادشاہ مقدونیہ (Macedon) کا تھا۔
 اس نے قہوڑے سی عرصے میں جہان کو زیر و زبر کر ڈالا۔ وفات سکندر کے بعد اس کے
 مفتوحہ اور مقبوضہ ممالک اس کے چار میر لشکروں پر تقسیم ہو گئے۔ ان چار میں ایک
 شخص بطلمیوس لیگس (Ptolemy Lagus) نامی تھا یہ شخص جو فیلقوس پدرا سکندر
 کے نطفے سے تھا پہلا یونانی بادشاہ مصر کا قرار پایا پھر اس سے شاہی خاندان بطلمیوس
 مصر میں جاری ہوا ان بطلمیوسوں میں ایک بادشاہ گذرا ہے کہ جس کا نام بطلمیوس
 کلانیوس (Ptolemy Claudas) ہے یہ شخص بہت
 بڑا عالم ریاضی تھا اور کتاب محبتی اسی کی تصانیف سے ہے اسی بادشاہ کا وہ
 نظام شمسی ہے۔ جو نظام بطلمیوس کہلاتا ہے اور جس نظام کی پیروی ہمارے ہندی
 ملازماتے ہیں اور جو کتاب میں علم ہدیت کی ہندوستان میں پڑھائی جاتی ہے۔ اسی مصری
 ہندس کے نظام کے مطابق پڑھائی جاتی ہے۔ ان شاہان مصر کے زمانے میں مصر کا
 وہی لٹریچر تھا جہاں یونان کا لٹریچر تھا۔ بعد یونانیوں کے اہل روم ملک مصر ہوئے
 رومیوں کے وقت کا لٹریچر وہی تھا جو رومیوں کا لٹریچر تھا۔ پھر تھوٹے ہی روز ظہور
 اسلام کے بعد یہ ملک مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اور اس وقت بھی یہ ملک اہل اسلام
 کے متعلق ہے۔ بعد فتح اہل اسلام کے اس ملک میں اہل اسلام کا لٹریچر جاری ہوا۔
 اور اس وقت بھی اسلامی لٹریچر جاری ہے۔ شہر قاہرہ میں جو مصر کا دارالسلطنت
 ہے مدارس اسلامیہ جاری ہیں اور وہاں علوم و فنون کی تعلیم خوش اسلوبی کے
 ساتھ ہوتی ہے۔ بہر حال سب سے قدیم شائستگی کے رد سے اہل مصر تھے۔

شاعری ان کی قدامت کی شریک اگر کوئی قوم تھی تو ہنود سابق تھے جن کا تذکرہ
 مہر سابق انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اپنے موقع پر کیا جائے گا۔ ہنود سابق کی
 شاعری سے محققین بخوبی اطلاع رکھتے ہیں۔ مشاہیر شعرائے ہند کے کلام کثرت اس
 وقت موجود ہیں۔ ان کے نام اور ان کے حالات سے ہر تعلیم یافتہ شخص کو اطلاع ہے
 اور ان کی شاعری اس درجہ کمال کی ہے کہ آج تک شائستہ ترین اقوام دنیا ان سے
 حظ وافر اٹھاتی ہیں مگر مصریان بعید العصر کی شاعری سے کسی کو حسب مزاد اطلاع
 نہیں ہے اس قوم کے کسی شاعر کا ذکر فقیر نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا مگر کتابوں کے
 دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم میں زوشمت و خزانہ کا رواج کسی قدر تھا اور
 جو قدیم کتابیں اس قوم کے حال میں موجود ہیں ان سے دریافت ہوتا ہے کہ مصریان
 سابق قصص و حکایات کا مذاق بہت رکھتے تھے یہ قدیم کتابیں تین ہزار برس سے
 ادھر کی نہیں ہیں بلکہ بعض اس قدر قدیم ہیں کہ جناب سیح علیہ السلام کے بھی دو ہزار
 برس قبل لکھی گئی تھیں مگر ان کتابوں سے اہل مصر سابق کا مذاق شاعری کچھ دریافت
 میں نہیں آتا ہے اس قوم کے قصص و حکایات خاص رنگ کے ہیں گھاسی رنگ
 کے کہانی قصے اور اقوام با بعد میں بھی دیکھے جاتے ہیں جس سے یہ قیاس ہوتا
 ہے کہ ان با بعد اقوام نے مصریان سابق سے انھیں لیا ہے۔ بہر حال اس قوم کی
 شاعری کا کوئی معقول اندازہ نہیں کیا جاسکتا ہے اس واسطے کہ کوئی ایسی کتاب
 اس قوم کے عہد کی جو اس کے مذاق شاعری سے خبر دے سکے اقوام جدیدہ
 تک نہیں پہنچی ہے۔ قیاس راقم ایسا ہے کہ یہ قوم بہت شاعر مزاج نہ تھی۔
 اگر کاش ہوتی تو یونانیوں کی طرح کچھ نہ کچھ اپنی شاعری کی ممتاز یادگار چھوڑ جاتی اس

عہد تک جو مصریان سابق کے شاعرانہ کلام پہنچے ہیں وہ بیشتر بھجن وغیرہ ہیں جو اقوام
 مابعد کے مراتب شاعری کو نہیں پہنچتے ہیں علاوہ ان کلام کے اہل مصر حیوانات
 کے قصے نظم کیا کرتے تھے یہ منظوم کہانیاں ہم سمجھوں تک نامربوط طور پر پہنچی
 گئی ہیں سان کہانیوں کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مابعد کے اقوام میں جو
 حیوانات کی کہانیاں مروج تھیں ان کا ماخذ وہی اہل مصر کی کہانیاں تھیں۔

شاعری اہل یونان

بیان ملک ملک یونان جسے اہل یورپ گریس (Greece) کہتے ہیں
 یونان براعظم یورپ کے ملکوں سے ہے اس ملک کی جانب شمال
 یورپ میں ترکی (European Turkey) یعنی ملک روم جس کا
 دارالسلطنت قسطنطنیہ ہے اور جانب مغرب میں بحیرہ یونین (Aonian sea)
 و جزائر یونین اور جانب جنوب میں بحیرہ مغرب یعنی میڈیٹیرینین سی (Medi-
 terranean sea) اور جانب مشرق میں بحیرہ ایجیئن (Aegean
 sea) واقع ہیں۔ یہ ملک طول میں ۲۱۰۔ اور عرض میں ۱۶۰ میل ہے۔ اور اس کا
 مجموعی رقبہ ۱۵۰۰۰ میل ہے۔ گراس سب سے یونانی جزائر بھی شامل ہیں۔ چونکہ اس
 ملک کے ارد گرد سمندر بیشتر واقع ہے۔ یہ ملک جمہورانی کی اغراض کے لیے بہت
 مناسب ہے اس ملک میں بہت کوہ واقع ہیں اور افتاد اس کی جنگلی اعتبارات
 سے ایسی ہے کہ غنیم کو اس ملک میں داخل ہونا دشوار تصور ہے۔ صرف ایک راہ

قلب اس ملک میں داخل ہونے کی ہے جس کا نام وِزہ تھا پہلی ہے اس کا طول پانچ میل ہے اور جہاں یہ وِزہ نہایت تنگ ہے عرض میں صرف پچاس گز ہے۔ اسی تہہ میں لیونیڈس (Leonidas) بادشاہ یونانی نے تین سو جوان سٹیلیران کے موروثی لشکر کو روک رکھا تھا یہ واقعہ ۴۸۰ برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور میں آیا تھا اس ملک میں چند دریا اور جھیلیں بھی ہیں۔ آب و ہوا اس ملک کی نہایت معتدل اور روح پرور ہے۔ لاجنڈزائیوں کی جو کثرت رطوبت کے سبب سے بغایت بد آب و ہوا ہیں اس ملک کے صحرائی جانوروں میں، گرگ، شنگال اور آہویں۔ پروردہ جانور گدھے، بکریاں اور بھیڑیں ہیں۔ بارہموری کا جانور گدھے کے سوا کوئی نہیں ہے۔ دودھ، دہی، گھی صرف بکری۔ بھیڑ کے ذریعے سے دستیاب ہوتے ہیں۔ جنگل کی کثرت ہے یہاں کے ممتاز اشجار اوک، پائن، اخروٹ اور چسٹ ہیں۔ پیداوار زراعتی جھنڈا، روٹی، ریشم، پشم اور تبا کو ہیں۔ ہر چند یونان ایک زراعتی ملک ہے۔ مگر فی الحال اُس کی زراعتی حالت اچھی نہیں ہے۔ عمدہ قدیم ہیں یہ شکل زراعت کی نہ تھی۔ کس واسطے کہ اُس زمانے کے زراعتی اٹھار جو مقسلی (Thessaly) اور مقدونہ (Macedon) میں پائے جاتے ہیں۔ اُن سے اُس عمدہ کا فروغ کاشت نمایاں ہے۔ اٹھار یہاں کے انجیر، بادام، کھجور، کوئی لیموں اور توتوز ہیں۔ مگر ان سبھوں سے زیادہ یہاں زیتون کی کثرت دیکھی جاتی ہے۔ واقع ہر کہ ملک یونان عمدہ قدیم میں چند حصوں میں منقسم تھا اور ہر حصے کا ملکی انتظام علیحدہ تھا پہلے ہر حصے میں ایک بادشاہ حکمران رہتا تھا مگر آخر میں تمام حصوں میں جمہوری سلطنت قائم ہوئی مگر اسی وقتوں میں کہ جہاں شخصی سلطنت بحالت

خود قائم رہ گئی فیلقوس اسی مقدمہ پر کابادشاہ تھا اور اس کا بیٹا سکندر اعظم ایک
 بڑا نامی بادشاہ نکلا جس نے اس وقت کی اکثر سلطنتوں کو زیر و زبر کر ڈالا۔ یہ
 وہی سکندر ہے جس کا ذکر شاہنامہ میں فرودسی اور سکندر نامہ میں نظامی کرتے ہیں۔
 جاننا چاہیے کہ اہل یورپ اہل گرین یعنی اہل یونان کو مختلف ناموں سے یاد کرتے
 تھے۔ مثلاً کبھی ان کو اکیئس (Achaean) اور کبھی ارجینس

(Argaean) ڈالویس (Dolopos) ہیلینز (Hellenes) آئی اونس
 (Ions) معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب میں اہل گرین آخر نام سے مشہور تھے۔ کس
 واسطے کہ آئی اونس اور یونانی میں بڑی مشابہت ہے اور حقیقت حال یہ ہے کہ
 یونان مغرب آئی اونیادونیا (Ionia) کا ہے جو جزائر گرین سے ہے۔ ملک یونان
 ہر چند طول و عرض میں نہایت مختصر ہے مگر علم و فضل و ہنر و شجاعت وغیرہ
 میں شہرہ آفاق رہا ہے۔ یہاں کے لوگ ہر فن سے مناسبت رکھتے تھے طباعی اُن پر
 ختم محقق فلسفہ، منطق، طبابت، ریاضی وغیرہ نے اس ملک میں ظہور کیا۔ علاوہ ان
 علوم کے شاعری نے بھی یہاں ابتدا کی اور درجہ کمال کو پہنچی۔ اہل یونان کی نظم و نثر کو
 دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہل یونان اعلیٰ درجے کا مذاق ادب پر رکھتے تھے اور ان کے
 تتبع سے یورپ کی کوئی قوم خالی نہیں نظر آتی ہے ایک عرصے تک اہل یونان برسر
 ثروت رہے لیکن آخر کار قبائل نے اُن سے منہ موڑا۔ اور درمیان سابق اُن پر غلبہ
 آئے اور ان کی سلطنتیں برباد ہو گئیں ہر کالے راز و آل دنیا کا عروج ایسا ہی ہوتا ہے
 لکل شئی اذ اما قدر نقصان۔ بعد رو میوں کے ۱۸۰ء میں ترک عثمانی
 اس ملک کے مالک ہوئے ان کے قبضے سے بھی یہ ملک ۱۸۱۹ء میں نکل گیا۔

اور یہاں ایک خود سر عیسائی سلطنت قائم ہوئی۔

شاعری اہل اہل یونان کے عروج کا زمانہ بلبل مصر کے بعد ہے اس قوم کی
یونان شاعری صرف اپنے زمانے میں پایہ عالی نہیں رکھتی تھی۔ بلکہ
 اس وقت بھی اُس کا وہی رتبہ قائم ہے جو اپنے وقت میں تھا۔ واضح ہو کہ اہل یونان
 کی شاعری کو کسی طرح متبع سے تعلق نہیں ہے۔ سر زمین یونان میں پیدا ہوئی اور اسی
 سرزمین میں نشوونما پا کر نہایت سربرآوردہ ہوئی اور اس کا کمال اس درجے کو پہنچا کہ اقوام
 مابعد کی شاعری کو اس سے برابر فائدہ پہنچا گیا۔ متبع یا اعانت پیرونی سے شاعری
 کیونکر وجود میں آسکتی ہے۔ اس کی مثال اردو کی شاعری ہے کہ شعراے اردو ہر طرح
 کے خیالات کو فارسی اور بھی کسی قدر عجب کے شعرا سے اخذ کرتے گئے اور آخر کار
 اردو کی شاعری متبع کے ذریعے سے ایک مقررے کو پہنچ گئی۔ یہ کیفیت یونانی شاعری
 کی نہیں ہے شعراے یونان کسی ملک کے شعرا کے متبع نہ ہوئے نہ کسی ملک کی
 شاعری سے خیالات کی اعانت لی اور نہ کسی ملک کی شاعری کا مذاق اختیار کیا۔ اہل
 یونان فن شاعری کے خود موجد ہوئے اور اپنی طبیعت واری سے اس فن کو منتمائے
 کمال کو پہنچا دیا۔ یونانی شاعری کا کمال اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یورپ کی
 اقوام مابعد صد ہا سال یونانی شاعری کی تقلید کرتی چلی آئیں۔ شعراے یونان کی رزمی
 شاعری (Syzyes) ان کی رزمی شاعری (Epics) اور ان کے ڈراما
 (Drama) کو شعراے مابعد برابر ہدایت نامہ سمجھتے رہے اور حقیقت یہ ہے
 کہ یورپ کی شاعری مابعد نے جو کچھ فروغ پایا ہے ان کے فروغ کی بنا یونانی شاعری
 پر واقع ہے۔ بعد یونانیوں کے رومیوں کا زمانہ آیا۔ رومیوں نے شعراے یونان

تمام تر متبع اختیار کیا۔ متاخرین شعرا کے یورپ بھی اس متبع سے خالی نہیں معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ملٹن (Milton) ایسا شاعر بھی اس متبع سے رومی نہیں لکھائی دیتا ہے۔ ملٹن نے اپنی کتاب سپریڈائز لاسٹ کی ابتدا ہومیروس کی تقلید کے ساتھ کی ہے اور بہت جگہوں میں اُس کی تصنیف کے اندر ہومیروس کے متبع کے آثار ہو چکے ہیں۔ اب راقم ذیل میں شعرا کے بعض تصانیف کا ذکر کرتا ہے جس سے کسی قدر اہل یونان کے مذاق شاعری کا اندازہ متصور رہے۔

ہومیروس - یونان کا قدیم ترین شاعر ہومیروس ہے اس کی دو تصنیفیں منظوم آج تک یونانی زبان میں موجود ہیں ایک کا نام ایلڈ (Iliad) اور دوسری کا نام اڈیسی (Odyssey) ہے۔ یہ دونوں کتابیں انگریزی زبان میں ترجمہ ہو گئیں ہیں۔ اور طرفیہ ہے کہ ایلڈ کو علم پروران بنگالہ نے بھی اپنی بنگلہ زبان میں ترجمہ کر ڈالا ہے۔ کہاں ہوا سے اردو کے خیر خواہ ہو کیا اردو کا لٹریچر ایسا ہی تاقیامت رہے گا اپنی ججاری نوم کو دیکھو نسترانسی برس کے اندر اُس نے اپنے لٹریچر کو ایک محقر حالت سے مزور مجب کو پہنچا دیا ہے اس وقت کسی قسم کی شاعری نہیں ہے۔ جو بنگلہ زبان میں نہیں ہے۔ افسوس ہم پر کہ ہم جہاں تھے ابھی تک وہیں ہیں۔ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھے ہیں۔ خیر ہومیروس کے کلام کی عمدگی اسی شخص کو کامل طور پر معلوم ہو سکتی ہے کہ جہاں یونان کے مذہب، رواج، ملکی عادات قومی طریقہ معاشرت معاملات تمدنی و اخلاق وغیرہ سے واقفیت رکھتا ہے۔ بے اس طرح کی واقفیت کے کوئی شخص کسی ملک کی شاعری کے حسن و قبح کو درک نہیں کر سکتا ہے۔ ہومیروس کے لطف کلام کو بیان کرنے کے قبل فرود ہے کہ اہل یونان کے

کچھ حالات اور ان کتابوں کے قصے حضرات ناواقف کے مطلع کرنے کی نظر سے بیان کیے جائیں۔

سائن اہل یونان۔ واضح ہو کہ اہل یونان خلقت کے رو سے ذہین مدبر جہتی جفاکش علم دوست گویا طباع اور صنّاع تھے۔ جس طرح شاعری کا مذاق رکھتے تھے ویسی ہی مناسبت اور فنون سے بھی انھیں حاصل تھی۔ فنِ بت تراشی اور بت سازی کی طرف ان کو خلقی میلان تھا اور سوستی کا مذاق بھی خوب رکھتے تھے رفتہ رفتہ اہل یونان نے حکمت و فلسفہ و طب و تمدن میں بھی بڑی شہرت پیدا کی۔ انتظام ملک خوب کرتے گئے۔ قوانین طرح طرح کے ترتیب دیتے سپہ داری بڑے فائدے کے ساتھ کی شکر آرائی میں یکا ن روز نگاہ نکلے جہاز رانی میں اُس وقت کے حساب سے اچھی دستگاہ حاصل کی مختصر یہ کہ اہل یونان اپنے وقت کے سائنس دان ترین لوگ تھے۔ اور ان کے علم و قابلیت کے سامنے ان کی ہم عصر قومیں سوا اہل ہند کے کچھ وقت نہیں رکھتی تھیں۔ مذہب کے رو سے اہل یونان مشرک اور بت پرست تھے اور اس قدر خداؤں کے قائل تھے کہ ان کے دیوتاؤں کی فرست طولانی ہے، علاوہ اجرام فلکیہ کے طرح طرح کے مذکر اور مؤنث خداؤں کی پرستش کرتے تھے۔ ہر شجر حجر جہاڑ پہاڑ دیا چشمہ کسی نہ کسی دیوتا کا محل قیاس کیا جاتا تھا۔ طرح طرح کی خیالی اشیاء پوجی جاتی تھیں۔ طرح طرح کے خیالی بانو رمانے جاتے تھے۔ طرح طرح کی پریاں دیوزاد عفاریت داخل عقائد تھے۔ طرح طرح کے جادو کرشمے طلسم جہر و معتقات تھے۔ دوزخ کا وجود تخت النری سمجھا جاتا تھا۔ بہشت کا مضمون گویا نثارو تھا۔ دیوتاؤں کی یہ کیفیت تھی کہ انسان کی طرح خواہش ہائے نفسانی رکھتے

تھے۔ بعض نذر خدا کو جو روئیں بھی تھیں بعض نیز اندازی پر اوقات کرتے تھے۔ کبھی
نذر خدا عورتوں پر تصرف کر بیٹھتے تھے اور اس پونڈ سے اولاد بھی ہوتی تھی۔ کبھی
مؤنت ویزنا کو زہوان مرد حسین کا حمل بھی رہ جاتا تھا اور اس طرح کی موصلت سے
جو جنس لڑکے پیدا ہوتے تھے وہ آدمی سے دیر تا سمجھے جاتے تھے۔ غرض یہ کہ نذر کر
و مؤنت ہر دو طور کے نذر لوگ طبیعت واری سے خالی نہ تھے۔ خواہش نفسانی ان کی
سرشت میں داخل تھی بلکہ کبھی ان کی خواہش نفسانی کو اس قدر جوش ہوتا تھا کہ اگر کوئی عورت
بھیر بکری چراتی ہوتی سمجھاڑ پہاڑ میں مل جاتی تھی تو بالجر بھی رفع ضرورت کر لیتے تھے
اہل یونان خود بھی نسوانی معاملات میں ایک خاص انداز رکھتے تھے گوان کی عورتیں
عموماً صاحب عصمت ہوتی تھیں اور زنان کی قوم میں ایک امر نادر و سمجھا جاتا تھا۔
مگر عورت کی نسبت ان کے خیالات اہل اسلام اور دیگر اہل کتاب کی طرح نہ تھے
اس وقت میں کوئی شائستہ قوم اس دنیا میں نہیں ہے جس میں ایسا رواج ہو کہ جو رو
قرض دی جاتی ہو۔ مگر تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت ضرورت اہل یونان
ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار بہت سے یونانی جوان کسی لڑائی پر گئے اور وہاں
ان کو بہت عرصے تک رہنا پڑا۔ اس غیر حاضری کے نتیجے کو خیال کر کے ان جوانوں نے
پندرہویں پیغام سلام کے مناسب انخاص کے ساتھ جو روں کا میعاد ہی بند و بست
کر ڈالا۔ علاوہ ایسے قبیح امور کے یونان کے بعض حصے کے باشندے جو رو کو
اس نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ جس نگاہ سے ان کے مابعد کی شائستہ قومیں
دیکھتی چلی آئی ہیں۔ اہل یونان چوری کو بھی جرم اسی وقت سمجھتے تھے کہ جب کسی
کی چوری پکڑی جاتی تھی لیکن کوئی ایسی چوری جو پکڑی نہ جائے وہ قابل عین و

آزین سمجھی جاتی تھی۔ اس قدر اہل یونان کے انداز تو می کو کو لکھ کر اب راقم پہلے ہو میرس کی ایلید کے قصے کو مختصر طور پر لڑا دش کرتا ہے اور بعد ازاں آڈامی کے قصے کو بھی اپنے موقع پر عرض کرے گا۔

قصہ ایلید - واضح ہو کہ ایلید کا قصہ بیشتر ایسے مضامین سے تعلق رکھتا ہے جنہیں ابھی راقم نے بالابین حوالہ ظلم کیا ہے اور اگر پورا قصہ تفصیل وار عرض کیا جائے تو بہت کچھ مضامین بالاسے مطابقت دیکھی جائے گی مگر اس رسالہ مجال میں اتنی نجاش کمال کہ اس کے بیان کو اس قدر طوالت دی جائے بہر حال ایلید کا مختصر قصہ یہ ہے کہ ٹرائے (Troj) کہ جس کا دوسرا نام ایلیئن (Ilium) بھی ہے ایک شہر تھا جو ایشیائے کوچک کے ساحل پر واقع تھا اس شہر کا ایک بادشاہ تھا۔ جسے پرائم (Priam) کہتے تھے۔ بخت و دولت کے علاوہ اس کے بچپاس بیٹے بھی تھے ان میں سے ایک شہزادہ جس کا نام پیرس تھا۔ اتفاق وقت سے یونان کے بادشاہ منیس (Menelaus) کا مہمان ہوا۔ اس بادشاہ کی ملکہ جیلن (Helen) نامی تھی جس میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ اس کے شوہر کی غیبت میں پیرس اسے نکال کر اپنے باپ کے ملک میں لے گیا اور جب واپس دینے پر ماضی نہ ہوا تو تمام اہل یونان نے یک دل ہو کر شہر ٹرائے پر لشکر کشی کی۔ یونانیوں کے سیکڑوں جنگی جہاز ساحل ٹرائے پر آگے محاصرہ شہر کے ساتھ ہنگامہ جہال و قتال برپا ہوا۔ یہ شہر قلعہ بندی کے قاعدہ سے نہایت مستحکم تھا اس کی شہر پناہ نہایت مضبوط تھی۔ اور سامان جنگ بھی افراط کے ساتھ فراہم تھا۔ علاوہ اس کے پرائم بادشاہ کا پسر اکبر جس کا نام ہکٹر (Hector) تھا بہادری اور شجاعت کے ساتھ معاملات

جنگ سے پوری خبر رکھتا تھا۔ جب لشکر یونان نے محاصرہ کیا اور لڑائیاں ہوتی گئیں تو اہل ٹرائے نے یونانیوں کو بار بار شکست دی۔ یونانیوں کے اس طرح پر مغلوب ہونے کی اصل وجہ یہ ہوئی کہ ان کا اشجع سردار اکلیر (Acheilles) ریخیدہ ہو کر چلا گیا تھا اس سردار کی خلقت محسن واقع ہوئی تھی کیونکہ اس کا باپ کوئی دیوتا تھا اور مان نبی آدم سے تھی اس حیرت انگیز آمیزش کے علاوہ اسفندیار کی طرح وہ رو میں تن بھی تھا تیر تیر کسی آلہ حرب کا اثر اس کے بدن پر نہیں ہوتا تھا بہر حال اس کے ناراض ہو کر چلے جانے سے اہل یونان برابر شکستیں اٹھاتے رہے جس کے سبب سے انھیں بہت نقصانات جانی و مالی لائن ہوتے گئے۔ مگر آخر کار جب اکلیر واپس آیا تو اس نے لڑائی کے دنوں کو پورا اہل ٹرائے کے بہت سرداروں کو مارا ہکڑ بھی اس کے ہاتھ پر کشتہ ہوا۔ اکلیر نے اس کی لاش کو اپنی جنگی گاڑی سے باندھ کر میدان جنگ میں گھسیٹنا شروع کیا۔ مقتول کا بوڑھا باپ اپنے گرامی فرزند کی لاش کی بے حرمتی دیکھ کر اکلیر کے پاس آیا اور نہایت عاجزانہ طور پر اس سے پسر کی لاش مانگی جب پر ایم لاش لے کر واپس گیا تو اہل ٹرائے نے بڑی توخیر کے ساتھ اس لاش کو دفن کیا بعد ازاں اکلیر کو پیرس نے مارا ہر چند اکلیر رو میں تن تھا۔ مگر اس کی ایڑھی میں کوئی منقارہ تھا جو عام بنی آدم کی ساخت رکھتا تھا۔ اس راز سے کوئی شخص واقف نہ تھا الا پیرس جس نے اپنی اطلاع کی وجہ سے اس اسفندیار وقت کا کام تمام کیا بہر حال یونانیوں نے دس برس تک اس شہر کا محاصرہ قائم رکھا اور آخر کار اسے فتح کر کے خاک سیاہ کر ڈالا۔ ایلیڈ میں اس پورے محاصرے کا ذکر نہیں دیکھا جاتا ہے۔ لیکن ہومیروس کے عنوان بیان

اس لشکر کشی کے ماقبل اور مابعد کے بہت سے احوال نہایت خوبصورتی کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ ہومیروس نے اس قصے کو شاعرانہ پیرائے میں بہت طول دیا ہے طرفین کے بڑے بڑے بہادروں کے نام درج کیے ہیں اس ہنگامے کی احوال نگاری میں پڑاؤں کی لگبگی اور اعانتیں بھی بیان ہوتی گئی ہیں۔ طرح طرح کی بڑی اور بھری پریاں خیالی جانور اور طرح طرح کے غیر فطری معاملات اور بے سرو پا معتقدات کے مذکور کرتے گئے ہیں۔ اگر سب امور کی تفصیل کی جائے تو ایک جھجھکیاں تیار ہو جائے۔

ہومیروس کی بہر حال اب ہومیروس کی قوت شاعری کو خیال کرنا چاہیے قابلیت شاعری کی کہ اس شاعر نادر روزگار نے ایک مختصر تاریخی معاملے کو کس طرح بہ شاعری کے پیرائے میں بیان کیا ہے اور اس بیان میں یونانیوں کے بیچ در پیچ معاملات و معتقدات وغیرہ کو کس استاد کی ساتھ پیش نظر کر دیا ہے اگر اس قصے کی وقعت پر نگاہ کیجیے تو برائے خود یہ ایک مہل قصہ ہے اس قصے میں عظمت و بزرگی و شرافت و سخاوت کا مادہ بہت کم ہے نہ یونانیوں کی جانب کوئی بڑی جلالیت کی بات دیکھی جاتی ہے نہ اہل ٹرائے کی طرف کوئی امر قابل تعظیم پایا جاتا ہے۔ یہ قصہ ابتدا سے انتہا تک اخلاقی پیرائے سے علیحدہ نظر آتا ہے ابتدا اس کی ایک ایسے شخص کے فعل ہوتی ہے جس کی فطرت میں دغا بازی اور محسن کشی داخل تھی اس شخص نے اپنے اس میزبان کے ناموس پر نظر ڈالی جو غایت تواضع اور مہمان نوازی کے ساتھ پیش آیا تھا اور جس نے تمام تر اپنے مہمان کی خوش اطواری پر تکیہ کیا تھا یہ مہمان بدترین شاہزادہ پھر س تھا۔ جو نہر کب ایسی سخت دغا بازی کا ہوا پھر اس عورت کے فعل پر لحاظ کیجیے جو اپنے ایک ممتاز اور عمدہ شہر پر چھوڑ کر ایک مکار سے آبرو بدکار

شخص کے ساتھ کل گئی یہ ملکہ ملن بادشاہ مینٹس کی جبر و تہمتی جس نے کچھ بھی اپنے بند پاپہ
خوش خصال شوہر کی آبرو کا خیال نہ رکھا۔ یہ حال یہاں تک تو یہ قصہ دغا بازی جس کشتی
مکارتی، بے حیائی، بد فعلی سے فہر دیتا ہے۔ لیکن آئندہ بھی اس کو دیکھیے تو بہت کم
اخلاقی پیرایہ اس کو حاصل ہے۔ چنانچہ جب پیرس اپنے محسن کی جبر و کونکال کر لے گیا
تو اپنے باپ کے شہر میں لے گیا۔ باپ صاحب نے بھی یہ طرفہ کام کیا کہ ایسے
محسن کش غاصب اور موزی کو اپنے سایہ ماطفت میں پناہ دی اور وہ نابکار عورت
یعنی ملن ٹرائے کے شاہراہ سے اور شاہزادیوں میں ہم چمپھی کے ساتھ رہنے پائی۔
پیرس کے بھائیوں نے اس عورت کے داخل خاندان ہونے میں کوئی عذر نہیں کیا
الغرض کسی کی نگاہ میں پیرس کی دغا بازی محسن کشی اور ملن کی مکاری بظنی قبیح نہیں معلوم
ہوتی۔ پیرس کی اس حرکت پر یونانیوں کا باہم متفق ہو کر لشکر آرائی کرنا بہت بجا تھا۔
لیکن اس لشکر کشی سے صرف یہ مراد نہ تھی کہ اہل ٹرائے اپنے حق کو پیچیں بلکہ یہ بھی مرکز
خاطر تھا کہ وہ ناپاک عورت یعنی ملن اس کے شوہر مینٹس کو واپس ملے ظاہر ہے کہ ایسی
بازیابی زوجہ کی ایک امر نہایت مفروض ہے۔ کوئی شریف مزاج آدمی اس طرح کی
پے دغا بے آبرو عورت کو واپس لینے کا خیال بھی نہیں کر سکتا ہے لا حول
شہ لا حول خیر اہل یونان کی لشکر کشی پر اہل ٹرائے کا فرض منصبی یہ تھا کہ مینٹس کی
مظلومیت پر خیال کر کے پیرس مع ملن یونانیوں کے حملے کو دیتے بالغرض اگر پیرس
کو اہل یونان کے حملے نہیں کرتے تو اسے نفعی بلا دکر ڈالتے اور ملن کو اس کے شوہر کو
واپس دیتے وہ جس طرح برتاؤ اس بے دغا اور غدارہ کے ساتھ پسند کرتا کر گزرتا۔
اس کے برخلاف اہل ٹرائے نے پیرس ایسے ظالم اور ناسخ کا ساتھ دیا۔ اور

مقاومت کے لیے یونانیوں کے ساتھ جو پایہ حق پر تھے آمادہ ہوئے اور ناحق کا پلہ اختیار کر کے ایک مدت مدید تک خونِ غلابین بہاتے رہے اور آخر کار اپنے جان و مال سب کو تباہ کر چھوڑا۔ تماشاجے کے اس ہنگامے کے شریکِ طرفین کے دیوتا بھی ہوتے گئے یہ دیوتا فریقین کے بہادروں کو بہت دلاتے تھے اور بڑے جوش سے فریقین کو لڑاتے تھے۔ جیسی قوم ہوتی ہے ویسا ہی اُس قوم کے دیوتا بھی ہوتے ہیں۔ کیوں نہ ہو یہ دیوتا بھی جو کوئی مذکر اور کوئی مؤنث تھے۔ پیرس اور تین سے طبیعت واری میں کم نہ تھے ان دیوتاؤں کے تھے ویدنی ہیں۔ چونکہ یہ دیوتا آمیزشِ نبی آدم سے بندے بھی پیدا کرنا جانتے تھے اُن کے جنے آدم سے دیوتا مانے جاتے تھے۔ منجملہ ایسے محسن افراد کے اٹھارہ بھی تھا جو سر آمد شجاعانِ یونان سمجھا جاتا تھا چنانچہ اس کے ہاتھ سے اہلِ طرائف کو بڑے حد سے پہنچتے گئے اگر اس شخص کی شجاعت پر غور کیجیے تو اس کی شجاعت کچھ بھی اخلاقی پیرایہ نہیں رکھتی تھی اس کی مغلوبِ الفیضی کی کوئی حد نہیں معلوم ہوتی ہے اور اس کی بے رحمی حد سے گزری ہوئی نظر آتی ہے اس کی شجاعتِ زندگیوں کی سہمی انسانیت سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی تھی۔ اس نے جب ہکٹر کو مارا تو اس کی لاش کو اپنی جنگی کماڑی میں باندھ کر گھسیٹنا شروع کیا۔ اس بد اخلاق کے دل میں یہ بھی خیال نہ گذرا کہ ہم بزرگشتہ کے ساتھ ایسا فعل کس مذہب میں جائز ہو سکتا ہے اور ہم بزرگشتہ کو جو جانی الحقیقت ایک سچا بہادر اور صاحبِ وقت شخص تھا۔ المختصر ایلیدہ کا قفقہ تو ہر ہیرو سے اس طرح کا ناپاک اور مہمل ہے۔ مگر ہومیرس کے حسنِ طبیعت نے اُس کو محبِ جلوہ دیا ہے کہ بجیالِ راقم جس کسی نے ایلیدہ کو نہیں پڑھا اُس نے گریشا حوی کا لطف اٹھایا ہی نہیں بے ایلیدہ

کے پڑھے کوئی شخص بیاس، بالکل، فردوسی، ملن اور میراٹیس کا قدردان ہو ہی نہیں
سکتا۔ بہر کیف یہ تفسر جو کچھ امتلاقی نگاہ سے برا ہو۔ ہو میراٹیس نے زور طبیعت
سے اُسے ایسا خوب بنا رکھا ہے کہ زبان اُس کی تعریف تو صیغ سے قاصر ہے
اُس شاعر جادو بیان نے اس نظم بمسوط کی ترتیب میں آبجیکٹو (Objective)
اور سبجیکٹو (Subjective) یعنی خارجی اور داخلی دونوں قسم کی شاعری کا لطف
دکھلایا ہے معاملات خارجیہ اور ذہنیہ دونوں کو بڑی تبعیت فطرت کے ساتھ حوالہ
تلم کیا ہے اور جہاں جہاں آبجیکٹو اور سبجیکٹو مضامین کی آمیزش کی حاجت پڑی ہے۔
وہاں عجیب ندرت کے ساتھ دونوں کو مرکب اور مزوج کیا ہے لڑائیوں کے نقشے
ایسے کھینچے ہیں کہ اہل یونان کی سپہ گری اور لشکر آرائی کا زمانہ پیش نظر معلوم ہوتا ہے
فریقین کے اشخاص نامی کے انداز مزاج و کردار ایسی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیے
ہیں کہ جس سے اعلیٰ درجہ کی مردم شناسی کا اظہار متصور ہے۔ جہاں معاملات خارجیہ
کو امور ذہنیہ کے ساتھ ترکیب دیا ہے وہاں عجیب پرتا نیر سماں دکھلایا ہے مثلاً
وہ مقام جہاں ہکٹر اور اُس کی زوجہ آپس میں کلام کر رہے ہیں ہکٹر کی زوجہ کا نام اندرومی
(Andromache) ہے۔ یہ عورت علاوہ حسن و جمال کے نہایت فیئدہ نیک
مزاج اور عقیفہ تھی۔ ایسی عورت کو اپنے شوہر سے جو کچھ تعلق قلبی نہ ہو تصور اسے پھر شوہر بھی
کیسا کہ کمالات صوری و معنوی سے بھر اہو تلم میں اتنی قدرت کہاں کہ ہو میراٹیس کی
اس قوت شاعری کی داد دے سکے۔ جو ہکٹر اور اندرومی کے باخود ہاکی گفتگو سے
آشکارا ہے۔ ہو میراٹیس نے ان دونوں کو آپس میں گفتگو کرتے دکھلایا ہے۔ اور
اس بیان میں شاعری کے آبجیکٹو اور سبجیکٹو دونوں پہلو کا خاتمہ کر ڈالا ہے سبحان اللہ

کیا شاعری ہے۔ شاعری نہیں ہے سحر ہے۔ سحر بھی نہیں ہے خدا جانے کیا ہے راقم کو
اس قدر موقع حاصل نہیں ہے کہ پورا ترجمہ اس بیان کا یہاں خدمت ناظرین میں پیش
کرے اگر کاش پورا ترجمہ درج ہوتا تو کچھ اندازہ ہو میروس کی جادو بیانی اور شیریں بیانی
کا ممکن تھا بہر حال کسی قدر کھڑا اور اندرومی کی ہم کلامی کا خلاصہ ذیل میں عرض کیا
جاتا ہے جس سے ہو میروس کی مضمون آفرینی خوش مذاقی طباعی اور فطرتی زور
شاعری کا نام طور پر اظہار متصور ہے۔

ہم کلامی کھڑو جب اگلے ناراضی کی وجہ سے یونانیوں کو چھوڑ کر میدان
اندرومی کے چلا گیا تو اس کی غیبت میں اہل طرائے
یونانیوں پر تھیاب رکھے ہر مقابلے میں یونانیوں پر غالب آتے گئے اور کثرت فتح سے
یونانیوں کو ششدر کر ڈالا۔ مگر جب اگلے واپس آیا اور شریک کارزار ہوا۔ اس وقت
سے اہل طرائے کو شکست پڑنی لگی۔ بہر حال چونکہ کھڑا ایک نہایت بہادر
شخص تھا اس نے کوئی بے دلی ظاہر نہیں کی اور حتی الوسع طرائے کے محفوظ
رکھنے میں کوشاں رہا۔ مگر یونانیوں کا غلبہ بڑھتا ہی گیا۔ اسی حالت میں کہ طرائے پر
مغلوبیت غالب تھی۔ کھڑا اپنے محل کی طرف گیا اور اپنی زوجہ کو تلاش کیا۔ اندرومی
کو محل میں نہ پایا تو تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچا جہاں وہ تھی وہ طرائے کے لشکر کی
بد حالی کو دریافت کر کے طرائے کے ایک دو دانشمندیوں کے نام اہلین تھا کھڑا
ہوئی بڑے تعلق خاطر کے ساتھ انداز جنگ کو تجویز کر رہی تھی اس کے ساتھ ایک
دایہ بھی تھی جس کی گود میں ایک طفل شیر خوار تھا اور جو بطن اندرومی سے کھڑا کا پسر
اصغر تھا۔ اس جگہ دن دشو میں ملاقات ہوئی تو کھڑا کے جنگی خیالات اس آن میں

محبت و شفقت کے ساتھ مہل ہو گئے مگر جو واقعہ ہکٹر کو پیش آنے کو تھا اندر وہ میکی کی
 آنکھ میں پھر گیا اور دل کے بھرا تے باچشم نم اُس نے شوہر سے یوں خطاب کیا۔ کہ
 اے شہزادے تو بے مدد لیر ہے تجھ کو زن و فرزند تک کا خیال نہیں رہتا ہے۔
 اس طرح کی شجاعت شعاری طول عمر سے خیر نہیں دیتی ہے کیا تجھے نہیں معلوم ہے
 کہ تیرے مرنے سے ہم بیوہ اور یہ لڑکا یتیم ہو جائے گا تیری صفات حمیدہ ترے
 قتل کا سبب ہوگی تو رٹا بہاوار ہے مگر جب تک تجھ سے دلیرانہ زمان فراد اُجنگ
 آزا ہوئے ہمیشہ مغلوب رہے اب سب کے سب ایک با دیورش کرنے لگے اس
 طرح کی دیورش میں تو تیری با بنبری دشوار نظر آتی ہے اے دیوتاؤ قیل اس کے
 کہ میرے ہکٹر پر ایسا واقعہ گزرے مجھے تمہا بھلاؤ کہ مجھے ایسا روز میاہ دیکھنا نصیب
 نہ ہو اگر ایسا واقعہ مجھ پر گزرا تو میری زندگی جس تلخی کے ساتھ شروع ہوئی تھی اسی
 تلخی کے ساتھ ختم ہوگی۔ اب نہ میرے باپ ماں ہیں اور نہ کوئی بھائی۔ میرا باپ
 تھیب (Thebe) کا بادشاہ تھا۔ اسی اکلین نے اُس کا اور میرے بھائیوں کا خاتمہ
 کیا۔ جس غم میں میری ماں بھی مر گئی ابھی تک تو ہم کو یہ نشی کی صورت ہے کہ میرا ہکٹر
 زندہ ہے اسی ہکٹر میں باپ ماں بھائی عزیزا قارب تھب کے بدل کی شکل پیار ہے
 اگر کہیں اسے ہکٹر تو مارا گیا تو یہ سب عزیزاں میرے دوبارہ سرنو سے مارے
 جائیں گے تیرے زن و فرزند سب کے سب اس وقت تیرے درد کے شریک
 ہیں تو ہم لوگوں کا حق ادا کرو اور میدان جنگ میں جانے کے عوض شہر پناہ کے اُس
 حصے کی محافظت کر جہاں تو دیکھتا ہے کہ ایک انجیر دشتی کا درخت قائم ہے
 اُس جانب بار بار یونانی افواج حملہ آور ہوا کی ہے اور ہر وہی ہے بڑی معلومت ہے

کہ تو اندر شہر نیاہ کے زور کشر کی محافظت کرے اپنی سیکم کی اس گفتگو کو سن کر بہتر نے جواب
 دیا کہ ہم اس جانب کی شہر نیاہ کی حفاظت کریں گے اور نہ اسی کی بلکہ جتنے معاملہ
 جنگ میں سب پر اپنی توجہ مبذول رکھیں گے اس وقت میدان جنگ سے میرا کنار
 رہنا ہمارے آبائی نام و نشان کے منافی ہوگا اس میں ٹرائے کی سخت بے آبروی
 متصور ہے ہم نے بچپن سے فوجی تعلیم پائی ہے جدال و قتال کی زحمت میرے
 سامنے کیا ہے ہماری شجاعت ہم کو میدان جنگ کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے اور
 یہ ہمارا فرض منصبی ہے کہ ہم اپنے باپ اور اپنی اولوالعزمی کی شہرت کو قائم رکھیں۔
 اگر میرے نصیب میں مارا جانا ہے تو کوئی ہم کو موت سے بچا نہیں سکتا ہے۔ مگر
 اس بات کو خیال کر کے اللہ ذول جلال و اكرام سے کہ ٹرائے برباد ہو جائے گا۔ اس کے
 شجاع مارے جائیں گے اور اس کے جلال و ثروت کا خاتمہ ظہور میں آئے گا۔ ہم
 اپنے بوڑھے باپ ماں کی مصیبتوں کو بھی خیال کرتے ہیں مگر میرے غم کی مدد اس وقت
 کچھ نہیں معلوم ہوتی ہے کہ جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ ہمارے بعد تو گروہ آساں میں
 داخل ہوگی تو کمزیاں نالائک گریاں رہے گی اور تجھے اعدا کشاں کشاں لے جائیں گے
 اسیری کی حالت میں دشمن تجھ سے چرہ کتوا میں گے کہ پڑے بنوائیں گے۔ اور
 ان کپڑوں پر ان لڑائیوں کی تصویریں کشیدہ کرانیں گے اور جو آلام کہ ہم پر گزر
 رہے ہیں اور جن آلام کی تو شریک اعظم ہو رہی ہے ان سب معاملات اندوہ و
 غم کے سماں تجھ کو منقش کرنے کو کہیں گے تجھ سے پانی بھی بھر جائیں گے اور
 جس وقت تو ایسی سخت زندگی کے بار کے تلے کر اہے گی۔ اعدا طعن سے پکار
 پکار کر کہیں گے کہ دیکھو دیکھو کھڑ تو می پنچہ کی یہی جو رہے۔ اس طور پر جب

کوئی اہل یونان سے ہمارا نام لے گا تو اس وقت تجھ پر کیا گزرے گی۔ نزدت گزشتہ
 تجھے یاد آئے گی اس وقت تجھے شرم پیدا ہوگی۔ ہزار رنگ سے غم و الم تیرے
 سامنے آکھڑے ہوں گے۔ اپنی ہی دماغ سے کہ ہکٹر کو ایسا دن دیکھنا نصیب نہ ہو
 اور ایسا ہی ہو گا کہ اسے اندر ویسی تیرا ہکٹر اس وقت کے کب نہ پہلے خواب
 عدم میں آرام کر چکے گا۔ راقم اس قدر لکھنے پر اکتفا کرتا ہے۔ حضرات ناظرین اس
 قلیل سی ہو میروں کی یاد دہانی کا موازنہ فرمائیں کہ یہ شخص کس درجے کا شاعر تھا۔ اہل
 یورپ اسے ابو الشعرا بے وجہ نہیں کہتے ہیں۔ اول تو یورپ میں اس شاعر کے پہلے
 کوئی شاعر نہیں گزرا۔ دوم یہ کہ اس کی شاعری اس درجے کی ہے کہ اس تک کہ کسی
 شاعر زرمی کی شاعری پہنچی ہے اگر سچ پوچھتے تو ہو میروں کی خوبیوں کو درجہ اول زدوسی
 اور ملٹن بھی نہیں پہنچتے ہیں شعراے ہنود میں بیاتس اور بالکی البتہ جواب ہو میروس کا
 ہیں۔ اور بدانت راقم ہو میروس سے مرعج اگر کوئی شاعر ہے تو میرا نہیں ہیں! انشاء اللہ
 تعالیٰ آئندہ ان اساتذہ کا ذکر آتا ہے۔ جس سے راقم کے قول بالا کی تصدیق ہو
 جائے گی۔

ہو میروس کی راقم نے جس قدر ایلڈ کی نسبت مضامین بالائیں درج کیے ہیں
 دماغی قوت ان سے ہو میروں کی شاعری کا اندازہ پورے طور پر نہیں ہوتا
 ہے۔ مگر حضرات ناظرین معاف فرمائیں گے اس لیے کہ اس سے زیادہ اس رسالے
 میں گزارش کا موقع حاصل نہ تھا بہر حال کتاب ایلڈ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا
 ہے کہ ہو میروس شاعرانہ صلاحیت کے ساتھ بہت وسیع اور قوی دماغ رکھتا تھا
 اسی قوت دماغی کی بدولت اس شاعر نے ایک نامور فنکار کو بڑی خوب صورتی

کے ساتھ حکمت آموز پر اپنی نچھٹا ہے بلاشبہ اس نے اس قصے کے معائب سے جنہوں
کی شکلیں پیدا کی ہیں ایک کم صلاحیت شاعر اس فیح قصے کو اچھ شکل بناوا اندا افعی ہو میر
نے یہ بڑا کمال دکھلایا ہے کہ ایک بڑے قصے کو باوجود لاحق رہنے مذہبی تمدنی اور
اخلاقی نقصانات کے اس قدر صاف اور پاکیزہ صورت بخشنی ہے ایلڈ ایک بڑے
بکھیرے کی کتاب معلوم ہوتی ہے اس کی پریشانی خیالات کی کوئی حد نظر نہیں آتی ہے
یہ ہو میروس ہی کا کام تھا کہ اس نے اس قدر اچھے خیالات کو سلجھایا ہے اور نامر لوط
غیر منتظم مضامین میں ربط و نظم پیدا کیا ہے۔ ہو میروس کی شاعری کی تعریف میں یہی کہتا
ہے کہ یورپ کے ماہر کے شعر کے لیے ہو میروس خضر راہ ہوا ہے اور واقعی
ایسا ہی ہے کہ ہر پہلو سے ایلڈ کی شاعری استاد کی جلوہ دکھلاتی ہے۔

قصہ اڈیسی - ہو میروس کی دوسری تصنیف جس کا نام اڈیسی

(Odyssey) ہے۔ ایلڈ کے بد لکھی گئی تھی ہر چند یہ کتاب بہت کچھ لطف شاعری
رکھتی ہے مگر ایلڈ کے باہر شاعری تک نہیں پہنچتی ہے۔ اڈیسی کا قصہ بھی مجائے
خود مر لوط اور منتظم انداز کا نہیں ہے مگر ہو میروس کی شاعری نے اُسے بہت کچھ قابل
توجہ بناوا لیا ہے۔ اڈیسی میں یولیسس کا قصہ بیان لیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہنگامہ
ٹراتے کے بحیرہ یولیسس (Ulysses) اپنے جزیرہ آئی تھا کا
(Ithaca) کو جس کا وہ بادشاہ تھا واپس آنے لگا تو اُس کو عجیب پریشانی اور
سرگردانی غیب ہوتی گئی۔ سات برس تک وہ جزیرہ اوچیجا (Ogygia)
میں ایک دریائی پری کا جس کا نام کیلیپسو (Calypso) تھا قیدی رہا اس لمحے
میں اُس کے اہل وطن نے یہ سمجھا کہ یولیسس فوت ہو گیا اور اس قیاس کی بنیاد پر

اُس کی توجہ پنیلوپ (Penelope) سے بیاہ کرنے کے لیے تڑپ سے زیادہ
 اشخاص نے آمادگی ظاہر کی ان خواستگاران ازدواج میں ہمیشہ باہم جھگڑے برپا
 رہتے تھے اور پنیلوپ کا گھر دارالفساد ہو رہا تھا یہاں تک کہ تیرہ ہفت سالہ کے بعد
 یولیس آہنچا اور تمام مفسدوں کو ہلاک کر کے اپنے گھر کو فتنہ و شر سے پاک کر ڈالا
 مختصر قصہ اڑیسی کا یہی ہے اس میں بھی دیوتا اور پری کے بیانات دیکھے جاتے ہیں۔
 جیسا کہ ایلید میں ایسے بیانات بکثرت موجود ہیں خیر یہ قصہ جو کچھ نامر لوطیا ناما مطبوع
 رنگ رکھتا ہو۔ مگر میرٹس کی شاعری نے اس کو بھی نہایت دلچسپ سپر ایجنٹا ہے اور
 لاریب یہ کتاب بہت کچھ اہل فن کی توجہ کے قابل ہے۔

دافع ہو کر ایلید کی شاعری رزمی انداز رکھتی ہے جیسا کہ دیگر شعرائے یورپ مثلاً
 دویل (Mandeville) ملٹن (Milton) یا ایشیائی شعرا مثلاً فردوسی میر انیس
 بیاس و بالکی رزمی شاعری کا بلوہ دکھلاتے گئے ہیں۔ ان رزمی شعرا کے حالات اور ان کے
 کلام کے مذکور آئندہ آئیں گے۔ مگر یہاں چونکہ یونانی شعرا کا ذکر پیش ہے اور یہ یونانی
 شعرا کوئی رزمی اور کوئی بزمی اور کوئی ڈراما نگار (Dramatists) گزرے
 ہیں۔ اس لیے ضرور ہے کہ کچھ ان اقسام شاعری کا بیان سرمدت کیا جائے۔

بزمی شاعری مشتمل پس جانتا چاہیے کہ ان شاعریوں سے ایک قسم
 لیرکس یعنی غزل سرائی شاعری کی ہے۔ جسے لیرکس (Lyrics) کہتے
 ہیں اس قسم کو فارسی اور اردو کی غزل سرائی سے اکٹوہ مناسبت ہے۔ بلکہ درحقیقت
 جو تقاضا اہل یورپ کے لیرکس کا ہے وہی ہم لوگوں کی غزل سرائی اور تمام دنیا کی اُس
 شاعری کا ہے جسے لگا دین سوائیدن کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال جانتا چاہیے

کہ لیرکس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں ایسے مضامین داخل رہیں کہ جو داخلی یعنی سبجیکٹو
 (Subjective) انداز رکھتے ہیں اور اگر خارجی (Objective) رنگ
 رکھتے بھی ہوں تو داخلی انداز سے آمیزش پائے ہوں اگر لیرکس میں شاعر اس آمیزش
 کے ساتھ خارجی مضامین کو حوالہ قلم نہ کرے گا تو اس کا کلام بے مزہ ہو گا۔ یہی سبب ہے
 کہ بعض فارسی اور اردو شعرا کی غزل سرائی ملبورع نہیں معلوم ہوتی ہے۔ ایسے غزل سراؤں
 نے برغلاف تقاضائے غزل سرائی مضامین خارجی کو بلا آمیزش رنگ داخلی اپنے کلام
 میں بگھ دی ہے۔ جس کے سبب سے ان کی اکثر غزلیں روکھی سوکھی درد سے خالی پلٹاڑ
 اور محض بے کیفیت معلوم ہوتی ہیں۔ لیرکس اور غزل سرائی کے لیے فرد ہے کہ واردات
 قلبیہ اور پرتاثر امور ذہنیہ حوالہ قلم کیے جائیں۔ اس طرح کی شاعری کے لیے شاعر کو اپنا
 عالم دردنی کافی ہوتا ہے اسے کوئی حاجت نہیں ہے کہ اپنے ماطہ ذہنیہ سے باہر
 جائے اس کا فہم ہی اس کی دنیا ہوتا ہے اسی کے اندر وہ سب کچھ دیکھتا ہے اور جو
 کچھ دل کی آنکھ سے دیکھتا ہے اسے حوالہ قلم کرتا ہے جتنے اس کے کلام ہوتے ہیں
 اس کے واسطے کلیات کا حکم رکھتے ہیں گو اس کے وہ کلام کلیات کے طور پر
 دیگر افراد انسانی کے امور ذہنیہ اور واردات قلبیہ پر بھی صادق آئیں بالمشخص لیرکس یا
 غزل سرائی کو عالم خارج سے بہت کم تعلق ہے اس کی شاعری شخصی انداز رکھتی ہے
 یعنی جو کچھ شاعر پرکرتی ہے یا جو کچھ اس کی واردات قلبیہ ہوتی ہیں انھیں کہ قلم بند کرتا
 ہے۔ اور شروع سے آخر تک اس کا کام یہ ہے کہ خود سرائی کر ہمیشہ پیش نظر
 رکھے اور جو کچھ مزون کرے اس میں اپنے کو نہ بھوسے اپنے شخص پر نہ شخص کو
 قائم نہ کرے ورنہ اس کا کلام بے تاثیر ہو گا اسی صلاحیت کی بدولت حافظ، خواجہ

میر درد، میر تقی، مومن اور غالب کے کلام اس قدر پُر تاثیر دیکھے جاتے ہیں اگر یہ شعرا اپنی ذاتی واردات قلبیہ کو نہیں تحریر کیے ہوتے تو اس قدر اُن کے کلاموں میں مقبولیت نہ ہوتی ان شعرا کا ایک ایک مصرع بول اٹھتا ہے کہ میں حافظ ہوں۔ میں درد ہوں۔ میں میر ہوں۔ میں مومن ہوں۔ میں غالب ہوں۔ فطرت نے اُن کو اور اُن کے ایسے شعرا کو غزل گو بنانے کے وقت اُن کے کانوں میں غزل گوی سا گراں لفظوں میں سکھلادیا تھا کہ غزل سرائی کا دوسرا نام خود سرائی ہے

تقاضاے رزمی بر خلاف اس کے رزمی شاعری یعنی ایک (Epic)
 شاعری ہے کہ جس میں شاعری کو اپنی ذاتی حیثیت سے بہت کنارے ہونا پڑتا ہے اور کلیات سے جزئیات کی طرف رجوع لانا پڑتا ہے۔ ہم لوگ ایشیائی اہل اسلام میں یہ شاعری بیشتر فنری کی شکل میں دیکھی جاتی ہے۔ جیسے شاہنامہ فردوسی، سکندر نامہ نظامی، حملہ حیدری وغیرہ یا بدعات کی صورت میں جیسے بدعات سرائی میلائس و مرزا دبیر اعلیٰ اللہ مقامہما فی الجذبہ بہر حال ایک شاعری میں شاعر کو جس قدر مضامین عالم خارج سے لینا ہوتا ہے۔ اُسی قدر اسے عالم درونی سے بھی اختیار کرنا پڑتا ہے۔ پھر دوزں کی آمیزش بھی اُسے کرنا ہوتا ہے۔ مختلف افراد انسانی کے جیسے شخصی تقاضے ہوتے ہیں اُنہیں ملحوظ رکھنا رزمی شاعر کا کام ہے رزمی شاعری اسی کی متقاضی ہوتی ہے کہ شاعر خودی کو جہاں تک ممکن ہو بھول جائے اور اپنے شخص پر غیر اشخاص کو قائم کرے جیسا کہ ہر میر و سس نے ایلٹڈ میں تمام تراپنے کو اپنی ذاتی حیثیت سے کنارہ کیا ہے اور جتنے اشخاص کا ذکر کیا ہے ان کے جزئی اور مختص حالات درونی و برونی کو قلمبند کیا ہے یعنی شخص کی تصویر حسی و کار نفسی کھینچی ہے مثلاً اگر اکبر کو بیان کیا ہے

تر معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص محض علیحدہ انداز کا بولیسس وغیرہ سے ہے۔ اور
 جہاں ہن کو بیان کیا ہے تو وہ اندرونی سے بالکل ایک جدا انداز کی عورت معلوم ہوتی ہے
 اسی طور پر ہر خاص شخص کے خاص معاملات کو اس طور پر دکھلایا ہے کہ وہ معاملات خواہ
 دورنی اور خواہ برونی ہوں سوا ایک شخص خاص کے دوسرے شخص پر صادق نہیں آتے
 ہیں اس طرز بیان کو کیرکٹرنگاری کہتے ہیں کیرکٹر (Character) زبان
 انگریزی میں ایسے طور اظہار کو کہتے ہیں جو ایک شخص کو دوسرے شخص سے میرا کر دینے
 کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہی کیرکٹرنگاری ہے جس نے میرا تیس کی شاعری کو بے حد
 ممتاز بنا رکھا ہے یہی کیرکٹرنگاری ہے کہ جس نے بالکل اور بیاس کو مشہور عالم کیا ہے
 اور یہی کیرکٹرنگاری ہے کہ جس کی عدم موجودگی سے فردوسی کی شاعری ہو میردوس
 ورجل، نطنز، بیاس، بالکل اور میرا تیس کی شاعری کو نہیں پہنچتی ہے۔

ڈراما۔ واضح ہو کہ ہو میردوس کی کیرکٹرنگاری اُس ذبحہ کی نظر آتی ہے کہ جو
 نہایت اعلیٰ درجے کی ڈراما نگاری کے لیے درکار ہے ڈراما (Drama) زبان
 انگریزی نالک کہتے ہیں یہ ایک نہایت اعلیٰ قسم کی شاعری ہے۔ رزمی شاعری اور ڈراما
 کی شاعری میں فرق یہی ہے کہ رزمی شاعری سے زیادہ ڈراما کی شاعری میں جزئیات معاملات
 انسانی کا لحاظ رکھنا درکار ہوتا ہے اور افراد انسانی جو کسی ڈراما سے متعلق ہوتے ہیں ان کے پورے
 کیرکٹر کو ان کے ہر جزوی افعال و اقوال کے مطابقت کے ساتھ حوالہء قلم کرنا ہوتا ہے
 علاوہ اس کے رزمی شاعری میں شاعر کسی قصے کو بسبیل نقل حکایت بیان کرتا ہے اور جہاں
 ممکن ہوتا ہے اُس قصے کے افراد انسانی کے کیرکٹروں کو ملحوظ رکھ کر اپنے بیان کو جلوہ دیتا
 ہے۔ ڈراما میں وہی قصہ بسبیل نقل و حکایت نہیں بیان ہوتا ہے۔ بلکہ وہی افراد انسانی

جو اس قصے سے متعلق رہتے ہیں تاو سمعت تعلق ذاتی اپنے اقوال و افعال سے اُس قصے خود بیان کرتے ہیں۔ قوت تخیل سے شاعر اپنے کو ہر فرد کا قائم مقام بنا تا ہے اور جیسے وہ افراد ہوتے ہیں ویسا ہی اپنے کو قولا و فعلا دکھلاتا ہے۔

غرض ڈراما - غرض ڈراما یہ ہے کہ انسان کو اعلیٰ درجے کی تعلیم نعیب ہو و عظم عظمت سے بھی وہ کام نہیں نکل سکتا ہے۔ جو اس شاعری سے ظہور میں آ سکتا ہے۔

شاعر ڈراما نگار کا یہ کام ہے کہ کوئی ممتاز قصہ حکایت یا واقعہ اس طرح بیان کرے جیسا کہ فطرت اس کے بیان کی مقاضی ہے تاکہ اُس کے بیان سے معاملات عالم کا فطری انداز ہو پڑا ہو سکے۔ ڈراما منتہائے شاعری ہے اور کوئی شخص ڈراما نگار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جزئیات معاملات دنیا سے فطری اصول کے ساتھ باخبر نہ ہو اور اُس کے لیے تفسیر یا حکایت یا واقعے کا اس قدر اہم ہونا ضرور ہے کہ وہ معمولی حیثیت کے معاملات سے ارفع ہو اور فائقہ اس کا کوئی نتیجہ معقول جو خواہ مسرت خیز اور خواہ الم انگیز ہو پیدا کر سکے۔

کامیڈی - جو ڈراما مسرت خیز نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ اُسے بزبان انگریزی کامیڈی (Comedy) کہتے ہیں اس کی مثال شیکسپیر کا وہ پتلے (Play) ہے جس کا نام کامیڈی آف ایررس (Comedy of Errors) ہے۔ پتلے بزبان انگریزی ایک ایسے پورے قصے کو کہتے ہیں جو شکل ڈراما دکھایا ہو۔

ٹریجیڈی - اس خاص پتلے کا فائدہ مسرت و انبساط پر ہوتا ہے۔ لیکن وہ

ڈراما جس کا نتیجہ الم خیز ہو اُسے بزبان انگریزی ٹریجیڈی (Tragedy) کہتے ہیں اس کی مثال شیکسپیر کا وہ پتلے ہے جس کا نام ہیلٹ (Hamlet)

چونکہ زبان عربی و فارسی میں ڈراما نگاری نہیں دیکھی جاتی ہے اس واسطے کوئی مثال کسی

پہلے کی پیش نہیں کی جاسکتی ہے۔

اسلامی شعرا میں افسوس ہے کہ یہ صنف شاعری ایشیائی مسلمانوں میں نہیں پائی جاتی ہے۔ علاوہ افسوس کے بہت جاتے تعجب ہے عدم ڈراما نگاری

کہ اہل اسلام نے یونان کے تمام علوم و فنون کو اختیار کیا مگر ان کی شاعری کی طرف توجہ نہیں کی اگر کرتے تو ضرور یونانی ڈراما نگاروں کے طریقہ شاعری کو اختیار کرتے اس عدم توجہ کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب اپنے کو معاصرہ شاعری

میں کسی قوم سے کم نہیں سمجھتے تھے اس واسطے غیر قوم سے اقتساب شاعری کو سنبھل کر جانایا یہ کہ چونکہ اہل اسلام اہل یونان کے مذاق بت پرستی سے بہت دور تھے اور اہل یونان کی شاعریاں اس مذاق سے ملو تھیں۔ اٹھوں نے یونانی شاعری کی طرف توجہ کرنا خلاف

مصالح مذہبی سمجھا جو سبب ہو عجب اہل عرب نے معاصرہ شاعری میں کسی طرح کی اعانت بیرونی کو روانہ رکھا تو اہل فارس نے بھی اپنے ملکی انداز شاعری پر قناعت کی پھر بے چاری اردو جو فارسی کی محض مستنجد ہے کیا انحراف و رزمی اختیار کرتی۔ اہل اسلام کا

ڈراما نگاری کو اختیار نہ کرنا افسوس انگیز امر ہے بلاشبہ انھیں اس صنف شاعری کے اختیار کرنے کا موقع بریلنا گیا اس پر بھی وہ اس کی طرف مائل نہ ہوئے۔ اول تو انھیں علوم یونان سے سابقہ برطا۔ دوم یہ کہ اہل اسلام ہندوستان میں آئے اور حکمران ہندوستان

ہو کر ہندوؤں سے شیر و شکر ہوئے اور ان کے محصل اور ممتاز اشخاص جیسے فیضی اور عبدالرحیم خان خاناں اور علامہ بدایونی وغیرہ علوم سنسکرت سے بہرہ مند ہوتے گئے اس پر بھی ان میں سے کسی نے ڈراما نگاری کی طرف توجہ نہیں کی۔ حالانکہ سنسکرت کی ڈراما نگاری

اس درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ اہل یونان کی ڈراما نگاری کا حجاب ہو رہی تھی بلکہ اس سے

بھی نیشا زابد برصی ہوئی تھی اور اس لیے بلا گفتگو بہت قابل توجہ ممتصر تھی لاریب اہل اسلام
 اس صنف شاعری کو رواج دینے کے مواقع برابر پاتے گئے مگر افسوس ہے کہ کسی عہد ماضی
 میں اس کی طرف مائل نہ ہوئے اگر کاش اس کی طرف اپنی توجہ مبذول کیے ہوتے تو اس وقت
 اسلامی شاعری اہل یونان اہل روم یا اہل ہند کی شاعری سے بلند پایگی میں کم نہ ہوتی بہر حال
 جائے سرت یہ ہے کہ اب ملک ایران میں ڈراما نگاری کی ابتدا ہوئی ہے خوب ہو اگر
 شعر لائے حال کے اس صنف شاعری کی طرف منوجہ ہونے سے فارسی کی شاعری کا تکملہ
 ظہور میں آئے۔

ایران میں ابتدائے واضح ہو کہ ڈراما نگاری کے بغیر کسی زبان کی شاعری جڑ
 ڈراما نگاری کمال کو نہیں پہنچ سکتی ہے اگر اہل فارس کو ڈراما نگاری کا

مناق پیدا ہوا تو امید قوی ہے کہ شعرائے فارسی کی نامطبیع
 مخالفہ پرمازیان بھی خست ہو جائیں گی کس واسطے کہ ڈراما نگاری میں تبصیت فطرت کی بڑی
 ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ تبصیت فطرت منافی مخالفہ پرمازی ہے فارسی کی شاعری
 جو مخالفہ پرمازیوں کے باعث معیوب ہو رہی ہے نہایت اصلاح کی حاجت رکھتی ہے
 اس کی اصلاح ڈراما نگاری کے بغیر غیر ممکن الوقوع ہے۔ غیر اگر اب بھی اہل اسلام ڈراما
 نگاری کی طرف تیل فرمائیں تو بہت غنیمت ہے اس وقت تک کی ان کی ناقوجی بہت
 حیرت خیز امر ہے۔ جانتا چاہیے کہ ڈراما نگاری شاعری کا ماترہ ہے۔

شعراے سنسکرت زبان سنسکرت میں ڈراما نگاری ایسے اعلیٰ درجے
 کی دیکھی جاتی ہے کہ بہت محققوں کی یہ رائے
 ہے کہ اب تک کسی قوم نے چہ ماضی و چہ حال

اس صنف شاعری میں اس کے برابر ترقی نہیں کی ہے یورپ میں بلکہ تاحی دنیا میں شیکسپیر
 شاعر انگلستان بہترین ڈراما نگار سمجھا جاتا ہے اور واقعی اس کی ڈراما نگاری کچھ ایسے
 المامی بیجے کی معلوم ہوتی ہے کہ اُس کے کالات کو دیکھ کر عقل انسانی مبتلا سے حیرت
 ہوتی ہے مگر اب بعد تحقیق ایسا معلوم ہونے لگا ہے کہ زبان سنسکرت کا ڈراما نگار شاہ
 کالی داس یا شیکسپیر کا ہم پلو ہے یا شیکسپیر سے بھی بلند تر زہرہ رکھتا ہے۔ اسی سے
 سنسکرت کی شاعری کے نتیجے کو قیاس کرنا چاہیے کہ اس زبان میں کالی داس سا ڈراما نگار
 دیکھا جائے اور بیاس مصنف جمابھارت اور بالکل مصنف رامان سے رزمی شاعر چاہے
 جاتے ہیں بجز بال مولف کسی زبان میں سنسکرت سے بہتر شاعری نہیں دیکھی جاتی ہے خاص کر
 ڈراما نگاری کہ کہیں جواب نہیں رکھتی ہے اُس کی رزمی شاعری کا بھی جواب کمتر نظر آتا ہے
 ہو اور ملتن بیاس اور بالکی کے پورے جواب نہیں ہیں ہاں اگر کوئی شاعر جواب میں
 پیش کیا جاسکتا ہے تو میراٹیس ہیں کاش اگر کوئی ڈراما نگار اردو کا شاعر اسی بیجے کا جس
 بیجے کے میراٹیس رزمی شاعر گزرے ہیں زبان اردو میں ظہور کیے ہوتا تو لاریب دنیا میں
 سنسکرت کی شاعری کے بعد اردو ہی کی شاعری کا درجہ ہوتا اس صنف شاعری کی معدوم
 سے عربی، فارسی اور اردو کی شاعریاں نامکمل حیثیت رکھتی ہیں۔

فارسی اور اردو کی
 تنقویاں جو کامیڈمی
 اور ٹریجیڈمی پر ایہ
 رکھتی ہیں

بالمختصر محدودی ڈراما نگاری سے کامیڈمی اور ٹریجیڈمی
 کی مثالیں اٹھانے کی صورت پر عربی، فارسی اور اردو کی
 شاعریوں سے پیش نہیں کی جاسکتی ہیں لیکن کامیڈمی
 اور ٹریجیڈمی کے انداز کو سمجھانے کے واسطے بعض
 نظریوں کا بیان ذکر کیا جاتا ہے جو اگر وضع ڈراما

لکھی جاتیں تو کامیڈی اور ٹریجیڈی کی شکلیں پیدا کرتی ہیں مثلاً تنوئی، یوسف زلیخا کہ جس میں ایک ایسے قصے کا بیان ہے کہ جس کا نتیجہ مضامین مسرت انگیز پر مشتمل ہے۔ یعنی وہ قصہ پہلے حضرت یوسف کی پریشانیوں کو اور حضرت یعقوب کے بھلائے رنج و آلام ہونے کو بیان کرتا ہے اور آخر کار حضرت یوسف کے ثروت کو پہنچنے اور حضرت یعقوب کے ملنے سے خبر دیتا ہے ایسا قصہ کہ جس کا خلاصہ یہ ہو کہ

پیر سے برد پیر سے داشت گم کہ وہ بود با زیانت

سوا مسرت انگیز ہونے کے اور کیا ہو سکتا ہے اسی پر تنوئی میر حسن کے قصے کو بھی قیاس کرنا چاہیے کہ وہ بھی ایک پیراٹے خاص میں حضرت یوسف اور حضرت یعقوب کا قصہ ہے اور اسی لیے اس قصے کا خاتمہ بھی خوشی اور مسرت پر ہوتا ہے بخلاف اس کے قصہ شیرین و فرادہ ہے جو پوری شکل ٹریجیڈی کی رکھتا ہے اور جس سے حزن و ملال کے سوا کوئی دوسری کیفیت منتج نہیں ہو سکتی ہے۔ یہی مجنون کے قصے کا بھی یہی انداز ہے اور راسخ کی وہ تنوئی بھی جس کا نام راز و نیاز ہے یہی پیراٹے رکھتی ہے۔

ڈانی ڈیکٹک لیرک (Lyric) ایک (Epic) اور ڈراما
شاعری (Drama) کے علاوہ شاعری کی ایک قسم ہے جو شکل

تنوئی ہوتی ہے اور اس سے مراد اخلاق آموزی ہے۔ اس شاعری کو زبان انگریزی ڈانی ڈیکٹک (Didactic) کہتے ہیں۔ اس شاعری سے نصاب چند وغیرہ متعلق ہوتے ہیں۔ اس کی مثالیں سعدی و سنائی و مولوی رومی علیہم السلام کے کلاموں میں افراط کے ساتھ موجود ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام کے اشعار بھی بیشتر ہی رنگ رکھتے ہیں۔ انگریزی شعرا میں ورڈس ورث (Wordsworth)

ڈرائیڈن (Dryden) اڈیسن (Addison) پوپ (Poet)
 وغیرہ بھی ہی ڈائی ویکٹیک یعنی امتلاق آموز مذاق رکھتے ہیں۔

پسٹورل شاعری یہاں پر قابل ذکر شاعری کی وہ قسم بھی ہے جسے بزبان انگریزی پسٹورل
 (Pastoral) کہتے ہیں اس شاعری کا تقاضا یہ ہے کہ وہی طریقہ
 زندگی کا بیان عمل میں آئے یعنی کسان و چوپان کس طور پر زندگی کرتے ہیں ان کے مشاغل
 کس طرح کے ہوتے ہیں اور ان کے ارادات و خواہشات کیا انداز رکھتے ہیں یہ باتیں اس
 صنف شاعری میں حالہ قلم ہوتی ہیں شاعر اپنے معاملات کو کسان و چوپان کے پیرائے میں
 ظاہر کرتا ہے اس قسم کی شاعری کی مثالیں یورپ کے شاعروں کے کلام میں بہت ہیں۔
 انگریزی شاعروں میں پوپ (Poet) نے اس رنگ میں بہت شعر کہے ہیں یہ مذاق
 قبل بیعت آنحضرت صلعم کے شعراء عرب میں بھی دیکھا جاتا ہے اہل عرب میں اس
 مذاق کا موجود ہونا کوئی جائے تعجب نہیں ہے کس واسطے کہ مینتہ اہل عرب تقاضائے
 ملکی سے چوپان پیشہ تھے اور اب بھی ہیں۔

زراعتی اس صنف شاعری سے اک گونہ مناسبت وہ شاعری بھی رکھتی ہے
 شاعری جو زراعتی اور باعجانہ مذاق رکھتی ہے یونانیوں میں اس مذاق کا شاعر
 ہیریڈ (Herizid) تھا جس کا بیان آئندہ آتا ہے اور اس صوبہ ہمارے دو طبیعت
 زراعت پیشہ شخص تھے جو کھاگ اور ڈالک کے نام سے مشہور ہیں ان دونوں کے زراعتی
 کلام آئندہ منقول ہوں گے۔

ملح و قدرح۔ منجملہ اقسام شاعری کے ایک قسم شاعری کی مدح اور دسرفی
 قدرح ہے۔ ان دونوں صنف شاعری کی مثالیں ہر زبان میں کثرت سے موجود ہیں اردو میں

ان دونوں قسموں کی شاعریاں مرزا فیح سودا سے بڑھ کر کسی نے نہیں کی ہیں آئندہ ان صنفوں کی بحث تفصیل کے ساتھ حوالہ قلم ہوگی۔ لیکن اس جگہ یہ عرض کر دینا ضرور ہے کہ شاعر مدح میں ایسی مبالغہ پردازی کو راہ نہ دے کہ اس کا کلام احاطہ فطرت سے باہر معلوم ہو اور نہ قدح میں اس درجہ نامعذب پر ایہ اختیار کرے کہ طبیعت کو تنفر پیدا ہو اگر مرزا سودا ان دونوں باتوں کو مدح و قدح میں مد نظر رکھتے تو ان کی مدح کوئی اور ہجو کوئی کا جواب کہیں دنیا میں نہیں ملتا۔ شعرا نے یورپ بھی طریقہ مدح و قدح کو اختیار کرتے گئے ہیں مگر فحش سے ان کی تحریریں کمتر آلودہ نظر آتی ہیں۔

مرثیہ نگاری - اصناف شاعری سے مرثیہ نگاری ایک نہایت عمدہ

صنف ہے۔ مرثیہ نگاری سے یہاں مراد صرف وہ مرثیہ گوئی نہیں ہے کہ دوست و ملکن خاندان پتھر مصائب اہلبیت علیہم السلام کو شاعرانہ پرانے میں بیان کرتے ہیں بلکہ تمام دیگر ایسے منظوم و غیر منظوم بیانات جو سرمایہ رنج و الم ہونے کے باعث اظہار غم و حسرت کے ساتھ احاطہ تحریر میں در آتے ہیں مثلاً شاعر اپنے کسی دوست کے مرنے کا اور کسی شخص کے بنائے آفات ہونے کا مرثیہ لکھ سکتا ہے یا کسی غم انگیز معاملے کو جیسے جہاز کا ڈوبنا مکان میں آگ کا لگنا وغیرہ سے قلب بند کر سکتا ہے اس طرح کے مرثیے شعرا نے یورپ و ایشیا اکثر لکھتے گئے ہیں گروے (Grove) شاعر انگریزی نے ایک مرثیہ ایک گاؤں کے گورنریاں کے بیان میں لکھا ہے یہ مرثیہ دیدنی ہے۔ اسی طرح حکیم نا آئی نے ایک مرثیہ ایک امیرزادی ناگتھدا کی وفات میں نہایت سوز و درد کے ساتھ موزوں کیا ہے دو شعر اس مہیے کے ذیل میں درج کیے جاتے

ہیں ان کی پُر تاثیر محتاج بیان نہیں ہے

بہر ہر گل از زیر گل بر آرد سر
گلے برفت کہ ناید بعد بہار دگر

گلے برفت کہ امر و زنا بد امن حشر
گلکاب دوست کہ جاری بود و دیدہ تر

دافع ہو کر یوں تو مرثیہ نگاری ہر زبان میں دیکھی جاتی ہے اور وہ یہی مرثیہ نگاری بھی ہر قوم میں کم و بیش طور پر رواج رہی ہے لیکن مذہبی مرثیہ نگاری جیسی اس وقت اردو میں موجود ہے کسی زبان میں نہیں پائی جاتی ہے ہر چند اردو فارسی کی خوشنہ چین کمی جاتی ہے مگر اس صنف شاعری میں فارسی سے بہت زیادہ ترقی کر گئی ہے ترقی کی یہ حالت ہے کہ فارسی کی شاعری کا نہ کیا ذکر اس مرثیہ نگاری کی بدولت اردو کی شاعری اہل یونان، اہل روم، اہل ہند، اہل انگلستان کی شاعریوں کا سامنا کرنے کو مستعد نظر آتی ہے۔ اس ترقی عظیم کے باعث میر انیس ہوئے ہیں کہ جن کی بدولت زمین شاعری آسمان سے بھی بلند تر دکھائی دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مرحوم کی ذات پاک قدرت خداوندی کی پوری نشانی تھی۔ خوش نصیب ان حضرات کے جنہوں نے ان حضرت کے کلام کو دیدہ حق بین سے مطالعہ فرمایا ہے بلاشبہ جناب میر صاحب کی شاعری کچھ ایسی ہی قدرت رکھتی ہے کہ جب تک اس کا موازنہ ہو میر وس، ودعل، فردوسی، ملکن، بالکن اور بیاس کی عربیوں کے ساتھ نہ کیا جائے تب تک اس کی خوبیوں سے اطلاع پانابیروں ادا مکان ہے جن لوگوں نے مختلف اقوام کی شاعریوں پر نظر غور نہیں ڈالی ہے وہ میر صاحب کے کمالات کو سمجھ نہیں سکتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ میر صاحب کے کمالات کا بیان بچے موقع پر آتا ہے یہاں اس سے زیادہ گزارش کا موقع نہیں ہے اس لیے ذیل میں کچھ شعرا نے اہل یونان کا ذکر پیش کیا جاتا ہے۔

اصناف بالا کی شاعریوں کو ملحوظ رکھ کر اب حضرات ناظرین ہو میر وس کے

باعد کے شعراء نے یونان کے حالات پر اپنی توجہ مبذول فرمائی۔ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہومیروس کی ایپک نگاری یعنی رزمی شاعری نے یونانیوں کے دلوں میں شاعری کے دلہے پیرا کیے تھے چنانچہ اسی معاملہ ٹراگے (Tragedy) کو چند یونانی شعراء نے درپے ہومیروس کے تئیں میں منظوم کرتے گئے ہیں مگر ان میں سے کوئی شاعر بھی ہومیروس کی عمدگی کو نہیں پہنچتا ہے بہر حال ہومیروس کے بعد ایک شاعر ہیریڈ (Herodas) نامی یونان میں پیدا ہوا مگر اس نے رزمی شاعری نہیں اختیار کی اس نے ہومیروس سے شاعری کی ایک عمدہ راہ نکالی۔

ہیریڈ شاعر یہ شاعر آٹھ سو برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام کے زندہ تھا اور یونانی اس کی مشہور تصنیف جو اس وقت موجود ہے اس کا نام درکس اینڈ ڈیز (Works and days) ہے یہ نام بھی یونان انگریزی ایک مترجم نام ہے اردو میں ان لفظوں کا ترجمہ مشاغل و ایام کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ نیز اس شاعر نے زراعتی معاملات منظوم کیے ہیں مثلاً کب قلبہ رانی اور کب تخم یزی کرنا چاہیے۔ بل کے لیے کیسی لکڑی درکار ہوتی ہے اسی طرح اس نے بہت زراعتی امور حوالہ قلم کیے ہیں۔ اور باغبانی کی ہدایتوں کے ساتھ اخلاقی تعلیم کو بھی ملحوظ رکھا ہے یہ شاعر بیوتھیا (Beotia) کا جو ملک یونان کا ایک حصہ ہے رہنے والا تھا اس کی شاعری ہومیروس کی شاعری کی طرح بہت تغیبی نہیں ہے بلکہ روزمرہ کے معاملات کو مد نظر رکھتی ہے۔ جس سے کہ امور دنیا میں وہ بکار آمد قیاس کی جاتی ہے۔ ہیریڈ کی تصنیف سے کچھ اس کے ایسے مضامین درج ذیل ہوتے ہیں۔ جن سے کیفیت سرما کا انظار متصور ہے جنوری کے مہینے سے خبردار ہوا ان سرد رساں دنوں سے خبردار ہو کہ جن کی نیتری

کے ساتھ سرایت کرنے والی ہوا بیلوں کی کھالیں کھینچنے والی ہے۔ سردی کے وقت باری آفتس ڈھاتی ہے زمین کو صبح بسترے کر ڈالتی ہے اور ہوا کے ہر جھونکے کو برش بخشتی ہے باد شمالی تھریٹیا (Thracia) کی طرف سے جہاں مبارقہ گھوڑوں کا کھیت ہے تیز و تند آتی ہے اور سمندر میں پہنچ کر تھوج عظیم پیدا کرتی ہے اُس کی ضربت سے گھنے جنگل اور ساحل گوج اٹھتے ہیں اور یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ گریزا زمین نالہ و دفغان کو رکا ہے یہ ہوا شدید ضربیں لگا لگا کر پہاڑ کی چوٹی پر کے قریب تک درخت ہائے پارس (Pars) کو پہاڑ ڈالتی ہے اور عظیم پیکر درخت ہائے اُدک (Oak) کو اُدھاڑ کر داس کوہ میں پھینک دیتی ہے تب یکا یک بالائے کوہ سے تندی اور تیزی کے ساتھ بگولہ زمین کی طرف ریز کر تا ہے پس اُس وقت طوفان کا شور بلند ہوتا ہے اور تمام جنگل صدائے پردروش سے بھر جاتا ہے ایسے وقت میں دو اب لہزان ترسان دم و بانے دبا کر نئے ہیں اور سرد ہوا کے جھونکوں سے گوگرد نکلتے رہتے ہیں۔ ہر میدان جانوروں کی میدیں بال سے بھری ہوتی ہیں اور گوان کی لپٹیں دراز ہوتی ہیں۔ اس پر بھی ہوائے زمہیری ان میں سرایت کر ہی جاتی ہے ایسے وقت میں بیل اپنی موٹی کھال سے بھی فائدہ اٹھا نہیں سکتا اور نہ پشم والی بکری اپنے کو ایسی ہوائے سرد سے محفوظ رکھ سکتی ہے البتہ اس شمالی ہوا سے بھیر ڈکو فر نہیں پہنچتا ہے۔ جس کے گھنے بال اس کے جسم کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔

ایسے زمانے میں شاخ دار وغیر شاخ دار دونوں طرح کے جانور جو جنگل میں مل جاتے ہیں بھوک سے اپنے جبرٹ سے بجاتے ہیں اور سردی سے ٹھٹھک کر کانپتے ہوئے پہاڑ کی کھو ہوں کی طرف جہاں قدر شیرہ اُدک کے درخت اُگتے ہیں بھاگ نکلتے ہیں

بعض کو ہی جھاڑیوں میں جا چھپنے ہیں اور بعض سنگی ماندوں میں گھس کر امن لیتے ہیں جس طرح
سمراتخاص ناتوانی کے مارے سر جوہکائے عصاؤں پر ہلتے ڈولتے آہستہ آہستہ
چلتے ہیں ویسے ہی دو اب کی رنار معلوم ہوتی ہے جو رنگتی ہوئی چالوں کے ساتھ اپنے کو
برق باری کے سدھ سے بچایا جاتے ہیں۔

واقع ہو کر سرا کا بیان بالاپرنا کی شدت سرا کی پوری تصویر ہے یہ بیان ایسا ہے
کہ واقعات کے ساتھ تمام تر مطابقت رکھتا ہے اور فطرتی تناق سے ملبوس ہے بیان
بالا کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے سرا کی کیفیتوں پر غور کو راہ دیا ہے اس
فصل کے تقاضوں کو خوب سمجھا ہے اور اس قدر واقعات سے مضامین دستیاب کیے
ہیں کہ اُسے بالآخر پروازی کی کوئی حاجت نہیں ہوئی ہے۔

سفر لوانائی سقو (Sappho)۔ یونان کی غزل گو شاعرہ ہے یہ عورت
شاعرہ چھ سو برس قبل جناب مسیح علیہ السلام کے بقیریات تھی اس

کی غزل مرانی ایسی پرتاثر تھی کہ اہل یونان اُس کے کلام کے نعمتون و شیدا رفتے معاملت
عشقیہ کے بیانات پر نادر قدرت رکھتی تھی خود کسی نوجوان پر عاشق تھی اسی لیے اس کا
کلام تمام تر عاشقانہ رنگ رکھتا تھا لیر کسی شخص نے اہل یونان سے اس شاعرہ
سے بہتر نہیں لکھا افسوس ہے کہ اُس کے کلام بہت ضائع گئے اس عمد تک جز
کچھ پہنچے ہیں وہ بہت قلیل رہ گئے ہیں مگر اُن سے لطف زبان سلامت اور دل آویزی
اشکارا ہے۔ سقو کی غزل مرانی غزل سراؤں کے لیے ہدایت نامہ ہے۔ تمام
اصناف شاعری سے غزل گوئی ایک دشوار شے ہے اس کے لیے دل پرورد
درکار ہے۔ جس کو فطرت نے قلبی نعمتوں سے محروم رکھا ہے زہنا غزل گوئی کا

قصہ نہ کہے اس صنف شاعری کے لیے میر تقی صاحب کی مستحکی اور مرزا نوشہ کی نشریت
 دکا رہیں یوں تو شخص غزل گوئی کر لیتا ہے مگر واقعی غزل گوئی کیا ہے اس کو دل بابتا ہے
 زبان بیان نہیں کر سکتی۔ بہت سے حضرات غزل لکھنے بٹھینے میں اور تصنیف کہہ کر اٹھتے
 ہیں ماشاء اللہ ایسے حضرات کا کیا کہنا زور طبیعت ہے کہ انہیں کہاں سے کہاں لے جاتا
 ہے حقیقت حال یہ ہے کہ ایسے حضرات کو یا فطرت نے نعمت ہائے قلبی سے محروم
 رکھا ہے یا ان کو ابھی تک اپنی نعمت ہائے قلبی سے متمتع ہونے کا موقع نہیں ملا ہے
 اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ غزل گوئی محض بے اختیاری شے ہے۔ ہر
 شاعر غزل گو نہیں ہو سکتا نہ خود کوئی سچا غزل گو ایسی قدرت رکھتا ہے کہ جب چاہے
 غزل گوئی کرے اشعار موزون کر لیتا اور بے اور سچی کیفیت قلبیہ کے ساتھ کچھ کہ لیتا
 اور سے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اصناف شاعری کی بخش آتی میں اپنی جگہ پوری حقیقت
 غزل گوئی کی عرض کی جائے گی۔

پینڈار - پینڈار (Pindar) یونان کا شاعر قصیدہ گو ہے یہ شخص قریب
 چار سو پچاس برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام کے زندہ تھا اس شخص نے لیرکس
 (Lyrca) کا احاطہ وسیع کر کے آڈو (Ade) کی صورت پیرا کی ہے
 یعنی غزل کے نائے کو وسعت دے کر قصیدہ کر ڈالا ہے اس شاعر کے قصائد موزون اور
 کے محامد وغیرہ میں ہیں ابھی تک موجود ہیں ان سے زور طبیعت حسن بیان اور طبع زبان
 آشکارا ہے اس شاعر نے مرثیہ نگاری بھی کی ہے اور اس کی مرثیہ گوئی بھی لطافت
 شاعرانہ سے محو ہے یہ شخص صوبہ ہیرشیا (Beotia) کا رہنے والا تھا اس
 صوبہ کے لوگ برخلاف دیگر صوبہ برسات یونان کے ہما بٹ گنڈو ہیں اور اہل مزاج

ہوتے تھے مگر پنڈار اپنے ہم وطنوں میں مستثنیٰ تھا اس کے تمام ہم وطنوں کے عوض
 طبیعت واری اسی کو مہربوب ہوتی تھی آج تک بھی جو کسی ملک کے لوگ گندہ ہیں
 یا کم فہم ہوتے ہیں تو اس ملک کو بیوشیا کے نام سے یاد کرتے ہیں چنانچہ ہمارے
 صوبہ بہار کو بھی بعض اہل رائے نے بیوشیا کے خطاب سے یاد فرمایا ہے لیکن اب
 ممتاز طور سے یہ صوبہ علمی ترقی کرنے لگا ہے اور اس صوبے میں کچھ کچھ لوگ پنڈار کی فہم و
 فراست کے نظر آنے لگے ہیں حقیقت حال یہ ہے کہ صوبہ بہار کے سکناؤ بہن و ذکا
 میں کوئی ضلعی نقصان نہیں رکھتے ہیں مولانا صاحب اللہ بہاری صاحب سلم و آسٹخ و
 بیدل اسی صوبے کے آدمی تھے مگر کیفیت یہ ہے کہ اس صوبے کے سکناؤ عدد انگلشید میں
 بہت عرصے کے بعد عظیم یورپ کے حاصل کرنے کی طرف مائل ہوئے اس واسطے اہل بنگالہ
 کے مقابلے میں پس پا معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن بیس برس کے اندر جو کسی قدر اہل بہار علم اندوزی
 کی طرف متوجہ ہوئے ہیں تو اب ان کی توجہ کا اثر بخوبی میسر ہوتا ہے اور جس انداز سے
 اب اہل بہار ترقی کر رہے ہیں اس سے امید کی جاتی ہے کہ نصف صدی کے اندر
 اہل بنگالہ سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ خیر پنڈار یونان کا ایک نامی شاعر ہے اس کے
 زور طبیعت نے اس کے عہد کی شاعری میں ایک انقلاب پیدا کیا تھا تمام اہل یونان
 نے اس کے رنگ کو اختیار کیا اور پنڈار کا رنگ قومی شاعری کا رنگ مانا جانے لگا
 حقیقت حال یہ ہے کہ پنڈار کے زور طبیعت اخلاقی سخن نے یونان میں ڈرامے کا تخم
 بویا چنانچہ بعد پنڈار کے یونان میں ڈراما نگاری نے ظہور پکڑا اور اس کے مردوح
 ہو جانے سے یونانی شاعری کو درجہ کمال پر پہنچا دیا۔ یونانی ڈراما نگاروں سے ممتاز
 اشخاص اسکاتھلیس (Aeschylus) سفاکلیز (Sophocles)

یورپائیڈیز (Euripides) اور ارسطو فینز (Aristophanes) میں ان میں پہلے تین شاعر ٹریجڈی نگار ہیں اور آخر ان کا کامیڈی نگار ہے۔

اسکاٹیلس - اسکائیٹس (Aeschylus) چار سو پچھن برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام کے زندہ تھا اس کی ڈراما نگاری نے شاعری کی ایک نئی دنیا پیدا کر دی اس شاعری کی نشتر ٹریجڈیوں سے اس وقت صرف سات ٹریجڈیاں موجود ہیں اور بہت کچھ ارباب مذاق کی توجہ کے قابل ہیں۔

سفاکلیمز - سفاکلیمز (Sophocles) چار سو پچاس برس قبل مسیحی کے بقیہ جیات تھا۔ اس شاعر نے معاملات انسانی کو انواع پہلو سے حوالہ قلم کیا ہے اس شاعر کے کچھ کلام کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

یوں تو بہت چیزیں عجیب و غریب ہیں مگر انسان العجائب ہے وہ اس قدر دلیر ہے کہ عین طوفان کی حالت میں ایسے سمندر میں چلا جاتا ہے کہ جہاں مدام ہر طرف موجوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ دھرتی کو جو سب دیوتاؤں سے زبردست باقی اور پائدار ہے سال بسال اپنے مصرفت میں لاتا ہے ہر سمت بل چلا چلا کر اس کے ڈبیلوں کو توڑتا ہے اور روزمرہ کا کام ہمیشہ اپنے گھوڑوں سے لیتا ہے۔

واضح ہو کہ سفاکلیمز نے اپنے کلام بالائیں انسان کا عجیب ہونا بیان کیا ہے امر واقعی بھی یہی ہے کہ انسان عجیب مخلوقات الہی ہے لاریب اس کے افعال و حرکات نہایت تعجب خیز ہیں مگر اس شاعر نے صرف خارجی تعجبات انسانی کو حوالہ قلم کیا ہے اس کے اندرونی تعجبات کی طرف توجہ نہیں کی ہے مگر امیر المؤمنین علی علیہ السلام اپنے کلام ذیل میں جامعیت حقیقت انسانی کو ارشاد فرماتے ہیں

وَدَاۤءُكَ فَبِكَ وَمَا تَشْعُرُ
وَدَاۤءُكَ مِنْكَ وَمَا تَشْعُرُ
وَتَحْسِبُ أَنَّكَ جَرْمٌ صَغِيرٌ
وَفَبِكَ الظُّلَى الْعَالَمُ الْأَكْبَرُ

یعنی تیری دوائی تجھ میں ہے اور تو نہیں جانتا اور نیز اور دتجھ سے ہے اور تو نہیں دیکھتا تو

سمجھتا ہے کہ تو ایک جسم مینگر ہے درحالیکہ تجھ میں شمول عالم اکبر ہے۔

ارباب حقیقت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ان دونوں شعروں میں حضرت نے انسان

کی حقیقت سے خبر دی ہے اور آگاہ فرمایا ہے کہ انسان اگر اپنی حقیقت سے واقف

ہو جائے تو جزو کل وہی ہے اس کے سوا پھر کوئی دوسرا نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ

یہ کلام انسان کے عجیب امور کو ظاہر کرتا ہے۔ سبحان اللہ کیا پاکیزہ خیال ہے

اور کس قدر اخلاقی اور دینی تعلیم اس سے ہو رہا ہے انصاف یہی ہے کہ حضرت کے

انوال عجیب تعلیمی پیرایہ رکھتے ہیں اور فی الواقع معاملات اخلاقی اور امور روحانی میں

روئے زمین پر آپ کا نظیر نہیں ہے۔ آپ کا ہر کلام۔ کلام الامیر۔ امیر الکلام کا مصداق

ہے۔ کیوں نہ ہو جب درحقیقت آپ قرآن ناطق ہیں اور زبان آپ کی ترجمان حق ہے

انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آپ کے کچھ کلام اپنے موقع پر درج تالیف ہذا ہوں گے۔

بہر حال اس جگہ سفا کلیز کے مضامین بالا کی نسبت یہ عرض کر دینا ضرور ہے۔ کہ

اُس کا کلام بالابھی اپنے موقع پر خوب ہے اُس کے اشعار کا یہ مطلب ہے۔ کہ

انسان اپنے کو ایک شے بے کار نہ سمجھے وہ بہت دشوار کاموں کو انجام کرنے کی

صلاحیت رکھتا ہے۔ اُسے بڑی قوتیں عطا ہوتی ہیں اگر اپنی صلاحیتوں سے کام

لے تو بہت کچھ کر سکتا ہے البتہ اس شاعر کا رُخ دنیوی امور کی طرف ہے مگر ترقی دنیوی

اگر حق طور پر ہو تو ہرگز امر مذموم نہیں۔ جسے کہ الدنیا صوری عتہ الاخرة بلا

گفتگو ترقی دنیوی ایک نہایت توجہ طلب امر ہے کہ دین و دنیا تو ام میں اور تقاضائے
اسلام بھی یہی ہے کہ انسان کا دین و دنیا بخیر ہو اسلام کی فرمائش یہ زہنا نہیں ہے کہ دنیا
کی خرابی کے ساتھ عاقبت منورے۔ لمؤلفہ

دنیا کی خرابی ہونہ عقیقی کی مضرت

پیدا کرے اوقات کی صورت بشر ایسی

حق لوگوں نے یہ شیوہ اختیار کر لیا ہے کہ بے ہاتھ پاؤں ہلائے دوسروں کے مجموعہ
پر بلا استحقاق اوقات کرتے ہیں ہرگز اسلام کے حکم کی تعمیل نہیں کرتے اسلام کا حکم ہے
کہ اپنی قوت یا دوسرے سامان رزق بہم کر د تجارت کر د گھسی کر د نوکری کر د جس سبیل
حلال سے اکتساب معاش کی صورت ہو اس میں کوشاں ہو یہ کبھی اسلام کی فرمائش نہیں
ہے کہ اپنے کو اپنا بیچ کر یا کھٹو افلاس زدہ دست نگر بنا ڈالو۔ دوسروں کی کمائی

میں بے ہاتھ پاؤں ہلائے شریک ہو جاؤ۔ دھوکے دہاڑے سے روٹی حاصل
کر۔ اپنی تقدس بآبی ثابت کر کے بیوقوفوں کو جٹو۔ اور کوٹو۔ اس طرح کے شیوہ سے

جو مذہبی پرائے میں مروج دیکھے جاتے ہیں یہ سب تو اعدا ت ہیں۔ اس کو نہ پیغمبر
صاحب کرتے تھے نہ خلفاء اور نہ مجتہدین۔ علی مرتضیٰ اچرت پر کنوین سے پانی نکالتے

تھے اس طرح بزرگان دین محنت کر کے اوقات فرماتے تھے۔ مولانا شمس الدین
فانوری جو ایک درد نیش خدا رسیدہ تھے۔ مزدوروں کے ساتھ دیوار اٹھا کر رزق

حاصل کرتے تھے۔ اگر معرفت خوری کوئی اچھی بات ہوتی تو یہ حضرات بابرکات بھی
جھونس جھانس پر زندگی کا مدار رکھتے اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ المتقربین

لوگوں نے اپنے کو ایسا بے کار محض بنا رکھا ہے اُن سے کب یہ ممکن ہے کہ سفر بھری

اختیار کریں زمین کو جو تیس یا کسی طرح کی ریاضت کریں جس کی وجہ سے وہ اپنے کو سفا کلیر
کے قول کا مصداق بنا سکیں پس جب وہ اتنی بھی صلاحیت نہیں رکھتے تو ان سے کیا
امیر سے کہ مجاہدہ نفسی کی بدولت اپنے کو اس درجہ معرفت کو پہنچائیں کہ اپنے میں عالم
اکبر کا نشاد دیکھیں۔

یورپیائیڈیز - یورپیائیڈیز (Euzepheids) سفا کلیر کا معاصر ہے۔

اس شاعر کے کلام میں درد پایا جاتا ہے مگر اس کی شہرت میں ارسطوفینز (Aristo-
phenes) کی بجز نگاری سے خلل واقع ہو گیا ہے ورنہ برائے خود یہ شاعر ایک
ممتاز پایہ رکھتا ہے۔

ارسطوفینز - ارسطوفینز (Aristophenes) ایک بڑا شوخ

مزاح شاعر ہے اس کی طبیعت بجز میں خوب لڑائی تھی۔ اس نے بہت سی بجزیں لکھی ہیں
سقراط کی بجزو اس نے لکھی تھی اس حکیم نامی کی ہلاکت کا سبب یہی شاعر ہوا ہے معلوم
ہوتا ہے کہ ارسطوفینز کو بجا کی طرف میلان طبعی تھا۔ چنانچہ وہ اہل اتھنس (Athens)
کی جو اس کے ہم وطن تھے۔ چالیس برس تک بجزیں لکھتا رہا۔ اس شاعر کو خلاقی مضامین
کی عجیب و غریب قوت حاصل تھی اور اس کے کلام پرتا تیز ہوتے تھے۔

یہ ظاہر ہے کہ یونانی شاعری کے حالات اس مختصر کتاب میں مفصل طور پر درج

نہیں ہو سکتے اگر تخریج کے ساتھ ہر شاعر کے احوال و احوال حوالہ قلم ہوں تو یہ کتاب
بہت طویلانی ہو جائے گی مثل ہے کہ رات، تھوڑی اور ساٹھ بہت۔ ناچار راقم قلم
کو روک لیا ہے اور حضرات ناظرین سے درخواست کرتا ہوں کہ اب لاطینی شاعری کی
طرف توجہ مبذول فرمائیں۔ عند الملاحظہ یہ بات ظاہر ہوگی کہ لاطینی شاعری یونانی شاعری کا

انوار رکھتی ہے بلکہ تمام تر متبع یونانی شاعری کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اُردو کے شعرا فارسی کے شعرا کا متبع کرتے رہے ہیں لاطینی شعرا یونانی شعرا کے متبع رہے ہیں اور جس طرح اُردو کی شاعری فارسی کی شاعری تک بہت باتوں میں نہیں پہنچ سکی ہے وہی حال لاطینی شاعری کا بھی پایا جاتا ہے۔

لاطینی شاعری

بیان ملک ایتالیہ - ملک ایتالیہ (Italy) شکل جزیرہ نما یورپ کے حصہ جنوبی میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں جرمنی اور سویڈن رینڈیمبرگ میں ملک فرانس اور پورٹوگال - جنوب میں پھوڈیجان اور مشرق میں بحرِ اوقیانوس اور ہی کارنولا جو ملک آسٹریا کا ایک صوبہ ہے واقع ہیں۔ طویل اس ملک کا ۵۸۰ میل ہے اور عرض ۳۱۰ - مگر جہاں اس کا عرض کم ہے وہاں ۵۰ میل سے زیادہ نہیں ہے۔ اس ملک کو بحرِ ماریٹیم بہت ہیں اور اس کے متعلق بہت سے جزائر بھی ہیں مثلاً کورسیکا، سارڈینیا، البا، کورسیکا، مالٹا وغیرہ یہ ملک نہایت پُر نفعا اور خوش آب و ہوا ہے خالق نے اسے فطرتی اسباب سے بڑی خوش سوادی بخشی ہے ہر طرح کے پھاڑ موجود ہیں کوئی بہت رفیع جیسے سلسلہ آپس کوئی پست جیسے چھوٹی چھوٹی پھاڑیاں ہوتی ہیں۔ ان میں سے کوئی سبزہ و گل میں چھپا ہوا ہے اور کوئی روئیدگیوں سے تمام تر معترا ہے کہیں چشمے اُبل رہے ہیں اور کہیں جھرنے جاری ہیں۔ ندیاں روان ہیں کہیں دریا بہاڑوں کو کاٹتے نکل گئے ہیں کہیں پانی بندری سے نشیب کی طرف زوروں سے

گر رہا ہے واماں کوہ میں ہزار ہا اشجار قد کشیدہ نظر آرہے ہیں۔ وادیوں کی صورت گھلما
 صحرائی سے عجیب رنگ دکھلا رہی ہے سنانے سہانے جنگل پوری ننادانی کے ساتھ
 نادر سا پیدا کر رہے ہیں مختصر یہ ہے کہ خوشنمائی کے فطرتی اسباب اس کثرت سے مہیا
 ہیں کہ ایطالیہ کے نہایت دلچسپ ملک ہونے میں کوئی گفتگو نہیں کی جاسکتی ہے۔
 شاعر و مصور دونوں کے لیے یہ ملک خلقت کے رو سے موزوں ہے عالم وسیع بھی
 اس رائے سے اختلاف نہیں کر سکتا ہے کس واسطے کہ راگیناں ایسے دیں گے سواد
 کہاں رہنا پسند کر سکتی ہیں آب و ہوا بھی اس ملک کی نہایت مطبوع ہے سوا ایسے
 مقامات مطرب کے کہ جو نیپال کی تری کا انداز رکھتے ہیں یہاں کے مشہور دریاؤں سے
 پور (Po) اور ٹائیر (Tair) ہیں حیوانات صحرائی خرگ، ہرن، بھڑا، ہمال
 بڑے کوسیا گوش، گرت، خٹال، رو باہ اور خرگوش میں اور طیور میں اغراض عید کے
 جانور بکثرت میسر آتے ہیں۔ اس ملک کی پیداوار قابل توجہ ہے۔ انگور، زیتون، انجیر
 سیب و دیگر میوہ جانتا خوب پیدا ہوتے ہیں وہاں ہر طرح کی دالیں، مکئی، روٹی، دیشم
 اور اقسام رنگ کی ترکاریوں اور سبزیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ مویشی بھی کثرت سے
 پروردہ کیے جاتے ہیں اور ان کی پرورش میں آسانی اس سبب سے ہوتی ہے کہ بڑی
 بڑی چلا گا ہیں وہ پاسے پڑے کے قریب میں واقع ہیں یہاں ایسا عمدہ پنیر بنتا ہے کہ روٹے
 زمین پر اس کا نظیر نہیں دیکھا جاتا ہے ملک ملک سبیل تجارت جاتا ہے اور ملکوں کے
 لوگوں نے بھی اس کی نقل اتارنا چاہی مگر ویسا کبھی نہ بن سکا۔ واضح ہو کہ مویشی کے
 دودھ میں چھری کو پڑا دخل ہے جہاں اچھی چھری نہیں ملتی وہاں کے مویشیوں کے
 دودھ اچھے نہیں ہوتے۔ ہندوستان کے آباد حصوں میں اب جانوروں کو چھری کا عمدہ

موقع کم رہا ہے اس لیے آباد مقاموں میں اچھا دودھ نہیں ملتا ہے یہ امر ایسا ہے۔ کہ
 بھی خواہان زراعت کو اس کی طرف توجہ کرنا چاہیے بہر حال علاوہ پیداوار زراعتی کے
 اس ملک میں سنگ مرمر اور بعض دیگر بیش قیمت پتھروں کی کانیں بھی دیکھی جاتی ہیں پھلکری
 تانبا اور لوہے کے معدن موجود ہیں الغرض کافی پیداوار اس ملک کی اچھی ہے۔

واضح ہو کہ اہل ایطالیہ موسیقی کا مذاق خوب رکھتے ہیں اور اچھے گانے والوں کی
 اس سرزمین میں کوئی کمی نہیں ہے جن بھی اس ملک کا دل آویز ہے مختصر یہ ہے کہ ارباب
 مذاق کے لیے یہ ملک تمام تر مناسب ہے ایسے ملک کو اگر شاہوی مصوری اور موسیقی
 سے مناسبت نہ ہوتی تو پھر کس ملک کو ہو سکتی ہے چنانچہ ان تینوں نقیصوں میں یہ ملک
 ممتاز رہا ہے۔

ارباب علم کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک ایطالیہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے
 کہ ایک بادشاہ ایطالس نامی ملک آریڈیا کی طرف سے آکر یہاں اقامت گزین ہوا
 تھا جس کے سبب سے یہ ملک اُسی کے نام سے مشہور ہوا۔ بعض محققین کا یہ بھی
 بیان ہے کہ ایطالیہ مشتق ہے لفظ ایطالس (Italus) سے جس کے معنی
 بیل ہے چونکہ اس ملک میں گائے بیل کثیر الوجود ہیں اس واسطے اس کا نام ایطالیہ
 قرار پایا۔

بیان اہل روم جاننا چاہیے کہ زبان لاطینی اُس قوم کی ہے جو متروک ملک ایطالیہ
 کی تھی اس ملک کا دارالسلطنت شہر روم تھا۔ یہ شہر اب باقی نہیں
 ہے اور وہ شہر جس وقت اُس کی جگہ موجود ہے روم جدید ہے۔ اور جو زبان اس
 وقت وہاں بولی جاتی ہے اُسے ایطالین (Italian) کہتے ہیں۔ روم سابق کی

بعض کو ہی جھاڑیوں میں جا چھپتے ہیں اور بعض سنگی ماندوں میں گھس کر امن لیتے ہیں جس طرح
 مہر انخامس ناقدانی کے مارے سر جو بھکانے عصاروں پر پلتے ڈولتے آہستہ آہستہ
 چلتے ہیں ویسے ہی دو اب کی رفتار معلوم ہوتی ہے جو رنگتی ہوئی چالوں کے ساتھ اپنے کو
 برف باری کے صدمے سے بچایا چاہتے ہیں۔

واقع ہو کر سرا کا بیان بالاپرناں کی شدت سرا کی پوری تصویر ہے یہ بیان ایسا
 کہ واقعات کے ساتھ تمام تر مطابقت رکھتا ہے اور فطرتی مذاق سے مملو ہے بیان
 بالا کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے سرا کی کیفیتوں پر غور و گراہ دیا ہے اس
 فصل کے تقاضوں کو خوب سمجھا ہے اور اس قدر واقعات سے مضامین دستیاب کیے
 ہیں کہ اُسے مجال غبر و آزی کی کوئی حاجت نہیں ہوئی ہے۔

سفر یونانی سقو (Sappho) یونان کی غزل گو شاعرہ ہے یہ عورت
 شاعرہ چھ سو برس قبل جناب مسیح علیہ السلام کے بقیاریات تھی اس
 کی غزل مرانی ایسی پرتاثر تھی کہ اہل یونان اُس کے کلام کے مضمون و شیدا نفسے معاملہ
 عشقبہ کے بیان پر نادر قدرت رکھتی تھی خود کسی زوجان پر عاشق تھی اسی لیے اس کا
 کلام تمام تر عاشقانہ رنگ رکھتا تھا لیر کس کسی شخص نے اہل یونان سے اس شاعرہ
 سے بہتر نہیں لکھا افسوس ہے کہ اُس کے کلام بہت ضائع گئے اس عمدت تک جو
 کچھ پہنچے ہیں وہ بہت قلیل رہ گئے ہیں مگر اُن سے لطف زبان سلامت اور دل آویزی
 آشکارا ہے۔ سفر کی غزل مرانی غزل مرلوں کے لیے ہدایت نامہ ہے۔ تمام
 اصناف شاعری سے غزل گوئی ایک دشوار شے ہے اس کے لیے دل پرورد
 درکار ہے۔ جس کو فطرت نے قلبی نعمتوں سے محروم رکھا ہے زہار غزل گوئی کا

قصہ نہ کہے اس صنف شاعری کے لیے میر تقی صاحب کی خستگی اور مرزا نوشہ کی نشتر سبت
 درکار ہیں یوں تو ہر شخص غزل گوئی کر لیتا ہے مگر واقعی غزل گوئی کیا ہے اس کو دل جانتا ہے
 زبان بیان نہیں کر سکتی بہت سے حضرات غزل لکھنے بیٹھتے ہیں اور تصنیف کہہ کر اٹھتے
 ہیں ماشاء اللہ ایسے حضرات کا کیا کہنا زور طبیعت ہے کہ انہیں کہاں سے کہاں لے جاتا
 ہے حقیقت حال یہ ہے کہ ایسے حضرات کو یا فطرت نے نعمت ہائے قلبی سے محروم
 رکھا ہے یا ان کو ابھی تک اپنی نعمت ہائے قلبی سے متنع ہونے کا موقع نہیں ملا ہے
 اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ غزل گوئی محض بے اکتیاری شے ہے۔ ہر
 شاعر غزل گو نہیں ہو سکتا نہ خود کوئی سچا غزل گو ایسی قدرت رکھتا ہے کہ جب چاہے
 غزل گوئی کرے اشعار موزون کر لینا اور بے اور سچی کیفیت قلبیہ کے ساتھ کچھ کر لینا
 اور بے انشاء اللہ نقالی آئندہ اصناف شاعری کی بخش آتی میں اپنی جگہ پر پوری حقیقت
 غزل گوئی کی عرض کی جائے گی۔

پینڈار - پینڈار (Pindar) یونان کا شاعر تصنیف گو ہے یہ شخص قریب
 چار سو پچاس برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام کے زندہ تھا اس شخص نے لیرکس
 (Lerks) کا احاطہ وسیع کر کے آڈو (Ode) کی صورت پیرا کی ہے
 یعنی غزل کے آئے کو وسعت دے کر تصنیف کر ڈالا ہے اس شاعر کے قصا باوجود قراؤ
 کے محامد وغیرہ میں ہیں ابھی تک موجود ہیں ان سے زور طبیعت حسن بیان اور طبع زبان
 ہشکارا ہے اس شاعر نے مرتبہ نگاری بھی کی ہے اور اس کی مرتبہ گوئی بھی لطافت
 شاعر یہ سے ملو ہے یہ شخص صوبہ بیوشیا (Beotia) کا رہنے والا تھا اس
 عجیبے کے لوگ بر خلاف دیگر صوبہ جو است یونان کے تباہیت گنہ ذہن اور ابلہ مزاج

ہوتے تھے مگر پنڈاراپتے ہم وطنوں میں مستثنیٰ تھا اُس کے تمام ہم وطنوں کے عوض
 طبیعت داری اُسی کو مہرب ہوئی تھی آج تک بھی جو کسی ملک کے لوگ گندہ ہیں
 یا کم فہم ہوتے ہیں تو اُس ملک کو یوشیا کے نام سے یاد کرتے ہیں چنانچہ ہمارے
 صوبہ بہار کو بھی بعض اہل رائے نے یوشیا کے خطاب سے یاد فرمایا ہے لیکن اب
 ممتاز طور سے یہ صوبہ علمی ترقی کرنے لگا ہے اور اس صوبے میں کچھ کچھ لوگ پنڈار کی فہم و
 فراست کے نظر آنے لگے ہیں حقیقت حال یہ ہے کہ صوبہ بہار کے سکنا زمین و ذکا
 میں کوئی خلقی نقصان نہیں رکھتے ہیں مولانا محبت اللہ بہاری صاحب سلم و راستی و
 بیدل اسی صوبے کے آدمی تھے مگر کیفیت یہ ہے کہ اس صوبے کے سکنا عمدہ انگلشیہ میں
 بہت عرصے کے بعد علوم یورپ کے حاصل کرنے کی طرف مائل ہوئے اس واسطے اہل بیگالہ
 کے مقابلے میں پس پا معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن میں برس کے اندر جو کسی قدر اہل بہار علم اندوزی
 کی طرف متوجہ ہوئے ہیں تو اب ان کی توجہ کا اثر بخوبی ممیز ہوتا ہے اور جس انداز سے
 اب اہل بہار ترقی کر رہے ہیں اُس سے امید کی جاتی ہے کہ نصف صدی کے اندر
 اہل بیگالہ سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ خیر پنڈار یونان کا ایک نامی شاعر ہے اُس کے
 زور طبیعت نے اُس کے عہد کی شاعری میں ایک انقلاب پیدا کیا تھا تمام اہل یونان
 نے اُس کے رنگ کو اختیار کیا اور پنڈار کا رنگ قومی شاعری کا رنگ مانا جانے لگا
 حقیقت حال یہ ہے کہ پنڈار کے زور طبیعت اخلاقی سخن نے یونان میں ڈرامے کا تخم
 بویا چنانچہ بعد پنڈار کے یونان میں ڈراما نگاری نے ظہور پکڑا اور اُس کے مروج
 ہو جانے نے یونانی شاعری کو درجہ کمال پر پہنچا دیا۔ یونانی ڈراما نگاروں سے ممتاز
 اشخاص اسکاتیس (Aeschylus) سفاکلیر (Sophocles)

یورپائیڈیز (Euripides) اور آرسٹوفینز (Aristophanes) میں ان میں پہلے تین شاعر ٹریجڈی نگار ہیں اور آفسران کا کامیڈی نگار ہے۔

اسکاٹیکس - اسکائیٹس (Aeschylus) چار سو چھپن برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام کے زندہ تھا اس کی ڈراما نگاری نے شاہی کی ایک نئی دنیا پیدا کر دی اس شاہی کی نشتر ٹریجڈیوں سے اس وقت صرف سات ٹریجڈیاں موجود ہیں اور بہت کچھ ارباب مذاق کی توجہ کے قابل ہیں۔

سفا کلیز - سفا کلیز (Sophocles) چار سو پچاس برس قبل مسیحی کے بقید حیات تھا۔ اس شاہی نے معاملات انسانی کو انواع پہلو سے حوالہ قلم کیا ہے اس شاعر کے کچھ کلام کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

یوں تو بہت چیزیں عجیب و غریب ہیں مگر انسان عجیب العجائب ہے وہ اس قدر دلیر ہے کہ عین طوفان کی حالت میں ایسے سمندر میں چلا جاتا ہے کہ جہاں بادام ہر طرف موجوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ دھرتی کو جو سب دیوتاؤں سے زبردست باقی اور پائدار ہے سال بسال اپنے مصروف میں لاتا ہے ہر سمت بل چلا چلا کر اس کے ڈھیلوں کو توڑتا ہے اور روزمرہ کا کام ہمیشہ اپنے گھوڑوں سے لیتا ہے۔

واضح ہو کہ سفا کلیز نے اپنے کلام بالائیں انسان کا عجیب ہونا بیان کیا ہے اور واقعی بھی یہی ہے کہ انسان عجیب مخلوقات الہی ہے لاریب اس کے افعال و حرکت نہایت تعجب خیز ہیں مگر اس شاعر نے صرف خارجی تعجبات انسانی کو حوالہ قلم کیا ہے اس کے اندرونی تعجبات کی طرف توجہ نہیں کی ہے مگر امیر المومنین علی علیہ السلام اپنے کلام ذیل میں جامعیت حقیقت انسانی کو ارشاد فرماتے ہیں

دَوَاءُكَ فَيْكَ وَمَا تَشْعُرُ وَدَاوُكَ مِنْكَ وَمَا تَشْعُرُ
وَتَحْسِبُ أَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيرٌ وَفَيْكَ الظُّلْمُ الْعَالَمُ الْأَكْبَرُ

یعنی تیری دوائھ میں ہے اور تو نہیں جانتا اور نیز اور دتھ سے ہے اور تو نہیں دیکھتا تو

سمجھتا ہے کہ تو ایک جسم منیر سے درما لیکہ تجھ میں مشمول عالم اکبر ہے۔

ارباب حقیقت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ان دونوں شعروں میں حضرت نے انسان

کی حقیقت سے خبر دی ہے اور آگاہ فرمایا ہے کہ انسان اگر اپنی حقیقت سے واقف

ہو جائے تو جزوِ کل وہی ہے اس کے سوا پھر کوئی وہ سرا نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ

یہ کلام انسان کے عجیب امور کو ظاہر کرتا ہے۔ سبحان اللہ کیا پاکیزہ خیال ہے

اور کس قدر اخلاقی اور دینی تعلیم اس سے ہو رہا ہے انصاف یہی ہے کہ حضرت کے

انوال عجیب تعلیمی پیرایہ رکھتے ہیں اور فی الواقع معاملات اخلاقی اور امور روحانی میں

روئے زمین پر آپ کا نظیر نہیں ہے۔ آپ کا ہر کلام۔ کلام الامیر۔ امیر الکلام کا مصلق

ہے۔ کیوں نہ ہو جب وہ حقیقت آپ قرآن ناطق ہیں اور زبان آپ کی ترجمان حق ہے

انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آپ کے کچھ کلام اپنے موقع پر درج تالیف ہذا ہوں گے۔

بہر حال اس جگہ سفا کلیز کے مضامین بالالکی نسبت یہ عرض کر دینا ضرور ہے۔ کہ

اُس کا کلام بالابھی اپنے موقع پر خوب ہے اُس کے اشعار کا یہ مطلب ہے۔ کہ

انسان اپنے کو ایک شے بے کار نہ سمجھے وہ بہت دشوار کاموں کو انجام کرنے کی

صلاحیت رکھتا ہے۔ اُسے بڑی قوتیں عطا ہوتی ہیں اگر اپنی صلاحیتوں سے کام

لے تو بہت کچھ کر سکتا ہے البتہ اس شاعر کا رُخ دنیوی امور کی طرف ہے مگر ترقی دنیوی

اگر حق طور پر ہو تو ہرگز امر مذموم نہیں۔ ہے کہ دنیا صیر عدا الاخرة بلا

گفتگو ترقی دینیوں کی ایک نہایت توجہ طلب امر ہے کہ دین و دنیا تو ہم میں اور تقاضائے
اسلام بھی یہی ہے کہ انسان کا دین و دنیا بجز ہوا اسلام کی فرمائش پر نہ بنا نہیں ہے کہ دنیا
کی خرابی کے ساتھ عاقبت منورے۔ مؤلف

دنیا کی خرابی ہونہ عقلمندی کی مضرت

پیدا کرے اوقات کی صورت بشرطی

حق لوگوں نے پیشہ و اختیار کر لیا ہے کہ بے ہاتھ پاؤں بلائے دوسروں کے معمولہ
پر بلا استحقاق اوقات کرتے ہیں ہرگز اسلام کے حکم کی تعمیل نہیں کرتے اسلام کا حکم ہے
کہ اپنی قوت یا دوسرے سامان رزق بہم کر د تجارت کر د کھیتی کر د نوکری کر د جس میں
حلال سے اکتساب معاش کی صورت ہو اس میں کوشاں ہو یہ کبھی اسلام کی فرمائش نہیں
ہے کہ اپنے کو اپنا بیع نہ کرنا کھٹو انکلاس زدہ دست نگر بنا ڈالو۔ دوسروں کی کمائی

میں سے ہاتھ پاؤں بلائے شریک ہو جاؤ۔ دھوکے و دھاڑے سے روٹی حاصل
کر۔ اپنی تقدس مآبی ثابت کر کے بیرونوں کو جٹو۔ اور لوٹو۔ اس طرح کے شہیرے

جو مذہبی پرانے میں مروج دیکھے جاتے ہیں یہ سب نواعداات ہیں۔ اس کو نہ پیغمبر
صاحب کرتے تھے نہ خلفاء اور نہ مجددین۔ علی رضی اللہ عنہم پر کنوئیں سے پانی نکالنے

تھے اس طرح بزرگان و بین محنت کر کے اوقات فرماتے تھے۔ مولانا شمس الدین
ناخوری جو ایک درویش خدا رسیدہ تھے۔ مزدوروں کے ساتھ دیوار اٹھا کر رزق

حاصل کرتے تھے۔ اگر معرفت خوری کوئی اچھی بات ہوتی تو یہ حضرات بابرکات بھی
جھونس جھانس پر زندگی کا مدار رکھتے اعود باللہ من ذلك۔ المتخرفین

لوگوں نے اپنے کو ایسا بے کار محض بنا رکھا ہے ان سے کب یہ ممکن ہے کہ سفر بھری

اختیار کریں زمین کو جو تیس یا کسی طرح کی ریاضت کریں جس کی وجہ سے وہ اپنے کو سفا کلین
کے قول کا مصداق بنا سکیں پس جب وہ اتنی بھی صلاحیت نہیں رکھتے تو ان سے کیا
امید ہے کہ مجاہدہ نفسی کی بدولت اپنے کو اس درجہ معرفت کو پہنچائیں کہ اپنے میں عالم
اکبر کا نشا دکھیں۔

یورپیائیڈیزیم یورپیائیڈیز (Eurypindes) سفا کلین کا ہم عصر ہے۔

اس شاعر کے کلام میں درد پایا جاتا ہے مگر اس کی شہرت میں ارسطو فینز (Aristo-
phenes) کی بجز نگاری سے خلل واقع ہو گیا ہے ورنہ برائے خود یہ شاعر ایک
ممتاز پایہ رکھتا ہے۔

ارسطو فینز (Aristophenes) ایک بڑا شوخ

مزاج شاعر ہے اس کی طبیعت بچوں میں خوب لڑائی تھی۔ اس نے بہت سی بچوں لکھی ہیں
سفر ط کی بچوں سے لکھی تھی اس حکیم نامی کی ہلاکت کا سبب ہی شاعر ہوا ہے معلوم
ہوتا ہے کہ ارسطو فینز کو بچا کی طرف میلان طبعی تھا۔ چنانچہ وہ اہل اتھنس (Athens)
کی جو اس کے ہم وطن تھے۔ چالیس برس تک بچوں لکھتا رہا۔ اس شاعر کو خلاقی مضامین
کی عجیب و غریب قوت حاصل تھی اور اس کے کلام پر پتہ پتہ ہوتے تھے۔

یہ ظاہر ہے کہ یونانی شاعری کے حالات اس مختصر کتاب میں مفصل طور پر درج

نہیں ہو سکتے اگر تھریز کے ساتھ ہر شاعر کے احوال و اقوال حوالہ قلم ہوں تو یہ کتاب
بہت طولانی ہو جائے گی مثل ہے کہ رات تھری اور سانگ بہت۔ ناچار اراقم قلم
کو روک لیتا ہے اور حضرات ناظرین سے خواہش کرتا ہوں کہ اب لاطینی شاعری کی
طرف توجہ مبذول فرمائیں۔ عند الملاحظہ یہ بات ظاہر ہوگی کہ لاطینی شاعری یونانی شاعری کا

انداز رکھتی ہے بلکہ تمام تر متبع یونانی شاعری کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اردو کے شعرا فارسی کے شعرا کا متبع کرتے رہے ہیں لاطینی شعرا یونانی شعرا کے متبع رہے ہیں اور جس طرح اردو کی شاعری فارسی کی شاعری تک بہت بانوں میں نہیں پہنچ سکی ہے وہی حال لاطینی شاعری کا بھی پایا جاتا ہے۔

لاطینی شاعری

بیان ملک اٹالیہ - ملک اٹالیہ (Italy) بشکل جزیرہ نما یورپ کے حصہ جنوبی میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں جرمنی اور سویڈن لینڈ مترب ہیں ملک فرانس اور بحر طنگین جنوب میں بھو یونان اور مشرق میں بحیرہ یڈریا ٹیک اور ہی کارنولا جو ملک آسٹریا کا ایک صوبہ ہے واقع ہیں۔ طول اس ملک کا ۵۸۰ میل ہے اور عرض ۳۱۰۔ مگر جہاں اس کا عرض کم ہے وہاں ۵۰ میل سے زیادہ نہیں ہے۔ اس ملک کو بحری مواقع بہت ہیں اور اس کے متعلق بہت سے جزائر بھی ہیں مثلاً کستلی، سارڈینیا، آلبا کارسیکا، مالٹا وغیرہ یہ ملک نہایت پرفضا اور خوش آب و ہوا ہے خالق نے اسے فطرتی اسباب سے بڑی خوش سوادی بخشی ہے ہر طرح کے پہاڑ موجود ہیں کوئی بہت رفیع جیسے سلسلہ آپس کوئی پست جیسے چھوٹی ٹھچھوٹی پہاڑیاں ہوتی ہیں۔ ان میں سے کوئی سبزہ و گل میں چھپا ہوا ہے اور کوئی روئیدگیوں سے تمام تر معرکہ ہے کہیں چشمے اُبل رہے ہیں اور کہیں جھرنے جاری ہیں۔ ندیاں روان ہیں کہیں دریا پہاڑوں کو کاٹتے نکل گئے ہیں کہیں پانی بندری سے نشیب کی طرف زوروں سے

گھر رہا ہے دامن کوہ میں ہزار ہا اشجار قد کشیدہ نظر آرہے ہیں۔ وادیوں کی صورت کھلم
 صحرائی سے عجیب رنگ دکھلا رہی ہے سہلانے سہلانے جنگل پوری شادابی کے ساتھ
 نادر سا پیدا کر رہے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ خوشنمائی کے فطرتی اسباب اس کثرت سے مہیا
 ہیں کہ ابطالیہ کے نہایت دلچسپ ملک ہونے میں کوئی گفتگو نہیں کی جاسکتی ہے۔
 شاعر و مصور دونوں کے لیے یہ ملک خلقت کے رو سے موزوں ہے عالم موسیقی بھی
 اس رائے سے اختلاف نہیں کر سکتا ہے کس واسطے کہ راگنیاں ایسے دیں گے سوا اور
 کہاں رہنا پسند کر سکتی ہیں آب و سوا بھی اس ملک کی نہایت مطبوع ہے سوا ایسے
 مقامات مطرب کے کہ چونچیل کی تزی کا انداز رکھتے ہیں یہاں کے مشہور دریاؤں سے
 پور (Po) اور ٹائبر (Tiber) ہیں حیوانات صحرائی خرگ، ہرن، بجر، ہمال
 بڑے کوہی سیاہ گوش، اگرگ، شغال، روبہ اور خرگوش ہیں اور طیور میں اغراض صید کے
 جانور کثرت میں آتے ہیں۔ اس ملک کی پیداوار قابل توجہ ہے۔ انگور، زیتون، انجیر
 سیب و دیگر میوہ جانت خوب پیدا ہوتے ہیں وہاں ہر طرح کی دالیں، مکئی، روٹی، ریشم
 اور انعام رنگ کی تزکاریوں اور سپریوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ مویشی بھی کثرت سے
 پروردہ کیے جاتے ہیں اور ان کی پرورش میں آسانی اس سبب سے ہوتی ہے کہ بڑی
 بڑی چراگاہیں درپاسے پودے کے قریب میں واقع ہیں یہاں ایسا عمدہ پتیر بنتا ہے کہ دے
 زمین پر اس کا نظیر نہیں دیکھا جاتا ہے ملک ملک سبیل تجارت جاتا ہے اور ملکوں کے
 لوگوں نے بھی اس کی نقل اتانا چاہی مگر ویسا کبھی نہ بن سکا۔ واضح ہو کہ مویشی کے
 دودھ میں چھری کو بڑا دخل ہے جہاں اچھی چھری نہیں ملتی وہاں کے مویشیوں کے
 دودھ اچھے نہیں ہوتے۔ ہندوستان کے آباد حصوں میں اب جانوروں کو چھری کا عمدہ

موقع کم رہا ہے اس لیے آباد مقاموں میں اچھا وودھ نہیں ملتا ہے یہ امر ایسا ہے۔ کہ
 یہی خواہان زراعت کو اس کی طرف توجہ کرنا چاہیے بہر حال علاوہ پیداوار زراعتی کے
 اس ملک میں سنگ مرمر اور بعض دیگر بیش قیمت پتھروں کی کانیں بھی دیکھی جاتی ہیں پتھر کی
 تانیا اور لوہے کے معادن موجود ہیں الغرض کافی پیداوار اس ملک کی اچھی ہے۔

واضح ہو کہ اہل ایٹالیہ موسیقی کا مذاق خوب رکھتے ہیں اور اچھے گانے والوں کی
 اس سرزمین میں کوئی کمی نہیں ہے حسن بھی اس ملک کا دل آویز ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ارباب
 مذاق کے لیے یہ ملک تمام تر مناسب ہے ایسے ملک کو اگر شاہی معوری اور موسیقی
 سے مناسبت نہ ہو تو پھر کس ملک کو ہو سکتی ہے چنانچہ ان تینوں نفس میں یہ ملک
 ممتاز رہا ہے۔

ارباب علم کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک ایٹالیہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے
 کہ ایک بادشاہ ایٹالس نامی ملک آریڈیا کی طرف سے آکر یہاں اقامت گزین ہوا
 تھا جس کے سبب سے یہ ملک اسی کے نام سے مشہور ہوا۔ بعض محققین کا یہ بھی
 بیان ہے کہ ایٹالیہ مشتق ہے لفظ ایٹالس (Aetals) سے جس کے معنی
 بیل ہے چونکہ اس ملک میں گائے بیل کثیر الوجود ہیں اس واسطے اس کا نام ایٹالیہ
 قرار پایا۔

بیان اہل
 روم
 جاننا چاہیے کہ زبان لاطینی اُس قوم کی ہے جو منترمن ملک ایٹالیہ
 کی تھی اس ملک کا دارالسلطنت شہر روم تھا۔ یہ شہر اب باقی نہیں
 ہے اور وہ شہر جس وقت اُس کی جگہ موجود ہے روم جدید ہے۔ اور جو زبان اس
 وقت وہاں بولی جاتی ہے اُسے ایٹالین (Aetalian) کہتے ہیں۔ روم سابق کی

مختصر تاریخ یہ ہے کہ اس شہر کی بنیاد ڈالی ہوئی دو شخصوں کی ہے جو ایک شہزادی کے بطن سے نکلے ان دونوں بھائیوں کا نام راموس (Romulus) اور رمیس (Remus) ہے۔ کہتے ہیں کہ ان دونوں بھائیوں کو ایک گرگ مادہ نے پالا تھا ان کے افسانہ نامہ احوال کو پلوٹارک (Plutarch) مورخ نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور اس عجیب معاملے کو ابراہم العزازی بھی اپنی تاریخ المختصر فی احوال البشر میں درج کیا ہے آدمی کے بچوں کو ایک گرگ کا پالنا ظاہر فرین قیاس نہیں معلوم ہوتا ہے عموماً کمز کوئی شخص ایسے وقتے کو مطابق فطرت سمجھے گا اور ایک عرصے تک راقم بھی اس کو ناممکن الوقوع سمجھتا رہا مگر جب سے کرنیل سلیمان (Cornelius Sleeman) صاحب کی رپورٹ دیکھی اور متواتر دو تین ایسے واقعات کی سچی خبریں راقم کو پہنچی گئیں تب سے اس بات کا یقین ہوا کہ آدمی کے بچے کو بھیر ٹیل کا پالنا ممکن الوقوع ہے۔ بہر حال یہ دونوں بھائی شہر روم کے بانی کہے جاتے ہیں۔ اس شہر کی بنیاد سات سو پچاس برس سے کچھ اوپر قبل مسیح کے قرار دی جاتی ہے شہر کی بنیاد ڈالنے کے بعد دونوں بھائیوں میں اختلاف پیدا ہوا چنانچہ بڑے بھائی یعنی راموس نے رمیس کو مار ڈالا اور اپنی حیات تک اس شہر کا بادشاہ رہا بعد ازاں چند شخص یکے بعد دیگرے اس کی جگہ پر بادشاہ ہوتے گئے آخر کار شخصی سلطنت کا طریقہ اٹھایا گیا اور جمہوری سلطنت قائم ہوئی چند صدیوں تک رومیوں کی سلطنت اسی شکل پر قائم رہی یہاں تک کہ جولیس سیزر (Julius Caesar) نے اس انتظام سلطنت کو درہم برہم کر کے پھر شخصی سلطنت قائم کر دی اور اس کے وقت سے ایک سلسلہ شاہنشاہوں کا جاری ہوا جس کا شاہنشاہ خود جولیس سیزر تھا لفظ قیصر سیزر کا مورب ہے اور اب یہ لفظ یعنی شاہنشاہ استعمال کیا جاتا ہے یہ شخص

سو برس قبل جناب مسیح علیہ السلام کے پیدا ہوا تھا اور تینالیس برس قبل اُس حضرت کے
 مقتول ہوا فیض نہایت مرحومصل تھا اور اُس کی تحریریں آج تک اُس کے اعلیٰ دہے کی
 قابلیت کی شہادت دیتی ہیں۔ واضح ہو کہ رومیان سابق اپنی ابتدائی حالت میں نا تعلیم یافتہ
 انداز کے لوگ تھے اور ان کی نا تعلیم یا ننگی اُن کے روز افزوں اقبال کے ساتھ بھی ایک
 گٹھے تک برقرار رہی لیکن جب ان رومیوں کو اہل یونان سے سابقہ پڑا گیا تو یونانیوں سے
 انھوں نے اکتسابِ علم کرنا شروع کیا بہر حال جس وقت رومیوں کا اقبال ترقی کر رہا تھا
 یونانیوں پر ادا رہا تھا کچھ عرصے میں یہ نوبت پہنچی کہ رومیوں نے یونانیوں کو شکست دے
 دے کہ بد حال کر دیا یہاں تک کہ یونان روم کا ماتحت سمجھا جانے لگا اس وقت میں ہر
 چیز یونانیوں سے اقبال و عظمت ہو چکا تھا۔ اس پر بھی اہل یونان اپنی فائز قوم سے
 علوم و فنون میں غالب تھے مگر ثقافتائے اقبال سے رومیوں نے یونانیوں سے علمِ مذہبی
 کرنا نہ چھوڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانی علوم رفتہ رفتہ رومیوں میں مروج ہو گئے منجملہ ہیئت سے
 علوم و فنون کے اہل یونان کے مذاقِ شاعری نے بھی رومیوں کے دلوں میں جگہ پیدا کی
 یونانی شعر کی نھانیت بزبانِ لاطینی ترجمہ ہوتی گئیں۔ ایلیاڈ کا بھی ترجمہ لاطینی میں تمام
 کو پہنچا۔ پھر اس زبان میں شعرا نے نامی پیدا ہونے لگے۔ جن کا ذکر آئندہ آتا ہے ان
 رومی شعرا کے کلام میں یونانی مذاق تمام تر ہویدا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رومی
 شعرا یونانی شعرا کے متبع میں پس وہی نسبت جو اردو شاعری کو فارسی شاعری کے
 ساتھ ہے۔ لاطینی شاعری کو یونانی شاعری کے ساتھ پیدا ہے۔ رومیان سابق بھی
 یونانیوں کی طرح بت پرست تھے اور جو انداز یونانیوں کی اصنام پرستی کے تھے وہی
 رومیوں کے بھی تھے۔ اسی لیے اور مضامین کے علاوہ رومیوں کی شاعری بھی زیادہ

اور پر یوں وغیرہ کے بکھیرے سے خالی نہیں نظر آتی ہے۔ بشریحی دونوں قوموں کی ایک
 ہی انداز رکھتی ہے اور حق یہ ہے کہ مفسرین بت پرستی کو چھوڑ کر ہر دو قوم کی نشرو نظم خوش
 اسلوب اور مغرب پر ایہ رکھتی ہیں۔ حال کا لٹریچر جو اہل یورپ کا ہے انہیں دونوں قوم کا
 مستون ہے گویا ان دونوں قوموں کے لٹریچر حال کے اہل یورپ کے لٹریچر کے ہادی و رہبر
 ہوئے ہیں۔ ماسوائے ان کے لٹریچر جو اہل یورپ کا ہے نہایت حیرت خیز ہے۔ زبان اس کے
 بیان سے تا صر ہے افسوس ہے کہ اہل فارس نے عمدہ مذاق لٹریچر کا پیدا نہیں کیا۔ نظم
 فارسی کی توفیر کچھ ہے بھی بشرح مذاق تو بہت کچھ قابل اعتراض ہے۔ اہل انصاف ارشاد
 فرمایاں کہ سد نشر ظموری مینا باآزار اور حکیم تآانی کے کلام صنف نور و غیرہ میں کیا خوبی ہے بلکہ
 جو کچھ اگلے لوگ کچھ مذاق پیدا کر گئے تھے۔ ان متاخرین نے اسے خراب کر ڈالا ہے اسی
 طرح اردو کا لٹریچر بھی خراب ہو چکا تھا مگر اب مذاق بدلتا نظر آتا ہے حد سے تعالیٰ اپنا
 فضل شامل حال رکھے۔ ظاہر امتضا مبیع لکھنے والے حضرات تو لٹریچر کا فائدہ کہ
 چکے تھے مگر اس نا پرسان زبان پر اللہ نے رحم فرمایا کہ کچھ لوگ مولوی نذیر احمد صاحب
 وغیرہ سے پیدا ہوئے جنہوں نے عوام کے خیالات میں انقلاب پیدا کیے ہیں۔
 انشاء اللہ تعالیٰ عینی، فارسی اور اردو کے لٹریچر کی بحث آئندہ لکھوں گا جس سے
 بد مذاق مصنفوں کی لٹریچر کتنی ظاہر ہوگی۔ خیر حضرت ناظرین ان جملہ ہائے معترضہ کو
 محاف فرمائیں۔ اب میں پھر رومیوں کی شاعری کی طرف رجوع لاتا ہوں اور یہ
 گزارش کرتا ہوں کہ چونکہ یونان و روم کی شاعریوں کا ایک ہی انداز ہے رومیوں کے
 مذاق شاعری کی بحث کو طول دینا ضرور نہیں معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال ذیل میں چند
 شعرائے رومی کے حالات و اقوال حوالہ قلم کر دیے جاتے ہیں۔ جن سے کسی قدر

حضرات نادائق کو اطلاع کی صورت مندر ہے۔

لکریٹس۔ لکریٹس (Lucretius) روم کے شعرائے
 متقدّمین کا سراسر ادب ہے یہ شاعر باؤنہ برس قبل ظہور حضرت مسیح علیہ السلام کے پیدا
 ہوا تھا اس کی شاعری کا رنگ نہایت حکیمانہ ہے اس کی تصانیف منظوم سے ایک
 کتاب ہے جس کا نام حقائق الاشیاء (On The nature of things)
 ہے یہ کتاب سراسر پان فلسفہ ہے یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ یونانیوں کا مذاق فلسفیانہ
 رومیوں کے مذاق فلسفیانہ سے بالکل علیحدہ تھا گو رومیوں نے فلسفے کی دولت یونانیوں
 پائی تھی اہل یونان کو علوم ذہنیہ کی طرف میلان خاص تھا بر خلاف اس کے اہل روم
 علوم مادّیہ پر زیادہ توجہ رکھتے تھے مگر یہ شاعر برعکس اپنے قریب مذاق کے تمام تریونانی
 مذاق کا پابند تھا اور وہ اسی مذاق کے ساتھ امور اخلاقی اور مذہبی کو حوالہ دیکر کرتا ہے کیا
 افسوس ہے کہ ہمارے ملک کے شعرا کتر یونانی اور رومی شعرا اور ان کی شاعریوں سے
 خبر رکھتے ہیں اگر ہمارے ملک کے موزوں طبیعت حضرات کو ان اقوام گزشتہ کی شاعریوں
 سے اطلاع کی صورت پیدا ہوتی تو یقیناً ایک انقلاب عظیم ہماری دیسی شاعری میں نمایاں

ہو۔
 کیٹلس۔ کیٹلس (Kate Ellus) بھی روم کے شعرائے متقدّمین
 سے ہے یہ شاعر چون برس قبل مسیحی کے بقید حیات تھا اس کے کلام میں
 بڑا درد پایا جاتا ہے واقعی اس کا انداز بیان ایسا ہی ہے کہ خواہ نخواستہ دل پر چوٹ
 لگتی ہے اس پر ردوی کے ساتھ اس کی شاعری نصاحت و بلاغت سے خالی
 نہیں ہے۔ بیشتر اس شاعر کے کلام عاشقانہ رنگ ہونے کے باعث غزل سرائی

کا پیرا یہ رکھتے ہیں۔ علاوہ اس کے مرثیہ نگاری کی طرف بھی اُس کو میلان تھا۔ جاتا چاہیے کہ غزل سرائی کی صلاحیت ہر شاعر کو نہیں ہوتی ہے۔ واقعی جس کی طبیعت عاشقانہ ڈبک یا گداؤنگی نہیں رکھتی ہے وہ کبھی غزل گو ہو نہیں سکتا ہمارے ملکی شاعروں میں اس وقت بھی حضرات موجود ہیں کہ غزل گوئی کے لیے وہ مخلوق نہیں ہوئے تھے اس پر بھی غزل گوئی کی جان نہیں چھوڑتے اپنے خلقی نقصانات سے باخبر ہونا بھی ایک بڑی نعمت ہے اگر انسان میں اتنی تمیز موجود رہے تو بہت سی حماقتوں سے بچ سکتا ہے بہر حال کیٹس کا کلام بلاشبہ بہت پرورد ہے اُس کے کچھ اشعار کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے اس سے اُس کی طبیعت کی جستجو اور گداؤنگی کا کسی قدر موازنہ متصور رہے یہ اشعار اُس نے اپنے براہر متوفی کے لیے مرثیے یا زورے کے طور پر لکھے تھے۔

مرثیہ

اے بھائی میں تیری دو افسادہ قبر پر مراسم غزا کی اداکاری کے لیے بہت سے سمندروں کو طے کرنا ہوا اور بہت سے دیارِ غیرِ معروف سے گزرتا ہوا آیا ہوں اور تیری بے صدا ناک کے نزدیک کھڑا رہتا ہوں میں تجھے بے کار پکار رہا ہوں۔ نیزہ دوا تحت الشری سے کیا جواب ملے۔ اے بھائی اے بھائی زندگی کا کوئی لطف باقی نہ رہا جب بے رحمی کے ساتھ تو مجھ سے چھین لیا گیا ایک دن آئے گا جب ہم تجھ سے پھر ملیں گے اس وقت مجھ سے وہ عطیہ قبول کر جنہیں ہم لوگوں کے ابدال و مقدس اور محترم ہاتھوں سے اپنے اُن عزیزوں کی قبروں پر چڑھاواتے تھے جن سے وہ عین حیات میں محبت رکھتے تھے یہ ندریں بھائی کے آنسوؤں سے نم ہو رہی ہیں اب میں خصمت ہوتا

ہوں سلام تجھ پر اور تمام ہر اس وہیم سے تجھ کو امان ۔

واضح ہو کہ اس شاعر نے بھائی کی قبر پر فخر خانی کے انداز کو خوب دکھلایا ہے اس میں نہ کوئی بے لائقہ ہے اور نہ کوئی غیر فطرتی اور بیچ مضامین بالا کے دیتے ہیں کہ بھائی کا غم بھائی کو کس طور پر ہونا چاہیے یعنی برادر متوفی کے غم کا کیا تقاضا ہے اگر کوئی بچہ فطرتی مذاق کا شاعر ہوتا تو ایسے محل میں آسمان سے حنن برساتا اور سے آنسو گر داتا اور اسی طرح کے بذخیزہ مضامین سے فحش کی تمام تاثیروں کو کھو دیتا۔ یہاں شاعر نے اظہار غم کے فطرتی رنگ کو اختیار کیا ہے جس کے سبب سے دل پر چوٹ سی لگتی ہے یا تانا جاسیے کہ غیر فطرتی انداز کے مضامین سے حظ کا اٹھنا ممکن نہیں ہے۔ جب تک کہ مذاق سامع شاعر کے مذاق کی طرح خراب نہ ہو لے غیر فطرتی شاعری مطبوع نہیں ہو سکتی ہمارے عہد کی دیسی شاعری بہت اصلاح طلب ہو رہی ہے نامطبوع استعارات اور بے لائقہ پروازوں نے وہ بے لطفی پیدا کر رکھی ہے کہ ایسی شاعری کا کوئی اثر دل پر پیدا نہیں ہوتا برخلاف اس کے ہندی شاعری دیکھی جاتی ہے۔ ہندی کے دوہرے گیت وغیرہ جو بیشتر استعارات بے لائقہ پروازوں اور بے معنی نازک خیالیوں سے معمور ہوتے ہیں ۔

عجب تاثیر رکھتے ہیں ان کی سادگی اور فطرتی خوبیاں منتشر کام کام کرتی ہیں جو حال آردو کی شاعری کا ہے وہی فارسی کی شاعری کا بھی ہو رہا ہے۔ اگر سادگی اور فطرتی انداز بیان میں دلربائی نہ ہوتی تو بے چارے سعدی حافظ کو کون پرچھتا۔ میر صاحب کو کون بانٹا افسوس ہے بہت سے شعرا نے فارسی وارد کرنے فطرتی خوبیوں سے انحراف کر کے شاعری کو سوہان روح بنا رکھا ہے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ وضاحت کے ساتھ بد مذاق شعرا کے حالات حوالہ دے رہے ہوں گے۔ جن سے شاعری کی صحت مذاق کی حقیقت

منکشف ہوگی۔

درجل شاعر *وَرَجُلٌ (Virgil)* سرآمد شاعر ہے روم سے اور رومی شاعروں
 رومی میں ہومیروس کا درجہ رکھتا ہے گوئی نفسہ کسی طور پر ہومیروس کا

ہم پہلوانا نہیں جاسکتا ہے شاعری کی قوت کا فرق ان دونوں میں وہی ہے۔ جو فردوسی اور
 نظامی میں پایا جاتا ہے۔ یہ شاعر آئیس برس قبل جناب مسیح علیہ السلام کے زندہ تھا۔
 ورجیل عمد فیما غسٹس (*Caesar Augustus*) کا شاعر ہے

اس عہد میں رومیوں کا لٹریچر پختگی کو پہنچ چکا تھا اس قبصر کے زمانے میں سلطنت روم ہر
 طرح کے خوشی سے پاک ہو کر امن و مرجع خلعت ہو رہی تھی اہل فن اطمینان کے ساتھ
 زندگی بسر کرنے لگے شہزنگاری اور شاعری دونوں عروج کو پہنچ چکی تھیں چنانچہ اس بادشاہ
 کا عمد زرقی لٹریچر کی وجہ سے ضرب المثل ہو گیا ہے۔ اہل فرنگ جیب کسی ایسے فرمانے کا
 ذکر کرتے ہیں کہ جس میں لٹریچر کی حمیر زرقی دکھی جاتی ہے یا جس میں شعر اور نثر اکثر
 دیکھے جاتے ہیں تو ایسے زمانے کو عمد آغسٹس کے ساتھ یاد کرتے ہیں انگلستان کی ملکہ

این (*Queen Anne*) کا زمانہ بھی عمد آغسٹس کہلاتا ہے اس لیے کہ اس ملکہ
 کے عہد حکومت میں بڑے بڑے ناظم و نثر مثلاً ادیسن (*Addison*) و اسٹیل
 (*steel*) و پارنل (*Parnell*) و پوپ (*Pope*) و ٹیکل (*Tickell*)

وغیرہ وغیرہ موجود تھے۔ بہر حال ورجیل نے ایسا زمانہ پایا ہے کہ جس میں ہر طرح کا امن
 و امان حاصل تھا سلطنت روم بہ ترقی تھی ہر طرح کے فتنہ و فساد ہو چکے تھے تمام تر
 حفظ و امان کی شکل پیدا تھی قومی جاہ چشم مہتاب سے ادج کو پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ ورجیل کی
 شاعری سے یہ سب معاملات آشکارا ہیں اس شاعر کی مشہور تصنیف منظوم اینڈ

(Aeneid) ہے یہ کتاب بارہ ابواب یا مقالات سے مشتمل ہے اور اس میں اس نے
 اینیس (Aeneas) کی سرگردانی اور نبرد آزمانی کے کئی حالات و حالاتِ ظلم کیے ہیں۔ اس
 کتاب کی پہلی چھ جلدیں اولیسی کا انداز رکھتی ہیں کس واسطے کہ جس طرح اولیسی میں پولیسس
 کی سرگردانیوں کے احوال رقم ہیں اسی طرح ان چھ جلدوں میں اینیس کی سرگردانی کے
 احوال مذکور ہیں باقی چھ جلدوں میں اینیس کی نبرد آزمانیاں دیسی ہی درج ہیں کہ جیسے ایلڈ
 میں اہل ٹرائے اور اہل یونان کی جہاں و قتال کے احوال تحریر ہیں پس سمجھنا چاہیے کہ جہاں
 نے جو اپنی زبان میں ہومیروس کے رنگ کی کتاب لکھی ہے اس کی ترتیب ہومیروس
 کی ایلڈ کے برعکس رکھی ہے یعنی ہومیروس نے پہلے ایلڈ لکھی ہے بعد ازاں اولیسی
 تصنیف کی ہے مگر ورجیل نے پہلے اولیسی تب ایلڈ لکھی ہے بہر حال یہ شاعر ہومیروس
 کے متعلق سے خالی نہیں ہے۔ تنبیح و درکنار بہت مقاموں میں مضامین کی موافقت گمان برتہ
 پیدا کرتی ہے۔ نیز جو کچھ تنبیح یا ستہ کا اہام ورجیل پر ٹھیکہ کیا جائے اس شاعر نے اپنی
 زبان میں ایک ممتاز کتاب رزمی شاعری کی تصنیف کی ہے جس سے اس کی اور اس کی
 قوم کی قبائلی نام کی شکل قائم ہو گئی ہے یہ شاعر اپنی طباعی خوش بیانی اور موزون طبعی
 کی بدولت اکابر شاعرانے عالم سے شمار کیا جاتا ہے۔ اور تمام تر ہومیروس، فردوسی، بلخ
 بیاس، بالکی، میر انیس کے ساتھ یاد کیے جانے کا استحقاق رکھتا ہے اس کی تصنیف
 مذکور کے متعلق جو قصہ ہے وہ یہ ہے۔

جب اہل یونان نے ٹرائے (Troy) کا محاصرہ کیا اور آخر کار اس شہر کو غارت
 کر ڈالا تو اینیس (Aeneas) کسی طرح وہاں سے بچ کر کوہ آئیڈا (Ida)
 کی طرف بھاگ نکلا اس شخص کے ٹرائے میں رہنے کی وجہ یہ تھی کہ پرائم (Priam)

بادشاہ ٹرائے کی بیٹی اس کے جلالہ نکاح میں در آئی تھی۔ بہر حال ٹرائے سے بھاگنے
 کے وقت اُس نے کاندھوں پر اپنے بوڑھے باپ کو اٹھایا اپنے بیٹے کا ہاتھ کپڑیا
 اور زوہر سے کہا کہ ساتھ ساتھ پیچھے پیچھے چلی آ۔ اس شکل سے جب وہ اس پہاڑ تک
 پہنچا تو اُس نے وہاں جہاز بنائے اور جہاز کے مناسب میں بننے کی غرض سے سفر دریا
 اختیار کیا۔ درجیل لکھتا ہے کہ جب وہ جزیرہ سسلی (Sicily) سے ایتالیہ
 (Italy) کو جا رہا تھا اُس کے جہاز بہک کر ساحل افریقہ سے جا لگے شہر کارٹیج
 (Carthage) جو لب ساحل واقع تھا اُس زمانے میں اُس کی ملکہ ڈائیڈو (Dido)
 تھی۔ اُس ملکہ نے انیس کے بہت تراضع اور مدارات کے ساتھ اپنا مہمان کیا انیس نے
 بطور تحفہ اُسے ہن (Helen) کی کوئی پوشاک دی اُس کے قیام کے زمانے میں ڈائیڈو
 اُس پر زینتہ ہو کر اُس سے مناکحت کی خواستگار ہوئی۔ مگر دیوتاؤں نے انیس کو اس
 پیوند کی اجازت نہ دی یہاں سے جب انیس روانہ ہوا تو مقام کیری (Cumae)
 میں پہنچا یہاں سائیل (Syllabus) نے انیس کو دوزخ کی سیر اس غرض سے کرائی
 کہ انیس اپنے پرستاروں سے اپنے حالات آئندہ کو دریافت کرے۔ یہاں سے
 انیس بہت سی سرگردانیوں کے بعد دریائے ٹائیبر (Tiber) میں داخل ہوا
 جیسا کہ اوپر رقم ہو چکا ہے۔ یہ دریا ملک ایتالیہ میں واقع ہے۔ اُس وقت ایتالیہ
 کا بادشاہ لٹینس (Latinus) تھا اُس بادشاہ نے انیس کی بڑی خاطر داشت
 کے ساتھ مہانداری کی اور اپنی بیٹی سے جس کا نام لورینیا (Lavinia) تھا
 بیاہ کر دیا چاہا مگر لورینیا کی ماں نے اس رٹ کی کہ قبل میں ٹرنس (Ternus) سے
 جو ایک بادشاہ تھا۔ منسوب کرنا چاہا تھا۔ اسی سبب سے ٹرنس انیس کے ساتھ

آراء کا راز ہوا بہت سی لڑائیوں کے بعد یہ بات تجویز پائی کہ یہ دونوں والدین باخود
 سرور آزمانی کریں تاکہ ہندوکان خدا کشت و خون سے محفوظ رہیں اس سرور آزمانی میں ٹرنس
 اینیس کے ہاتھ پر مارا گیا اور اینیس نے لوینیا سے شادی کر لی۔ اپنے خسر کے انتقال کے
 بعد اینیس ایتالیہ کا بادشاہ ہوا۔ مگر غور سے ہی عرصے کے بعد راہی ملک بقا ہو گیا۔
 واضح ہو کہ درمیان سابق اپنے کو اینیس کی اولاد کہتے تھے اور اپنا تعلق ٹرائے کے
 ساتھ بڑھ بڑھایا کرتے تھے۔ چنانچہ دراصل نے عالی نسب کے اثبات میں بیان بالا کو
 اختیار کیا ہے۔ اینیس کی نسبت اہل روم کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ وہ شاہزادہ انکامیسس
 (Anchises) کا بیٹا بلن زہرہ سے تھا۔ زہرہ ایک ٹونٹ دیوتا مانی جاتی تھی
 اور عام زنان کی طرح اس سے اجرائے نسل کی شکل ممکن تھی یونانیوں اور رومیوں کے عقائد
 کو دیکھ کر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ باوجود ماصل رہنے علم و فضل کے یہ قومیں محدود
 قہمات میں مبتلا تھیں۔ ان کی شاعریاں بھی اسی واسطے تمام تر ادب و غیرہ سے بھری نظر
 آتی ہیں اور واقعی امر یہ ہے کہ جو شخص ان قوموں کے مذہبی اعتقالات اور تمدنی معاملات سے
 مطلع نہیں ہے ان کی شاعریوں سے حظ اٹھا نہیں سکتا بہر حال وہ بھی خیالات کو علم
 کر کے بھی ان کی شاعریوں میں اس قدر لطافت اور قدرت ہے کہ اگر ایشیائی زبانوں میں ان کے
 ترجمے ہو جائیں تو بہت کچھ ترسیع خیالات شاعرانہ کی صورت پہلا ہو سکتی ہے انہوں
 سے کہ اکثر ہمارے ملکی شعرا یونان اور روم کی شاعریوں سے حسب خواہ اطلاع نہیں
 رکھتے اسی واسطے ان کے قدم ان کے محدود دائرہ شاعری سے باہر نہیں پڑتے ہیں
 ایسی شاعری کے خیر خواہوں کا یہ فرض منسی ہے کہ فائدہ رسانی کی نظر سے ہومیروس
 دراصل اور دیگر شعرائے یونان کے کلاموں سے افادت کے سامان پیدا فرمائیں۔

بارس شاعر درجہ اول کے بعد روم کا نامی شاعر ہارس (Hercules) ہے

رومی یہ شاعر درجہ اول کی طرح رومی شاعر نہیں ہے اس کے شمار غزل

تصیروہ دونوں کے رنگ رکھتے ہیں۔ مؤلف کے خیال میں اس شاعر کا کلام سفا

شاعر اور نڈار کے رنگوں سے مجروح معلوم ہوتا ہے۔ ہارس نے بیشتر اودھ لکھے

ہیں جو تصانیف کی تشبیب سے مشابہت رکھتے ہیں اس کے کلام کا کچھ ترجمہ ذیل میں عرض

کیا جاتا ہے۔ کلام ذیل ایک اودھ ہے جس میں ہارس اپنی مشترکہ پیرا کی بیوفانی اور

تلون مزاجی کی شکایت کرتا ہے اور یہ عورت جو ایک درباری عورت تھی اُسے

سمندر سے تشبیہ دیتا ہے تشبیہ سمندر کے ساتھ اس مشابہت سے دیتا ہے۔ کہ

سمندر جب ٹپھر لیتا ہے تو سطح شکل ہوتا ہے اور اس سے باسباب ظاہر کوئی خطرہ

نہیں معلوم ہوتا ہے مگر چشم زون میں متوج ہو جاتا ہے اور ہلاکت کا نقشہ دکھانے لگتا ہے

وہی پیرا کی کیفیت ہے کہ پہلے نہایت مطبوع انداز دکھاتی ہے مگر تھوڑے ہی

لحظوں کے بعد اس کے تلون کا سمندر موجزن ہونے لگتا ہے اور عاشق کی جان پر آتی

ہے اس تشبیہ کے بعد اپنی معشوقہ کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ ہم بھی تیرے فریب کے

سمندر میں ڈوب چکے تھے مگر کسی طرح بچ نکلے اگر اس کی نصیحت دیکار ہو تو کوئی جاگ

دیکھ لے میری تصویر یاد رکھیں پوشاک خدائے بھور کے مندر میں آؤ سیکھتے ہیں یہ بیان قصہ

طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ اہل روم جیسا کہ بالا میں ذکر ہوا ہے بڑے بت پرست

تھے منجملہ انواع اقسام کے دیوتاؤں کے ایک بہت بڑا دیوتا مانا جاتا تھا کہ جس کا نام

نیپچون (Neptune) تھا۔ یہ دیوتا سمندر کا مالک تھا اور تمام معاملات

بحری اُس سے متعلق سمجھے جاتے تھے اس دیوتا کے لیے ایک بہت بڑا مندر بھی

فقیر کیا تھا اور اہل حاجت وہاں پرستش اور پرستاری کی نظر سے جایا کرنے سے متنبہ
 اور رسوا ت مذہبی کے رویوں کا یہ بھی دستور تھا کہ اگر کوئی رومی سفر بھری اختیار کرتا تھا
 اور اتفاق وقت سے اُس کا جہاز تباہ ہو جاتا تھا اور وہ خود کسی صورت سے بچ کر وطن
 کو واپس آتا تھا تو اسے سپاس کی نظر سے وہ نجات یافتہ شخص نہ چون کے مندر میں حاضر
 ہوتا اور ایک تصویر اُس میں آویزاں کرتا اس تصویر میں اُس شخص اور اُس کے جہاز کی صورت
 کبھی رہتی تھی مراد اس تصویر آویزی سے یہ تھی کہ خدا نے مجھ کو تصویر کے آویزاں
 کرنے واسطے پر رحم کیا ہے اور ہلاکت سے نجات دی ہے اس واسطے اُسے سپاس
 کی نظر سے ایسی تصویر لکھا آویزاں کرتا فرد ہوا۔ ایسے وہی مراسم سے رویوں کی مذہبی
 عقل کا انداز خوب ٹھنکتا ہے۔ باوجود افراط عقل و دانش کے یہ قوم مذہبی حیلاست
 کی صفائی مطلق نہیں رکھتی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل دنیا اور عقل دین دونوں
 میں اس زمانے میں بھی بہت سی عاقل قومیں دکھی جاتی ہیں جو باوجود پیرا کرنے ہر طرح کی
 دنیاوی ترقیوں کے مذہبی معاملات میں عاجز نظر آتی ہیں یہ قومیں ہزاروں علمی طریقے
 دنیا حاصل کرنے کے جانتی ہیں۔ اور اس وقت علوم و فنون میں درجہ کمال حاصل کر چکی
 ہیں۔ مگر مسئلہ توحید سے تمام تر بے خبر ہیں خدا کے واحد کی پرستش کا مضمون اُن کی سمجھ
 میں آتا ہی نہیں ہے خیر اہل یونان اور اہل روم یا اور بھی بہت سی موجود تھیں جو دنیاوی
 شائستگی کا نونہ سمجھی جاتی ہیں اگر بت پرستی سے خالی نہیں تو نہ ہوں تعجب ہے اُن
 اہل اسلام سے جو خواجہ خضرؑ کا پیرا یا یا کاغذی کشتی بنانے واسطے ہیں۔ ہر سال ہزاروں
 جمالِ ربانی توحید کے قائل۔ برسات کے دنوں میں گنگا، گانگی، ستون پن پن اور اسی
 طرح کی ندیاں اور نالوں میں کاغذی کشتیاں دھوم دھام سے حضرت خواجہ خضرؑ کی

نذر کیا کرتے ہیں | اعود باللہ من ذلک بہر حال ہا رس کے اوڈ کا مفہوم اتم
ذیل میں عرض کرتا ہے امور بالا کے عوض کر دینے سے یہ عرض تھی کہ قصہ طلب مضامین
کے بیان سے کلام شاعر آسانی کے ساتھ ذہن نشین ہو جا سکے کس واسطے کہ ہر ملک کی
شاعری لچھ نہ کچھ رسوم ملکی سے متعلق ہوا کرتی ہے اور نادانفیت کی حالت میں نہ سمجھ میں آ
سکتی ہے اور نہ سامع کے دل کو لذت یا بسخن کر سکتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اس
رسم سے واقف نہ ہو کہ ایک وقت میں یہ دستور تھا کہ جو کوئی فریادی ہوتا تھا وہ داد خواہی
کی غرض سے پیراہن کا غدڑی پہنتا تھا تو ایسا شخص مرزا نوشہ کے اس مطلع کو یعنی سے
نقش فریادی ہے کس کی شوخی تخریر کا

کا غدڑی ہے پیراہن ہر پیکر تصویر کا

نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ کوئی اُس سے لطف سخن اٹھا سکتا ہے۔ خیر حضرات ناظرین اب
ہا رس کے اوڈ کی طرف توجہ فرمائیں گو ترجمے سے اُس کے اصلی کلام کا لطف حاصل
نہیں ہو سکتا۔

خطاب بہ پیرا

اے پیرا تو کس جوان حسین کو جو عطریات میں ڈوبا ہوا ہے خلوت کردوں میں
ہم آغوش کیسے رہتی ہے کس کے لیے تو اپنی زلفیں اس سادگی کے ساتھ سنوارا کرتی
ہے ہر اوجیف کہ وہ تیری طرف سے مطمئن ہو رہا ہے اُسے کیا معلوم کہ اُسے تیری
یے وفا کی بدولت کیا کیا نہ اشک ریزی کرنی ہوگی اُسے اُس کی کیا خبر ہے کہ
ترا بھی کیا سے کیا ہو جانے والی ہے وہ سے چارہ کیا جانتا ہے کہ تو وہ سمندر ہے کہ

جو ہر توحہ ہوا کے ساتھ کیفیت گوناگون پیدا کرتا ہے اسے پیراجس نے تجھ پر اعتماد کیا ہے کہ تو اس کی ہودہی ہے اس کو ہوا کی غیر استقلالی سے تام تر بے خبری ہے کجست وہ ہیں جن کی آنکھوں میں تو بھی لگتی ہے گراٹھیں تیری حقیقت سے اطلاع نہیں ہے میری سرگزشت تو میری اس تصویر سے ظاہر ہے جو خدائے بحر کے مندر کی دیوار پاک سے آویزاں ہے اور ان ترکیزوں سے جو وہاں لٹکے ہوئے ہیں۔ یہ چیزیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ ہم غرق ہونے سے بدشگاری بچ نکلے ہیں واضح ہو کہ ہا رس اپنے کلام بالاین اسی مضمون کو شرح و بسط کے ساتھ حوالہ قلم کرتا ہے جس کو مرزا صاحب نے مطلع ذیل میں باندھا ہے۔

چومی بیٹم کسے از کوسے تو دل شادی آید

فریبے کہ تو اول خوردہ بودم یا دمی آید

مگر معشوقہ خود کام سے نجات پانے کے مضمون کو حافظ علیہ الرحمۃ نے نہایت خوبصورتی اور پرتائیری کے ساتھ ذیل میں فرمایا ہے۔

دندران ظلمت شب آب حیاتم دادند	دوش وقت سحر از غصہ بجاتم دادند
بارہ از جام تجھی بصفاتم دادند	بجز داز شمشعہ پر تو ذاتم کردند
آن شب قدر کہ این تازہ براتم دادند	چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے
خیر از واقعات و مناتم دادند	چوں من از عشق رخسار بجز دو حیران گشتم
مستحق بودم و این رہ بزم کاتم دادند	من اگر کام روا گشتم و خوش دل چہ عجیب
کہ درینجا خبر از جلوہ ذاتم دادند	بعد ازین رومے من و آئینہ حسن زنگار
کہ بیازار غمت مبرو شباتم دادند	با تلف آن روز میں مزوہ این دولت داد

ایں ہمہ تند و شکر کز سخنم می ریزد و
 کیلئے ست عجیب بندگی پیر منان
 بحیات ایدان روز رسا نید مرا
 عاشق آندم کہ بدام سر زلف ترفند
 شکر شکر بشکر آنہ بیفتان اے دل
 اجر صبر سے ست کز ان شاخ باقم دادند
 خاک اگر شتم و چیدیں در جہانم دادند
 حظ آزادگی از حسن مما تم دادند
 گفت کز بندشتم و غصہ بخاتم دادند
 کز کار خوش و شیریں حرکاتم دادند

ہمت حافظ و انقاس سحر خیزاں بود

کہ ز بندِ غم ایام سنجاقم دادند

واضح ہو کہ خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ کے عہد شباب کی مستند شہادت مہتی

جس کا نام غزل بالائیں آیا ہے یہ عورت لویان شیراز سے تھی۔ مگر صن و جمال ایسا رکھتی تھی کہ شاہزادگان و امرا و اگان اُس کے اوپر جان دیتے تھے۔ اتفاق وقت سے حافظ علیہ الرحمۃ اُس کے گھر پہنچے۔ وہ عورت ان کے انداز عاشقی کو دیکھ کر کہنے لگی کہ بغیر نقش درم کوئی عمل کارگر نہیں ہو سکتا۔ حضرت والدانہ تھے مگر کچھ عرصے میں زرکافی

بہم کر کے پھر اُس کے گھر گئے اس بار حسب طریق زنان بازار ی وہ نہایت اخلاق سے

پیش آئی۔ مختصر یہ ہے کہ اُس کے گھر شب بسر کرنے کی ٹھہری صحبت اختیار سے پاک

تھی اور عشق خواجہ زوروں پر تھا اُس عورت سے قریب نصف شب گئے تک

ہر کلام رہے جب اُس نے استراحت کی طرف میل دکھلایا خواجہ کو اس وقت

ایک بات یاد پڑی جو اُس شب کو عمل میں لایا کرتے تھے اتفاق سے وہ شب شب

آوینہ تھی۔ شب آوینہ کو خواجہ کا یہ معمول تھا کہ دو شمع مرمی لے کر مصلائے شیراز کو جاتے

اور وہاں قبر پر ایک امام زادے کے جو وہاں آسودہ ہیں نہایت خلوص دل سے

اُن دو نمونوں کو روشن کرتے یہ خدمت خواجہ سے کبھی ترک نہیں ہوئی تھی الامّاس شب میں
 کہ شاخ نبات کے زور فطرتی میں فراموش ہونے کو تھی جس وقت خواجہ حسبِ درجست
 اُس عورت کے بائبل استراحت ہونے کو تھے کہ وہ خدمت تقدیر امام زادے کی یاد آئی
 یہ سوچ کر کہ مصلائے شیراز بہت دور نہیں ہے دو گھنٹے کی نوبت ہے فوراً پھر کھلا
 آؤں گا۔ شاخ نبات کے نزدیک سے اٹھنا چاہتا شاخ نبات نے استغین پکڑی
 مگر خواجہ نے نہیں مانا۔ گھر آکر دو شمع مومی لے کر مصلائے شیراز کی طرف روانہ ہوئے اور
 بقدرتِ امام زادہ پرائیجین روشن کیا اس جوشِ خلوص کا یہ اثر ہوا کہ شاخ نبات کی آرزو
 بالکل دل سے جاتی رہی اور مزاج پاک میں کچھ ایسا ولولہ محسوس ہوا کہ حقیقی پہلا ہوا کہ دنیا سے دن
 اور اس کے کل تعلقات کی ہوس دل سے جاتی رہی۔ واقعی بیان کی پائی خیالات کا اثر
 ہے کہ ان کا کلام اس قدر مقبول عالم ہو رہا ہے شاعر ہوس باز و ناپاک خیال میں یہ حسن
 قبول کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ خواجہ کا یہ شعر ہے

ایں ہمہ شہد و شکر کز سختم فی ریزد

اجر صبر سیت کز ان شاخ نباتم دادند

اُن کی پاکبازی اور ان کی پاک خیالی کی بخوبی شہادت دیتا ہے۔ واقعی خدمتِ امام زادہ
 بہت کام آئی۔ اور کیوں نہ ہو دوست داری خاندانِ پیغمبر کا اگر اتنا بھی صلہ نہ ملے تو اُس
 خاندان کی دوست واری سے کیا نادرہ تصور ہے۔ بہر حال خواجہ کہ شاخ نبات کے بگھیر
 سے ویسی ہی نجات ہوئی جیسا کہ ہارس کو پیرا کے دام فریب سے۔ مگر دونوں کے
 کلام کو موازنہ کرنے سے خواجہ کا معاملہ ہارس کے معاملے سے بہت زیادہ روحانی
 انداز رکھتا ہے۔ حضراتِ ناظرین کے آگے اس کے بیان کی حاجت نہیں ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ شاعر آٹھ برس قبل ظہور حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ تھا
 اس کے کلام مقبول خاص و عام ہیں اور یورپ میں اس کا نام ابھی تک زندہ ہے۔
 لوکن شاعر رومی۔ ہارس کے بعد رومیوں میں لوکن (Luccan) بھی
 ایک نامی شاعر گزرا ہے یہ شاعر ۶۵ء میں مر گیا مگر افسوس ہے کہ نبی وقت کے دین
 کو بے قبول کیے راہی ملک بقا ہوا۔

جو نیل شاعر رومی۔ منجملہ قابل ذکر شعرائے روم سے جو نیل
 (Junenal) بھی ہے یہ شاعر ہجو گو تھا۔ ہجو گوئی سے اُس کی مراد اصلاح انبانے نا
 مٹتی اُس کے عہد میں اس کے ملکی لوگ بتلائے بے اعتدالی ہو رہے تھے ذیل میں اس کے
 کلام کا کچھ مفہوم درج کیا جاتا ہے۔ یہ شاعر ۱۳۰ء میں راہی ملک عدم ہوا۔ اس کے
 زمانے میں رومیوں کے درمیان نثر نے زور پکڑنا شروع کیا تھا اور نظم کو زوال آنے لگا تھا۔

مضامین ہجو

کوئی کیوں تیکھے اشعار سے نہ دفتر بھرے جب سرطا کوں پر ایسی مملکت سے
 دوچار ہونا پڑتا ہے کہ کوئی تو ایسا ہے کہ جعلیہ ہونے پر بھی ہوا دار پر چھ غلاموں کے کا ندھوں
 پر سوار۔ دن دوپہر کمال و قاحت کے ساتھ منظر عام میں نظر آتا ہے یہ وہ شخص ہے۔ کہ
 جس کا عروج ایک ترسہ اور جھوٹی تاریخ کا ممنون ہے اس پر کرداری پر بھی اُس کی آنکھیں
 شرم سے علاقہ نہیں رکھتی ہیں اور وہ بے تکلف نہایت اطمینان کے ساتھ
 میسینس (Macenus) کی طرح شہر سے گزار کرتا ہے مراد وضع ہو

کہ یہ نہیں ایک نہایت عمدہ سرشت پاک لطینت اور خوش مزاج رومیوں سے تھا یہ شخص قیصرِ مغلس کے زمانے میں نیک نامی کے ساتھ زندہ تھا، پھر اس خلقت سے کوئی ایسی مالدار خاتون ہے کہ جس نے شوہر کو زہر دے کر ہلاک کر ڈالا ہے اور اس کی دولت پر قابض ہو بیٹھی ہے اس کبخت نے جو لوکٹا (Locusts) سے بھی زیادہ حرافہ سے شوہر کو حالتِ نشنگی میں ایسی شراب پلا دی کہ جس میں زہر بلبل ملا رکھا تھا یہ نافز جام ابھی تک اس لیے زندہ ہے کہ اپنے ملک کی عورتوں کو زہر آمیز کانسخہ سکھلائے اس عورت کی بے حیائی کو دیکھیے کہ ہر چند اس پر بر سر شاہراہ ہر طرف سے لعنت ملامت کی بوچھاڑ پڑتی ہی رہی مگر شوہر کی زہر خوردہ داغدار لاش کو بخوبت دہراں نصف النہار میں شہر ہو کر اٹھوا لے گئی۔

اس زمانے میں اگر کسی کو عروج منظور رہے تو طالبِ عروج کو لازم ہے کہ بے دھرمک جرائم کی بنیاد پر ثروت کی عمارت قائم کرے اس زمانے میں نیکی نہیں پھلتی واہ کیا کہنا ہے بدکاروں کے ویسے سے کیا کیا سامانِ عشرت میسر نہیں آتے ہیں۔ تختِ عاجِ جامِ زرینِ ظروفِ پیشِ ہمایوانِ بندِ مال و عقار سب ہی نصیب ہوتے ہیں ایسے عہد میں کسے چین آسکتا ہے اور کسے زندگانی کا مہل سکتا ہے۔ جب حال یہ ہے کہ باپ بیٹوں کی حریفی جو روؤں کو پھر پیٹ ملغو با کھلانے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتے۔

واقع ہو کہ اس طرح کے مضامین بجز زبان میں دیکھے جاتے ہیں چنانچہ ایک اردو کا شاعر اپنے شہر آشوب میں سامانِ عشرت کے حاصل ہونے کو اس طور سے لکھتا ہے۔

ہمنسیر کے وسیلے سے ملتا ہے شیرمال دولت تو ماں بہن کی بدولت نصیب ہے
اسی طرح دوسرے شاعر نے کسی متنوعی بھجوں لکھا ہے

ہوا — اس فتوے کا مفتی

بیک زبان باپ بیٹے کر لیں حقیقی

یہ سب اشعار جبریل کارنگ رکھتے ہیں اور ہر زبان میں بھوکا رنگ قریب قریب
ایسا ہی ہوتا ہے البتہ شاعر کو اتنا لحاظ رکھنا ضرور ہے کہ کچھ محض فحش نہ ہو جائے افسوس
ہے کہ مرزا رفیع سودا کبھی کبھی اس کا لحاظ نہیں رکھتے تھے اور دائرہ اعتدال سے ان کی
شاعری کا قدم باہر چلا جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فحش سے لطف کلام جاتا رہتا ہے
مرزا سودا کی شوخی مزاج ایسی تھی کہ ان کو فحش کی طرف مائل ہونے کی کوئی حاجت
نہ تھی ایسا ظریف شاعر کیونکر مائل فحش کوئی ہوا غالی از تعجب نہیں ہے یہ امانت
فحش جو وہ کہ جاتے ہیں۔ اس کا جواب اردو کے علاوہ اور کسی زبان میں بھی کمترو کیجا
جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا سودا کبھی کبھی محض ناچاری سے فحش کوئی اختیار کرتے
تھے۔ یعنی اگر وہ فحش کوئی پر آمادگی نہ دکھلا تے تو ان کے اعدا ان سے بھی زیادہ فحش کوئی
کے معامل ہوتے ایسی صورت میں ناچار مرزا سودا کو فحش کوئی اختیار کرنی پڑی جس کی
وجہ سے وہ نہ صرف دشمنوں کے واروں کو روک سکے بلکہ دشمنوں پر ان کا رعب بھی
خاتم ہو گیا بہر حال جانتا چاہیے کہ فحش کوئی احاطہ شاعری سے باہر ہے اور یہ طریقہ
تمام تر واجب الاعتدال ہے۔ اردو یا جس کسی زبان کے شاعر نے جس قدر فحش کوئی
اختیار کی ہے اس قدر اس کا کلام زہار قابل توجہ نہیں ہے۔ بھو کوئی اسی قدر
شاعری کا حکم رکھتی ہے کہ جو فحش کوئی سے پاک ہے۔

یورپ کے عہد جہالت کا بیان اور اس عہد کی کشمیری

واضح ہو کہ اہل روم بھی اہل یونان کی طرح آخر کار ذہنیست بنا یا وہ ہو گئے اور ان کے علوم و فنون ان کے ساتھ بڑھتے ہو گئے اور یوں کی بربادی کے بعد چند صدیوں تک یورپ متلاطم عہد جہالت رہا۔ عیسائی راہبوں کے سوا کسی کو عمرانی لکھنا پڑھنا تک نہیں آتا تھا یہ راہبیں اکثر چھوٹی چھوٹی ملکوں میں رکھتے تھے اور اپنے اپنے کلیسیا میں بیٹھے ہوئے ہمارے بعض ملاؤں کی طرح کسی کو اپنے سوا قابل نجات نہیں سمجھتے تھے ایسے وقت میں کہ تمام یورپ ظلمت جہالت چھائی ہوئی تھی۔ اہل اسلام علوم پروری میں شہر آفاق ہو رہے تھے ان کی سلطنتیں اسیں وغیرہ میں زوروں پر تھیں ایک شہر قرطبہ میں صد ہا مدارس تھے ان مدارس میں عیسائی طلبہ دور دور ملکوں سے آ کر مسلمان طلبہ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور علوم حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے ملکوں کو واپس جاتے تھے اپنے اپنے وطن جا کر ملکی لوگوں کو علوم و فنون سکھلاتے تھے یہ سلسلہ علم اندوزی کا عیسائیوں میں ایک عرصہ تک قائم رہا۔ جس کے سبب سے مختلف قومیں یورپ کی تعلیم یافتہ ہو گئیں اور حصول علوم کے ساتھ ان میں ہر قسم کی قوت بھی آتی گئی۔ جاننا چاہیے کہ علم کے ساتھ قوت کو ایک خاص مناسبت حاصل ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ علم ہی قوت ہے چنانچہ انگریزی ضرب التثل ہے کہ نابج اڈیا اور Knowledge is power یعنی العلم قوتہ اور فردوسی کا یہ قول کہ سے کو انا بود ہر کہ دانا بود

اُسی ضرب المثل کی تائید ہے بالمتعجب اہل یورپ اس طرح مسلمانانِ اصفین کی بدولت صاحبِ علم اور صاحبِ قوت ہو گئے تو روز بروز ان میں ہر رنگ کی ترقی پیدا ہونے لگیں اور آخر کار یورپ اُس پائیدار شاہنشاہی کو پہنچ گیا کہ جس کو آج ہم لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ عیسائیوں نے یورپ کی فلاح کا سبب مسلمانانِ اصفین ہوئے ہیں اگر مسلمانانِ اصفین یورپ کے ایامِ جمالت میں علم پروری کو ملحوظ نہیں رکھتے تو آج یورپ مبتلائے جمالتِ رستاب اصفین و پرتگال وغیرہ میں اسلامی سلطنتیں باقی نہیں میں عرصہ ہو کہ عیسائیوں نے یورپ نے تعلیم یافتہ ہو کر اپنے اسلامی محسنوں کو ان کے علاقوں سے نکال دیا مگر ان کے علوم کے آثار مختلف اقوامِ یورپ میں اب بھی موجود ہیں۔ ابن رشد کو جسے اہل یورپ آوروں (Averroes) کہتے ہیں علمائے یورپ ابھی تک نہیں بھولے ہیں ایک وقت میں اس حکیمِ اسلامی کا فلسفہ تمام یورپ میں صحیح مانا جاتا تھا اور اب تک اس فلسفے سے حکمائے یورپ اطلاع رکھتے ہیں۔ اسی طرح یورپ کے لٹریچر میں مسلمانانِ اصفین کے لٹریچر کی بُو پائی جاتی ہے اور دو سو برس قبل کی شاعریاں اسلامی اثر سے خالی نہیں معلوم ہوتی ہیں عموماً اس عہدِ جمالت کی شاعریاں وہی یونانی اور رومی شاعریوں کا ناماز رکھتی ہیں۔ اُس عہد کے شاعر بیشتر شعرائے یونان اور روم کے منتجع نظر آتے ہیں تمام اقوامِ یورپ تجدیدِ علوم کے ساتھ شاعری کی طرف بھی متوجہ ہوتی گئیں اور شاعری کو مختلف ملکوں میں فروغ ہوتا گیا۔ اُس عہد کے شعرا میں کوئی شاعر ہو میردس یا دربل کے رتبے کا نظر نہیں آتا ہے۔

ڈینیٹی شاعر سیردہ صدی مسیحی۔ بہر حال بیانِ قابل ذکر شاعر ڈینیٹی (Dante)

سبے جو تیز صوبوں صدی مسیحی میں زندہ تھا اور واقعی نہایت ہی خلاق مضمون تھا۔ اس
 شاعر کا مولد شہر فلانس (Florence) ہے جو ملک اٹالیہ میں واقع ہے۔
 اس کے عہد میں ملک اٹالیہ کی زبان رومیان سابق کی زبان جو لٹین (Latin)
 یعنی لاطینی تھی باقی نہیں رہی تھی وہاں اس شاعر کے عہد میں زبان اٹالیہ (Italian)
 مروج ہو چکی تھی جو زبان کہ اس وقت بھی بولی جاتی ہے۔ مگر یہ شخص زبان قدیم یعنی لاطینی میں
 بھی ماہر تھا ایک بہت ممتاز شاعر ہونے کے علاوہ ڈیٹی فلینڈرس کے مدبران ملک سے
 بھی تھا اور مرد سپاہی ہونے کے باعث کسی طرح کی ملکی خدمتوں میں اُسے مجبوری
 لاحق نہ تھی اس شاعر کے نام سے دنیا کا ہر بڑھا لکھا آدمی واقف ہے۔ اُس کی قوت
 شاعری ایک نہایت اعلیٰ درجے کی ہے اور اُس کا شمار بڑے بڑے اساتذہ کے ساتھ
 ہوتا ہے۔ مجھ لاس کی تصانیف منظوم کے ایک اُس کی تصنیف ہے جس کا نام انفر نو
 (Inferno) ہے اُس کی اس تصنیف سے تمام تعلیم یافتگان یورپ و ایشیا
 اطلاع رکھتے ہیں۔ اس فنوی میں ڈیٹی نے جہنم کے معاملات نہایت شاعرانہ پیرائے
 میں حوالہ قلم کیے ہیں۔ ڈیٹی کی تصنیف اُس کی بڑی قوت تخیل سے خبر دیتی ہے۔
 یورپ کی قدیم شاعریوں کو لکھ کر ظاہر مناسب تھا کہ راقم اُس بڑے عظیم کی جدید
 شاعریوں کو حوالہ قلم کرنا شروع کرتا اس سبب سے اس وقت جو وہاں کی تین سو برس
 کے اندر کی شاعریاں ہیں وہ تمام تریونان دروم کی شاعریوں کا رنگ رکھتی ہیں اختلاف
 جو کچھ ہے وہ مذاق شاعری کا اختلاف نہیں ہے صرف اسباب شاعری کا اختلاف ہے
 اسباب اختلاف مذہب و معاشرت و تمدن وغیرہ واقع ہوئے ہیں نفس شاعری
 میں کوئی اختلاف نہیں پڑا ہے۔ مثلاً مومیروس اور دوجل کے عہد میں رزمی اشعار میں

ورتاؤں وغیرہ کا ذکر دیکھا جاتا ہے اب اُس کی جگہ مسیح اور ملائکہ وغیرہ کا بیان قائم ہوتا
 گیا ہے اسی پر اور باتوں کو بھی قیاس کرنا چاہیے بالخصوص یورپ کی قدیم اور جدید شاعریوں
 میں بنفسہ اختلاف مذاق نہیں ہے اور اگر اس وجہ سے یورپ کی جدید شاعریوں کا بیان
 ان قدیم شاعریوں کے بعد احاطہ تحریر میں در آتا تو سلسلہ بیان پورے طور پر قائم رہتا مگر
 چونکہ اہل عرب کو رومیوں کے بعد ہی فزوغ حاصل ہوا۔ اس واسطے مناسب معلوم ہوا کہ
 ہندوستان سے جانب مغرب میں مثنوی بر آوردہ قرین گزرتی گئی ہیں ان کا ذکر زمانے کے
 التزام کے ساتھ درج کیا جائے اس واسطے رومی شاعری کے بعد اہل عرب کی
 شاعری کا بیان حوالہء علم کیا جاتا ہے اور اس کے بعد اہل فارس کی شاعری کا بیان عرض
 کیا جائے گا۔ اہل فارس کی شاعری کے ساتھ اردو کی شاعری کی حقیقت بھی تحریر ہوئی
 اس واسطے کہ فارسی اور اردو کی شاعریاں مذاق شاعری کے اعتبار سے محض شے واحد
 ہیں خیالات دونوں کے ہم رنگ و ہم انداز ہیں صرف دو زبان کا فرق ہے ورنہ حقیقت
 دونوں ایک ہیں۔ بعد ان بیانات کے یورپ جدید کی شاعریوں کا سلسلہ بیان شروع
 ہو گا۔ اور اس میں بیشتر انگریزی شعرا کے انداز کلام سے خبر دی جائے گی۔ اس کے بعد
 سنسکرت کی شاعری سے بحث کی جائے گی اور اُس کے ذیل میں حتی الامکان بعض اشیاں
 جو شاعریاں ہیں بیان ہوں گی۔ اسی کے شمول میں کبیت، دہرے اور گیتوں کے مذکور
 آئیں گے آخر میں چین و جاپان و برہما کی شاعریوں کے مختصر احوال رقم ہوں گے۔
 انہیں بیانات کے اندر نظم و نثر کے متعلق جو ضروری امور ہوں گے اندراج پائیں گے۔
 حضرات ناظرین سے التجا ہے کہ نفیر کی خطاؤں سے درگزر کر کے اُسے دعائے خیر کے
 ساتھ یاد فرمائیں گے

ہر چند نیم لائق بخشائیش تو بر من منکر بر کم خویش نگر

اہل عرب کی شاعری

دافع ہو کہ عرب کا ملک فطرتی اسباب اور معاملات کے رو سے یونان و روم
بلکہ تمام اُن دیار اور احوال سے جہاں شاعری کو فروغ ہوا ہے ایک علیحدہ انداز رکھتا
ہے یہ امر بدیہی ہے کہ کسی ملک کی شاعری کے حسن و قبح پر کوئی شخص اطلاع پاسکتا ہے
جب تک اُسے اُس ملک کے تقاضائے فطرت اور معاملات نہ پہنچیں۔ اخلاق تند
و معاشرت وغیرہ سے اطلاع کی شکل حاصل نہ ہوے پس قبل اس کے کہ راقم اہل
عرب کی شاعری کی کیفیتوں کو بیان کرے ضرور ہے کہ کچھ خود ملک عرب اور اہل عرب
کے اُن حالات کو جو امور بالا سے تعلق رکھتے ہیں عرض کرے تاکہ وہ حضرات جو اُن سے
واقفیت نہیں رکھتے ہیں واقف ہو جائیں اور اس واقفیت کے ذریعے سے عرب کی
شاعری کے انداز کو سمجھ سکیں نخر بر ذیل سے کسی قدر امور بالا کا اظہار متصور ہے
ملک عرب اور عرب کے صوبے
عرب بڑا عظیم ایشیا کا ایک وسیع ملک ہے اس کی شکل
ناہموار طور پر مستطیل ہے اور اس کا زیادہ حصہ بحور سے
محاط ہے اسی لیے اسے جزیرہ نما کہتے ہیں یہ ملک
بڑا عظیم ایشیا کے مغربی حصے میں واقع ہے اور اس کے ارد گرد کے ملک فارس
عراق عرب اور شام ہیں۔ مگر جو بڑا عظیم فریقہ کا ایک مشہور ملک ہے۔ بہت قریب
اُس کی جانب مغرب میں واقع ہے ان دونوں ملکوں کو پھر چھوڑنے ایک دوسرے

سے جدا کر دیا ہے اور اگر یہ چھوٹا سا سمندر درمیان میں لاحق نہ ہوتا تو ان دونوں ملکوں کی زمین ایک دوسرے کی محاس ہوتی۔ جانتا چاہیے کہ اہل یورپ ملک عرب کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک حصہ جزیرہ اور شاداب ہے اُسے عربیا فلکس (Arabia Felix) یعنی عرب آباد۔ دوسرے حصے کو جو کہ ہستانی ہے عربیا پیریا (Arabia Petraea) یعنی عرب حیاالی۔ اور تیسرے حصے کو جو ریتلا ہے عربیا ڈزنا (Arabia Deserta) یعنی عرب رگستانی کہتے ہیں۔ خود اہل عرب اس ملک کو ان ناموں پر تقسیم نہیں کرتے ہیں۔ اُن کی تقسیم کے رو سے ان حصوں کا نام بہ ترتیب بالائین حجاز اور نجد ہے۔

کیفیت ملک عرب ملک عرب عام طور سے آباد شاداب نہیں ہے بہت حصے اس کے رگستانی ہیں۔ حیاال بھی بہت میں ایک سلسلہ کو ہی بھیرے

احمر سے مکہ معظمہ کے قریب ہوتا ہوا بحیرہ فارس تک چلا گیا ہے۔ علاوہ اس سلسلے کے ایک سلسلہ اور بھی ہے جو آبنائے باب المندرب سے بحیرہ عقابہ تک جنوباً و شمالاً مغربی ساحل عرب کے تمام طول ہو کر گزرا ہے۔ اسی بحیرہ عقابہ کے قریب میں طوسین واقع ہے۔ جس کا ذکر کتب سماویہ میں آتا گیا ہے یہ وہی پہاڑ ہے جس کو ہمارے ویسی شعرا بیشتر مغزولوں میں ماندھا کرتے ہیں یہ پہاڑ خاکنائے سویز کے حجاز میں ہے اور دریائے احمر سے بہت دور نہیں ہے زرخیز اور شاداب خطے صرف یمن، جعفر موت عمان اور لحصہ میں علاوہ ان کے ساحلوں کے کنارے بھی شاداب ٹکڑے پائے جاتے ہیں ایسی جگہوں میں اشجار حسب مراد نشوونما پاتے ہیں اور آثار بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ملک عرب میں کوئی ایسا دریا نہیں ہے جس میں کشتی چل سکے۔ کہیں کہیں چھوٹے

چھوٹے چشمتے ہیں وہ بھی فصل گرما میں خشک ہو جاتے ہیں۔ جھیلیں بھی کہیں نہیں ہیں جنگل بھی
 جیسے کہ ہندوستان یا فارس میں موجود ہیں نہیں پائے جاتے۔ بارش بعض حصوں میں تمام سال
 میں ایک بار بھی نہیں ہوتی جانوران صحرائی بھی صرف چند اقسام کے ہیں۔ گرگ، شغال، پلنگ
 و کفتار صحراؤں میں دیکھے جاتے ہیں اور پہاڑوں میں ایک قسم کی بکریاں ہوتی ہیں جن کو اہل
 عرب شکار کرتے ہیں علاوہ ان کے دو چار قسم کے آہو بھی پائے جاتے ہیں جو اس ملک کے
 شلاب حصوں میں رہتے ہیں ان اقسام آہوان کے ایک قسم ہوتی ہے جس کی نافر میں مشک
 ہوتا ہے۔ اسے اہل عرب طیباء المسک کہتے ہیں۔ پروردہ جانوروں میں گامے، بیل،
 دیتے، گھوڑے اور اونٹ ہیں یہ آخر کے دونوں جانور اس ملک کے شترہ آفاق ہیں
 جیسے گھوڑے اس ملک میں ہوتے ہیں روئے زمین پر کہیں نہیں ہوتے مگر اہل عرب کے
 بیلے بکار آمد ترین جانور اونٹ ہے طیسور میں عقاب، باز، گدھ وغیرہ اکثر دیکھے جاتے
 ہیں اور تیز، کبوتر، مرغ وغیرہ بھی آباد حصوں میں بکثرت دستیاب ہوتے ہیں۔ مزاج اس
 ملک کا عاریا بس ہے مگر جہاں کو ہی مقامات ہیں وہاں کی آب و ہوا معتدل المزاج ہے
 صحراؤں میں ایسی لاجلیتی ہے کہ آدمی کا ہلاک ہو جانا کوئی دشوار امر نہیں ہے۔ ایک ہوا چلتی
 ہے جسے بادِ موم کہتے ہیں یہ غضب کی ہوا ہوتی ہے کہ کاروان کے کاروان کو بد حال
 کر ڈالتی ہے اس ہوا کے ساتھ ریت اس قدر اڑتی ہے کہ آدمی اور حیوان اس میں چھپ
 جاتے ہیں اور سخت ایذا میں اٹھاتے ہیں۔ پیداوار ملک کی کھجور، شہد، گیتوں، جو، نمبلہ
 نیل، قنود، قند، تمر ہندی، اقسام مصالح صیغ عربی مصطلکی رومی مایران، انار، انور
 کشش، زربوز وغیرہ وغیرہ ہیں چند قسم کی معدنی اشیا بھی دستیاب ہوتی ہیں مگر ابھی تک
 ملک عرب کی معدنیات کی تحقیق کافی طور پر نہیں ہوئی ہے۔

اہل عرب کا اہل عرب قامت اور جتنے کے روسے اور سٹو بیچے کے لوگ ہوتے
 بیان ہیں اکثر ان میں میانہ قد اور لاغر اندام دکھائی دیتے ہیں رنگ ان کا
 مائل بہ نیرگی ہوتا ہے گلن کی عورتیں صاف رنگ اور خوش رو ہوتی ہیں۔ ان کے گزران کا
 طور بہت سادہ ہے لباس اور غذا کا طور سادگی سے خالی نہیں ہوتا الا شہر واسے عرب
 جو خوش لباسی اور خوش غذائی کو محبوب رکھتے ہیں عموماً اہل عرب کی غذا شیر شتر ہے۔
 شتر کا گوشت کمتر استعمال میں لاتے ہیں الا شہروں میں کہ جہاں شتر یا دوسرے کا گوشت کثیر
 سے بیتر آتا ہے۔ برویان عرب خمار پخت، موش، سوسمار، ٹی، نیول وغیرہ سے
 کھاتے ہیں اسی کیفیت خواری کی وجہ سے ایرانیوں نے جب معلوم کیا کہ اہل عرب ان کے
 ملک کے خواہاں ہیں تو حقارت کی راہ سے کہا تھا کہ اسی منہ سے ملک ایران کی تمنا
 رکھتے ہیں۔ چنانچہ صاحب شاہنامہ لکھتے ہیں

ز شیر شتر خوردن و سوسمار عرب را بجائے رسیدت کار
 کہ ملک عجم را کنسند آزد تَقْوَر تو اے چرخ گردان تَقْوَر

سوا شہر ہیل اور قصبائیوں کے بیشتر قبائل عرب خیموں میں اوقات کرتے ہیں
 اور اپنے گلوں کو چراتے ہوئے صحراؤں میں جہاں جہاں چری کے سامان بیتر آسکتے ہیں
 پھر کرتے ہیں یہ لوگ پورے خانہ بدوش ہیں۔ تقاضائے ضرورت سے ایک جگہ بوجوہ باش
 اختیار نہیں کر سکتے یہ صحرائی عرب تقوڑے میں اوقات کر لینا جانتے ہیں ان کی غذا لباس
 اور طریقہ معاشرت سے تمام تر سادگی عیاں ہے ان کا تمدن بھی دنیا کے تمدن سے علمد
 انداز کتنا ہے قبیلے قبیلے کا شیخ ہی ان کا بادشاہ یا حاکم ہے ان کو شائستہ اقوام دنیا کے
 معاملات تمدن سے کوئی علاقہ نہیں یہ لوگ یورپ کی پالیسیوں سے نہ خبر نہ کوئی سروکار

دکھتے ہیں ان کے کانوں تک بسمارک (Bismark) اور گلیڈسٹن (Gladstone) کے نام تک نہیں پہنچے ہیں خصائل کے رو سے یہ باوقار نینان عرب جنگجو، مہمان نواز، کیتہ اور اورنگ دل ہوتے ہیں ان کی اوقات گزارا کا ذریعہ لوٹ مار ہے آج تک بھی سفر حجاز ان بدویوں کے باعث سے محظور ہو رہا ہے۔
 حم و پیش و حرامی و رپس سعدی علیہ الرحمۃ کا ایسا قول ہے کہ جس سے ہزار کعبہ خوب مطلع ہے بعثت آنحضرت صلعم کے پہلے ان مردمان صحرائی کے جو انرا زتھے وہ اب بھی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان وحشیوں کو کوئی روحی فائدہ اسلام سے نہ ہوا یہ لوگ جیسے ایام جاہلیت میں تھے ویسے آج بھی ہیں۔

گر نہ بنید بروز شہرہ چشم
 چشمہ آفتاب را چرگناہ

یہ بہت تعجب انگیز امر ہے کہ اسلام کی بدولت فارس، ہندوستان، پاکستان، عراق عرب، شام، مصر، روم اور بظرف انصاف دیکھیے تو تمام یورپ نے فائدہ علمی اٹھایا مگر بدویان عرب کی جمالت اپنی حالت پر رہی خیر اگر اسلام کا اثر ان بدویوں پر نہ ہوا تو نہ ہوا۔
 اس دین پاک نے شہری اور قصبائی عربوں میں ایک انقلاب عظیم پیدا کیا اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم کی بعثت کے پہلے ان عربوں کے تمدنی اخلاق اور مذہبی معاملات نہایت اصلاح طلب ہو رہے تھے مگر مقبوطے عرصے میں اسلام نے انہیں دوسری قوم بنا ڈالا مذہب ان کا بزرگین شرک و کفر کا نمونہ ہو رہا تھا۔ یہوں کا شمار ایسا نہ تھا کہ کوئی شخص ان کو انگلیوں پر لے کر تباہے سکنا خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت سال کے ہر روز کے حساب سے موجود تھے۔ مشہور بتوں سے لات، عرا، اہیل، صفا، نائلہ، منا تھے۔ آفتاب ماہتاب کو اکب سب کی پرستش ہوتی تھی۔ بتوں پر

جازر چڑھائے جاتے تھے۔ آدمی کی قربانی بھی کوئی تکلف خیز بات نہ تھی۔ ہمدانے و آمد
 کی کوئی پرستش نہیں کرتا تھا۔ تمدنی حالت یہ تھی کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا دشمن تھا پس
 میں بے دھڑک تلواریں چلا کرتی تھیں۔ عام قانون کوئی نہ تھا۔ قانون وہی سمجھا جاتا تھا
 جو کسی شخص یا کسی قبیلہ زبردست کی رائے ہوئی تھی۔ اخلاقی معاملات کو کیا کوئی بنائے
 کہ کیا تھے کوئی گناہ یا بد اطوری رو سے زمین پر نہیں ہے جس کے مرتکب ایام جاہلیت
 کے عرب نہ ہوتے تھے۔ شراب خواری، قمار بازی، خمر زیزی، زنا کاری، غارتگری،
 و خسرگشی مروج عام تھی ان کے ہر روز کا مشغلہ از کتاب معاصی تھا۔ الفرض ان کے جو فعال
 تھے اخلاقی، تمدنی اور مذہبی نقصانات سے پاک نہ تھے اور سراسر اصلاح طلب ہو رہے
 تھے۔ جانتا چاہیے کہ وقت ظہور اسلام عرب میں تین مذہب جاری تھے ایک تو مذہب
 کفار عرب کا تھا جس کا مذکور بالا میں آچکا ہے یہ مذہب بدترین مشرکانہ انداز رکھتا تھا اس
 میں دین ابراہیم علیہ السلام کا کچھ بھی اثر پایا نہیں جاتا تھا دوسرا مذہب عیسائی تھا جو نقصان
 تثلیث کے علاوہ تمام تہہ پیرائیہ شرک رکھتا تھا۔ تیسرا مذہب موسوی تھا جو دولت نجد
 کو گم کر کے ہر دو مذہب بالائی طرح خراب ہو رہا تھا مذہبی خرابیوں کے علاوہ ان تینوں
 مذاہب کے پیرو کیساں طور پر معاملات اخلاقی میں پسا ہو رہے تھے مگر صدی ہفتہ میں
 جو اسلام نے ظہور فرمایا تو عرب میں ایک انقلاب عظیم برپا ہوا۔ بانی اسلام صلعم نے
 بت پرستی کو جو تمام معصیت کی جڑ تھی سے جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ شرک کی جگہ توحید سکھائی
 شراب خوری، قمار بازی، زنا کاری، خمر زیزی، غارتگری، خسرگشی کا استیصال کر ڈالا مختلف
 قبائل عرب میں اسشتی کے انداز پیدا کر دیے ان میں مواخات قائم کی معصیت کے آداب
 تہائے تجارت کے رہنے دکھائے حتیٰ و راجح کی تمیز دلائی و نیاکے ساتھ عاقبت کی راہ

سجھائی۔ غرض وہی اہل عرب جو مذہبی، تمدنی اور اخلاقی نقصانات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ صاف ستھرے ہو کر ایک پاکیزہ قوم ہو گئے۔ اہم کی رانست میں ایسے برے وقت میں اسلام کا ظہور اسلام کے بحق ہونے کی ایک قوی دلیل معلوم ہوتا ہے۔

عرب کی شاعری قبل و بعد بعثت صلعم
 واضح ہو کہ مذہبی، تمدنی اور اخلاقی انقلاب کے ساتھ ہر قوم کے لٹریچر میں بھی ایک انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ ارباب واقفیت سے پرشیدہ نہیں ہے کہ بعثت آنحضرت صلعم کے پہلے

اہل عرب کا لٹریچر کچھ بھی نہ تھا۔ ان کے لٹریچر کا دائرہ شعر گوئی سے باہر نہ تھا اور ان کی شعر گوئی بھی ایک محدود انداز کی تھی مگر ظہور اسلام کے بعد بتدریج عربی کا لٹریچر ترقی کر کے ایک اعلیٰ درجے کو پہنچ گیا اس وقت جو کتابیں صرف و نحو بلاغت، عروض، تاریخ و سیر وغیرہ کی موجود ہیں۔ اہل عرب کی ترقی لٹریچر پر گواہ ہیں شاعری نے بھی پر بدلا گو عرب کی شاعری کبھی اس درجے کو نہیں پہنچ سکی جس نے ہجرت پر ہو میر و اس، و ریل، فردوسی، ملن، بالملی، بیاس، میرانیس، شیکسپیر، گوٹا یا کاپلہ اس کی شاعریاں دیکھی جاتی ہیں اس پر بھی اسلام نے عربی شاعری کے مذاق کی ایک معنی کر کے بڑی اصلاح کر دی۔

اور وہ یہ کہ ایام جاہلیت میں شعرا جو مضامین فسق و فجور کو بے باکانہ طور پر باندھا کرتے تھے اور اپنی بے حیائیوں پر فخر و مبالغہ کیا کرتے تھے یہ بدترینی عمداً اسلام میں ایک قلم مفقود ہو گئی اور لکھن مفقود نہیں ہوئی تو وہ اسلام کے رد سے ممنوع سمجھی جانے لگی لادریب اسلامی شاعری نے تہذیبی پایہ اختیار کیا بلکہ اخلاقی راہ اس مضبوطی سے اختیار کی کہ اس کی نظیر کمتر اور کسی ملک کی شاعری میں دیکھی جاتی ہے چنانچہ کلام امیر المومنین کا ایسا اخلاقی پیرایہ ہے کہ اس کی جمعیت ہر ملک کے اخلاق آموز کے لیے فرد معلوم ہوتی ہے

چنانچہ سعدی علیہ الرحمۃ جو ایک بڑے ولی اللہ اور اخلاق آموگزر سے ہیں بہت کچھ
خرمن مضافین مرقنوی کے خوشہ چین نظر آتے ہیں بہر حال اب حفرات ناظرین تحریر
ذیل پر توجہ فرمائیں جس سے مختصر طور پر اہل عرب کی قبل و بعد بعثت کی شاعریوں کے
انداز ظاہر ہوں گے۔

یہ امر یاد بھی ہے کہ عرب تقاضائے فطرت سے ایسا تنگ نہیں ہے کہ جو شاعری
کے واسطے مخلوق ہو اور اس کو شام، فارس، ہندوستان، مصر، روم، یونان، ایتالیہ
وغیرہ کی فطرتی خوبیاں نصیب نہیں ہوتی ہیں۔ جیسی جیسی خوش سوادیاں و اسباب العطا اپنے
ان ملکوں کو بخشی ہیں ان کا ہشتہ حصہ بھی اس ملک کو تقویض نہیں فرمایا ہے اگر ان ملکوں میں
جائے تو یہ معلوم ہو گا کہ فطرت نے بہت زیادہ توجہ کے ساتھ اپنی بخششیں ان کے حال
پر مبذول رکھی ہیں ان ملکوں کو سبزہ گل سے آراستہ کیا ہے شادابی کے لیے کثرت سے
چشمے بلکہ بڑے بڑے دریا ہر طرف بہائے ہیں۔ پہاڑوں کو اشجار و اثمار سے زینت دی
ہے جنگلوں کو قبائے سبز سے مخلع کیا ہے۔ میدانوں کو فرش زمر دین بنا رکھا ہے بڑی
بڑی جمیل باہر آستان سے میدانی اور کوہی مقامات کو تازگی بخشی ہے طرح طرح کے مرغان
نراسخ پیدا کیے ہیں اور اسی طرح کی ہزاروں نعمتیں ہیں جن سے ان ملکوں کو حجت کا نور نہ
گرد کھلا یا ہے۔ برخلاف اس کے اگر ملک عرب میں اس کی ایک حد سے دوسری حد
تک چلے جائے تو سوا بڑے بڑے صحرائے رگستانی پتھریلے ٹیلوں کے جلمے جلمے
پہاڑوں کے بیشتر کچھ نظر آئے گا میاں کوئی جمیل یک کو مو (Laide Como)
کی کیفیت کی دکھائی نہ دے گی کوئی پہاڑ دار جنگ ہمنوری، شملہ، نمینی تال کے
رنگ کا نظر سے نہ گزرے گا۔ کوئی دریا ڈرنوب، نیل، فرات، دجلہ، جیحون، سیحون

ارس، گنگا، جمن، سون کی حیثیت کا نہ پایا جائے گا۔ اس ملک میں نہ کوئی میدان یا کوہ یا رین
 و کشمیر کی طرح پُر از لالہ و نافرمان ہے نہ یہاں بلبل، قمری، فاختر، طوطی، شاما، کوئل، پیرا
 بھنگراج وغیرہ کی صدائے دلکش کانوں میں آتی ہے مختصر یہ ہے کہ ملک عرب اپنی ^{حیثیت}
 کے روسے ایسا ملک نہیں ہے کہ شاعری کے واسطے مخلوق ہو، اور لاریب یہاں شاعری
 کو میدان وسیع حاصل نہیں ہے پس ضرور ہے کہ ایسے ملک کی شاعری محدود و صمدت ہو
 چنانچہ اہل عرب کی شاعری جو ایام جاہلیت کی ہے ایسی ہی ہے تمام ان شعرائے عرب
 کے خیالات ایک تنگ دائرے کے اندر واقع نظر آتے ہیں ان کے تمام شاعرانہ خیالات
 کا خلاصہ یہ ہے کہ شاعر یا اپنی معشوقہ کے حسن و جمال کا ذکر کرتا ہے یا اپنے معشوق ^{معشوقہ}
 کی کیفیت کو بیان کرتا ہے یا شراب کی خوبی اور سئے کشی کے لطف کو حوالہ قلم کرتا ہے۔
 ایسے ایسے مضامین کے علاوہ یا اپنی ذاتی شجاعت یا قومی بہادری کا اظہار کرتا ہے۔ یا
 اپنے کسی مطبوع گھوڑے یا اونٹ کو یاد کرتا ہے انھیں اقسام کے مضامین کے ساتھ
 ٹیلے، ریگستان صحرا وغیرہ کے متعلق کی باتیں موزوں کرتا ہے لیکن واضح رہے کہ ہر چند
 قبل بعثت آنحضرت صلعم کی شاعری عرب کا دائرہ محدود نظر آتا ہے۔ تاہم شعرائے
 ایام جاہلیت کے کلام بہت فطری انداز رکھتے ہیں اور مجرور اس تبعیت فطرت کی بدولت
 بہت کچھ قابل توجہ میں زبان عربی برائے خود بہت کچھ وسعت بیان رکھتی ہے اور جب
 اس کا استعمال تبعیت فطرت کے ساتھ کیا جاتا ہے تو اس کی وسعت لسانی بہت خوبیاں
 پیدا کرتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ وسعت زبان اور تبعیت فطرت کی بدولت یہ شعرائے
 عرب اپنی شاعری کے محدود دائرے میں بہت کچھ لطف مضامین دکھلاتے ہیں ان کی
 شاعری کے پر لطف ہونے کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اہل عرب مزاج

گرم رکھتے ہیں جو زور اور شاعری کے لیے ایک امر ضروری ہے ان شعرائے عرب کے
 کلام سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنی معشوقہ کی تعریف کرتے ہیں یا اپنے عشق کو
 بیان کرتے ہیں یا اپنی شجاعت ذاتی یا قومی کا ذکر کرتے ہیں یا اسی طرح جو کچھ موزوں
 کرتے ہیں اُسے کیفیت قلبی کے ساتھ حوالہ عظیم کرتے ہیں تصنع یا کمزوری دل کو اُن کے
 کلام میں دخل نہیں معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ سب سے معلقہ وغیرہ کی شاعری ہی انما زور رکھتی ہے
 واضح ہو کہ قبل بعثت کی شاعری کا یہی انما زور دیکھا جاتا ہے جیسا کہ بالا میں عرض ہوا
 مگر بعد بعثت شاعری کا وہ سراسر نقشہ بن رہا تھا کہ اسلام کے بعد اہل عرب کو اقوام مختلفہ سے
 سابقے کی شکل پیدا ہوئی۔ مسلمانوں کی سلطنتیں مختلف ملکوں میں پھیلیں جس کے سبب سے
 عرب کی شاعری میں تین انقلاب نمایاں ہونے لگے۔ عہد نبوی امیہ سے مذاق عجم اہل
 عرب کی شاعری میں داخل ہونا شروع ہوا۔ اور عہد نبوی عباس میں تو عرب کی شاعری اچھی
 طرح سے عجمی شاعری ہو گئی زبان تک بدل گئی وہ بے ساختگی وہ بے تکلفی وہ سادگی
 وہ تبعیت فطرت جو ایام جاہلیت کے شعرا کو حاصل تھی زحمت ہو گئی۔ جس خلوص جس
 جوش جس گداز سے شعرائے قبل بعثت شعر کہتے تھے وہ باتیں مفقود ہو گئیں۔ سلطنت
 کے تقاضے سے درباری شعرا پیدا ہوتے گئے شاعری ذریعہ ذوق سمجھی جانے لگی شعرا
 نے مدح گوئی کا پیشہ اختیار کیا۔ اس عہد میں جو دکھلا اور برسرِ سرگماتے ہیں اس کا ذوق چند شعرا
 کہنے لگے ایک ایک شعر پر لاکھ لاکھ روپے پانے لگے۔ تجارت نے لوندیل کو شعر گوئی
 سکھلائی اور خلفا اور اُمراء سے ہزاروں ہزار پیدا کیے غرض کہ یہ تقاضائے وقت سے
 شاعری جو ایک امر روحانی ہے حکم مزخرفات میں درآمدی اُن زمانوں کے شعرا کے کلام
 سے صاف نمایاں ہے کہ اُن کی شاعری جبارین وقت کے آگے دست سوال دراز کیے

ہوئے ہے ان درباری شعرا کی کوئی حد نہیں معلوم ہوتی ہے ہر نامی خلیفہ کے وقت میں
 ان اجرت طلب شعرا کی یہ کثرت تھی کہ ان کے ناموں کو یاد رکھنے کے واسطے ایک نہایت
 قوی حافظہ درکار ہے بہر حال ان کے کلام سے کیساں بوسے زبردستی ہے اور یہ ایسا امر قبیح
 ہے کہ سچی شاعری کے بہت منافی ہے بالمشخص بعد بعثت شاعری عرب نے ایک
 بڑا انقلاب پیدا کیا مگر بد قسمت راقم اس انقلاب سے نفس شاعری کو کوئی فائدہ نہ ہوا
 بلکہ اہل عرب کے فطرتی مذاق میں ایک نقصان عظیم لاحق ہو گیا۔ اہل اطلاع سے پوشیدہ
 نہیں ہے کہ شاعری کو روحانیت سے تمام تر تعلق ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سچی شاعری
 خلوص جوش سوز و گداز سے عبارت ہے۔ پس جہاں زرا اندوزی، شکم پروری اور ہوسناکی
 کو دخل ہوا وہاں پھر سچی شاعری کہاں۔ ان خلفائے عرب کے زمانوں کی شاعریاں بیشتر
 ایسی ہیں کہ ان کو شاعری سے کوئی علائقہ نہیں ہے اس طرح کی مبنی شاعریاں ہیں دراصل
 طومار بد مذاقی ہیں افسوس ہے کہ اہل عرب نے اپنے عمدہ حکومت میں باوجود ہر طرح کی
 علمی ترقیوں کے شاعری میں کوئی سچی ترقی نہیں کی عوامانہ کی کالٹ پرچھہمت ترقی کر گیا اور
 شعر گوئی کا طوفان بھی ایک قدرت دراز تک پار ہا مگر نفس شاعری کو کوئی ترقی نہیں ہوئی
 بلکہ جیب تک ان کی سلطنتیں قائم رہیں شاعری زوروں کے ساتھ مبتلا سے بد مذاق رہی
 اگر خلفائے عرب نحو ش مذاق ہوتے تو شاعری کو درجہ ابتذال کو نہیں پہنچا دیتے۔ ایسی
 صورت میں نہ درباری شاعروں کی کثرت ہوتی اور نہ احاطہ فارسی کی شاعری کا اس قدر محروم رہ جاتا
 اگر عربی شاعری کے احاطے پر نظر ڈالیے تو اس کا احاطہ فارسی کی شاعری سے بھی زیادہ
 محدود دکھائی دیتا ہے۔ اہل عرب کی شاعری قصائد و قطعات و رباعیات میں محدود
 معلوم ہوتی ہے۔ زبان عربی میں ایک کتاب بھی بشکل فنی جیسے شاہنامہ، سکندر نامہ

یوسف زلیخا وغیرہ میں نظر نہیں آتی ہے نہ اہل عرب میں غزل کوئی کما مذاق دیکھا جاتا ہے کوئی عرب کا شاعر سعدی، حافظ، جامی وغیرہ کا جواب نہیں معلوم ہوتا واقعی عرب کی شاعری کا دائرہ بہت تنگ ہے اور زیادہ افسوس اس سبب سے بڑا ہے کہ اپنے عمیر حکومت میں اہل عرب کو دائرہ شاعری کے وسیع کرنے کا موقع کامل طور پر حاصل تھا جس طرح اہل عرب مختلف علوم کو زبان یونانی سے اپنی زبان میں لے آئے اگر اہل زبان کے مذاق شاعری کو بھی اپنی طرف منتقل کر لیتے تو فنون نگاری اور ڈراما نگاری عربی شاعری میں داخل ہو جاتی اگر کاش یہ مذاق آجاتا تو عرب کی شاعری زبان، رسم، انگلستان اور سنسکرت کی شاعری کے ہم پل ہو جاتی عجیب ہے کہ اس طرف خلفائے عرب نے توجہ مبذول نہیں کی اور شاعری کو اپنی مدحت سرائی کے واسطے مخصوص جانا لاریب عمیر خلفائے دمشق و بغداد کی شاعری نمونہ بد مذاقی ہے۔ اسی عمیر کی شاعری کا اثر ہے جو فارسی اور اردو کی شاعری کو بھی گھیرے ہوئے ہے اور دونوں زبانوں کی شاعریوں کی بد مذاقی کا سبب واقع ہوا ہے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ہر ملک کی سچی شاعری کو قرب سلطانی سے فریب چنچا ہے بہت سے طباع جو شاعری کا مذاق صحیح رکھتے تھے۔ دیباری شاعر ہو کر خراب ہوتے گئے ہیں۔ انگلستان میں بھی آج تک ایک شخص دیباری شاعر ہوا کرتا ہے اس کا کام یہ ہے کہ جب کوئی خوشی کی تقریب خاندان شاہی میں ہوتی مبارک باد لکھے اور جب صلات اس کے کوئی امر ظہور میں آئے تو مرثیہ لکھے یہ خدمت انگلستان کے عمیر جہالت کو زیادہ دلاتی ہے۔ ایک زمانہ انگلستان کا بھی ایسا تھا کہ اس طرح کے دیباری شعرا کثیر الوجود تھے اب تحقیق پر روشن ہے کہ سچا شاعر قرب سلطانی کا جو یا ہو نہیں سکتا یہ کام نا شاعر کا ہے کہ سلطین اور امرا کی جوتیاں جھاڑتا پھرے۔ یہ شیوہ سعدی و حافظ نے کبھی اختیار

نہیں کیا اور بعض سچے شاعروں میں سے مثلاً فردوسی اور لارڈ ٹینیسن (Lord Tennyson) وغیرہ نے اختیار کیا بھی تو شکل مجبوری اختیار کیا مگر اس تقرب سلطانی پر بھی جاہ طلبی سے دور رہے اور اپنے فن کی شرافت اور عظمت کے آگے دنیا کے مال و منال کو لاشیٰ سمجھتے رہے الغرض تقرب سلطانی کا برا اثر سچی شاعری پر پڑتا ہے بہت سے عمدہ شاعر گزرے ہیں کہ اگر ان کو تقرب سلطانی حاصل نہ ہوتا تو ان کی صحت مذاق میں خلل واقع نہیں ہوتا اس کی مثال منتہی ہے کہ جو واقعی بہت بڑا طباع شخص ہے مگر اس کا کام ہی ہے کہ سیف الدولہ کا فورو وغیرہ کی مد میں لکھا کرے یہ امر بدیہی ہے کہ جو ریٹ کے لیے اہل حکومت کی مدح کیا کرے اُس میں آزادی، راستی، خلوص گداز کی صفیں کیز نہ لگتی رہ سکتی ہیں ایسا شخص اگرچہ کیسا ہی شریف مزاج طبیعت دار خوش مذاق صاحب حیا اور درست باطن ہو تو بھی اس طرح کا ذلیل پیشہ اختیار کرنے سے آخر کئے کا ٹوہ جو لگے گا۔ راقم کو منتہی کی قسمت پر بہت افسوس آتا ہے کہ ایسے صاحب ذہن و ذکا کو تقدیر نے ایسی ذلیل خدمت سپرد کر دی یہ بے چارہ ہمیشہ مدح گوئی کیا کرتا تھا اور جب مدح سرائی میں کچھ کمی کرتا تو مورد عتاب ہوتا تھا چنانچہ سیف الدولہ کے رفع آزدگی کے لیے جس اشعار کے میں اُس کا مطلع یہ ہے۔

اَدْحٰی ذٰلِكَ الْقُرْبَ صَادِرًا وِدَادًا وَمَا رَطَوَيْلُ السَّلَامِ اِخْتِصَارًا
 کوئی شک نہیں کہ تمام اشعار بڑی ذہانت اور طبعی سے جوڑیئے ہیں۔ مگر سچے شاعر کا یہ کام نہیں کہ جو منتہی کو کرنا پڑتا تھا اگر اس کے عمدہ میں شاعری کا مذاق صحیح لکھتے تو ایسے طباع شخص سے شاعری کے عمدہ عمدہ کام لیتے اگر مجرد شاعری کی قابلیت پر لحاظ کیجیے تو منتہی سخن آفرینی اور طبعی میں کبھی ہو میروس، درجیل وغیرہ سے کم نہیں ہے

مگر افسوس یہ ہے کہ اس نے شاعری کے اعتبار سے نہ مناسب زمانہ نہ مناسب ملک
 پایا سلطنت کی بددلتی کے باعث یہ حیرت افرا شاعر بے کار عالم و جرد میں آیا بلکہ
 ہزار حریف کہ دنیا سے و برابری شاعر کا پورا نمونہ بن کر راہی ملک بقا ہوا علاوہ مثنوی کے
 ہمت سے اور بھی و برابری شعر ہیں کہ جن کا بیان عالی از طوالت نہیں ہے خلفائے بعدوا
 کے و برابراں سخن فرودشوں سے بھرے رہتے تھے کہاں تک کوئی ان کے نام لے۔
 یہ شعر اب بیشتر حصول مال و منال کے لیے شعر کہتے تھے ان لوگوں کو شاعری کے مذاق صحیح
 سے کیا علاقہ ان لوگوں نے شاعری کو ایک کثیر النفع روزگار سمجھ لیا تھا اور زرا ندوزی
 کی نظر سے شعر کہا کہ تمہ تھے بعض جب شکل منفعت نہیں دیکھتے تھے تو شاعری کو خیر یاد
 کہ کر کوئی دوسرا و معنی اختیار کرتے تھے چنانچہ کثیر سے جو لوگوں نے پوچھا کہ اب
 شعر کیوں نہیں کہتے تو اس نے جواب میں یہ کہا کہ جوانی گزر گئی غزوه مرگئی عبدالعزیز
 نہ رہا اب نہ وہ آئنگ ہے نہ دلولہ نہ کوئی امید صلہ پھر کون سی شے باقی ہے۔ جو
 مجھ سے شعر کہانے ایسا جواب سوائے ناشاعر کے اور کون دے سکتا ہے اہل انصاف
 ملاحظہ فرمائیں کہ شاعری میں جوانی و پیری کو کیا دخل ہے بلکہ شاعری تب ہی جوان ہوتی ہے
 جب شاعر پیر ہوتا ہے جوانی کے اشعار بھی اشعار ہوتے ہیں بیشتر اس عمر کے ایسے
 ہی اشعار ہوتے ہیں کہ خود شاعر معمر ہو کر ان کی اصلاح کرتا ہے یا انہیں ضائع کر ڈالتا
 ہے۔ علاوہ اس کے شاعری کو دل سے تعلق ہے۔ اور معاملات دلی و عودا قعی معاملات
 دلی ہوتے ہیں جوانی اور پیری سے بحث نہیں رکھتے یہ کیسا خیال ہے کہ جب جوانی گئی تو
 شاعری بھی خست ہو گئی سچا شاعر یا شاعری کا سچا مذاق رکھنے والا جوانی اور پیری میں کیسا
 شاعری کا دو تدار ہوتا ہے بلکہ سچی شاعری کسے ایسے تو یہ کہنا نہایت صحیح ہے کہ عمر کا اثر

اُس پر کچھ نہیں ہوتا بلکہ سچا شاعر نہ پرتا ہے اور نہ مرنے سے سدا جمان و زندہ رہتا ہے
 کس واسطے کہ شاعری کی وہ آگ جو اُس کے قلب میں خدا کی جانب سے ڈالی جاتی
 ہے اس کو نہ بڑھا ہونے دیتی ہے اور نہ مرنے دیتی ہے ۔
 ہرگز نہیں وہ آنکہ دلش زندہ شد بعشق ۔ ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما
 دودر اسبب شاعری کے ترک کا جو کثیر نے عجزہ کے مرنے کو قرار دیا یہ بھی ایک
 بے معنی امر ہے اگر کثیر سچا شاعر ہوتا تو اُس کی شاعری اس واقعہ سے اور ترقی کر جاتی اس کا
 کلام اور مزہ دار ہوجاتا مشوقہ کا مرنا پسے شاعر کے لیے نہایت مضمون خیز امر ہے اس
 حادثے سے شاعری کا ترک ہوجانا چہ معنی دار و پہلے اگر کثیر عجزہ کے عشق میں غزل سرائی کیا
 کرتا تھا تو اب اُس کے مرثیے لکھتا جیسا کہ مومن خاں دہلوی نے مرگ مشوقہ پر ایک نہایت
 پرورد مرثیہ لکھا ہے ۔ مگر یہاں یہ معلوم ہوتی ہے کہ کثیر کو عجزہ کے ساتھ ویسا ہی تعلق تھا
 جیسا کہ ہوسناؤں کو ہوا کرتا ہے ۔ تیسرا سبب یہ کہ عبدالعزیز نے رہا البتہ اجرت طلب شاعر
 کے لیے ایک امر عظیم تھا ۔ درباری شاعر کو جب یافت کی صورت باقی نہیں رہی تو پھر کیوں
 شعر گوئی کی تکلیف گوارا کرنے لگایا ۔ آخر قول کثیر کا درباری شعر کی حقیقت حال سے
 فرودیتا ہے پسے شاعر کو بادشاہ کے وجود و عدم سے کیا مطلب ۔ شاعری نہ ہونی لگائی
 ہوئی ۔ جب تک شاعر سلطان ہو اُس سے فارغ نہ ہو بیٹھے پھر شاعر کیا ہے حتیٰ یہ ہے
 کہ درباری شاعروں کا مذاق شاعری ہی نہیں جواب ہوجاتا ہے بلکہ اُن کے تمام قولے
 اخلاقیہ ماؤف ہوجاتے ہیں اور یہ خرابی مجرد شاعروں کو لاحق نہیں ہوتی گئی بلکہ تقرب
 سلطانی کی بدولت بہت سے علمائے ادب بھی درباری مزاج ہو گئے تھے ۔ ہر
 صحبت کا ایک اثر خاص ہوتا ہے دربار خلفائے نبوی امیر اور نبی عباس بیشتر ایسے

تھے جہاں خلق محمدی کا نشان و شواہی سے ملتا تھا اور دین محمدی یا ندارد تھا یا اہل غرض
کی دست اندازیوں سے بہت کچھ اپنے مرکز سے تجاوز کر گیا تھا بیشتر خلفا شراب خوار
مردم آزار، بدکار، ظلم، سرشت، خوشامد، دوست دشمن عقل نفعان کے درباری بھی
بیشتر نجوائے الناس علیٰ دین ملو کھہر اسی عقل و دین کے لوگ تھے پس ایسے
درباروں کے متعلق جو شاعر یا ادیب تھے ان سے صلاح و تقویٰ کی کیا امید کی جاسکتی تھی۔
ایسے شعرا و علماء ادب کے اخلاق جمیدہ کیونکر درست رہ سکتے تھے ان شعرا و علماء کو
خوشامد اور ظرافت سے چارہ نہ تھا اگر خلفا اور امرا کے خوش کرنے کے لیے مستعد نہ رہتے
تو روپے کیونکر ملنے اکتساب معیشت کے لیے انھیں سب کچھ کرنا پڑتا تھا پھر آپس میں بغض
و حسد کو راہ دیا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی تفضیح میں مضائقہ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ
اصمعی جو ایک مشہور ادیب ہے اور شاید اس کا جواب کم کوئی ادیب ہو گا ایک روز
ابن الرشید کے وزیر فضل بن ربیع کے پاس موجود تھا اس وقت ابو عبیدہ بھی جو اس کا
ہم پلہ ادیب سمجھا جاتا تھا وہاں حاضر تھا اصمعی نے ایک گھوڑے کے ہر عضو کی
نسبت عربی اشعار پڑھے۔ ابو عبیدہ اس طرح کی اشعار خوانی سے قاصر رہا فضل نے
وہی گھوڑا اصمعی کو دے دیا۔ اصمعی کتنا ہے کہ جب ہمیں ابو عبیدہ کو چھیڑنا منظور ہوتا
تھا تو اسی گھوڑے پر سوار ہو کر ہم ابو عبیدہ سے ملنے کو جلتے تھے۔ اس حکایت سے
صاف ہوا ہے کہ اصمعی باوجود ایک بڑے ادیب اور محقق فن ہونے کے سراپا
درباری مزاج کا آدمی ہو گیا تھا۔ اتنے بڑے شخص کا ندیم وزیر و امیر ہونا ایک چیرت انگیز
امر ہے اس پر سے طرہ یہ ہے کہ حریف کو چھیڑنے میں اس روش کو اس نے اختیار
کیا جو عوام کا لالنام کی عموماً ہٹا کرتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ درباری شاعر ہی سچی شاعر ہی سے

براصل دور ہوا کرتی ہے اور درحقیقت شاعری کا حکم نہیں رکھتی ہے۔ بہر حال اب راقم
 اس شاعری کا ذکر پیش کرتا ہے جو مذاق صحیح سے خبر دیتی ہے اور یہ وہ شاعری ہے کہ
 ہر ملک اور ہر زمانے میں قابل قدر اور قابل تعظیم ٹھہرا کرتی ہے اس کی عمدگی سے ہر قوم
 اور ہر شخص کو اعتراف ہوتا ہے اور وہ ایسے اقوال منقح سے مشتمل ہوتی ہے جس کی مقبولیت
 کبھی معرض تغلق نہیں ہوتی یہ شاعری تمام تر خصائص الہی کی نقل صحیح ہوتی ہے اور اس
 پہنچی خوشی روح کو مترسب ہوتی ہے اور اس النسخ کی بدولت قواسمے اخلاق نیز ترقی کر
 جاتے ہیں اور اخلاق ذمیرہ اعلان حمیدہ سے مبدل ہو جاتے ہیں۔ زبان عربی میں ایسی
 شاعری کی قلت نہیں دیکھی جاتی ہے گو درباری شاعری کی کثرت سے عربی شاعری بہت
 کچھ داغی ہو رہی ہے۔ بہر حال انتخابات ذیل سے عربی شاعری کے انداز ظاہر ہوں گے اور
 حضرات ناظرین ان انتخابات کو فقیر کی تحریرات بالا کے مضامین سے مطابقت پائیں گے۔

عربی شاعری واضح ہو کہ ایام جاہلیت میں بہت شعرا گزرے ہیں اس زمانے میں یہ
 کے نمونے شخص شاعر ہوتا تھا وہی تعلیم یافتہ اور محفل سبھا جاتا تھا۔ شاعری
 ہی تمام کمالات کی دلیل سمجھی جاتی تھی راقم ایام جاہلیت کے انداز شاعری کو دکھلانے
 کے لیے کچھ اشعار کتاب سبب معلقہ سے انتخاب کر کے خدمت حضرات ناظرین میں پیش
 کرتا ہے یہ کتاب سات قصائد سے مشتمل ہے اور یہ وہ قصائد ہیں جو عمد جاہلیت میں
 خانہ کعبہ میں آویزاں کئے گئے تھے۔ فصحاء عرب کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی قصیدہ
 انشا کرتے تھے تو اسی حاذ کعبہ میں اس غرض سے لٹکا دیتے تھے کہ اگر کوئی شاعر عربی
 سخن رکھتا ہو تو اس کا جواب لکھ کر یہ سات قصیدے ایسے تھے کہ جن کا جواب یا
 جاہلیت کے کسی شاعر سے نہ ہو سکا تھا چنانچہ یہ قصائد یوں ہی معلق رہے یہاں تک کہ

اسلام نے ظہور فرمایا اور فساحت و بلاغت قرآنی کے سامنے ان قصائد کا کوئی وزن باقی نہیں رہا اور تب یہ قصائد خانہ کعبہ سے دور کیے گئے۔

قَدْ أَنبَتِكَ مِنْ ذِكْرِي حَبِيبٌ مَنُزَلٌ سَبَقَ طِ اللّٰوِي بَيْنَ الدُّخُولِ فُجُومِلِ
معنی - اسے ہر وہ ہوشیاران میرے ٹھہرنا کہ ہم یا وہیں حبیب و منزل حبیب کے

جواکے رنگ زہرے پر درمیان دخول اور حومل کے واقع ہے رو لیں۔

تصیّدہ اولیٰ از ارباب واقفیت سے پرشیدہ نہیں ہے کہ ہر ملک کی شاعری امرء القیس کا ایک رنگ خاص ہوتا ہے اور اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ

ہر ملک کی افتاد ایک خاص رنگ کی ہوتی ہے ملک عرب کی شاعری خاص کر اُس عمر کی کہ جب اہل عرب کو اقوام مختلفہ سے مخالفت کی نسبت نہ پہنچی تھی اہل عرب کے طریقہ گزارا سے لپری خبر ہوتی ہے چنانچہ پھر یہ شعر اُس قوم کے ملکی انداز کو خوب دکھاتا ہے اس شعر سے

ظاہر ہوتا ہے کہ کسی ریتیل زمین پر کبھی معشوقہ شاعر کا قیام تھا یہ قیام بے وجہ نہ تھا وہ معشوقہ ایک ایسے قبیلے کی تھی کہ جو مریخی کی چری کے خیال سے اُس ملک مقیم تھا اور جب

وہاں چری کی صورت باقی نہیں رہی کسی اور طرف چلا گیا پس اپنے قبیلے کے ساتھ معشوقہ جی روانہ ہو گئی شاعر جواب اُس موضع پر پہنچا تو حبیب اور منزل حبیب کی یاد سے اُس کا

دل جہرا با اس واسطے اپنے دو ساتھیوں کو جو اُس کے ہمراہ تھے کہنے لگا کہ اسے ہمدمو ٹھہراؤ کہ ہم یہاں اٹک فتانی کر لیں اس کلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شعرا نے

عرب سے جو شہلا مزاج رکھتے تھے جو شیلے مزاج والے بیشتر شہلا مزاج ہوتے ہیں اور اٹک مزاجی پر تلے رہتے ہیں ایسے مزاج والوں کا گورا ایسی جگہوں پر جہاں اُنھوں نے

کبھی لطفہ زندگانی اٹھائے ہوں اور اب وہ جگہیں ویران و کھالی و بستی ہیں جس قدر

توحش و اندوہ اُن کے دلوں میں پیدا کرنے سبب ہے صحبت گزشتہ کو یاد کرنا ایک افرطی ہے کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جو دل رکھتا ہو اور خوشی کے وقتوں کو یاد کر کے اُدھر توجہ نہ کھینچے اس شعر سے امرؤ آفتیس کی بڑی طبیعت واری کا اظہار تصور ہے یہ شعر ایک پردہ معاملہ نقلی سے خبر دیتا ہے سامع کے لیے بھی ضرور ہے کہ دار و ات قلبیہ کے تقاضوں سے باخبر ہوتا کہ اُس کی نچرل خوبیوں کو حسب مراد رک کر کے لطف گزشتہ کے مضمون کو مرتقی صاحب نے بھی خوب باندھ لیا ہے آپ فرماتے ہیں

جہاں آگے ہماریں ہو گئی ہیں وہاں اب خازناریں ہو گئی ہیں

یہ وہ شعر ہے بہت کچھ دار و ات قلبیہ سے خبر دیتے ہیں اور توحش و اندوہ پیدا کرنے کے قوی آسے ہیں مرزا گوشہ کا قطعہ بھی اس حیکہ قابل ذکر ہے۔

اسے تازہ واردان بساط ہوائے دل ز نہار اگر تمہیں ہوس ناسے دوش ہے
 دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو میری سنجو گوشہ نصیحت یروش ہے
 ساقی بجلوہ دشمن ایمان و آگہی مطرب بہ نغمہ سزت تمکین دوش ہے
 یاشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط و اماں باغبان و کفن گل فروش ہے
 لطف خرم ساقی و ذوق صدائے چنگ یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے
 یا صبح و مچھو دیکھیے آکر تو بزم میں سنے وہ سرور و سوز نہ خوش و خوش ہے
 و اراغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بچہ خوش ہے

سبحان اللہ کیا انداز کلام ہے بلاشبہ اردو کی شاعری ایسے عذرا ت شعرا کی بدولت ایک بڑے درجے پہنچ گئی ہے یہ کلام مہجر نظام ہر ملک کے رباب کیفیت و ادب کو دہریں لاسے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ اپنے قبیہ میں امرؤ آفتیس نے صحبت

گزشتہ کے مضمون کو نہایت پسندیدگی کے ساتھ حوالہ قلم کیا ہے اور واردات قلبیہ کی کیفیتیں زور بیان سے خوب دکھلائی ہیں مگر ان امور کو کہ حضرت حضرت غالب نے بھی فقط بالابا میں بڑی دردناکی اور گراؤ کے ساتھ قلم بند فرمایا ہے اور واقعی عذرت اور صحبت گزشتہ کے مضامین ایسے ہی ہیں کہ ان کا بیان بھی ایسے ہی حضرت اقبال اور پرجوش انداز سے کیا جائے بعض حضرات ہوشیار طبیعت تھیں مگر اور کچھ ضرورت سے زیادہ غلط فہم اپنی ترکیب جمہانی میں رکھتے ہیں ان کو ایسے کلام سے کوئی لطف حاصل نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ یا واردات قلبیہ سے بالکل معز ہیں یا ان کی مرطوب مزاجی کے باعث ان پر واردات قلبیہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا خدا جانے حقیقت حال کیا ہے مگر فقیر کو بعض ایسے حضرات سے سابقہ ہوا ہے کہ جو ایسے اشعار سے کسی طرح کا حظ نہیں اٹھا سکتے چنانچہ ایک روز کی سرگزشت یہ ہے کہ فقیر حسب عادت ایک شکار گاہ میں خمیر زن تھا۔ اس شکار گاہ میں فقیر کا آنا برسوں کے بعد ہوا تھا۔ بار اول میں جو اجاب تشریف رکھتے تھے ان میں سے ایک صاحب بھی اس جلسہ شکار کے شریک نہ تھے۔ کچھ تو ان میں بغیر حیات نہ رہے تھے اور کچھ متفرق ہو کر جہاں نماں چلے گئے تھے اس وقت یہ حسرت دامگیر ہوئی کہ اے خدایہ چشمے یہ پہاڑ یہ جنگل تو جیسے پندرہ برس پہلے تھے اب بھی ویسے ہی دکھائی دیتے ہیں مگر یہ مجلس وہ نہیں ہے جو پہلے تھی۔ اس وقت یا ان وقت یاد آتے گئے اور جو جلسہ سابق میں لطف ہوتے گئے تھے دل کی آنکھ کے سامنے پھرنے لگے اس گھڑی طبیعت بھرائی اور فقیر نے شعر بالامر القیس کا پڑھا اور کچھ اردو اور فارسی اشعار بھی پڑھے اس کے بعد صحبت سابق کے متعلق کچھ صحبت باتیں بھی زبان پر آئیں ایک تشریف شخص راقم کے قریب بیٹھے ہوئے تھے یہ حضرت نہ شاعر سے غرض اور نہ شکار گاہ سے مطلب رکھتے تھے کسی غرض خاص سے شکار گاہ

سنگ چلے آئے تھے میرے حسرت آلود کلام کو سن کر نہایت بے پروائی سے بول اٹھے کہ
 دنیا کا یہی طور ہے اس میں شک نہیں کہ دنیا کا یہی طور ہے گردل کا بھی یہی طور ہے کہ صحبت
 گزشتہ اور یاران رفتہ کو یاد کر کے محزون ہو ایسا شخص جو واقعی اسباب غم سے محزون نہ ہو
 بہت اعلیٰ درجے کا فلسفی ہے یا اتنا سنگ و خشت سے ہے۔

فتوٰی صریحاً فالق قرآنۃ لکن یعرف سر سرہا لئلا نسب بحدہا من جنوب و شمال
 معنی - وہ منزل حبیب واقع ہے درمیان دخول و حمل اور درمیان تو وضع اور
 مفرات کے اور نشان منزل حبیب ابھی تک باقی ہے اس لیے کہ زمین منزل حبیب کی وسط ہے
 اس پر اگر باہر ذہنی خاک ڈالتی ہے تو باہر شمالی اس خاک کو اڑا کر سے جاتی ہے اس سبب سے
 منزل حبیب کا نشان باقی رہ گیا ہے اور وہ منزل خاک میں پوشیدہ نہیں ہو سکتی ہے۔ شاعر
 بیشتر کہ منزل حبیب کے حدود اربعہ کو بورا کر دیا اور اس سے بھی خبر دی کہ اس کا نشان محو
 نہیں ہو گیا ہے یہ بقائے نشان دل میں ولولہ غم پیدا کرنے کے واسطے کافی ہے نشان سرائے
 دوست کیا کیا لطف گزشتہ نہیں یاد دلا سکتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر آنکھیں اشک حسرت
 نہ بہائیں تو کیا کریں۔ واضح ہو کہ امرع الغیب نے ان اشعار میں شاعری کے داخلی اور خارجی
 وہ نزل سلوکوں کو نہایت باذاتی کے ساتھ قائم رکھا ہے۔ خارجی امور کی اگر اچھی تصویر
 یعنی ہے تو داخلی امور کی بھی اچھی بندش دکھلائی ہے یعنی منزل حبیب کا بیان اگرچھ طور
 پر کیا ہے تو منزل حبیب کے دیکھنے سے جو واردات قلبیہ بہا ہوتی ہیں ان کو بھی پرتائیز
 کے ساتھ موزون کیا ہے اور لطف یہ ہے کہ ان واردات قلبیہ کو صرف دو تین لفظوں کے
 ذریعے سے ظاہر کیا ہے مگر یہ دو تین لفظ ایسے ہیں کہ ایک دفتر کا حکم رکھتے ہیں خاص کر
 ایسے حضرات کے لیے جو معاملات قلبی سے اطلاع رکھتے ہیں۔

تَرَى بَعْرًا لَا سُرْمَ فِي عَرَصَاتِهَا
وَقِيَعَانَهَا كَأَنَّهَا حَبٌّ فَلِفَلٍ

معنی - اسے مخاطب دیکھ کر منزل حبیب کی فضاؤں اور کشادگیوں میں آہران سفید
کی سیٹھیل کر گویا کہ وہ دانہ نطفہ میں۔

شاعر کہتا ہے کہ یا منزل حبیب ایسی مٹی کہ ایک نہایت آباد جگہ تھی اس میں مشترکہ
قیام رکھتی تھی یا اب وہاں آہران صحرائی رہتے ہیں اور وہ جگہ غیر آباد پڑی ہے۔ شاعر منزل
حبیب کی ویرانی کو بیان کرتا ہے اور ذکر آہران صحرائی کا اس واسطے کرتا ہے کہ یہ جانور پیرا
نور و وحشت ہوتے ہیں اور علم بیان میں رہتے ہیں۔ جب تک کوئی جگہ پورے طور پر
ویران نہ ہوئے یہ وہاں قیام اختیار نہیں کرتے بلکہ تنگوشہ نہایت نچرل رنگ رکھتا
ہے اور ایشیائی مبالغہ سے تمام تر پاک ہے فقیر نے شغل شکاراغلنی میں اپنی آنکھوں سے
آہران صحرائی کو ایسے مقاموں میں قیام اختیار کرتے دیکھا ہے جو ایک وقت میں نہایت
آباد ہوں گے مگر اب اس قدر وہ جگہیں غیر آباد ہو رہی ہیں کہ یہ تکلف و خوش و خوشی وہاں
خواب و خور کرتے ہیں۔ شاعر کے قول کا لطف تب ہی سامع کو پورے طور پر نصیب ہوتا ہے
جب وہ معاملات عالم سے ذاتی خبر کہتا ہے فقیر اس شعر کے لطف کو عرض نہیں کر سکتا۔
کس قدر یہ شعر نچرل ہے اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ اس وقت ہندوستان میں بہت مقامات
ایسے ہیں کہ جو امراد نور ابان وراجگان سابق کے قلعے اور تصور تھے مگر اب وہ آباد ہیں
اور ان میں گرگ و پلنگ، ساہر نیل، چیتل وغیرہ رہتے ہیں اور اب وہ عثمانی شکار گاہ کا حکم
رکھتی ہیں فقیر نے بارہا ایسی عمارتوں کو دیکھ کر یہے اختیار شک ریزی کی ہے۔ اور ہر شخص
جو آنکھیں دیکھے گا ضرور متاثر و متاظم ہو گا شاعری کے واسطے ہر طرح کی اطلاع درکار ہے
شاعر شاگرد فطرت ہونا ہے۔ اس کے کلام کے سمجھنے کے واسطے فطرت اللہ سے

باخبر ہونا واجبات سے ہے وہ شخص جو گھر کے اندر بیٹھا ہوا شعر کہتا ہے یا اس پائنتگی کے ساتھ استادوں کے کان میں کو سمجھنا چاہتا ہے وہ ایسے نچرل اشعار کے لطف کو کیا پاسکتا ہے ممکن نہیں کہ ایسے خانہ نشین عینکویت میرت شخص کو نچرل بیانات سے حظ کامل حاصل ہو سکے سبحان اللہ امرء القیس نے شعر بالا میں مضمون ویرانی کو خوب باندھا ہے عشرت سر نے محبوب میں جو انقلاب عظیم پیدا ہوا ہے اسے بڑی تباہیت شاعرانہ کے ساتھ دکھایا ہے۔ فخر الماخرین حضرت غالب نے بھی خانہ ویرانی کے مضمون کو عجیب حدت کے ساتھ باندھا ہے آپ فرماتے ہیں۔

کوئی دیرانی سہی ویرانی ہے دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
 ہر چند شیعرخود شاعر کی خانہ ویرانی کا اظہار کرتا ہے اور منزل حبیب سے کوئی علم
 نہیں رکھتا تاہم اس سے غایت ویرانی کا مضمون بڑی حدت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اس
 شعر میں بھی امرء القیس نے شاعری کے دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھا ہے اگر الفاظ خارجہ محالاً
 واضح طور پر بیان کرتے ہیں تو اسی کے ساتھ ان خارجی معاملات سے جو واردات ظہیر
 شکل کپراتی ہیں وہ بھی خوب صورت طور سے معنائاً بیان ہو جاتی ہیں یعنی شاعر نے الفاظ سے
 منزل حبیب کی موجودہ حالت بیان کرنا ہے مگر نتیجہ بیان ایسا اختیار کیا ہے کہ جس سے
 اندوہ و وحشت کا عالم پیدا ہوتا ہے ظاہر ہے کہ ایسے انقلاب کو دیکھ کر کہہ کر کہہ کر فی آئینہ
 ہائے پس شانہ کا پہلے شعر میں یہ لکھا کہ اسے میر سے ہم دو مویاں ٹھہر جاؤ کہ ہم منزل حبیب
 کی یاد میں رہیں نہایت فرین فطرت ہے ایسے معاملات، تو امل خیز اور حسرت انگیز ہوتے
 ہیں کیونکہ وہ نہ بھرتا ہے اور آنکھیں پر آب نہ ہو جائیں فیر کا ایک قطعہ بھی اسی رنگ
 کا ہے باجائزت حضرات ناظرین آئم اسے ذیل میں عرض کرتا ہے

اب نزل میں روچن تیلو
جلجل کا جہاں زانا تھا

سنتے ہیں وہ پھر بھی سوتھو کیا
جس پر میاں آشیانا تھا

كَأَنِّي غَدَاةٌ لِّبَيْنِ يَوْمٍ تَحْتَمَلُو

لَدَى سَهْمَاتٍ أَلْحَى نَاقِفَ خَنْطَلٍ

معنی - گویا کہ میں فراخ کی بیچ کو جس روز کو یاروں نے کوچ کیا سمزت حنی کے نزدیک خنطل کو
تمسکتہ کر رہا تھا۔

سمرات رخت طلح کو کہتے ہیں اور حنی عبارت ہے قبیلے سے اور خنطل کہہ سکتے کرنے
سے مراد ہے زار زار رو نا خنطل ایک نہایت تلخ پہل ہے جو شخص خنطل کو کہتا ہے اس کی
آنکھوں سے بہت آنسو روان ہوتے ہیں اسی طرح جیسا کہ پیاز کے پینے والے کی آنکھ
سے بہت پانی گرنے لگتا ہے۔ پس مراد شاعر یہ ہے کہ جس دن صبح کے وقت یاروں نے کوچ
کیا میں قبیلے کے درخت طلح کے پاس زار زار رو رہا تھا یہ شعر معاملات خارجی کے اعتبار سے
تمام تر عربی مذاق رکھتا ہے۔ اگر صوبہ بہار کا کوئی شاعر اس رنگ میں شعر کہتا تو رخت طلح کی
جگہ رخت نیب یا رخت برگد وغیرہ کو ذکر کرتا کسی ملک خاص کے کلام سے لطفت
اٹھانے کے واسطے سامع کو اس ملک کی حالتوں سے باخبری واجبات سے ہے لیکن مضمون
شعر ایسا طبعی ہے کہ ہر ملک کے شاعر نے یاد کے وقت سفر کے مضامین کو مختلف رنگوں سے
موزوں کیا ہے مرزا نو شرف زاتے ہیں۔

جیب تقریب سفر یار نے محل باندا
پیش شوق نے ہر تے پہ اک دل باندا

کسی کا یہ شعر بھی عالی درو سے نہیں ہے گزبان پرانی ہو گئی ہے۔

اے نامجی لگا کشتی مرا محبوب جاتا ہے
کبھی آنکھیں بھرائی ہیں کبھی دل ڈوب جاتا ہے

ظاہر ہے کہ اس طرح کے معاملات تجارتی کے ساتھ خاص عرب کا پیدا ورتوطن
 شاعر مضمون سفر کو نہیں باندھے گا کس واسطے کہ اُس کے مام و پار میں کوئی ایسا اور یا نہیں
 ہے کہ جو سفر بحری کے قابل ہو یہ شعر ملک ہندوستان کے معاملات تجارتی سے تعلق رکھتا
 ہے اور اہل ہند کے نہایت حسب حال ہے۔ استاد فن شیخ امام بخش ^{رحمۃ اللہ علیہ} سے بھی مضمون
 مفاقت کو یوں باندھے ہیں

وہ اُدھر رخصت ہوا اٹھا ادھر طرفان اشک

بیزجا آقا اُس قابل کا توں آب میں

پہ چنڈاس شعر میں نچرل انداز قائم نہیں رہا ہے تو بھی اس سے شیخ غفران آب
 کے زور طبیعت کا انداز ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا لفظ

ہوتے ہوئے رخصت تجھے لے یا رند کیجا رقت رہی مجھ کو تے وقت سفر ایسی
 نہیں ہم کو معلوم کب وہ گئے ہوئے ہوش میں ان کی رخصت کے بعد

وَقَوْلًا بِهَا صَحْبِي عَلَيَّ مَطِيئِهِمْ
 يَقُولُونَ لَا تَهْلِكْ أَسَى وَتَجَمَّلِ
 وَإِنَّ شِفَائِي عِبْرَةٌ مَهْرَاقَةٌ
 فَهَلْ عِنْدَ رَبِّهِ دَرَسٌ مِنْ مَعْوَلِ
 كَذَلِكَ مِنْ أَمْرِ الْحَوِيرِ تِ قَبْلَهَا
 وَجَارَتَهَا مَرَّ الرَّيَابِ بِمَا سَلِ
 إِذَا قَامَتَا فَتَوَعَّ الْمَسْكُ مِنْهُمَا
 نَسِيمَ الصَّبَا جَاءَتْ بِرِيَا الْقَرْفَلِ

فَقَاضَتْ دَمْعُومَ الْعَيْنِ مَنِيَّ صَبَابَةٍ
عَلَى النَّحْرِ حَتَّى بَلَ دَمْعِي مَجْمَلٌ

معنی - میرے اجاب اُس جگہ میرے اگے اپنے ناکہ بائے سولاری کو استارہ کر کے
مجھ سے کہتے ہیں کہ غم سے اپنے کو ہلاک نہ کر ڈال اور صبر اختیار کر حالانکہ میری بیماری کی صورت شفا اشک بڑی
ہے پس اس منزل و بیان شدہ کے نزدیک کوئی ایسا شخص ہے کہ جو میری نالہ زنی کا شریک ہو رہنے
سے منع کر کے پھر اجاب میرے حال پر ترس کھا کر یہ بھی کہتے ہیں کہ تیرا طور عشقِ عزیزہ میں ویسا ہی
ہے جیسا کہ تیل میں امِ حوریت کے عشق میں تھا اور بھی امِ حوریت کی اُس ہمسائی کے عشق میں تھا -
جس کا نام امِ الکرباب اور جس کا مقام کوہِ مآسل تھا یہ دونوں معشوقہ ایسی تھیں کہ جب وہ نقل و حرکت
کرتی تھیں تو ان سے بڑے مشک نکل کر بھینتی تھی اسی طور پر جیسے نسیم بوسے قمر نقل سے آتی ہے
پس جیسا کہ اجاب نے مجھ کو رونے سے منع کیا اور یہ کہا کہ عشقِ عزیزہ سے تجھ کو کوئی فائدہ حاصل
نہ ہوگا جیسا کہ عشقِ امِ حوریت اور عشقِ امِ رباب سے کوئی فائدہ نہ ہوا تو جاری ہو گئے اُنسو
میری آنکھوں سے سوزشِ عشق کی وجہ سے اور بہ نکلے میری ہنسی پر یہاں تک کہ میرے تشکوں
نے میری دو الٹ شمشیر کو تر کر ڈالا۔

واقع ہو کہ اشعار بالا سے صاف عیاں ہے کہ سوا ملک عرب کے شانوں کے
اس رنگ کے اشعار کوئی دوسرے ملک کا شاعر نہ کہے گا یہ اشعار معاملات اہل عرب سے
خوب خبر دیتے ہیں اُنٹوں کی سواریاں عادت شاہد پرستی جو شیلان حار مزاجی خبر دیوں
کی طرف میلانِ خلقی عطریات کا طبعی شوق بہادرانہ عشقِ بازی یہ سب باتیں ہیں اہل عرب کے
ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں۔ حتیٰ کہ بیانِ فطیگر یہ میں دو الٹ شمشیر کا مضمون فردوسِ اشدت
نہ ہوا۔ بلکہ اشعار گریہ و شمشیر میں کیا شکل مرابطت پاتا جو ان دونوں پر لچروں کو

بسم کردیتا بہر حال علاوہ ملکی خصوصیتوں کے یہ اشعار بہت نچرل انداز رکھتے ہیں گو اخلاقی پایہ
ان اشعار کا بہت عالی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ان سے پورے عشق کا انداز نہیں
پکٹتا ہے یعنی جس عشق بادی کو شاعر نے حالہ قلم کیا ہے وہ ہوسنائی سے خالی نہیں کھائی
دیتی ہے اور یہ کچھ عجیب کی بات نہیں ہے۔ اس واسطے کہ عمار جاہلیت کے عرب
نسوانی معاملات میں کسی اصول منقول کے پابند نہ تھے۔ بہر کیفیت یہ اشعار نظری لطف
سے خالی نہیں ہیں اصاب کا وہ ستانہ سمجھانا اور مہر کی ہدایت کرنا اور اس نمائش سے
غم عشق کا ترقی کرنا اور بے زاری سے انکسار کا جو شہ بازار نچرل کیفیتوں سے خبر
دیتا ہے واقعی عشق میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ نصیحت گر کی نصیحت سے کچھ فائدہ
نہیں ہوتا بلکہ آتش عشق تیز ہو جاتی ہے اور ناصح کو چھپ ہو جانا پڑتا ہے بقول استاد
غزل مومن خان دہلوی سے

نالہ پیہم سے یاں فرصت نہیں حضرت ناصح کریں ارشاد کیا
نغیر کے چند اشعار ماری جو حسب حال ہیں ذیل میں پیش کن حضرات ناظرین ہوتے ہیں

لمولفہ

ناصح تو بلوہ رخ جانان ندیدم	زلف سیاہ و کاکل سپان ندیدم
واظہر حیرت خوبی طوبی براہ شوق	زناں سبکی کہ سر و خرامان ندیدم
بر کبر من زہیخدی طعنہ سزاں	چشمش کہ بہت دشمن ایان ندیدم
پیشم گوز سخی ردر جزا سخن	رنج و مصیبت تنبہ جہاں ندیدم
طوفان نوح شہ طوفان اشک است	اسے ابر جوش دیدہ گریان ندیدم

دوسرا امر طبعی جو امر القیس نے حوالہ قلم کیا ہے وہ یہ ہے کہ گریے سے غم میں
 تسکین ہو جاتی ہے اس واسطے وہ کتاب ہے کہ مجھے گریان دیکھ کر جناب میر کی فرمائش کرتے
 ہیں حالانکہ روانہ شدہ ہے کہ مریف غم کے لیے عین شفا ہے افراط غم میں ضبط گریہ ایک
 خود انگیز امر ہے جو لوگ ضبط کو راہ دیتے ہیں یا ضبط پر مجبور ہو جاتے ہیں ان کا غم جلد زایل ہونے
 نہیں ہوتا بلکہ ممکن ہے کہ ضبط سے ہلاکت نفع ہو حالت غم میں روانا ایک امر طبعی ہے
 فطرت سے گریے کو غم ربائی کا ذریعہ بنایا ہے یہ عوام کا خیال غلط ہے کہ اسلام کے
 دوسرے گریہ کرنا امر ممنوع ہے اس تنگ چستی کا متقاضی کبھی اسلام نہیں ہے اسلام میں
 کسی غیر فطرتی امر کی فرمائش نہیں ہے جب انسان کو غم ہو گا تو ضرور روئے گا۔ اسلام ایک
 امر فطرتی کا کیوں مانع ہونے لگا خود یہ غیر خدا صلعم نے حضرت نوح علیہ السلام کے
 دفن ہونے کے وقت انک باوی کی بے اثرک ریزی تو متوفی کا حق ہے فطرتی طور پر
 اس حق کی ادا کاری کیوں ممنوع ہونے لگی۔ نادانوں نے صبر کے معنی یہ سمجھ لیے ہیں کہ چشم
 پر آب ہونا نہیں چاہیے اس غیر فطرتی فرمائش کا ایک بین نتیجہ تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ
 ایسے خیالات کے پابن جو لوگ ہوتے ہیں ان میں ایک میزاج کی سنگ ولی آجاتی
 ہے خدائے بے وجہ آنسو کو مخلوق نہیں کیا ہے۔ اس کی خلقت کا مطلب یہی ہے کہ
 دل کو نرم رکھے جس کے آنسو غیر فطرتی ضبط سے خشک ہو گئے ہوں اُس سے
 نرم ولی کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ میرا امر طبعی جس سے شاعر نے اپنے کلام کو زینت
 دی ہے وہ یہ ہے کہ تقاضائے فطرت سے انسان حالت غم میں اپنے درد کا شریک
 ڈھونڈتا ہے پس یہ قول امر القیس کا کہ **هَلْ عِنْدَ مَنْ شِجْرًا يَرِي مِنْ**
مَعْوَلٍ نَهَيْتَ فِطْرَتَانَهُ لَطْفَ رَكْتَابِهِ۔ شاعر کہتا ہے کہ یہاں کوئی ایسا ہے جو میری

آہ وزاری کا شریک ہو۔ نواب سید محمد زمان رند فرماتے ہیں۔

آہ عزیز بل کے کریں آہ وزاریاں تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ٹائے دل
 بلا تیسری دونوں نچرل مذاق رکھتے ہیں غم کی حالت میں کسی ہمدرد کا نہ ہونا غم کی مصیبت
 کوڑہ کو نہ بڑھا دیتا ہے پس شدت غم کو ظاہر کرنے کے لیے امرء القیس نے نہایت
 بانگ آتی کے ساتھ اس سوال کے پہلو کو اذیتیا کیا ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا
 ایسا کوئی غمخوار نہیں ہے جو اس کی تسکین خاطر کا سبب ہو۔

اَلَا مَرَّتْ يَوْمَئِذٍ كَانَتْ مَسْهُوتٌ مَّا رَجَحُ
 وَلَا سِيمًا يَلُو مَا بَدَأَتْ تَجَلَّجُلُ
 وَكُوْمَ عَقْرَتٍ لِلْعَدَاةِ سَرَى مَطِيئِي
 فَيَا عَجِبًا مَنْ كُوْرَهَا اَلْمَلُحَّ حَمَلُ
 فَظَلَّ الْعَدَاةِ سَرَى بَرِّ تَمِيْنٍ يَلْجِئُهَا
 وَتَشْهُرُ كَهْدًا اِبْنِ الْمَقْسُورِ الْقَتْلُ

معنی۔ آگاہ ہو کہ بہت سے خوشی کے دن ان معشر قتل کے وصل میں بسر ہوئے ہیں۔
 بالخصوص وہ دن کو دارہ تجلجل میں گزارا اور وہ دن کہ جب میں نے واسطے زمان و شیرہ کے اپنے ناز
 سواری کو ذبح کر ڈالا اور میں نہایت تعجب کرتا ہوں اس کے پالان سے کہ ان عورتوں نے باخوفا
 بارگاہ کیا تعالیٰ جس میں نے اپنے ناز سواری کو ذبح کر ڈالا تو اس روز وہ زمان و شیرہ اس کے
 گرفتاری میں کو ایک دوسری کے سامنے ڈالنے لگیں اور یہی اس کی تلی ہوئی چربی کو جو جبڑے
 کو سٹے پر شہم کی طرح فرم تھی۔

اس اشعار کے مضامین قصہ طرب میں اور وہ یہ ہے کہ زمان قبیلہ ولایت بلخ کو بھیجی

تھیں مگر ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے امرء القیس پہلے سے پہنچ کر وہاں چھپ رہا تھا
 اسے یہ معلوم تھا کہ حبیب وہ عورتیں موضع آب میں پہنچی ہیں تو وہاں غسل فرود کرتی ہیں
 چنانچہ وہ زمانہ دوغیزہ جن میں غنیزہ بھی شامل تھی موضع آب میں پہنچ کر آبادہ بغسل ہوئیں
 پانی میں اترنے کے قبل سمجھوں نے اپنے کپڑے اتار ڈالے اور عویان ہو کر داخل آب
 ہوئیں۔ امرء القیس کو اپنی گھات میں تھا ان کے سارے کپڑوں پر تالیش ہو چکا اور
 یہ قسم کھائی کہ زہارا ان کی پوشاکیں اُس وقت تک نہ دوں گا جب تک وہ سب پانی سے
 نکل کر بجالت عریانی اُس سے فرود آئیں اپنی پوشاک کی خواہندگاری نہ ہوں اس پر وہ عورتیں
 اُس سے جھگڑنے لگیں مگر اُس نے کچھ نہ سنانا چار اُن عورتوں سے ایک جو زیادہ شرح
 تھی پانی سے نکل کر اُس کے سامنے گئی اور خواہندگاری پوشاک ہوئی۔ امرء القیس نے اُس کا
 کپڑا اُس کے حوالے کر دیا پھر اسی طرح سب آتی گئیں اور رقع عریانی کرتی گئیں۔
 مگر غنیزہ جو اُس کی معشوقہ تھی پانی سے باہر آئی اور امرء القیس کو کپڑا دینے کی قسم
 دی اُس نے کہا کہ جس طرح اور عورتوں نے کیا تو کیوں نہیں کرتی آخر کار جب بہت
 مجبور ہوئی تو پانی سے باہر آئی اور طالب پوشاک ہوئی۔ امرء القیس نے اسے اچھے
 طور سے عریان و کچھ کر اُس کی پوشاک بھی اس کے حوالہ کر دی جب سب عورتیں کپڑے
 پہن چکیں سمجھوں نے امرء القیس کو ملامت کرنا شروع کیا اور کہنے لگیں کہ تو نے ناحق
 ہم سمجھوں کو بھوکا رکھا اور گھر جانے میں مانع ہوا اُس پر اُس نے کہا کہ اگر ہم اپنے ناقہ
 سوار کی کو ذبح کر ڈالیں تو تم سب تباہ کر دو گی سمجھوں نے کہا ہاں۔ امرء القیس نے
 اپنے ناقہ کو ذبح کر ڈالا اور ان عورتوں نے لکڑی جمع کر کے اُس کے گوشت کو کھونا
 اور خوب کھایا امرء القیس کے ساتھ ایک مشکیزہ شراب کا بھی تھا اُس نے اُنھیں

نے بھی پلانی جب کھاپنی کر وہاں سے روانہ ہونے لگیں تو ان عورتوں نے امرء القیس کے ناقہ سواری کے پالان اور اس کے اسباب کو اپنے اونٹوں پر بار کر لیا اور خود امرء القیس کو ان عورتوں کی سفارش سے عزیزہ کے اونٹ پر درمیان اس کے کوٹان اور اس کی گردن کے جبکہ ملی۔

واضح ہو کہ یہ اشعار ایام جاہلیت کے اہل عرب کی عشق بازی کی پوری تصویریں ظاہر ہے کہ کوئی شخص پابند اسلام ایسی حرکات کو کب جائز سمجھے گا اسلام میں عورتوں کو اس طرح دیکھنا فعل حرام ہے ہر چند یہ اشعار لفظاً فحش نہیں ہیں مگر معنیاً تمام تر فحش ہیں یہ اسی قسم کی شاعری ہے جسے اسلام نے منسوخ کر دیا ہے۔ علاوہ تفاسل کے اسلام کے اس وقت کی حرکتیں تمام دنیا کے قانون اخلاق کے رد سے ناپسندیدہ ہیں ان اشعار سے تمام تر فسق و فجور کے انداز تشریح میں ان مقدوح معاملات کو عشق بازی سے کیا علاقہ ایسے ایسے افعال سوا کچھ گناہوں کے اور کس سے صادر ہوں گے بہر حال ان اشعار سے اہل عرب کے عہد جہالت کے انداز اخلاق کا خوب پتا لگتا ہے بلا گفتگو اس عہد کے اہل عرب کی صحبت نہایت نامطبوع اور قابل اصلاح تھی ایسے ہی معاملات پر غور کرنے سے صاف ہو جاتا ہے کہ اسلام کے ایسے دین کی کیا ضرورت تھی۔ خیر یہ اشعار امرء القیس کے اخلاقی پائے سے جو کچھ زشت و زبون ہوں مگر ان سے ملکی خصوصیات کا اظہار بخوبی متصور ہے۔ سوا اہل عرب کی طبیعت داری کے کا ہے کہ کسی ملک کے عیاش کو اپنی سواری کے جانور کو معشوق کے واسطے فوج کرنے کی نوبت پہنچی ہوگی نہ اس خواہش اور رغبت کے ساتھ کسی ملک کے معشوق نے اونٹوں کے گوشت سیر ہو ہو کر چکھے ہوں گے۔ اور نہ

کسی عاشق کو معشوقہ کے اونٹ کی گردن پر سوار ہونے کا اتفاق ہوا ہو گا۔ البتہ اس طرح نہاتی ہوئی عورتوں کے کپڑوں پر قابض ہو بیٹھنے کا قصہ ہندوستان میں کہنیا جی کی نسبت لکھا جاتا ہے اور کسی سلاک میں تو اس کی نظیر اتم کو نہیں ملتی ہے۔ کہنیا جی کا قصہ ساختمہ معلوم ہوتا ہے تاریخی ثبوت نہیں رکھتا ہے۔

وَلَوْ مَدَّحَلَّتْ الْحَدْرَ حِدْرَ عُمَيْرِ بْنِ
فَقَالَتْ لَكَ الْوَيْلَاتُ إِنَّكَ مِنْ جِل
تَقُولُ وَقَدْ مَالَ الْغَيْطُ بِنَا مَعَا
عَقَرْتِ بَعِيرِي يَا امْرَأَةَ الْقَتْسِ فَأَنْزِلِ

معنی - اور وہ بھی خوشی کا دن تھا کہ جب میں عنیزہ کے محل میں داخل ہوا۔ پس اس نے مجھ سے کہا کہ وہ اسے تجھ پر تو مجھے پیادہ کر دینے والا ہے (یعنی تیرے سوار ہونے سے) میرا اونٹ زخمی ہو جائے گا اور قابل رفتار نہ رہے گا پھر مجھے پیادہ چلنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے گا جب میں داخل محل ہو گیا اس وقت وہ کہنے لگی درمیا لیکہ کہ ہم دونوں کے بارے میں ہر دوں کچ ہو گیا کہ تیرے میرے اونٹ کو زخمی کر ڈالا۔ اسے امرہ القیس ہر دوں سے اترا دے چلا جا۔

اخلاقی پہلو ان شمار کا محتاج بیان نہیں ہے۔

نَقَلَتْ لَهَا سَيْرِي وَأَذْحِي زَمَامَةَ
وَلَا تَبْعِدْنِي مِنْ حَنَابِ الْمَعَلَلِ
فَمَثَلِكِ حَبَالِي قَدْ طَرَقْتُ وَمَرَّضِعِ
فَأَلْمَيْتِنَهَا عَن ذِي تَمَائِمِ مَحْوَلِ
إِذَا مَا لَيْلِي مِنْ خَلْفِهَا انصرفت لَدُو

دِشِقِّ وَتَحْتِی شِقِّهَا لَمْ تَحْوَلْ

معنی۔ جب عزیزہ نے اپنے اونٹ سے اتر جانے کو کہا تو ہم نے اُس سے کہا کہ اونٹ کو چلا اور اس کی مار کو ٹھیل دے اور مجھے اپنے میوہ رسیدہ سے محروم نہ رکھ پس بہت بازیری ایسی زن حاملہ کے پاس میں شب کے وقت گیا ہوں اور دودھ پلانے والی عورت کے پاس بھی اور باوجود اس کے مضر ہونے کے اُسے اُس کے ایک سالہ بچہ سے جو اس عمر میں تعویذات پہننے رہتا ہے پھر کراہی طرف متوجہ کر لیا ہے پس جب اُس کا بچہ اُس کی پیٹھ کے پیچھے رونے لگتا تو وہ آدھے دھڑ سے اُس کی طرف مڑتی رہا لیکر اس کا دودھ میرا آدھا میرے تحت میں تھا اور اُس کو بحالت خود رہنے دیتی

شاعر حون نے اُس کو فحش مزاج سے بچانے کے لیے اس کے معنی یوں بتائے ہیں کہ جب اس کا لڑکا رونے لگتا ہے تو وہ اُس کی جانب پھرتی اور گوشتہ چشم سے اُسے دیکھتی رہا لیکر ایک خسارہ اس کا میرے زیر دہن تھا اور اُسے وہ میری جانب سے نہیں پھیر لیتی تھی اس تاویل پر بھی یہ اشعار اخلاقی پائے سے بہت کچھ گرسے ہوئے ہیں عاشق کا اپنی معشوقہ سے یہ کہنا کہ شب کے وقت ہم بہت سی زنانہ حاملہ اور مرضیہ کے پاس گئے ہیں اور ہر چند ایسی عورتوں کو مرد کی طرف میلان نہیں ہوتا مگر ہم ایسے مرد ہیں کہ ان عورتوں کو بھی ہماری طرف میلان ہوا۔ اور تو لڑنہ حاملہ نہ مرضیہ ہے۔ جو تجھ کو مرد کی خواہش کیوں نہ ہوگی۔ کچھ عجیب مضمون ہے۔ خود یہ کیا کم فحش ہے۔ جو شاعر کو فحش سے بچنے کی شکل پرا کرنے کی حاجت ہوئی۔ کوئی صاحب عشق معشوقہ سے ایسی ناپاک گفتگو نہیں کرنا یہ تو محض شہدوں کی سی بات چیت ہے اور اُس کو عاشقانہ مذاق سے کیا علاقہ ایسے ہی خیالات ناپاک نے شاعری کو بدنام کر رکھا ہے

اور بلاشبہ ایسی ہی شاعری اسلام کے رو سے ممنوع ہے یہ اشعار مرزا شوق لکھنوی کے کلام کا انداز رکھتے ہیں جینھوں نے چار تنویریاں تصنیف فرمائی ہیں اور جن کی یہ سب تنویریاں پایہ اخلاق سے گزری ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ حکم گورنمنٹ سے ان کی اشاعت روک دی گئی ہے۔

وَيَوْمًا عَلَىٰ أَظْفَرِ اللَّيْلِ نَعَدَّ رَتَّ عَلِيٍّ وَالَّتْ خَلْفَةً لَمْ تَحَلَّلْ

معنی - اور وہ بھی دن خوب تھا کہ جب پشت ریگ تڑو پر عزیز نے مجھ پر سختی کی اور مجھ سے رگ رہی اور میری مواسلت اور ملاقات سے قسم کھائی اور ایسی قسم کھائی کہ جس میں انشاء اللہ نہ کہا اور اس کا کتنا ایسا ہوتا ہے کہ جس سے قسم بالل ہو جاتی ہے یعنی عزیز نے ایسی قسم کھائی کہ وہ اٹھ نہیں سکتی تریں نے اُس سے تقریر ذیل کی جو بہت سے اشعار سے مشتمل ہے۔

أَفَاظِمُ مَحْمَلًا بَعْضُ هَذَا التَّنَلِّ وَإِنْ كُنْتُ قَدْ زَمَعْتِ مَرْحِي فَاجْمَلِ

معنی - اے ناظم چھوڑ بعض اپنے ناز و کرشمہ کو اور اگر تڑ نے مفارقت پر آمدگی کی ہے تو بجا منت کو راہ دے یعنی کوئی شدت کی کارروائی نہ کر۔

أَعْرَأُكَ صَبِيَّ أَنْ حَبِيكَ قَاتِلِي وَأَذَلَّكَ مَهْمَاتَا مَرِي الْقَلْبِ يَفْعَلِ

معنی - تو اس بات پر مغرور ہو رہی ہے کہ تیرا عشق درجہ کمال کو پہنچ کر میرا قاتل ہو رہا ہے اور اس بات پر بھی مغرور ہو رہی ہے تو جو کچھ تم کو حکم دیتی ہے میرا دل اُسے بجالاتا ہے یعنی اس یقین سے کہ تیرا عشق ہم پر غالب ہے اور جو کچھ تو کہتی ہے وہ ایسا ہی میرا دل کا ر بند ہوتا ہے تو ناز و کرشمہ کرتی ہے اور مفارقت کی سناتی ہے یہ بات اچھی نہیں ہے۔ عاشق سے گذرہ خوب نہیں۔

وَأَنْ تَكُ قَدْ سَاءَ تَلَكَّ حَتَّى خَفِيْفَةً فَسَلِّقْ تِيَابِي مِنْ تِيَابِكَ تَسْلُفًا
 معنی - اور اگر میرا کوئی غلط کچھ پسند آیا ہوتا تو مفارقت اختیار کرتی تو خوشی میں میری
 خوشی ہے۔ میں یہ کہہ گا کہ سنا کہ کوئی بات تیری مرضی کے خلاف ہو۔

یہ شعر طبری کسٹری اور بے غرضی سے خبر دیتا ہے رضائے دوست کے مقابل
 میں اپنی آرزو کا خلع گزارا کہنا عین عاشقی ہے

صلا یح ماہمہ آنت کان صلح شہاست

مگر یہاں امر القیس میسے بے لوث اور پاک عشق کو پیش نظر نہیں رکھتا ہے یہ تقریر خود غرضی
 سے خالی نہیں ہے کبھی اس کو مطلب یہ نہ تھا کہ نیت نہ اس سے کسی طور پر مفارقت
 قبول کرے اگر یہ ہوتا تو اسی قدر کہہ کے رہ جاتا آئندہ کے کلام کے دیتے ہیں کہ ایسے
 اظہار بے غرضی سے معشوق فریبی مراد یعنی

وَمَا دَرَفَتْ عَيْنَاكَ إِلَّا لِتَفْرِجَنِي بِسَمْعِيكَ فِي أَغْشَاءِ قَلْبٍ مُقْتَلٍ
 معنی - تیری آنکھوں سے آنسو نہیں جاری ہوئے الا اس غرض سے کہ اپنے دونوں تیروں

یعنی ہر دو تیرا بے لگاؤ سے میرے عشق کے مارے ہوئے دل کو تیرا جرح کرے۔

واقع ہو کہ یہاں شاعر نے معشوقہ کے رونے کے مضمین کو نہایت جمعیت فطرت
 کے ساتھ ذکر کیا ہے عورت کے پاس قوی ترین آلہ جس سے وہ مرد پر غالب آیا کرتی
 ہے آنسو ہے۔ فرما تھا فرین حضرت غالب غوب فرماتے ہیں

کرے بے مثل لگاؤ پہ تیرا وہ دینا تری طرح کوئی تیغ نلکہ کو آب تیرے
 وَيُبْقِيَةَ خَلْدَ مِرَاكٍ يَوْمَ حَبَابٍ هَا تَمْتَعْتُ مِنْ لَهْوِهَا غَيْرَ مَعْجَلٍ

معنی - بہت سی ایسی زنان حسین صافی رنگ و پرہیزشیں ہیں کہ ان کے خیمے کی طرف قصد

نہیں کیا جاسکتا ہے اس سبب سے کہ وہ عورتیں صاحبِ رتبہ اور بڑی قوم والی ہیں اس پر بھی میں
ایسی عورت کے ساتھ لعب و بازی کی اور وہ بھی مجھت کے ساتھ نہیں بلکہ بے خوف ہو کر۔

تَجَاوَزَتْ أَحْسَنَ أَسْأَلِهَا وَمَعْتَمِرًا عَلَى حِرَامًا لَوْ كَيْسَرٌ وَنَ قَتْلٍ
معنی - میں اُس تک یعنی اُس زن پر وہ نشین تک پہنچ گیا پاسبانوں کو ٹپ کر اور
یہی ایسے لوگوں کو جو پوشیدہ طور پر میرے قتل کے خواہاں تھے یعنی ہر خیر اُس زن پر وہ نشین کے
نیچھکی محافظت پاسبان کرتے تھے اور ایسے لوگ بھی نگہبان تھے جو میری شجاعت شعاری
کی وجہ سے بر ملا طور پر میرے قتل پر اقدام نہیں کر سکتے تھے تاہم میں اُس زن پر وہ نشین تک
پہنچ گیا اور محافظین سے کچھ نہ ڈرار

شعراُندہ میں شاعر زن پر وہ نشین تک پہنچنے کے وقت کو بیان کرتا ہے -
واضع ہو کہ معشوقہ کے ساتھ اس وضع کی گفتگو کہ میں ایسا عیاش و لیر ہوں اور میں اعلیٰ
درجہ کی عورتوں کے ساتھ اس طور پر پیش آیا ہوں اور یہ کیا ہے اور وہ کیا ہے - سچے
ذائقہ عشق بازی سے بعید ہے ظاہر ان سب باتوں کے کہنے کا یہ مطلب ہے
کہ اے عزیزہ اگر تو مجھ سے کنارہ کشی پر آمادہ سے تو یہ خوب نہیں ہم ایسے بہادر
عیاش ہیں کہ اپنا جواب نہیں رکھتے تو میرے عشق کی قدر کر اور مجھ سے مفارقت
روانہ رکھ۔

إِذَا مَا الثَّوْبِيَّ فِي السَّمَاءِ تَعَرَّضْتُ
تَعَرَّضَ أَسَاءَ الْوَسَّاحِ الْمَفْصَلِ

میں اُس زن پر وہ نشین تک اُس وقت پہنچا کہ جس وقت پروین نے آسمان میں
اپنے کرانہ و ناچیہ کو آشکارا کیا مثل آشکارا کرنے اُس عمل کے جس کے دو عمرتوں کے

درمیان کچھ زر کی چیز جاہل رہتی ہے اپنے کرانہ و ناچیر کو
 واضح ہو کہ یہاں ثریا کو تشبیہ کمزرب کے ساتھ دی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا
 کمزرب موتیوں سے بناتے تھے اور جب موتیوں کو رشتے میں پر دتے تھے
 دو موتیوں کے درمیان زر کے تار دیتے یا زرین دلے داخل کرتے تھے تو جب
 پروین کے تار سے ایک دوسرے سے فرق معلوم ہوتے ہیں کمزرب کے مو
 بھی ایک دوسرے سے علحدہ نظر آتے تھے لاریب یہ تشبیہ نہایت خوب
 مرغوب ہے مختصر یہ ہے کہ شاعر اپنے جانے کے وقت کہ بیان کرتا ہے کہ یہ
 وقت اس دن پر وہ نشین کے پاس پہنچا کہ جب عقدا ثریا آسمان میں نمودار
 فِجْتَتْ وَقَدْ نَفَضَتْ لِنَوْمٍ ثِيَابَهَا لَدَى السَّنَنِ وَالْإِلْبَسَةِ الْمُتَفَضَّةِ
 معنی :- پس آئیں اس محبوبہ کے پاس درحالیکہ وہ بغرض خواب اپنے کپڑے
 جامہ شب خوابی کے پردے کے پاس تانے ہوئے تھی یعنی سونے کی طرف مائل ہو چکی
 اس واسطے جامہ شب خوابی پہنے ہوئے تھی اور اپنی معمولی پوشاک کو پردے کے پا
 تار کر رکھ دیا تھا۔

واضح ہو کہ یہ معاملہ امرء القیس کی بڑی ڈھٹائی سے خبر دیتا ہے اور یہ ایک
 سین کی تصویر ہے کہ سوا ایک بہادر طبیعت دار کے کسی اور سے ہو
 آدمی کو ایسے سین کے دیکھنے کا اتفاق ہو ہی نہیں سکتا ہے بہادر قوم کی عادت
 بہادرانہ انداز رکھتی ہے ایسے عشقیہ معاملات کو انہیں اقوام سے تعلق ہوتا۔
 جن کی خلقت میں بہادری داخل رہتی ہے اس سین کو ایک گونہ شیکسپیر کے
 جولینٹ کے اس سین سے مشابہت ہے کہ جہاں رومیو۔ جو لیٹ کے

ن پر کھیل کر گیا ہے اور جو لٹ اس سے بوجھتی ہے کہ کس طرح اس کا وہاں
رہ سکا اور کیونکر اسے اعدا کا خوف نہ آیا اور کیوں اسے جان عزیز نہ بھاری
ہے۔

نَقَلَتْ يَمِينُ اللَّهِ مَالِكَ حَيْدَلَةَ وَمَا نَأْرَى قُنْدَ الْغَوَايَةِ يُغْلِبُ

ی:۔ پس کہا اس مجبور نے کہ بخدا تیرے پاس کوئی حیلہ نہیں ہے یعنی تو جو
یا ہے تو اب تیرے واسطے کوئی صورت جان بری کی نہیں ہے ضرور تو مارا
گا۔ اور میں دیکھتی ہوں کہ تجھے جہالت عشق دور نہ ہوگی یعنی تو عشق میں ایسا دلیلا
ہے کہ سو دلے عشق تیرے سر سے جانے والا نہیں ہے

لموقف

تے تو جائے مگر اے حضرت ناصح ۱۱ من لفت سپہ فام کا سودا نہیں جاتا
پہچان پہا عشق تجھ کو اور ایسا علی اثرینا ذیل من حط من حط

ی:۔ میں باہر لیا اس مجبور کو اور حالیکہ وہ چلتی تھی اور کھینچی تھی پیچھے ہم دونوں
شہا سے قدم پر دامن کو اپنے گلیم نقش کے۔ یعنی ہم اسے اس کے پی سے
تے اور جب وہ چلی تو اپنے گلیم کو زمین پر گھسیٹتی چلی تا ہم دونوں کے نقش با پائے
پر اور پہچان میں نہ آسکیں۔

ہو کہ اہل عرب نقش پاسے دوست دشمن کی پہچان لیتے تھے اور آسانی
شخص مفرد کا سرخ لگا لیتے تھے بہت سی حکایات ایسی ہیں کہ جن میں آثار
مفردین کا تعاقب کیا جانا منقول ہے اور اس طرح کی پہچان اہل عرب
پر موقوف نہیں ہے براعظم افریقہ اور براعظم آسٹریلیا وغیرہ میں بہت
سی اقوام ہیں۔ جو نقش پا کو خوب پہچانتی ہیں اور مفرد کا تعاقب منزلوں

تک کر کے اسے گرفتار کر لیتی ہیں ان اقوام کو نقش پا کی ایسی پہچان ہے کہ پتھر ملی زمینوں پر سے بھی جو مضر و گدہ کرتا ہے اور جہاں بظاہر اس کا نقش پا نام کو بھی تمیز میں نہیں آتا ہے وہاں بھی اپنی مشق شناخت سے پورا کام لیتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ایسی مشق آدمی کو تب ہی اہم پہنچتی ہے جب وہ ابتدا سے سن شعور سے اس کی طرف توجہ کرتا ہے زیادہ سن میں اس کی مشق کمال کو نہیں پہنچ سکتی ہے فقیر نے اس کو امتحان کر کے دیکھا ہے اور وہ اس طرح پر کہ شغل صید آفتی میں جانور ان کو ہی دوشتی کے نقش پا کو پہچاننے کی بڑی حاجت ہوتی ہے اور ہر خرفیق اس کی شناخت کسی قدر رکھتا ہے مگر نہ اس قدر جتنا کہ مردان کو ہی دوشتی وغیرہ رکھتے ہیں یوں تو ہر شکاری جانور دل کے طرح طرح کے نقش پا کو پہچانتا ہے مگر ان کو ایسے سنگی مقاموں پر تمیز کر لینا جہاں باسباب ظاہر کوئی نقش پا محسوس نہ ہو آسان کام نہیں ہے ایسی شناخت تب ہی حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص عہد طفولیت سے گوہ دوشنت میں رہ کر اس کی مشق کا سلسلہ جاری رکھتا ہے فقیر کے رسالہ صید کے ملاحظے سے یہ امور و وضاحت کے ساتھ دریافت میں آسکتے ہیں۔ یہاں تقریر کو طول دینے کا موقع نہیں ہے

فَلَمَّا أَجْرًا مَسَاحَةً أَلْحَىٰ تَدَانِجًا مِّنَّا بَطْنُ مَخْبَرٍ ذِي حِجَابٍ عَقْنَقَلٍ

معنی :- پس جب کہ فضائے آبادانی سے ہم لوگ باہر نکل گئے اور پہنچے زمین پست میں کہ جس میں کئی اور منتشر قودا سے ریگ واقع ہیں یعنی آبادی سے نکل کر ایک ویران جگہ پہنچے جہاں خوف اعدا کچھ نہ تھا تو حالت اطمینان میں میں نے یہ کہا جو بیت ذیل میں ذکر ہوتا ہے۔

مَصْرُوفٌ بِفَوْزِجٍ دَائِمًا فَتَأْكِلَتْ عَلَى هَضِيمٍ اَلْكَشْرُوعِ دَائِمًا لِمُخْلَلِ

معتنی: - کھینچا میں نے اپنی طرف دونوں کا کل سر مجھ پر کہ پس وہ میری طرف آیا
ہوئی درحالیکہ وہ مجھ پر باریک میان اور پر گوشت ساق ہے۔

واضح ہو کہ مجھ پر کا باریک میان اور پر گوشت ساق ہونا مجھ پر کے خوش اندام
سے خبر دیتا ہے اور اس سے شاعر کی خوش مذاقی کا اظہار متصور ہے۔

مُحَمَّدُفَةً بَيْضَاءُ عَيْدٍ مَفَاضَةٍ نُرَاعِيهَا صَوْدَةَ كَالشَّجَرِ جَلِ

معتنی: - وہ مشوقہ نازک میان و رنگ بھیج رکھتی ہے اور اس کا پیٹ فرہ
اور بد گوشت نہیں ہے اور اس کا سینہ آئینے کی طرح صیقل کردہ ہے۔

یہ سب اوصاف بھی مجھ پر کی جسمانی خوبیاں ظاہر کرتے ہیں اور شاعر کے خوش پسند
ہونے پر دال ہیں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اہل عرب ہی اقوام یورپ و سکنائے
شام و عراق ایران و کابل ستان کے مانند سفید رنگ کو محبوب جانتے ہیں۔

سانولا یا سیاہ رنگ پسند نہیں کرتے چنانچہ تمام اہل یورپ اور بھی ان
ملکوں کے شعرا مجھ پر کے رنگ کو خوب بیان کرتے ہیں تو تیرگی سے مبرا
دکھاتے ہیں مگر ہندوستان میں گو سفید یعنی گور رنگ نامحور نہیں سمجھا جاتا
ہے اس کے ساتھ بھی سانولا رنگ خالی لطف سے نہیں تصور کیا جاتا ہے
ظاہراً سبب اس کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہند کے دیوتا سوری کہ شمن جی
سانولا رنگ رکھتے تھے مگر ملک حبش میں سوا رنگ سیاہ کے کوئی دوسرا
رنگ مجھ پر و مطبوع قیاس ہی نہیں کیا جاتا ہے چنانچہ جب اہل فرنگ پہلی
بار ملک حبش میں گئے۔ تو اہل حبش ان کے سفید رنگ کو دیکھ کر بہت ہنسے

اس واسطے کہ آدمی کا گورا ہونا ان کی آنکھوں میں نہایت مذموم تصور تھا یہ ہم لوگوں کے لئے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ قدمی مذاق میں اعتباراً ملکی کو ہمیشہ دخل ہوا کرتا ہے۔

بِکَرِّ الْمَقَانِئِ الْبَيَاضِ بِصُفْرَةٍ عَدَا أَهَانِهِمْ وَأَلْمَاءٌ غَيْرُ مَحْلَلٍ

معنی :- وہ محبوبہ مانند اس دریکتا کے ہے جس کی سفیدی میں زردی شامل ہوتی ہے اور جس کی تریبت ایسے صاف پانی سے ہوتی ہے کہ جو پانی فرد گاہ مردمان نہیں ہوتا۔ یعنی جس محل آب پر آدمی نہیں اترتے اور اس سبب سے وہ پانی گدلا نہیں ہوتا یہاں شاعر نے محبوبہ کو ایک گور پر بڑھ صفا سے تشبیہ دی ہے اور وہ نسبت دہی صفیہ نہ رنگ گور پر بلاشبہ یہ تشبیہ نہایت لطیف انداز رکھتی ہے اور کسی ملک کے تعلیم یافتہ اور با مذاق شخص کو اس تشبیہ کی عمدگی میں غدر ہو نہیں سکتا

تَصَلُّوا لِنَيْلِ عَيْنِ أَسِيلٍ وَتَشَقُّوا بِنَاظِرَةٍ مِنْ وَحْشٍ وَجَرَامَةٍ طِفْلِ

معنی :- وہ محبوبہ منہ پھیرتی ہے مجھ سے اور اس منہ پھیرنے میں اپنے رخسارہ کشیدہ کو ظاہر کرتی ہے اور وقت نگاہ کرے کے درمیان میرے اور اپنے اپنی آنکھ کو خال کرتی ہے جو صحرائے وجرہ کے ان آہوان سے مشابہت رکھتی ہے جنھوں نے نئے نئے بچے جنھوں سے وجرہ ایک صحرا ہے جو درمیان مکہ اور بصرہ کے واقع ہے اور نئے بچہ دینے کی یہ تخصیص ہے کہ اس وقت میں مادہ آہوہ ضعیف ہوا کرتی ہے پس چونکہ آنکھ کی تشبیہ عموماً آہوہ کے ساتھ دی جاتی ہے۔ اور شعراء سب و عجم آنکھ کو ضعیف و بیمار بھی لکھا کرتے ہیں اس واسطے شاعر نے وقت تشبیہ دہی اس تخصیص کو ملحوظ رکھا۔ ہر حال آنکھ کی تشبیہ آہوہ کے ساتھ ایک معقول تشبیہ ہے اور تمام

تعلیم یافتہ ملکوں میں یہ تشبیہ ایک امر مسلم ہے ہندوستان میں بھی یہ تشبیہ معروف عام ہے چنانچہ مرگ تین ایک مشہور قول ہے۔

وَجِدِلٌ كَجِدْلِ الرِّثْمِ الْبَيْسِ بِفَاحِشٍ إِذَا هِيَ نَصْنَدَةٌ وَارٍ مَعْطَلٌ
معنی :- اور وہ مجبورہ اپنی گردن آشکارا کرتی ہے جو گردن آہو کی طرح آد
 گردن آہو کا یہ طرز ہوتا ہے کہ جب آہو اپنی گردن کو اٹھاتا ہے تو اس کی گردن
 کا جس درجہ اغندال سے گزر نہیں جاتا ہے اور نہ خالی پیراڈیہ خوبی سے ہوتا ہے۔

دافع ہوگا گردن معشوق کی تشبیہ گردن آہو کے ساتھ شعراے عرب کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہے اور کسی ملک کی شاعری میں ایسی تشبیہ کمتر دیکھی گئی ہے۔ مگر یہ تشبیہ لطف سے خالی نہیں ہے معناً خبر دیتی ہے کہ معشوق کو بلند گردن ہونا چاہیے کو نہا گردن ہونا معشوق کا تو درکنار کسی آدمی کا کو نہا گردن ہونا خیالی ارتعاب نہیں ہے شعراے فارسی وارد بھی گردن کے بلند ہونے کو مددوح جانتے ہیں گو عموماً اہل ہند کا یہ مذاق نہیں معلوم ہوتا ہے اہل فرنگ بھی گردن بلند کو لادزم حسن سے شمار کرتے ہیں اور گردن معشوق کو گردن سوان سے تشبیہ دیتے ہیں سوان ایک قسم قازبط کی ہے اور اس کے گردن نہایت بلند اور

خوب صورت ہوتی ہے فارسی وارد کے شعرا جو گردن کو صراحی وار باندھتے ہیں اس کا سبب بھی یہی ہے کہ صراحی کی گردن بلند اور خوش نما ہوتی ہے اور دفعتی گردن بلند عجب دل آویزی رکھتی ہے اور بلاشبہ انسان کی خوش ترکیبی سے خبر دیتی ہے شاید نام دنیا میں خاتونان انگلستان بہترین گردن رکھتی ہیں جن حضرات کو صاحب نظر کے طرز پر ان کے مشاہدہ کا اتفاق ہوا ہوگا فقیر کی رائے

سے موافقت فرمائیں گے۔

وَفَرِحَ بُرَيْدٌ الْمُنَىٰ أَسْوَدَ فَاخِمْ اَيْدِيكَ كَقَفْوِ النَّخْلَةِ الْمَتَعْتَكِلِ
معنی :- اور وہ محبوبہ اپنے موئے دراز کو آشکارا کرتی ہے کہ جو اس کی
 زینت دیتے ہیں اور بال اس کے نہایت سیاہ کثیر اور پیچیدہ ہیں مثل خوشہ بال
 نخل کے کہ جو نہایت بار آور ہوتا ہے۔

واعلم کہ شعرائے فارسی وارد کے کلام میں ایسی تشبیہ نہیں دیکھی جاتی ہے
 شک نہیں کہ یہ ایک نہایت عمدہ تشبیہ سے اور تمام تر موافق فطرت ہے
 غَدَاؤُكُمْ هَا مُسْتَشْرِبَاتُ اِلَى الْعُلَا تَخِضُّ الْعِصَاصُ فِي مِثْلِي وَمِثْلِي
معنی :- گیسوئے تافتہ اس کے بلند کئے گئے ہیں برتری کی طرف یعنی دھا
 سر کے اوپر بندھے ہوئے ہیں اور بالوں کی یہ کثرت ہے کہ موئے گمہ زدہ کم
 ہیں اس کے موئے تافتہ اور تافتہ ہیں

ان دونوں شعر بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ زنان اہل عرب چند طور سے بالو
 کرتی تھیں اور ان کے بال فطرت کی رُو سے بھی اچھے انداز کے ہوتے۔
 اس زمانے میں خاندان یورپ کے بال اتنی شکلوں سے سنوارے۔
 کہ خدا کی پناہ فیشن کی کوئی حد ہی معلوم نہیں ہوتی ہے بہت سے فیشن
 ہیں کہ ہم لوگ بیچارے ہندوستانیوں کو ان کا مطلب ہی سمجھنا دشوار
 قدر دانی تو درکنار۔

وَكَيْتُحَ لَطِيفٌ كَالْحَيْدِ اَبْلُ حَضْرٍ وَسَانِي كَالْبُؤُوبِ السَّقِي الْمَلْدُكِ
معنی :- اور وہ محبوبہ آشکارا کرتی ہے۔ ایسی تہی گاہ کہ جو مثل مہار شکر کے

بھی نذک ہے اور آشکارا کرتی ہے ایسے ساق کو مانند انوب سیراب شدہ اور رام کے ہے۔

وَصُحْبِي قَتِيدَةُ الْبَلْبَلِ وَفَوْفَاثَا + نَوْمٌ رِضًا لَمْ تَنْتَضِلْ عَنْ بَفْضَلِ
 ۱ :۔ جب وہ محبوبہ صبح کو سو کر اٹھتی ہے تو اس کے بستر پر ریزہ ہائے مشک جاتے ہیں یعنی اس کے سونے سے بستر معطر ہو جاتا ہے اور وہ خواب میں ہے تا وقت چاشت اور بعد چاشت خوابی پہننے کے اپنی کمر نہیں باندھتی برزادی ہے اسے اس کی حاجت نہیں ہوتی کہ وقت سحر بیدار ہو اور کام سے میں لگے اور بعد پہننے جامہ شب خوابی کے کمر باندھ کر کسی کی خدمت کرے۔

ہو کہ محبوبہ کی بویائی سے بستر یا قالین یا دریا یا ہوا کا بویا ہو جانا فارسی اور کے شعرا باندھتے گئے ہیں فرق اس قدر ہے کہ اہل عرب محل بویائی میں ماکو یاد کرتے ہیں اور فارسی اور اردو کے شعرا گل کو ماسخ فرماتے ہیں۔
 بحر ہر اک سببہ گلاب ہوا معطر اس کے نہانے سے بس کہ آب ہوا

ایضاً

ہائے جو گل اندام ہمارا اک دم عطر کھینچیں ابھی عطر گل قرابین کا
 وَتَعَطُّوْهُ بِرُحْرِ عَيْبَرٍ مَسْنُونِ كَانَتْ اسرارِ نغمِ طَبِيٍّ اَوْ مَسَاوِيْنِ اَسْمَلِ

۱ :۔ اور وہ محبوبہ چیزوں کو انگشت ہائے نرم سے پکڑتی ہے اور وہ انگلیاں سخت نہیں ہیں گویا کہ وہ انگلیاں یا مانند اس کرناک وادی طبی کے ہیں کہ جن سے کہتے ہیں یا مانند مسواک ہائے درخت اسکل کے ہیں۔

ہو کہ محبوبہ کی انگلیوں کا نرم ہونا ایک بڑی صفت ہے اکثر وہ عورتیں جو

محنت یا مزدوری کیا کرتی ہیں ان کی انگلیاں سخت ہو جاتی ہیں شاعر یہاں انگلیوں کی نرمی کو بیان کر کے محبوبہ کی اس صفت کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک اعلیٰ درجے کی عورت ہے جو ناز و نعمت میں پالی گئی ہے اس سبب سسٹس کی انگلیاں سخت نہیں ہو گئی ہیں بلکہ کمال درجے کی نرمی رکھتی ہیں پھر شاعر محبوبہ کی انگلیوں کو اس طرح سے تشبیہ دیتا ہے یہ ایک کیڑا ہوتا ہے جس کا سر سُرخ اور ربدن نہایت نازک اور نرم ہوتا ہے یہ کیڑا دادی طبی میں جو ملک عرب کا ایک مشہور دادی ہے پایا جاتا ہے دوسری تشبیہ انگلیوں کی شاعر نے مسواک ہاتے اسٹل سے دی ہے یہ ایک درخت ہے جس کی شاخیں نہایت نرم ہوا کرتی ہیں ظاہر ہے کہ یہ تشبیہیں محض لوکل یعنی موضع ہیں اور ایسی نہیں ہیں کہ بغیر اطلاع سابق کے ہر ملک کا آدمی ان تشبیہوں سے لطف اٹھا سکے مگر مطلب شاعر کا ایسا ہے کہ تمام دنیا کے آدمی اس کے ساتھ اتفاق کریں گے یعنی محبوبہ کی انگلیوں کا نازک و نرم ہونا ایک بڑی صنعت ہے۔

مضمی الظلام بالنعیمی کاغذاً صدائہ عُمسلی راہب متبئل

مضمی :- وہ محبوبہ روشن کرتی ہے تاریکی کو اپنے چہرے سے گویا کہ وہ محبوبہ راہب باخدا پیوستہ کی شمع شام ہے یعنی محبوبہ کے رخسارہ روشن سے سیما ہی دسی ہی دور ہو جاتی ہے جلیسا کہ راہب کے چراغ شام سے تاریکی دفع ہوتی ہے راہبوں کا دستور ہے کہ شام کے وقت جاسے بلند پیرا ایک تیز روشنی اس غرض سے کہ دیتے ہیں کہ ماگہ کوئی مسافر راہ گم کر وہ ہو تو راہ پر آجائے۔

شاعر یہاں محبوبہ کی شمع رونی کو چراغ راہب سے تشبیہ دیتا ہے اور بلاشبہ یہ

تشبیہ نہایت خوب و مرغوب ہے یہ ایسی تشبیہ ہے کہ علاوہ شعر اسے
فارسی واردو کے اس کے ساتھ تمام اہل یورپ اور بھی دماغ کے لوگ جہاں
محبوبہ کی شمع سوئی کو ایک مر مقبول جانتے ہیں اتفاق رکھتے ہیں۔

إِذَا مَا مَبْكُرَتِ بَيْنِ دُرُوعٍ وَ مَجْرَلِ
معنی :- ایسی محبوبہ کی طرف جس کے اوصاف بالا میں بیان ہوئے مرد کا دل متقل
بھی سوز دکنی عشق کے ساتھ نظر کرتا ہے جبکہ وہ اس سن کھانچتی ہے کہ جو سن میان
سن زنان جوان دس دن نثران نابالغ کے ہوتا ہے یعنی جب محبوبہ ابتدا سے سن بلوغ
کو پہنچتی ہے تو اس وقت عاتقوں پر بھی آفت آجاتی ہے ان کی ساری عقل ہوا
ہو جاتی ہے۔

دافع ہو کہ یہ شعر نہایت فطرتی انداز رکھتا ہے اور شاعری کے پیراہن میں حسن کی
پر تاثیر سے خبر صحیح دیتا ہے اس رنگ کے اشعار فارسی اور اردو میں بہت
موجود ہیں۔

تَسَلَّتْ مَخَالِيقَ الرِّجَالِ عَنِ الصَّبَا
وَلَيْسَ قَوَادِي عَنِ هَوَايَ مُحَمَّدٍ
معنی :- دود ہو میں مردوں کی جہالتیہ انقضائے کو دکنی کے بعد لیکن میرے دل
سے تیرا عشق جوانی کے بعد بھی زائل نہ ہو۔

یہ شعر عجیب لطف رکھتا ہے عشق کا تقاضا ہی یہ ہے کہ کبھی زائل نہ ہو جو عشق
زائل ہو جائے وہ عشق نہیں ہے ہوسنا کی ہے اگر امر القیس اپنی آواز کی اور
بے اعتدالی کے قطعے نہیں کہے ہوتا تو یہ شعر جو بشکل خطاب، تغذیرہ کی طرف ہے
سامع میں عرفانی حالت پیدا کر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر چونکہ اوپر میں

ایک گونہ بدداتی کے ساتھ برودے عینزہ امرء القیس اپنی جو نانہ حرکات کا اعادہ کرتا گیا ہے اس کا یہ خطاب عینزہ کی طرف سامع کے دل پر پورا اثر پیدا نہیں کرتا ہے اگر کاش وہ یہ دکھلانے ہوتا کہ اسے بہت سے مجبوروں سے سلنا ہوا مگر کسی کے ساتھ اس کدل کو تعلق نہیں پیدا ہوا اور پھر عینزہ کی طرف یوں خطاب کرتا کہ صرف تو ہی مشعوقان عالم سے ایک معشوق ہے جس کا تعلق میرے دل کو ہے اور یہ ایسا تعلق ہے کہ اس میں شباب و شباب کو کوئی دخل نہیں ہے تو اس سے عشق صادق کا نقشہ ہو پیدا ہوتا اور اس بیان کی تاثیر ہی عظیم ہوتی ہے یہ شعر بلے خود ایک عجب عاشقانہ رنگ رکھتا ہے اور یاد رکھنے کے قابل ہے

الرُّؤْبُ حَصِيمٌ فَيْلِكَ أَلْوَى رَدَدْتَهُ
بَصِيحٌ عَلَى تَعْدَنِ إِلَهَ غَيْرِ مَوْجِبِ

معنی : ہر آگاہ ہو کہ بہت سے ایسے ناصح کو جو تیرے عشق میں مجھ سے نکو مش کے ساتھ پیش آنے والے ہیں اور سختی کے ساتھ مجھے عشق سے منع کرنے والے ہیں میں نے رد کیا یعنی ایسے ناصح کی ایک نہ سستی اور تیرے عشق میں استوار رہا۔

ناصح کا مضمون فارسی اور اردو کی شاعری میں درخلاف جو بدین شاعر یوں کے کثرت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے اور شک نہیں کہ لطف سے خالی نہیں ہے۔

وَالْبَيْتُ كَوْجِ النَّجْرِ أَوْ خِا سَلْدَلَهُ
عَلَى مَا تَوَاعَى الْكَهْمُ مَوْجِبِ لَيْبَتَلِ

معنی :- اور بہت سی باتیں ہیں جنہوں نے مانند موج بحر کے اقسام اندوہ کے ساتھ اپنے پردہ ہائے تاریکی کو مجھ پر ڈال دیا تاکہ مجھ آزمائیں کہ آیا مجھ میں طاقت شکیبائی ہے یا نہیں۔

فَعَلَّتْ لَهُ نَهْمًا تَعْطَى بِصَلْبِهِ
وَأَدْرَفَ أَعْبَارًا وَأَمَانًا بِكُلِّ

معنی :- پس کہا میں نے ایسی رات کو کہ جس کا ذکر بالا میں ہوا جبکہ اس نے اپنی پیٹھ دراز کی اور یکے بعد دیگرے سے اپنی سرین کو لائی اور سینے کو دوڑ کیا یعنی جب رات دراز ہوئی ، اور میں یہ سمجھا کہ اب رات کا آخر حصہ پہنچا تو پلے در پلے حصہ ٹٹے شب آتے ہی کٹے اور گوجھہ اول جو آغاز شب تھا دوڑ بھی ہو گیا تو بھی وہ شب انتہا کو پہنچی پس میں نے رات کا یہ رنگ دیکھ کر اس سے یہ کہا جو مندرج ذیل ہوتا ہے ۔

أَدْبَحْنَا اللَّيْلَ الطَّوِيلَ إِلَّا أَنْجَلَ رِصْصِجٌ وَمَا إِلَّا صَبَاحٌ مِّنَا يَلْقُنْتَلِ

معنی :- آگاہ ہوا ہے شب دراز اور اپنی تاریکی کو نور صبح کے ساتھ مبدل کر ڈال تاکہ مجھے رنج سے رہائی ہو۔

دافع ہو کہ شب غم بہت بھاری ہوتی ہے اور انسان گھبرا کہہ بی جا ہوتا ہے کہ کسی طرح صبح ہو جائے پس شاعر تمنائے صبح کا اظہار کرتا ہے اور رات کی طرف خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے شب دراز صبح ہو جا تاکہ مجھ کو تیری ظلمت سے نجات ہو اور اس وجہ سے تخفیف غم کی صورت پیدا ہو مگر اس کے بعد کہتا ہے کہ اے شب مجھے صبح کی تمنا ہے مگر میرے واسطے صبح تجھ سے خوب تر ہے اس واسطے کہ میرا غم ایسا ہے کہ صبح کے نمودار ہونے سے کوئی فرق اس میں پیدا نہیں ہوگا جیسا میرا غم اس وقت ہے صبح کے ظاہر ہونے پر بھی ویسا ہے گا ۔

فِيَا لَيْلٍ مِنْ كَيْلِكَ كَاتِبٌ حُجُومَةٌ بِأَمْرِ أَيْسَرَ كَثَانِ إِلَى حِصْمِ جَنْدَلِ

معنی :- پس تعجب رات ہے کہ جس کے ستارے گویا رسن مارے کثان سے

سنگ سخت میں بندھے ہوئے ہیں یعنی اپنی جگہوں سے کھسکتے ہی نہیں۔
 درازی قنبر کا مضمون ہرزبان میں دیکھا جاتا ہے ہرزبان کے شعرا نے اس کو
 بانٹا ہے سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ
 سعدیانو بیت المشب دہل صبح نہ کوفت یا مگر صبح بنا شد شب تنہا ہی را

ملفوظ

من غم د پرداے روز حشر ہوں دارم کہ چوں
 با سحر ربطی نمی بسند و شب بیدارے من
 بہر حال اس شعر میں بھی پرمضمن ہی خوش سلوکی سے بندھا ہے اور فطرتی انداز
 سے خالی نہیں ہے شب غم واقعی ایسی ہوتی ہے اور اس میں معلوم ہوتا ہے
 کہ تارے اپنی جگہ سے کھسکتے نہیں ہیں بخلاف شب مسرت کے کہ چاند تارے
 دم کے دم میں رخصت ہو جاتے ہیں اور صبح دن سے آپہنچی ہے یہی کیفیت
 دن کی ماہ صیام میں ہوتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب کو کسی نے کھونٹھی میں باندھ
 رکھا ہے کسی طرح شام ہوتی ہی نہیں ہے۔

وَقَرِيْبَةٌ اقْوَامٍ جَعَلَتْ عِصْمًا مَعَهَا عَلِيًّا كَاهِلٍ مَرِيْبِيٍّ ذُلُوْلٍ مَرِيْحَلٍ
 معنی :- اور بہت سی مشکیں قوموں کی ہیں کہ میں نے ان کے دوال کو اپنے
 فرماں بیل اور مرحل یعنی کوچ کنا بندہ دوش پر رکھا ہے۔

مطلب شعر یہ ہے کہ ہر چند میں بادشاہوں سے ہوں تاہم خدمت دوستان و
 ہمانان کی نظر سے ان کی مشکوں کو اپنے گاندھے پر اٹھاتا ہوں۔ یہاں شاعر اپنی
 مدح کرتا ہے اور دکھاتا ہے کہ خدمت احباب کی بجائے اور یس واپس پا نہیں

ہوتا اس قول سے اس کی شرافت انکسار اور عمدگی طبیعت کا اظہار مراد ہے
 آرمی کو چاہئے کہ درجہ عالی کے حامل رہنے پر بھی صفت خلق کو ملحوظ رکھے

چوں بد دولت برسی مست نہ گردی مردی

بلند پایگی کا تقاضا صحیح ہی ہے کہ خدمت قوم میں کبھی قاصر نہ ہو اور امر
 واقعی بھی میں ہے کہ سردار قوم خادم قوم ہوتا ہے اور اسے حقوق کرنا اس کا کام
 ہے اور اسی میں اس کی خوبی ہے۔

تو اضع ز گردن فرازان نکوست گد اگر تو اضع کند خوے اوست

وَدَا كَجَوْفِ الْعَيْرِ قَطَعَتْهُ بِهِ اللَّذَائِبُ يَعْوِي كَالْحَلِيعِ الْمَعْبِلِ

معنی: اور بہت وادی میں مانند شکم گور کے جس سے کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا

اس واسطے کہ شکم گور سے دودھ نہیں ملتا اور وہ وادی بیاباں بے آب و دانہ ہیں کہ
 جنہیں میں نے قطع کیا ان وادی میں بھیڑیا چلتا ہے مانند ایسے مارے ہوئے جواری
 کے جو عیال کثیر رکھتا ہے یعنی یہاں پھیر یا غایت گرسنگی سے نالہ و فریاد کرتا ہے۔

یہاں شاعر اپنے تحمل اور دلیری کو صحرانوردی کے پیرائے میں ظاہر کرتا ہے اور واقعی
 یہ ہے کہ تحمل اور دلیری لوازم عشق سے ہیں عاشقی آسان کام نہیں ہے یہ کام
 بہادر دل کا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے

ناز میں راعشقی میبید نہ ہرگز چار من شیر مردان بلاکش پادریں غوغا نهند

فَقَلَيْتُمْ لَدَا كَمَا عَوَى اِنَّ شَانَا قَلِيلِ الْعَيْنِ اِنْ كُنْتُمْ لَهَا تَمَوَّلِ

معنی: پس کہا میں نے اس بیڑیے سے جب وہ چلا یا کہ تحقیق میری شان بھی
 ناواری کی ہے اگر تو مال دار نہیں ہے یعنی تو جو گرسنگی سے چلتا ہے تو یہاں میرے پاس

کچھ نہیں ہے۔

واضح ہو کہ یہ رنگ بیان فارسی یا اردو کی شاعری میں نہیں دیکھا جاتا ہے یہ بیان کے طریقے ان اقسام سے ہیں جو کسی ملک خاص سے مختص ہوتے ہیں اور دوسرے ملک میں تقاضائے ملکی سے رواج نہیں پاسکتے۔

مَعْنٰی : - دونوں اسم لوگوں سے اگر کسی نے کوئی چیز پائی تو اسے ضائع کر ڈالا یعنی لے کر گم میں اور توہمہ کی یہ حالت ہے کہ اگر ہم سے کسی نے مال حاصل کیا تو اسے خرچ کر ڈالا اور جو شخص میری اور تیری طرح کوشش و سعی کرے لاغر ہو جائے گا یعنی میری اور تیری طرح کوشش کرنے والا محتاج ہو جائے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ انداز بیان فارسی اور اردو میں کمتر دیکھا جاتا ہے۔

مَعْنٰی : - اور میں اول سحر میں جاتا ہوں اور حالیکہ طیبہ را اپنے آشنیوں میں رہتے ہیں

ہمراہ اسپ کم موٹے جو بند و سرباں ہے اور دراز قوی ہیکل ہے یعنی میں علی الصباح ایسے وقت میں سوار اسپ ہو۔ ہوں کہ اس وقت طیبہ را اپنے آشنیوں سے باہر نہیں آتے اور وہ گھوڑا ایسا ہے کہ کم موٹے جو دلیل ہے تیز رفتاری کی اور ایسا ہے کہ جو دوش سوار ہے کو گرفتار کر لینے کی قدرت۔ آتا ہے اور ایسا ہے کہ دراز قوی ہیکل ہے واضح ہو کہ اہل عرب چونکہ گرم ملک کے رہنے والے ہیں تقاضائے آب و ہوا سے ان کا مزاج محرد واقع ہوا ہے جو شیلڈ پن لوانا مات محرد المزاج سے ہے پس ان کا میلان عورتوں کی طرف یا ان کی رغبت اسلحہ اور گھوڑوں کی جانب ایک

طبعی ہے۔ امرۂ اقیس اپنی مردانہ صفتوں کو بیان کر کے اب اپنی شہسواری اور اپنے گھوڑے کی مدح کرتا ہے یہ مدح نہایت فطرتی اندازہ رکھتی ہے اور ہرچند اس کا پہلو شاعرانہ ہے مگر فارسی اور اردو کے شعرا کی نامطبوع صفت خواتین سے تمام تر پاک ہے شعر نڈا اور ذیل کے اشعار میں جو صفتیں گھوڑے کی مندرج ہیں یقیناً ایسی ہیں کہ عمدہ گھوڑے میں وہ صفتیں موجود ہوتی ہیں واقعی اچھا گھوڑا ایسا ہوتا ہے کہ اس کی صفت میں مبالغہ پر دانی کی کوئی حاجت نہیں ہوتی۔ ان اشعار سے صاف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر خوب جانتا ہے کہ گھوڑے کو کیسا ہونا چاہئے اور شک نہیں کہ اہل عرب اس بات کو خوب جانتے ہیں ان اشعار میں گھوڑے کی تعریف اس رنگ پر کی گئی ہے کہ جو حضرات سخن سخن کا مذاق صحیح رکھتے ہیں بہت کچھ لذت یاب سخن ہو سکتے ہیں یہ اشعار ویسے نہیں ہیں جیسا کہ عربی و ذوق وغیرہما کے ایسے شعرا سے فارسی وارد ہونے اپنے مدوح کے گھوڑوں کو تماشے کا گھوڑا بنا کر لکھا ہے ان دونوں شاعروں کے کچھ کلام جو گھوڑے کی تعریف میں ہیں بغرض ظاہر کرنے ان کی بد مذاقی کے ذیل میں عرض کئے جاتے ہیں انہیں پران کے ایسے دیگر شعرا کے کلام کو بھی قیاس کہنا چاہئے۔

عربی

آن بیک سیر کہ چوں گرم عنانش سازی
اندازل سو سے ابد و نہ ابد آید بہ اندل

قطرہ کش دم رفتن چسک از پیشانی
شبنم آساش نشیند کہ رجعت بہ کفل

درمیان کچھ نذر کی چیز خدائیں رہتی ہے اپنے کرانہ و ناچیز کو
 واضح ہو کہ یہاں نثر یا کو تشبیہ کمرزیب کے ساتھ دی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ
 کمرزیب موتیوں سے بناتے تھے اور جب موتیوں کو رشتے میں پرہ دنتے
 دو موتیوں کے درمیان نذر کے تار دیتے یا زین دنے داخل کرتے تھے تو جو
 پردین کے تار سے ایک دوسرے سے فرق معلوم ہوتے ہیں کمرزیب کے مر
 بھی ایک دوسرے سے علحدہ نظر آتے تھے لارزیب یہ تشبیہ نہایت خوب
 مرغوب ہے مختصر یہ ہے کہ شاعر اپنے بولنے کے وقت کو بیان کرتا ہے کہ یہ
 وقت اس دن پر وہ نشین کے پاس پہنچا کہ جب عقد ثریا آسمان میں نمودار
 فَجِئْتُ وَقَدْ نَضَّيْتُ لِنَوْمِ ثِيَابِكُمْ لَدَى السُّتْرِ لِأَلْبَسَةَ الْمُتَقَفِّصَةَ
 معنی :- پس آئی میں اس محبوبہ کے پاس درحالیکہ وہ بغرض خواب اپنے کپڑے
 جامہ شب خوابی کے پردے کے پاس نائے ہوئے تھی یعنی سونے کی طرف مائل ہو چکی
 اس واسطے جامہ شب خوابی پہنے ہوئے تھی اور اپنی معمولی پوشاک کو پردے کے پ
 اتار کر رکھ دیا تھا۔

واضح ہو کہ یہ معاملہ امر و الفیس کی بڑی ڈھٹائی سے خبر دیتا ہے اور یہ ایک
 سین کی تصویر ہے کہ سوا ایک بہادر طبیعت دار کے کسی بودے ہو
 آدمی کو ایسے سین کے دیکھنے کا اتفاق ہو سکتا ہے بہادر قوم کی عادت
 بہادرانہ انداز رکھتی ہے ایسے عشقہ معاملات کو انہیں اقوام سے تعلق ہوتا۔
 جن کی خلقت میں بہادری داخل رہتی ہے اس سین کو ایک گونہ شیکسپیر کے
 جولیت کے اس سین سے مشابہت ہے کہ ہماں رومیو۔ جولیت کے اپ

ان پر کھیل کر گیا ہے اور جو لیکٹ اس سے پوچھتی ہے کہ کس طرح اس کا وہاں
 رہ سکا اور کیونکر اسے اعدا کا خوف نہ آیا اور کیوں اسے جان عزیز نہ بھاری
 ہے۔

فَقَالَتْ يَمِينُ اللَّهِ مَا لَكَ جِيْلَةً وَمَا نِ اَرَىٰ قِنْدَ الْعَوَايِمَةِ يَجْلِبُ
 نى :- پس کہا اس مجھو بسنے کہ بخدا تیرے پاس کوئی حیلہ نہیں ہے یعنی تو جو
 آیا ہے تو اب تیرے واسطے کوئی صورت جان بری کی نہیں ہے ضرور تو مارا
 گا۔ اور میں دیکھتی ہوں کہ تجھے جہالت عشق دور نہ ہوگی یعنی تو عشق میں ایسا دوتا
 ہے کہ سولے عشق تیرے سر سے جانے والا نہیں ہے

لموقف

تو جوائے مگر اے حضرت ناصح اس لقب سپہ فام کا سودا نہیں جاتا
 عِلَىٰ اَثَرِ مَنَا ذَلِيلٌ مِّنْ حِلْمٍ مَّحَلٌ
 نى :- میں باہر لایا اس مجھو بہ کہ در حالیکہ وہ چلتی تھی اور کبھی تھی پیچھے ہم دونوں
 شہبائے قدم پر دامن کو اپنے گلیم نقش کے۔ یعنی ہم اسے اس کیے تے
 تے اور جب وہ چلی تو اپنے گلیم کو زمین پر گھسیٹی چلی تا ہم دونوں کے نقش با اپنے
 میں اور پہچان میں نہ آسکیں۔

ہو کہ اہل عرب نقش پاسے دوست و دشمن کی پہچان لیتے تھے اور آسانی
 یہ شخص مفرد کا سر نہ لگا لیتے تھے بہت سی حکایات ایسی ہیں کہ جن میں اتنا
 مفردین کا تعاقب کیا جانا منقول ہے اور اس طرح کی پہچان اہل عرب
 پر موقوف نہیں ہے براعظم افریقہ اور براعظم آسٹریلیا وغیرہ میں بہت
 سی اقوام ہیں جو نقش پا کو خوب پہچانتی ہیں اور مفرد کا تعاقب منزلوں

تک کر کے اسے گرفتار کر لیتی ہیں ان اقوام کو نقش پاکی ایسی پہچان ہے کہ پتھر پٹی زمینوں پر سے بھی جو مفرد گندہ گندہ ہے اور جہاں نظر ہر اس کا نقش پا نام کو بھی تمیز میں نہیں آتا ہے وہاں بھی اپنی مشق شناخت سے پورا کام لیتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ایسی مشق آدمی کو تب ہی اہم پہنچتی ہے جب وہ ابتدائے سن شعور سے اس کی طرف توجہ کرتا ہے زیادہ سن میں اس کی مشق کمال کو نہیں پہنچ سکتی ہے فقیر نے اس کو امتحان کر کے دیکھا ہے اور وہ اس طرح پر کہ شغل صید آفتی میں جانور ان کو ہی دوشتی کے نقش پا کو پہچاننے کی بڑی حاجت ہوتی ہے اور ہر خدیفیر اس کی شناخت کسی قدر رکھتا ہے مگر نہ اس قصد جتنا کہ مردمان کو ہی دوشتی وغیرہ رکھتے ہیں یوں تو ہر شکاری جانوروں کے طرح طرح کے نقش پا کو پہچانتا ہے مگر ان کو ایسے سنگی مقاموں پر تمیز کر لینا جہاں باسباب نظر کوئی نقش پا محسوس نہ ہو آسان کام نہیں ہے ایسی شناخت تب ہی حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص عہد طفولیت سے گوہ دوشنت میں رہ کر اس کی مشق کا سلسلہ جاری رکھتا ہے فقیر کے رسالہ صید کے ملاحظے سے یہ امور وضاحت کے ساتھ دریافت میں آسکتے ہیں۔ یہاں تقریر کو طول دینے کا موقع نہیں ہے

فَلَمَّا أَجْرْنَا سَاعَةَ الْحَيِّ دَاغِيَا
بِنَابِطِنِ حَبْتِي ذِي حِقَافٍ عَقْفَلِيَا

معنی :- پس جب کہ نصابے آبادانی سے ہم لوگ باہر نکل گئے اور پہنچے زمین پست میں کہ جس میں کئی اور منتشر قود باے ریگ واقع ہیں یعنی آبادی سے نکل کر ایک ویران جگہ پہنچے جہاں خوف اعدا کچھ نہ تھا تو حالت اطمینان میں میں نے یہ کہا جو بیت ذیل میں ذکر ہوتا ہے۔

هَصْرَتْ بَعْدَ ذِي رَأْسِهَا تَحْتَا يَكَلَّتْ عَلَى هَضِيمِ الْكَتِّحِ رِيًّا لِحُفْلِ

معنی: کھینچا میں نے اپنی طرف دونوں کا کل سر مجھ پر کہ پس وہ میری طرف مائل ہوئی در حالیکہ وہ مجھ پر باریک میان اور پر گوشت ساق ہے۔

واضح ہو کہ مجھ پر کا باریک میان اور پر گوشت ساق ہونا مجھ پر کے خوش اندام سے خبر دیتا ہے اور اس سے شاعر کی خوش مذاقی کا اظہار متصور ہے۔

حَفْصَةُ بَيْضَاءُ خَيْرٌ مِّنْ مَّضَايَةِ تَرَاعُ بِجَهَاءِ صَوَالَةَ كَالشَّجِيحِ بَجَلِ

معنی: وہ معشوقہ نازک میان و رنگ بھیج رکھتی ہے اور اس کا پیٹ فریہ اور بد گوشت نہیں ہے اور اس کا سینہ آئینے کی طرح صیقل کردہ ہے۔

یہ سب اوصاف بھی مجھ پر کی جسمانی خوبیاں ظاہر کرتے ہیں اور شاعر کے خوش پسند ہونے پر دال ہیں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اہل عرب ہی اقوام یورپ و سکناے شام و عراق و ایران و کابل و ستان کے مانند سفید رنگ کو محبوب جانتے ہیں۔

سانولایا سیاہ رنگ و پسند نہیں کرتے چنانچہ تمام اہل یورپ اور بھی ان ملکوں کے شعرا مجھ پر کے رنگ کو خوب بیان کرتے ہیں تو تیرگی سے مبرا دکھاتے ہیں مگر ہندوستان میں گو سفید یعنی گور رنگ نامحسوس نہیں سمجھا جاتا ہے اس کے ساتھ بھی سانولا رنگ خالی لطف سے نہیں تصور کیا جاتا ہے

ظاہر اس سبب اس کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہند کے دیوتا سری کہشن جی سانولا رنگ رکھتے تھے مگر ملک حبش میں سوا رنگ سیاہ کے کوئی دوسرا رنگ مجھ پر و مصلوح نیس ہی نہیں کیا جاتا ہے چنانچہ جب اہل فرنگ پہلی بار ملک حبش میں گئے۔ تو اہل حبش ہان کے سفید رنگ کو دیکھ کر بہت ہنسے

اس واسطے کہ آدمی کا گورا ہونا ان کی آنکھوں میں نہایت ندموم متصور تھا یہ ہم لوگوں کے لئے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ قدیمی مذاق میں اشتبارا ملکی کو ہمیشہ دخل ہوا کرتا ہے۔

بیکر المفاخاة البياض بصفرة عذآهآ نهدرو الماء غير محلل

معنی :- وہ محبوبہ مانند اس دریکت کے ہے جس کی سفیدی میں زردی شامل ہوتی ہے اور جس کی تسمیرت ایسے صاف پانی سے ہوتی ہے کہ جو پانی فردو گاہ مردمان

نہیں ہوتا یعنی جس محل آب پر آدمی نہیں اترتے اور اس سبب سے وہ پانی گدا نہیں ہوتا یہاں شاعر نے محبوبہ کو ایک گور پر صفا سے تشبیہ دی ہے اور وہ نسبت دہی

صفا سے نہ رنگ گور ہر بلا شبہ تشبیہ نہایت لطیف انداز رکھتی ہے اور کسی ملک کے تعلیم یافتہ اور با مذاق شخص کو اس تشبیہ کی عمدگی میں غدر ہو نہیں سکتا

تصان و بکالی عن أسيل و شفق رنا خطرة من وحش و جرة مفضل

معنی :- وہ محبوبہ مٹ پھرتی ہے مجھ سے اور اس منہ پھرنے میں اپنے رخسارہ کشیدہ

کو ظاہر کرتی ہے اور وقت نگاہ کرے کے درمیان زمیر سے اور اپنے اپنی آنکھ کو حاصل کرتی ہے جو صحرائے وجہ کے ان آسمان سے مشابہت رکھتی ہے جسٹھ نے نئے بیجے تھے

وجہ ایک صحرا ہے جو درمیان مکہ اور بصرہ کے واقع ہے اور نئے پیر دینے کی یہ تخصیص ہے کہ اس وقت میں مادہ آہرہ ضعیف ہوا کرتی ہے پس چونکہ آنکھ کی تشبیہ عموماً آہرہ کے ساتھ دی جاتی ہے۔ اور شعراء عرب و عجم آنکھ کو ضعیف و بیمار بھی لکھا کرتے ہیں اس واسطے شاعر نے وقت تشبیہ دہی اس تخصیص کو ملحوظ رکھا۔ بہر حال آنکھ کی تشبیہ آہرہ کے ساتھ ایک معقول تشبیہ ہے اور تمام

تعلیم یافتہ ملکوں میں یہ تشبیہ ایک امر مسلم ہے ہندوستان میں بھی یہ تشبیہ معروف عام ہے چنانچہ مرگ نین ایک مشہور قول ہے۔

وَجِبِلًا كَجِبِلِ الرَّثِيمِ الْبِغَاجِيَةِ ۱۵۱ اِجِي نَصْنَنَةً دُرَاهِمًا مَعْطَلٌ

معنی :- اور وہ مجید بہ اپنی گردن آشکارا کرتی ہے جو گردن آہو کی طرح آدھ گردن آہو کا یہ طوطا ہوتا ہے کہ جب آہو اپنی گردن کو اٹھاتا ہے تو اس کی گردن کا جس درجہ اعتدال سے گزر نہیں جاتا ہے اور نہ خالی پیرائے خوبی سے ہوتا ہے۔

واقع ہو کہ گردن معشوق کی تشبیہ گردن آہو کے ساتھ شعراے عرب کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہے اور کسی ملک کی شاعری میں ایسی تشبیہ کمتر دیکھی گئی ہے۔ مگر یہ تشبیہ لطف سے خالی نہیں ہے معنا خبر دیتی ہے کہ معشوق کو بلند گردن ہونا چاہئے کو تاہ گردن ہونا معشوق کا تو درکنار کسی آدمی کا کو تاہ گردن ہونا خالی از قبح نہیں ہے شعراے فارسی وارد بھی گردن کے بلند ہونے کو ممدوح جانتے ہیں گو عموماً اہل ہند کا یہ مذاق نہیں معلوم ہوتا ہے اہل فرنگ بھی گردن بلند کو لازم حسن سے شمار کرتے ہیں اور گردن معشوق کو گردن سنوان سے تشبیہ دیتے ہیں سنوان ایک قسم فائدہ لبط کی ہے اور اس کے گردن نہایت بلند اور

خوب صورت ہوتی ہے فارسی وارد کے شعرا جو گردن کو صراحی دار باندھتے ہیں اس کا سبب بھی یہی ہے کہ صراحی کی گردن بلند اور خوش نما ہوتی ہے اور واقعی گردن بلند عجب دل آویزی رکھتی ہے اور بلاشبہ انسان کی خوش تر کیبی سے خبر دیتی ہے شاید نام دنیا میں خاتونان انگلستان بہترین گردن رکھتی ہیں جن حضرات کو صاحب نظر کے طوطا پران کے مشابہہ کا اتفاق ہوا ہو گا فقیر کی رائے

سے موافقت فرمائیں گے۔

وَفَرَّاحٌ يُرِيْبُ الْمَتْنِ اسْوَدَ فَاِجْمِ اَيْدِيَتْ كَيْفُوْرًا لِّلْمَخْلَّةِ الْمُنْعَثِكَلِ
معنی :- اور وہ محبوبہ اپنے موئے دراز کو آشکارا کرتی ہے کہ جو اس کی پیش
 زینت دیتے ہیں اور بال اس کے نہایت سیاہ کثیر اور پھیدہ ہیں مثل خوشہ بلہ
 نخل کے کہ جو نہایت بار آور ہوتا ہے۔

وان صبحک شعراے فارسی وار دو کے کلام میں ایسی تشبیہ نہیں دیکھی جاتی ہے
 شک نہیں کہ یہ ایک نہایت عمدہ تشبیہ ہے اور تمام تر موافق فطرت ہے
 عِلْدًا اَبْرُوْهَا سُنَّ شَرِّ مَاتُ اِلَى الْعُلَى تَضِلُّ الْعِقَاصُ فِي مَمْنِيْ وَ مَرْوَسُ
معنی :- کیسے تافتہ اس کے بلند کئے گئے ہیں برتری کی طرف یعنی دھا
 سر کے اوپر بندھے ہوئے ہیں اور بالوں کی یہ کثرت ہے کہ موئے گہرہ زدہ گم
 ہیں اس کے موئے تافتہ اور تافتہ ہیں

ان دونوں شعر بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ زمان اہل عرب چند طور سے بالوں
 کرتی تھیں اور ان کے بال فطرت کی رو سے بھی اچھے انداز کے ہوتے۔
 اس زمانے میں خاقان یورپ کے بال اتنی شکلوں سے سنا رہے ج
 کہ خدا کی پناہ فیشن کی کوئی حد ہی معلوم نہیں ہوتی ہے بہت سے فیشن
 ہیں کہ ہم لوگ بیچارے ہندوستانوں کو ان کا مطلب ہی سمجھنا دشوار
 قدر دانی تو درکنار۔

وَسَافِيْ كَابُوْبَا لِسْتِي الْمَدْلِكِ وَ كَيْتِيْ لَطِيْبِيْ كَا لِحْدِيْ لِيْ مَحْضَرِيْ
معنی :- اور وہ محبوبہ آشکارا کرتی ہے۔ ایسی تہی گاہ کہ جو مثل ہمارے شہر کے

بھی نذاک ہے اور آشکارا کرتی ہے ایسے ساق کو مانند انوب سیراب شدہ اور رام کے ہے۔

و تَضْحِي قَتَيْدَةُ الْعَيْشِ وَفِي فَرَاثِمَا + وَدَمٌ رَضِيحًا لَمْ تَنْتَضِ عَنْ تَفْصَلِ
 ا :۔ جب وہ محبوبہ صبح کو سو کر اٹھتی ہے تو اس کے بستر پر ریزہ ہلے سے ٹپک جاتے ہیں یعنی اس کے سونے سے بستر معطر ہو جاتا ہے اور وہ خواب میں ہے تا وقت چاشت اور بعد جائمہ شب خوابی پہننے کے اپنی کمر نہیں باندھتی بزدادی ہے اسے اس کی حاجت نہیں ہوتی کہ وقت سحر بیدار ہو اور کام سے میں لگے بعد پہننے جائمہ شب خوابی کے کمر باندھ کر کسمی کی خدمت کرے۔

ہو کہ محبوبہ کی بویائی سے بستر یا قالین یا دریا یا ہوا کا بویا ہو جانا فارسی اور کے شعرا باندھتے گئے ہیں فرق اس قدر ہے کہ اہل عرب محل بویائی میں ماکو یاد کرتے ہیں اور فارسی اور اردو کے شعرا گل کو یاد فرماتے ہیں۔
 بحر ہر اک شبہ گلاب ہوا معطر اس کے نہانے سے بس کہ آب ہوا

ایضاً

باتے جو گل اندام ہمارا اک دم عطر کھینچیں ابھی عطر گل قالین کا
 وَتَعَطَّرُ بِمَرْحُومٍ عَائِدٍ شَيْئًا كَانَتْ اَسَارِيْعٌ طَبِيْ اَوْ مَسَارِيْعًا اَسْجَلِ
 سی :- اور وہ محبوبہ چیزوں کو انگشت ہا سے نرم سے پکڑتی ہے اور وہ انگلیا سخت نہیں ہیں گویا کہ وہ انگلیاں یا مانند اس کر تک وادی طبی کے ہیں کہ جن سے کہتے ہیں یا مانند مسواک ہاتھ و رخت اسکل کے ہیں۔
 ہو کہ مجھ پر کی انگلیوں کا نرم ہونا ایک بڑی صفت ہے اکثر وہ عورتیں جو

محنت یا مزدوری کیا کرتی ہیں ان کی انگلیاں سخت ہو جاتی ہیں شاعر یہاں
 انگلیوں کی نرمی کو بیان کر کے محبوبہ کی اس صفت کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک
 اعلیٰ درجے کی عورت ہے جو ناز و نعمت میں پالی گئی ہے اس سبب سے اس کی
 انگلیاں سخت نہیں ہو گئی ہیں بلکہ کمال درجے کی نرمی رکھتی ہیں پھر شاعر محبوبہ کی
 انگلیوں کو اس طرح سے تشبیہ دیتا ہے یہ ایک کیڑا ہوتا ہے جس کا سر سُرُخ اور
 ربدن نہایت نازک اور نرم ہوتا ہے یہ کیڑا وادی طبری میں جو ملک عرب کا ایک
 مشہور وادی ہے پایا جاتا ہے دوسری تشبیہ انگلیوں کی شاعر نے مسواک ہاتے
 استعمال سے دی ہے یہ ایک درخت ہے جس کی شاخیں نہایت نرم ہوا کرتی
 ہیں ظاہر ہے کہ یہ تشبیہیں محض لفظی معنی میں ادا کی ہیں نہیں ہیں کہ بغیر اطلاق
 سابق کے ہر ملک کا آدمی ان تشبیہوں سے لطف اٹھا سکے مگر طلب شاعر
 کا ایسا ہے کہ تمام دنیا کے آدمی اس کے ساتھ اتفاق کریں گے یعنی محبوبہ کی
 انگلیوں کا نازک و نرم ہونا ایک بڑی صنعت ہے۔

نَضِيءُ الظِّلَامِ بِالْعُرْبِيِّ كَأَنَّهَا صِنْدُاقُ عُثْمَانِي رَاهِبٌ مُتَبَتِّلٌ

معنی :- وہ محبوبہ روشن کرتی ہے تاریکی کو اپنے پہرے سے گویا کہ وہ محبوبہ راہب
 باخدا پیوستہ کی شمع شام ہے یعنی محبوبہ کے رخسارہ روشن سے سیاہی ویسی ہی
 دور ہو جاتی ہے جیسا کہ راہب کے چراغ شام سے تاریکی دفع ہوتی ہے راہبوں
 کا دستور ہے کہ شام کے وقت بجائے بلند پہاڑ پر ایک تیز روشنی اس غرض سے کر دیتے
 ہیں کہ اگر کوئی مسافر راہ گم کر دے ہو تو راہ پر آجائے۔

شاعر یہاں محبوبہ کی شمعِ رومی کو چراغِ راہب سے تشبیہ دیتا ہے اور بلاشبہ یہ

تشبیہ نہایت خوب و مرغوب ہے یہ ایسی تشبیہ ہے کہ علاوہ شعراٹے
فارسی واردو کے اس کے ساتھ تمام اہل یورپ اور بھی دہل کے لوگ جہاں
محبوب کی شمع سوئی کو ایک مرمقبول جانتے ہیں اتفاق رکھتے ہیں۔

اَلِیْ سَلْهَآیَسَ نُوَ اَلْحَلِیْمُ حَبَابَةٌ اِذَا مَا اَسْبَكَتَ بَیْنَ دِرْعٍ وَ حِجْلٍ
معنی :- ایسی محبوبہ کی طرف جس کے اوصاف بالا میں بیان ہوئے مرد کا دل لعل
بھی سوز کر مئی عشق کے ساتھ نظر کرتا ہے جبکہ وہ اس سن کو پہنچتی ہے کہ جو سن میان
سن زنان جوان دسن دنتران نابالغ کے ہوتا ہے یعنی جب محبوبہ ابتدا سے سن بلوغ
کو پہنچتی ہے تو اس وقت عاقلوں پر بھی آفت آجاتی ہے ان کی ساری عقل ہوا
ہو جاتی ہے۔

واضح ہو کہ یہ شعر نہایت فطرتی انداز رکھتا ہے اور شاعری کے پیرائے میں حسن کی
پرت تاثیر سے نبرہ صبح دیتا ہے اس رنگ کے اشعار فارسی اور اردو میں بہت
موجود ہیں۔

تَسَلَّتْ عَمَلِیَاتِ الرَّجَالِ عَنِ الصَّبَا
وَلَيْسَ حَوَادِیْ عَنِ هَوَالِیِ الْمُحِبِّیْلِ
معنی :- دور ہو میں مردوں کو بہا لئیر انقضاٹے کو دو کی کے بعد لیکن میرے دل
سے تیرا عشق جوانی کے بعد بھی زائل نہ ہو۔

یہ شعر عجب لطف رکھتا ہے عشق کا تقاضا ہی یہ ہے کہ کبھی زائل نہ ہو جو عشق
زائل ہو جائے وہ عشق نہیں ہے ہوسنا کی ہے اگر امر القیس اپنی آداری لود
بے اعتمادی کے قطعے نہیں کہے ہوتا تو یہ شعر جو بشکل خطاب، عزیزہ کی طرف ہے
سامع میں عرفانی حالت پیدا کر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر چونکہ اوپر میں

ایک گونہ بد مداتی کے ساتھ برودے عزیزہ امراء القیس اپنی جو نازہ حرکات کا اعادہ کرتا گیا ہے اس کا یہ خطاب عزیزہ کی طرف سامع کے دل پر پورا اثر پیدا نہیں کرتا ہے اگر کاش وہ یہ دکھلائے ہوتا کہ اسے بہت سے مجبوروں سے سلنا ہوا مگر کسی کے ساتھ اس کے دل کو تعلق نہیں پیدا ہوا اور پھر عزیزہ کی طرف یوں خطاب کرتا کہ صرف تو ہی مشوقان عالم سے ایک معشوق ہے جس کا تعلق میرے دل کو ہے اور یہ ایسا تعلق ہے کہ اس میں شباب و شباب کو کوئی دخل نہیں ہے تو اس سے عشق صادق کا نقشہ ہو پیدا ہوتا اور اس بیان کی تاثیر ہی عظیم ہوتی ہے حال یہ شعر برائے خود ایک عجب عاشقانہ رنگ رکھتا ہے اور یاد رکھنے کے قابل ہے

اَلرُّدْبُ خَصِيْمٌ فَيَلْبَحُ الْوَلْوَى رَدْدًا
بَصِيْعٌ عَلٰى نَعْدَةِ الْاَلِهْ غَيْرِ مَوْتَلٍ

معنی : ہر اکا ہ ہو کہ بہت سے ایسے ناصح کو جو تیرے عشق میں مجھ سے نگو ہش کے ساتھ پیش آنے والے ہیں اور سختی کے ساتھ مجھے عشق سے منع کرنے والے ہیں میں نے رد کیا یعنی ایسے ناصح کی ایک نہ سستی اور تیرے عشق میں استوار رہا۔

ناصر کا مضمون فارسی اور اردو کی شاعری میں رجبلاف یورپین شاعریوں کے کثرت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے اور شک نہیں کہ لطف سے خالی نہیں ہے۔

وَلَيْلٍ كَوْدَجِ الْبَحْرِ اَرْخَى اسْمَدًا لَهُ
عَلَى اَنْوَاعِ الْكُهْمُومِ لَيْسَتَلٍ

معنی : - اور بہت سی مائیں ہیں انھوں نے مانند موج بحر کے اقسام اندو کے ساتھ اپنے پردہ اٹے تاریکی کو مجھ پر ڈالی دیا تاکہ مجھ آزمائیں کہ آیا مجھ میں طاقت شکیبائی ہے یا نہیں۔

فَقُلْتُ لَهُ لَمَّا تَمَطَّى بِصُلْبِهِ
وَأَدْرَفَ اَنْجَارًا وَاَنْعَاءَ بِكُلْكُلٍ

معنی :- پس کہا میں نے ایسی رات کو کہ جس کا ذکر بالا میں ہوا جبکہ اس نے اپنی پیٹھ دراز کی اور یکے بعد دیگرے اپنی سرین کو لائی اور سینے کو دور کیا یعنی جب رات دراز ہوئی اور میں یہ سمجھا کہ اب رات کا آخر حصہ پہنچا تو پیسے درپے حصہ ٹٹے شب آتے ہی کہتے اور گو حصہ اول جو آغاز شب تھا دور بھی ہو گیا تو بھی وہ شب انتہا کو پہنچی پس میں نے رات کا یہ رنگ دیکھ کر اس سے یہ کہا جو مندرج ذیل ہوتا ہے -

أَلَيْسَ اللَّيْلُ الطَّوِيلُ أَلَا أَجَلٌ بِصُحُورٍ وَمَا أَرَادَ صَبَاحُ مَنَاةَ بِنْتِ لَيْسَ

معنی :- آگاہ ہوا ہے شب دراز اور اپنی تاریکی کو نور صبح کے ساتھ مبدل کر ڈالنا کہ مجھے رنج سے رہائی ہو۔

دافع ہو کہ شب غم بہت بھاری ہوتی ہے اور انسان گھبرا کر یہی چاہتا ہے کہ کسی طرح صبح ہو جائے پس شاعر تمنائے صبح کا اظہار کرتا ہے اور رات کی طرف خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے شب دراز صبح ہو جاتا کہ مجھ کو تیری ظلمت سے نجات ہو اور اس وجہ سے تخفیف غم کی صورت پیدا ہو مگر اس کے بعد کہتا ہے کہ اے شب مجھے صبح کی تمنا ہے مگر میرے واسطے صبح تجھ سے خوب تر ہے اس واسطے کہ میرا غم ایسا ہے کہ صبح کے نمودار ہونے سے کوئی فرق اس میں پیدا نہیں ہوگا جیسا میرا غم اس وقت ہے صبح کے ظاہر ہونے پر بھی دیکھا ہے گا۔

فِي أَلْفٍ مِنْ كَيْلِ كَاتٍ حَجْوَمُهُ بِأَسْرٍ مِنْ كَتَانِ إِلَى حِصْمِ حَنْدَلِ

معنی :- پس تو جب رات ہے کہ جس کے ستارے گویا سن مارے کتان سے

سنگ سخت ہیں ہندے ہوئے ہیں یعنی اپنی جگہوں سے کھسکتے ہی نہیں۔
 درازی قنبر کا مضمون ہرزبان میں دیکھا جاتا ہے ہرزبان کے شعرا نے اس کو
 بانٹا ہے سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :-
 سعدی انوبت المشب دہل صبح نہ کوفت یا مگر صبح بناشد شب تنہای را

ملفوظ

من غم دپرواے روز حشر ہوں دارم کہ چوں
 با سحر ربط نمی بسند و شرب پیدا شے من
 بہر حال اس شعر میں بھی بیضمکن ہی خوش سلوکی سے بندھا ہے اور فطرتی انداز
 سے خالی نہیں ہے شب غم واقعی ایسی ہوتی ہے اور اس میں معلوم ہوتا ہے
 کہ تارے اپنی جگہ سے کھسکتے نہیں ہیں بخلاف شب مسرت کے کہ چاند تارے
 دم کے دم میں رخصت ہو جاتے ہیں اور صبح دن سے آپہنچی ہے یہی کیفیت
 دن کی ماہ صیام میں ہوتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب کو کسی نے کھونٹی میں باند
 رکھا ہے کسی طرح شام ہوتی ہی نہیں ہے۔

وَقَرِيحَةَ أَقْوَامٍ جَعَلَتْ عَصَا مَعَا عَلَى كَاهِلِ مَرِيٍّ دُلُولٍ مَرَحَلٍ
 معنی :- اور بہت سی مشکیں قوموں کی ہیں کہ میں نے ان کے دوال کو اپنے
 فرماں بولہ اور محل یعنی کوچ کنا بندہ دوش پر رکھا ہے۔

مطلب شعر یہ ہے کہ ہر چند میں باد شاہوں سے ہوں تاہم خدمت دوستان و
 ہمانان کی نظر سے ان کی مشکوں کو اپنے کا نہ سے پراٹھاتا ہوں۔ یہاں شاعر اپنی
 مدح کرتا ہے اور دکھانا ہے کہ خدمت اصحاب کی بجا آوری میں وہ پس پا نہیں

ہوتا اس قول سے اس کی شرافت انکسار اور عمدگی طبیعت کا اظہار مراد ہے
آدمی کو چاہئے کہ درجہ عالی کے حاصل رہنے پر بھی صفت خلق کو ملحوظ رکھے۔

پیوں بد دولت برسی مسرت نہ گردی مردی

بلند پایگی کا تقاضا سے صحیح یہی ہے کہ خدمت قوم میں کبھی فائز نہ ہو اور
واقعی بھی یہی ہے کہ سردار قوم خادم قوم ہوتا ہے ادا سے حقوق کرنا اس کا کام
ہے اور اسی میں اس کی خوبی ہے۔

تو اضع زگر دن فرازان نکوست
گد اگر تو اضع کند خوسے اوست

وَدَا كَجَوْفِ الْعَيْرِ قَطَعَتْهُ
بِهِ الذَّبَابُ يَعْوِي كَالنَّخْلِ لِعِ الْمَعْبَلِ

معنی: اور بہت وادی ہیں مانند شکم گور کے جس سے کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا
اس واسطے کہ شکم گور سے دودھ نہیں ملتا اور وہ وادی بیاباں بے آب و دانہ ہیں کہ
جنہیں میں نے قطع کیا ان وادیوں میں بھیڑیا چلتا ہے مانند ایسے مارے ہوئے جواری
کے جو عیال کثیر رکھتا ہے یعنی یہاں بھیڑیا غایت گرسنگی سے نالہ و فریاد کرتا ہے۔

یہاں شاعر اپنے تحمل اور دلیری کو صحرانوردی کے پیرائے میں ظاہر کرتا ہے اور واقعی
یہ ہے کہ تحمل اور دلیری کو انہم عشق سے ہیں عاشقی آسان کام نہیں ہے یہ کام
بہاوردل کا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

ناز میں راعشوق می نبید نہ ہرگز جاں من
شیر مردان بلاکش پا دریں غوغا نهند

فَعَلَيْكَ لَدَا لَهَا عَوِي اِنَّ شَانَا
قَلِيلُ الْبَغْيِ اِنَّ كُنْتَ لَهَا مَحْوَل

معنی: پس کہا میں نے اس بیڑیے سے جب وہ چلا یا کہ تحقیق میری شان بھی
ناداری کی ہے اگر تو مال دار نہیں ہے یعنی تو جو گرسنگی سے چلتا ہے تو یہاں میرے پاس

کچھ نہیں ہے۔

واقع ہو کہ یہ رنگ بیان فارسی یا اردو کی شاعری میں نہیں دیکھا جاتا ہے یہ بیان کے طریقے ان اقسام سے ہیں جو کسی ملک خاص سے مختص ہوتے ہیں اور دوسرے ملک میں تقاضائے ملکی سے رواج نہیں پاسکتے۔

کَلَّا مَا إِذْ أَمَّا نَالٌ شَيْئًا أَمَّا نَعْدُ وَمَنْ يَخْتَرُ حَزْبِي وَحَزْبِي هَزَلٌ
معنی :- دونوں سم لوگوں سے اگر کسی نے کوئی چیز پامال کر لی تو اسے ضائع کر ڈالنا یعنی لے کر گم میں اور تو دلہ کی یہ حالت ہے کہ اگر ہم سے کسی نے مال حاصل کیا تو اسے خرچ کر ڈالا اور جو شخص میری اور تیری طرح کوشش و سعی کرے لاغر ہو جائے گا یعنی میری اور تیری طرح کوشش کرنے والا محتاج ہو جائے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ انداز بیان فارسی اور اردو میں کمتر دیکھا جاتا ہے۔

وَقَدْ أَعْتَدَ حَيٍّ وَالطَّيْرُ فِي كَيْفَانِهَا عُمُورٍ قِيَّاءٌ وَإِدْبَاهِي كَلٌ

معنی :- اور میں اول سحر میں جاتا ہوں در حالیکہ طیور اپنے آشیانوں میں رہتے ہیں ہمراہ اسپ کم موٹے جو بند و جزایاں ہے اور دراز قوی ہیکل ہے یعنی میں علی العیاج ایسے وقت میں سوار اسپ ہوں کہ اس وقت طیور اپنے آشیانوں سے باہر نہیں آتے اور وہ گھوڑا ایسا ہے کہ کم موٹے جو دلیل ہے نیز رفتاری کی اور ایسا ہے کہ جو دوش سحرائے کو گرفتار کر لینے کی قدرت آتا ہے اور ایسا ہے کہ دراز قوی ہیکل ہے واضح ہو کہ اہل عرب چونکہ گرم ملک کے رہنے والے ہیں تقاضائے آب و ہوا سے ان کا مزاج محروم واقع ہوا ہے جو شیلڈ پن لوازمات محروم المزاجی سے ہے پس ان کا میلان عورتوں کی طرف یا ان کی رغبت اسلحہ اور گھوڑوں کی جانب ایک

طبعی ہے۔ امرء اقیس اپنی مردانہ صفتوں کو بیان کر کے اب اپنی شہسواری اور اپنے گھوڑے کی مدح کرتا ہے یہ مدح نہایت فطرتی اندازہ رکھتی ہے اور ہرچند اس کا پہلو شاعرانہ ہے مگر فارسی اور اردو کے شعرا کی نامطبوع صفت خواتین سے تمام تر پاک ہے شعر نڈا اور ذیل کے اشعار میں جو صفتیں گھوڑے کی مندرج ہیں یقیناً ایسی ہیں کہ عمدہ گھوڑے میں وہ صفتیں موجود ہوتی ہیں واقعی اچھا گھوڑا ایسا ہوتا ہے کہ اس کی صفت میں مبالغہ پر وازی کی کوئی حاجت نہیں ہوتی۔ ان اشعار سے صاف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر خوب جانتا ہے کہ گھوڑے کو کیسا ہونا چاہئے اور شک نہیں کہ اہل عرب اس بات کو خوب جانتے ہیں ان اشعار میں گھوڑے کی تعریف اس رنگ پر کی گئی ہے کہ جو حضرات سخن سخن کا مذاق صحیح رکھتے ہیں بہت کچھ لذت یاب سخن ہو سکتے ہیں یہ اشعار ویسے نہیں ہیں جیسا کہ عربی و ذوق وغیرہما کے ایسے شعراے فارسی وارد نے اپنے ممدوح کے گھوڑوں کو نمائشے کا گھوڑا بنا رکھا ہے ان دونوں شاعروں کے کچھ کلام جو گھوڑے کی تعریف میں ہیں بغرض نثار کرتے ان کی بد مذاقی کے ذیل میں عرض کئے جاتے ہیں انھیں پران کے ایسے دیگر شعرا کے کلام کو بھی قیاس کہنا چاہئے۔

عربی

آن سبک میر کہ چون گرم عنانش سازی
از ازل سوے ابد و نہ ابد آید بہ ازل
قطرہ کش دم رفتن چکداز پیشانی
شبنم آساش نشیند کہ رجوت بہ کفل

ایضاً

نہ تو سن تو عرق برز میں فروری نہ صبا ز طرف چمن یا سمیں فروری نہ

دوق

آسیا وار پھر سے کیوں نہ فلک گردین تیرے تو سن کے حوا سے کی اڑا جائے

ایضاً

جلد اتنا کہ جہاں عرصہ جو لاں اس کا عہد مستقبل و ماضی کا وہاں ہے اک حال
اس نلک سیر کو جو لاں جو کرے تو قویہ ڈر مزہ؟ سبز فلک ہو نہ مسبا دا پا ماں
ظاہر ہے کہ یہ سب اشعار نجیبت فطرت سے تمام تیرہ معرا ہیں اور در حقیقت
کوئی لطف نہیں رکھتے لیکن ایسے شعرا کی طرف سے یہ معذرت پیش کی جا سکتی ہے
کہ اس وضع کے اشعار یہ لوگ روٹی کی غرض سے کہا کرتے تھے تب یہ تعجب
گزرنے لگتا ہے کہ خدا یا کیا ان کے حمد و سب میں اس درجہ تشنزل و ماضی کو پہنچے ہوئے
تھے۔ کہ ان سے ایسے بے معنی اشعار کہا لیا کرتے تھے اور ایسے نامربوط کلام
سے خود لذت یا باب ہوتے تھے۔

میکہ مہینہ مقبل ملک پر معاً جملہ وضع خطہ السبیل میں
معنی :- اس پر مذکور نہایت حملہ کرنے والا ہے اور نہایت جھگنے والا ہے گویا کہ

بیک وقت مزے سامنے لانے والا ہے اور مزہ پھیرنے والا ہے مانند ایک بڑے سخت
پتھر کے جس کو سیل نے بلندی سے نیچے کی طرف ڈھلکایا ہو۔

یہ ایک سندرچل تعریف گھوڑے کی ہے جو ایسا گھوڑا ہوتا ہے وہ میدان جنگ اور
شکار اگلی کے قابل ہوتا ہے ایسے ہی گھوڑے کی بیٹھ سے نیزہ بازی کرتے ہیں جس

گھوڑے میں یہ صفیتیں نہیں ہوتیں نہ وہ لڑائی کے کام کا ہوتا ہے نہ اس سے اغراض
شکار انگنی نکلتے ہیں ایسے گھوڑے کی قدر وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے میدان
جنگ میں ایسے گھوڑے سے کام لیا ہے جنہوں نے جوگان یعنی پونو کھیلے ہیں یا جنہوں

نے نيزوں سے شور گوزن یا سرن مارے ہیں۔
 كَمِيَتْ يَبْلُ اللبْدُ عَنْ حَلِّ مَنَّةٍ كَمَا زَلَّتِ الصَّفْوَةُ بِالْمَتْنِ وَ
 معنی :- اسپ مذکور ایسا کیمت ہے کہ اس کے بدن کی صفائی کے باعث نمدین

اس کی بیٹے سے پھیل جاتا ہے جس طرح کہ آب باران سنگ براق سے گر پڑتا ہے
 سبحان اللہ کیا تعریف گھوڑے کی شاعر نے کی ہے کمال اطلاق سے گھوڑے کے
 رنگ کو کیمت لکھنا جاننا چاہتے کہ بہترین رنگ گھوڑے کے لئے رنگ کیمت
 ہے اس رنگ کے گھوڑے کا بدن سرخ ہوتا ہے دم سیاہ ہوتی ہے اور چاروں
 پاؤں سیاہ یا بائبل برسپا ہی ہوتے ہیں گھوڑے کے لئے یہ نہایت پختہ رنگ ہے
 اس رنگ کے گھوڑے بیشتر مضبوط نیز رفتار شائستہ اور نیک طبیعت ہوتے
 ہیں دیکھنے میں بھی انکھوں کو بھلے لگتے ہیں شاعر نے اپنی اطلاق کے رُو سے اسپ
 مذکور کو کیمت کہا تا واقف شاعر کوئی اور رنگ لکھ دیتا۔ جیسے سمند سرنگ سمرا
 مشکلی چال آبلق کر آفلا چیتا سرخا دینرہ جو کیر کے برابر نہیں سمجھے جاتے ہیں فقیر
 کی دانست میں فارسی یا اردو کے کم کسی شاعر نے گھوڑے کی تعریف میں اس رنگ
 کو کیمت لکھا ہے چونکہ واقعہ نگاری کا مذاق اکثر ان زبانوں کے قصیدہ گو شعرا
 نہیں رکھتے ہیں حقیقت حال کی طرف ان کے ذہن کو میلان نہیں ہوتا ہے ہر
 باتوں کو سوا القلم کہہ جاتے ہیں ان کی نگاہیں کبھی دیر تھی ہیں کہ صرف مبالغہ پر وانی

کہ قصوں نے شاعری کی جان سمجھا ہے۔ البتہ میرا نہیں صاحب کے کلام میں فطرتی انداز بہت موجود ہے۔ میں گو کبھی کبھی ان کی شاعری بھی ملکی نقاضوں کے باعث دائرہ واقع نگاری سے قدم باہر رکھ جاتی ہے اس پر بھی ان کے کلام میں جہاں انہوں نے گھوڑے کی تعریف مکھی ہے ایسی نیچرل خوبیاں پائی جاتی ہیں کہ سامع کو حیرت و حیرت ہوتی ہے صاف ان کے کلام ... سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ گویا انہوں نے مجھ گھوڑے کے حالات کی تحقیق میں اپنی عمر عزیز بسر کی ہے یہ ندرت نہ کسی فارسی اور نہ کسی اردو کے شاعر میں پائی جاتی ہے ہاں البتہ میر حسن مصنف نثری سحر الہیان جو ایک بڑے نیچرل شاعر ہیں انھوں نے گھوڑے کی تعریف میں کچھ شعر کہے ہیں جو قابل توجہ ہیں مگر یہ اشعار کہے دیتے ہیں کہ شاعر نے ہندوستانی خیتا کو وقت شعر گوئی ملحوظ رکھا ہے یہ بھی ایک نیچرل رنگ ہے جو ہندوستانی مذاق سے خبر دیتا ہے اور یہ وہ خیمالات ہیں جن کے پابند عموماً اہل ہند ہیں اشعار ذیل ایک گلن کے گھوڑے کے بیان میں ہیں۔

کہا ماہ رخ نے کہ تھے تیرے بخت کہ بخشا تھے میں سیماں کا تخت
جو اترے تو گل اس کی یوں جوڑیو جو برعکس چاہے تو دوں موڑیو
زمین سے لگا اور تا آسماں جہاں چاہیو جا ہیو تو وہاں

داستان گھوڑے کی تعریف میں

کہوں کیا میں اس اسپ کی خوبیاں پر زور دے میں کب ہوں یہ محبوبیاں
ذرا گل جو موڑی فلک پر ہوا جو کہئے تو کہئے اسے بادیاں

نہ کھادے نہ چموسے نہ سوتے کبھی نہ ٹاپے نہ بھارے ہوئے کبھی
 نہ حشری نہ کمری نہ شب کو روہ نہ وہ کہنہ لنگ اور منہ زور وہ
 نہ ہڈوں کا نہ موتڑوں کا خسل نہ پیشانی اور پرستارے کا بل
 نہ ساپن نہ ناگن نہ بھونری کا ڈر ہر اک عیب سے وہ غرض بے خطر
 ظاہر ہے کہ میر حسن نے ہندوستانی خیالات کی پابندی کی۔ و نریوں کے بیان
 میں کی ہے اس کے پابند ہمارے ملک کے ہر طبقے کے آدمی معلوم ہونے ہیں
 درحقیقت یہ خیالات بے معنی ہیں اور عند التجربہ محض جمل ثابت ہوتے گئے
 یاں فقیر نے دیدہ و دانستہ ایک ہر داؤل گھوڑا لیا تھا جب تک وہ اپنے پاس
 رہا کسی طرح کا آسیب فقیر کو نہ پہنچا یہ گھوڑا اس بھونری کے ساتھ کوئی ایسی
 ویرسری بھونری بھی نہیں رکھتا تھا کہ جس سے یہ تپاس کیا جاتا کہ وہ ہر داؤل
 کے اثر کو زائل کرنے والی تھی اسی طرح فقیر کے ایک عالی رتبہ عزیز بھونری
 کا ایک جانور رکھتے تھے جو ستارہ پیشانی تھا جب ان سے کوئی شخص
 کہتا کہ یہ گھوڑا ستارہ پیشانی ہے اسے دفع فرما بیٹے تو وہ ہنس کر فرماتے
 کہ میں آفتاب پیشانی ہوں میرے سامنے اس کا ستارہ پیشانی ہونا کیا اثر
 بد پیدا کر سکتا ہے یہ سب وہی باتیں ہیں اور مرد محصل کی توجہ کرنے کے قابل
 نہیں ہیں دنیا کے معاملات گھوڑے کی بال بھونری پر موقوف نہیں ہیں
 فقیر نے بہت سے مبارک بھونری کے جانوروں کے مالکوں کو بتلائے آفتاب
 ہوتے دیکھا ہے البتہ شائق کو عیوب شرعی کا ملحوظ رکھنا واجبات سے ہے
 اور یہ ایسے عیوب ہیں کہ عقل سلیم بھی انھیں عیب مانتی ہے ہم مسلمانوں

میں بال بھونری کا عقیدہ ہندوستان میں آنے کے پہلے نہ تھا اسلام میں تو ایسی لایتنی باتیں کیوں ہونے لگیں ایام جاہلیت کے اہل عرب بھی بال بھونری کو لاشمی جانتے تھے تعجب ہے کہ اس عہد کے ہندی اہل اسلام ایسی لغویاتوں کے پابند ہیں اور صرف اسی کے پابند نہیں ہیں ہزاروں مہمل نیلا لائے ان کے جزد و مفقعات ہو گئے ہیں۔

علامہ رنگ معقول بیان کرنے میں گھوڑے کی صفائی بدن کو ذکر کیا ہے۔ جاننا چاہیے کہ بغیر عمدگی جلد کے گھوڑے کے بدن میں صفائی نہیں آسکتی عمدہ جلد اسی گھوڑے کی ہوتی ہے جس کی نسل سچی ہوتی شاعر کا اس صفت کو ملحوظ رکھنا کہے دیتا ہے کہ شاعر اس درجے کا آدمی ہے کہ اس کے پاس قوم دار گھوڑے تھے امراء القیس شاہزادگان نجد سے ہے امراء نجد گھوڑوں کی نسل کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی امالت کے قائم رکھنے میں اہتمام بلیغ کو راہ دیتے ہیں گھوڑوں کے نسب نامے یاد رکھنے میں اہم عمدگی کو قیمت کو خوب پہچانتے ہیں کوئی نجد میں جا کر ان کے گھوڑوں کی جلدوں کو اپنی آنکھوں سے معائنہ کرے تب قول امراء القیس کی خوبی کو پہنچ سکے گا کہ ناواقف کا کام نہیں ہے کہ اس کے لطف کلام سے حظ اٹھائے ہم ہندیوں نے کیا گھوڑے دیکھے ہیں کہ اس کے بیان کی نزکو پہنچ سکیں۔ بہر حال جاننا چاہیے کہ صفائی جلد دلیل نجابت ہے بڑی نسل کے گھوڑے بد پیشے ہوتے ہیں بال ان کے خوس و پڑ کو ہی کی طرح موٹے ملاہمت و ملاحت ندارد اس ملک میں بھی جو کبھی اچھے گھوڑے ملک عرب عراقی ایران بخارا وغیرہ کی طرف سے آجاتے ہیں تو ان کی جلدیں دیکھنے کے قابل

ہوتی ہیں ان پر ہاتھ پیرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جلدین کا ہے کوہن نخل
کا شانی ہیں بلکہ نخل سے کوئی زیادہ نرم تھے ہیں۔

عَلَى الدُّبِيِّ يَمِينُ كَأَنَّهَا هَبْرَا مَهْ إِذَا جَازَتْ فِيهِ حَمِيْدَةُ عَلِيٍّ مَرْجَبِ

معنی :- اس پر مذکور باوجود لاغری کے جوش مارنے والا ہے گویا کہ آواز
اس کی جب کہ اس کی گرمی جوش میں آئے دیگ کا جوش کرتا ہے یعنی جب وہ
گھوڑا گرم ہوتا ہے تو اس کے گرم ہونے پر اس کی آواز رفتار دیگ کے جوش کا عالم
پیدا کرتی ہے۔

وآج ہو کہ شاعر نے گھوڑے کی تعریف لاغری کے ساتھ کی اسے فریب نہیں کہا
اس لئے کہ اس پر لاغر تیز رفتار اور بکار آمد ہوتا ہے بخلاف فریب کے کہ اس
سے نہ لڑائی نہ دوڑ نہ شکار نہ چوگان بازی میں کام لیا جاسکتا ہے سعدی
علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا ہے :-

اسپ لاغر میاں بکار آید روز میدان نہ گاؤ پر واری

شاعر نے اس جگہ بھی اپنی اطلاع سے کام لیا ہے گھوڑے کی تعریف میں مضمون
لاغری کو پیش نظر رکھا اہل عرب خوب جانتے ہیں کہ گھوڑے کا بدن کس انداز
کا ہونا چاہئے۔ اہل فرنگ بھی پورے طور پر باخبر ہیں کہ سواری کے گھوڑوں
کو کس قدر گوشت رکھنا چاہئے مگر بہر حال سے ہمارے ہم وطن کے خیالات
اس مادے میں غلطہ ہیں ان کی سواری کے گھوڑے دودھ مالیدہ گاجر ہیرلا
کھا کر ایک عجیت تھے ہو جاتے ہیں تنویر چاس قدم چل کر پسینے میں ڈوب
جاتے ہیں اور جس طور پر رکھے جاتے ہیں اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ محض

بیکار ہو جائیں ایسے گھوڑے نہ دوڑ کے کام کے رہتے ہیں اور نران سے
 صید اگنی کی غرض نکلتی ہے البتہ ایسے گھوڑے رقص کا لطف دکھلاتے ہیں
 اسی غرض سے گھونگرو وغیرہ بھی پہنائے جاتے ہیں واہ رے مذاق گھوڑا جو
 سپاہی اور فازی مرد کا حکم رکھتا ہے ٹوٹی حرکات بنا یا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ۔

اہل عرب صرف عمدہ گھوڑے نہیں رکھتے ہیں۔ بلکہ گھوڑے کو کیا ہونا چاہیے
 اور اس کو کیا صرف ہے اس کو بھی خوب سمجھتے ہیں۔ اہل فرنگ بھی اس کام کو
 خوب جانتے ہیں جیسا کہ ہم لوگوں پر کہ ہم لوگوں کی جتنی اچھی باتیں تقیوں
 اہل یورپ میں چلی گئیں اور ہم لوگوں سے غیر اترام کی بڑی خصیلتیں اختیار کر لیں
 مِسْمَرًا اِنَّمَا الْمَسَابِقَاتُ عَلَى الْوَجْفِ اَتَوَكَّ الْعَاسِرُ بِالْكَرْبِيِّ الْمُرْمَلِ

معنی: - اسب مذکور نہایت تیز رفتاری کے باعث مثل آب ریختہ کے
 ہے یعنی جیسے آب ریختہ کی حرکت تیز ہوتی ہے ویسا ہی یہ اسب بھی اپنی رفتار
 میں تیز ہے اور یہ تیزی اس کی اس وقت قائم رہتی ہے جب اور تیز رفتار گھوڑے
 دوڑے ماندے ہو کہ ایسی زمین سخت میں جو سٹم سنوران سے نہ کہیدہ اور کہنتی
 ہے عبار اڑانے لگتے ہیں یعنی اور گھوڑے دوڑ میں تنگ کہ سست ہو جاتے ہیں مگر
 اسب مذکور نہیں ٹھنکا اور اس کی وہی تیزی برقرار رہتی ہے۔

اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اسب مذکور صرف نہایت تیز رفتار نہیں
 ہے بلکہ بہت جفاکش بھی ہے جفاکش تیز رفتار گھوڑے کے لئے ایک بڑی
 صفت کی بات ہے شاعر نے بڑی اطلاع کے ساتھ گھوڑے کی یہ تعریف کی
 ہے جاہل شاعر کے دماغ میں کبھی یہ تعریف نہیں آسکتی ہے یہ تعریف اسی

شاعر کے قلم سے نکلے گی جو گھوڑے کے فن کا بڑا ماہر ہوگا واقعی ایسے گھوڑے
 کا کیا کہنا ہے کہ دوڑ میں اور گھوڑے تھک جائیں تو اس کا دم خم بطور سابق
 باقی رہے یہ بات عربی گھوڑوں میں دیکھی جاتی ہے سوڑ دوڑ میں ایسا دیکھا
 گیا ہے کہ جب اور قوم کے گھوڑوں کی قوت رفتار ختم ہونے لگی ہے تو اس
 وقت عربی گھوڑے اپنے زور پر آنے لگے ہیں فقیر کا ذاتی تجربہ ہے کہ عربی
 گھوڑے ایک اچھی دوڑ کے بعد کھٹے لگتے ہیں اور واقعی وہ اپنی پوری قوت
 رفتار پر تب پہنچتے ہیں جب اور گھوڑوں کی قوت کم ہونے لگتی ہے ظاہر
 ہے کہ جو شاعر ان امور سے واقف نہ ہوگا وہ ایسے مضمون کتب باندھے گا

یا سامح بنجر کو ایسے فطرتی کلام سے کیا لطف سخن ملے گا

يُنزِلُ الْغَلَامُ الْخَمْتِ عَنْ صَهْوَاتِهِ وَيَلْبِيءُ بِأَثْوَابِ الْعُضَيْفِ الْمَقْبَلِ

معنی :- اسب مذکور غایت تیز رفتاری کے باعث طفل سبک کو اپنی پیٹھ
 سے گرا دیکھتا ہے یعنی طفل جو سواری میں مہارت نہیں رکھتا ہے اس کی غایت
 تیز رفتاری کے سبب اس کی پیٹھ پر ٹھہر نہیں سکتا ہے پس اس کی سواری کے
 لئے سوان ماہر درکار ہے جو فن سواری کو جانتا ہے۔

اس تعریف سے غرض شاعر یہ ہے کہ اسب مذکور نہایت تیز رفتار ہے
 نہ یہ کہ بد ہے جو سوار کو چٹک دیتا ہے پس ایسے گھوڑے کو ایک عمدہ
 شہسوار درکار ہے اور اسب مذکور گرا دیتا ہے جامہ ہائے سوار ماہر دگر
 کو یعنی اس کی تیزی کے سبب سے ماہر سوار کے کپڑے اس کے ہاتھ سے
 باہر ہو جاتے ہیں۔ مطلب شاعر یہ ہے کہ اسب مذکور کس قدر تیز ہے کہ

شہسوار کو چاہتے کہ کپڑے مستعدی کے ساتھ پہن کر اس پر سوار ہو ورنہ

ٹوپی دستار کہیں سے کہیں چلی جاسکتی گی

دَرِيٍّ كَعَدُوٍّ الْوَلِيدِ أَمْرًا تَتَابِعُ كَفِيَّةً بَعْجِيطٍ مَوْصِلٍ

معنی :- اس پ مذکورہ تیز رو ہے مانند خذروف لڑکے کے جس کا دعا کا خوب بنا ہوا ہوتا ہے اور جسے دونوں ہاتھ سے لڑکے گھمانے میں بذریعہ ایک رشتہ پیوستہ کے۔

واضح ہو کہ خذروف کو زبان ہندی میں چرکی کہتے ہیں اس کو گھمانے سے ایک خاص طرح کی آواز نکلتی ہے لڑکے اس کھیل کو ہندوستان میں بھی کھیلا کرتے ہیں اس شے کو بنانے کی ترکیب یہ ہے کہ ایک گلی مدور شے کو سھلی سے مڑھ دیتے ہیں پھر اس میں دعا کا ڈال کر گھمانے میں اس گھمانے سے اس میں سے آواز نکلتی ہے۔ یہاں آواز سے کوئی مطلب نہیں ہے اس جگہ شاعر کھدڑ کی تیزی کو اس شے کی گردش کی تیزی کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے ظاہر ہے کہ جب کوئی ایسی شے گھمائی جاتے گی تو اس کی حرکت نہایت سریع ہوگی تشبیہ بھی دائرہ فطرت سے باہر قدم نہیں رکھتی ہے اور یہ اس طرح کالے سرو پا مبالغہ نہیں ہے جیسا کہ عربی نے اپنے شعر مر قومه بلا میں ازل وابد کو اکٹھا کر کے دکھایا ہے۔

لَهَا اِبْلَاءٌ طَلْحِيٌّ وَمَسَاقَا مَسِيَّةٍ وَارْتِعَاؤٌ مِثْلَ حَارِنٍ وَتَقَرُّبٌ مِمَّنْ تَقْبَلُ

معنی :- اس پ مذکورہ کی ہر دو تہی گا ہیں آہو کی تہی گا ہیں ہیں اور اس کی ہر دو ساقیں شتر مرغ کی ساقیں ہیں اور دوڑ اس پ مذکورہ کی بھیڑیے کی دوڑ ہے اور

رپٹ پچھ رو باہ کی ہے

واضح ہو کہ شاعر نے یہاں سب ایسے جانوروں کو مجتمع کیا ہے جو تیز رفتاری میں ممتاز ہیں آہو کی تہی گاہ اور شتر مرغ کے پانوں کا ذکر کیا دوڑ پھیرنے کی آواز رپٹ رو باہ کی بتلائی آہو کی تہی گاہ سے تشبیہ اس لئے دی کہ آواز دے ساخت بدن پھر ہر ابھوتا ہے اس کی تہی گاہیں اس ترکیب کی ہوتی ہیں کہ جو اس کی تیز رفتاری کی معین ہوتی ہیں گھوڑے کی تیز رفتاری کا کمال یہی ہے کہ آہو کے برابر دوڑ سکے ایسے کم گھوڑے ہیں جن کی پیٹھ سے شکاری نینرے یا تلوار کے ذریعے سے آہو کو شکار کر سکتا ہے کہ میل کیمبل نے اپنے روزنامے میں اور اسٹریڈیل صاحب نے اپنی کتاب میں آہو کے گھوڑے سے شکار کئے جانے کی دو تین سرگزشتیں تحریر کی ہیں مگر یہ آہو جن کے مذکور ان کی تحریروں میں آتے گئے ہیں یہ سب کم و بیش قبل سے زخمی ہو چکے تھے اس پر بھی وہ سب بڑی دوڑ کے بعد و شواری سے ہاتھ لگے بقیاس فقیر ملک عرب میں بھی کمتر ایسے گھوڑے ہوں گے وہ اسی صفت کے ہوں گے جس صفت کا امر و انقیس کا گھوڑا تھا پھر شاعر نے شتر مرغ کی ساقوں کا مذکور کیا ہے یہ جانور قوت پر واز نہیں رکھتا اور اسے قوت پر واز کی حاجت بھی نہیں ہے فطرت نے اپنی بخشش میں افراط کو راہ نہیں دیا ہے چونکہ اسے غایت درجے کی تیز رفتاری بخشی ہے اس تیز رفتاری کے ساتھ قوت پر واز افراط بخشش کا حکم رکھتی۔ یہ جانور ریگستانوں میں رہتا ہے اور واقعی عجیب الخلق ہے جب کوئی اس کا تعاقب کرتا ہے اس تیزی سے بھاگتا ہے کہ دم بھر میں

آنکھوں سے نہاں ہو جاتا ہے عرب اور افریقہ کے بڑے بڑے صحراؤں میں
 وطن رکھتا ہے اور ان وسیع بیابانوں میں اپنے پاؤں سے وہ کام لیتا ہے۔
 جیسے تیز پہ واز طہور مثل عقاب و نسر کے اپنے بازوؤں سے کام لیتے ہیں تیز
 کے جو نہایت تیز گھوڑے ہوتے ہیں صرف وہی تو اس کا بچھا کر سکتے ہیں اؤ
 جو گھوڑا اس کی دوڑ کو پہنچ سکتا ہے اسی کی تیز رفتاری سنہری سمجھی جاتی ہے
 آہو دست مرغ کا ذکر کر کے شاعر بھیر بیٹے کا مذکور کرتا ہے اس جانور کی بھی بڑی
 دوڑ ہوتی ہے اس کا فقیر کو بھی ذاتی تجربہ حاصل ہے واقعی نہایت تیز رفتار
 گھوڑے کا کام ہے۔ کہ اس جانور کا تعاقب کرے بغیر شکاری کتوں کی اعانت
 کے اس کا شکار دشوار ہے آخر میں لومڑی کا بیان ہے یہ وہ چالاک اور تیز رفتار
 جانور ہے کہ تازی کتوں کی کمر اس کے شکار میں ٹوٹ جاتی ہے اہل فرنگ اس
 کا شکار خوب کھیلتے ہیں۔ فاکس ہونڈ جو لومڑی کے شکار کے کتے ہوتے ہیں بے
 ان کتوں کے سوار سے کچھ نہیں بن آتی۔ واضح ہو کہ یہ شعر خوبیوں سے معمور ہے۔
 وہی شخص جو علم حیوانات سے خبر رکھتا ہے اس سے لذت یا ب ہوگا نہ لایعیم
 شاعر ایسا شعر کر سکے گا اور لایعیم سامع اس سے حظ اٹھا سکے گا۔ جانتا چاہئے کہ
 استادوں نے گھوڑے کی خوبیوں کی تفصیل یوں کی ہے کہ گھوڑے میں نین خوبیا
 عورت کی ہونی چاہئے یعنی ایال زلف مجدباں کی طرح دراز اور سینہ و سرین ان
 کے سینہ و سرین کی طرح عربیف مدور اور پھر اسے شیر کی تین صفیں درکار ہیں یعنی شیر کی
 طرح اسے ربوب دابہ پرہ رکھنا چاہئے اور شیر ہی کی طرح اسے بہادر اور پر صولت
 ہونا چاہئے میٹھ کی بھی تین چیزیں اس کو حاصل رہنا ضرور ہے یعنی ناک نیکی تحمل

بریں منوال اسے نین اعضا میں یعنی سر پا توں اور جلد میں ہرن سے مشابہ ہونا چاہئے۔ اور اسی طرح بیٹھتیے سے اس کے حلقوم گلے اور قوت سمع کو اور لوٹری سے اس کے کان دم اور دلکی کو۔ اور سانپ سے اس کی قوت حافظ قوت بصر اور چنگ کو اور خرگوش سے اس کی رفتار و ڈر اور جفا کشی کو ہمسری کی حاجت ہے۔ ہر چند امراء الفیس نے اس طوالت سے اپنے گھوڑے کی خوبیوں کو نہیں لکھا ہے تاہم شاعرانہ تقاضا سے جس قدر امور ضروری تھے انہیں نہایت امتدادی کے ساتھ معذوں کیا ہے اس کے لطف کو وہی سمجھے گا جس کی گھٹی میں گھوڑے کا شوق پڑا ہوگا اور جس شوق نے اسے ماہر فن کے درجے کو پہنچایا ہوگا۔

ضَلِيلٌ إِذَا اسْتَدْبُرْتَهُ سَدَّ فَرْجَهُ
بِصَانٍ فَوَيْقِ الْحَرِّ مِنْ لَيْسٍ يَا عَزْلِي

معنی :- اسپ مذکور بوری خلقت کا سرین سے پُر گوشت پر اعضا اور میان سے بزرگ ہے جب کوئی پس پشت اس کے آتا ہے تو اپنی دونوں رانوں کے درمیان کی کشادگی کو اپنے دم سے بند کرتا ہے اور اس کی دم میں کثرت سے بال ہیں اور دم اس کی اس قدر دراز ہے کہ زمین سے صرف تھوڑی بلندی پر تہی ہے اور وہ دم کج نہیں ہے جو گھوڑے کے لئے عیب متصور ہے بلکہ نہایت راست ہے۔

یہ تعریف بھی شاعر کے کمال اطلاع سے خبر دیتی ہے واقعی گھوڑے کو البسا ہی ہونا چاہئے۔ کہ خلقت سے پورا ہونہ اس کے قد میں نقصان ہونہ اس کے جسم میں کدھنکا پن ہو سرین کو پر گوشت ہونا چاہئے اس کی اعضائی ترکیب میں کوئی نقصان نہ لاحق ہو کہ سے بزرگ ہونے کے سبب سے متحمل وزن اٹھانے کا ہو ہر طرح جوڑ بند سے درست ہو دم میں بال کثرت سے ہوں اور دراز ایسے ہوں

کہ قریب زمین کے پہنچتے ہوں اور بھی دم میں کچی لاش نہ ہو۔ واضح ہے کہ عربی گھوڑے جیسے خلقت کے رو سے خوش ترکیب ہوتے ہیں جیسا کہ شاعر نے لکھا ہے اس میں ایک حرف مبالغہ نہیں ہے ملک عرب کے گھوڑے تمام دنیا کے گھوڑوں سے جدا اندازہ حکم رکھتے ہیں ان کی ننھو ننھی چھوٹی پینٹانی آنکھیں بڑی ہوتی ہیں تراود کان چھوٹے گردن کے بال لاتبے گردن کا خم حمراب نما سینہ وسیع قد کے حساب سے پیٹھ چوڑی گھر بزرگ ترین چر گوشت پیریت متوسط دست و پا سانچے کے ڈھلے ہوتے ہیں مختصر یہ ہے کہ تناسب اعضا ایسا ہوتا ہے کہ آنکھیں اچھے عربی گھوڑے کو دیکھ کر سیر نہیں ہوتی ہیں یہی جی چاہتا ہے کہ اسے دیکھا کریں اس پر اس کی شائستگی طبیعت داری شریف مزاجی و فاداری اور ذہانت ایسی ہوتی ہے کہ شان خدا یاد آتی ہے سچ یہ ہے کہ اس کی محبوسیت کچھ ایسی ہوتی ہے کہ اسے نظر سے دور رکھنا طبیعت گوارا نہیں کرتی۔

كَانَ سَمَاتَهُ لَدَى الْبَيْتِ قَائِمًا مَدَّ الْعُرْوَيْسَ أَوْ صَلَايَةَ مَنْظِلٍ
معنی :- گویا کہ پشت اس پر مذکور در حالیکہ وہ قریب گھر کے استناد ہے
 مثل اس پتھر کے ہے کہ جس پر نشی دلہن کے لئے خوشبودار مصالح پیتے ہیں یا مانند
 اس صاف و سخت پتھر کے ہے کہ جس پر منظر تڑتے ہیں یعنی اس گھوڑے کی پیٹھ
 اس کے کھڑے رہنے کی حالت میں ایسی عریض معلوم ہوتی ہے جیسے پتھر کی سہلی ہو
 جس پر مصالح پیمیں یا منظر تڑتیں۔

جاننا چاہئے کہ یہ تعریف بھی گھوڑے کے لئے ایک بڑی تعریف ہے جو گھوڑا

مزین پیٹھ کا ہوتا ہے اس کی پیٹھ قابل اعتماد ہوتی ہے اور ایسا گھوڑا علاوہ بکار آمد ہونے کے خوش فاق بھی ہوتا ہے۔ شاعر کی خوش خیالی نہایت قابل تعریف ہے۔ کیوں نہ ہو شاعر بھی اسی ملک کا شاہزادہ ہے جہاں عمدہ ترین گھوڑے پیدا ہوتے ہیں اس پر بھی شاہزادہ ایسا طبیعت دار مردانہ مزاج بہادر

طبیعت خوش پسند اور خلاق سخن

كَانَ دِمَاءُ الْهَادِيَاتِ بِنَجْرِهَا عَصَاةً سَعِيًا لِشَيْبٍ مَرَجَلٍ

معنی :- گویا کہ خون جانوران پیش رو کا اس کے سینے پر فشرده ہندی کا ہے موی سفید و شانہ کردہ میں یعنی اسپ مذکور ایسا تیز رفتار ہے کہ وحوش سحرانی کو جو اپنے مجنسون سے دوڑ میں آگے رہنے دالے میں جا لیتا ہے اور وقت شکار ان کا خون جو اس کے سینے پر گزرتا ہے وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا موی سفید و شانہ کردہ عصارہ حنا سے مخضب ہو رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر وہ گھوڑا اس قدر تیز نہ ہوتا تو کیونکر اس سے جانور ان پیش رو کا شکار ممکن ہوتا چونکہ ایسے جانوروں تک دوڑ کر پہنچ جاتا ہے تو وقت شکار ان کے خون سے اس کا سینہ تر معلوم ہوتا ہے کہ گویا سفید اور شانہ کردہ بالوں پر مہندی کا خضاب چڑھتا ہے واضح ہو کہ شاعر گھوڑے کی تعریف کرتے کرتے اب اس امر کا تذکرہ کرتا ہے جس سے کہ گھوڑے کی سچی خوبیوں کا مکمل تصور ہے وہ امر معاملہ شکار ہے گھوڑے کا پورا جوہر یا میدان جنگ یا شکار گاہ میں کھلتا ہے شکار انگلی کی ششقت بھی نبرد آزما کی سی ہوتی ہے شکار انگلی میں بھی بہت کچھ خوف جان لاسحق رہتا ہے شکار انگلی اور نبرد آزما کی

میں فرق اس قدر ہے کہ ایک میں انسان کو مقابلہ و خوش صحرائی کے ساتھ
ہونا ہے اور دوسری میں انسان کا مقابلہ انسان کے ساتھ ہونا ہے خیر
فرق جو کچھ ہو شکار انگلی ایک بڑی محنت کا کام ہے اس کے واسطے اور
سامانوں کے علاوہ اچھے سوار اور اچھے گھوڑے کی ضرورت ہے نامراد
راکب اور نامراد مرکب کا کام نہیں ہے کہ ایسے شکار میں اظہار جو ہر کر سکے
جس قسم کے شکار کا امر ۶ الفیس شعر بالا میں ذکر کرتا ہے شعر بالا کے لطف
مضامین سے بہرہ مند ہونے کے لئے ضرور ہے کہ انسان اعلیٰ قسم کی صید
انگلی کا کچھ ذاتی تجربہ رکھے اس کا تجربہ صرف انہیں لوگوں کو ہونا ہے جو
صید انگلی کا بیجا مذاق رکھتے ہیں سچے مذاق کا حاصل ہونا ایک امر دشوار ہے
ہر شخص شکاری نہیں ہو سکتا اس کے لئے بڑی پربادگی درکار ہے۔ شکار
انگلی بھی ایک قسم شاعری کی ہے جس طرح ہر شخص کو مذاق شاعری حاصل نہیں رہتا وہی حال مذاق صید
انگلی کا بھی ہے۔ امر الفیس شعر بالا میں اپنے مذاق صید انگلی کو گھوڑے کی تعریف کے پردے
میں دکھانا ہے اور واقعی یہ مذاق ایسا ہے کہ انسان کو اس مذاق کے حاصل و پہنچنے پر
بالیدگی ہو سکتی ہے اس شعر میں شاعر نے صرف گھوڑے کی تعریف نہیں
کی ہے بلکہ اپنے ایک بڑے ہنر سے بھی خبر دی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ
ایک شعر میں راکب و مرکب دونوں کی عمدگی کو ظاہر کیا ہے کس واسطے کہ
ایسا گھوڑا جو دحوش پیش رو کو دوڑ میں مغلوب کر دے اگر قابل تعریف
ہے تو اس کا سوار بھی جو ایسے صید ہائے تیز رفتار کو شکار کر سکے قابل تحسین
دآفرین ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب دحوش صحرائی کو گھوڑے کے ذریعے

سے شکار کرنے کا مذاق رکھتے ہیں اور کیوں نہ یہ مذاق رکھیں جب ان کا ملک عمدہ گھوڑے پیدا کرتا ہے اور خود وہ لوگ مردانہ انداز رکھتے ہیں ہندوستان میں بیشتر گھوڑے کے ذریعے سے شائقین صید سٹورڈ کا شکار کھیلتے ہیں۔ یہ شکار بھی خالی از خطر نہیں ہے مگر راقم اپنے ذاتی تجربہ سے کہنے کیتر سے کہ سکتا ہے کہ یہ شکار نہایت دلچسپی رکھتا ہے اہل فرنگ نے تو اس شکار کو نکلے کو بیچنا دیا ہے اور اس شکار پر کیا موقوف ہے انہوں نے تو قہریم کی صید انگنی کو قاعدہ علمی کے ساتھ اس طور پر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں شکار انگنی نے ایسی علمی صورت پیدا کی ہے کہ بغیر مرد محصل ہونے کوئی آدمی شکاری ہو نہیں سکتا مگر ہندیوں میں بھی کچھ حضرات ایسے ہیں کہ جو اس کو قاعدے کے ساتھ برتتے ہیں اور مذاق شکار انگنی سے بیخبر نہیں ہیں سوا سٹورڈ کے شکار کے اور کسی جانور کا شکار اس ملک میں نہیں ہے جو گھوڑے کی پیٹھ سے کھیلا جائے کبھی کبھی نیل گاؤ کا شکار گھوڑے کے ذریعے سے کیا جاتا ہے مگر یہ شکار کا حکم رکھتا ہے۔

فَعَرَّ لَنَا صَرْبٌ كَانَتْ نِعَاجَهُ عَذَائِي دَوَابُّ وَمَلَأَ مَدَائِي
معنی :- پس آگے آیا ہم لوگوں کے (ہم شکار یوں کے) ایک گمردہ گادان
 دشتی کا گویا کہ مادہ ان کی مانند ان زمانہ دو شیزہ کے ہیں جو چاند و رازد دامن رہے پرنے
 طواف دوار کرتے ہیں دوار ایک بُت کا نام ہے جس کی پرستش اہل عرب ایام
 جاہلیت میں کرتے تھے

شاعراب شکار کی کیفیت کو بیان کرتا ہے کہ صید گاہ میں کیا شکار سامنے آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ گاوان دشتی ملک عرب میں آہو کی طرح کثیرا موجود ہیں اور تیز رفتاری ان کی ایسی ہٹے کہ ان کو گھوڑے کے ذریعے سے شکار کرنے پر شکاری فخر کر سکتا ہے۔ یہاں وجہ تشبیہ مادہ گاوان اور زنانہ دو شیرہ میں اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے کہ یہ سوا پاکیزگی نفاست اور خوش نمائی میں مندرکت رکھتی ہیں۔ واضح ہو کہ ملک عرب صیدا اقلنی کی جہت سے حنب مراد ملک نہیں ہے یہاں کے جانور ان صید صرف دو چار اقسام کے ہیں و حوش ماکول اللحم جو افراض صید سے متعلق ہیں ہی گاوان دشتی بڑے گوہی اور دو تین اقسام کے آہو ہیں سبائی جانور بھی تھوڑے ہیں پلنگ و کفتار گہرگ سے قوی تر شکاری جانور اس ملک میں نہیں ہوتے دنیا میں افریقہ سے بڑھ کر کوئی شکار کی جگہ نہیں ہے اس سے اگر کوئی مزاج جگہ ہے تو ہندوستان سے جاننا چاہئے کہ ہر چند افریقہ میں و حوش ماکول اللحم و غیر ماکول اللحم کی وہ کثرت ہے کہ روئے زمین پر کہیں نہیں ہے تاہم لطف صیدا اقلنی جو ہندوستان میں اٹھتا ہے افریقہ کے کسی حصے میں نہیں اٹھتا۔ بہر حال ملک عرب شکار کے اعتبار سے نہ افریقہ نہ ہندوستان کے برابر ہے تاہم مذاق شکار سے اہل عرب خالی نہیں ہیں بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر ملک کے طبیعت دار با مذاق شجاعت شعاع مردانہ مزاج اشخاص کم و بیش ضرور اس کا مذاق رکھتے ہیں اہل فرنگ تو اس زمانے میں مذاق شکار ایسا رکھتے ہیں کہ ہم ہندوستانیوں کے احاطہ فہم سے ان کے شکار دوست ہونے کا مضمون باہر ہے سر سیمویل بیگ سینیڈر سن بالڈون

کیمبل کنلاک فایف کوکسن اسٹرنڈیل کیو منگ و غیر ہم ایسے شکاری گزرے ہیں
 کہ جن سے ہر باندق شکاری واقف ہے ان ناموروں کے مذاق پر غور کرنے
 سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول کہ شکار کار بیکار ان ست واقعی ایک محض جاہلۃ
 قول ہے ان شکاریوں کی محنتوں نے بڑے بڑے مسائل علمیہ کی تحقیق کی ہے
 علم جغرافیہ علم طبیعیات علم حیوانات علم نباتات علم معدنیات علم معاشرت
 علم اخلاق علم تمدن وغیرہ کہ ان کی جان فسانوں سے بڑے بڑے نفع پہنچتے
 گئے ہیں۔ جو شخص حقیقت صید اگنی سے بے خبر ہے وہ کیا جان سکتا ہے کہ اغراض
 صید اگنی کیا ہیں نا واقف تو یہی سمجھے گا کہ شکار اگنی کا مطلب یہ ہے کہ ہانڈی گرم
 ہو۔ اگر صید اگنی یہی ہے تو چڑی ماری اور صید اگنی میں کیا فرق ہے اور پھر سبیل
 بیکار اور معمولی ہیلے میں کیا امتیاز باقی رہتا ہے شکار سے ہانڈی کا گرم ہونا تو
 معمولی بات ہے ماکول اللحم کے شکار سے ہانڈی تو گرم ہوتی ہے مگر مقاصد
 شکار کھانے پینے تک محدود نہیں ہیں جو جانتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ صید اگنی
 کو انسان کے معاملات جسمانی اور روحانی سے کیا تعلق ہے۔ اور خود شکاری
 کو صید اگنی سے کیا مناسبت ہے امرہ اقبیس کا مضمون شکار اگنی کو داخل
 تصدیقہ کہنا اس کی فطرتی خوش مذاقی سے خبر دینا ہے واقعی یہ مضمون ایسا ہی
 بلند پایہ ہے کہ اعلیٰ درجے کی شاعریوں میں اس کو جگہ دی جائے چنانچہ بڑے بڑے
 شعراء عالم نے اپنی تصنیفوں کو مضمون صید اگنی سے زینت دی ہے
 مضمون صید اگنی کچھ ایسا ہی قابل لحاظ ہے کہ اس کو اتنے بڑے بڑے شعراء
 جیسے کہ ہومیروس و ہبل فردوسی سعدی ہالکی وغیر ہم پس تو جس کے

ساتھ داخل کلام فرماتے گئے ہیں یہ تو قدیم ایام میں یہ مضمون قابل امتیاز سمجھا گیا ہے۔ اس انیسویں صدی میں تو بانڈاق اہل فرنگ نے اسے کچھ ایسا تو بڑا طلب سمجھا ہے کہ اسے ایک بڑے بکار آمد فن کا درجہ بخشنا ہے چنانچہ اس وقت مجرور زبان انگریزی میں فن صیدا نگینی میں اس قدر کتابیں تصنیف ہوئی ہیں کہ اگر ایک جامعیت کی جائیں تو ان سے ایک اچھا کتب خانہ درست ہو سکتا ہے۔

فَادْبُرْنَ كَالْحَرْمِ الْمَقْصِلِ بَيْتَهُ
بِحَيْدٍ مَعِي قِيْلَ لَشَيْخٍ مَوْجُوْدٍ
معنی: - پس ان گاوان دشتی نے پیٹھ پھیری در حالیکہ وہ گاوان دشتی ایسے جمیل

بسیہ مائے مینے کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں کہ جن کے دو بیسہ کے اندر دیگر جواہرات داخل کئے گئے ہوں اور وہی جمیل ایسے لڑکے کی گردن میں پڑا ہوا ہے کہ خاندان میں بہت علم داخل رکھتا ہو۔ یعنی جب گاوان دشتی نے شکاریوں کو دیکھا تو پیٹھ پھیری اور متفرق ہو کر نکل بھاگیں اور چونکہ ان گاوان دشتی کے چاروں پاؤں اور منہ سیاہ ہوتے ہیں شاعر نے ان کو بسیہ مینے سے تشبیہ دی اور جب متفرق ہو گئیں تو ان کو ایسا جمیل مقصّل کہا جو ایسے لڑکے کے گلے میں پڑا رہتا ہے جسے قبیلہ میں بہت علم و خال ہوتے ہیں وہ جمیل گراں بہا ہوتا ہے۔

دراغ ہو کہ یہ گاوان دشتی ہندوستان کے نیل گاؤ سے علیحدہ جانور ہیں چور پروردہ گاؤ ہیں ہندوستان کے بعض جنگلوں میں بھی یہ جانور دیکھے جاتے ہیں اور جہاں پائے جاتے ہیں کثرت سے پائے جاتے ہیں وسط ہندوستان کے پہاڑوں میں ایک جانور ہوتا ہے جسے گور کہتے اور اس کا انگریزی نام بائیسن ہے یہ جانور پروردہ گاؤ سے جسامت میں بہت بڑا ہوتا ہے اور ہر چند پروردہ گاؤ سے مشابہت رکھتا ہے مگر

درحقیقت پروردہ کا ذمہ سے ایک علیحدہ جانور ہے گوہر کا شکار خوب ہوتا ہے مگر
سوائے قوی زفل کے اس کا شکار ناممکن ہے گھوڑے اور نیچے یا تلوار سے کسی شکاری
نے آج تک شکار نہیں کیا ہے۔

فَالْحَقُّ بِالْهَادِيَاتِ وَدُونَهُ جَوَارِحَهَا فِي مَهَيَّةٍ لَمْ تَزَيْلِ

معنی: پس راستی کو دیا اسپ مذکور نے ہم لوگوں کو جانورین پیش رو کے ساتھ اور
اس اسپ کے نزدیک تھے پس ماندگان گمراہ درحالیکہ وہ گمراہ متفرق نہ ہوا تھا۔
یعنی اسپ مذکور نے بسبب تیز رفتاری کے فوراً پیش رو اداں گمراہ کو چھو لیا اور جو
پس ماندہ تھے اور ابھی تک منتظر نہ ہوئے تھے وہ کس شمار میں تھے ان کا شکار کر لینا
تو کچھ دشوار نہ تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ امرۃ القیس کو پوری دانست فن صیدا فگنی میں تھی اور صرف
دانست نہ تھی بلکہ مذاق شکار فگنی بھی اچھا رکھتا تھا اگر خوش مذاق نہ ہوتا تو اس
خوب صورتی کے ساتھ شکار کے مضامین کو سوال فگم نہیں کر سکتا۔ اس طرح کے بیان کی
امید ایک لایعلم اور بد مذاق شاعر سے نہیں کی جاسکتی ہے ان اشعار میں بڑا لطف
شاعری موجود ہے اس لئے کہ تمام کلام شاعر بد قرینہ مبالغہ پر دازی اور غیر فطرتی
طریقہ بیان سے معرا ہے اس حسن بیان کی توقع فارسی یا اردو کے شاعر سے تو ہو
ہی نہیں سکتی ہے۔ کس واسطے کہ ان زبانوں کے شعرا جب صیدا فگنی کے مضامین
باندھیں گے۔ تو ان کو ہر آم و اسد و حمل و نسرو دیگر بے سرو پا اور خیالی امور کے
ذکر کے بغیر چارہ نہیں معلوم ہوتا ہے چنانچہ شکار کی فتنویاں جو مدح آصف الدولہ
وغیرہ میں میرزا نے بھی لکھی ہیں غایت بے سرو پاٹی سے خبر دیتی ہیں مگر ان

حضرات کی طرف سے یہ معذرت کی جا سکتی ہے کہ ایسی تنویہاں شاعری کی غرض سے نہیں لکھی گئی تھیں ان سے دایمان ملک کو خوش کردنا منظور تھا ان اشعار امرہ القیس کو جو اب اہل واقفیت نظر انصاف سے ملاحظہ فرمائیں گے تو ان پر ہریدہ ہوگا کہ شاعر کس قدر صیدانگنی کا صحیح مذاق رکھتا تھا حق یہ ہے کہ اس کا مذاق اس صدی کے مذاق کے قریب قریب پہنچتا ہے اور واقعی بہت تعجب گزرتا ہے جب اس امر کا خیال ہوتا ہے کہ ایسی خوش مذاقی چودہ لاکھ سو برس پہلے ایک ایسی قوم میں تھی کہ جس کی تعلیم یا فنگلی کا درجہ بہت بلند نہ تھا اور جس قوم کی شائستگی کو اس زمانے کی شائستگی سے کوئی نسبت حاصل نہ تھی۔

نَمَادِي عَدَاؤَيْنِ تَوَرَّدَ لِعَجْبَةٍ دَرَاكًا لَمْ يَنْصَمَّرْ بِمَا هُيَ فَيَجْسَلُ
معنی :- پس اس پر نہ کور نے ایک دوڑ میں دو صید کو ایک نہ اور ایک مادہ

گاڈ کو اپنا پلے شکار کر لیا اور اس تیزی پر بھی وہ اس کا خوگر نہ ہوا کہ اس کا بدن پانی سے دھویا جائے۔

ظاہر ہے کہ دو گاؤں یعنی ایک نہ اور ایک مادہ کو پیالے دہی گھوڑا شکار کر سکے گا کہ جو نہایت تیز رفتار ہوگا۔ پھر شاعر اس کی جفاکشی کی تعریف کرتا ہے کہ ایسی دوڑ کے بعد بھی اسے اس کی حاجت نہیں ہوتی کہ دھویا جائے اور استراحت کسے۔ واضح ہو کہ اس شعر سے ہی ہر پہلو کی خوش مذاقی عیاں ہے شاعر نے نہایت خوب صورتی کے ساتھ اپنی شہسہ داری اور صیدانگنی اور گھوڑے کی تیز رفتاری اور جفاکشی کے مضامین کو حوالہ ظلم کیا ہے اس صدی میں بھی کہ فن صیدانگنی درجہ کمال کو پہنچ گیا ہے اگر نامی سے نامی شکاری گھوڑے سے شکار گورن یا سوڈا کرے گا

تو ممکن نہیں ہے کہ اس سے زیادہ صیدِ فگنی کا لطف دکھلا سکے۔

فَلَمَّا طَهَاكَ اللَّحْمُ مِنْ بَيْنِ مَنَظِيمٍ صَفِيْفٌ شَوَابُكَ اَوْ قَدِيْرٌ مَوْجَلٌ
 معنی :- پس گوشت پکانے والے دو قسم کے ہو گئے ایک دو جھنوں نے
 بیخ میں گوشت کو کباب کیا اور دوسرے وہ جھنوں نے گوشت کو دیگ میں ڈال کر
 ریگدان پر بچھنا کیا یعنی بظربالا جانور شکار ہوتے گئے تو کچھ گوشت کا کباب اور کچھ
 گوشت یا ندی میں پکا۔

واضح ہو کہ شاعر نے اس شعر کو اس غرض سے کہا ہے کہ جو جانور شکار ہوتے تھے
 وہ ماکول اللحم تھے اگر شیر یا بگ خرس وغیرہ کی طرح غیر ماکول اللحم ہوتے تو ظاہر
 ہے کہ ان کے گوشت مصرف میں نہیں لاتے جاتے اکثر ایسے شکاری جانوروں
 کی کھالیں یا ناخن وغیرہ بنظر یادگار لے لیتے ہیں کھالوں کا مصرف زیادہ ہی ہوتا
 ہے کہ کمروں میں بچھاتے ہیں اور ناخنوں سے زیور بناتے ہیں لیکن ایسے مسامی
 جانور ملک عرب میں کمتر ہیں شیر و خرس تو نادر وہیں صرف چھوٹے قسم کا پلنگ
 صحراؤں میں پایا جاتا ہے اگر کاش شیر و ببر و خرس یا ما تھی گینڈا ارناکور وہاں ملک
 ہندوستان کی طرح ہوتے تو امر القیس ضمن صیدِ فگنی میں ان جانوروں کا ذکر
 کسی نہ کسی پہلو سے کرتا بہر حال اس نے ایک ایسے جانور کے شکار کا بیان اختیار
 کیا ہے جو عظیم پیکر تیز رفتار پاکیزہ انداز ملک عرب کے تمام جانوران صحرائی میں
 ہوتا ہے اس تجویز سے بھی اس کی خوش مذاقی عیاں ہے جو چاہئے کہ گوشت صید
 کے پکائے جانے کا بیان بھی خالی از سبب نہیں ہے جو حضرات شکار دوست
 نہیں ہیں وہ پورے طہ پر نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ شکار کے گوشت میں کیا لذت

ہوتی ہے وہ حضرات اس کے لطف کو کیا جانیں جو گھر میں بیٹھے ہوتے طرح طرح کے گوشت پکو کر نوش فرمایا کرتے ہیں ایسے حضرات کو شکاری کی جھوک کہاں نصیب ہوتی ہے جو شکاری کی لذت پائی کا اندازہ کر سکیں۔

وَمِنْ حُنَّ الْكَافِرَاتِ لِقَصْرِ دُونَهُ مَتَى مَا تَرَى الْعَيْنُ فَنِيءَ تَسَهَّلَ
 ذرا دیر ہم لوگ شکار سے شب ہی کو واپس آئے در حالیکہ قریب تھیں آنکھیں
 کہ اسپ مذکور کے در بردار اس کے حسن کے دقائق کو معاینے سے عاجز آئیں اور انکھیں
 جب اس کے تن بالا کی طرف دیکھتی تھیں تو اس کی غایت صفا کے باعث اس کے
 تن زیرین کی طرف پھسل جاتی تھیں۔

بشاہت یہاں دکھاتا ہے کہ اسپ مذکور نیز رفتار کے ساتھ شکار کرتا رہا اس پر بھی
 اس کا دم خم البیاریا کہ شکار گاہ سے رات ہی کو سوار کے زیر ران رہ کر گھر واپس
 آسکا دوسرا گھوڑا بعد صید انگنی کے ٹنک جاتا اور اس قابل نہیں رہتا کہ شب کو
 اسی مستعدی کے ساتھ شکار گاہ سے منزل مار کر گھر کو واپس آسکتا پس ایسے گھوڑے
 کے دقائق حسن پر نگاہ کرنے سے آنکھیں اگر اظہار بجز کریں تو بہت بجائے یعنی
 اس کی بیاری حسن احاطہ نظر میں نہیں آسکتی اس واسطے آنکھ خیرگی کرنے
 لگتی ہے۔

وامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گلچین ہمارا تو ز دامان گلہ دار و
 مصرع ثانی میں اسپ مذکور کی صفا و تابانی بدن کا بیان ہے کہ اس کی
 غایت صفا و تابانی سے نظر اس کے بدن سے پھسل جاتی ہے یعنی اس کے بدن
 پر نظر نہیں ٹھہرتی ہے یہ تعریف ایسے درخشاں لعل کو نہیں پہنچی ہے کہ بے لطف

معلوم ہو۔ اس تعریف میں فطرتی پہلو نہیں جاتا تا رہا ہے بلکہ یہ تعریف ایسی ہے کہ
 واقعی خارج میں ایک صاف اور تاباں جسم کے گھوڑے پر صادق آتی ہے۔
 فَيَاتُ عَلَيْهِ سَرَّحُهُ وَ لِحَامَهُ دَبَاتٌ بَعِيثِي قَاتِلًا عَيْرًا مَرُوسِلًا
 معنی :- پس رات گزارے اسپ مذکور پر اس کے زمین و نگام نے اور رات
 گزارے اس اسپ کے میری آنکھوں کے سامنے در حالیکہ استادہ اور بغیر چراگاہ
 کے ہوتے۔ یعنی جب اسپ مذکورہ شکار سے واپس آیا تو جیسا کہ کسا کسایا تھا اسی
 طرح شب جبردا اور میرے روبرو استادہ رہ کر شرب بسر کی اور چراگاہ کی
 طرف بھی نہیں بھیجا گیا کہ چری کرے۔

اس قصیدہ کی شرح کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد شاعر یہ ہے کہ اسپ
 مذکورہ شرب میرے روبرو استادہ رہتا ہے پس ایسی صورت میں زمین و نگام
 بھی دیا رہتا ہوگا شاید اس طرح سے کسا کسایا اس واسطے رکھا جاتا ہوگا کہ ہمیشہ
 تغیم کا خوف لاحق رہتا ہوگا مگر راقم کو سلسلہ بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
 یہ کیفیت شکار سے واپس آنے کی شاعر نے حوالہ فہم کی ہے بہر حال ہر پہلو سے
 اس کی جفا کشی کی تعریف ظاہر ہوتی ہے۔ واضح ہو کہ شاعر نے استادہ اشعار
 بالا میں گھوڑے کے اوصاف بیان کئے ہیں اور بیان اوصاف میں صیدا فگنی
 کے مضامین کو بھی رقم کیا ہے اس کے بعد اشعار ذیل میں سلسلہ اوصاف
 اسپ کو قطع کر کے برق و باران کا ذکر کرتے ہیں قبل اس کے کہ اس بیان تازہ کی
 طرف حضرات ناظرین کی توجہ کی خواستگاری کی جائے راقم ذیل میں کچھ نئی بات
 خاص گھوڑے اور صیدا فگنی کے مادے میں عرض کیا چاہتا ہے۔ واضح ہو کہ اس

قصیدے میں امرؤ القیس نے جو مضامین باندھے ہیں ایسے ہیں کہ ہر ملک کی شاعری میں ان کو پایہ امتیاز حاصل ہے صحبت ہائے گزشتہ کی حسرت و ہمدردی کی تشفی و وہی مفارقت کے صدے معشوقوں کی محبت معاملات عشقہ کی کیفیتیں سیرِ چشمی و لہری مردمی فیاضی فرودتخی کی خوبیاں اور اسی قبیل کی اور بھی باتیں جو اس قصیدے میں جگہ پاتی گئی ہیں ہر ملک کی اعلیٰ درجے کی شاعری میں دخل رکھتی ہیں انہیں اقسامِ مضامین سے گھوڑے کی شناخت گھوڑے کی قدر دانی اور گھوڑے کی سواری بھی اور اسی پر مضمون صیدا انگلی کو بھی نیاس کرنا چاہئے اگر شہسواری اور صیدا انگلی کے مضامین بلند پائے گی نہ رکھتے تو ہر ملک کے شعر ایک زبان ہو کر اس کی خوبیوں سے اعتراف نہ رکھتے اور امرؤ القیس اتنے اشعار ایک قصیدے میں صرف گھوڑے اور شکار کے بیان میں نہ دکھنا بلین چونکہ گھوڑے اور شکار کے مضامین ایک خاص پایہ بلند رکھتے ہیں ان اشعار نے نہ صرف امرؤ القیس کے قصیدے کے حسن کو افزوں کر دیا ہے بلکہ اس کی خوبی طبیعت اور خوبی مذاق کو بین طور پر ظاہر کر دکھایا ہے۔ مختلف ملکوں کے شعرا اور مصنفین کے کلاموں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے اور شکار کا شوق بڑی عالمی مذاقی سے نبردیتا ہے اگر ایسی بات نہ ہوتی تو طبیعت داران یورپ کیوں گھوڑے اور شکار کا شوق رکھتے اور ہم ہندی مسلمانوں کے ولایتی آباد اجداد اہل یورپ کو ایسی ایسی علی مذاقیوں کی کیونکر راہ بتلاتے یہ بات بڑی ہے کہ کوئی قوم بدمسرا قبائل ہوتی ہے تو اسے گھوڑے کا شوق ہوتا ہے وہ خوب گھوڑے پہنچاتی ہے خوب گھوڑے چڑھتی ہے خوب چوگا

کھیلتی ہے خوب نیزے لگاتی ہے اور اس طرح گھوڑے کی پیٹھ سے سپہ گری
 کے سبب کام لیتی ہے اس طرح خوب شکار کھیلتی ہے اور صید افگنی کے
 مذاق صحیح سے خبر رکھتی ہے بخلاف اس کے حیب کوئی قوم مبتلا سے اہلہ ہوتی ہے
 تو اقیوں کھاتی ہے چاند دیتی ہے بیٹر لڑاتی ہے اور اسی طرح جتنے اور نامردی
 کے کام ہیں کرتی ہے بہر حال گھوڑا اور شکار یہ دو ایسے مضمون ہیں کہ نہایت
 توجہ طلب ہیں۔ اور ان کے بیان میں جس قدر تحریر کو طول دیا جاتے بعد از لطف
 نہیں ہے مگر افسوس کہ راقم کو اس کتاب میں شرح و بسط کے ساتھ ان دونوں مضمون
 کو حوالہ قلم کرنے کا موقع نہیں ہے اس لئے ذیل میں اختصار پر قناعت کرتا ہے
 واضح ہو کہ خدا نے تعالیٰ نے گھوڑے کو تمام جانوروں سے اعزف بتایا ہے دنیا
 میں آدمی کے بعد اس جانور کا درجہ ہے اس کی خوبیوں کی کوئی حد نہیں معلوم ہوتی
 ہے جس قدر اس کی تعریف کی جائے بجا و درست ہے چونکہ انسان کے بعد جسے
 زمین پر اسی جانور کو شرافت حاصل ہے اس لئے یہ جانور انسان کے معاملات
 نیک و بد کا ہمیشہ شریک رہا ہے اس کی قدامت سرکار بنی آدم میں بہر طرح
 ثابت ہے اس کے سوا کوئی دوسرا جانور نہیں ہے جس سے اغراض انسانی کو
 اس قدر تعلق رہا ہو ہر چند گناہت بکار آد جانور ہے اور اس میں ہزاروں
 خوبیاں ہیں مگر گھوڑے کی عبادتوں کو نہیں پہنچتا گناہ پھر کتا ہے۔ کتا کسی زمانے
 میں انسان کے امور ملکی مالی یا مذہبی سے بسبب ضرورت متعلق نہیں رہا ہے
 جتنی بڑی بڑی مشکہ کشیاں چہرہ اندہر دینا دچہرہ اندہر دین نظر میں آتی گئی ہیں
 ان میں کتے کا کسی طرح کا دخل نہیں رہا ہے برخلاف اس کے گھوڑے کے

معاملے کو سمجھنا چاہئے کہ امور دنیا و دین میں اس کی شرکت ہمیشہ رہا کی ہے اور
 تابقاے دنیا قائم رہے گی انسان کی رغبت گھوڑے کی طرف ایک امر طبعی
 ہے عدم رغبت نفص انسانیت سے خبر دیتی ہے اسی شخص کو اس جانور
 سے عدم میلان ہوگا کہ جس کے قوائے اخلاقہ خراب ہو گئے ہوں گے۔
 خاصہ کہ قوت شجاعت میں ضعف لاحق ہو گیا ہوگا۔ ورنہ خوش اخلاق قوم یا خوش اخلاق
 افراد انسانی کو اس کی رغبت سے چارہ نہیں ہے جتنی اولوالعزم قومیں دنیا میں گزری
 ہیں یا آج بھی موجود ہیں گھوڑے کی قدر وانی سے خالی نہیں دیکھی جاتی ہیں لاریب
 گھوڑے کی طرف میلان کا ہونا دلیل شجاعت ہے اور شجاعت بہت سی خوبوں
 کی بڑ ہے بے شجاعت انسان انسان نہیں ہو سکتا۔ اس صفت کے نقصان
 سے انسان مکار پرفریب و غاباز اور بے حیا ہوتا ہے پس جب اس قدر صفات
 ذمیرہ کا جمع کوئی شخص ہوتا تو پھر اس کے درمیان انسانیت سے گزر جانے میں کیا گفتگو
 ہو سکتی ہے باغض گھوڑے سے رغبت عمدگی طبیعت سے خبر دیتی ہے اور واقعی
 گھوڑا ایسا مخلوق خداوندی ہے کہ کوئی ایسا گھوڑا نہ ہوگا جو اس کا شیدانہ ہوگا۔
 حقیقت یہ ہے کہ جتنے بڑے لوگ گزرے ہیں اس کے چاہنے والے تھے اور
 اور جو اس وقت ہیں اس کے چاہنے والے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی بزرگی اس
 کی قدر وانی کی مقتضی ہے اور اس کی خوبیاں کچھ ایسے درجے کی ہیں کہ خداوندی و وحی
 نے بھی ان پر اپنی بیشتم توجیہ ڈالی ہے بقول سعادت یار خاں رنگین غفر اللہ ذنوبہ
 توڑوہ والعدایات انکم میں نہ کہ بند خدا نے کفائی ہے گھوڑے کی سوغند
 بہت چاہا ہے اس کو مصطفیٰ نے بہت مانا ہے اس کو مرتضیٰ نے

یوں تو دنیا کی تمام ممتاز قومیں گھوڑے کی قدر و ان میں اور کوئی ایسی سلطنت نہیں ہے جہاں گھوڑا عزیز نہیں سمجھا جاتا ہے مگر گھوڑے کی قدر و منزلت جس قدر اہل عرب کرتے ہیں روئے زمین پر کوئی قوم نہیں کرتی اہل عرب گھوڑے کو زن و فرزند کی مثل عزیز رکھتی ہیں اور زن و فرزند کی طرح ان کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں اہل عرب جس خیمے میں خود رہتے ہیں اس میں ان کے لڑکے بالے اور گھوڑے بھی رہتے ہیں۔ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے گھوڑوں کے گرد و پیش بے خوف سوتے ہیں اور کبھی کسی طرح کا صدمہ نہیں اٹھاتے ان کے گھوڑوں کی شائستگی انسان کی شائستگی سے کبھی کم نہیں ہوتی بلکہ عوام نبی آدم سے ان کی شائستگی زیادہ بہرہ و سا کرنے کے قابل ہوتی ہے حقیقت یہ ہے کہ عرب کے گھوڑے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ جو کچھ ان کی قدر و منزلت کی جائے بجا ہے اور شک نہیں کہ دنیا میں اہل عرب سے گھوڑے کو زیادہ چاہنے والی قوم بھی کوئی نہیں ہے راقم مثلاً ایک قصہ عرض کرتا ہے جو تاریخی پایہ اعتبار رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک فرانسیسی جنرل نے ساحل عرب سے اپنے آقا شہنشاہ فرانس کو خبر دی کہ ایک نہایت مفلوک الحال عرب ہے جس کے پاس ایک عمدہ عربی گھوڑی ہے عجیب نہیں کہ غایت افلاس کے باعث اس کا مالک اسے فروخت کرے شہنشاہ نے حکم بھیجا کہ جس قیمت کو وہ گھوڑی مانگے آئے خرید کر دو چونکہ وہ عرب گھوڑی کے بیچنے پر راضی ہو چکا تھا جنرل نے اسے خبر دی کہ قیمت موجود ہے آؤ اور معاہدے کی تعمیل کرو اس خبر کو پا کر وہ عرب اسی گھوڑی پر سوار جنرل کے روبرو آیا جنرل نے قیمت کی اشرافیوں کے توڑے قبل سے اس کے لالچ کے بڑھانے کی نظر سے کھلوا رکھے تھے اس نے پہلے ایک نظر ان

اشرفیوں کو دیکھا اور پھر اپنے افلاس پر بھی خیال دوڑایا مگر اس کے ساتھ ہی اپنی
 گھوڑی کی طرف مخاطب ہو کر کہتے لگا کہ میں ہر چند افلاس زدہ ہوں مگر کیا تجھ سے
 مفارقت گوارا کر سکوں گا تو میرے گھر کی زینت ہے تجھے زہنہار کسی اہل فرنگ کو نہ دے
 ڈاؤں گا یہ لوگ تجھے کانٹے لگائیں گے۔ اور چایک ماریں گے میں ہرگز تیرے حق
 میں ایسی بے رحمی کا سبب نہ بنیگا یہ کہہ کر وہ فوراً آنکھوں سے غائب ہو گیا اور
 جنرل صاحب کی اشرفیوں کا ڈھیر دباں پڑا کا پڑا رہ گیا کیوں نہ ہو اسے گھوڑے
 کی قدر دانی کہتے ہیں اس کو ہمارے ملک کے ان شائقوں کی ترکیبوں سے مقابلہ
 کیجئے جو سو دو سو روپے کے نفع کو ملحوظ رکھ کر خوش رستم بھی ہو تو فروخت کر ڈالیں
 امر واقعی یہ ہے کہ ہم ہندی وطن مسلمان کیا جائیں کہ گھوڑے کی خریدیاں اور بیچیاں
 کیا ہیں نہ اس ملک میں ملک عرب کے ایسے گھوڑے ہیں اور نہ ہم لوگوں کو اہل
 عرب کا مذاق میسر ہے انصاف یہی ہے کہ امرہ القیس کی ثنا خوانیاں جو گھوڑے
 کے مادے میں مندرج قسیدہ ہیں کچھ ایسی ہیں کہ ہم ہندیوں کو ان خیالات کے
 ساتھ مانوس ہونا دشوار ہے اور دشواری کا سبب یہی ہے کہ اس ملک میں وہ
 اسباب موجود نہیں ہیں جو ان خیالات کے ساتھ ہمارے دماغ کو مانوس کر سکیں
 خیر یہ امر بدیہی ہے کہ ہندوستان میں نہ ہم لوگ امرہ القیس کے گھوڑے کے
 ایسا گھوڑا پا سکتے ہیں اور نہ امرہ القیس کی طرح شہسواری کا لطف دکھلا سکتے
 ہیں اس پر بھی اگر ہم لوگ کسی قدر کابل الوجودی کو ترک کریں تو کچھ نہ کچھ سواری
 زمین سے لطف اٹھا سکتے ہیں ہندوستان میں سؤر کا شکار بھی ایسا ہوتا ہے کہ
 شاید و باید فقیر کو ذاتی تجربہ اس کا کافی طہرہ حاصل ہے اور فی الواقع یہ شکار

نہایت قابل توجہ ہے مگر افسوس ہے کہ ہم ہندویوں میں ہزار ممتاز اشخاص سے
 ایک صاحب ایسے نہیں نکلیں گے جو عمر بھر میں ایک بار بھی بے قصد شکار
 سوار زین ہونے ہوں گے نیز سوار کا شکار ایک دشوار امر ہے اب تو شام صبح
 کی سواری اسب بھی معدوم صورت ہوتی جاتی ہے اس وقت کا مذاق تو یہی
 معلوم ہوتا ہے کہ بروش اور لینڈ میں سوار ہو کر نہایت آرام سے خواتے
 لیں اور کابل و جودی کی داد دیں اس مذاق کو امرہ اقبیس کے مذاق سے ملایں تو
 سمجھ میں آئے کہ ہمارے ملک کے شائقین کا مذاق کس قسم کا ہے حقیقت یہ ہے
 کہ جو شخص سواری زین سے متمتع نہ ہوا اس نے کوئی لطف گھوڑے کا نہ اٹھایا۔ گھوڑا
 جو تم تم فٹن بردش وغیرہ میں کام دیتا ہے پھر وہ گھوڑا نہیں رہتا ہے اگر کسی
 کو گھوڑے کا سچا شوق ہے تو لازم ہے کہ اہل عرب کا مذاق پیدا کرے اہل
 انگلستان جو اس زمانے میں ہمارے حاکم ہیں اچھا مذاق رکھتے ہیں برہنہ گھوڑے کو
 گاڑیوں میں جوتے ہیں مگر اس سے زین کا کام بھی نہایت مذاق کے ساتھ جلتے ہیں
 فوجی کارروائیوں کے علاوہ تیرہ لگاتے ہیں شکار کرتے ہیں بولو کھیلتے ہیں دوڑ میں
 شریں لگاتے ہیں ٹٹی ترپاتے ہیں اور ان خاص کاموں کے سوا صبح و شام ہوا خوری
 کرتے ہیں ہمارے ہم وطن جن کو خدا نے مقدرت دی ہے باوجود حاصل رہنے
 شباب کے بھی ان کاموں سے کوئی کام نہیں کرتے ہیں بھوے چوہے کے اگر طبیعت بہت
 گھبرائی تو بیلوں کی تنگی کی طرح لہرے ہوئے میل دو میل سے کسی قسم کی گاڑی پر گھم
 آئے اگر اسی کا نام گھوڑے کا شوق ہے تو ہرگز ایسے شوق کا ما حاصل سوا
 خود نمائی کے اور کچھ نہیں ہے ایسے شوق سے نفع جسمانی یا روحانی کا مرتب ہونا

بعید از قیاس ہے حالانکہ سواری اسپ ایک ایسی شے ہے کہ جس سے جسمانی اور
 روحانی فائدوں کا حاصل ہونا عند التجربہ ثابت ہے دنیا میں کوئی ایسی ریاضت
 نہیں ہے جو سواری اسپ کی برابری کر سکے ریاضتوں سے قابل لحاظ ریاضت
 مثنیٰ ہے اسی طرح دیکھو مگر بھی میں مگر ان کے منافع سواری اسپ کے منافع
 کے برابر نہ ہاں نہیں ہیں مثنیٰ سے خاص فائدہ اعضائے اسفل کو ہوتا ہے اور کوئی
 شک نہیں کہ مثنیٰ معدے کو بھی بہت مفید ہے مگر سواری اسپ سے نہ صرف
 اعضائے اسفل اور معدے کو فائدہ ہوتا ہے بلکہ تمام اجزائے بدن شریک
 ریاضت رہتے ہیں اس کے علاوہ معدے کو جو سواری اسپ سے فائدہ ہوتا
 ہے وہ فائدہ مثنیٰ سے نہیں ہوتا یہ تو جسمانی ریاضت اور اس کے منافع کا پہلا ہے
 اب دیکھئے کہ سواری اسپ سے روحانی فوائد کیا ہوتے ہیں دنیا میں کوئی
 ریاضت ایسی نہیں ہے کہ سواری اسپ کے برابر انشراح روحی پیدا کر سکے
 پشت زمین پر صاف میز ہوتا ہے کہ روح ترقی کرتی ہے دماغی قوت افزوں
 ہوتی ہے ذہن جو دت پیدا کرتا ہے سردانگی بڑھتی ہے ہمت عالی ہوتی ہے
 یہ باتیں مثنیٰ یا ڈنڈے مگر میں کہاں ہیں حقیقت یہ ہے کہ سلفان کو سخت پر بھی
 وہ لطف حاصل نہیں ہوتا ہے جو سوار کو پشت اسپ پر ہوتا ہے لاریب کوئی
 عیش سواری اسپ بہتر نہیں ہے بلکہ حق یہ ہے کہ تمام عیش جسمانی و روحانی کی ترقی
 کا وسیلہ زمین سواری ہے اور کیوں نہ ہو جب نظام جسم و قوائے فاعلیہ و انفعالیہ
 اور اخلاقیہ پر ایک اثر خاص سواری اسپ پیدا کرتی ہے راقم نے مثنیٰ سے
 زمین سواری کو انفع ہونے کی وجہ عند التجربہ یہ بھی پائی ہے کہ ریاضت سواری اسپ

جب تک انسان کرتا ہے اسے مٹی کے اعتبار سے صاف تر ہوائے مستشق نصیب ہوا کرتی ہے علاوہ اس کے اس کے بدن میں گھوڑے کے بدن سے مادہ برقی منتقل ہوا کرتا ہے جو اس کی حرارت فریڈی کو بڑھاتا ہے اور یہ انتقال مادہ اس کے بیرونی اور درونی دونوں ترکیبوں کو دفع عظیم بخشتا ہے۔ المختصر سواری اسپر نہایت کارآمد ہے ہزار جیف کہ وہ لوگ جو اپنے کو اس سے متمتع کر سکتے ہیں اور اس نعمت سے کو محروم کر سکیں انوع اقسام کے ضرر جسمانی و روحانی اٹھاتے ہیں بہت جانتے نفع ہے کہ ہماری قوم ایک وقت میں گھوڑے کا نہایت مذاق صحیح رکھتی تھی جیسا کہ مکتبی نے کہا ہے کہ

اللَّيْلُ وَالْحَيْلُ وَالصَّعْرُ وَالْوَجْرُ فَرِيٌّ وَالسَّيْفُ وَالضَّيْفُ وَالْقِرطَابُ وَالْقَلْبُ

مگر دامصیتا کہ گھوڑے کے مذاق صحیح کے جانے کے ساتھ اور بھی ہماری صفتیں جو شعر بالا میں مذکور ہیں وخصت ہونگئیں انا لله وانا اليه راجعون

دوسرا امر جو توجہ طلب ہے مذاق شکار افگنی ہے یہ مذاق سواری اسپر سے ملتا جلتا ہے بلکہ بعض حالتوں میں شکل مشترک پیدا کرتا ہے کس واسطے کہ بعض قسم شکار کی ایسی ہے کہ جس کا تمام تدارک شہ سواری پر ہے۔

واضح ہو کہ بیشتر سوام شکار افگنی کو بیکاری کا شغل جانتے ہیں اور اپنے اس خیال کی تائید میں اسی بے معنی مقولہ کو کہ شکار کار بیکاران ست " دلیل گردانتے ہیں بعضوں نے شکار افگنی کا مطلب اسی قدر سمجھا ہے کہ بانڈی اس کے ندیے سے بھرتی ہے لیکن راقم کی آئندہ تحریروں سے معلوم ہوگا کہ علاوہ اس کے کہ صید افگنی صحت مندی کا ایک معقول ذریعہ ہے اس کے انجام کی صلاحیت ضرر

محصل اشخاص کو ہے بیکار آدمی شکاری ہو نہیں سکتا۔ شکاری وہی ہو سکتا ہے جس کا دماغ حکیمانہ واقع ہوتا ہے یا جس کی طبیعت شاعرانہ انداز رکھتی ہے ممکن نہیں کہ ایسا آدمی جو علوم مختلف سے اطلاع نہیں رکھتا ہے جفاکشی کا عادی نہیں ہے فطرت اللہ سے بیخبر ہے دفتر عالم کے مضامین پر نظر ڈالنے سے مجبور ہے اور صنائع آفریدگار کے ملاحظہ سے لذت روحانی حاصل نہیں کر سکتا ہے شکار دوست ہو یا شکارِ افگنی کا مذاق صحیح رکھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے آدمی کو جس میں یہ باتیں حاصل ہوں کوئی ذی فہم بیکار نہیں کہے گا اگر ایسا شخص بیکار سمجھا جائے تو دنیا کے تمام حکماء و شعرا بیکار سمجھے جانے کے مستحق ہوں گے پس یہ خیال کہ شکار بیکاروں کا کام ہے ایک محض غلط خیال ہے البتہ یہ خیال اس وقت صحیح ہے کہ اگر کسی افگنی کا شغل ایسا شخص اختیار کرے جو حکیمانہ یا شاعرانہ دماغ نہیں رکھتا ہے اور غایت بے مادگی کے باعث لفظ بیکار کا مصداق ہو رہا ہے اسی طرح جن لوگوں نے صید افگنی کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ اس سے ہانڈی کا بھرنامراد ہے وہ بھی عامیانہ خیال کے لوگ ہیں ہانڈی کا بھرنامراد کی علت غائیہ نہیں ہے البتہ جب کوئی صید ماکول اللہ ہاتھ لگتا ہے تو اس کا گوشت صرف انسانی میں در آتا ہے لیکن صید افگنی سے مجرد شکم پُری مقصود نہیں ہے جیسا کہ آئندہ ظاہر ہوگا۔

واقع ہو کہ صید افگنی کا مذاق صحیح اس وقت انسان کو حاصل ہوتا ہے جب انسان علوم مختلف سے بہرہ کافی حاصل کر لیتا ہے صید افگنی کے لئے بہت سے علوم کی ضرورت ہوتی ہے اس زمانے میں یہ فن ایسے درجے کو پہنچ گیا ہے

کہ اس کا شوق اسی کو زیبا ہے کہ جو سیر سمویل بیکر اینڈ رسن انٹرٹڈل وغیرہم کی تعلیم
 یا جنگلی کا آدمی ہے اس فن سے بہت علوم متعلق نظر آتے ہیں حتیٰ کہ یہ ہے کہ
 جاہل اس کام کو نہیں کر سکتا وہ اس کا شائق بن کر پڑھ لیا ریاضا صاب ہو جائے گا
 شکاری ہونے کے واسطے فطرتی اور کسی قابلیتوں کا حاصل رہنا ضروریات
 سے ہے یعنی ضرور ہے کہ شائق شکار فطرت کے دوسے شجاع ذہین حافر
 طبیعت خوش مزاج جفاکش صورت پسند آزاد دل اور سادہ دروں ہو اس کے
 ساتھ کامل درجہ کی محنت رکھتا ہو اور تمام اعضائے بدن اس کے نقصانات
 جمانی سے پاک ہوں اور محنت شاقہ کی برداشت کی صلاحیت رکھتے
 ہوں اختلاف آب و ہوا سے اس کا مزاج درجہ اعتدال سے نہ گزرناہو طبیعت
 عیش پسند واقع نہ ہوتی ہو علاوہ ان صفات کے اسے بڑا بارہم متحمل سیر
 چشم ہمان نواز تخلیق بے تکلف اور دوست پرست ہونا چاہئے ان طبعی
 اوصاف کے ساتھ اسے علوم قدیمہ و جدیدہ سے پورے طور پر باخبر ہونا چاہئے
 بدانت راقم اسے علم مناظر ہوا علم آب علم نور علم برق علم تشریح علم حرکت
 علم کیمسٹری علم معدنیات علم نباتات علم حیوانات علم جغرافیہ علم سیر علم تاریخ
 علم اخلاق علم ادب علم محبس علم جبر تغلیل علم ریاضی علم فلکیات سے واقف ہونا
 کی بڑی ضرورت ہے لاریب ایسا شکاری جو فطرتی اور کسی قابلیتوں سے بوضع
 بالابہرہ مند ہو اس کو حقا آدمی کے برابر سیر سمویل بیکر و ان کے سے نام
 برآوردہ اشخاص کے ساتھ حاصل ہے جاننا چاہئے کہ سیر سمویل بیکر ایک بڑے بڑے
 کے شکاری تھے خدا نے ان کو جمیع صفات سے جن کا ذکر بالا میں آیا ہے متصف

فرمایا تھا یوں تو ان کی سیاحت نے انسان کے احاطہ معلومات کو نفع عظیم
 بخش مگر علم جغرافیہ ان کی جانفشانیوں کا بہت ممنون ہے۔ سر سیمویل نے دریائے
 نیل کی تحقیق میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور جو کام قیصر روم سابق ذکر سکانتھا
 اور جس کام میں محمد علی پاشا نے میسر کو ناکامیابی مترتب ہوئی تھی اس کا انجام
 سر سیمویل کے ہاتھ سے ظہور میں آیا۔ سر سیمویل کی تصنیفات بہت ہیں اور سب
 کی سب پڑھنے کے قابل ہیں ایسے مصنفوں کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ صید
 افگنی سوائے عالم کے جاہل کا کام نہیں ہو سکتا راقم کو دم تحریر یہ خطرہ ہو رہا ہے
 کہ عوام الناس فیکر کی ان تحریروں کو مجذوب کی بڑ سمجھیں گے کس واسطے کہ شکار
 کا مفہوم ناواقفوں کے دماغ میں محض غلط طور پر واقع ہے انھیں اس کی مطلق
 خبر نہیں ہے کہ اس صدی میں صید افگنی کوئی ایسی شے ہو گئی ہے کہ بے افراط علم
 انجام نہیں پاسکتی اس غرض سے راقم کچھ مثالیں ضرورت علوم کی ذیل میں عرض
 کرتا ہے۔

مثال اول۔۔۔ فیر کے وقت جب نال کے اندر باروت مشتعل ہوتی ہے تو
 اس میں گاس پیدا ہوتی ہے اس گاس کے پیدا ہونے کی خبر اسی کو ہو سکتی ہے جو
 علم کیمسٹری سے واقف ہے علم کیمسٹری کو کوئی شخص بغیر اور علوم کے جانے ہوئے
 نہیں سیکھ سکتا ہے علم حساب اور علم جبر و تقابلہ کی دانست کے بغیر علم کیمسٹری کا
 جانتا نامکن ہے۔

مثال دوم۔۔۔ جب گولی گاس کے دبلیے سے متحرک ہوتی ہے تو کس قسم کی حرکتیں
 اس کو لاحق ہوتی ہیں اس کو بغیر علم حرکت کی دانست کے کوئی شخص نہیں بتلا

سکتا ہے پھر جب گولی کڑوی ہوتی ہے تو اس کی حرکت محض گولی کی حرکت سے
کیا فرق پیدا کرتی ہے۔

مثال سوم: جب نال سے گولی نکل کر فضائے ہوا میں رواں ہوتی ہے
تو اس کی راہ قوسی ہوتی ہے۔ کیوں راہ قوسی ہوتی ہے بغیر عالم ریاضی ہونے
کوئی اس کا سبب نہیں بتلا سکتا ہے اس کے سبب کو جاننے کے لئے زمین
کی کشش مرکزی سے بھی باخبر ہونا ضرور ہے۔

مثال چہارم: معمولی بندوقوں میں ایک دیدباں ہوتا ہے جسے عوام
کبھی کہتے ہیں اور فل کی نال کے آخر حصے کے قریب کبھی دو کبھی تین کبھی چار دیدباں
کس غرض سے بنائے جاتے ہیں بے علم مناظر سے اطلاع رکھنے کوئی شخص اس کا
جواب نہیں دے سکتا۔ علم مناظر سے مطلع رہنے کے لئے ضرور ہے کہ انسان
آنکھوں کی ترکیب سے واقف ہو پودے اور پلو تلوں سے باخبر ہونڈ ہر
خروج شعاع اور انطباع شع مرے سے اطلاع رکھنا جو اسی طرح جتنے مسائل
علم مناظر سے متعلق ہیں ان سے آشنا ہو۔

مثال پنجم: بندوق کی نال کے لوہے کو پچاننے کے لئے کچھ معدنیات
میں دستگاہ ضروریات سے ہے پھر نال اور چانپ کے لوہوں کا فرق بے علمی
اطلاع کے سمجھ میں نہیں آسکتا اسی طرح سیسے کی گولی کو سخت اور وزنی کرنے
کے لئے ایسے اجزائے معدنیہ سے باخبر ہونا ضروری ہے جو سیسے کو سخت اور
وزنی کر دیتے ہیں ہر در ب کے وزن کو سمجھنے کے لئے مسئلہ سپیسیٹک گریوٹی
Space Gravity سے مطلع ہونا اجبات سے ہے سپیسیٹک گریوٹی

عبارت ہے اعتباری وزن سے کسی شے مادی کے بمقابلہ کسی دوسری شے مادی کے مثلاً اگر ایک کاسہ میں پانی بھریں پھر اسی کاسے میں سونا بھریں تو سونا وزن کے اعتبار سے پانی سے انیس گنا بھاری ہوگا اسی پر اور اجسام کہ قیاس کرنا چاہتے کہ پانی سے بوزن خاص بھاری یا ہلکے ہوں گے۔

مثال ششم :- ماتی حالت آزادی میں جہاں کہیں پایا جاتا ہے تو ایسے ہی ملک میں پایا جاتا ہے کہ جو خط استوا کے نیچے یا قریب اس کے واقع ہوتا ہے اس پلکے کے سمجھنے کے لئے ضرور ہے کہ انسان علم جغرافیہ سے واقف ہو ورنہ خط استوا کے سمجھنے سے قاصر رہے گا

مثال ہفتم :- ہندوستان اور بر اعظم افریقہ کے ماتی جسمانی ترکیب میں ایک دوسرے سے علحدہ دیکھے جاتے ہیں موضع دماغ ایک کا دوسرے کے موضع دماغ سے مناسبت نہیں رکھتا اس مسئلے کے سمجھنے کے واسطے ضرور ہے کہ علاوہ جغرافیہ دانی کے انسان حیوانات کی تشریح سے بانبر ہو تشریح حیوانات میں آدمی کی تشریح بھی داخل ہے پس علم تشریح کی اطلاع کی حاجت محتاج بیان نہیں ہے۔

مثال ہشتم :- شیر میں ایک ایسی قوت برقی مودعہ ہے کہ اکثر انسان کی قوتوں کو سلب کر دیتی ہے اسی لئے شیر کے سامنے کمزور اشخاص جو اس باختہ ہو جاتے ہیں اس مضمون کے سمجھنے کے واسطے ضرور ہے کہ انسان برقی معاملات سے خبر رکھے یعنی علم برق سے واقف ہو۔

مثال نہم :- بعض سانپ ایسے ہیں کہ نظر کے زور سے جانوروں کو بچیں کر دیتے

ہیں اور بعض نظر کی کشمکش سے جانوروں کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں ظاہر ہے کہ جب تک انسان تاثر الّا نظر کے اصول سے یا جذبات مقناطیسی کے قواعد سے واقف نہ ہوگا ان مضمونوں کی تہ کو نہ پہنچ سکے گا۔

مثال دہم: - شیور و پلنگ باوجود گوشت خوار جانور ہونے کے افعال و حرکات میں کچھ مطابقت نہیں رکھتے اسی طرح سائبر اور نیل گاد کی بود و باش کے طریقے بالکل غلطہ ہیں۔ ان باتوں کے سمجھنے کے واسطے علم حیوانات کی دانست و اجبات سے ہے۔

مثال یازدہم: - جنگل مختلف اقسام کے ہوتے ہیں کوئی ڈھاک کا کوئی سیٹی کا کوئی بانس کا کوئی کانس کا کوئی بھیریری کا کوئی ساکھو کا وغیرہ وغیرہ ہر قسم کا جنگل تقاضا خاص رکھتا ہے پس ان کے تقاضوں سے مطلع رہنے کے لئے ضرور ہے کہ انسان علم نباتات سے باخبر ہو۔

مثال دوازدہم: - حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں صیدا گلنی کا کیا طور تھا۔ ان کے بڑے صاحبزادے کیونکہ شکار کرتے تھے بے علم سیر کوئی اس کا جواب نہیں دے سکتا۔

مثال سیزدہم: - بہرام گور بڑا لشکاری تھا اس کی حقیقت بے علم تاریخ نگ نہیں منکشف ہو سکتی ہے۔

مثال چہار دہم: - شائقین فرنگ نے بہت سی کتابیں فن صیدا گلنی میں بہت عالی مذاقی کے ساتھ تصنیف فرمائی ہیں۔ ان کتابوں کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے اچھی مناسبت ادبیہ درکار ہے۔

مثال پانزدہم۔ شائق شکار کو لازم ہے کہ اپنے شکاری بھائیوں کے حقوق کو ملحوظ رکھے جانورانِ صید کو بلا ضرورت ایذا نہ پہنچائے صید انگنی میں سفائی کو راہ نہ دے آدابِ شکار کو ہمیشہ ملحوظ رکھے۔ ان باتوں کی خوبیوں کو کوئی شخص بغیر علمِ اخلاق کی دانست کے نہیں سمجھ سکتا ہے۔

مثال شانزدہم جب احباب کا جلسہ ہوتا تو باتیں ایسی کرنی چاہئیں کہ کسی کو گزند نہ پہنچے عنوانِ کلام ایسا رہے کہ مناظرہ معلوم ہو۔ لینتِ مخلص میسائزین خندہ روئی اور بشائست کے ساتھ سلسلہ تقریر جاری رہے کہیں سے بھی گفتگو بوسے انانیت نہ دے اس کے ساتھ خوشامد چا پلوسی وغیرہ سے پاک ہو ایسے جلسوں میں صید و شکار کا تذکرہ آجاتا ہے خاص کر اگر کسی شریکِ جلسہ کو اس کا مذاق حاصل ہوتا ہے۔ پھر اکثر حضرات عام اس سے کہ شکاری ہوں یا نہیں اسے زبیاں کرنے لگتے ہیں بعض تا تجربہ کار ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ انھیں سن کر خاموش ہو جانا تقاضائے عقل مندی ہے مگر جو معاملات صید و شکار سے واقفیت رکھتے ہیں ان سے بھی بعض اوقات اختلاف کرنا پڑتا ہے مثلاً اگر کسی نے یہ کہا کہ اکسپرس - ۴۵
EXPER ۴۵ NO 450 شیر کے شکار کو کافی ہے تو اس کی تردید ایسی لینت کے ساتھ کرنا چاہئے کہ سامع کو گراں نہ گذرے اکسپرس نمبر ۰۰ کا ذکر اس طور پر کیا جائے کہ خطب کو بُرا نہ معلوم ہوادر لطف صحبت بہ قرار رہے۔ ظاہر ہے کہ صحبتوں میں فراز و نشیب کا خیال رکھنا بے علم مجلس کی دانست کے محض دشوار ہے جانتا چاہئے کہ علمِ مجلس نامِ علوم کا پتھر ہے اور بہ شریف آدمی کا فرض منصبی ہے کہ اس سے بہرہ ور ہو۔

مثال ہفتدہم۔ زراعت کو تھیرڈ پلانگ سے کس قدر نفع حاصل ہوتا ہے

اس کو وہی شخص جانے گا جس نے علم زراعت کو سیکھا ہو گا ظاہر ازراعت کو شیر
 پلنگ سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا ہے مگر ارباب واقفیت سے ان کا تعلق
 پوشیدہ نہیں ہے راقم نے کچھ عرصہ ہوا کہ ایک تحریر بنو بان انگریزی مکھی تھی جس کی
 سرخی شیر اور زراعت تھی خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ان مقاموں میں جہاں سے کوہ و
 جنگل قریب ہیں زراعت کو ایسے جانوروں سے جیسے سونڈ نیل سا برہمیل کو مار
 وغیرہ بہن سخت ضرر پہنچتا ہے مگر جب ان اطراف میں شیر و پلنگ ہوتے ہیں
 تو آدم بالاکے جانور کی تعداد بڑھنے نہیں پاتی ہے اور زراعت برہائی سے
 بچ جاتی ہے۔

مثال ہیر و تم۔ صحرا و دشت میں جب شکاری رات کو راہ بھول کر بھٹکتا پھرتا
 ہے اور نہ سمت کا پتا لگتا ہے اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر شب باقی ہے تو
 اختر شناسی بہت کام دیتی ہے اختر شناسی کے لئے ضرور ہے کہ انسان کچھ
 نہ کچھ علم فلکیات سے باخبر ہو۔

مثال نور و دم۔ کیفیت ہوا اور ارتفاع کوہ کو دریافت کرنا اکثر شکاری کو
 ضرور ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسے بیرو میٹر کی ضرورت ہوتی ہے بیرو میٹر سے کوہ
 ہوائی میں جو انقلابات واقع ہونے کو ہوتے ہیں معلوم ہو جاتے ہیں راقم نے چند
 بار شکار گاہوں میں سہرا ہیوں کو ترالہ باری سے منبہ کر دیا ہے اور موقع کی اطلاع
 بخشی سے ان کو صدر عظیم سے مامون رکھا ہے بلاشبہ بیرو میٹر نہایت کار آمد
 آلہ ہے مگر اس کے اصول سے واقف رہنے کے واسطے کس قدر معلومات کی
 حاجت ہے یہ آلہ ارتفاع کوہ کے دریافت کرنے کے واسطے بھی خوب شے

ہے ارتفاع کے دریافت کی ضرورت کو ہمالہ وغیرہ کے شکار میں ہوتی ہے۔ جب شکاری دریافت کرنا چاہتا ہے کہ وہ سمندر کی سطح سے کس قدر بلندی پر پہنچ گیا ہے ہمالہ میں بڑوکوہی کا شکار ہوتا ہے یہ جانور بہت مرتفع مقاموں میں قیام کرتا ہے علاوہ اس کے وہ خرس و پلنگ بھی جو برف میں وطن رکھتے ہیں بہت مرتفع جگہوں میں پائے جاتے ہیں پس شکاری کو ایسے وقت میں ارتفاع کی تحقیق کا ذریعہ بیرو میٹر کے سوا دوسرا نہیں ہوتا ہے۔

مثال ہتم۔ کبھی شکاری کو رس کے ذریعے سے کوہی گڑھوں میں اترنا ہوتا ہے اور وہاں ان کے شیر یا بڑوکوہی کا شکار کرنا پڑتا ہے۔ بعد شکار کرنے کے مع شکار اس کو اُدپر آنے کی حاجت ہوتی ہے ایسی صورت میں اگر وہ علم جو ثقیل سے بہرہ لگتا ہے تو پولی یعنی گہرنی وغیرہ کے استعمال سے اپنے کو اُدپر لانے کا سامان پہلے سے کر لے سکتا ہے۔ اسی طرح ذرتی جانوروں کے اٹھانے میں اس کی اطلاع اس علم کی بکار آمد ہو سکتی ہے۔

واضح ہو کہ راقم نے بالا میں بہت ہی غلطی سے مسائل علمیہ کو جو فن شکار سے متعلق ہیں مثلاً بیان کیا ہے اگر کچھ بھی تقریر کو وسعت دی جاتی تو پورا ایک دفتر تیار ہو جاتا بلکہ پھر جاننا چاہئے کہ فن صید انگنی ایک ایسا فن ہے کہ جس کو بہت سے علوم سے تعلق ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا شغل اسی کو نہیہا ہے جو شخص محفل ہے اور ان صفات سے متصف ہے جن کا ذکر راقم نے بالا میں کیا ہے علاوہ اس کے کہ فیضل سر سیمیل ایسے باکار حکما کا ہے اس شغل کو کچھ شعرا سے بھی تعلق ہے نادانف کو یہ عرض بھی فقیر کی مجذوب کی بڑی معلوم

ہوگی مگر حقیقت یہ ہے کہ سچا مذاق صید انگنی کا شاعری کے سچے مذاق کے ساتھ
 ایک بڑی مناسبت رکھتا ہے اس مناسبت سے
 اہل اطلاع کو بخیر نہیں ہیں مگر البتہ عدم اناس کو اس کی اطلاع نہیں ہے اور نہ
 اس شاعر کو اطلاع ہے جو گھر میں بیٹھا ہوا جاہل شاگردوں کا ایک گروہ لئے
 ہوئے قافیہ پیمائی کیا کرتا ہے اس کنوئیں کے معینڈک کو کیا خبر ہے کہ فضائے
 آسمان کا کیا عالم ہے اگر اس نے گھر سے باہر قدم رکھا ہوتا تو اسے معلوم ہوتا
 کہ دست قدرت نے کیا کیا عجائبات سے روئے زمین کو آئینہ حیرت بنا رکھا
 ہے مگر اس نے تو شاعری اسی کو سمجھ لیا ہے کہ ادل مصرع میں گل ہو تو دوسرے
 مصرع میں بلبل ہو اس کو اس کی کہاں واقفیت ہے کہ شاعری نام ہے مشاہدہ
 عالم سے اپنے میں کیفیت جذبی کے پیدا ہونے کا اور دوسرے میں کیفیت
 جذبی کے پیدا کرنے کا پس ہر شخص جو اس طو پر اپنے میں کیفیت جذبی کے پیدا ہونے کی صلاحیت
 رکھتا ہے یا کسی دوسرے میں کیفیت جذبی پیدا کرنے کی قابلیت رکھتا ہے سچا شاعر ہے ایسا شخص اپنے لئے
 شاعر ہے اور دوسرے کے واسطے بھی شاعر ہے لیکن اگر اس کو اسی قدر
 صلاحیت ہے کہ کیفیت جذبی صرف اس میں پیدا ہو تو ایسا شخص صرف
 اپنے لئے شاعر ہے یہ بھی بہت غنیمت ہے کس واسطے کہ ایسی صلاحیت کا
 موجود رہنا حمد کی طبیعت کی دلیل ہے برخلاف ان دونوں کے وہ قافیہ پیمایا۔
 نا شاعر ہے جو مشاہدہ عالم سے محروم رہنے کی وجہ سے نہ اپنے میں کیفیت جذبی
 کے پیدا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ دوسروں میں کیفیت جذبی پیدا
 کرنے کی قابلیت رکھتا ہے بہر حال اب راقم دکھانا چاہتا ہے کہ سچے مذاق صید

انگلی کو پچھ مذاق شاعری کے ساتھ کیا مناسبت ہے واضح ہو کہ صیدا انگلی
 ایک بڑا ذریعہ دنیا دیکھنے کا ہے اس کو ہمارے نادان قہم وطن دشواری
 سے سمجھیں گے کس واسطے کہ ان کو حقیقت صیدا انگلی سے کچھ خبر نہیں ہے۔
 اول تو ہم لوگ عموماً اس کا مذاق نہیں رکھتے دوم جو حضرات صیدا انگلی کا شغل
 کبھی کبھی اختیار کرتے ہیں وہ جوار میں جو کچھ جانور چرند پرند پاتے ہیں مار لیتے
 ہیں اور اسی کو صیدا انگلی سمجھتے ہیں لیکن جانتا چاہئے کہ نہ صیدا انگلی ہے نہ اس
 میں قسب و رانی الارض کی تعبیل متصور ہے۔ صیدا انگلی کیا شے ہے اسے اہل
 یورپ خوب جانتے ہیں یورپین شکاری اپنے ملک سے نکل کر کبھی افریقہ کبھی
 امریکہ اور کبھی ایشیا کی طرف جاتا ہے عجائبات عالم کا تماشا دیکھتا ہے اپنے
 مشاہدات کو حوالہ قلم کرتا ہے اور اپنی تحریر سے شاعری کی پوری داد دیتا ہے
 ظاہر ہے کہ جو شخص دنیا کی سیاحت کرے گا تو بہت کچھ دیکھے گا اور جب بہت
 کچھ دیکھے گا تو بہت کچھ لکھے گا۔ جائے انصاف ہے کہ ایسے شکاری سیاح سے
 کسی خانہ نشین عنکبوت سیرت شاعر کو کیا نسبت دی جا سکتی ہے ان یورپین
 شکاریوں کے سفر ناموں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو تماشائے فطرت
 کے دیکھنے کے لیے انتہا مواقع ملائے ہیں اور خدا جانے کیا کیا حلقہ نظر قلبی ان کو
 نصیب ہوتے گئے ہوں گے ان کی تحریریں پُر انداز کیفیت نظر آتی ہیں اور الحق
 ان کی خوبیاں سچی شاعری کی تصویر پیش نظر کر دیتی ہیں صیدا انگلی کی کارروائی جب
 عالی مذاقی کے ساتھ عمل میں آتی ہے تو نہایت مطبوع رنگ پیدا کرتی ہے خود
 شکاری اس سے متمتع ہوتا ہے اور جب اپنے مجمع کے بیانات کو حوالہ قلم کرتا ہے تو

اس کی تحریر سے ناظرین حجاز روحی اٹھاتے ہیں مشغلہ صیدا انگلی میں انسان کو صنایع آفریدگار کے معاینے کا بہت موقع ملتا ہے ایسے مواقع ان اشخاص کو جو گھر بیٹھے رہتے ہیں کبھی نصیب نہیں ہو سکتے ایسے بڑے بڑے فنکار یوں کہ جیسے سر سیمولن بیکہ اسٹرنڈیل انڈرسن بالڈون وغیرہ وغیرہ ہیں کیا کیا نہیں صنایع آفریدگار دیکھنے کے مواقع ملے ہوں گے مگر فقیر نے بھی شکار کی بدولت بھاڑ پہاڑ کی سیروں میں ایسی ایسی تیزیاں اور خوش سوا دیاں دیکھی ہیں کہ ان کے دیکھنے کے بعد کیونکر کوئی منکر ذات باری تعالیٰ ہو سکتا ہے ہر شجر حجر پرند چرند درند گند جڑی بوٹی جھرتا چشمہ پھول پتی سب کے سب زبان حال سے اس کے وجود کا اقرار کرتے نظر آتے ہیں جدھر دیکھنے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ہے جو غافل کی آنکھوں سے نہاں رہ کر سب کچھ کیا کرتا ہے۔

موضوع

کوئی پہاڑ ہے پس پر وہ سامان بہار گل چمن میں نہیں بے وجہ ہنسا کرتے ہیں شکاری کی زندگی لاریب بڑی پیاری زندگی ہوتی ہے نام آور شکار یوں کا تو کیا کہنا خود ان کی تحریر میں ان کے عنوان زندگی سے خبر دیتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ ایسی زندگیاں کمتر اہل دنیا کو نصیب ہوتی ہیں لیکن فقیر نے بھی جس قدر عمر فضل صیدا انگلی میں بسر کی ہے اس کے لطفوں کو خیال کر کے بے اختیار دل پوچھ اٹھتا ہے کہ کیا اس دارالمن میں بھی انسان کو اس قدر خوش دلی کا موقع ملتا ہے جتنا چاہتے کہ اس مشغلے میں افراط لطف کے حاصل ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ صیدا انگلی کا لطف محض حسی انداز کا نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا

لطف بہت کچھ روحانی پہلو بھی رکھتا ہے حالات ذیل سے جو ذاتی معاملات
 راقم کے ہیں کسی قدر صید انگلی کی لذتوں کا موازنہ متصور ہے۔
 فصل سرما کی تھی اور فقیر کے نیچے ایک پہاڑ پر استاد تھے عموماً اس فصل
 میں کمتر شیر وغیرہ کا شکار کھیلا جاتا ہے مگر چونکہ راقم کو صید انگلی کا مشغلہ دوازہ
 ماہ رہتا ہے کسی خاص فصل کی پابندی نہیں رکھتا ہر سال جہاں مخیم قرار پایا تھا
 وہاں کی سبزی نہایت دل آویز تھی ہر طرف سبز پوش پہاڑ ہی پہاڑ نظر آتے
 تھے ہزاروں عظیم پیکر اشجار چار سو دکھائی دیتے تھے ہری کچھ جھاڑیوں کی
 کمی نہ تھی سبز سے کی کثرت فرش زمرودی کارنگ پیدا کئے ہوئے تھی چند طرح
 کے صحرائی اشجار بھی بار آور ہو رہے تھے پھوٹے پھوٹے طیور ہر جانب مشغول
 نوا سخی تھے مگر سب سے زیادہ قابلِ لحاظ ایک دریا تھا جو پہاڑوں کو کاٹنا
 جہاں ناک کے میدانِ حصوں کی طرف بہ نکلا تھا جس صورت سے اس دریا
 نے پہاڑوں کو کاٹا تھا۔ قلم کی طاقت سے باہر ہے کہ اسے احاطہ تحریر میں
 در لائے کوسوں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے آلات کے ذریعے سے دوریہ
 پہاڑوں کو کاٹ کر درمیان سے ایک عریض دریا بہا دیا ہے اس دریا کا
 رخ اس وضع پر واقع ہوا تھا کہ اکثر مقاموں میں وقت صبح آتا ہے کی سبزی
 شعاعوں سے وہ دریا میدانِ طلا معلوم ہوتا تھا۔ اور شام کو رنگ
 شفق اسے عقیق کا ایک وسیع تختہ بنا ڈالتا تھا۔ اس کے دونوں کناروں پر
 شاداب روئیدگیاں سبز گوٹ کارنگ پیدا کرتی تھیں اس پر ذرا ہنگ
 ہیں فقیر کو دو تین روزہ اتفاق قیام ہوا شام کو جب شغلِ شکر سے فرست

ہو جاتی تو اسی دریا کے قریب کسی پتھر پر بیٹھ جاتا اور موجودہ سبز لہریں پر غور و فکر
 کو راہ دینا طرح طرح کے خیالات اس وقت پیدا ہوتے تھے کبھی قدم
 وحدوث کے مسائل پیش نظر ہوتے تھے کبھی کون و فساد کے مضامین دل
 میں جگہ کرتے تھے۔ کبھی علل و سبب کی طرف طبیعت رجوع لاتی تھی۔ اور اسی
 طرح کے ہزاروں حکمائی خیالات پیش ذہن ہو جاتے تھے علاوہ مسائل الہیات
 وغیرہ کے علم حیوانات علم نباتات علم معدنیات علم طب وغیرہ وغیرہ کے
 مسائل خوش و فکر کے باعث ہوتے تھے شاعرانہ خیالات کے ہجوم سے بھی
 چار تھا۔ المختصر دباں کے قیام مختصر کے زمانے میں جو وقت صیدا فگنی سے
 خالی پڑھتا تھا۔ وہ طرح طرح کے مسائل کے سوچ میں بسر ہوتا تھا اور جوں
 جوں سوچ بڑھتا جاتا تھا۔ اسی قدر زیادہ مبتلا سے تخر ہوتا جاتا تھا اسی
 اثنا میں بعض اجاب بامذاق سے کسی مسئلے میں جو گفتگو آجاتی تھی تو رنگ
 بزنک کے خیالات کے اظہار کی صورت بھی پیدا ہوتی تھی۔

وآضح ہو کہ ایسے مقاموں میں انسان ذی علم و بانہر کو دماغی کاموں کی
 طرف طبیعت کو رجوع کرنے کی ساحت نہیں ہوتی خود ایسے خیالات
 تقاضائے موقع و محل سے دل و دماغ میں ارباب فکر و غور کے اٹوٹنے
 ہیں چنانچہ بعض اجاب بامذاق کے اظہار خیالات سے عیاں ہوتا تھا
 کہ ان کے دل و دماغ سیر و سفر میں بیکار نہیں رہتے تھے اسے حضرات ناظرین
 اس وقت جو ایسی ایسی گورثتہ صحبتیں یا ذاتی ہیں تو ان کی یادیں سر نو
 سے وہی دلائے پیدا کہ دیتی ہیں طبیعت عالم مادیات کی طرف سے منہ

موت کو روحانیت کی طرف میلان دکھلانے لگتے ہیں یہ تو گھر بیٹھے طبیعت کی
سہالت ہوتی ہے شکار گاہ کی کیا حقیقت بیان کی جائے جہاں دنیا کے
زق زق بقی بقی سے مرد شکاری کو فرصت حاصل رہتی ہے اور حالت آزادی
میں اعلیٰ درجے کے خیالات اپنی اپنی جگہ دکھاتے ہیں۔

أَصْلَحَ تَرْتِي بِرِقَا أُرْيُكَ وَ مِصْنَهُ كَلِمَةٍ الْمَيْدِيْنِي حَبِيٍّ مَكْلَلٍ
معنی :- اسے ہم شیش تو برق کے چمکنے اور کوونے کو دیکھ کر اس کا چمکنا اور کووننا
الٹتی ہوئی گھنگھور گھٹائیں معشوقوں کے ہاتھوں کی رخشانی اور جنبش کے انداز
رکھتا ہے۔

شاعر گھوڑے کی تعریف کو تمام کر کے اب برق و باراں کے مضامین کو طبعاً
کہتا ہے یہ مضامین برائے خود سہ زبان میں شاعرانہ خوبیاں رکھتے ہیں مگر چونکہ
عرب میں عموماً بارش قلت کے ساتھ ہوتی ہے اور اگر حسب مراد ہوتی
بھی ہے تو صرف اس کے تھوڑے حصوں میں ہوتی ہے اس لئے کسی
شاعر عرب کا ایسے مضامین کی طرف توجہ کرنا خلاف فطرت نہیں ہے۔
امرء القیس کا بیان برق و باراں کی طرف نقل کرنا اور بھی امر طبعی ہے۔
یہ شخص بالطبع عاشق مزاج صحرا پسند سپاہی منش آزادہ و جفاکش دوست
پرست مردانہ طبیعت شہر دل محبت گیش یا رہاں اور شکار دوست،
تھا۔ اس پر سے شاعری کی قابلیت ایک بڑے درجے کی رکھنا تھا بلکہ صحیح یہ
ہے کہ فطرت نے اسے خلقت کی رو سے شاعر بنایا تھا پس ایسے شخص
کا سامان ابر و باراں سے لبشاش ہو کہ برق و باراں کے بیان میں شاعرانہ

مذاق کے ساتھ تقریر کو طول دینا تقاضاے فطرت سے بعید نہیں ہے ایسی
بشاشت اس کم بخت شاعر کو نصیب نہیں ہو سکتی ہے جو گھر کے اندر
بیٹھا ہوا عنکبوت کی زندگی بسر کرتا ہے جس نے ابر کو سوا۔۔ اپنے گھر کے
کہیں برستے نہیں دیکھا ہے جس نے کبھی ابر کو ہستان پر ٹوٹ پڑنے سے معافیہ
نہیں کیا ہے جس نے ابر کو کسی وسیع صحرا کو دم بھر میں نہ آب کر ڈالتے نہیں
ملاحظہ کیا ہے لیکن امر ۶ القیس جو ایک شاعر صحرا فور د تھا۔ اور جو عاشق مزاجی
کے ساتھ سیر و شکار کو دوست رکھتا تھا کیونکہ گھوڑے کے حالات کہتے کہتے
برق و باران کے بیان کی طرف متوجہ نہ ہوتا اس شاعر کو ایسے اتفاقات فرو
آپڑے ہوں گے کہ وہ مشغول صید افگنی ہوگا یا دشت نور دی کر رہے ہوگا
کہ اسی حال میں ابر گھرا یا ہوگا۔ اور بارش نے اسے پناہ لینے کی فرصت
نہیں دی ہوگی۔ فقیر کو ایسے اتفاقات اکثر پیش آئے ہیں اور یہ بھی فقیر کو یاد
ہے کہ وقت صید افگنی کو ہستانوں میں جو ابر سیاہ نمودار ہوا ہے تو
بے اختیار شعر بالا امر ۶ القیس کا ذہن فقیر میں آیا ہے اور اس موقع
کی یاد دینے اس وقت ایک عجب لذت دل کو بخشی ہے پس جاننا چاہئے
کہ ایک ربط پوشیدہ امر ۶ القیس کے بیان برق و باران کو اس کے
ان اشعار کے ساتھ حاصل ہے جن میں وہ گھوڑے اور شکار کا مذکور کرتا
گیا۔ ہے۔ واضح ہو کہ اس قصیدے میں امر ۶ القیس نے دونوں طرح کے مرقعات
یعنی داخلی (subjective) اور خارجی (objective) ظہور
کئے ہیں اور دونوں طرح کی مضمون آوری میں داد شاعری دی ہے۔ مثلاً

گھوڑے شکار اور برق و باراں کے جو مضامین میں خارجی پیرایہ رکھتے ہیں مگر جہاں داخلی رنگ منظور رکھا ہے وہ مضامین عشقیہ وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ پہلا شعر اس قصیدہ کے قفاً تباہ الخ داخلی پہلو رکھتا ہے اسی طرح اور بھی اشعار ہیں مثلاً تسلیت عمایات الرجال الخ۔ اس تمام قصیدہ کے دیکھنے کو معلوم ہوتا ہے کہ امیر القیس ایک اعلیٰ درجے کا شاعر تھا اس رتبے کا شاعر ہر ملک اور ہر زبان میں قابل قدر منظور ہے۔

بِعَنِي سَنَا أَهْـمُ أَيُّهَا هَبِ أَمَّا السَّلِيْطُ بِالذَّبَالِ الْمُقْتَبِ

معنی: - روشن ہوتی ہے اور درخشاں ہوتی ہے وہ برق جنبش کے ساتھ جس طرح معشوقہ کے ہاتھ درخشاں اور جنبان ہوتے ہیں یا مانند راہب کے چہرہ انوں کے کہ جن میں تیل بیٹھتا فاختہ کی طرف مائل کیا جاتا ہے تاکہ روشنی تیز ہو۔

واضح ہو کہ شاعر برق کی درخشانی اور جنبش کو دو چیزوں سے تشبیہ دیتا ہے ایک تو نگاروں کے ہاتھوں سے درخشانی اور جنبش کے ساتھ وہ چراغ مائلے راہب کے ساتھ جس کی روشنی بہت تیز ہوا کرتی ہے پہلی تشبیہ اس رنگ کی ہے کہ جس طرح شعرائے فارسی و اردو برق کو معشوق کے خندہ یا نگاہ کے ساتھ دیا کرتے ہیں گو درخشانی و جنبش دست کے مضمون کو اس طور سے کھرباندھتے ہیں لیکن دوسری تشبیہ تو خاص عربی مذاق رکھتی ہے اور ملکی رواج سے خیر دینی ہے یعنی راہبوں کا دستور ہے کہ شام کو نہایت روشن چراغ جلا لیا کرتے ہیں تاکہ دور سے اس کی روشنی نمایاں ہو جس کے نتیجے سے اگر کوئی بیو لا چکا مشاعرہ تو چراغوں کی روشنی کو دیکھ کر ان کے کلیسا کی طرف حصول امن کی

نظر سے چلا آئے بلاشبہ یہ ترکیب مسافر نوازی کی خوب ہے چنانچہ ماہبان
 کلیسا یعنی پارسیان ترسا کی نیک دلی اور سچی کی تقلید بہت کچھ کتابوں میں
 درج ہیں اور خدائے تعالیٰ بھی قرآن شریف میں انھیں خوبی کے ساتھ یاد فرمایا
 مگر بعض حکایتیں ایسی بھی منقول ہیں کہ بعض اشخاص راہبوں سے مسافروں
 کو مار بھی ڈالتے تھے جانتا چاہئے کہ راہب عبارت ہے پارسانی ترسا
 سے۔ ترسا سے مراد قوم عیسائی ہے راہب بیاہ نہیں کرتے اور نارک دنیا
 ہوتے ہیں رہبانیت کو اسلام نے مہذوم کیا ہے اس اصول پر کہ یہ ایک
 غیر فطرتی طور زندگی بسر کرنے کا ہے اور یہ ایک ایسا ضرر انگیز طریقہ ہے کہ جس
 سے اندر اس نبی آدم کی صورت یقینی ہے خود کشی سے بھی یہ امر زیادہ
 مقدوح نظر آتا ہے کس واسطے کہ خود کشی کا نتیجہ فاعل خود کشی تک محدود رہتا
 ہے بخلاف رہبانیت کے کہ اس کی حضرت پہلوئے عام رکھتی ہے۔
 واضح ہو کہ ہر ملک کی شاعری ایک خاص رنگ رکھتی ہے اس لئے کسی
 خاص ملک کی شاعری کے لطف کو درک کرنے کے لئے اس ملک کے
 معاملات تمدن معاشرت مذہب اخلاق وغیرہ سے مطلع رہنا ضرور
 ہے یہ تشبیہ برقی کی چراغ ہمارے راہب کے ساتھ ایسے ملک کے متوطن
 کو جس کے ماں راہب نہ رہتے ہوں یا اس شخص کو جو مضمون راہب سے
 خبر نہ رکھتا ہو کوئی مزا نہیں دے سکتی حالانکہ تشبیہ جس ملک کی ہے وہاں
 اس کی خوبی سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا ہے ایسی تشبیہات وہ ہیں جو
 کسی خاص ملک کے معاملات تمدن و معاشرت و مذہب وغیرہ سے تعلق

رکھتی ہیں اور عام حیثیت سے دور ہوتی ہیں بر خلاف ان تشبیہات کے جن کو امور فطرت سے تعلق ہوتا ہے مثلاً چشم گریاں کی تشبیہ ابر کے ساتھ ظاہر ہے کہ تشبیہ ایسی ہے کہ اس کو کسی خاص ملک کے معاملات تمدنی و مذہبی وغیرہ بار و راج کے ساتھ مناسبت نہیں ہے تشبیہ اول جو شاعر نے رخشانی و جنبش برق کو درست، نگار کے ساتھ دی ہے اسی قسم کا انداز رکھتی ہے اور اس کا فطرتی پہلو ویسا ہی ہے جیسا کہ برق کو خندہ خواباں و نگاہ محبوباں کے ساتھ تشبیہ دی جائے ایک شاعر انگریزی نے برق کے کونڈے اور بادل کے گریختے کو زبان کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور جس رنگ سے تشبیہ دی ہے اس کا انداز بہت خوب ہے وہ کہتا ہے کہ دو کوہ نقاب میں جو جلیاں چمک رہی ہیں اور بادل گرج رہے ہیں گویا ایسا ہے کہ وہ دو تلو آپس میں ہم کلام ہو رہے ہیں بلا تشبیہ یہ ایک نہایت خوب صورت تشبیہ ہے۔ اور محتاج تصریح نہیں ہے اور دیا فارسی میں ایسی تشبیہ فقر کی نظر سے نہیں گزری ہے البتہ ایک دوسرے رنگ میں فخر الشعرا استاد حضرت غالب نے مضمون کوہ زبان کو بڑی جدت کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے چنانچہ حضرت فرماتے ہیں۔

لعل سے کی ہے پئے زمرہ مدحت شاہ طوطی سبزہ کہسار نے پیدا منقار
مگر اس شعر کا پہلو ایسا فطرتی نہیں ہے ہر ایک ملک کا آدمی مضمون لعل و طوطی
سے ناواقف رہ کر اس شعر کو مجر و تبعیت فطرت کے سہارے پر سمجھ سکے
فَدَيْنَ الْعَدِيْبِ بَعْدَ مَا مَاتَ مَلِكٌ
وَقَدْ نَعَى لَهُ وَصَحْبِي بَيْنَ صَارِحِ

معنی :- بیٹھے ہم اور یاران ہمارے درمیان ضارح اور غزیب اس امر کے دیکھنے کے واسطے مگر جس امر کے دیکھنے کو ہم لوگ بیٹھے وہ بہت دور تھا۔
 واضح ہو کہ ضارح اور غزیب دو موضع کے نام ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ تماشلے
 امر کے لئے ہم لوگ دو موضع کے درمیان بیٹھے مگر وہ مقام جہاں امر
 چھایا ہوا تھا۔ وہ بڑے فصل پر واقع تھا۔ یہ شعر بھی نہایت فطرتی مذاق رکھتا
 ہے جب دور پر امر محیط رہتا ہے تو درد کے دیکھنے والے کو نہایت خوش نما
 معلوم ہوتا ہے اور بے اختیار ناظر کی توجہ اس کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔
 معلوم ہوتا ہے کہ امر بڑا القیس فطرت کا ایک بڑا شاگرد و رشید تھا اپنی شاعری
 میں کبھی فطرت کی طبیعت سے انحراف نہیں کرتا ہے۔

عَلَى أَقْطَرِ بِالشَّيْمِ أَيْمُونِ حَسْبِيهِ دَالِيسُوا لِي السَّيِّئَاتِ فَمَيْلُ بَل

معنی :- جب میں نگاہ کرتا ہوں تو امر کو بیماری کے ساتھ جانب راست میں

کوہ نظر پر بہتے دیکھتا ہوں اور جانب چپ میں کوہ ستار اور کوہ نیکل پر۔
 شاعر یہاں جو د باران کو مذکور کرتا ہے اور وسعت موضع بارش کو دکھاتا ہے
 ملک عرب میں اس قدر بارش کا ہونا خالی از لطف نہیں ہو سکتا۔ اہل ہند
 ملک عرب کو اپنے ملک پر قیاس نہ فرمائیں کہ جہاں بارش کی ایسی کثرت ہوتی
 ہے کہ اس قدر بارش جس کا ذکر امر القیس اپنے شعر بالا میں کرتا ہے کوئی
 حیرت افزا امر نہیں ہے۔

فَأَضْحَى لَيْسَهُ الْمَأْوُفُ كَتَيْفِيهِ يَكْرَبُ عَلَى الْأَذْقَانِ دَوْحَ الْكَنْهَلِ

معنی :- پس موضع کتیفہ پر اب رہتا ہے اور نور باران اس قدر تھا کہ کہنیل کے

درختوں کو بھی جو جنگل کے درختوں میں بیگیم پیکر ہوتے ہیں زمین پر مٹنے کے بدل کر دیا تھا۔
 اس شعر میں کوئی مبالغہ پروانزی شاعر نے ایسی نہیں کی ہے کہ احاطہ فطرت سے
 تجاوز کر گئی ہو ہینرڈ (Hendred) شاعر یونانی بھی زور باد و باران کے مضمون
 کو اس طور پر قلب بند کرتا ہے جیسا کہ سابق میں عرض کیا جا چکا ہے وہ کہتا ہے کہ
 ہوا شدید ضربیں لگا لگا کر پہاڑ کی چوٹی پر کے قوی تھیل درخت ہائے پائین
 (Pines) کو پھاڑ ڈالتی ہے اور عظیم پیکر درخت ہائے اوک (Oak) کو
 اکھاڑ کر دامن کوہ میں پھینک دیتی ہے۔

وَمَّا عَلَى الْقَنَابِ مِنْ نَقِيَابِهِ قَاتِلٌ مِنْهُ الْعَصَمُ مِنْ كُلِّ مِزَابِ
 معنی :- جب کوہ قناب پر باران پہنچا تو اس کے خوف سے آہوئے سفید بار
 دہن کو ہی ہر طرف سے پہاڑ کے نیچے اترا آئے یعنی جب کثرت آب سے ان کو یہی
 حال ہوا کہ پہاڑ میں امن کی شکل باقی نہیں رہی تو میدانی حصہ زمین کی طرف اترا آئے
 واضح ہو کہ عموماً بارش زیادہ کوہستان میں ہوتی ہے کوہ ہائے بلند اپنی طرف
 ابر کو کھینچ لیتے ہیں پس جانوران کو ہی کثرت بارش کی حالت میں صحرا و میدان
 کی طرف اترا آتے ہیں یہ شعر بھی پورا فطرتی مذاق رکھتا ہے امر القیس کی
 خوش مذاقی سے خبر دیتا ہے۔

وَيَأْتَاكُمْ يَدْرُكُ جَلِيدًا مُمْسِكًا فَلَا أَطَالَ إِلَّا مُشِيدًا ابْجَسَدًا
 معنی :- قریہ تیمامیں تو بارش نے غم ہائے درخت کو باقی نہ کیا اور گروں کو مٹا
 نہ چھوڑا الا ایسے مکانات کو جن کی تعمیر سنگ و گچ و لکڑی سے ہوئی تھی یعنی صرف ایسے
 مکانات کہ سنگی اور پختہ تھے صد باران سے محفوظ رہے۔

واضح ہو کہ عرب میں اتنی بارش کثرت کا حکم رکھتی ہے گو ہندوستان میں ایسی بارش کہ جس کی وجہ سے خام مکان گہ بڑیں اور چننے کو کوئی سد مہ نہ پہنچے کوئی نا در امر نہیں ہے بہر حال یہ شعر بھی اپنی وضع پر لطف سے خالی نہیں ہے اور نامطالع مبالغہ پردازی سے بمرحل دور ہے

كَانَتْ شَيْبًا فِي عَوَانِيْنٍ وَ بَلْبَةً كَبِيْرًا تَأْتِي فِي بَجَادٍ مِّنْ مَّثَلٍ
معنی : - گو یا کہ کوہ شراو ایل باراں بزرگ قطرہ میں مثل ایک مرد امیر و بزرگ کے معلوم ہوتا ہے کہ جو ایک گلیم مخطوط اڑھے ہوئے ہے۔

واضح ہو کہ اکثر جس وقت پہلا پانی بارش کا گدنا شروع کرتا ہے تو بڑے بڑے قطرے برستے ہیں اور یہاں پہلے جو یہ قطرات زمین کی طرف آتے ہیں تو ان سے مخطوط کی شکل پیدا ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے زمین کی طرف لاکھوں مخطوط کچھے ہوئے ہیں یہ پانی جب کسی پہاڑ پر پڑتا ہے تو پہاڑ مخطوط دکھائی دیتا ہے۔ پس شاعر پہاڑ کے اس طوع پر مخطوط نظر آنے کو ایک مرد امیر و بزرگ کے گلیم مخطوط کو اڑھے رہنے کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے اور واقعی یہ تشبیہ تشبیہ تامہ ہے کس واسطے کہ کوہ کے ساتھ مرد امیر و بزرگ کو نسبت وقار حاصل ہے اور کوہ کا مخطوط نظر آنا گلیم مخطوط کے ساتھ پوری مشابہت رکھتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ گلیم مخطوط سوا امرا کے غریبا کو حیر نہیں آسکتی اسے گلیم مخطوط نہیں سمجھنا چاہئے۔ شاعر کی خوبی کلام محتاج بیان نہیں۔

كَانَتْ ذَرْدِي دَأْسَ الْحَمِيْمِ غَدَاةً مِّنَ السَّيْلِ وَالْحَشَاكِ قَلْدَةً مَّغْزُولٍ
معنی : - گو یا کہ چوٹی کوہ حمیر کی دقت صبح سبیل و خاشاک کے باعث چرخ و دوک

ہو رہی ہے یعنی کوہ مجھم کی چوٹی کے گرد جو سیل شکل گرداب پیدا کئے ہوئے ہے اور
اس میں خاشاک بھی شامل ہو رہی ہے تو مجھم کی چوٹی نے چرتے کی صورت پیدا کی ہے
وَالْقُلُوبُ لَصَعْرُ أَوْ الْعَيْبُ بِجَاعَةٍ نَزُولُ الْيَمَانِي مَدَى الْعِيَابِ الْمُحْتَبَلِ
معنی :- اور ابرند کو رنے صحرائے غریب میں اپنے مال ڈال دیے جس طور پر کہ تاجر
بیمو جو جامہ و انوں کا مالک اور ان کا بار کرنے والا ہوتا ہے نزل کرتا ہے۔

واضح ہو کہ تاجر یعنی جامہ مانے منقش لاتا ہے اور فروخت کی نظر سے
انہیں لوگوں کے سامنے پھیلاتا ہے تاکہ لوگ دیکھیں اور خرید کریں۔ پس شاعر
کہتا ہے کہ ابرند کو ر صحرائے غریب میں تاجر یعنی کا طور اختیار کرتا ہے یعنی رنگ،
بہ رنگ کے پھول ہر طرف کھلتا ہے ہر سمت میں سبزہ اگاتا ہے اس کی مثال
و ایسی ہے کہ جیسے تاجر یعنی کسی دیار میں وارد ہوتا ہے خریداروں کو اپنے جامہ
مانے منقش دکھانے کے واسطے انہیں پھیلاتا ہے شاعر نے ایک نہایت
بیاری تشبیہ اختیار کی ہے۔ مرزا قاسمی بھی اپنے قصیدہ منقبت امام ششم
علیہ السلام میں نمود گل و سبزہ کو پارچہ لٹے منقش سے تشبیہ دیتے ہیں۔

خود شد ہر دم از گردوں کہ پشت بد برتن باموں
ز سنبل کسوت اکسوں ز ترانہ خلعت و دیبا

ز بس گلہائے گوناگون چین چوں صحف انگلیوں

تو کوئی فرسش سفلاطوں صبا گستر وہ در مرثی
كَانَ مَكَائِي الْجَوَارِ عِنْدَ يَسْتِ صَبَحَتْ سَلَا فَا مِثْلَ تَحْيِيْقِ مَقْلَقِ
معنی :- گویا کہ مرغان بیابان نے ایسی شراب با داد دی ہے کہ جو خالص اور

فلفل انداختہ ہے یعنی بارش کے ہو جانے سے طیور ایسے مست ہو رہے ہیں کہ
کہ گویا انھوں نے شراب صبح پی ہے اور حالت مستی میں نواسجیاں کر رہے ہیں بعد
بارش کے ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے کہ طیور مست نغمہ رہتے ہیں۔

شاعر کی خوبی بیان محتاج بیان نہیں ہے جس قدر شعر بالا فطرتی مذاق
رکھتا ہے اہل مذاق پر ہویدا ہے۔

كَانَتْ الْمَسَاءَ فِيهِ غُرُقًا عَشِيَّةً يَا كَرِيمًا لَيْلًا الْقَصْوَا أَيْابِلِشَ عَنُضَلِ
معنی :- جب بارش کی کثرت ہوئی اور درندے نتر بہتر ہو کہ خاک آلودہ ہو گئے

تو ان کی صورتیں وادیاں درد آفتادہ میں بیخ نما سے پیاز دشتی کی ہر گیلہ جو خاک آلود
رہا کرتی ہیں یعنی درندے خاک آلودہ ہو کہ بیخ نما سے پیاز دشتی کی صورت ہو گئے
پیاز دشتی کی جڑیں زمین میں مضبوطی کے ساتھ گہری رہنے کے سبب سے ہمیشہ خاک
آلودہ رہا کرتی ہیں۔ پس دوان دشتی خاک آلودہ ہو کہ انھیں کی صورت کے ہو گئے
واضح ہو کہ یہ قصیدہ نمونے کے طود پر انتخاب ہوا ہے اور حقیقت

یہ ہے کہ تمام قصائد سماعہ معلقہ سے فصاحت بلاغت اور حسن شاعری
میں غالب ہے بہر حال اس قصیدہ کے مد سطر سے حضرات ناظرین قبل بعثت
کی شاعری عرب کا انداز سمجھ جائیں گے جانتا چاہئے کہ یہ سب قصائد فطرتی
مذاق رکھتے ہیں اور بلاشبہ بہت سے عمدہ خیالات پر مشتمل ہیں ان قصائد
میں بادشاہوں یا امیروں کی جھوٹی تعریفیں مندرج نہیں ہیں ہر شاعر سچے
جوش سے یاد رواں قلیبہ اور دیگر امود ذہنیہ کو کہیں بیان کرتا ہے
یا معاملات خار بیہ کو کہیں۔ حوالہ نظم کرتا ہے فارسی کے شعر کی طرح بے سرو پا

طور پر مضمون آوری نہیں کرتا ہے آئندہ معلوم ہوگا کہ کس قدر کم فارسی کے
 قصیدے ہیں جو سچے مذاق شاعری کے بہرہ رکھتے ہیں عموماً فارسی قصائد
 مدحیہ ہٹا کرتے ہیں اکثر شعرا نے فارسی نے اپنی عمر عزیز مدح گوئی میں
 بسر کی ہے اس کی پوری مثال مرزا حبیب قافلی ہیں جن کے قصائد ان کی
 بڑی قابلیت ثبوی بنیاد تھی اور بڑی مجبور یوں کی شہادت دیتے ہیں۔

انتخابات ذیل کتاب حماسہ سے لئے گئے ہیں

جاننا چاہئے کہ حماسہ کو لغوی معنی شدت ہے، چونکہ اس کتاب میں لڑائیوں
 کے اشعار مجتمع ہیں اور لڑائیاں شدت سے خالی نہیں ہوتی ہیں اس واسطے
 اس کتاب کا نام اس کے مولف ابو تمام حبیب بن ادس الطائی نے
 کتاب الحماسہ رکھا۔

قَالَ بَعْضُ شُعْرَاءِ بَلْعَبْرٍ وَاسْمُهُ قَرِيبُ بْنُ أَرْبَيْفٍ

کلام قریب بن اربیف جو شعرا نے بلعبر سے ہے

لَوْ كُنْتُ مِنْ مَازِنٍ لَمْ نَسْتَجِبْ أَبِیْ
 بَنُو الْبَقِیْطَةِ مِنْ ذَهْلِ بْنِ سَبِیْئَانَ
 یعنی اگر میں قبیلہ مازن سے ہوتا تو میرے اونٹ بنو بقیطہ جو ذہل بن سبئیان
 سے ہیں لوٹ کر نہ لے جاتے

إِذَا الْقَامَ بِنَعْرِي مَعْنُو نَحْشَسُ
 عِنْدَ الْحَفِیْطَةِ إِنْ ذُو لَوْثَةٍ لَا تَأْتَا

اس وقت میری مدد کو ایک ایسی جماعت کہ حمیت کے وقت سخت ہے
 کھڑی ہو جاتی اگرچہ کوئی کمزور نہ می کیا کہے۔

قَوْمٌ إِذِ الشَّرُّ أَزِيدُ تَابِعِيهِ لَكُمْ طَارُوا إِلَيْهِ ذَرَايَاتٍ وَوَحْدًا أَنَا
 جب کسی قوم کے لئے فتنہ اپنی دوزخوں ڈالیں ظاہر کرے یعنی کوئی قوم مبتلا
 فتنہ ہو جائے تو مازن ایسی قوم ہے کہ اس قوم مبتلائے فتنہ کی طرف مدد کی
 نظر سے گروہ گروہ اور فروا فرزا اور نکلے گی ہے۔

لَا يَسْتَلُونَ أَخَاهُمْ جَمِينٌ يَنْتُدُّ بِهُمُ فِي النَّاسِبَاتِ عَلَى مَا قَاتَلَ بِهِ هَانَا
 یہ مازن ایسے ہیں کہ جب ان کا کوئی بھائی یعنی جب کوئی انہیں مصیبت
 کے وقت پکارتا ہے تو اس سے بلانے کا سبب نہیں پوچھتے یعنی فوراً پوچھ
 بات لئے نکلتے گماب کو مستعد ہو جاتے ہیں۔

لَكِنَّ قَوْمِي دَانِكَاؤُا ذِي عَدَا لَيْسُوا مِنَ الشَّرِّ فِي شَيْءٍ وَإِنْ هَانَا
 لیکن میری قوم یعنی قوم بلعینرا کہ پھر عدد کے رُو سے بہت افراد سے مرکب
 ہے لیکن فتنے سے کنارے ہی رہا کرتی ہے گو وہ اس کنارہ کشی میں ذلیل
 بھی ہو جائے۔

يَجْرُونَ مِنْ ظُلْمِ أَهْلِ الظُّلْمِ مَخْرُجًا وَمِنْ إِسَاءَةِ أَهْلِ السُّوْرِ أَحْسَانًا
 میری قوم کا یہ انداز ہے کہ ظالموں کے ظلم کا بدلہ درگزر اور بدوں کی بُرائی کا
 معاوضہ جملانی کے ساتھ کرتے ہیں

ظاہر اس شعر سے قوم بلعینرا کی مدح پیدا ہوتی ہے مگر شاعر بسبیل
 استہزا اس قوم کے حق میں اس قول کو کہتا ہے۔ مطلب شاعر یہ ہے کہ یہ
 قوم کسی وضع کی حمیت یا خودداری نہیں رکھتی ہے محض بیکار اور لاشی ہے
 كَأَنَّ سَابِقَ لَمْ يَخْلُقْ لِحَسْبِيتِهِ سِوَاهُمْ مِنْ جَمِيعِ النَّاسِ الْإِنْسَانَا

گویا خدا نے اپنے خوف کے لئے سوائے لوگوں کے تمام نسل انسان میں کسی انسان کو پیدا ہی نہیں کیا ہے یعنی گویا خوف خدا کے لئے سوائے قوم بلعبر کے تمام بنی آدم میں کوئی قوم پیدا ہی نہیں ہوئی ہے۔

ظاہر ہے کہ شاعر نے اپنی قوم کی اس شعر میں بڑی بھولچ بکھی ہے۔

فَلَيْتَ لِي ذُو مَارَا ذَا مَرَكَبُوا شَدُّ وَالْإِعْرَابَةُ فُرُسًا وَرَمَلًا
اسے کاش میرے لئے کوئی ایسی قوم ہوتی کہ جب سوار ہوں تو غارت گری کے لئے تیار کی کہیں درحالیکہ ٹھوڈوں اور اونٹوں پر سوار ہوں۔

شاعر اپنی قوم کی ضعف و بیچارگی کو بیان کر کے حسرت کرتا ہے کہ کاش ایسی کمزور اور بے کار قوم کے عوض اس کی قوم مستعد اور بکار آمد ہوتی۔

واقع ہو کہ قریظ بن انیف جس کے اشعار بالا میں قبیلہ بلعبر کا آدمی ہے بلعبر دراصل بنو العبر ہے اس قبیلے کے تینوں اونٹ بنو اللقیطہ ٹوٹ لے گئے تھے قبیلہ مازن نے قبیلہ بلعبر کی اعانت کی اور تنو اونٹ بنو اللقیطہ لے چھین کر

قبیلہ بلعبر کو دے دئے شاعر اشعار بالا میں قبیلہ مازن کی مدح اور اپنے قبیلہ بلعبر کی بھوکرتا ہے۔ بہر حال اشعار بالا پر غور کرنے سے چند باتیں پیش نظر ہو جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اہل عرب قومی تقاضوں سے ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں جس کی شریک کمتر اور کوئی قوم نظر آتی ہے۔ صاف یہ اشعار کہہ دیتے ہیں کہ ملک عرب میں کوئی عام گورنمنٹ نہیں ہے جس کے تمام مکناے عرب پابند ہوں اس ملک کے منوطن قبیلے قبیلے میں تقسیم ہیں اور ہر قبیلہ کا انتظام جدا گانہ ہے چنانچہ امر واقعی ہی ایسا ہے۔ بہر قبیلہ

کا ایک شیخ ہوتا ہے جو حکمران قبیلہ ہوتا ہے۔ اکثر یہ قبائل آپس میں لڑنے جھگڑتے
 رہیں اور موافقت و ناموافقت کی بنیاد پر آپس میں دوستانہ یا دشمنانہ برتاؤ
 رکھتے ہیں جھگڑوں کے سبب بہت ہوتے ہیں کبھی پانی پلانے میں نزاع پیدا
 ہوتی ہے کبھی جانوروں کی چوری کے لئے جھگڑا اٹھتا ہے اسی طرح بہت سی
 وجہیں مجال و قتال کے برپا ہونے کی بنیاد بنتی ہیں اور آخر کار نوبت تیغ
 و سنان کی پہنچتی ہے یہاں فتنہ کے برپا ہونے کی وجہ قبیلہ بنو اللقیطہ کی
 غارتگری تھی پس ان باتوں سے ظاہر ہے کہ اگر ملک عرب میں کوئی عام
 گورنمنٹ موجود ہوتی تو قبیلہ بلعبر کے اونٹ بنو اللقیطہ اس طور پر بے جا تے
 اور نہ اس طور پر قبیلہ مانہ قبیلہ راغبہ کی اغارت کرتا مگر جس ملک
 میں طوائف الملوک کی شکل لاحق رہتی ہے وہاں کے قبائل اسی طرح کی خودمختار
 کارروائی کرتے ہیں یہ تو پولیٹیکل انداز اہل عرب کا اشعار بالا سے ظاہر ہوتا
 ہے اسی طرح ان اشعار سے طریقہ معاشرت اور فطرتی مزاج بھی اہل عرب
 کا عیاں ہوتا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب ایسے لوگ ہیں کہ
 زمینداری نہیں رکھتے زراعتی پیداوار پر ان کی اوقات کا مدار نہیں ہے۔
 ملک گیری کے خیال سے بری ہیں۔ قوانین سال کے بیخ بل سے ناواقف
 ہیں ان میں نہ شائستہ ملکوں کے پیچیدہ قوانین مروج ہیں اور نہ کوئی قانون
 سزا دہی کے اصول پر ان میں جاری ہے سزا دہی کے عوض معاوضہ کی کارروائی
 عمل میں لائی جاتی ہے اشعار بالا سے تمام تر ان کی قومی بے زری ہویدہ ہے
 اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تجارتی کاروبار سے تعلق نہیں رکھتے مگر اس

بے زری کی حالت میں بھی اپنے ملک سے مالوف نظر آتے ہیں اور اپنی
 موجودہ حالت کو تمام اہل دنیا کی حالتوں سے اچھی سمجھتے ہیں۔ امداد بالا
 کے علاوہ یہ باتیں بھی ظاہر ہوتی ہیں کہ اپنی اوقات گزاری کا مدار اونٹ
 گھوڑے وغیرہ کی پرورش پر رکھتے ہیں اور جانوروں کی چھری کی ضرورتوں
 سے بیشتر مھرا نشین رہتے ہیں پھر آپس میں ٹوٹ مار کرتے ہیں اور آپس
 کے اونٹ گھوڑے جو ان کی مالی کائنات میں پھرتے ہیں اور تب معاوضے
 کے خیال سے جدال و قتال اختیار کرتے ہیں اس انداز معاشرت کے
 سبب سے انھیں تیغ بدست رہنے کی حاجت لاحق ہوتی ہے جس کے
 باعث ان کی قوم بسبیل عادت بہادرانہ انداز رکھتی ہے اور امر واقعی
 بھی یہ ہے کہ جب کسی قوم کو اپنی تلوار کے بل پر زندگی بسر کرنی پڑتی ہے تو
 تقاضائے معاشرت سے وہ قوم دلیر اور جنگجو ہو جاتی ہے اس طریقہ
 معاشرت کا اثر اہل عرب کے تمام افعال و اقوال میں دیکھا جاتا ہے۔
 چنانچہ ان کی شاعری بھی وہی تیغ بدست مذاق رکھتی ہے اگر ملک عرب کی
 شاعری کو بنگالہ کی شاعری سے ملائیں تو آسمان اور زمین کا فرق محسوس
 ہوگا ظاہر ہے کہ بنگالہ کے کسی شاعر کے دماغ میں اس طرز کے جدال و
 قتال کے مضامین بسبیل عادت ایسی روانی اور آسانی کے ساتھ جگہ نہیں
 کہیں گے شاید یہ روکنا سوکھا اور تیغ بکف انداز شاعری کا اہل بنگالہ کی
 زبان میں خوش اسلوب معلوم بھی نہ ہوگا اگر وہاں کا کوئی شاعر اس جنگی
 انداز کو اختیار بھی کرے تو عادت معاوضہ ہوگا کہ اس کو شاعری تقاضا سے

ملکی سے کنارے ہو رہی ہے ہر چند بنگلہ زبان اب کمال خوبی و مجموعی کو پہنچ گئی ہے اور سب طرح کے خیالات کے ادا کرنے پر قادر ہے۔ اس پر بھی ملکی تقاضوں سے کسی حال میں باہر نہیں ہو سکتی ہے لاریب عرب کی یہ رزمی شاعری جسے حماسہ کہتے ہیں اور اہل فرنگ و ارساٹنگ (Wassong) کے ساتھ موسوم کرتے ہیں ایک خاص انداز رکھتی ہے کہ اہل عرب کی قومی افتاد طبیعت سے پورے طور پر خبر دیتی ہے۔ واضح رہے کہ عرب کی رزمی شاعری ہومو ورجیل فردوسی ملکن بیاس باہلی وغیرم کی رزمی شاعریوں سے جدا انداز رکھتی ہے ان شعرا کی تصانیف بڑی بڑی فنونیاں ہیں برخلاف اس کے اہل عرب کے اشعار رزمی قطعات و قصائد وغیرہ پر مشتمل دیکھے جاتے ہیں جیسا کہ اشعار حماسہ سے ہویدا ہے اہل عرب کی شاعری میں یہ ایک بڑی منقصت پائی جاتی ہے کہ کوئی تصنیف منظم مثنوی کے پیرائے میں موجود نہیں ہے یہ ایسا نقصان ہے کہ اگر عربی کی ذاتی خوب صدتی نہ رکھتی تو فارسی کی شاعری سے اس کو کسی طرح کا مقابلہ نہ ہو سکتا مگر حقیقت حال یہ ہے کہ شعرائے عرب بڑی قوت نطق رکھتے ہیں اداے خیالات خوب کرتے ہیں بلاغت کی داد کامل طور پر دیتے ہیں اور تعجیب فطرت سے خالی کبھی نہیں رہتے اس لئے ان کی شاعری کو فارسی کی شاعری پر مزج سمجھنا دور از انصاف نہیں ہے جانتا چاہئے کہ خاص کر یہ مدگیان حسب مراد بعثت آنحضرت صلعم سے پہلے کی شاعریوں میں پائی جاتی ہیں اس عہد کے شعرا کے کلام بلاشبہ ممتاز طور

پہنچ کر رنگ رکھتے ہیں یہ شعرا سے سابق عہد جہاں داخلی یعنی سبکدو
(Sadeh) مضامین کو قلمبند فرماتے ہیں تو وہاں ایسے مضامین

کو فطرت کی کامل پیروی کے ساتھ جلوہ دیتے ہیں اور اسی طرح خارجی
یعنی آجکل (Sadeh) مضامین کو بھی حوالہ قسم کرتے ہیں۔
ان عمدگیوں کے اعتبار سے سابق کے اہل عرب کی شاعری فارسی کی
شاعری پر بہت غلبہ رکھتی ہے۔ البتہ عربی کی شاعری وہی مقدوح نظر
آتی ہے جو خلفائے دمشق و بغداد کے زمانوں سے خبر دیتی ہے اہل عرب
کے ان زمانوں کی شاعری میں شکل سے فارسی کی شاعری کا رنگ رکھتی
ہے یعنی وہی بد مذاقیوں جو فارسی کی شاعری میں دیکھی جاتی ہیں ان زمانوں
کی عربی کی شاعری میں بھی پائی جاتی ہیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ درباری
شاعروں نے قرب سلفانی کے حاصل کرنے کی نظر سے کم جو صلگی کا کوئی
دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔

قَالَ وَذَلِكَ نَبْنُ تَمِيمِ الْمَأْتَرِي

و داک بن تميم نازنی کہتا ہے۔

دَوَيْدُ بْنُ شَيْبَانَ بَعْضُ كَعْبِيدِ كَوْمِ تَلَا تَوْاعِدًا أَخِيَّ عَلَى سَقَوَانِ
ہاز او بنی شیبان اپنے بعض وعبید سے ملوگے تم کل میرے سواروں سے سقوان پر
تَلَا تَوْاعِدًا الْأَخِيَّ عَنِ الْوَعَا إِذَا مَاعَدَتْ فِي الْمَأْتَرِ الْهَاتِي
ملوگے تم ایسے گھوڑوں سے جو لڑائی سے مرنے نہیں پھرتے۔

عَلَيْهَا الْكَمَا الْعَرَمِينَ إِل مَادِنِ كِيُوْتُ طِعَانِ عِنْدَ رِكْلِ طِعَانِ

ان گھوڑوں پر آل مازن کے وہ چمکتے منہ ہوں گے جو ہر ایک جنگ میں جنگی شیر
 میں یعنی ان گھوڑوں پر آل مازن سوار رہیں گے جن کے منہ چمکتے ہیں اور لڑائی
 میں شیر کے انداز رکھتے ہیں۔

تَلَا قُوَاهُمْ فَتَحَرُّوْا كَيْفَ صَبِرْتُمْ عَلٰۤى مَا جَعَلْتُمْ فِيْهِمْ يٰۤاٰلِ الْاَحْذَاتِ
 جب ان سے تم دو چار ہوں ہو گے تو پہچان لو گے کہ ان کا صبر حوادث کے
 وقت میں کیسا ہے۔

مَقَادِيْمٌ مَّصْلُوْنٌ فِي الْوَدْعِ مَحْطُوْمٌ بِكُلِّ ذَقِيْقِ الشَّفْرِ يَنْبِيْ بِسَارِ
 یہ آل مازن آگے بڑھنے والے اور اپنے قدم کو جنگ میں بائیک دہار والی
 یعنی تلوار پر پہنچانے والے ہیں۔

اَوْ اسْتَعْنَدُوْا لِكَيْسٍ كُوْمِنٍ دَعَاھُمْ لِاٰيَةِ حَرْبٍ اَمْ اٰمِيْ مَكَارِ
 یہ آل مازن ایسے ہیں کہ جب ان سے نصرت مانگی جاتی ہے تو طالب مدد سے جنگ
 و موضع جنگ نہیں دریافت کرتے یعنی بید ہلک اعانت کے واسطے مستعد
 ہو جاتے ہیں۔

دراغ ہو کہ اشعار بالا کا ملکی رنگ وہی ہے جو ادراغ اشعار کتاب حماسہ
 کا ہے بنظر اختصار راقم نے کتاب مذکور سے صرف دو شاعر کے کلاموں کو
 مندرج ہذا کرنا مناسب سمجھا اس رسالہ بجالہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ کسی بیان
 کو طول دیا جاسکے پس مضمون اختصار کو ملحوظ رکھ کر اب راقم ایک قصیدہ
 متنبی کا درج ہذا کرتا ہے اس قصیدہ سے تمام حضرات عربی دان واقفیت
 رکھتے ہیں اور واقعی یہ قصیدہ ایسا ہے کہ جس سے متنبی کی اعلیٰ درجہ کی

قابلیت شاعری ظاہر ہوتی ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ شاعر نادر روزگار گذر رہے
 اگہ اس کی قابلیت کا استعمال بکار آمد طور پر کیا جاتا تو یہ شاعر دنیا کے بڑے
 بڑے شعرا میں جیسے کہ ہومیر و سدرجل ملٹن فردوسی بالکی بیاس کالی داس
 شیکسپیر گوٹیا اور میرا بنس ہیں شمار کیا جاتا مگر افسوس ہے کہ اس شاعر نے
 ایسا بُرا زمانہ پایا کہ جس وقت شاعری سے نہایت مبتذل کام لیا جاتا تھا یعنی
 جس وقت شاعری سلاطین و اُمراء کے تقرب حاصل کرتے کا ذریعہ سمجھی جاتی
 تھی ظاہر ہے کہ ایسے وقتوں میں شاعری کی خوبیاں باقی نہیں رہ سکتی ہیں
 ایسے وقتوں میں شاعر کو جس کا کام یہ ہے کہ آزادی راستی صفائی خلوص سیر
 چٹھی اور دیگر صفات حمیدہ کو اپنے تمام افعال و احوال میں ملحوظ رکھے ناچار نا
 محمود امور کو اختیار کرنا پڑتا ہے اس کی شرافت ذاتی اور بزرگی نفس و بربادی
 شاعر ہونے کے ساتھ تمام تر رخصت ہو جاتی ہے درباری شاعری ایک
 بڑی مثال غنیمت ہے جس کی عمر مدحیہ مضامین کے گڑ بننے میں بسر ہو گئی اگر اس
 کو آزادی حاصل رہتی تو مدح گوئی کے عوض شاعری کے بکار آمد اور مفید
 طریقوں کو اختیار کرتا ہزار حیف کہ اس شاعر گرامی کو وہ کام کرنا پڑا جو
 معمولی بھاٹ وغیرہ کیا کرتے ہیں کس واسطے کہ عموماً مدحیہ رنگ کی قصیدہ
 گوئی بھاٹوں کی مداح سراہیوں سے اعلیٰ یا اشرف پایا نہیں رکھتی ہے معاذ اللہ
 اگر شاعر کی یہی اوقات قرار دی جائے کہ وہ سلاطین و اُمراء کے لئے طرح طرح
 کے غیر فطرتی مدحیہ مضامین پیدا کیا کرے تو شاعری سے زیادہ پوچھ ذلیل
 اور نامطبوع کوئی دوسرا کام قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے مگر جائے افسوس

ہے کہ متنبی کو اور اس کے ایسے دیگر درباری شعرا کو اس طرح کی نوحہ زندگی
 بسر کرنے کی صورت لاحق ہوئی اس سے زیادہ کیا مصیبت خیز کوئی طریقہ
 زندگی کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ آدمی ہزار کدو کوشش کے ساتھ ان باتوں
 کو عمر بھر زبان قلم پر لایا کرے جنہیں خود وہ اپنے دل میں لغو و روع اور
 بھل جانتا ہو۔ شاعری نہ بہار لغو کوئی یا و روع گوئی نہیں ہے شاعری ایسی
 عظیم شے ہے کہ اس سے ہمارے بڑے بڑے اعلیٰ تمدنی اور مذہبی اضر
 متعلق ہیں شاعری ہرگز اس واسطے نہیں مخلوق ہوئی ہے کہ بد مذاق سلطین
 و اُمرا کو خوش کرنے کے لئے ایک نہایت غیر فطرتی رنگ سے برتی جائے
 مگر ہزار افسوس ہے کہ عربی فارسی اور اردو شاعریوں کا ایک ممتاز حصہ
 ایسا ہی نظر آتا ہے کہ جبارین وقت کی مدح و ثنا پر مشتمل ہے اگر مداحی و
 ثنا خوانی کا رنگ فطرتی بھی ہوتا تو قصائد مدحیہ اس قدر نثر انگیز نہیں معام
 ہوتے مگر مدح سرائی کا لغو و بالہ ایسا بڑا پیرایہ نظر آتا ہے کہ طبع فطرت
 پسند پورے طعنے منافی ہوتی ہے اور باب انصاف غم فرمائیں کہ قصیدہ
 گوہوں کا یہ کیا طریقہ مدح سرائی ہے کہ اپنے مدوح کے صاحب قدرت
 وزی اختیار ہونے کو اگر بیان کہیں تو اسے مالک قضا و قدر بتا کر
 چھوڑیں ہوا برق باراں آتش آب حیاں بحد سب کو اس کے زیر فرمان
 بتائیں اور اسی طرح ہزاروں لایعنی مضامین کو قلمبند کر جائیں بہت سے
 ایسے قصائد عربی فارسی اور اردو میں موجود ہیں کہ ان کے مدحیہ اشعار جو
 سلطین و اُمرا کی شان میں ہیں اگر محمد خدائے علیٰ اور منقبت علی

مرفعی میں پڑھے جائیں تو کوئی مضائقہ معلوم نہ ہو۔ متنبی کے اس قصیدے میں بھی جو ابو علی طارون بن عبدالعزیز المارواحمی کی مدح میں ہے ایسے ایسے مثنوی دیکھے جاتے ہیں کہ اگر رسول خدا اور ائمہ اطہار کی شان میں عرض کئے جاتے تو کسی شخص کو عند نہ ہوتا بلکہ وہ مضامین ایسے ہی ہیں کہ بزرگان دین کی شان میں عرض کئے جائیں نہ کہ نام آوران دنیا کی۔ یہ قصیدہ تو خیر جیسا ہے ویسا ہے اگر بعض شعرا نے فارسی کے مدحیہ قصائد کو دیکھے تو وہ بے سرو پا باتیں ہیں کہ جس کی کوئی حد نظر نہیں آتی ہے اس پر بھی ایسے قصائد کی قدر دانیاں اپنے اپنے وقت میں سلاطین و امرا کی طرف سے اس درجہ پر ہوئی ہے کہ ان کے خیال سے تعجب گذرتا ہے خدا جانتے ممدوحین کیسے لغو پسند تھے اور مداحین کیسے مذاق بد رکھتے تھے ممدوحین کی تو یہ حالت دیکھی جاتی ہے کہ وہ اپنے شعرا نے درباری پر قصائد دیکھ کر فریشتیں کرتے تھے اور اگر ان سے بجا آوری خدمت میں کوئی کمی ظہور میں آتی تھی تو ان پر ہتیم نمائی مثل میں لائی جاتی تھی چنانچہ متنبی کے ساتھ بھی ایسے معاملے پیش آئے ہیں جیسا کہ خود اس کے بعض کلام سے عیاں ہوتا ہے یوں تو مدح گوئی سے کسی زبان کی شاعری خالی نہیں ہے مگر جو بھر مار مدح گوئی کی عربی فارسی اور اردو میں دیکھی جاتی ہے اس قدر کسی زبان میں نہیں دیکھی جاتی متنبی کی تمام تصنیف قصائد مدحیہ سے مملو ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس شاعر نے سوا مدح گوئی کے کوئی دوسرا کام ہی نہیں کیا ہے سالانہ اس کی فطرتی قابلیت شاعری ایسی تھی کہ ہر صنف شاعری

میں اس کو ممتاز عالم بنا سکتی تھی مگر حریف ہے کہ اس نے اس وقت عالم
 ہستی میں قدم رکھا کہ جب شاعری شیعہ مذلت اختیار کر چکی تھی یعنی جب
 شاعری سلاطین و امرا کی خوشامد کے لئے شخص کی جا چکی تھی البتہ ایشیائی درباروں
 کی بے عنوانیوں سے قابل لحاظ ایک یہ بے عنوانی بھی ہے کہ ہمیشہ شاعری
 عمل کی لونڈی مانی گئی ہے اور شعرا و دولت کے غلام سمجھے گئے ہیں
 تقاضائے ضرورت سے بیچارے شعرا نے بھی ایسے سمجھے جانے کو گوارا
 رکھا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان کی شاعری بد مذاقی کا طومار نظر آتی
 ہے اس کثرت کے ساتھ عربی فارسی اور اردو زبانوں میں قصائد مدحیہ
 کا موجود ہونا شاعری کے بڑی ابتذال سے خبر دینا ہے قصیدہ گوئی کا زہنا
 مطلب نہیں سمجھا جا سکتا ہے کہ اس سے بے سرو پا طوطی پر شاعرانہ و امرا
 کے مناقب و محامد ضبط تحریر میں در آئیں بلکہ قصیدہ وہ صنف شاعری
 ہے کہ جس میں شاعر اعلیٰ درجے کے مضامین جو محاملات و اخلاق تمدن
 و مذہب و دیگر اہم امور ذہنیہ و خارجیہ وغیرہ وغیرہ پر مشتمل ہوتے
 ہیں قلبند کرتا ہے ایسے قصائد عربی و فارسی میں موجود ہیں اور یوں ہر عملگی
 مذاق کے بہت قابل توجہ ہیں مگر کمتر شعرا نے زمانہ ایسے رنگ میں کہتے
 ہیں جتنا بچہ اس زمانہ میں جب لفظ قصیدہ کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس
 سے مراد قصیدہ مدحیہ ہوتا ہے حالانکہ مدح گوئی جان قصیدہ گوئی نہیں
 ہے بلکہ مدح گوئی ایک اذیل طریقہ قصیدہ گوئی کا ہے جو قصیدہ مدحیہ
 ہوتا ہے اس میں آزادی خلوص راستی حق پروری حق شناسی وغیرہ

وغیرہ کے رنگ ہرگز نہیں پائے جاسکتے ہیں پس جو قصیدہ ان خوبیوں
 سے معرّا ہو اس کی بے حقیقی رسالت اور کم جوصلگی میں کیا گفتگو کی جاسکتی
 ہے غرض قصیدہ گوئی یہ ہے کہ عالی درجے کے مضامین جو خواہ عالم ذہن
 اور خواہ عالم خارج سے متعلق ہوں قلبند کئے جائیں، مثلاً مسائل توحید
 و عدل نبوت امامت معاد صدق حجت صبر شکر رضا وغیرہ وغیرہ یا
 مسائل خلقت ارض سما وما بینہما اور اسی طرح کے دیگر امور اہم جو
 شاعر حکمت مآب کی توجہ کے قابل متصور ہیں مدحیہ قصائد وہی قابل پسند
 ہو سکتے ہیں جو حمد و نعت و منقبت میں لکھے گئے ہیں یا آئندہ لکھے جائیں
 مثلاً قصیدہ بردہ یا قصیدہ فرزوق جو نعت محمد مصطفیٰ املی اللہ علیہ وسلم
 اور منقبت امام زین العابدین علیہ التحیۃ و الثنا پر مشتمل ہیں لیکن ایسے
 قصائد جو سلاطین و امرا کی مدح میں دیکھے جاتے ہیں زہرا ایسے نہیں ہیں
 کہ کوئی تعلیم یافتہ دماغ کا آدمی ان سے کسی قسم کا خط اٹھا سکے عموماً ایسے
 قصائد معاملات فطرت سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے اس لئے نہایت قابل
 لہرت ہیں جو قصیدہ یا کوئی صنف شاعری کہ نیچرل خوبیوں سے معرّح ہے
 اس جانب شخص محصل کی طبیعت مائل نہیں ہو سکتی۔ شاعری کے واسطے
 بتبعیت فطرت و اجبات سے ہے جو شاعر فطرت کی پیروی سے عاجز
 ہے اس کو لازم ہے کہ شعر نہ کہے کچھ اور کام کرے بغیر بتبعیت فطرت
 کلام مقبول اہل مذاق نہیں ہو سکتا مجرّبتیت فطرت کا یہ اثر ہے کہ امر
 القیس کی قصیدہ گوئی کو اس قدر حسن قبول نصیب ہے جو صاحب مذاق

اس شاعر کے کلاموں کو پڑھنا ہے ان کی نچرل خوبیوں کو دیکھ کر آفرین صد
 آفرین کہتا ہے اور صرف زبانی تعریف نہیں کرتا ہے بلکہ ان کی جذباتی تاثیرات
 کا معترف ہو کر دل سے ان کی خوبیوں کا اقرار کرتا ہے۔ منتہی قوت شاعری
 میں امرۃ الفیس یا دیگر شعرائے عرب سے نہ ہار کم نہیں ہے مگر افسوس
 ہے کہ اس نے ایسے زمانے میں ظہور کیا کہ جس وقت شاعری اپنی اصلی حالت
 پر باقی نہیں رہی تھی وہ ششنگی زبان وہ سادگی انداز وہ لطف بے ساختگی
 وہ ولولہ محبت وہ جوش آزادی وہ قوت خلوص وہ زور استغنا و تبعیت
 فطرت اور بھی دیگر خوبیاں جو امرۃ الفیس یا دیگر شعرائے قبل بعثت کو
 نصیب تھیں عہد منتہی میں گاد و خود ہو چکی تھیں پس ایسی صورت میں منتہی
 سے عالی مذاقی کی امید کیا کی جا سکتی ہے ایسے زمانے میں جہاں شاعر کو بچا
 کا کام کرنا پڑے وہاں شاعری کیا جوہر دکھلا سکتی ہے ناچار منتہی کو ایسا شاہ
 بتا پڑا کہ جیسا اس کے عہد کا تقاضا تھا قصیدہ ذیل جو سبیل انتخاب درج
 ہذا کیا جاتا ہے اس سے منتہی کی پوری کیفیت معلوم ہوگی یہ قصیدہ کچھ
 دیتا ہے کہ عہد منتہی میں عربی کی ششنگی زبان رخصت ہو چکی ہے عجمی انداز
 کلام دخل پا چکا ہے مذاق شاعری میں کچھ ایسا انقلاب پیدا ہو گیا ہے کہ
 جو شعر نظر سے گزرتا ہے کہیں سے سوا الفاظ عربیہ کے خیالات کے اعتبار
 سے ملک عرب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے شاعری کو جو ایک
 وقت میں آزادی کا پایہ حاصل تھا زوال پذیر ہو گیا ہے شاعر کہ خلوص
 جوش محبت صدق صفا استغنا اور تبعیت فطرت سے کوئی رابطہ باقی

نہیں رہا ہے شاعری دیوزہ گری ہو رہی ہے اور شاعرنا کسی بے ابروئی اور ذلت کی تصویر ہو رہا ہے اس قصیدے میں اول بارہ شعر تشبیب کے ہیں اور بقیہ مدحیہ اشعار ہیں گہرے تیرے طور پر شعر میں ہے تشبیب کے اشعار غزل کارنگ رکھتے ہیں اور پیمانہ بلاغت میں مگر جذبی تاثیر سے معرا ہیں اس لئے کہ واردات قلبیہ اور تبعیت فطرت سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے باقی جو مدحیہ اشعار ہیں مبالغہ پردازی کے طومار ہیں اور انہیں کو اچھے لگ سکتے ہیں جو افراض شاعری سے خبر نہیں رکھتے۔

قصیدہ در مدح ابوعلی ہارون بن عبدالعزیز الاوراجی الکاتب
 اَمِنْ اَزْدِيَاكَ فِي الدَّجَى الْمَوْقَبَاؤُ رَاَقَمِيَّتْ كُنْتِ مِنَ الظَّلَامِ ضِيَاؤُ
معنا:۔ تاریکی میں نیری ملاقات کی طرف سے رقبوں کو اطمینان ہے کس واسطے کہ اندھیرے میں جس جگہ تو ہوتی ہے روشنی ہوتی ہے یعنی تیرا پر تو حسن ایسا نور افکن ہے کہ جہاں تو رہتی ہے وہاں اندھیرا نہیں ہوتا تیری شمع روئی کے باعث تاریکی نور کے ساتھ مبدل ہو جاتی ہے پس جب یہ کیفیت ہے تو رقبوں کو اس امر کی طرف سے اطمینان ہے کہ اندھیرے میں تجھ سے کبھی ملاقات نہیں ہو سکتی متنبی کی خلاقی سخن محتاج بیان نہیں ہے یہ مضمون بہر چند اوزد بانوں میں بھی قلبند پایا جاتا ہے مگر اس شاعر ادیب و بلیغ نے کسی زبان سے سرقہ نہیں کیا ہے یہ مضمون تمام تر اس کے حسن طبیعت کا جلوہ ہے۔ قبل اس کے کہ بقیہ اشعار اس قصیدے کے زبان اردو میں ترجمہ کر کے کھلمے جائیں

ایک امر قابلِ عرض یہ ہے کہ عربی میں سخنِ سخن کا طوطا ایسا ہے کہ شعرا نے عرب جب اشعار عاشقانہ رنگ میں کہتے ہیں تو اپنے مخاطب کو ہمیشہ موثرت قرار دیتے ہیں یعنی عربی کی عاشقانہ شاعری مرد کی طرف سے عورت کی جانب ہوا کرتی ہے بلاشبہ یہ ایک فطرتی طریقہ سخنِ سخن کا ہے اور زبانِ عربی میں بہت اچھا بھی معلوم ہوتا ہے اسی طرح یورپین زبانوں میں عاشقانہ خطاب کا یہی طوطا ہوا کرتا ہے مگر فارسی اردو اور ہندی میں اس کے برعکس طریقہ بنتا جاتا ہے بعض نئی روشنی والے حضرات فارسی اور اردو کے اس انداز کلام پر مٹنہ آتے ہیں اور غایت نا فہمی سے اظہار رائے فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ اب سے متروک کیا جائے اپنی اس رائے کی تائید یہ حضرات اس دلیل کے ساتھ کرتے ہیں کہ فطرتی طریقہ عاشقانہ سخنِ سخن کا یہ ہے کہ خطاب عاشقانہ مرد کی طرف سے عورت کی جانب ہونا چاہئے مگر یہ نہیں معلوم ہوا کہ تو انہیں فطرت میں کیا نقصانات لاحق ہو جاسکتے ہیں اگر وہی خطاب عاشقانہ عورت کی طرف سے مرد کی جانب کیا جائے۔ اس امر کی طرف راقم عنقریب رجوع لائے گا کہ اس واسطے کہ یہ امر ہندی گیت و ہرا وغیرہ سے تعلق رکھتا ہے مگر فارسی اور اردو کے انداز سخنِ سخن پر جو اعتراض حضرات مسبق الذکر کا ہے اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ فارسی میں تو نہ اسمانہ ضمائم تائید تائید و تذکیر رکھتے ہیں پس یہ اعتراض عام طوطا پر کیونکہ عائد ہو سکتا ہے چنانچہ اشعار ذیل میں معشوق کے تذکرہ ہونے کی کوئی تخصیص نہیں نظر آتی ہے۔

غزل حافظ

گل بے رخ یا خوش نہ باشد بے بادہ بہار خوش نہ باشد
 طرف چمن دہواے بستان بے لاله عذار خوش نہ باشد
 رقصیدن سر و وحالت گل بے صوت ہزار خوش نہ باشد
 باغ و گل و گل خوش است لیکن بے صحبت یا خوش نہ باشد
 ہر نفس کہ دست عقل بسندو بے نقش و نگار خوش نہ باشد
 بیاار شکر لب گل اندام بے بو بس و کنار خوش نہ باشد

جان نقد محقر دست حافظ

انہ بہر نشا خوش نہ باشد

ایضاً

گفتم غم تو دارم گفتا غمت سراید گفتم کہ ماہ من شو گفتا اگر برآید
 گفتم بہر و از ان رسم و قایم آمد گفتا ز ما ہر دیاں این کار کمتر آید
 گفتم کہ بویے زلفت گرہ عالم کرد گفتا اگر بدانی ہم او نت میر آید
 گفتم دل رحیمت کے غم صلح داد گفتا بکش جھارا تا وقت آن برآید
 گفتم کہ بہر خیانت راہ نظر بہ بندم گفتا کس شب است این از راہ دیگر آید
 گفتم خوش آن ہوا سے کہ بلخ خلد خیر گفتا خنک نسیم کہ کہ سے دہر آید
 گفتم کہ نوش لعلت تا آبار زو کشت گفتا تو بندگی کن کاں بند پرو آید
 گفتم زبان عشرت یدی کہ چوں سر آید گفتا نموش حافظ کیس غصہ ہم سر آید

واقع ہو کہ ایسے بہت کلام دکھلانے جا سکتے ہیں کہ جن میں مخاطب کے مذکر ہونے کی تخصیص نہیں ثابت ہوتی ہے۔ نئی روشنی والے ایسے اشعار کے مخاطب کو اپنی تقلید پرستی کے مذاق کے مطابق موٹ قیاس فرمائیں گویہ اشعار ایسے ہیں کہ عورت اپنے اس معشوق کے حق میں جو فطرت کے مطابق سوا مذکر کے موٹ نہیں ہو سکتا ہے زور شوق میں پڑھ سکتی ہے لیکن کچھ اشعار ایسے بھی پائے جاتے ہیں کہ ان کا مخاطب ایسا ہی ہے کہ سوا مذکر کے موٹ نہیں ہو سکتا تو اس کی صورت یا یہ ہے کہ وہاں مخاطب معشوق حقیقی ہے جو کسی زبان میں موٹ قرار نہیں دیا جا سکتا ہے جیسا کہ اشعار ذیل سے معلوم ہوگا۔

حسنِ خود روئے خوباں آشکارا کر دیا پس بچشم عاشقان خود را تماشا کر دہ
پر تو حسنت نگجد وز زمین و آسماں در حرمِ سینه جبرائیم کہ چوں جا کر دہ

مؤلف

اے روئے ابد رنگ گرفتہ ز بہارت و گلشنِ حسن تو گند نیست خزاں را
یا یہ کہ وہاں مخاطب ایک ایسا مرد جوانِ رعنا ہے کہ جس کی شان میں عورت کی طرف سے شاعر کلام عاشقانہ قلمبند کرتا ہے۔

حسنِ سبزے بختِ سبز مرا کہ واسیر دام ہم رنگ زمین بود گرفتار شدیم
ز بہار اس شعر سے فرض شاعر اظہارِ امر و پند سنی نہیں ہے جیسا کہ کچھ فہم معترضوں نے سمجھا ہے۔ اب رہی اردو کی عاشقانہ سخن گوی تو اس کی حالت یہ ہے کہ زبانِ اردو میں ہر لفظ مذکر ہے یا موٹ خود لفظ معشوق مذکر

ہے اور جتنے الفاظ معشوق کے معنی میں استعمال کئے جاتے ہیں مذکر ہیں جیسے یا جانان بت صنم وغیرہ وغیرہ پس ضرورت زبان کی وجہ سے جب کوئی کلام عاشقانہ رنگ میں قلمبند ہوتا ہے تو اس کا مخاطب بھی ضرور مذکر قرار پاتا ہے ورنہ درحقیقت مراد شاعر کبھی امر پرستی نہیں ہوتی۔ دوم یہ کہ نزل گوئی ایک ایسی صنف شاعری ہے کہ جو فارسی اور اردو کے سوا کسی زبان میں اس وضع خاص سے نہیں دیکھی جاتی ہے اور اگر اس کے تقاضوں پر غور کیجئے تو معلوم ہو کہ اس سے تجید باری تعالیٰ و انکشاف حقائق عشق وغیرہ مراد ہے لیکن عوام یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں عاشقانہ مضامین قلمبند ہوتے ہیں اور اکثر مراد شاعر کوئی معشوق مجازی ہوتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے اس صنف شاعری کو نہ یادہ تعلق معشوق حقیقی سے ہے بالفرض اگر کہیں معشوق مجازی بھی مرکوز شاعر ہوتا ہے تو اس خوبی کے ساتھ ذکر پاتا ہے کہ شان کلام میں کسی طرح ابتذال نہیں لاحق ہوتا ہے پس جب نزل گوئی سے مراد شاعری ہے کہ عاشقانہ پیرایہ سخن میں تجید باری تعالیٰ کی شکل پیدا ہو یا دیگر معاملات عشقیہ و امور ذہنیہ احاطہ تحریر میں در آئیں تو عظمت مضامین کے خیال سے شاعر اپنے مخاطب کلام کو پیرایہ مذکر میں دکھلاتا ہے اگر معشوق کو بہ ترکیب موثرت خطاب کرتا تو احاطہ خیال تنگ ہو جانے کے باعث وہ وسعت کلام جس کی بدولت ذہن سامع فوراً معشوق حقیقی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے بالکل رخصت ہو جاتی اس وقت تو یہ وسعت حاصل ہے کہ جب کسی شعر میں شاعر معشوق کا ذکر

کرتا ہے یا معشوق کی طرف خطاب کرتا ہے تو معشوق حقیقی کا تصور
 بے اختیار دل میں آجاتا ہے ایسی حالت میں یہ قصد اصلاح نئی روشنی
 والوں کی جانب سے کہ اب سے جتنے اشعار کہے جائیں ان میں جہاں ذکر
 معشوق کا کیا جائے تو نحوی ترکیب صیغہ و ضمایم کی موٹ ہو کر لے خالی
 از نقصان نہیں ہے واقعی یہ عجیب پوریچ فرمائش ان حضرات کی ہے اس
 سے تو بالکل غرض غزل گوئی فوت ہو جاتی ہے علاوہ توجیہ بالا کے یہ امر بھی
 قابل لحاظ ہے کہ اہل سلام میں عورتیں پر وہ نشیں مانی جاتی ہیں اسی لئے نہیں
 مستورات کہتے ہیں رواج مذہبی و ملکی یہی ہے اور اس قدر رسم پر وہ
 داخل معاشرت ہو گئی ہے کہ سو سائٹی میں بے و طرک ایک غزل میں نہیں
 جگہ مستورات کا ذکر بہ سبیل صیغہ و ضمیر موٹ نہایت مکروہ معلوم ہو گا جنک
 اس رسم پر وہ کو حضرات نئی روشنی والے متروک نہ فرمائیں اس ترکیب سے
 اصلاح غزل گوئی میں کو نشان نہ ہوں پیر و فیسیر یا مر (Pier & Palmer)
 بھی فارسی اور اردو میں معشوق کے مذکر یاد کئے جانے کی توجیہ اسی رنگ سے
 بیان فرماتے ہیں جیسا کہ راقم نے ابھی بالا میں عرض کیا بلاشبہ غزل گوئی میں
 معشوق کو بار بار بصیغہ و ضمیر موٹ ذکر کرنا عظمت غزل گوئی کو ضائع کرنے
 والا ہو گا البتہ مثنوی ڈراما مرآئی وغیرہ میں جو طوطہ دنیا میں صیغہ و ضمیر کے استعمال
 کا ہے اس کی پابندی شعراے اردو کو بھی کرنی پڑے گی اور اس وقت بھی
 کرتے ہیں میر حسن نے اپنی مثنوی سحر البیان میں بدر منیر کو مذکر نہیں لکھا
 ہے اور نہ اور کوئی مثنوی گو اس طریقہ بیان سے انحراف کرے گا ظاہر انہی

روشنی والوں کو تہجیت نیچر کی پابندی کا بڑا خیال معلوم ہوتا ہے تہجیت فطرت اللہ ایک ایسی شئی ہے کہ اس کا التزام انسان کے لئے واجبات سے ہے مگر بد لحاظی کے ساتھ کسی امر کا پابند ہونا قباحت سے خالی نہیں ہوتا اہل انصاف غور فرمائیں کہ اردو کی ترکیب ایک خاص وضع کی ہے ہر لفظ کے مذکر یا مؤنث ہونے سے یہ زبان نہ صرف دشوار ہو رہی ہے بلکہ اس کا انداز بھی نرالا ہو رہا ہے یہ اعتراض کہ معشوق کو فطرت اللہ کی دوسے مؤنث ہونا چاہئے عجیب اعتراض ہے فطرت کی دوسے تو معشوق مذکر اور مؤنث دونوں ہو سکتا ہے مرد کا معشوق جب کوئی ہوگا تو عورت ہوگی عورت کا جب کوئی معشوق ہوگا تو مرد ہوگا اگر فطرت کے دوسے ہمیشہ معشوق کو مؤنث ہونا چاہئے تو کوئی عورت شاعرہ اور بھی عاشق ہوتی تو اس کے معشوق کو بھی مؤنث ہونا چاہئے واقعی نئی روشنی والوں کی پابندی فطرت کا یہ عجیب نتیجہ نکلے گا خدا جانے ان حضرات نے کیوں مذکر و مؤنث کا یہ بکھیرا پھیلایا ہے ہر قدم پر یورپ کی تقلید کہنا پر معنی دار و تہجیت فطرت کے معنی تقلید یورپ نہیں۔ اگرچہ پابندی فطرت اور جوش تقلید ہے تو ارباب نیچر اب سے شمس کو مذکر اور قمر کو مؤنث زبان عربی میں قرار دیں گے اس لئے کہ انگریزی زبان میں شمس مذکر ہے اور قمر مؤنث اس طرح کی اصلاح پر اصرار کرنے والے اکثر ہی حضرات ہوتے ہیں کہ انہیں یورپین زبانوں میں یاد ست گاہ نہیں ہوتی یا یورپین زبانوں کو ٹوٹی چھوٹی طرح جانتے ہیں ایسے حضرات کو کمال نادیدگی

سے تمام یورپین چیزیں نہایت محب انگیز معلوم ہوتی ہیں اور لاطینیوں کے باعث ایسی غلطیاں کہتے ہیں جن سے قومی فائدہ ہونے کے عوض قومی ضرر منترتب ہوتا ہے دوسرے اور ہندی گیتوں وغیرہ میں بھی معشوق اکثر مذکور دیکھا جاتا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ معشوق دیوانہ کیب زبان کے رو سے مذکور واقع ہے بلکہ ہندی کی شاعریاں جو عاشقانہ رنگ میں ہوتی ہیں عورت کی طرف سے مرد کی طرف ہوتی ہیں یہ ایک عجیب امر ہے کہ ہندوستان کی عورتوں کی افتاد مزاج سے خبر دیتا ہے ہندوستان کی عورتیں اپنے مردوں کو اس قدر چاہتی ہیں کہ رو سے زمین پر لٹ کا عاشق کہیں نہیں دیکھا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انھیں ایک شوہر کے بعد پھر دوسرے شوہر کے پانے کی کسی حالت میں توقع نہیں رہتی ہے اسی لئے ہندی کا عاشقانہ کلام ایسا پُر از سوت ہوتا ہے کہ کسی ملک کی عاشقانہ شاعری اس کو نہیں پہنچتی ہے ہندی گیت ایسے پرتاثر ہوتے ہیں کہ ان کو سن کر دل ہاتھ سے جانے لگتا ہے اکثر گیتوں میں عورت اپنے شوہر سے بچھڑ جانے کے مضمون کو بیان کرتی ہے یا اشتیاقیہ کلام از قسم انتظار و یاس وغیرہ کو زبان پر لاتی ہے علاوہ اس کے قومی معشوق ہندوؤں کے شام یعنی کاندہ جی ہیں اکثر گیت جو تصنیف ہوتے ہیں ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں ایسی حالتوں میں ہندی گیتوں اور دہروں وغیرہ میں معشوق مخاطب مذکور ہوا کرتا ہے۔

واضح ہو کہ مثنوی اپنے قصیدے کے مطلع بالا میں معشوق کو خطاب

کنتا ہے اور یہ تمام تر عربی شاعری کے دستور کے مطابق ہے کمالاً بخفی
 قَلْبُ الْمَيْمُونَةِ وَهِيَ مَسْكٌ هَتَكَهَا وَمَسِيرَهَا فِي اللَّيْلِ دَعْوَى ذُكَاوٍ
معنی:۔ چونکہ معشوقہ میں مشک کی بویائی ہے اور آفتاب کی ضیا ہے تو
 جب وہ حرکت میں آتی ہے یا رات کو چلتی ہے تو یہ دونوں امر اس کی پردہ
 درہی کے سبب ہوتے ہیں۔

أَسْفَى عَلَى أَسْفَى الَّذِي دَلَّهْتَنِي عَنْ عِلْمِهِ فَنِيَهُ عَلَى خَفَاؤِ
معنی:۔ مجھے افسوس ہے تو اپنے اس غم پر ہے کہ تیرے پریشان کرنے
 سے میری عقل اس قدر جاتی رہی ہے کہ مجھے اب غم کے محسوس کرنے کی بھی
 تمیز باقی نہیں رہی ہے۔

وَسُكِّيَتْ بِي فَقَدْ السَّقَامُ مَرَاتَهُ قَدْ كَانَ لَهَا كَأَنَّ أَعْفَاؤِ
معنی:۔ مجھے جو شکایت ہے وہ اپنے مرض کے جاتے رہنے سے ہے جبکہ
 مرض تھا میرے اعضا بھی باقی تھے اب جو مرض جاتا رہا ہے تو اعضا بھی معدوم
 ہو گئے ہیں۔

وآضح ہو کہ یہ سب اشعار بالانعام ترکیبی مذاق رکھتے ہیں فطرت سے
 ان کو کوئی تعلق نہیں ہے واردات قلبیہ سے نام کو علاقہ نہیں رکھتے۔
 بالکل مصنوعی شاعری کے نمونے ہیں یہی مذاق اکثر علمی غزل گویوں کا ہے
 مبالغہ پردازی سے لطف غزل گوئی جانا رہتا ہے ناممکن ہے کہ مبالغہ
 کے ساتھ کوئی کلام پر تاثیر ہو سکے۔ اگر مثنوی نے ان اشعار تشبیب میں
 حافظ کی سچی شاعری کا رنگ اختیار کیا ہوتا تو یہ اشعار دل پر کوئی معقول

اثر پیدا کرتے مگر چونکہ مثبتی کی شاعری روٹی کی شاعری تھی اسے حافظ
 کارنگ اختیار کرنا ناممکنات سے تقاروتی کی شاعری واردات قلبیہ
 سے ہمیشہ معرا ہوتی ہے روٹی کا مثلاً شئی شاعر مدام مبالغہ استعارہ
 تشبیہ وغیرہ کے نامطبع پہلوؤں کا برتنے والا ہوتا ہے جیسا کہ مرزا
 حبیب قآنی دذوق دہلوی وغیرہ دیکھے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ انداز
 سخن قبل بعثت آنحضرت صلعم کے شعر میں کہاں تھا اس عہد کے شعرا
 نہایت فطرتی انداز غم و خوشی اور اور دیگر واردات قلبیہ کے اظہار کرنے
 کا رکھتے تھے جو طریقی شاعری اس جگہ مثبتی نے اختیار کیا ہے اسکو فطرت
 کی نتجیت سے کوئی علاقہ نہیں معلوم ہوتا ہے اور اہل مذاق کی پسند
 سے براصل دور ہے البتہ جو اغراض شاعری سے ناواقف ہیں اس مبالغہ
 پر دانہ یوں کی بھر مار سے عاجز آکر صدائے تحسین و آفرین بلند کریں تو خلافت
 از توقع نہیں ہے۔

مَثَلْتُ عَيْنَكَ فِي مَشَايِجِ وَاحِدَةٍ فَتَشَابَهَا كَلَّمَا هُمَا بِنَجَلَةٍ

معنی :- میرے دل میں تو نے اپنی نگاہ سے زخم لگا کر اپنی آنکھ کی تصویر
 بنا دی ہے کہ وہ دونوں آپس میں فراخی کے اعتبار سے مشابہ ہو گئے ہیں۔ یعنی
 چونکہ تیری آنکھ بڑی ہے اور جب تیری نگاہ نے میرے دل پر ایسا زخم لگایا
 ہے کہ جو تیری آنکھ کی تصویر کا حکم رکھتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ زخم تیری آنکھ
 کی طرح بڑا بھی ہو پس میرا زخم دل تیری آنکھ کے ساتھ از روئے فراخی کے مشابہت
 رکھتا ہے یعنی جس قدر بڑی آنکھیں تیری ہیں اسی قدر میرا زخم دل بھی بڑا ہے۔

یہ شعر بھی مصنوعی شاعری کا نمونہ ہے ظاہر ہے کہ باوجود بلیغ ہونے کے کوئی لطف معاملہ قلبی کا نہیں رکھتا ہے۔

نَفَدَتْ عَلَيَّ الْمَسَارِي وَيَوْمًا تَنَدَّقُ زِينَةَ الْمَسْحَةِ وَالسَّمَرِ كَأَنَّ

معنی :- تیری نظر میری زرہ کے پار ہو گئی ہے حالانکہ وہ زرہ ایسی ہے اکثر اس میں سیدھے گندم رنگ نیزے ٹوٹ جاتے ہیں یعنی جس زرہ سے نیزہ نہیں پار ہوتا ہے تیری نگاہ اس سے پار ہو جاتی ہے۔

أَنَا مَكْرُوهٌ أَلْوَادِي إِذَا مَا نَفَعْتُ وَإِذَا أَنْطَقْتُ فَأَبِي الْجَوْزَاءُ

معنی :- میں استقلال میں نالے کا پتھر ہوں جب کہ وہ دھکیلا جائے اور جب میں بولتا ہوں تو جوڑا ہوں۔

واضح ہو کہ جوڑا وہ بدبج ہے کہ مقام عطار دہے عطار کو کو بیڑ فلک کہتے ہیں چونکہ اس سیارے کی طرف علم و ہنر کی نسبت کی جاتی ہے ۲۱ لئے شاعر اپنے کو جوڑا کہتا ہے یعنی اپنے کو مقام عطار و قرار دیتا ہے جو مطلب یہ ہے کہ میں صاحب لفظ کامل ہوں

وَإِذَا حَقِيقَتُ عَلَى الْعَبِيِّ فَخَاذِرٌ إِلَّا تَرَانِي مُقَلَّدَةً عَمِيَاءُ

معنی :- اگر میں نادان سے پر شیدہ ہوں تو وہ معذور ہے کیونکہ اندھی نہیں دیکھ سکتی۔ یعنی اگر میرے کمال کو ناہان نہیں دیکھ سکتا ہے تو وہ معذور ہے کیونکہ اندھے کو کچھ نظر نہیں آتا

مؤلف

آنکھ والے ترے جو بن کا تماشا دیکھے دیدہ کو نہ کو کیا آئے نظر کہا دیکھے

شِيمَ اللَّيَالِي أَنْ تُشَكَّكَ نَاقَتِي صَدْرَاهِي بِهَا أَفْضَى أَمْرَ الْبَيْدَاءِ

معنی :- حوادثِ زمانہ میری اونٹنی کو شک میں ڈالتے ہیں کہ میرا سینہ ان حوادث سے زیادہ تر وسیع ہے یا وہ جنگل جس میں وہ اونٹنی رواں ہے۔

شاعر یہاں اپنے مبتلائے حوادث روزگار ہونے کو بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس قدر ہم مبتلائے حوادث ہوئے ہیں کہ ان سے میرا سینہ ایسا وسیع ہو رہا ہے کہ میری سواری کی اونٹنی کو شک ہو رہا ہے کہ آیا میرا سینہ زیادہ وسیع ہے یا وہ جنگل جس میں وہ چل رہی ہے۔

فَلَبَّيْتُ تَسْبِيحَ مُسَيِّدٍ فِي رَيْحَانٍ رَاسِدَهَا فِي الْمَهْمَةِ الْإِنْصَابِ

معنی :- پس اس ناکہ کی شب گزاری کا یہ حال ہو رہا ہے کہ اس کی چربی میں لاغری یوں سرایت کر رہی ہے کہ جس طرح وہ خود جنگل میں دھرتی ہے۔

السَّاعِيَاتُ مَحْطُوتَةٌ وَفِيهَا فَهَاتَا مَتَلَوْنَهُنَّ وَطَوَّرْتَهُمَا عَذْرَاءُ

معنی :- اس کے تنگ کے تسمے کھینچتے کھینچتے دراز اور کھڑنا ہموار راہوں میں چلتے چلتے سوراخ دار ہو گئے ہیں اور اس کا چلنا ایسی راہ سے ہوتا ہے کہ جس

راہ پر کوئی پہلے نہیں گیا ہے۔

يَتَلَوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ خَوْفِ الْكُوَيْبِ فِيهَا كَمَا تَتَلَوْنَ الْحَرَّ بِيَاءِ

:- وہ راہ ایسی ہے کہ جس میں خوف ہلاکت سے۔ میرا ایسا رنگ

بدلتا ہے جیسے گرگٹ۔ یعنی راہ نہایت پرخطر ہے۔ رہبر کا رنگ ایک آتا ہے

ایک جاتا ہے۔

گرگٹ ایک معروف جانور ہے اہل عجم اسے بوقلموں کہتے ہیں یہ

جانور ایک گھنٹے میں چند رنگ بدلتا ہے اس لئے شخص متلون کو حیرتاً
سے تشبیہ دیتے ہیں یہ ایک خاص قسم کا گرگٹ ہوتا ہے ہر گرگٹ
کو اس طو پر رنگ بدلنے کی قدرت حاصل نہیں رہتی ہے حیرتاً کا خاصہ
ہے کہ آفتاب میں دھوپ کھانے کی غرض سے دیر تک رہتا ہے
اور رنگ بدلا کرتا ہے مولف نے اپنے شعر ذیل میں اس مضمون کو
باندا ہے ۔

جز تلون صنمانیدت بذانت علیہ آفتابی ولے خاصیت حیرتاً داری
بکینی و بکین ابی علی مثلہ شمس الجبال و قندھون مر جاع
معنی :- میرے اور میرے ممدوح ابی علی کے درمیان بھی ایسے ہی بلند

اور سخت پہاڑ ہیں اور انہیں پہاڑوں کی سی میری آرزو ہے ۔

یہاں سے گریز قصیدہ ہے تشبیب کے بعد شاعر گریز اختیار کر کے
مدح ممدوح شروع کرتا ہے اکثر مدحیہ قصیدوں کا یہی انداز ہوتا ہے
وَعِقَابٌ لِّبَنَانٍ وَكَيْفَ يَقْطَعُهَا دَهْوُ النَّشْتَاءِ وَصَدِيقُهُ قِشْتَاءُ
معنی :- اور درمیان میرے اور ممدوح کے کوہ لبنان کی گھاٹیاں ہیں

ان کی مسافت موسم سرما میں کس طرح قطع ہو کہ ان کا موسم تابستان بھی زمستان
کا حکم رکھتا ہے۔ یعنی وہ گھاٹیاں نہایت سرد ہیں۔

لَيْسَ الْمَشْرِقُ بِهَا عَلَى سَمَاءٍ لَكِي فَكَا تَهَارِبُهَا ضُحَاهَا سَوْدَاءُ
معنی :- اس پہاڑ میں کثرت برف سے مجھے راہ نہیں ملتی گویا وہ برف
باوجود سفید رنگ ہونے کے سیاہ ہے یعنی اس پہاڑ پر برف کے گرنے سے

راہ چھپ گئی ہے اور اس لئے مجھے راہ نہیں کہ آگے چلیں اور ہر چند رنگت برف
 کا سفید ہے مگر اس کی سفیدی حکم سیاہی کا رکھتی ہے ظاہر ہے کہ تاریکی
 میں آدمی چلنے سے عاجز آجاتا ہے اور یہاں بھی کثرت برف سے چلنا دشوار
 ہے پس ہر چند برف سفید رنگ رکھتی ہے مگر اس کی سفیدی کچھ سیاہی سے
 کم نہیں جب اس کے سبب سے کوئی چل نہیں سکتا۔

وَكَلَّا الْكُوَيْمَرُ إِذَا قَامَ رَبِّكَ سَأَلَ التُّضَاءَ بِهَا وَقَامَ الْبَاءُ
 معنی :- اور مدوح الیسا ہی کہیم ہے کہ جب کسی شہر میں قیام کرتا ہے تو
 اس کی سخا کے باعث سونا یہ چلتا ہے اور پانی حیران ہو کہ ٹھہر جاتا ہے۔

یہ شعر ایشیائی شاعری کا پورا نمونہ ہے اور فارسی اور اردو کے شعر اکو
 مبالغہ پر دازی کی راہ بنانے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے حقیقت یہ ہے
 کہ شہنی، اور اسی کے سے قصیدہ گوہوں نے فارسی کے شعر اکو غیر فطرتی
 رنگ پر مدح سرائی کے طریقے سکھلائے ہیں اور فارسی کی شاعری کے
 داعی ہونے کے باعث ہوئے ہیں۔

جَبَلٌ لَّقَطَانٌ لَوْ رَأَتْهُ كَمَا تَرَى جُهِتَتْ فَلَمْ تَبْتَجِسْ إِلَّا كَوَاعِجِ
 معنی :- اس کے جوہر کو دیکھ کر قطرات باراں ہم گئے ہیں اور اگر اس کو جیسے نظر آ
 باراں دیکھتے ہیں انوار دیکھتے تو وہ بھی فرط حیرت سے اپنی رفتار میں ٹھہر جاتے
 واضح ہو کہ انوار ستارے ہیں کہ جن کی طرف امعد بارش وغیرہ کی
 نسبت ابل عرب کہتے ہیں پس مراد شاعر یہ ہے کہ قطرات بارش اسے
 دیکھ کر ہم جاتے ہیں اگر انوار بھی اسے نظر باسے باراں کی طرح دیکھ لیتے تو

رفقار سے باز آتے یہ شعر بھی غیر فطرتی رنگ رکھتا ہے کمالا مخفی
خدا جانے ایسی مدح سرائیاں کس طرح ممدوحین کو پسند آتی تھیں
عہدِ منتہی شاعری کی بڑی بد حالی سے خبر دیتا ہے۔

فِي خَطِّهِ مِنْ كُلِّ قَلْبٍ شَمُوءَةٌ حَقٌّ كَأَنَّ مِدَادَهُ الْآهُوَاءُ
معنی :- ہر دل میں اس کی تحریر کی خواہش ہے گویا دلوں کی خواہشیں اس
کے کھنے کی پیاس بن گئی ہیں۔

واضح ہو کہ ممدوح کا تب تھا اس لئے یہ شعر اس کی کتابت کی
تعریف میں کہا گیا ہے یہ تعریف یا اس کی خوش خطی کی ہے یا اس کی
سماوت کی ہے کہ وہ فرا میں عطیات لکھ دیتا ہے یہ شعر کم غیر فطرتی
رنگ رکھتا ہے اور ایسا ہے کہ اگر اس طود پر مدح ممدوح کی جائے
تو ایسی مدح سرائی چنداں خلاف مذاق صحیح نہیں ہوگی۔

وَلِكُلِّ عَيْنٍ قُرْبَةٌ فِي قُرْبِهِ حَتَّىٰ كَأَنَّ مَغْيِبَهُ الْآقْدَانُ
معنی :- اس کے قرب میں سب کی آنکھوں کو ٹھنڈک ہے یہاں تک
کہ اس کا نظر سے دودھ جونا آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہوتا ہے۔

اس شعر کی شاعری نہایت پیاری سے کمالا مخفی
مَنْ يَجْعَلُنِي فِي الْفِعْلِ مَالًا يَهْتَمُّ فِي الْقَوْلِ حَتَّىٰ يَفْعَلَ الشُّعْرَانُ
معنی :- ممدوح ایسا ہے کہ عمل میں اس بات کو پورے جتن سے جتن
اپنے قول میں نہیں پہنچتے جب تک ممدوح اس کا عامل نہیں ہو جاتا یعنی

ممدوح کا ایسا عمل ہوتا ہے کہ شاعر کے خیال میں نہیں آتا جب تک ممدوح سے

دیکھ نہ لے۔

یہ مدح اچھا شاعرانہ رنگ رکھتی ہے اور قصائد مدحیہ میں ایسی مدح کا پہلونا مطبوع نہیں معلوم ہوتا ہے۔

فِي كُلِّ يَوْمٍ لِلْقَوَائِمِ جَوْلَةٌ فِي قَلْبِهِ وَلَا ذَمَّ لَهُ اصْغَاءٌ

معنی :- ہر روز اس کے دل میں شعرا کے اشعار مدحیہ کی گردش ہے اور وہ انہیں، دل سے سنتا ہے یعنی ہر روز شعرا اشعار مدحیہ کہہ کر اس کے پاس لے جاتے اور وہ انہیں جی لگا کر سنتا ہے۔

مؤلف کی دانست میں کوئی شخص عام اس سے کہ سلطان یا امیر مدح تک مبتلائے بدذاتی نہ ہوگا ہر روز شاعروں کی مدح سراشیوں کی تکلیف

گوارا نہیں کر سکے گا ظاہر ہے کہ شفاف اور صحیح خیال کا آدمی لایعنی

تعریفوں سے کیوں محظوظ ہونے لگا معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے

اہل ثروت بے حد مبتلائے بدذاتی تھے اور شعرا بھی اپنی ضرورتوں

کے باعث بے حد بدذاتی ہو رہے تھے زمانہ موجودہ بھی مدح طلب

اہل ثروت اور مدح گو شعرا سے خالی نہیں ہے ابھی تک ایشیائی درباروں

کا یہی رنگ دیکھا جاتا ہے اور اصلاح مذاق کی صورت نظر نہیں

آتی ہے۔

وَأَعَاهَدُ نِيْمًا الصَّوَاهِرَ كَأَنَّمَا فِي كُلِّ بَيْتٍ ذِكْرٌ شَكْبَاءٌ

معنی :- اور جو کچھ اس نے جمع کیا ہے اس میں لوٹ بچی ہوئی ہے گویا ہر

شعر ایک لشکر بھرا ہے یعنی مدوح کا نژاد وقف شعر آہور رہا ہے ہر شعر مدحیہ

شکر جہا کی طرح اس کی دولت مخزنہ کو لوٹ رہا ہے :-

یہ شعر واقعات تاریخی کے خلاف نہیں ہے عہد خلفا سے بنی عباس میں درباری شعرا کے ساتھ ایسے ایسے سلوک ہوتے گئے ہیں کہ مرد محفل کو اس کے خیال سے تعجب گزرتا ہے ایک ایک شعر پر شعر کو لاکھ لاکھ روپے ملتے ہیں۔ یہ اصراف ایشیائی درباروں کے معاملات تمدن و مذہب و اخلاق کی خرابیوں سے پورے طبع پر خبر دیتا ہے۔

مِنْ يَنْظُرُهُ الْوَمَا فِي تَكْلِيفِهِمْ أَنْ يَصْبَحُوا وَهُمْ لَهُ الْكَفَاءُ

معنی :- ممدوح ایسا ہے کہ یتیموں کو اس امر کی تکلیف دیتا ہے کہ وہ

اس کے ہمسرہ ہو جائیں یعنی ممدوح چاہتا ہے کہ یتیم اس کے سے جواد ہو جائیں۔

یہ خواہش یتیموں کے لئے تکلیف ہے کس واسطے کہ وہ سبھی جواد نہیں ہو سکتے

چاہے کہ اس کے برابر امر جو دہیں ہو جائیں۔

وَيَذِيْبُهُمْ وَيَهْمِي عُرْفَتَا فِضْلُهُ وَبِضْرِيْهَا تَتَّبِعُنَ الْأَشْيَاءُ

معنی :- اور ممدوح ان کو برا کہتا ہے حالانکہ انہیں، کی بددلت ہم نے

اس کی بدمرگی پہچانی ہے کس واسطے کہ اضراد ہی سے اشیاء کی شناخت ہے

یہ شعر اچھا مدحیہ رنگ رکھتا ہے۔

مَنْ نَفَعَهُ فِي أَنْ يُّهَاجَرَ وَصْرُكَ فِي تَرْكِهِ لَوْ تَفَطَّنَ إِلَّا عَدَاةً

معنی :- ممدوح ایسا شخص ہے کہ جسے نفع لڑائی کے برا گھنٹے کئے جانے

میں اور ضرر جنگ کے ترک میں ہے اگر دشمنوں کو یہ بات معلوم ہو تو کبھی نہ لڑیں

اس شعر کا بھی اچھا مدحیہ رنگ ہے۔

بِنَوَالِهِ مَا تَجِبُ الْهَيْجَا
معنی :- پس صلح اس کے جوہ کے سبب اس کے مال کے دھنوں بازو توڑ
 تھی ہے مگر اس کی نمانی پھر جنگ کہ لیتی ہے یعنی حالت صلح میں وہ اپنا سب
 ل لٹا دیتا ہے مگر جب پھر لڑائی ہوتی ہے تو مال غنیمت کے دستیاب ہونے
 سے چونکہ وہ حالت صلح میں خرچ کر ڈالتا ہے اسے پھر مل جاتا ہے ۔

بَطْنٍ تَتَّعِظُ مِنَ لَهْيِ بَيْدٍ وَاللَّهْمِ
 دَنْزِي بَرْدٍ وَيَتَوَرَّأِيهِ إِلَّا سَرَّاعًا
معنی :- ممدوح ایسی بخشش کرتا ہے کہ اس کے ہاتھ کی بخشش سے اور
 یک بخشش کرتے ہیں اور اس کی جوہت نظر دوسروں کو صواب راہیں سمجھاتی ہے
 تَفَرَّقَ الطَّحْمَدِيُّ فَبَجَّتْ مَحَ الْقَوِيُّ
 فَكَانَتْ السَّرَّاعُ وَالْمَصْرَّاعُ
معنی :- ممدوح ذات واحد ہو کہ دو منفرد منرے رکھتا ہے یعنی دشمنوں
 کے حق میں تلخ اور دوستوں کے حق میں شیریں ہے اور مجتمع القوی ہے یعنی قہر
 سمائیہ اور قہر سے روحانیہ میں اعتدال رکھتا ہے پس گویا ممدوح خود سرت
 مہرت ہو رہا ہے ۔

لَا تَنْ مَالًا تَشَاءُ عِدَاكَ
 مَثْمَلًا لِيَوْفُو بِهِ مَا شَاءُوا

معنی :- اور گویا کہ ممدوح اپنے دشمنوں کی خواہش کے تمام تر مخالف ہے
 مالانکہ اپنے پاس آنے والوں کے لئے وہی سعادت بنا رکھی ہے کہ جیسی ان کی
 خواہش ہے ۔

إِيَّاهُ الْمَجْدُ عَلَى عَيْدِهِ رَوْحَهُ
 إِذْ لَيْسَ يَا تَبَّ لَهَا اسْتِحْدَاغُ

معنی :- اے وہ شخص کہ تجھ پر تیری روح معاف کی گئی ہے اس سبب سے کہ اس کی کوئی مانگ نہیں آئی ہے۔ یعنی ممدوح ایسا شخص ہے کہ اس سے کوئی روح کا طالب نہیں ہوتا ہے ورنہ وہ اپنی روح کو بھی مدح نہیں کرتا
 لِحَمْدِ عُمَّانِكَ لَا فِجْجَتَ بِفَقْدِهِمْ فَلَوْلِكَ مَا لَكَ يَا حَدُّوْا عَطَاءً
معنی :- اپنے ساتلوں کی مدح کہ تجھے ان کے گم ہونے سے دکھ نہ ہو۔ کیونکہ ان کا اس چیز کو نہ لینا جس کے لینے کے وہ طالب نہ ہوتے۔
 برائے خود بخشش ہے۔

واقع ہو کہ تجھے ان کے گم ہونے سے دکھ نہ ہو۔ جملہ معززہ دعائیہ سے۔ مطلب شعریہ ہے کہ اگر تجھ سے مانگنے والے تیری روح بھی مانگتے تو دے دیتا مگر چونکہ اٹھوں نے ایسا نہ کیا تو اپنے ایسے ساتلوں کی مدح کہ جنھوں نے تجھ سے ایسا مطالبہ نہیں کیا پس ان کا غیر طالب ہونا بھی ان کے واسطے بخشش کا حکم رکھتا ہے یعنی تیری جان ان کی بخشش ہوتی ہے ورنہ تو تو ایسا جو اد ہے کہ ان کی طلب پر جان کو بھی عطا کہ دیتا اس لئے تجھ کو ان کی مدح کہنا چاہئے کہ تو ان کا ممنون ہو رہا ہے۔

لَا تَكْثُرُ الْأَمْوَاتُ كَثْرَةَ قَلْبِكَ إِلَّا إِذَا سَقَيْتَ بِكَ الْأَحْيَاءُ
معنی :- مقتولوں کی کثرت تیرے عہد میں ایسی نہیں ہوتی کہ جس سے زندوں میں کمی ہو جائے لیکن البتہ اس وقت میں کہ زندوں کو تیری نافرمانی کے باعث شامت آجائے۔ یعنی تیرے وقت میں بلا ضرورت خونریزی

نہیں ہوتی ہے وہی مارے جاتے ہیں جو اپنی شامت سے تیری مخالفت
اختیار کرتے ہیں۔

وَالْقَلْبُ لَا يَدْنُقُ عَمَّا نَحْتَهُ حَتَّى تَحُلَّ بِهِ لَكَ الشَّعْبَاءُ

معنی :- اور کوئی قلب شوق نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں تیری دشمنی جگہ نہ کرے
و آج ہو کہ یہ سب اشعار بالا خوب صورت انداز مدح رکھتے ہیں اور
منتہی کے کمال خلقی سخن سے خبر دیتے ہیں۔

لَمْ تَسْمُ يَا هَرُونَ إِلَّا بَعْدَ مَا افْتَرَعْتَ وَنَاغَرْتَ اِسْمَكَ الْاَكْمَاءُ

معنی :- اے ہارون تیرا نام ہارون نہ رکھا گیا الا یہ کہ ناموں میں منازعت
واقع ہونے کے بعد قرعہ ڈالا گیا۔ یعنی اے ہارون تیرا یہ نام تب تجو نہیں پایا جب
اور ناموں میں رشک واقع ہونے کے سبب سے لڑائی واقع ہوئی اور اس
کا فیصلہ اس طعہ پر ظہور میں آیا کہ اور ناموں نے قرعہ ڈالا پس اندر سے قرعہ
اندازی کے تیرا نام ہارون قرار پایا۔

وَعَدُوٌّ كَيْسَمِكَ فَيْكَ غَيْرُ مَسَابِقِ وَالنَّاسِ فَيَمَاتُ يَدَايِكَ سَوَاءٌ

معنی :- اب تو ایسا ہو گیا ہے کہ اب تیری شہرت کا کوئی شریک
نہیں ہے اور جو شخص تیرے ہاتھ میں ہے اس میں سب لوگ برابر ہیں یعنی

تیری بخشش عام میں سب مساوی ہیں۔

نَعِمْتُ حَتَّى الْمَدَانُ مِنْكَ مِلَاوُ وَكَلَفْتُ حَتَّى ذَا التَّنَاءِ لِقَاءُ

معنی :- تو نے وہ بخشش عام کی کہ تمام شہر تیری انعام دہی سے پُر ہو گیا
ہے اور تو اس قدر فائق ہو رہا ہے کہ یہ تعریف بے قدر ہے۔ یعنی تیری

عظمت کے آگے یہ تعریف لاشیٰ ہے :-
 وَلَمَّا كَذَبَتْ بَعْضَ حَاسِلًا لِلْمُنَاقَهِ وَمِنَ الْمَرْوِيهِ بِكَاءٍ

معنی :- تو نے اس قدر جو د کو راہ دہی ہے کہ تیرا جو داں تھا کو پہنچ گیا ہے جس سے بخل لگا ہوا ہے اور انتہا کی ایسی ہی حالت ہوتی ہے جیسا کہ سرور کی حد لگا ہوتی ہے یعنی تیری بخشش حد کو پہنچی ہوئی ہے -

فَالْفَخْرُ عَنْ تَقْصِيرِ بِرِّكَ نَاكِبٌ وَالْمَجْلُ مِنْ اَنْ لَيْسَتْ اِذْ بَرَاءَةٌ
معنی :- اب فخر تیرے مرتبے تک پہنچنے سے قاصر ہے اور بندگی تیرا درجہ بڑھانے سے بری ہے۔ یعنی تیرا مرتبہ ایسا بلند ہو گیا ہے کہ فخر و عظمت کو وہاں تک رسائی ممکن نہیں ہے -

فَاِذَا سُرِّتْ فَلَا اِلَّا نَكَ مُجَوِّجٌ وَاِذَا كَمِمْتْ وَشَتَّ بِرِّكَ الْاِلَاحُ
معنی :- اور جب تو سوال کیا جاتا ہے تو اس سبب سے نہیں کہ تو نے لوگوں کو سوال کا محتاج کر دیا ہے۔ اور جب تو چھپ رہتا ہے تو تیری بخشش تجھے ظاہر کر دیتی ہے -

وَاِذَا مَدَّتْ فَلَا تَسْبِيحَةٌ لِلشُّكْرِ يَنْ عَلٰى الْاِلَهِ شَنَا ءٍ
معنی :- اور جب تو مدح کیا جاتا ہے تو اس واسطے نہیں کہ مدح سے تجھے رفعت حاصل ہو شکر گزاروں پر خدا کی ثنا واجب ہے یعنی لوگ جو تیری مدح کرتے ہیں تو اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ مدح کوئی سے تجھے رفعت حاصل ہوتی ہے بلکہ مدحین کا فرض منصبی ہے کہ تیری مدح کریں اسی طرح جیسا کہ شاکروں کی شکر گزاری سے خدا نے تعالیٰ کو کوئی کمال حاصل نہیں

بلکہ یہ شاکرین کے لئے ایک امر واجب ہے کہ شک خداوندی بجالائیں۔

وَإِذَا مَطَرَتْ فَلَا لِأَنَّكَ مُجْدِبٌ يُسْقَى الْخَضِيبُ وَمَطَرٌ لَدَّ أَمَاءٍ
معنی ۱۰۔ اور جب تجھ پر بارش ہوتی ہے تو اس سبب سے نہیں تو خشک سالی

لانے والا ہے بلکہ شاداب زمین سیراب کی جاتی ہے اور دریا پر پینہ برسا یا جاتا ہے
لَمْ تَكُنْ نَائِلًا لِكَالسَّعَابِ إِنَّمَا حَمَّتْ بِهِ نَضِيبَهَا الرَّخْصَاءُ

معنی :- تیری بخشش کو سحاب پہنچ نہیں سکتا مگر بات یہ ہے کہ اسے گئی
رشک سے بخار آگیا ہے اور یہ رینش اسی بخار کا پینہ ہے۔

وآضیح ہو کہ ہر چند ہر دو شعر بالاسے متنہی کی خلاقیت سخن ہویدا ہے
مگر ایسے شعروں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اس شاعر نے
ایسا بڑا زمانہ پایا تھا کہ جس وقت اس وضع کی مبالغہ پر دانیوں سے جیائیں
وقت خوش ہوتے تھے معیوب سمجھے جانے کے عوض ایسی شاعری مقتدر
جانی جاتی تھی ان اشعار کا رنگ جیسا غیر فطرتی ہے محتاج بیان نہیں ہے
طبیعت کو تنفر ہوتا ہے اور متنہی کی قابلیت کے استعمال بد پر افسوس
آتا ہے۔

لَمْ تَلَقْ هَذَا الْوَجْهَ شَمْسٌ نَهَارَنَا إِلَّا بَوَجْدٍ لَبَسَ فِيهِ حَيْاءٌ
معنی :- آفتاب ممدوح کے رو سے روشن کے سامنے نہیں ہوتا ہے

الا ایک ایسے منہ کو لے کہ کہ جس میں کچھ حیا نہیں ہے۔

یہ ایک معمولی رنگ مبالغہ پر دانی کا ہے اس میں کوئی بڑی جدت نہیں ہے
فَبِأَيِّ قَدَمٍ سَعَيْتَ إِلَى الْعُلَى أَدَمُ الْهَلَالِ لِأَحْمَعِيكَ حَمْدًا

معنی :- اے ممدوح تو کن قدموں سے رفعت کو پہنچا ہے ماہ نو کی کھال تیرے تلوں کی جوتی ہو رہی ہے۔

وَلَاكُ الْبِرْمَانُ مِنَ الْوَمَاجِ نَائِيَةً ۖ وَلَاكُ الْجَمَامِ مِنَ الْجَمَامِ قَدَاوَةً
معنی :- زمانہ ہی حوادث زمانہ سے تیری سپر ہو ، اور موت ہی تیری

موت کا فدیہ یعنی تو جمع حوادث زمانہ سے مامون سے اور تجھے کبھی موت نہ آئے
 لَوْلَا تَلَكُنْ مِنْ ذَا الْوَرَى الَّذِي مَاتَ عَقِبَتْ بِمَوْلَى نَسْلَهَا حَوَاوَةً

معنی :- اگر تیری خلقت بنی آدم میں نہ ہوتی تو حوا با تجھ ہوتی اور اس سے کوئی نسل ظہور میں نہ آتی۔

یہاں منتہی نے مبالغہ پر دازی کا خاتمہ کر دیا ہے اپنے ممدوح کی نسبت وہ کہتا ہے کہ اس کا ممدوح ہی ابراہیم کے نسل آدم کا سبب ہوا ہے اگر اس کی خلقت نہ ہوتی تو حوا کے بطن سے نہ کوئی پیدا ہوتا اور نسل آدم جاری ہوتی۔ مختصر یہ ہے کہ منتہی کے باعث ہوا ہے یعنی اگر منشی ہارون پیدا نہ ہوتے تو نوحؑ شیبثؑ اور یسٰؑ ابراہیمؑ اسمعیلؑ اسحاقؑ یعقوبؑ یوسفؑ موسیٰؑ زکریاؑ یحییٰؑ عیسیٰؑ محمدؑ علیؑ حضرات ائمہ و جمیع انبیاء اولیا و جمیع اہل کمال اور جس کے نو کہ ممدوح منتہی تھے وغیرہ وغیرہ پیدا نہ ہوتے اگر یہ شعر محمدؑ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی شاعر کہتا تو حسب عقیدہ ہم غلامان محمدؑ کے نہایت مناسب تھا مگر کاتب ہارون کے لئے یہ شعر جس قدر نازیبا ہے محتاج بیان نہیں ہے ملاکاشی نے اپنے ہفت بند میں مولائے دو عالم کی شان میں اسی مضمون کا شعر رکھا

ہے اور وہ یہ شعر ہے

گر نبوے ذات پاکت آفرینش طیب تا ابد سوا سترون بودی و آدم غذب
مولا کی شان میں یہ شعر نازیا نہیں ہے کس واسطے کہ بقول پاک حضرت رسول
مقبول مولا کو در بجز عینیت حاصل ہے چنانچہ لحمک لحمی و دھک دھمی نفسہ
نفسی و روحک روحی و انا و علی من نور واحد یہ سب ایسے اقوال ہیں
یہیں جنسے عینیت بخوبی ثابت ہوتی ہے پس جب ایسی مدح سرور کا ثناء
کو زبیا ہے تو مولائے دو عالم کو بھی ایسی مدح کا استحقاق حاصل ہے
حضرات ناظرین اس شعر سے تجویز فرمائیں کہ کس قدر شعرا نے دوبارے نے
روٹی کے لئے اپنے فن شریف کو ذلیل کر رکھا تھا اپنے ممدوحین کی ستائشیں
ایسی بیباکی سے کرتے ہیں کہ ان کو خدا و رسول کئی کی عظمت کا خیال باقی
ہنیں رہتا ہے۔ مثبتی کے سے شعرا کے کلاموں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا
ہے کہ ان کے ممدوحین ان کے اقوال کے رو سے بلاشبہ خدا اور رسول
کے ہم پایہ تھے ان کے ممدوحین آفتاب ماہتاب کو اکب بر فوج
ہوا برق باراں قضا و قدر سب پر اختیار رکھتے تھے ایسی مدح سرور
سے مادح اور ممدوح دونوں کی بد مذاقیوں آشکارا ہیں بلاشبہ ایسی شاعریوں
سے فن شاعری نے بڑا داغ پایا ہے جن سلاطین و امرا نے ایسی شاعریوں
کی اعانت کی ہے وہ در حقیقت فن شاعری کے بڑے دشمن تھے۔
افسوس ہے کہ عربی فارسی اور اردو زبان کی شاعریاں انھیں مدح سرور کی
بدولت نہایت ذلیل و حقیر ہو رہی ہیں جس طرح مثبتی احمد دیکھ دو بارے

شعراے عرب کی بدولت عربی کی شاعری بد نما ہو رہی ہے اسی طرح فارسی کی شاعری تا آئی وغیرہ اور اردو کی شاعری ذوق وغیرہ کے باعث خراب و خستہ ہو رہی ہے لیکن اگرچہ انصاف سے دیکھئے تو یہ سب شعرا خود ان سب زبانوں کی شاعریوں کے محزب نہیں ہوتے ہیں بلکہ سلاطین کی بد مذاقیوں ان کے محزب فن شاعری ہونے کی وجہ پڑتی ہیں واضح ہو کہ منجھات بالابعثت آنحضرت صلعم کے قبل اور بعد کی شاعریوں کے نمونے میں راقم دونوں کا فرق بیان کر چکا ہے اب اس کے اعادے کی حاجت نہیں مگر ظہور اسلام کے ساتھ جو تہذیب اور تعلیمی مذاق کی شاعری نے جلوہ گرمی دکھلائی اس کی مثال میں کچھ اشعار جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کے درج کئے جاتے ہیں ان اشعار کے انداز سے معلوم ہو گا کہ اسلامی شاعری کیا ہے اور معاملات نبی آدم کی اصلاح ایسے اشعار سے کس قدر ہو سکتی ہے حقیقت یہ ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کا کلام کلام الامیر امیر الکلام کا مصداق ہے ہر طالب حق کا فرض منصبی ہے کہ آپ کے منظوم و غیر منظوم کلاموں کو بالاستیعاب ملاحظہ کرے اور کچھ نہ ہو تو دیوان حضرت کو ضرور پڑھ دالے ظاہر ایہ دیوان بہت کچھ قومی توجہ کے قابل معلوم ہوتا ہے مگر تعجب ہے کہ ہندوستان کے بہت سے مسلمان ایسے ہیں کیا اس سے ناواقف ہیں یا اس کی طرف توجہ نہیں کرتے ظاہر ہے کہ یہ دیوان ایک بڑے شخص کا ہے وہ شخص نہ صرف مذہبی پہلو سے بڑا مانا جاتا ہے بلکہ ہر ملت و مذہب کا غیر

متعصب آدمی اسے نظر عظمت سے دیکھتا ہے قبل اس کے کہ کچھ افتخار
دیوان پاک سے حضرت کے اندراج ہذا کئے جائیں مناسب معلوم
ہوتا ہے کہ لفظوائے ذکر علیؑ عبادۃ حضرت کے ذکر خیر سے راقم اور
ناظرین ثواب اندوز عقبی ہوں

علی بن ابی طالب - نام پاک آپ کا علی ہے اور کنیت ابوالمحسن اور
بھی ابو تراب ہے آپ کے والد بندر گوار کا نام حضرت
ابوطالب ہے اس لئے آپ کو علی بن ابی طالب کہتے ہیں۔ ابوطالب رضی
پیغمبر خدا کے حقیقی چچا تھے پیدا لاش آپ کی ۲۳ برس ہجرت کے قبل
ظہور میں آئی اور شہادت ششم ہجری میں بمقام کوفہ بدست
عبدالرحمن بن ملجم واقع ہوئی وقت شہادت سن ثمریہ آپ کا
۴۳ برس کا تھا آپ باپ اور ماں دونوں طرف سے بنی ہاشم تھے
کسو واسطے کہ ماں آپ کی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہیں آپ کے فضائل
ومحامد ذیل میں محض مختصر طور پر حصول سعادت کی نظر سے عرض کئے
جاتے ہیں۔

۱۔ آپ پیغمبر خدا صلعم کے محسن زادے ہیں اس لئے کہ حضرت رسول
خدا ینیم تھے حضرت ابوطالب نے حضرت صلعم کو پالا اور بے پدری
کے غم کو آپ کے دل مبارک میں آنے نہ دیا جب تک زندہ رہے حضرت
صلعم کے جان و دل سے معین و مددگار رہے اور کفار قریش مکہ کے
دلوں کو روکنے رہے (دیکھو کتب تاریخ) اور اپنے عرصہ حیات تک

پیغمبر خدا صلعم پر کسی طرح کا آسیب آنے نہ دیا۔

۲۔ حسب و نسب میں رسول خدا کے ہمسر تھے آپس کا رشتہ سخون
محتاج بیان نہیں ہے۔

۳۔ رسول اللہ صلعم آپ کو اپنا جان و تن سمجھتے تھے جیسا کہ فرمودہ ان
حضرت صلعم کا ہے **عَمَلِكُ لِي كَمَنْ دَرَمْتُكَ دَرَجِي وَنَفْسُكَ كَفَسِي دُرْدُ**
حَكِّ دُرْدُجِي۔

گر لُحک لُحی یہ عبارت بنوی ہے بے صل علی نام علی بے ادبی ہے
۴۔ حسب ارشاد بنوی یعنی **أَقَادُ عَلِيٍّ مِنْ نَفْسِي وَوَجِدِ رَسُولِ اللَّهِ**
صلعم کی خلقت اور آپ کی خلقت نور واحد سے تھی۔

۵۔ آپ داماد پیغمبر صلعم کے تھے اور داماد بھی کیسے کہ حضرت خیر النساء
جناب فاطمۃ الزہراء کے شوہر۔

۶۔ آپ داخل آل عبا میں یعنی ان سے ہیں جو رسول اللہ صلعم کے
کمل میں حکم رسول اللہ صلعم سے در آئے تھے اور رسول صلعم نے ان کو
کمل میں لے کر آیت **تَطْهَرُ لِي** یعنی **إِذَا مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُدْخِلَ فِيهِ مَن يَشَاءُ**
أَهْلَ الْبَيْتِ وَتَطْهَرُ لَهُمْ تَطْهِيرًا بَطِيصًا تھی۔

۷۔ آپ یکے ازاہلبیت بنوی صلعم ہیں خدائے تعالیٰ آپ کو اور
آپ کی بی بی کو اور آپ کے دونوں بیٹوں کو لفظ اہلبیت کے ساتھ
خطاب کرتا ہے جیسا کہ آیت مذکورہ میں واقع ہے۔

۸۔ آپ یکے ازاہلبیت پاک ہیں چھتن پاک عبارت سے حضرت رسول

اللہ صلعم جناب علی مرتضیٰ فاطمۃ الزہراء اور حسن و حسین علیہم الصلوٰۃ و السلام سے پختن پاک کا مضمون خود آیت تطہیر سے ثابت ہوتا ہے
 ۹۔ آپ یکے از چہار وہ معصوم ہیں چہار وہ معصوم عبارت جناب پیغمبر
 خدا و خاتون جنت یعنی جناب فاطمۃ الزہراء اور دو از وہ امام سے۔
 معصوم عبارت ہے ایسے شخص سے کہ گناہ کبیرہ و صغیرہ سب سے
 پاک ہو۔ پس جس طرح پیغمبر خدا صلعم معصوم ہیں اسی طرح حضرت خاتون
 جنت اور بقیہ حضرات ائمہ اثنا عشر معصوم ہیں۔ راقم کا مذہب یہی ہے کہ
 یہ چہار وہ تن صغائر کبار سے تمام تر پاک ہیں لیکن غیر امامیہ سوائے رسول
 اللہ صلعم کے کسی کو معصوم نہیں جانتے۔

۱۰۔ آپ اول خیل ائمہ ہیں۔ واضح ہو کہ خاندان پیغمبر کے امام بارہ حضرات
 میں اول ان سے امام علی مرتضیٰ دوم امام حسن مجتبیٰ سوم امام
 حسین شہید کو بلا پہلے امام سید المساجدین زین العابدین
 حضرت سجاد پنجم امام باقر ششم امام جعفر صادق ششم
 امام موسیٰ کاظم ششم امام علی رضا نہم امام محمد تقی دہم امام علی
 تقی یازدہم امام حسن عسکری دوازدہم امام مہدی صاحب الزمان
 علیہم الصلوٰۃ والسلام الی یوم القیامہ ائمہ معصومین جانشین رسول
 اللہ ہیں اور بسبب وفور علم اور وہی کمالات کے دین محمدی کے فروغ
 دینے والے گزرے ہیں جتنے سادات ہیں انہیں حضرات سے تعلق
 نسبی رکھتے ہیں اور بقول قطیبہ ایک وقت میں سادات انہیں حضرات

کے طرف سے پابند تھے ان جگہ گوشتخان رسول اللہ کے فضائل شمار
سے بیروں میں دوست داران خاندان محمدان پر درود سلام بھیجیں،
یہاں پر ایک درود درج ہذا کیا جاتا ہے جو ان حضرات اللہ کے ذکر پر
مشتمل ہے اور وہ یہ ہے۔

اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَسَيِّدَنَا وَاللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَى سَيِّدِنَا
مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ سَيِّدِنَا وَمَوْلَى نَا مُحَمَّدٍ ابْنِ أَبِي كَبَشٍ
عَدِيٍّ فِي رَجَائِهِ حَسَنًا فِي صِفَاتِهِ فَهَيِّدْنَا فِي تَحَلِّيَاتِهِ
زَيْنَ الرِّبِّ بِنَبِيِّهِ بَاقِرِ عِلْمِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ صَادِقَانِي أَهْوَالِهِ
مُسْتَعَانِي فِي جَمِيعِ أَحْوَالِهِ مَتَمِّكِنَا فِي مَقَامِ الرِّضَا جَوَادِ كَفَّةِ عَمْرُو
الْعُطَا هَادِيَنَا إِلَى السَّبِيلِ لِنَبَاتِ عَسْكَرِيًّا مَعَ الْغَزَاةِ مَوْجِدِيَنَا
إِلَى طَرَفِ الْيَقِينِ صَلَوَةُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ۔

۱۱۔ آپ آیت مباہلہ نَدْعُ آبْنَانَا وَابْنَاتَنَا كَرَمًا رُوِيَ فِي بَعْضِ الْأَخْل
البلبیت میں مسلم سعد ابن ابی وقاص سے روایت کرتے ہیں کہ جب
یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی تب رسول اللہ نے علی و فاطمہ و حسن و
حسین کو بلا یا اور فرمایا۔ اللَّهُمَّ هَلْؤَلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي۔

۱۲۔ آپ رسول اللہ صلعم کے نزدیک سب لوگوں سے اہل
تھے جیسا کہ حدیث طبر سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس حدیث کو ترمذی اور
اس حاکم نے روایت کیا ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ ایک روز
ظاہر رسول خدا صلعم کے آگے ایک مرغ بریان رکھا ہوا تھا اور

آپ دعا مانگ رہے تھے کہ الہی اس شخص کو بھیج دے کہ ساری خلقت سے جو تیرا زیادہ محبوب ہے تاکہ وہ میرے ساتھ اس طیر کو تناول کرے۔
انس بن مالک جو اس حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ میں خدا سے دعا مانگتا تھا کہ ایسا شخص میری قوم انصار سے ہو مگر کچھ دیر نہ گزری تھی کہ حضرت علی آئے اور آپ نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ اس طیر کو تناول فرمایا۔

۱۳۔ آپ رسول اللہ صلعم کے لئے مثل ہارون کے تھے جیسا کہ

حدیث اَنْتَ رَمِيَتْ بِمِثْرِ هَارُونَ مِنْ مَوْسَى اس پر دال ہے۔

۱۴۔ آپ رسول اللہ صلعم کے بھائی دین و دنیا میں ہیں کَمَا قَالَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتَ اَخِي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔

۱۵۔ آپ کو رسول اللہ صلعم کے ساتھ درجہ عینیت حاصل ہے چنانچہ

رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ اِنْ عَلِيًّا مَعِيَ وَاَنَا مَعَهُ وَهُوَ وِلِيٌّ كُلِّ

مُؤْمِنٍ اس حدیث کو عمران بن حصیلین سے ترمذی نے روایت کیا

ہے علاوہ اس کے حدیث نور و حدیث کحلحی وغیرہ سے بھی آپ کی عینیت

رسول اللہ صلعم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔

۱۶۔ آپ جمیع مومنین کے ولی و مولیٰ یعنی آقا ہیں اس قول کی

مثبت حدیث بالا اور حدیث نعم غدیر من كُنْتُ مَوْلَاكَ فَتَعَلَيْكَ

بین ضرورت نہ رہی سے جن صاحبوں نے ولی و مولیٰ کا معنی دوست

عجب اور نا ضرور دیا ہے اور علی مرتضیٰ کے آقا جمیع مومنین بھی

سے چشم پوشی کی ہے ان لوگوں نے درحقیقت رسول اللہ صلعم کے
آقائے مومنین ہونے سے درپردہ انکار کیا ہے کس واسطے کہ ان حدیثوں
سے جو نسبت علی کو ساتھ رسول خدا صلعم کے پیدا ہے وہ ایسی ہے
کہ محض یگانگی سے خبر دیتی ہے ایسی صورت میں ضرور ہے کہ جو مرتبہ
رسول اللہ صلعم کا جمیع مومنین و مسلمین سمجھنے سے مقابلے میں وہی مرتبہ
علی مرتضیٰ کا بھی بائیں ان حدیثوں کی بنیاد پر کبھی ایسا قیاس نہیں کیا
جاسکتا ہے کہ پیغمبر خدا کا آقائے مومنین ہونا تو مانا جائے مگر علی مجرد
دوست محب اور ناصر سمجھے جائیں زینہاران حدیثوں میں لفظ مولیٰ
یا ولی اس طوع پر نہیں استعمال کیا گیا ہے۔ کہ پیغمبر صاحب کی نسبت
کے ساتھ تو آقائے مومنین کے معنی پیدا کرے اور حضرت علی کی طرف
جب منسوب کیا جائے تو اس کے معنی ناصر محب اور دوست سمجھے
جائیں۔ ان دونوں حدیثوں کے الفاظ نہ معلق ہیں اور نہ ترکیب دشوار
ہے ہم معمولی کے خلاف بھی کوئی امر نہیں ہے اس پر بھی اگر ناحق کے
جھگڑے پیدا کئے جائیں تو بہ مقدرات کی بات ہے واقعی محبت علی
بھی ایک امر منجانب اللہ ہے جس کو چاہے خدائے تعالیٰ اعطا فرمائے
اس سعادت بندہ دریا زونیسٹ تانہ بخشد خدائے بخشنده
۱۷۔ آپ رسول اللہ صلعم کی جانب سے اداے حق کرنے کے تمام
ترسرا وار کئے اس قول کی مثبت یہ حدیث یعنی عَلِيٌّ مَعِي دَاكُنْ مَعِي
عَلِيٌّ وَلَا يُوَدِّي عَمِيٍّ إِلَّا أَنَا أَوْ عَلِيٌّ راوی اس حدیث کے حبش بن

جناوہ ہیں۔ معنی اس حدیث کے یہ ہیں کہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور نہیں کوئی حق ادا کرے گا میری طرف سے مگر میں۔ یا علیؑ اس حدیث کا قصہ نقص عہد مشرکین مکہ سے متعلق ہے یہاں اس کے عامے کی گنجائش نہیں ہے شائبہ ثقیف خود دریافت حقیقت فرما کر اے قائم کر لیں۔

۱۸۔ آپ کی پیدائش کعبہ میں ہوئی اور شہادت مسجد میں۔

لجے میں حیات اور مسجد میں ممات جو کچھ پایا خدا کے گھر سے پایا
۱۹۔ آپ بہ اسباب ظاہر سب سے اول اسلام قبول کرنے والے
ہیں اس لئے ارشاد فرماتے ہیں **سَبَقْتُكُمْ إِلَّا سَلَامًا طَرًا ۚ غُلَامًا**
بِأَلْعَتِ أَدَانَ حَلْمًا ۚ لَفْظًا طَرًا قَابِلًا لحاظ ہے جس سے معلوم ہوتا
ہے کہ سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول فرمایا تھا۔ یہ تو عالم اسباب
کی بات ہے ورنہ حقیقت حال یہ ہے کہ جب آپ اور رسول خدا صلعم
وہ واحد سے ہیں تو کسی وقت میں آپ کی طرف شرک و کفر کی
سبب نہیں کی جاتی ہے۔

۲۰۔ آپ بڑے صاحب علم و حکمت تھے اس قول کی مثبت شدت
فَادَا الْحِكْمَةَ وَعَلِيٌّ بَابًا ہے راوی اس کے نزدیک ہیں یہ حدیث
نَامِكِيْنَةُ الْعَلَمِ کے لفظوں کے ساتھ بھی مشہور ہے آپ کے اقوال
طبقات اشعار اجتہادات وغیرہ وغیرہ بڑی علمی حیثیت سے خبر
دیتے ہیں۔

۲۱۔ آپ بڑے عالم قرآن تھے جیسا کہ امام کو ہونا چاہئے۔
 ۲۲۔ آپ کو اور قرآن کو رسول اللہ صلعم نے ساتھ ساتھ یاد فرمایا ہے
 جیسا کہ فرمودہ آنحضرتؐ کا ہے الْقُرْآنُ مَعِيَ كَمَا مَعِيَ دَعْوَىٰ وَمَعَ الْقُرْآنِ
 ۲۳۔ آپ قرآن ناطق تھے جیسا کہ خود فرمودہ امیر المؤمنین علیہ السلام
 کا ہے آپ کو غیر صادق القول وہی سمجھے گا جو گمراہ اندلی ہوگا۔

۲۴۔ آپ عزت رسول اللہ صلعم میں داخل ہونے کے باعث عظمت
 میں کتاب اللہ کے برابر ہیں رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں يَا بَعْثُ النَّاسِ
 انى تركت فيكم ما ان اخذتم به لن تضلوا الكتاب الله وعترتي واهل بي
 عزتی اور اہل بیٹی شئی واحد ہے اور مراد اس سے علیؑ فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ
 ہیں جن صاحب نے عزتی اور اہل بیٹی سے اخذ سنت مراد لیا ہے عجب

حیرت انگیز بات ہے اس قدر عزت اور اہلبیت مصطفیٰؐ سے فرار کیا
 ۲۵۔ آپ حیرت انگیز قوت قضا رکھتے تھے جیسا کہ فرمایا رسول اللہ صلعم
 نے کہ افضا کہ علیؑ اور واقعی آپ کے فیصلے ایسے ہوتے تھے کہ اہل عزت
 تعجب کی آنکھ سے دیکھتے تھے آپ کے بعد لوگ یہ کہا کرتے تھے قَضِيهِ دَلَالٌ
 اَبَا حَسَنٍ كَمَا يَعْنِي كَمَا مَقْدَمِي لَكُم عَلَيَّ نَهْنِي جَوْ فَيَصِلُ كَمَا يَسِي -

۲۶۔ آپ نہایت جہلم کریم رحیم منعبد نفس کش حیا دار با دل سخی ذی
 جود شجاع سیر رحیم قانع پاکباز منکر سخن گو سخن جو خدا تہس مردم شناس
 علم دان علم پرور علم دوست صابر شاکہ جفا کش صاحب ریاضت
 خوش جمال خوش خصال خوش خیال صادق المقال با استقلال ہیم ذکی کمین

اور آخر میں تھے محاد اور مناقب آپ کے ایسے نہیں کہ احاطہ فرمیں آسکیں
 مع کس راچہ زور و زہرہ کہ وصف علیؑ کند ، اس ناچیز نے مجرد عبادت
 سمجھ کر اس قدر قلم فرسائی کی ہے ورنہ اس سے شمار اوصاف گرامی مقصود
 نہیں ہے ۔

۲۷۔ آپ کی محبت مومنین پر فرض ہے آپ کا مخالف مومن نہیں ہو
 سکتا رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں لَا يَحِبُّ عَلِيًّا مُنَافِقٌ وَلَا يَبْغِضُهُ مُؤْمِنٌ
 اس حدیث کو ام سلمہ سے ترمذی روایت کرتی ہیں جانتا چاہئے کہ محبت
 علیؑ عین ایمان ہے لہذا اس حدیث کی تعمیل کس قدر مفقود نظر آتی ہے ۔
 ۲۸۔ آپ کی شان میں آیات قرآنی بہت ہیں بعض ان میں سے ذیل
 میں زہیب رقم ہوتی ہیں ۔

(۱) إِنَّمَا وَرِثَكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ . یہ آیت جناب علیؑ مرتضیٰ کے تصدق
 خاتم سے متعلق ہے . ناسخ فرماتے ہیں ۔

انگشتہ اپنی دے کے سلیمان کر دیا طاعت میں بھی سوال سنا کر فقیر کا
 (۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ مراد صادقین
 سے علی مرتضیٰ علیہ السلام ہیں بسند تفسیر امام ثعلبی وغیرہ ۔

(۳) وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ الخ
 یہ آیت حضرت علیؑ علیہ السلام و جعفر طیار و حضرت امیر حمزہ علیہما السلام
 کے حق میں نازل ہوئی ہے اس آیت میں خدائے تعالیٰ ان حضرات
 کو صدیق اور شہید کے خطابوں سے یاد فرماتا ہے (دیکھو مسند امام حنبلہ)

و تفسیر ثعلبی وغیرہ)

(۴) ویتلوہ شاهد منہ لہجہ - یہ آیت جناب علی مرتضیٰ کی شان میں نازل ہوئی ہے جمیع علما اس کے شان نزول میں موافق ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

مقصود تنزیل بلغ مظهر اسرار غیب مطلع یتلوہ شاہد مقطع جبل المنین
(۵) ولکل قوم ہاد - حافظ ابو نعیم حضرت عبداللہ ابن عباس امام ثعلبی وغیرہ اس آیت کی شان نزول کو بالاتفاق جناب علی مرتضیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

علاوہ آیات بالا کے مشہور آیات آیت تطہیر و آیت مہالہ و آیت یا ایھا الرسول بلغ ما أنزل الیک من ربک الخ و آیت الیوم اکملت لکم دینکم و آیت یوفون بالذکر ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

صاحب یوفون بالذکر آفتاب انما قرۃ العین لعمرك نازش روح الامین۔
۲۹۔ آپ حدود اللہ میں نفسانیت کو دخل نہیں دیتے تھے بلکہ جہاں نفسانیت کا خوف دیکھتے تھے وہاں ایسی کارروائی فرما جاتے تھے کہ جس میں نفس کی شرکت کی صورت باقی نہیں رہتی تھی چنانچہ ایک بار کا یہ ماجرا ہے کہ حضرت ایک کافر قوی پنجہ سے مقابل ہوئے اور اسے بڑی زور آزمائی کے بعد زیر کیا جب چاہا کہ اسے فی النار کریں اس نے ردے مبارک پر تھوک دیا حضرت فوراً اس کے سینے سے اتر پڑے اس عجب نیز کارروائی کو دیکھ کر اس کافر نے پوچھا کہ یا علی اس محنت و مشقت

سے آپ نے ہم کو نہ بے کیا اور جب وقت میرے مار ڈالنے کا آیا تو مجھے چھوڑ کر
 کیوں علیحدہ ہو گئے حضرت نے فرمایا کہ میں تجھے خدا کے حکم کے مطابق مارنا
 چاہتا تھا کچھ اپنے نفس کی خاطر نہیں مگر تو نے جو مجھ پر تنوک دیا تو اب میرا
 تجھے مار ڈالنا شرکت نفس کے ساتھ ہوتا اس لئے میں علیحدہ ہو گیا اور تجھے
 قتل نہیں کیا وہ کافر اس تقریر پر پتہ تاثیر کو سن کر ایمان لایا۔ مولانا رحمہ اسی
 قصہ کے متعلق فرماتے ہیں سے

ادنیو انداحت بر روی علیؑ افتخار بہر نبی و ہر ولی

۳۰۔ آپ کو درجہ شہادت بھی حاصل ہوا برائے خود بڑا درجہ ہے۔
 آپ کی شہادت شہر کہ نہ میں واقع ہوئی عبدالرحمن بن لجم شہر قطامہ
 آپ کا قاتل ہے آپ کی جیمی اور کیمی ایسی تھی کہ آپ نے اپنے قاتل سے
 بھی اپنے خلفی رحم و کرم کو باز نہ رکھا۔

۳۱۔ آپ کسب حلال کی نظر سے مزدوری کہتے تھے اجرت پر کندہیں
 سے پانی نکالتے تھے۔

۳۲۔ آپ کی غذا محض سادی تھی بیشتر بھوک کی روٹی کھاتے تھے اور وہ
 اسی قدر کہ تن میں جان باقی رہے لباس کا بھی ہی طور تھا کہ تکلف سے
 تمام تبرہ ہی تھا۔

۳۳۔ آپ دو سروز کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم جانتے تھے۔
 اور کبھی دو سوال نہیں فرماتے تھے چنانچہ ایک بار آپ نے نذر کے تین
 روزے رکھے شریک روزہ داری اپنے ہی گھر والے تھے۔ یعنی حضرت

بی بی دونوں صاحبزادے اور فضلہ کبیرہ نقد و جنس سے پاس میں کچھ نہ تھا اس لئے سامان افطار کے خیال سے امیر المؤمنین کچھ گیسوں شمعوں یہودی کے پاس سے قرض لے آئے روزہ داروں نے کوٹ میں کروٹیاں پکائیں شام کو جب حضرت روزہ داروں کے ساتھ افطار کو بیٹھے افطار فرمایا بھی نہ تھا کہ ایک سائل نمودار ہوا اور اس نے سوال کیا حضرت نے جو کائنات افطاری کی شکل میں آگے موجود تھی سائل کو دے ڈالی اور خود اور گھر والے سب کے سب پانی سے افطار کر کے سو رہے دوسرے اور تیسرے دن پھر یہی صورتیں ہوتی گئیں اللہ اکبر یہ سخاوت یہ جود یہ بذل یہ کرم ہمیں دنیا میں دیکھا جاتا ہے اسی روزہ نذر کی نسبت خدا نے تعالیٰ نے قرآن میں آیت یوفون بالذکر کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔

۳۴۔ آپ صاحب عرفان کامل تھے اور خدا کا یقین ایسا رکھتے تھے کہ اس سے زیادہ یقین کا امکان دشوار ہے جیسا کہ خود فرماتے ہیں کَوْ كَشْفِ الْغَطَاءِ كَمَا اَزْدُوْتْ يَقِيْنًا يَعْنِي اَكْرَاهًا طُجَا تَابِرُوْه لَوْ مِيْرَ الْيَقِيْنِ نَبْطْرَهْتَا۔ آپ کی خدا شناسی کا کیا درجہ تھا کیا کوئی بنا سکتا ہے؟

۳۵۔ آپ دنیا کو محض بے حقیقت جانتے تھے یہ بات آپ کے ہر قول و فعل سے ظاہر ہوتی تھی اسباب دنیا سے آپ کے پاس کچھ نہ تھا آپ نان جویں کھاتے تھے اور موٹے کپڑے پہنتے تھے اور اکثر زمین پر بیٹھے یاد الہی میں مشغول رہتے تھے اس لئے آپ کو لوگ ابو تراب کہتے تھے آپ کا زہد و فقر بہت دشوار رنگ کا تھا باتیں بھی جو کہتے تھے نمٹانے

دینوی سے بے لگاؤ ہوتی تھیں۔ ایک نقل اس جگہ مکہ دی جاتی ہے جس سے آپ کی اوقات بسر کی کا اندازہ معلوم ہو سکتا ہے آپ کی ایک دن کی سرگزشت یہ ہے کہ آپ مسجد مدینہ میں تشریف رکھتے تھے اور صوم سے تھے ایک مسافر آگیا وقت انظار آپ نے اسے اپنی جوگی روٹی سے جو آدھی تھی نصف اس کا اسے دیا اس نے دیکھا کہ اتنی روٹی سے بھوک نہ جائے گی اس جگہ چلا گیا جہاں امام حسن اور امام حسین علیہما السلام مسکینوں کو طعام تقسیم فرما رہے تھے صاحبزادوں نے اسے ایک آدمی کا حصہ مرحمت فرمایا وہ ایک حصہ لے کر دوسرے حصے کا بھی طالب ہوا ثنائیہ زادوں نے فرمایا تو ایک آدمی ہے دو آدمی کے حصے لے کر کیا کرے گا اس نے کہا ایک مسکین اور بھی مسجد میں اتنا ہٹا ہے جس کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے اس کے پاس صرف آدھی نان جویں تھی کہ اس میں سے اس نے آدھی ہمیں دے ڈالی ہے میں اسی کے واسطے ایک حصہ لنگہ خانے سے لے جانا چاہتا تھا شہزادوں نے پوچھا اس شخص کی صورت بتا جب اس نے حسب ارشاد صاحبزادگان صورت بتائی تو صاحبزادوں نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ وہ شخص کوئی مسکین نہیں ہے وہ ہمارا باپ علیؑ ہے جو مولائے کونین ہے اللہ اکبر یہ عجیب قصہ ہے واقعی نشان مرتضوی وہم و قیاس سے بہت باہر ہے اللہم صل علی محمد و آل محمد -

۳۶۔ آپ اپنے حق کے رو سے ویسے ہی سید ہیں جیسے پیغمبر خدا صلعم

سید ہیں اسی لئے آپ کی اولاد جو بطن حضرت سیدہ علیہا السلام سے
 نہیں ہے وہ بھی سید کہلاتی ہے وہ سادات جو غیر نبی فاطمہ ہیں انہیں
 سادات علوی کہتے ہیں واضح ہو کہ خلعت سیادت دربار خداوندی
 سے بچتے پاک کو مرحمت ہوا ہے حضرت سیدہ سید زادی ہونے
 کے سبب سے سیدہ نہیں ہیں بلکہ اپنے حق کے رو سے سیدہ ہیں اس
 طرح حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام اپنے
 اپنے حق کے رو سے سید ہیں۔ چنانچا ہٹے کہ سیادت بڑی نعمت
 ہے اس سے بڑھ کر دینی نعمت دوسری کوئی نہیں ہے حضرات سادات
 جو اس زمانے میں موجود ہیں ان پر فرض ہے کہ اس نعمت کی قدر کریں
 اپنے آبائی طریقے کے پابند رہیں اپنے اجداد کرام یعنی ائمہ معصومین
 علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پورے پیرو رہیں اپنے نسب ناموں
 ضائع ہونے سے بچائیں طمع دنیاوی میں مبتلا ہو کر اپنی نسل پاک
 خراب نہ کر ڈالیں۔ راقم کو اپنی ایک جواری قوم پر نہایت افسوس
 آتا ہے کہ اس نے اپنے خاندان سیادت کے شرف کو کمال نادانی
 سے ضائع کر ڈالا ہے یہ قوم اس دیار میں ملک کہاتی ہے اس قوم
 بزرگان شاہی زمانے میں بڑے اہل حکم و رقم تھے چنانچہ ان میں سے
 ایک صاحب معروف بہ سید اسمعیل بڑے صاحب ثروت تھے
 یہ صاحب قصیدہ بہار میں آسودہ ہیں ان کو ملک کا خطاب بادشاہ
 وقت کے حضور سے ملا تھا اسی لئے ملک بیٹو کے نام سے آج تک

مشہور دیار و امصار ہیں ان کی اولاد خطاب مورث کے سبب سے ملک کہلاتی ہے اور اس ملک کے سکنا نا واقفیت کے باعث ملکوں کو ایک جمہول قوم سمجھتے ہیں حالانکہ یہ لوگ سادات سے ہیں۔ علم الاقوام کے رو سے بھی یہ قوم بہت کچھ نبی ہاشم کے انداز رکھتی ہے یہ لوگ نہایت جہان نواز شجاع اور خوش خلق ہیں اور ان کی وجاہت ظاہری ان کے علو قومیت سے خبر دیتی ہے۔

۳۷۔ آپ نہایت جہان نواز تھے اور جہان نوازی آپ پر ختم تھی۔ آج تک سادات کرام میں جہان نوازی کی صفت میرزا پر پائی جاتی ہے۔

۳۸۔ آپ کا قاتل اور مقتول دونوں اہل دوزخ سے ہیں۔

۳۹۔ آپ کا حارب رسول اللہ کا حارب ہے۔ جابر روایت کرتے کہ رسول اللہ صلعم نے علیؑ وفاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے حق میں فرمایا
 حَرْبٌ مِّنْ حَارِبِكُمْ وَسَلْمٌ مِّنْ سَأَلْتَهُمْ یعنی کہ ہمکو جنگ ہے شخص سے کہ جو جنگ کرے ان لوگوں سے اور ہمکو صلح ہے اس شخص سے کہ جو صلح رکھے ان لوگوں سے۔

مؤلف

دشمن ہے جو علیؑ کا وہ دشمن نبی کا ہے دشمن نبی کا دشمن اللہ پاک ہے پس دشمن علیؑ دشمن خدا جو ہو وہ عاقبت خراب جہنم کی خاک ہے۔

۴۰۔ آپ کے ساتھ رسول اللہ صلعم کو بڑا تعلق دلی پیدا تھا۔ جیسا کہ روایت عقیبہ سے جو صحابہ تہمتیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کہتی ہیں۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیشاً فیہم علی فسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وهو را فجع بدیدہ یقول اللہم لا تمہنتنی حتی تزیننی علیاً۔ راوی اس حدیث کے ترجمہ میں اور ترجمہ یہ ہے کہ روانہ کیا پیغمبر خدا نے ایک فوج کو کہ جس میں علیؑ تھے پس ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگتے سنا کہ اے اللہ میرے مت مار مجھ کو جب تک کہ تو علیؑ کو مجھے دکھلانے کے واقعی جگہ جگہ اور دگر دگر ہوتا ہے۔

۴۱۔ آپ نے جس طرح بیٹی رسول اللہ سے اسی طرح ذوالفقار خدا سے پائی۔ بقول ملا کاشی علیہ الرحمۃ مصرع
وزخند و مصطفیٰ شمشیر و دختر یافته

۴۲۔ آپ نے صغریٰ میں رسول اللہ کے پاس پرورش پائی اور لغاری دین رسول اللہ کا وقت پیدائش چوسا اور غسل پیدائش رسول خدا کے ہاتھ سے پایا سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔
۴۳۔ آپ بروز ہجرت جان پر کھیل کہ بستر رسول اللہ پر سوئے۔
۴۴۔ آپ بت شکنی کی غرض سے دوش رسول اللہ پر سوار ہوئے بر شرف کسی کو حاصل نہ ہوا۔

۴۵۔ آپ علم میں حضرت آدم علیہ السلام سے مشابہ تھے درجہ خلد حضرت ابراہیمؑ کا رکھتے تھے۔ بیبت آپ کی موسیٰ کی بیبت کے مانند تھی اور عبادت علیؑ کی عبادت سے۔

۴۶۔ آپ رسول اللہ صلعم کے غسل و کفن کے متکفل ہوئے اور خود آپ کو غسل و کفن ملائکہ نے دیا

۴۷۔ آپ حسب حکم رسول اللہ بحالت جنابت مسجد میں جانے کے مازون تھے یہ اجازت سوائے اہلبیت علیہم السلام کے کسی کو نہ ہوئی

۴۸۔ آپ کا اور آپ کے جگہ گونگکان ائمہ معصومین علیہم السلام کا ذکر کتب سہادہ میں آیا ہے

۴۹۔ آپ مفتی بہر چار روز تھے اسی طرح بقید ائمہ معصومین علیہم السلام بھی تھے۔

۵۰۔ آپ نے کسی کا حق غصب نہیں کیا۔

۵۱۔ آپ نے ناجائز رنگ پر ایک قطرہ خون کبھی نہ بہایا حریف کے ساتھ مکہ و جیلہ کو راہ نہ دی حریف پر بلا ضرورت سختی کبھی نہ کی اسیران جنگ کو یا کسی کو گالی نہ دی اسیران جنگ کے قتل کو کبھی پسند نہ فرمایا اور نہ ان کے قتل کی رسول اللہ صلعم کو صلاح دی کبھی فتنہ و فساد کے گرد نہ پھرے اور جب کوئی فتنہ بپا ہوتا تو اس کے فرو کرنے میں دل سے کوشاں ہوئے۔

۵۲۔ آپ بہت حاضر طبیعت اور حاضر جواب تھے انفضال تقویا میں بھی آپ کا یہی انداز تھا تطویل کلام کے خوف سے راقم مثالیں آپ کی ان صفتوں کی نہیں مکھ سکتا ورنہ مثالیں بہت ہیں

۵۳۔ آپ کے زور بازو شجاعت استقلال اور بہت سے اسلام

قائم ہو سکا یہ علیؑ ہی کی تلوار تھی جس نے اسلام کو مدینہ میں مضبوط کر دیا
 مکہ کو ماتحت، مدینہ کو دیا اور جنتے بدخواہ اسلام تھے ان کو زبردست برکے ڈالا
 بلاشبہ رسول اللہ کے عہد کا اسلام شوہرے میں نوقے جیسے تیغ علی بن
 ابی طالب کا مہزن ہے سوائے ناسپاس اور نامحق شناس کے کوئی
 مسلمان واقفیت کی حالت میں اس سے انکار نہیں کر سکتا ہے عہد
 محمدی میں کوئی شخص علیؑ سے زیادہ مددگار اسلام موجود نہ تھا اور سچی
 شجاعت اور سچی بہادری کے رو سے علیؑ کا نظیر کوئی شخص امت محمدی
 میں نظر نہیں آتا ہے لاریب علی اسلام کے بیرو آف ہیرو وہ *Here*
of heroes یعنی شجاع شجاعان۔ جتنے اس ہیروانم (*Heroism*)
 یعنی شجاعت کے ساتھ ان صفات حمیدہ سے بھی متصف تھے جو آیتیا و
 اوصیا و اولیا کے لئے درکار ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ اس عہد کے کسی مسلمان
 سیرت نگار نے علیؑ کا لائف (Life) نہ لکھا راقم کو اس وقت
 کوئی شکایت نہ ہوتی اگر شہد و مد کے ساتھ سیرت نگاری کی طرف
 بعض ارباب تحقیق بائل نہ ہوتے خدا کا غضب ہے کہ سیرتیں منشا میر
 اسلام کی لکھی جائیں، پھر ایک فاسق شراب خوار خونخو بد کردار عیاش
 نفس پرور خود غرض بنی عباس کا خلیفہ ہیرو آف اسلام۔
Hero of Islam یعنی شجاعان اسلام میں کھڑو نسا جاتے اور
 اس کی سیرت نگاری میں زور شعور کے ساتھ دفتر کے دفتر سیاہ کیے
 جائیں مگر علی بن ابی طالب کی دو صفحہ کی سیرت بھی حوالہ فلم نہیں کی

جائے مسلمانو! یہی انصاف ہے کہ عہد محمد کا اسلام جس شخص
 کا ممنون درممنون رہو وہ ہیر و ز آف اسلام میں شمار بھی نہ ہو اور
 اس کے احوال میں دو سطریں بھی اشاعت نہ پائیں اگر یہی اسلامی
 ارباب تحقیق کا انداز ہے تو اسلام کو ایسے مصنفین سے فائدہ پہنچ
 چکا خلق اللہ کو فائدہ رسانی کے لئے پابندی انصاف شرط ہے اتلاف
 حق ایک بڑی شے ہے خاص کہ اتلاف حق اہلبیت اسی سے اسلام
 کو ضرر پہنچ چکا ہے اور آئندہ بھی ضرر پہنچا کرے گا اب بھی یہی
 خواہاں اسلام اولے حقوق اہل بیت کی طرف کوشش فرمائیں ورنہ
 ان کی جتنی کوششیں ترقی اسلام کے لئے ہوں گی رائیگاں جاویں گی
 خدا کی خدائی انصاف پر چل رہی ہے یہ ممکن نہیں کہ بے انصافی کی بنیاد
 پر کسی قسم کی ترقی کی عمارت قائم ہو سکے خدائے تعالیٰ دو سندان
 اسلام کو حق بینی اور حق جوئی کی توفیق اور حق و باطل کی تمیز عطا فرمائے۔
 آمین شہرامین۔

خیر راقم اب علی ابن ابی طالب کے وہ احوال رقم کرتا ہے جن سے
 ظاہر ہوگا کہ اس جناب کے زور بازو شجاعت استقلال اور بہت نے
 کس طرح دشمنان اسلام کے مقابلے میں اسلام کو غالب بنایا اور اسلام
 کو تباہ نہ کیا اب ہونے سے محفوظ رکھا تحریر ذیل پر حضرات ناظرین بانصاف
 کی توجہ درکار ہے۔

واضح ہو کہ جو یہ کفار مکہ کے ظلم و ستم سے رسول اللہ صلعم کو مکہ سے

ہجرت اختیار کرنے کی پٹری تو حضرت صلح مدینہ کو پیش کر لیتے تھے اور اہل
 مدینہ نے آپ کے دین کو قبول فرمایا۔ اہل مدینہ کے اسلام قبول
 کرنے سے مدینہ ایک اسلامی شہر ہو گیا جب کفار مکہ نے دیکھا کہ محمد
 صلح تم سے ہجرت فرما کر مدینہ میں اپنے دین کو استقامت بخشنا
 تو کفار مکہ اس معاملے کو پٹے سے جدا اور عداوت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔
 اور اس فکر میں ہوئے کہ مدینہ پر چڑھائی کر کے اسلام کی حکومت کو
 درہم برہم کر ڈالنے اس قصد سے سروران کبہ شکر کشی پر آمادہ ہو کر مدینہ
 کی طرف بڑھے ان کی پہلی لڑائی مسلمانوں کے ساتھ ہوشیہ بدر پر واقع ہوئی
 اگر یہ لڑائی اہل اسلام ہار جاتے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا خاتمہ ایک امر یقینی تھا۔
جنگ ماہران علم تاریخ سے پوشیدہ نہیں ہے کہ پولیسکیں پہلو سے
 بدر جنگ بدر کو قسطنطنینہ (Constantine) کے زمانے کی پہلی
 والی لڑائی (Battle of the Marston) کی حیثیت حاصل ہے یہ
 لڑائی مسیح علیہ السلام کے ایک سو برس کے بعد درمیان عیسائین اور
 کفار کے واقع ہوئی تھی اگر قسطنطنینہ کو اس لڑائی میں ناکامیابی پہنچ جوتی تو
 دین مسیحی کو عروج و شہوار ہوتا اسی طرح اگر جنگ بدر خلاف میں اسلام
 کے انجام پاتی تو اسلام بالکل ٹھنڈا ہو جاتا۔ جانا چاہئے کہ بے جہاد و
 قتال کوئی دین قائم نہیں ہو سکتا ہے قیام و فروغ دین کے لئے جہاد
 قتال ایک امر ناگزیر ہے ہر چند مسیح علیہ السلام نے خود کوئی جہاد و قتال
 نہیں فرمایا مگر حقیقت یہ ہے کہ دین اس معصوم اور برحق مادی کا نتیجہ

و سنان دنیا میں شائع نہیں ہوا ہے جسقدر غزوات رسول اللہ ہیں
 خون بنی آدم کا حکم خدائے قدیر سے زمین پر بہا ہے اس سے چند در چند مرتبہ
 زیادہ حامیان دین مسیحی کی تلواروں سے میدان ہارے دنیا لالہ زار بن گئے
 ہیں یہ بھی اہل انصاف سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جتنے غزوات رسول اللہ
 صلعم کے ظہور میں آئے ہیں وہ زبردستی کا پہلو نہیں رکھتے ہیں ان کے
 وقوع کے اسباب ایسے ہی نظر آتے ہیں بے جنگ کے اختیار کئے کوئی
 چارہ نہ تھا اسی جنگ بدر کو دیکھئے کہ کفار مکہ نے خود لشکر کشی کی۔ کیا آنحضرتؐ
 ان کو مدینہ میں داخل ہو کر اسلام کو دوہم بہم کرنے کی اجازت دیتے ان
 دشمنان اسلام سے حضرت اگر نہ لڑتے تو کیا کرتے یہ لڑائی تو تمام نزلتوں کا
 فطرت کے قرین تھی اگر آج بھی دنیا کی کسی شائستہ ترین قوم پر ایسی چڑھائی
 کی جائے تو باوجود حاصل رہنے ہر طرح کی شائستگی کے اسے اپنے دشمن
 سے مقابلہ کرنا ایک امر مجبوری ہوگا کفار ان مکہ کی تعدی ایک امر قابل لحاظ
 ہے پہلے تو یہ دشمنان اسلام پیغمبر صاحب کو مکہ میں طرح طرح کی ایذاؤں
 پہنچاتے رہے جب آپ نے مجبور ہو کر ترک وطن فرمایا اور ایک غیر شہر
 میں جا کر امن پکڑا تو وہاں بھی ان کو قتل کرنے اور ان کے دین کو برباد کرنے
 کی کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی حملے پر حملے ہوتے رہے سبحان اللہ اس پر بھی
 دشمنان اسلام کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ نے تلوار کھینچی اور
 خون بنی آدم بنایا۔ خیر اب ناظرین بالانصاف جنگ بدر کے معاملے پر توجہ
 فرمائیں اور دیکھیں کہ یہ لڑائی کہ جس پر قیام استحکام اسلام موقوف تھا

کس طرح بدظہمی گئی اور اس لڑائی میں علی ابن ابی طالبؑ کی تلوار نے کیا جوہر
 دکھلائے۔ کتب تاریخ میں مندرج ہے کہ جب کفار قریش بمقابلہ لشکرِ اسلام
 کے صف آرا ہوئے تو ان کفار سے تین شخصوں میں جنگ میں مبارز طلب
 ہوئے اس وقت مہاجرین سے کوئی بھی ان کے مقابلے کو نہ نکلا الا حضرت
 علیؑ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو عبیدہ بن جراحؓ بن عبد المطلب
 یہ تینوں حضرات بنی ہاشم تھے اور تینوں نے خوب ہاشمیت کی داد دی پھر
 جب لڑائی عام ہو گئی تو اور بھی حضرات بنی ہاشم نے بہادریاں دکھلائی اور
 انصار بھی دلیری کے ساتھ نبرد آزما ہوئے حسب تحریرہ ارباب سیرتِ آدمی
 لشکر کفار سے اس لڑائی میں مارے گئے اور ستر آدمی اسیر ہوئے منجملہ ستر
 کشتگان کفار کے ساتھ حضرت علیؑ کے دستِ خاص سے فی النار ہونے اور
 بقیہ مقتولین کا زیادہ حصہ حضرت حمزہ کی تلوار سے طعنے دوزخ ہوا کشتگان
 کی فرست نام بزم مندرج کتب تاریخ و سیرت میں ہیں اہل واقفیت
 سے کوئی امر پوشیدہ نہیں ہے المختصر یہ بدر کی لڑائی وہ ہے کہ اسلام
 کی آئندہ کی سرسبزی تمام تہ اس کی فتح پر موقوف تھی اگر اس لڑائی میں اسلام
 کو شکست ہو جاتی تو اسلام کا کام تمام ہو چکا تھا پھر نہ دین اسلام جاری ہوتا
 نہ بعد رسول اللہ کے خلافت راشدہ قائم ہوتی نہ پھر خلافت بنو امیہ کو
 پہنچتی نہ بنو عباس مالک خلافت ہو سکتے اور نہ دنیا میں کوئی اسلامی سلطنت
 کا وجود ہوتا یہ تلوار علیؑ ہی کی تھی جس نے اسلام کی جڑ مضبوط کر دی اور یہ وہی تلوار
 تھی کہ عہد رسول اللہ میں اسلام کی جڑ کو مضبوطی بخشی رہی حتیٰ کہ اسلام ایک

البیاضی و عنقوت ہو گیا کہ جس کی بیخ کنی قبصر روم اور کسراتے فارس بھی نہ کر سکے
جنگ و آنج ہو کہ جب قریش مکہ نے نہر بیت سحرت بدر کی لڑائی
احمد میں اٹھائی اور ان کے بہادران مثل ابو جہل وغیرہ کے مارے
 گئے تو ان کے داؤں میں اس کے معاویہ کی سحرت خواہش پیدا ہوئی چنانچہ
 بدر کے دو مرتبے ہی سال مشرکین قریش بڑی تیاری کے ساتھ مدینہ کی طرف
 بڑھے اور ہر سے رسول اللہ بھی ہما جمین و انصار کو لے کر ان کے مقابلے کے
 واسطے مدینہ سے نکلے۔ کہہ اسد کے متصل لشکر اسلام اور کفار قریش سے
 سامنا ہوا کہ ان مکہ کا سردار ابوسفیان تھا چونکہ اس کے بیٹے اور رشتہ دار
 جنگ بدر میں طعمہ ذوالفقار حیدری ہو چکے تھے اس نے لشکر آرائی میں
 بڑی کڑکی زمان قریش بھی لشکر کے ساتھ آئیں یہ سورتیں جلا جلا بجا بجا کر اور
 اشعار پڑھ پڑھ کر باز ان قریش کو توجہ دلائی تھیں اور شکران بدر کے
 معاویہ پہ آئیں آنا وہ کہتی تھیں ان سموں سمایل شیطان کی سردار
 ہندہ تھی یہ وہی ہندہ ہے جو ابوسفیان کی زہرہ تھی اور عیس کی نسبت حکیم
 سنائی رکھتے ہیں۔

داستان پسر ہند کہ نشنیدی الخ - خیر حجب لڑائی شروع ہوئی تو پہلے
 لشکر اسلام کو فتح نمایاں ہوئی پھر شکست کا سبب یہ ہوا کہ اسلامی لشکر
 مال غنائم کے حواصل کرنے کی فکر میں مشغول ہو گئے اور رسول اللہ نے جو ارشاد
 فرمایا تھا اسے بھول بیٹھا یعنی رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ پچاس شخص نیر انداز
 پہاڑ کی ایک گھاٹی پر موجود رہیں مگر حجب نفع کی شکل نمایاں ہونے لگی اور قریش

مکہ گریزاں نظر آنے لگے تو ان تیر اندازوں نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں اور لوٹ
 میں مشغول ہو گئے قریش نے یہ طور دیکھ کر اپنے منتشر شدہ لشکر کو سمیٹا اور
 پھر قاعدہ سے لشکر اسلام کے مقابل ہوئے تب تو مالِ علیہمت کے طلبگاروں
 پر سخت آبنی لشکر اسلام کو مقاومت کی تاب نہیں رہی عوام مہاجرین ایسے
 بھاگ نکلے کہ نشان بھی نہ ملا کہ کدھر غایب ہو گئے صرف مہاجرین نبی ہاشم
 جو قرابت داران رسول تھے استوار و گرم پیکار رہے اسی طرح انصار بھی
 شریک جان بازی رہے صاحب مدارج النبوة جناب محدث شیخ عبدالحق
 دہلوی لکھتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے شکست کھائی تو حضرت رسول کو تنہا
 چھوڑ کر بھاگ گئے اس وقت آنحضرت غضب میں ہوئے اور پیشانی مبارک
 سے پسینا گرنے لگا پھر دیکھا تو علی کو اپنے پہلو پر ایستادہ پایا آنحضرت نے علی سے
 مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم نے اپنے بھائیوں کا ساتھ نہ دیا اور ان سے نہیں جانے
 اس پر علی نے عرض کی کہ کفر بعد الایمان ائی بات السنوۃ یعنی بعد
 ایمان کے بھی کفر اختیار کریں گے تحقیق کہ مجھے آپ کے ساتھ افاقہ اپنے اس وقت
 میں ایک جماعت کفار کی پیغمبر خد صلعم کی طرف متوجہ ہوئی آنحضرت صلعم نے
 حضرت علی سے فرمایا کہ اے علی مجھے اس جماعت سے محفوظ رکھو اور حق نہ مت
 ولہرت بجلا کہ یہ وقت مددگاری کا ہے حسب ارشاد نبوی حضرت علی رضی اس
 قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور ان میں بد حال کر کے متفرق کر ڈالا اور ایک جماعت
 کثیر کو دوزخ میں پہنچا دیا اس کے بعد محدث محمد وح تخریر فرماتے ہیں کہ
 جب علی سے یہ نصرت ظہور میں آئی وہ پیغمبر خدا سے بے حق علی رضی اللہ عنہ صحیح

دَا فَاعْنَهُ فَرَمَا يَا اُدْرِجِيْزِيْلُ بولے انا منکا پھر محدث ممدوح فرمائے ہیں کہ
 یہ آواز سنائی دی کہ کوئی گوشہ غیبی کہتا تھا۔ لا فتی الا علی لاسیف الا
 ذوالفقار یہ بھی محدث ممدوح لکھتے ہیں ناد علیا منظور العجاایب مستجد
 عون لکھی فی النوائب کل هم و غم سینجلی بولا بیتک یا علی یا علی یا علی
 کا نزول اسی معرکہ احد میں ہوا ہے سبحان اللہ کیا ذات پاک حضرت علی مرتضیٰ کی تھی
 اور آپ کیسے معاون اسلام اور جان نثار رہتے کہ بدر میں کس طرح اسلام
 کو بربادی سے بچایا اور احد میں کس طرح رسول صلعم کی جان کے محافظ رہے کہ
 دشمنان رسول اللہ کو نہیر و زبر کہ ڈالا۔ واضح ہو کہ کتب تاریخ و سیرت سے
 ظاہر ہوتا ہے کہ احد کی لڑائی میں لشکر اسلام سے ۶۵ یا ۶۷ حضرت شہید
 ہوئے ان میں سے حدیب روایت ثانی ۶۶ و بتقدیر روایت اول ۶۱
 انصار شہید ہوئے۔ مہاجرین میں سے شہیدوں کے مددین یا سپار ظہر آتے
 ہیں اور یہ شہیدان عزیز ان پیغمبر صلعم سے تھے عوام مہاجرین سے نہ کوئی شہید اور نہ
 کوئی زخمی ہوا اس سے عوام مہاجرین کی عقیدت و وفاداری کو سمجھنا چاہیے
 ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوائے رسول اللہ نبی با شقم اور انصار کے کوئی
 غزوات رسول خدا میں لڑنا بہتر نہ تھا یہ تو جنگ بدر و جنگ احد کی
 سرگنہ شدت ہے آئندہ اور غزوات میں بھی یہی کیفیت ظاہر ہوگی اس
 جنگ سے متعلق جو نہایت سہرت انگیز اور اہم چیز معاملہ ہے وہ حضرت امیر
 حمزہؓ کی شہادت ہے آپ کی شہادت حضرت رسول خدا کے لئے ایک
 غم کی بات ہوئی آپ لشکر خدا کے بڑے معین و مددگار تھے اور بڑی بہادری

سے جان نذر اسلام فرمائی انا للہ وانا الیہ راجعون اس واقعہ جہانگیر سے
ایک عجیب نقل تاریخی متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندو مذہب کے سنیوں نے
کمال ثقافت سے اس جناب کے جگر کو دانوں سے چھاپا اور آپ کے گوش
اور بینی مبارک کو جسم اطہر سے ملحدہ کسے اور ان کا ہر بنا کر اپنی گمراہی کا
میں ڈالا اس ثقافت کو یاد کر کے حکیم سنائی فرماتے ہیں مع
مادرا و جگہ جسم پیمبر بکید۔

ہندہ کے اس فصل فیض سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قسم کی عورت تھی اور
اور جس قبیلے کی وہ عورت تھی اس قبیلے کے اخلاق کس قدر نازک اور پستی
ہوتے تھے یہ عورت بنی امیہ سے تھی بنی امیہ قریش کا ایک ایسا قبیلہ تھا
کہ جو مکاری و فاباندی زنا کاری خونخوری شراب خوردی وغیرہ میں
فرد تھا بیخبر خدا کو اس قبیلے سے تمام نافرمت تھی اور تار حلت یہ نافرمت
آپ کی قائم رہی چنانچہ عمران بن حصین سے مروی ہے مات البنی صلی
اللہ علیہ والہ وسلم دھو بکڑا تلثہ احیاء تقیف و بنی حنفہ و بنی امیہ
راوی اس حدیث کے نرنڈی ہیں اور اس سے معنی یہ ہیں کہ میرے نبی صلی
اللہ علیہ وسلم در حالیکہ وہ حضرت کراہت رکھتے تھے تین قبیلوں سے یعنی
تقیف بنی حنیفہ اور بنی امیہ سے شاہ صاحب اپنی شرح میں لکھتے ہیں
کہ حضرت رسولؐ نے خواب میں دیکھا کہ بندر آپ کے منبر شریف پر کھیل
رہے ہیں اور آپ نے تعبیر ان بندروں کی بنی امیہ سے فرمائی اور واقعی
ایسا ہی ہوا کہ آپ کی رحلت کے ساتھ بنی امیہ اپنی ہر فتوں سے صاحب

اقتدار ہو گئے ملک شام ان کے زیر حکومت ہو گیا یہاں تک کہ تمام بلاد
 اسلام کے مالک بن گئے اور بھر پیٹ ممبر رسول پر مشغول بازی رہے
 نہایت جائے افسوس ہے کہ جس قبیلے کو رسول اللہ اپنے عہد میں
 نہایت کمزور اور بد حال کر گئے تھے حضرت کی رحمت کے ساتھ اس قبیلے کی
 قوت نہ صرف عود کر آئی بلکہ ہزار درجہ زور کی گئی کاش اس قبیلے کو ذی
 اختیار ہونے کا موقع نہیں دیا جاتا اگر یہ قبیلہ مرضی رسول خدا کے مطابق
 حالت ابناال میں چھوڑ دیا جاتا تو نہ علی مرتضیٰ کی عمر تلخی میں بسر ہوتی نہ نبی مہتمم
 مبتلائے نکالیف جسمانی و روحانی ہونے نہ حضرت مقداد و دیگر دوستداران
 علی زکین اٹھاتے نہ حضرت طلحہ و زبیر شکست بیعت فرماتے نہ حضرت
 عائشہ رضی اللہ عنہا کی لڑائی لڑتیں نہ حضرت عائشہ کنوئیں میں گر آئی جاتیں نہ امام
 حسن کو زہر دیا جاتا نہ امام حسین شہید و شہت کہ بلا ہوتے نہ امام زید سے
 صعوبتوں کے ساتھ مارے جاتے اور نہ اہل حرم اسیر ہو کر دمشق کی گلیوں
 میں پھرتے جاتے۔ لاریب قبیلہ بنی امیہ کے صاحب اقتدار ہو جانے
 سے آل محمد کو بڑا نقصان لاحق ہوا اور ان سے خوب خوب کشنگان
 بدر کے بدلے لئے گئے اس جگہ سائل سوال کر سکتا ہے کہ پھر کس
 لئے قبیلہ بنی امیہ کو سر نو سے قوی کر دیا اس کا جواب تاریخ کی کتاب میں دے
 سکتی ہیں رقم اس جگہ ہی قدر عرض کر دینا کافی سمجھتا ہے کہ بنی امیہ کو علی نے نہیں
 سر چڑھایا رسول اللہ جس قبیلے سے نفرت رکھتے تھے اس کو علی سر نہیں
 چڑھا سکتے تھے اگر سر چڑھائے ہوتے تو واقعہ کہ بلا کا الزام حقاً علی ہی پر عائد

ہوتا کس واسطے کہ یہ واقعہ جانگزا محمذ قبیلہ بنی امیہ کے سرپرستانے کا نتیجہ ہے
اس جنگ میں لشکر کفار سے صرف تیس آدمی مارے گئے ان میں سے
۹ لوہا سردار لشکر کفار تھے یہ نو ایک بعد دیگرے طعمہ ذوالفقار جہد ری ہوتے گئے
پھر ۱۲ اور بھی حضرت علی مرتضیٰ کے ہاتھ سے مارے گئے باقی رہے ۹ مان میں
چند شخص کو حضرت حمزہ علیہ السلام نے مارا اور بقیہ انصار کے ہاتھ سے فی النہا
ہوتے مہاجرین غیر بنی ہاشم سے کسی کافر کا مارا جانا ثابت نہیں ہوتا ہے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہاجرین نہایت دور اندیش حضرات تھے نہ مارتے تھے
اور نہ مارے جاتے تھے مگر جانتا چاہتے کہ شجاعت ایک ایسی صفت
ہے کہ تمام نیکیوں کی جڑ ہے اور سب کے برخلاف بردلی ہے اور واقعی
شجاعت ایک ایسی صفت ہے کہ انسان کو بہت کچھ ذریعہ عزت ہوا کرتی
ہے جیسا کہ خود اس لڑائی میں رسول اللہ کے ایک صحابی نے یہ شعر پڑھا تھا
عَلَىٰ مَنْ عَادُوْهُ فِى الْاَجْبَالِ مَكْرَمَةٌ ۗ وَاَلَمْ يَكُنْ بِالْحَبَشِيْنَ لَا يَخُوْهُمْ الْقَدَسُ
یعنی نامردی میں ننگ ہے اور دشمن سے سامنا کرنے میں بردگی ہے اور مرد
نامردی کے ذیل سے مفرد سے نہیں بچ سکتا۔

احمد کی لڑائی کے بعد چند غزوات اور سرایا پے درپے ظہور میں آتے گئے مگر
وہ مشہور نہیں ہیں۔ کتب تاریخ و سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان غزوات
و سرایا میں بھی علیؑ کی تلوارہ نیام میں بیکار نہیں پڑی رہی شاہ مردان نصرت
حضرت رسولؐ اور اعانت اسلام سے غافل نہیں رہے چنانچہ غزوہ بنی
نضیر میں جو انھیں غزوات غیر مشہور سے ہے شیر خدا نے ایک بڑے کافر

جری کو مارا یہ شخص بنی نصیر سے تھا اور ایسا تھا کہ جس کا سامنا مہاجرین غیر بنی
 ہاشم نہیں کر سکتے تھے یہ شخص رات کو رسول اللہ پر حملہ آور ہونے کو تھا اور
 اسی قصد سے اپنے نعلے سے نکلا تھا حضرت امیر اس کے انداز کو سمجھ کر شب
 کو اس کی طرف بے فرائش رسول اللہ کے تشریف لے گئے وہ عاقبت
 برباد و قصد بالا سے خیمہ رسول اللہ کی طرف چلا آنا تھا کہ راہ میں شاہ مردان
 سے سامنا ہو گیا اور حضرت نے اسے بہنم و اصل فرمایا اس قسم سے معلوم
 ہوتا ہے کہ حضرت امیر رسول اللہ کی فرائش کے بغیر بھی نصرت رسول اللہ
 اور اعانت اسلام فرمایا کرتے تھے سبحان اللہ کیا حضرت کی شجاعت شعا کی
 اور قوت ایمان کتنی واقعی اگر علی کو خدائے تعالیٰ نہیں پیدا کئے ہوتا تب
 اسلام کے زور پکڑنے اور استقامت حاصل کرنے کے واسطے خدائے تعالیٰ
 کو اور کوئی سامان تقویت پیدا کرنا پڑتا نا ظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے
 کہ اسلام کو جو کچھ نور اور استقامت حاصل ہوا اس میں حضرت علی کی ذات کو بڑا دخل
 تھا شیران غزوات و سرایا کے بعد وہ لڑائی و فوج میں آئی جو جنگ خندق
 کے نام سے مشہور ہے۔ اسے جنگ انزاب بھی کہتے ہیں۔ یہ لڑائی بھی جنگ
جنگ بدر و جنگ احد کی شہرت رکھتی ہے اس کی حقیقت یہ
خندق ہے کہ جنگ ہجرت کے پانچویں سال میں واقع ہوئی قریش
 مکہ اور چند قبائل دیگر بن میں یہودی بھی شامل تھے حضرت ابوسفیان بدر
 حضرت معاویہ کی ماتحتی میں ندینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے اور اس کا محاصرہ کچھ
 روزوں تک کئے رہے ان کے حملوں سے شہر کو محفوظ رکھنے کی غرض سے

پیغمبر خدا نے شہر کے گہر و خندق کھدوائی تھی اس خندق کی وجہ سے اس
 جنگ کو غزوہ خندق کہتے ہیں کفارِ محاصرین نے چند بار اس خندق پر حملے کیے
 مگر اندر شہر کے ہمیں داخل ہو سکے اس وقت بھی علیؑ اعانتِ اسلام سے
 غافل نہ تھے اور ان کی شجاعت، شجاعت، شجاعتی حملہ آوروں کی خبر لیتی رہی لیکن
 جب آخر کار لڑائی میدان کی ٹھہری تو اس وقت لشکرِ کفار سے ایک شخص
 عمر و ابن عبدود نام مبارز طلب ہوا لشکرِ اسلام سے کسی کو تاب نہ پڑی کہ
 ایسے دیوناد کا سامنا کرنے بیچارہ سوار کے برابر تین تنہا سمجھا جاتا تھا خیر
 جب کوئی بھی لشکرِ اسلام سے نہ نکلا تو حضرت اس سے مقابلہ کے واسطے
 نکلے مگر آنحضرت صلعم نے روکا اور لشکرِ اسلام کی طرف متوجہ ہو کر تین
 بار فرمایا کہ کوئی تم میں سے ہے جو اس کافر کے ساتھ نہ آئے وہاں ہو گئے کسی نے
 بھی لڑنے کی طرف رخ نہیں کیا تیب کچھ اور گفتگو کے بعد جس کی تحریر کی
 یہاں حاجت نہیں ہے حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو عمر ابن عبدود
 سے جنگ کی اجازت بخشی شاہِ مردانِ نواسی کے منتظر تھے اور اس کے پہلے بھی حضرت
 رسولؐ کی فرمائش کے بغیر آمادہ جنگ ہو چکے تھے اس دیونا پاک کا فوراً
 مقابلہ کیا وہ کافر بڑا ہی پلٹین قوی ہیکل اور نہرو آتما تھا دیر تک شاہِ مردان
 کا سامنا کرتا رہا آخر کار حضرت حیدری سے فی النار والستقر ہوا۔
 مآخج ہو کہ اس غزوے میں بھی علیؑ کی تلوار نے ویسی ہی حمایت کی جیسا کہ غزوہ
 سابقہ میں کہتی گئی تھی اگر شاہِ مردان عوامِ مسلمانوں کی طرح عمر ابن عبدود
 کے مقابلہ سے انکار فرما جاتے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کفار مکہ غالب آتے

اور مدینہ والوں کو چہرہ ہاجرین و چہرہ انصار زینوہ کہہ ڈالتے اور اسلام
جو حالت صغر سنی میں تھا آنغوش عالم سے رخصت ہو جاتا مگر قیل عمر بن عبد
سے اسلام کے بازو قوی ہو گئے اور کفر کی کمر ٹوٹ گئی اس ملعون کے
قتل ہوتے ہی اہل مکہ بے دل ہوئے اور جو قبائل لہرواری ابو سفیان مدینہ پر
پڑھ آئے تھے ان میں پھوٹ مچ گئی اور وہ سب کے سب بھاگ نکلے
جاننا چاہتے کہ جناب امیر کی اس خدمت اسلام کی تسبیح رسول اللہ
نے فرمایا ہے کہ علی کی خدمت کے دن کی لڑائی میری تمام امت کے
اسمال سے کہ وہ قیامت تک کرے گی افضل ہے یہ حدیث کتاب
مدارج النبوة و معارج النبوة و کشف الغمہ میں مندرج ہے اور اس
کی صحت میں کسی کو انکار نہیں ہے۔

واضح ہو کہ اس غزوے میں بھی غزوہ بدر و غزوہ احد کی طرح کسی مہاجر غیر
بنی ہاشم نے نہ کسی کافر کو مارا اور نہ مارا گیا مارا جانا نہ درکنار کسی کو خواہش بھی
نہیں لگی صرف چھ شخص انصار شہید ہوئے اور کفار سے بھی صرف تین نفر
مارے گئے یہ فتح مسلمانوں کو بغیر بہت کشت و خون کے نصیب ہوئی اور
سبب اس کا وہی ہوا کہ شاہ مردان نے قتل عمر بن عبدود سے لشکر کفار
میں ایک بڑا ہلکہ ڈال دیا جس کے باعث مشرکین بھاگ کھڑے ہوئے
اور تاب و مقاومت نہ لاسکے۔

جنگ
خیمبر

سن ہجرت ہجری میں جنگ خیمبر واقع ہوئی فریق مخالف اس میں
یہودیان خیمبر تھے غیر یہودیوں کا ایک قلعہ مرتب اس کا

سردار اور اس کا بھائی حارث بھی اسی کی طرح ایک مشہور یہودیان مرومیدان
 تھا الغرض دونوں بھائی بڑے مشہور شجاع تھے اور ظاہر ان کا کوئی ہم نبرد
 دکھائی نہیں دیتا تھا زمانہ جنگ میں رسول اللہ متبللے درو شنیقہ تھے
 اس لئے نیچے میں تشریف رکھتے تھے مگر لشکر اسلام میدان جنگ میں تین
 روز پلے درپلے جایا گیا اور ہر بار شکست کھا کھا کر واپس آیا کیا تینوں روز
 لشکر اسلام پر یہ گزرا کیا کہ جو مجاہد اسلامی لشکر یہود سے مقابلہ کرنے کے
 واسطے جانا حارث اسے شہید کر ڈالتا جب اس طرح دو آدمی شہید ہو
 جاتے پھر کوئی مسلمان مقابلے کا قصد نہیں کرتا یہ بے اہر وئی لشکر اسلام کو
 تین روز سے نصیب ہو رہی تھی روز لشکر اسلام یہودیوں کے مقابلے کو
 جانا اور کمال ذلت کے ساتھ خیمہ گاہ کو بھاگ آنا حضرت امیر وقت اونگی
 لشکر اسلام مدینہ میں جوش چشمہ کے باعث رہ گئے تھے اور با سبار ظاہر
 جنگ و پیکار کے قابل نہ تھے مگر عقیب سے باوجود لاحق رہنے اس
 شکایت کے بہ نقاضائے حمایت رسول اللہ و بخیاں نصرت اسلام
 لشکر خدا میں حاضر آئے واقعی ایمان اور حمیت اسلام اسے کہتے
 ہیں سبحان اللہ حالت مرض میں بھی مفارقت رسول اللہ گوارا نہ فرما سکے
 نصرت دین خدا کی نظر سے مدینہ سے خیمہ گاہ رسول اللہ تک چلے ہی آئے
 مگر ان تینوں دنوں میں کسی دن تشریکہ کا رزار نہ ہو سکے جب تیسرے
 دن بھی لشکر اسلام شکست کھاتا بھاگ آیا تب رسول اللہ نے فرمایا کہ
 کوکل بیع کو بیع حکم لشکر اسلام اس شخص کو دیں گے جو کراں غیر فرار ہے۔

یعنی جو سخت بہادر ہے اور بھاگتا نہیں جانتا اور جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں نہیں لوٹے گا وہ جنگ کہ خدا اس کے ہاتھ پر فتح نہ دے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ حدیث نبوی یہ ہے لَا غُطَّ بِرَجِّ الرَّائِبِ غَدًا أَرْجُلًا كَرًّا أَوْ أَنْفِيرًا فَدَارَ الْحَبِيبِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ بِرُجُوعِ الْأَلْفِ عَلَى اللَّهِ عَلِيٌّ بِيَدِهِ اس ارشاد رسول اللہ کو سن کر بہت لوگ امیدوار علم ہوئے مگر حضرت نے وہ کلمہ اس شخص کو بخشا جس کی شجاعت کا امتحان جنگ بدر و احد و خندق وغیرہ میں ہو چکا تھا اور بعد اس وقت تک دین خدا کو تباہی سے براہمہ بچاتا چلا آیا تھا خیر صبح کو حضرت رسول صلعم نے حضرت علی کی جوش کہ وہ آنکھوں پر لب مبارک لگایا جس سے جوش کی تکلیف جاتی رہی اور علم موعود مرحمت فرما کر اجازت جنگ بخشی اس کے بعد حکم خدا سے غزویں یہ رباعی پڑھی **فَادْعِيَا مَنْظَرِ الْعَجَائِبِ** اشخ شاہ مردان نے میدان جنگ میں اشخ کہ مرحوب اور حارث دونوں کا فرو کوٹری شجاعت شعاری کے ساتھ واصل جہنم فرمایا درخبر کو اکھاڑ ڈالا اور قلعہ خبیر کو آن کی آن میں فتح کر لیا غلامان شاہ مردان اس بات پر غم نہ فرمائیں کہ بلاتامیدانہ دی ایسے ایسے اہم کام انسان ضعیف البیان سے انجام نہیں پاسکتے بلاشبہ شاہ مردان موید من اللہ تھے اگر آپ صبی شامل حال باکمال پہنچا ایک فائدہ کثرت دار نفس کش شخص سے ایسے ایسے حیرت خیز قوت اور شجاعت کے کام ظہور میں آتے۔ وہ شخص جو جو کی روٹی کھائے عبادت خدا میں جسم کو گلائے وہ میدان جنگ میں ابراہار لشکر کفار کو نہہ و بالا کر ڈالے عمر ابن عبدود ایسے دلہر سپیکر کا فرقہ

کشتی میں دسے مارے مر حوب اور سارٹ ایسے پہلو انان نامی کو دم
 کے دم میں فی النار کرے اور اس پر تماشا یہ کہ سات سو من کے دروانے
 کو اکھاڑ ڈالے اور پھر ایسی دزدنی شے سے کہ جس کے اٹھانے کے واسطے ستر
 آدمی درکار ہوں مانتھ میں لے کر سپر کا کام لے۔ اے اہل انصاف بتائیے
 کہ کیا ایسے ایسے کام تائید ایند دی کے بغیر انجام پا سکتے ہیں اہل بصیرت
 سے پو شید نہیں ہے کہ شاہ مردان کا درخیزہ کو اکھاڑنا جس کے صدمے سے
 خود قلعہ خیزہ کو لندش ہوئی تھی ایک امر تالیخی ہے لیلی جنون کی کہانی نہیں
 ہے نہ ہار نہ ہمار یہ افسانہ نہیں ہے یہ محض واقعہ ہے وہ مرد خین بھی جو
 مخالفین اسلام سے ہیں اس عجیب انگیز معاملے کو بہ حیثیت مورخ درج
 تصنیف کرتے ہیں چنانچہ واشنگٹن ایرڈنگ (Washington Irving)
 اپنی کتاب تاریخ میں اس واقعے کا ذکر مورخانہ طور پر کرتا ہے پس تعجب ہے
 اگر نئی روشنی والے حضرات اس حیرت خیز کارروائی کو قصے اور فسانے پر
 محمول کریں یا اشخاص متعصب اس سے چشم پوشی کریں راقم کی دانست
 میں اس معاملے کے حق ہونے میں وہی گفتگو کرے گا جو بیغیر خدا پر ایمان
 نہیں لایا ہوگا کہ اس واسطے کہ حضرت رسولؐ نے جب حسب وہی خدا شاہ مردان
 کو منظر العجاائب والغرائب فرمایا ہے اگر کوئی شخص اپنے کو مسلمان کہتا ہے
 اور پھر اس قول بنوی پریقین نہیں رکھتا تو وہ داخل اسلام شمار نہیں کیا
 جا سکتا ہے اب حضرات ناظرین غزوہ حنین کے معاملے پر نظر تو فرمایا
 یہ اتنی بڑی تھی جو درمیان لشکر اسلام اور کفار قریش کے واقع ہوئی اس

جنگ حنین

جنگ کی حقیقت یہ ہے کہ بعض فتح مکہ اکثر قبائل عرب نے رسول اللہ کی اطاعت اختیار کی الا قبیلہ ثامیہ ہوازن و ثقیف جنہوں نے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ میدان حنین میں رسول اللہ سے مقابلہ کیا ہر چند مسلمانوں کے افراد کم نہ تھے مگر چونکہ دشمنوں نے دھوکے سے ان پر حملہ کیا تھا ہاجرین و انصار دونوں رسول اللہ کو چھوڑ کر فرار ہو گئے میدان جنگ میں قائم رہ جانے والے ایک قوی کے مطابق کل نو شخص اور دوسرے کے مطابق صرف چار تھے یہ چار شخص حضرت علی مرتضیٰ عباسی رضی اللہ عنہ حضرت ابوسفیانؓ اور عبد اللہ تھے ان چار شخصوں کے نام ان نو شخصوں کی روایت میں بھی دیکھے جاتے ہیں خیر جس وقت ہاجرین و انصار بھاگے جاتے تھے پیغمبرؐ نے فرارین کو بیعت دلانے کی نظر سے یا اصحاب السمرہ کہہ کر پکارا اس کے سنے سے تنو آدمی کے قریب انصار وغیرہ سے لوٹے اور پھر جنگ گاہ میں حاضر آئے فرارین کے اصحاب السمرہ کے لقب سے پکارے جاتے کی وجہ یہ تھی کہ اکثر لوگ بیعت الرضوان میں شامل تھے بیعت الرضوان کی حقیقت یہ ہے کہ یہ بیعت اس وقت میں ہوئی تھی کہ جب رسول اللہ سمرہ کے ارادے سے لطف مکہ تشریف لے گئے تھے اور مطلب اس بیعت کا یہ تھا کہ اہل اسلام جہاد میں پوری کوشش کریں گے جہاد سے کبھی منہ نہ موڑیں گے اور تمام تر رسول اللہ کے مطیع رہیں گے اور چونکہ یہ بیعت الرضوان ایک رحمت کے نیچے وقوع میں آئی تھی اس واسطے اسے بیعت تحت الشجرہ بھی کہتے ہیں۔ رسول اللہ نے اسی لئے مفردین کو غیرت دلانے کے واسطے اصحاب السمرہ کے

لقب سے پکارا یعنی اسے درخت کے نیچے بیعت کرنے والا۔ جاننا چاہئے کہ سمرہ ایک قسم کا درخت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ درخت جس کے نیچے یہ بیعت طہور میں آئی درخت سمرہ تھا۔ الغرض جب کچھ بھاگے ہوئے لوگ میدان جنگ میں مجتمع ہو آئے تو لڑائی شروع ہو گئی ہنگام جنگ ابو جردول نامی ایک پہلوان لشکر کفار سے رجز خوانی کرتا ہوا نکلا اور مبارک طلب ہوا لشکر اسلام سے کسی نے بھی اس کے مقابلے کا قصد نہیں کیا اس کی تنو مندی اور بہادری کے رعب میں سب کے سب گرفتار ہو گئے۔ مگر ذوالفقار شاہ لافتنی نے اس دشمن خدا کو سیدھے دلوں روانہ کر دیا۔ جہاں اس کے پہلے عمر ابن عبدود و مرحب اور عمارت اور دیگر کوشاں کفار پہنچائے جا چکے تھے اس لڑائی میں کفار نے شکست فاش اٹھائی۔ اور ان کے مقتولین کا عدد دستتر ہے ان میں سے چالیس نفر دست خاص شاہ مردان سے فی النار ہوئے اور نقیہ کو انصار وغیرہ نے مارا کسی مہاجرین غیر بنی ہاشم کے ہاتھ سے ایک کافر کا قتل ہونا بھی کتب تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ اس لڑائی میں خلاف عادت انصار بھی فرار ہو گئے اور جو شریک جنگ ہوئے وہ وہی اشخاص تھے جو رسول اللہ کے غیرت دلانے سے لوٹ آئے حضرات مہاجرین غیر بنی ہاشم کا فرار تو ایک معمولی امر تھا مگر ان کے فرار سے زیادہ توجہ طلب خاندان بنی امیہ کی حاضری جنگ ہے قبیلہ بنی امیہ کے بیشتر حضرات جو نئے مسلمان ہوئے تھے میدان جنگ میں حاضر تھے مگر لشکر اسلام سے الگ کھڑے ہو کر لڑائی کے تماشے دیکھ

رہے تھے اور مسلمانوں کی مصیبتوں پر ٹھہرا کے لگا رہے تھے جیسا کہ بالابیں
 رقم ہوا ہے اس لڑائی میں بنی امیہ کے سردار حضرت ابوسفیانؓ بھی حاضر تھے
 مگر جس برابر بھی ان حضرت نے رسول اللہؐ کی اعانت نہیں فرمائی الگ سے
 اپنے عزیزوں کی طرح تماشا تے جنگ دیکھنے اور قہقہے مارتے رہے حضرت
 نئے مسلمان ہوئے تھے اور یہ پہلا امتحان آپ کے اسلام قبول کرنے کا تھا
 حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص قہقہے مگہ کے وقت مجبوراً مسلمان بنا تھا مصرعہ
 کا فر نوائی شد ناچار مسلمان شو

اس نے جب دیکھا کہ اسلام غالب آگیا اور دین خدا سے اب مقاومت
 کی تاب نہیں رہی ناچار دین اسلام کو قبول کر لیا اگر یہ شخص دل سے مسلمان
 ہوا ہوتا تو اس جنگ میں صرف لڑائی کے تماشے نہیں دیکھا کرتا اور یوں
 قہقہے نہیں لگاتا رہتا اگر دل سے مسلمان ہوا ہوتا تو مجاہدین مومنین کی طرح
 اعانت دین خدا کرتا اور رسول اللہؐ کا ساتھ دیتا اس کے اس انداز سے
 خواہاں تھا اور اسلام پر ہمت کا منتظر تھا مگر چشم بداندیش کو باد قہقہ نصیب اسلام
 ہوئی اگر اس برعکس کوئی معاملہ ظہور میں آتا تو یہ بیسی مسلمان مبارکباد کے لئے
 قبیلہ ہائے ہوازن و ققیفہ کی طرف دوڑ لگاتا واقعہ بنی امیہ کا مسلمان کہلانا
 ایک طرف معاملہ ہے، حقیقت حال یہ ہے کہ ابوسفیان اور اس کے لوگ
 خاصے منافق تھے ظاہر مغلوب ہو کر مسلمان ہو گئے تھے یہ قبیلہ ہر پہلو سے
 قابل نفرت نظر آتا ہے اگر یہ قبیلہ نہ ہوتا تو بدر و احد اور خندق کی لڑائیاں
 زہار و قہقہ میں نہ آتیں چین سے مذہب اسلام اشاعت پاتا اور اس قدر

بہادران اسلام کی جہتیں بے سبب تلف نہ ہونیں ابوسفیان اور اس کے
 والوں نے اسلام کی بیخ کنی کا کوئی درجہ اٹھائیں لکھا ہے کہ اگر حضرت علیؑ کو خدائے
 تعالیٰ معین اسلام نہ بنائے ہوتا تو ظاہر اسلام کی حفاظت اور اشاعت
 کی کوئی صورت پیدا نہ تھی علاوہ فتنہ انگیزوں کے اس قبیلے کے اخلاقی مذہبی
 اور تمدنی امور بہت کچھ پایہ تنزل کو پہنچے ہوئے تھے ایسے قبیلے سے ہر راست
 باز آدمی کو کراہت کا پیدا ہونا تمام تر مقتضائے فطرت ہے پس پیغمبر خدا
 صلعم کو اس قبیلے کے ساتھ کراہت بے سبب نہ تھی حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام
 بھی رسول اللہ کی اس کراہت سے تمام تر واقف تھے اور چونکہ آپ رسول
 مقبول صلعم کے بڑے مطیع و فرمانبردار تھے بعد وفات آنحضرت صلعم کے
 بھی قبیلہ بنی امیہ سے کبھی مراہطت پیدا نہیں کی چنانچہ جب حضرت نبی صلی
 اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی اور خلافت کا انتظام ہو گیا تب حضرت
 ابوسفیانؓ غرض خاص سے جناب امیر کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ اے
 علیؑ تم چپ رہ گئے اور معاملہ خلافت طے پا گیا اگر تم کہو تو ہم صحراے مدینہ کو
 سواران مکہ سے بھر دیں اور انتظام خلافت کو درہم برہم کہہ دیں اس جناب
 نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اے ابوسفیانؓ تم ایام جاہلیت میں فتنہ انگیزی
 کیا کرتے تھے اور اب مسلمان ہو کہ بھی اپنی عادت فتنہ انگیزی سے باز نہیں
 آتے یہ جواب پا کر حضرت ابوسفیانؓ نے اپنی راہ لی اور جس طرف چہرہ
 کی صورت نظر آئی اس طرف کو سدھارے حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائیں
 کہ حضرت امیر کا یہ جواب بڑی مصلحت اور دور اندیشی سے خیر دیتا ہے

اس واسطے کہ ارباب واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ
قبیلہ بنی امیہ کے سردار تھے یہ قبیلہ رسول اللہ کے عہد میں برابر بنا کامیابیاں
اٹھاتا رہا تھا اور اس قبیلے کو بڑی مہزنتیں خود حضرت علی کی تلوار سے
پہنچا کی تھیں جیسا کہ غزوات بدر احد اور خندق کے معاملات سے آشکارا
ہے ایسی حالت میں یہ قبیلہ نہ رسول خدا اور نہ آل رسول خدا کا کسی طرح
دوست ہو سکتا تھا اگر رسول اللہ کی دوست داری اس قبیلے کو مد نظر ہوتی تو
جنگ حنین میں ابوسفیان صاحب اپنے عزیزوں کے ساتھ مسلمانوں کی
مصیبتوں کے تماشے دیکھتے اور ٹھہرا کے لگاتے واپس حضرت ابوسفیان
نے جو جناب امیر کے انتظام خلافت کو درہم برہم کہہ دینے میں مستعدی
دکھلائی ہرگز یہ بات خوش نیتی پر مبنی نہ تھی الغرض جناب امیر فرما سمجھ گئے
کہ یہ شخص ہمارے ذریعے سے مجر د اپنے کو اور اپنے قبیلے کو نفع پہنچانا چاہتا
ہے اسے مطلق ہماری اور ہمارے قبیلہ بنی ہاشم کی منقعت مد نظر نہیں ہے
اس لئے اسے جناب مرتضیٰ نے اس طرح کا جواب دیا جس سے اس کا
ایک مفسد شخص ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ابوسفیان کو شخص مفسد
سمجھ کر جناب امیر نے اس کے مشورے پر عمل کر سکتے اور نہ اس کی اعانت
کو جائز رکھ سکتے تھے پس اسے ایسے جواب کے سوا کیا دوسرا جواب دیتے
علاوہ اس کے حضرت علیؓ خوب جانتے تھے کہ حضرت رسول مقبولؐ قبیلہ
بنی امیہ سے کہ اہرت رکھتے تھے پس آپ ابوسفیان سے کیونکہ میل جول
پیدا کر سکتے تھے اگر حضرت امیر ابوسفیان سے لطف مرابطت پیدا کر لیتے

تو حضرت کا یہ بڑا بڑا حضرت رسول خدا کے بڑا بڑا سے خلاف پڑتا بلکہ
 رسول اللہ کی پالیسی کے مغایر واقع ہونا پوشیدہ نہیں ہے کہ رسول اللہ کی
 یہ ایک بڑی عمدہ پالیسی تھی کہ قبیلہ بنی امیہ جو ایک سرکش اور مفسد قبیلہ تھا
 ہمیشہ مغلوب رہے چنانچہ بڑی محنت اور مشقت کے ساتھ ایک مدت دواز
 میں یہ قبیلہ مغلوب کیا گیا تھا اگر حضرت امیر ابو سفیانؓ کے مشورے کو سن
 لیتے تو یقیناً مرضی رسول اللہ کے خلاف آپ کو یہ کارروائی ہوتی مگر جناب امیر
 جو ہمیشہ نجیب رسول اللہ کو فرض سمجھتے تھے اور مرضی آنحضرت صلعم کے
 خلاف عمل کرنے کو کفر جانتے تھے کیونکہ ایسا کام کر سکتے تھے جس میں
 بنی امیہ کی قوتوں کے عود کرنے کا گمان قوی لاحق تھا فی الواقع اگر ابو سفیانؓ
 کے معاملے میں حضرت امیر آجاتے تو آپ پر دو سخت الزام عائد ہوتے
 اول تو یہ کہ جس قبیلے سے رسول اللہ کو کراہت تھی اس کے سردار سے آپ نے
 موافقت اور مراہطت پیدا کی دوئم یہ کہ جس قبیلے کو رسول اللہ ضعیف اور
 کمزور کر چکے تھے اسے سر نو سے آپ نے قوی اور پُر زور کر دیا ظاہر ہے کہ جب
 جناب امیر ابو سفیانؓ سے اعانت قبول فرماتے تو اس کے معاوضے میں
 ابو سفیانؓ کو بلاد اسلام کی کچھ نہ کچھ حکومت عطا فرمانے ایسی صورت ہیں
 ابو سفیانؓ سے یہ سہرا حراز رہ کہ جناب امیر نے نہ صرف اپنے کو ان دونوں
 الزاموں سے بچایا بلکہ اس الزام سے بھی اپنے کو محفوظ رکھا جو ابو سفیانؓ اور
 قبیلہ بنی امیہ کی حکومتوں کے حاصل کرنے کی بنیاد پر صورت پذیر ہوتی ہے
 الحق ابو سفیانؓ اور اس کے قبیلے کا سر نو سے قوی ہو جانا خاص کہ خاندان

پیغمبر کے واسطے کچھ بھی اچھا نہ ہوا اس قبیلے کے سرنوسے قوت حاصل کرنے
 کے تاریخی حالات قابل ذکر ہیں۔ جانتا چاہئے کہ جب حضرت علیؑ نے
 اعانت ابوسفیانؓ کے قبول کرنے سے انکار فرمایا تو ابوسفیانؓ حضرت
 علیؑ سے دست بردار ہو کر اپنے طور پر حصول حکومت کی فکر میں کرنے لگے
 اور اپنی کارستانیوں سے ملک شام کی حکومت حاصل کر لی اور یہ بھی متفق
 حاصل کر لیا کہ جس قدر ملک اطراف شام میں مسلمان فتح کریں ان کا چہرام حصہ ان کو ملا
 کرے الغرض جب ابوسفیان صاحب نے حکومت شام حاصل کر لی
 تب انھوں نے فرمایا کہ میں پیر ہو گیا ہوں میں مکہ سے باہر جانا پسند نہیں
 کرتا شام کی حکومت پر ان کا بڑا صاحبزادہ بنو ہاشم بن ابوسفیان بھیجا جائے
 چنانچہ ایسا ہی ہوا صاحبزادے کے ہاکم شام ہوتے ہی مردان بنی امیہ جو
 پریشانی حال ہو رہے تھے شام کو روانہ ہو گئے اور تھوڑے عرصے میں
 اپنی سابق قومی قوتوں کے اعتبار سے بھی وہ چند زیادہ قوی ہو گئے شام
 کا سارا ملک زیر حکومت بنی امیہ ہو گیا شام میں چھوٹے سے بڑے عہدے
 پر بنی امیہ ہی سرفراز دکھائی دیتے تھے کہیں بنی ہاشم کی صورت پر نظر بھی
 نہیں پڑتی تھی بنی ہاشم کا شام میں کسی عہدے پر بحال ہونا تو محض خلافت
 توقع تھا جب دار الخلافت مدینہ میں ایک کس بنی ہاشم یا پنج روپے کی نوکری
 کا بھی نظر نہ آتا تھا الغرض جو کچھ تاوان قبیلہ بنی امیہ عہد رسول اللہؐ میں اٹھاتا
 گیا تھا اس کی بیماری نلا فی اس قبیلے کے لئے فوراً رسول اللہؐ کی رحلت کے بعد
 ہو گئی۔ جانتا چاہئے کہ شام کی حکومت پر صرف چار برس بنو ہاشم بنی امیہ

قائم رہ کر مر گئے ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی حضرت معاویہؓ ان کے
 جانشین بنائے گئے آپ اپنے برادر منوفی سے بھراجل قابل تر تھے آپ کے
 عہد حکومت میں قبیلہ بنی امیہ کی قوت حشمت شوکت وغیرہ وغیرہ حالہ
 بیان سے باہر معلوم ہوتی ہے آپ بہت عرصے تک حاکم شام رہے اور
 اس قدر صاحب قوت و ثروت ہو گئے کہ جب اپنے عہد خلافت میں
 حضرت علیؓ بن ابی طالب نے آپ کو معزول کرنا چاہا تو آپ معزول نہ ہو سکے اور
 خلیفہ وقت سے برابر مقابلہ فرماتے رہے بلکہ خلیفہ وقت کو کثرت جنگ
 سے اتنی فرصت نہ دی کہ وہ خلافت کے اور کسی کام کی طرف اپنی
 پوری توجہ مبذول کر سکیں خلافت حضرت علیؓ بن ابی طالب کا زمانہ صرف پچار
 برس اور چند ماہ تھا اس کے بعد امام حسن خلیفہ ہوئے پچھ مہینے کے اندر
 حضرت امام کو خلع خلافت کی نوبت آئی اس عجیب معاملے کے بعد عینہ
 کی جگہ دمشق ہی دار الخلافت ہو گیا واضح ہو کہ بعد رسول اللہ کے نبی ہاشم
 ضعیف تو ہونے ہی چلے گئے تھے مگر اس خلع خلافت سے ان کی رہی رہی
 دجاہرت میں پورا زوال آ گیا اور بنی امیہ ہر طرح سے منتہائے ثروت
 دینی کو پہنچ گئے کیا تعجب ہے کہ وہ قبیلہ جس سے رسول خدا صلعم کو
 کراہت تھی اور جس کو بڑی کوششوں سے آنحضرتؐ اپنے عہد میں مغلوب
 و مجبور فرما گئے تھے آپ کی رحلت کے ساتھ زور پکڑنے لگا اور فتنہ رفتہ
 رفتہ تمام نردمانک اور حاکم تمام بلاد اسلام کا ہو گیا اور بنی ہاشم جو رسول
 اللہ کا قبیلہ تھا اور جس کی عظمت مسلمانوں پر فرض تھی مغلوب و مجبور ہو گیا

خیر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے بعد خلیفہ وقت قرار پائے حضرت
اپنی قوت کے برقرار رکھنے میں برابر کوشاں رہے بلکہ اس کی بھی حضرت
نے بڑی کوششیں فرمائیں کہ خلافت حضرت ہی کی نسل میں رہ جائے چنانچہ
اس خیال سے حضرت نے استخلاف فرمایا اور اپنے صاحبزادے کی بیعت
کے معاملے میں کوششوں کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا بنی ہاشم تو ضعیف ہو ہی
چکے تھے مگر اس فیصلے کے دوسرے یعنی امام حسنؑ اور امام حسینؑ ابھی تک
زندہ تھے جن کی طرف سے حضرت کو اطمینان حاصل نہ تھا تھوڑے عرصے ہی
امام حسنؑ کی طرف سے تو اطمینان حاصل ہو گیا یعنی امام حسن علیہ السلام
زہراؑ کو شہید ہو گئے یہ حادثہ خود حضرت معاویہ کے عہد میں واقع ہوا اور
اس واقعہ کی نسبت ابوالفدا شاہ حیات اپنی تاریخ المختصر فی احوال البشر
میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسنؑ کے مسموم کئے جانے کی نسبت یہ کہا گیا
ہے کہ حضرت معاویہ نے زہر دلویا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت کے صاحبزادے
یزید ابن معاویہ نے زہر دلویا یا خیر جو امر صحیح ہو آپ کے مسموم کئے جانے
سے دوسرے دار بنی ہاشم میں سے ایک کی طرف سے تو خوشی کا احتمال
جائز اور حضرت کی اس اطمینان یابی کی نسبت صاحب تاریخ الخمس
لکھتے ہیں کہ جب امام حسنؑ کی شہادت کی خبر دمشق میں حضرت کے
پاس پہنچی تو حضرت نے اظہارِ خوشی فرمایا تب حضرت کی بہن فاختہ
نے کہا کہ اے معاویہ تو سبط رسول اللہ کی موت پر خوش ہوتا ہے تب
حضرت نے فرمایا کہ میں سبط رسول اللہ کے مرنے پر اظہارِ فرح نہیں کرتا

مگر اس خبر سے میرے دل کو راحت نصیب ہوئی لاریب امام حسن کی رحلت
 حضرت کے واسطے بڑی طمانیت کی صورت ہوئی مگر اب بھی ایک کس
 سردار بنی ہاشم یعنی امام حسین علیہ السلام رہ گئے تھے اور چونکہ یہ امام تمام
 اپنے باپ حضرت علی شیر خدا کی طرح صاحب شجاعت تھے ان کی جانب سے
 دغدغہ لگا ہوا تھا مگر اس امام رضی عالی مقام کا خاتمہ عہد حضرت معاویہ میں مقدر
 نہ ہوا تھا اس لئے آپ کی شہادت حضرت کے صاحبزادے کے وقت میں
 واقع ہوئی۔ المختصر خاندان رسول اللہ کے گرفتار مصائب ہونے کا سبب
 قبیلہ بنی امیہ کا سر نو سے نشوونما پانا واقع ہوا ہے اگر اس کو سر نو سے
 قوت حاصل کرنے کا موقع نہ ملتا تو خاندان رسول اللہ اور بنی ہاشم کو اس
 قدر مصیبت لاحق نہ ہوتیں واقعی حضرت علی نے بڑی دورانہشی کی راہ اختیار
 کی تھی جو حضرت ابوسفیان کی مستعدی اعانت اور ترغیب وہی کی طرف
 توجہ نہ فرمائی ورنہ خاندان رسول مقبول اور بنی ہاشم کی مضرت یا بیوں کا
 الزام خود حضرت علی پر عائد ہوتا یہ بات روشن اور جوید ہے کہ اگر حضرت علی بن
 ابی طالب حضرت ابوسفیان کی امداد اور اعانت کو قبول فرما لیتے تو اس
 کے حملے میں حضرت علی کو حضرت ابوسفیان کے ساتھ بہت کچھ سلوک کرنا
 پڑتا فرد تھا کہ منصب وزارت حضرت ابوسفیان کو تفویض فرماتے جس کے
 فیصلے سے پھر قبیلہ بنی امیہ کو ثروت کی صورت پیدا ہو جاتی صاحب اختیار
 ہو کر حضرت ابوسفیان اور قبیلہ بنی امیہ وہی سب کام کرتے جو صاحب
 ثروت اور صاحب اختیار ہو کر برابر کرتے گئے البتہ خاندان رسول مقبول

اور بنی ہاشم کو حضرت ابوسفیانؓ اور قبیلہ بنی امیہ کے صاحب ثروت اور
 صاحب اختیار ہونے سے اس حالت میں کوئی ضرر نہ پہنچتا کہ جب یہ
 لوگ خاندان رسولؐ اور بنی ہاشم کے سچے دوست دار ہوتے جیسے رسولؐ
 آل رسولؐ اور بنی ہاشم کے یہ لوگ دوست دار تھے اس کی حقیقت جنگ
 حنین میں ظاہر ہو چکی تھی امرحی یہ ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ اور ان کے قبیلے
 والے ہمیشہ سے دشمن رسولؐ خدا و جمیع بنی ہاشم چلے آئے تھے۔ حضرت
 ابوسفیان نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو امداد اعانت کی مستعدی خلوص و اتحاد
 کی بنیاد پر نہیں دکھلائی تھی اس اظہارِ ہمدردی میں تمام تر ذاتی غرضیں نہال
 تھی جس کو حضرت علیؓ خوب سمجھتے تھے اس لئے حضرت نے ایسا جواب دیا
 کہ حضرت ابوسفیانؓ نے مایوس ہو کر نبل مرام کی نظر سے
 دوسری جانب رخ فرمایا اور پورے طور پر اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے
 حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ بڑے مدبر آدمی تھے حضرت نے یہ
 سوچا تھا کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کو ساتھ لے لینے میں ایک بڑی ظاہر داری
 رہ جاتی ہے مگر حضرت امیرؓ نے تمام تر بے رخی دکھلائی جس سے وہ جواب
 رسول اللہؐ کی اس کراہت کے شریک رہے جو آنحضرتؐ کو قبیلہ بنی امیہ کے
 ساتھ تھی اور ان الزامات کے عائد ہونے سے بھی محفوظ دامون رہے جو
 قبیلہ بنی امیہ کے سرلو سے اختیار و قوت حاصل کرنے کے نتائج مزید نظر آتے تھے
 ۴۵۔ آپ کے لئے آفتاب نے رجعت کی جیسا کہ حضرت یوشعؑ کی دعا پر آفتاب
 ٹھہر گیا تھا آفتاب کا دماغ حضرت یوشعؑ پر ٹھہر جانا تو بہت میں مندرج

ہے اسی طرح رجعت آفتاب بروایت صحیح ثابت ہے طحاوی کی کتاب
 کتاب مشکلات الحدیث میں بروایت اسماء بنت عمیس اور بھی کتاب
 منقحی میں یہ حدیث مندرج ہے اور جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے
 بھی اس حدیث کو اپنی کتاب ازالۃ الخفا کے مقصد دوم میں شرح و بسط
 کے ساتھ درج کیا ہے صاحب تاریخ الخمیس حسن ابن محمد ابن حسن دیار
 بکری نے بھی اسے داخل کتاب تاریخ مذکور کیا ہے اس حدیث کا منکر
 صرف ابن جوزی نظر آتا ہے ابن جوزی دوست دار شاہ ولایت مآب نہ تھا
 اس کا انکار قابل اعتبار نہیں ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر معجزہ رجعت خورد
 علی کے لگاؤ سے نہ ہوتا تو یہ شخص اس حدیث کو موضوع قرار نہیں دیتا مگر
 دشمنان حضرت علیؑ یا پیروی کے انکار سے شائبہ مرفوضی میں کچھ دھبا نہیں لگ سکتا
 رچھپے ہے کہیں خاک ڈالے سے چاند سور آفتاب آمد دلیل آفتاب ؛
 بہر حال رجعت خورد شید کا یہ معاملہ ہے کہ ایک دن رسول اللہؐ مدحی آپ ہی
 تھی اور سر مبارک رسول اللہؐ کا حضرت علیؑ کی گود میں تھا اور اتنی دیر
 تک رہا کہ غروب آفتاب ہو گیا اور حضرت علیؑ کی نماز عصر قضا ہو گئی
 جب نزول وحی ہو چکا تب جناب رسول خدا صلعم نے پوچھا کہ اے علیؑ
 تم نے نماز عصر پڑھی؟ آپ نے جواب میں عرض کیا کہ نہیں پس آنحضرت
 صلعم نے فرمایا کہ اے میرے خدا علیؑ تھا نیری اور تیرے رسول کی اطاعت
 میں پس پھیر دے تو آفتاب کو اسماء بنت عمیس جو راویہ ہیں اور یہ وہ
 راویہ ہیں جو بقول آنحضرت صلعم قطعی جنتی ہیں کہتی ہیں کہ ہم نے آفتاب

کو غروب ہو جاتے دیکھا تھا اور پھر ہم نے اسے طلوع ہوتے دیکھا اور
 اس کی روشنی زمین اور پہاڑ پر پھیلتی دکھائی دی حضرات ناظرین اس حدیث
 سے حضرت علی بن ابی طالب کا بڑا درجہ معلوم ہوتا ہے اول تو وقت نزول وحی
 سر مبارک آنحضرت صلعم کا حضرت علی کی گود میں تھا دوم یہ کہ جب آنحضرت صلعم
 نے رجعت خورشید کی دعا فرمائی تو یہ ارشاد فرمایا کہ اے میرے خدا علی
 تھا نیری اور تیرے رسول کی طاعت میں سویم یہ کہ حضرت علی کی نماز ایک ایسی اہم
 شے متصور تھی کہ اس کے واسطے رجعت خورشید ظہور میں آتی اس جگہ پر
 حضرات مسلمین کی خدمت میں گزارش ہے کہ حدیث بالا سے نماز کی بڑی
 ضرورت ظاہر ہوتی ہے جو حضرات مسلمان ہو کہ نماز کو ایک غیر قابل توجہ امر
 سمجھتے ہیں وہ اس حدیث پر نظر غور ڈالیں تب ان کو معلوم ہو گا کہ نماز
 کیا ضروری شے ہے اگر نماز کوئی ضروری شے نہ ہوتی تو پیغمبر خدا صلعم ایک
 غیر ضروری شے کے لئے رجعت خورشید کی دعا نہیں فرماتے۔ واضح ہو کہ
 اس وقت میں کچھ ایسے لوگ دیکھے جاتے ہیں کہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں
 ترکہ وغیرہ مسلمانوں کی طرح بانٹتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ معاشرت
 رکھتے ہیں اس کے ساتھ ہی نہیں ہے کہ نماز کا ہلی سے نہیں پڑھتے بلکہ نماز
 کو ایک شے حقیر اور قابل نفرت جانتے ہیں ایسے حضرات کو لازم ہے کہ
 حدیث کو بغور ملاحظہ فرمائیں تب ان کو از روئے اسلام کے پابندی
 نماز کی حاجت معلوم ہوگی اپنے کو مسلمان کہنا اور ترک نماز پر اصرار
 بچپ مضمون ہے یہ اعدا بات ہے کہ کوئی مسلمان نماز کا پابند نہیں ہے

مگر جو بالقصد تارک صلوٰۃ ہے وہ صلوٰۃ کو ایک حقیقت شے سمجھتا ہے و
 کیونکہ دعویٰ اسلام کر سکتا ہے بلاشبہ نماز کا مکلف ہر ایسا مسلمان
 ہے جو اس قدر جو اس رکھتا ہے کہ اپنے نفع و نقصان کو بچھانتا ہے اگر
 کوئی شخص دیوانہ ہے یا منکر اسلام ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو نماز کی
 فرمائش نہیں کی جاسکتی ہے مگر جو شخص اپنے کو مسلمان کہتا ہے اور اس
 اقرار کے ساتھ روٹی مکھن پلاؤ قلیبہ سماع رقص نیل عطر پان حال قال
 عرس مولود مجرا ناچ مثال دو مثالہ کوٹ پینلون گاڑی گھوڑے بنگلہ
 کوٹھی تجارت معاش اجارہ ٹھیکہ مدعی مدعا علیہ اور تمام دنیا کے امور
 کے مطلب کو سمجھتا ہے اور ان سے متمتع ہوتا ہے تو انکار صلوٰۃ کے ساتھ
 مسلمان نہیں ہو سکتا بلاشبہ ایسا شخص مرتد یا زندق ہے اور تمام تر
 دائرہ اسلام سے خارج ہے یہ تو حالت ان انخاص کی ہے جو اپنے کو
 مسلمان کہتے ہیں یا مسلمان ہونے کا دھوکا خلق خدا کو دیتے ہیں ان کے
 علاوہ ایک فرقہ ایسے لوگوں کا ہے جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے مگر معجزات
 سے انکار رکھتا ہے ایسے لوگوں کے نزدیک شتی القمر یا جمعیت نور شید
 یا جذامی کا صحت پانا وغیرہ امور غیر فطرتی متصور ہیں ایسے حضرات معجزات
 سے انکار اس بنیاد پر رکھتے ہیں کہ معاملات فطرت کے خلاف کوئی امر
 ظاہر نہیں ہو سکتا ہے یعنی خرق عادات کوئی شے نہیں حقیقت یہ
 ہے کہ ایسے حضرات بے حد تنگ چشم اور کم بین ہیں ان لوگوں نے اسی
 کو معاملہ فطرت سمجھ لیا ہے جس قدر ان کے ذہن کو ادراک کی وسعت

حاصل ہوتی ہے ان کے ادراک و فہم سے جو بات باہر ہوتی ہے وہ ان کے نزدیک داخل احاطہ فطرت نہیں ہوتی مگر اس جگہ اور معجزات انبیاء علیہم السلام کو چھوڑ کر صرف رجعت خود شدید کو محبت گردانتا ہوں حضرت ناظرین راقم کی تقریر ذیل پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں۔

معجزات حضرات انبیاء علیہم السلام کی نسبت منکرین معجزات برابر یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ معجزہ کوئی شے نہیں ہے اس واسطے کہ معجزہ ایک امر غیر فطرتی یعنی خلاف نیچر ہے پس جو امر غیر فطرتی یا خلاف نیچر ہوتا ہے ظہور پذیر نہیں ہو سکتا ظاہر یہ قول ایک غیر یا خبر سامع کو قرین پذیرائی معلوم ہوتا ہے مگر یہ قول قلت تدبر سے خبر دینا ہے جیسا کہ عند تحقیق ثابت ہوتا ہے۔ جانتا چاہئے کہ قول تب ہی صحیح سمجھا جا سکتا ہے جب تک معجزات حضرت انبیاء علیہم السلام کے محالات عقلیہ سے مان نہ لئے جائیں ظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرات منکرین نے معجزات انبیاء کو محالات عقلیہ سے سمجھ لیا ہے حالانکہ جتنے معجزے انبیاء کے درج کتب ہیں وہ بلا استثنائے احدے سب کے سب امکانی پہلو رکھتے ہیں ایک بھی ان سے ایسا نظر نہیں آتا ہے کہ محال عقلی کا حکم رکھتا ہو فقیر کی اطلاع میں کسی نبی کی طرف کوئی ایسا معجزہ منسوب نہیں کیا گیا ہے جس کے ممکن وقوع ہونے میں کسی معقولی کو غدر ہو سکتا ہے البتہ جتنے معجزے بیان کئے گئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان کے وقوع ہم لوگوں کے ہر روز کے تجربہ فطرت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں لیکن

محالات عقلیہ کا حکم نہیں رکھتے حضرات انبیاء کے معجزے کتابوں میں پڑھے
 جاتے ہیں ایک بھی ان سے ایسا نہیں ہے کہ ہندسہ کے علوم متعارف یا دیگر
 مقدمات یقینیہ یا اولیات کے خلاف ہو مثلاً کوئی معجزہ ایسا نہیں بیان کیا
 جاتا ہے نلاں ہی نے کل سے جز کو اعظم کر کے دکھایا ہے لاریب کسی نبی
 سے محالات عقلیہ کے خلاف کوئی معجزہ ظہور میں نہیں آیا ہے اور نہ ایسا کوئی
 معجزہ سنا جاتا ہے جس کے وقوع سے کسی مفہم یقینیہ کے وجوب و کلیت
 میں ذرا بھی فساد لاحق ہوا ہو ایسی صورت میں حضرات نچریہ کا انکار معجزہ پر
 اصرار اگر قلت تدبیر نہیں ہے تو کیا ہے اب ہم معجزہ رجعت خورشیدی کی نسبت
 یہ عرض کرتے ہیں کہ یہ معجزہ محالات عقلیہ سے کیونکہ ترار دیا جا سکتا ہے کوئی منکر
 معجزہ ہمیں بتا دے کہ یہ معجزہ ہندسہ کے کس علوم متعارف یا کس مفہم یقینیہ کے
 خلاف پایا جاتا ہے اس معجزے میں سوا امکانی پہلو کے وجوب کا پہلو نظری
 نہیں آتا ہے البتہ جو کچھ اس معجزے کے خلاف میں کہا جا سکتا ہے وہ اس قدر
 اس کا وقوع روزانہ کے معاملہ فطرت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا
 ہے یعنی جس قدر منکر کو معاملہ فطرت کا تجربہ حاصل ہے اسکے خلاف اس معجزہ کا وقوع
 معلوم ہوتا ہے لیکن اگر استدراجی معجزات تجربہ برائے منکرین کے خلاف نہ ہوا کرتے تو
 یہ معجزات معجزات کیوں کہلاتے حضرات ناظرین غور فرمایں کہ رجعت خورشیدی
 کی نسبت جو کچھ اعتراض منکرین معجزات وار ذکر سکتے ہیں وہ اس قدر ہے کہ ہم
 لوگ ہر روز آفتاب کو ڈرتے دیکھتے ہیں مگر اسے رجعت کرتے نہیں
 دیکھتے اور چونکہ یہ بات خلاف فطرت ہے۔ اس لئے ایسا

کوئی معجزہ پیغمبر خدا صلعم سے ظہور میں نہیں آیا تھا ایسے اعتراض سے ظاہر ہے
 کہ مغرب زمین نے اسے بالہ کے قائم کرنے کے وقت محول و ممکن کے فرق
 کو ملحوظ نہیں رکھا تھا ورنہ نہ ہمارا ایسی غیر معقولانہ رائے قائم نہیں کرتے جہاں
 لحاظ ہے کہ آفتاب کا ڈوب کر رجعت کرنا یا آفتاب کا ٹھہر جانا یا آفتاب
 کا مشرق کے عوض مغرب سے طلوع کرنا وغیرہ محالات عقیدہ سے نہیں
 ہے یہ بخوبی ممکن ہے کہ کسی خاص سبب سے آفتاب ڈوب کر رجعت
 کرے یا ایک جگہ کسی وقت تک ٹھہر جائے یا مشرق کے عوض مغرب سے
 طالع ہو۔ ایسے وقوع نہ ہمارا احاطہ امکان سے باہر نہیں ہیں ایسے وقوع ہم لوگوں
 کے لئے حیرت انگیز اس لئے معلوم ہوتے ہیں کہ ہم لوگ اپنے تجربے کے احاطہ
 تک کے اندر ایسے وقوع سے اطلاع نہیں رکھتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ
 اگر ہم کسی شخص سے جو علم الافلاک سے خبر نہیں رکھتا ہے یہ کہیں کہ چار ہزار برس
 پہلے ہوتا وہ اس وقت ہم لوگوں کا قطب شمالی ہے قطب شمالی نہ تھا اس وقت
 کا قطب شمالی وہ تھا جس کا نام تھین بن (Thyn) ہے تو وہ ہمارے
 اس قول کو اپنے تجربہ ذاتی کی بنیاد پر صحیح نہیں مانے گا اسی طرح سیکنڈوں
 انقلابات سماوی کی نظیریں پیش کی جاسکتی ہیں جن کے سامنے آفتاب کا رجعت
 کرنا یا آفتاب کا ٹھہر جانا یا آفتاب کا مشرق کے عوض مغرب سے طلوع کرنا
 کوئی شے ہی نہیں ہے خدا جلنے دنیا کب سے ہے مگر جس قدر صرف چار ہزار
 برس کے اندر کے انقلابات سماوی ظہور میں آئے ہیں وہ کیا کم حیرت افزا ہیں
 یہ سب انقلابات شکل امکان رکھتے ہیں ان کو محالات عقیدہ سے وہی سمجھ گنج بو

محال و ممکن کی تمیز نہیں رکھتا ہوگا پس حضرات منکرین کا رجعت خورشید سے انکار کوئی معقول پیرایہ نہیں رکھتا ہے اس سبب سے عالی نظروں کے قابل توجہ بھی نہیں ہے اسی منوال پر دیگر معجزات انبیاء علیہم السلام کو بھی قیاس کرنا چاہیے اور جاننا چاہئے کہ جتنے معجزات ظہور میں آئے ہیں و احاطہ امکان سے باہر تھے اس لئے وہ سب خلاف فطرت بھی نہیں کہے جا سکتے ہیں البتہ معترضین کے احاطہ تجربہ کے اندر ان کی گنجائش نہیں دیکھی جاتی ہے مگر یہ امر خود تقاضائے معجزہ کے مطابق ہے کس واسطے کہ اگر معجزات کو ایسی گنجائش ہوتی تو معجزہ معجزہ نہ ہوتا۔

۵۵۔ آپ کو اسد اللہ یعنی شیر خدا اور ید اللہ کا خطاب ملا اس امتیاز کے حاصل ہونے کی یہ صورت ہوئی کہ شب معراج آنحضرت صلعم نے ایک مقام پر ایک شیر دیکھا حضرت نے اپنی انگشتی اس شیر کے منہ میں ڈال دی پھر مقام قلاب قدسیں پر شیر برنج کھانے میں جب ایک ہاتھ خدا نے تعالیٰ کی طرف سے نمایاں ہوا تو وہی انگشتی اس ہاتھ میں موجود تھی جب سحر شب معراج کو حضرت نے حضرت علی کو دیکھا تو وہی انگشتی دست علی میں دیکھی اس لئے آپ کا لقب ید اللہ اور شیر خدا قرار پایا تنگ چشم اس واقعے سے چشم پوشی کریں تو کریں مگر حضرت علی کے ید اللہ اور شیر خدا کے لقب ہونے کی وجہ یہی ہوئی ہے جو حوالہ رقم کی گئی۔

عربی فارسی اور اردو کے لٹریچر میں یہ ہر دو لقب امیر المومنین کے اکثر دیکھے جاتے ہیں کچھ نہیں تو ان زبانوں کے لٹریچر کے تقاضوں کے خیال سے بھی اس کی توجیہ قابل توجہ ہے جناب شاہ نیاز صاحب فرماتے ہیں

زبہ عن رسول اللہ بوتراب فخر انسانی علی مرتضیٰ مشکک الشاہ شیر نبوتی

استاد ناسخ کا شعر ہے

بیعتِ خدا سے ہے مجھ بے واسطہ نصیب دستِ خدا ہے نام مرے دستگیر کا
۵۶۔ آپ کو حکمِ خدا آنحضرت صلعم نے خرقہ معراج عنایت فرمایا اس خرقے کے
مرحمت ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ صفتِ ستاری میں بیکتا تھے اس صفت کے
میلے میں اس خلوت سے آپ سرفراز فرمائے گئے۔ مؤلف

خدا کیونکہ نہ دیتا خرقہ معراج حضرت کو گنہگاروں کے عیبوں کو ہمیشہ اپنے دل انکا
۵۷۔ شب معراج میں آنحضرت صلعم نے عرض پر لکھا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد
رسول اللہ داہد فاعلی یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں محمد خدا کے رسول
میں اور محمد کے مددگار علی ہیں شیخ

ناسخ فرماتے ہیں

آج مولد ہے جناب حیدر کرار کا ہو گیا بازو زبرد دست احمد مختار کا
جناب شمس العلماء مولانا محمد سعید صاحب عظیم آبادی نور اللہ مرقدہ کا مطلع ہے
جو برصرت عیاں از تیغِ ابروئے علی شد قومی دین بنی از زربازوئے علی
(۵۸) آپ تامل قول سلونی تھے۔ لاجا می شو اب میں لکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے ایک
خطبہ میں فرمایا کہ جس کا جو جی چاہے سوائے عرش کی بات نہ کرے مجھ سے
پوچھے میرے بیٹے میں علم کثیر ہے اس لعاب دہن رسول اللہ کی
بدولت جسے ہم نے ڈالنے کیا تھا۔

(۵۹) آپ نے فرمایا کہ ہم بندہ خدا برادر رسول خدا اور وارث رسول
خدا ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ہم ناکح سیدۃ النساءینت رسول اللہ اور سید اللادھیاء

اور خاتم الابدیہ میں اور ہم وہ ہیں کہ ہمارے سوا جو ان فضائل کا دعویٰ کرے
اس کو خدائے تعالیٰ مبتلا سے بلا کر یگا کذا فی الشواہد

۶۰۔ آپ نے ایک دیر کے قریب چشمہ نکالا اس پر دیر کے راہب نے
آپ سے پوچھا کہ آپ نبی یا فرشتہ ہیں آپ نے جواب دیا کہ میں وصی پیغمبر
آسمان زمان کا ہوں تب اس راہب نے ایمان لاکر یہ کلمہ پڑھا اشھدان لا الہ
اللہ و اشھدان محمد رسول اللہ و اشھدان علی وصی رسول اللہ
یہ بھی حضرت جامی کی شواہد میں مندرج ہیں۔

۶۱۔ آپ کا وصی رسول اللہ ہونا حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے قول سے
بھی ثابت ہے۔ **رباعی** علیٰ حَبِیْبِہٖ جَنَّةٌ ۚ قَسِیْمُ النَّارِ وَالْجَنَّةِ ۚ
وَصِیٌّ مِّنْ عَطْفِیْ حَقًّا ۚ اِمَامُ الْاِسْنِ وَالْجَنَّةِ ۚ

۶۲۔ آپ راہ ہدایت بتا بیروالے اور گمراہی سے بچانے والے ہیں۔ حاکم نے
کتاب مستدرک میں زید ابن ارقم سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ
لَمْ یُرِدْ اَنْ یُّخِیِّجِہِ اَتِی وَ یَمُوْتِ عَمَّائِیْ وَ یَسْکُنُ جَنَّةَ الْاَخْلَادِ اَللّٰہِیْ
عَدَنِیْ رَبِّیْ فَلَیْسَ لَیْکَ عَلَیْ اَبْنِ اَبِی طَالِبٍ فَاِنَّہٗ لَنْ یُّخِیِّجَکُمْ مِنْ ہُدٰی
وَلَوْ یُدْخِلُکُمْ فِیْ ضَلٰلٍ یعنی جو شخص چاہے جینا ہمارے جینے کے ساتھ
اور مرنا ہمارے مرنے کے ساتھ اور رہنا اس بہشت میں کہ جس کا وعدہ
مجھ سے میرے رب نے کیا ہے تو چاہئے اس کو کہ تو لا کرے علی بن ابی طالب
سے کہ وہ تم کو نہ نکالے گا ہدایت سے اور نہ داخل کرے گا گمراہی میں۔

۶۳۔ آپ کا دوست رکھنے والا بہشتی اور آپ کا بھٹانے والا جہنمی ہے۔

حاکم مستدرک میں عمار بن یاسر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے
 حضرت علی سے فرمایا یا علی طوبیٰ لمن احبک وصدق قیام وویل لمن بغضک
 ۶۳ - آپ کی نسبت رسول اللہ کو وحی ہوئی کہ سید المؤمنین اور امام المتقین
 اور قائد الغر المحجلین ہیں عبداللہ ابن عباس اپنے باپ سے روایت کرتے
 ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا اوحی الی فی علی ثلاث انه سید المؤمنین وامنہ
 المتقین وقائد الغر المحجلین

۶۵ - آپ کا منہ دیکھنا عبادت سے مستدرک میں حاکم عبداللہ بن مسعود سے
 روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا النظر الی وجه علی عبادة
 ۶۶ - آپ بروز قیامت حامل لواء الحمد ہوں گے اور تمام انبیاء اس کے
 نیچے ہو کر چلیں گے اور وہ لواء آپ کے سر پہ تاج کی طرح چمکیگا۔ دیکھو کتاب
 معارج النبوت۔

۶۷ - آپ کو گالی دینی رسول اللہ کو گالی دینی ہے کتاب مشکوٰۃ المصابیح کے باب
 مناقب علی میں یہ روایت اُم سلمہ یہ حدیث مندرج ہے قالت قال رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم من سب علیاً فقد سب نبی رواہ احمد۔ واضح ہو کہ شخص ناقص
 کو ایسی حدیث کے سنتے سے وحشت کا پیدا ہونا اختلاف توقع نہیں ہے یعنی
 وہ ضرور خیال کر سکتا ہے کہ علی ایسے آدمی کو جو بہ نفس نفیس ایک قابل احترام
 اور واجب عزت آدمی تھے اور بھی ایک قریب رشتہ مندر رسول کے تھے
 گوئی کیوں گالی دینے لگا مگر حقیقت حال یہ ہے کہ ایک مدت دراز تک حضرت
 علیؑ مور و کعنہ و دننام رہے ہیں رسول اللہ صلعم کو پریشیت رسول ضرور اس

امر کی اطلاع تھی کہ لوگ حضرت علیؑ کو گالیاں دیں گے اس واسطے ایسا قول ارشاد فرمائے
 ظاہر ہے کہ عہد رسول اللہ میں کسی کو اس قدر جرات کہاں تھی کہ حضرت علیؑ کو گالی دے
 سکتا اور امر واقعی بھی یہی ہے کہ سب دشمن آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ظہور
 میں آئے۔ سب علیؑ کے موجد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے حضرت
 ممدوح صرف خود ہی نہیں سب علیؑ فرماتے تھے بلکہ دو سروں کو بھی اس کا پتھر
 پر نادگی دلاتے تھے چنانچہ حضرت ممدوح کی تبعیعت میں اس دشنام دہی کا طریقہ
 خوب جاری ہوا اور کیوں نہ جاری ہوتا جب حضرت ممدوح اپنے عہد کے
 امیر المؤمنین اور خلیفہ برحق تھے حضرت امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کو حضرت علیؑ کے سب پر اس قدر اصرار تھا کہ حسب تحریرہ الباقیہ او دیگر مصنفین
 جب امام حسن علیہ السلام تھے حضرت ممدوح کو نامہ صلح لکھا تو منملہ اور شرط کے
 یہ شرط بھی حوالہ قلم کی کہ حضرت علیؑ کو بُرا نہ کہا کرے مگر حضرت امیر المؤمنین معاویہ
 رضی اللہ تعالیٰ نے اس شرط کو قابل پذیرائی نہ سمجھا تا چار نب امام حسن علیہ السلام
 نے یہ کہا کہ جس مجلس میں مجھ کو پاؤ میرے سامنے حضرت علیؑ کو گالی نہ دو بہر کیف
 یہ شرط قبول ہوئی خیر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو رائے شریف ہو
 رسول اللہ صلعم حضرت علیؑ کی دشنام دہی کو عین اپنی دشنام دہی سمجھتے تھے جیسا کہ
 بالا میں حوالہ قلم ہوا۔

۷۸ - آپ ہمیشہ مورد مراحم نبویؐ رہے مگر مواقع ذیل میں حضرت رسول خدا
 نے خاص طور پر آپ کی عزت بخشی فرمائی اور ایسے الفاظ استعمال فرمائے جن سے
 آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری جمیع مومنین پر فرض نظر آتی ہے۔

وہی ہے اور میرا وارث ہے اور میرا خلیفہ ہے میرے گھر میں اور میری امت میں اور میرے بعد میرے دین کو چلائے گا اور کوئی شخص ادا سے حق مجھ سے نہ کرے گا۔ انا علی۔ اس معاذ بن جبل کو شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ازالۃ الخفا میں ذکر فرمایا ہے۔

موقع ۵: ایک بار آنحضرت صلعم نے حضرت علی کو سردار عرب فرمایا چنانچہ مستدرک میں بروایت حضرت عائشہؓ حدیث ذیل مندرج ہے اور ازالۃ الخفا میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہم اذ عنونی سید العرب فقلت یا رسول اللہ المدت سید العرب قال انا سید ولد آدم وعلی سید العرب ترجمہ :- حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ سردار عرب کو میرے پاس بلاؤ تو میں نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ سردار عرب نہیں ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں سردار اولاد آدم ہوں اور علی سردار عرب ہے۔

موقع ۶: پیغمبر خدا صلعم نے آپ کو سید المؤمنین و امام المنتقین و قائد الغر المحجلین فرمایا یہ نقاب آپ کے لئے مختص ہیں۔

موقع ۷: پیغمبر خدا صلعم نے آپ کو یہ فرمایا کہ تو میرے بعد ہر مومن اور مومنہ کا امام و سردار ہے ازالۃ الخفا میں یہ حدیث بروایت حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ مندرج ہے اور وہ حدیث یہ ہے قال لہ (ای علی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نانتا ولی کل مومن من بعدی و مومنۃ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں ولی کے معنی سوا سردار اور امام کے دوست

ناصر محبوب وغیرہ ہو ہی نہیں سکتے۔ اس واسطے کہ من بعدی کا لفظ ان میں سے کسی معنی کا تحمل نہیں ہو سکتا۔

موقع ۸ :- ایک بڑے مجمع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب نیت دل دہی یہ فرمایا کہ کسی کا دروازہ مسجد نہوٹی میں سو اسے مرتضیٰ کے دروازے کے کھلا نہیں رہے اس کی تعمیل کی گئی اور یہ امر بہت اشخاص کے لئے موجب حسد ہوا۔ کتاب جناب القلوب میں یہ قصہ مندرج ہے اور اس کی حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! یہ مسجد میرے اور تیرے سوا کسی شخص جناب پر حلال نہیں ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال اس طرح دی کہ حکم خداوندی صادر ہوا کہ اے موسیٰ تو ایک مسجد پاک بنا اور اس میں ... سوا تیرے اور ہارون اور پسران ہارون کے کوئی شخص ساکن نہ ہو۔

موقع ۹ :- پیغمبر خدا نے ایک بار جناب امیر کو اپنا نائب اور قائم مقام اس طرح مقرر فرمایا کہ آپ کے سر پر دستار اپنے دست مبارک سے باندھی پھر آپ کو اپنے شتر پر سوار کر کے گنا کی جانب روانہ فرمایا اور وقت روانگی یہ ارشاد زبان مبارک پر لائے کہ اگر ایک شخص بھی علی مرتضیٰ کے ہاتھ پر ایمان لائے گا تو وہ دنیا و ما فیہا سے افضل ہوگا اس کے ساتھ آنحضرت نے یہ دعا بھی بحق علی مرتضیٰ فرمائی کہ اللہم تبت لسانہ واحد قلبہ اور آپ کی منقبت میں افضا کر علیٰ ارشاد فرمایا دیکھو جناب شیخ عبدالحق صاحب دہلوی کی مدارج النبوة جلد دوم صفحہ ۲۲۹ و ۲۳۰۔

موقع ۱۰: جب ملک یمن کے غنائم کی نسبت حضرت خالد بن ولید نے

لوگوں کو ترغیب دے کر شکایت علی کی نظر سے رسول خدا کے پاس بھیجا تو غصے

سے آنحضرت صلعم کا چہرہ رخ ہو گیا صاحب مدارج النبوة لکھتے ہیں کہ

اس وقت آنحضرت نے فرمایا کہ علی کی شان میں گمان بد نہ کرنا اس لئے کہ وہ

مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ ولی تمہارا ہے جس شخص کے ہم

مولا ہیں اس کا علی مولا ہے۔ ولی اور مولا سے صاف صاف مراد حاکم ہے۔ یعنی

اس کے حکم میں کسی مسلمان کو سزا بی نہیں چاہئے کس واسطے کہ جیسے ہم تم

لوگوں کے حاکم ہیں ویسا ہی علی تم لوگوں کا حاکم ہے پس مال غنائم کی تقسیم میں

اس کا جو حکم ہے تم لوگوں کو اس کے حکم میں شکایت کی مجال نہیں ہے۔

موقع ۱۱: جب رسول خدا صلعم تبوک کو تشریف لے جانے لگے تو آنحضرت صلعم نے جناب ابوبکر

اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر فرمایا حضرت علی کے واسطے یہ امر نہایت موجب غم و ماتم و ناخوشی

نے عداوت سے مشہور کرنا چاہا کہ رسول خدا صلعم کو آپ کی طرف سے کہدورت

لاحق ہو گئی ہے اس لئے آپ کو مدینہ میں چھوڑ کر تبوک کو تشریف فرما ہونے

میں حضرت علی نے بحضور رسول خدا عرض کی کہ حضور مجھے بچوں اور عورتوں پر

خلیفہ مقرر فرماتے ہیں حالانکہ میں نے پانچ لڑائیوں میں کبھی تغلف نہیں کیا۔ اس پر

رسول اللہ نے حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ کی مثال دی اور فرمایا کہ تم میرے

نزدیک ایسے ہو جیسا کہ ہارون موسیٰ کے لئے تھے اور یہ مثال اس فقرے پر مبنی

ہے کہ جب حضرت موسیٰ میقات پر تشریف لے گئے تھے تو حضرت ہارون

کو اپنا خلیفہ مقرر کر گئے اس فقرے کے متعلق جو حدیث ہے وہ ذیل میں عرض کی

جاتی ہے۔ اخرج البخاری عن مصعب بن سعد عن ابیہ ان رسول اللہ صلعم
 خرج الی بنو نضہ واستخلف علیہا فقال اتخلفنی فی الصبیان والنساء قال الا
 ترضی ان تكون منی عینزلہ ہارون من موسی الا انه لیسرنی بعدی شیخ
 عبدالحق محدث دہلوی بھی مدارج النبوة میں اس حدیث کو صحیح بخاری
 اور صحیح مسلم سے داخل کرتے ہیں لاریب یہ حدیث حضرت علی مرتضیٰ کے بڑے
 علم و مرتبہ سے خبر دیتی ہے مگر جو معاندین علی ہیں اور جو تنقیص شان مرتضوی
 میں کوشاں رہتے ہیں ان کا قول ہے کہ اس حدیث سے کوئی خاص عزت
 شاہ ولایت مآب کی ثابت نہیں ہوتی ہے اس واسطے کہ رسول خدا صلعم
 نے آپ کو اپنے اہل و عیال پر خلیفہ مقرر فرمایا تھا عام اہل مدینہ پر خلیفہ نہیں
 مقرر فرمایا تھا اول تو اہل عناد کا یہ قول خود ہی لغو ہے اس واسطے کہ رسول
 اللہ صلب نرون اور حضرت موسیٰ کی مثال بیان فرمائی تو آپ کا جمیع اہل مدینہ پر
 خلیفہ ہونا ظاہر ہو گیا و تم یہ کہ جب آپ اہل و عیال رسول اللہ پر خلیفہ بنائے
 گئے تو عوام اہل مدینہ کیلئے ہیں جن پر آپ کے خلیفہ مانے جانے میں کوئی

عذر کیا جاسکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ معاندین کے خیال میں اہل و عیال
 رسول اللہ صلب نرون اہل مدینہ سے افضل و اشرف نہ سمجھے تھے ہی تو ایسی ننگری عذر
 دانی پیش کی جاتی ہے۔ سبحان اللہ کیا اہل بیت و عترت رسول اللہ کی قدر
 دانی ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ تعصب آدمی کو اندھا کر دیتا
 ہے۔ اللہم اصفح عننا من ذنوبنا۔

موقع ۱۲ :- سنہ ہجری میں جناب رسول خدا صلعم نے عناد کی شراب

کہ آنحضرت صلعم حج کو تشریف لائے جانے کو ہیں جس شخص کو شریک حج ہونا منظور
 ہو مدینہ میں آئے اور ہم رکاب جناب رسالت مآب کے چلے بہ خیر یا کہ ہزاروں
 آدمی قبائل عرب سے حاضر ہو گئے اور رسول خدا صلعم ایک مجمع کثیر کے ساتھ
 مکہ معظمہ کو تشریف لائے فرما ہوئے جناب امیر یمن میں تھے آپ بھی اس ملک
 سے روانہ ہو کر مکہ میں رسول خدا صلعم کے حضور میں پہنچے حضرت رسول خدا
 نے مناسک حج ادا فرمائے ایک خطبہ بھی نہایت فصاحت و بلاغت کے
 ساتھ پڑھا اس خطبے میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اب وفات میری بہت نزدیک
 ہے اور قریب ہے کہ فرستادہ خدا آئے عزوجل آئے اور میں بسینٹ کہوں
 پس میں اپنے بعد تم لوگوں میں دو چیز عالی قدر چھوڑتا ہوں کہ وہ ایک وہ ہے
 سے بڑی ہیں اور وہ آپس سے جدا نہ ہوں گی تا وقتیکہ حوض کوثر پر میرے پاس
 پہنچیں اگر تم لوگ ان کی پیروی کرو گے اور ان کے ساتھ متمسک ہو گے
 تو ہرگز گمراہی میں نہ پڑو گے اور وہ دو چیز عالی قدر قرآن مجید اور میرے طبیعت
 میں ترمذی جاہل سے جو حدیث روایت کرتے ہیں وہ یہ ہے عن جابر قال اذ
 رسول اللہ صلعم فی حجة یوم العرصة وهو علی ناقۃ القمصوی یخطب تسمعتہ
 یقول یا ایھا الناس انی ترکت فیکم ما ازخدتکم بہ لو تفضلوا کتاب اللہ
 وعتت فی یعنی حضرت جابر روایات کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ کو حج میں
 بہ وز عرفہ در حالیکہ آنحضرت اپنی اونٹنی فصویٰ پر سوار تھے اور خطبہ فرما
 رہے تھے پس ہم نے رسول خدا صلعم کو یہ کہتے سنا کہ اسے لوگوں ہم نے
 یہ تحقیق تم لوگوں میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو پکڑو گے تو ہرگز

گمراہ نہ ہو، گے یعنی قرآن اور میرے اہل بیت پر حدیث سعد ابن وقاص سے بھی مروی ہے اور تحفہ اثنا عشریہ میں بھی جناب شاہ عبدالعزیز صاحب اس حدیث کو اس طرز پر مندرج فرماتے ہیں۔ ان تراجم فیکم التقلین ان تمسکتہم بالزنا تفضلوا بعدی احدہما اعظم من الاخر کتاب اللہ وعسنتی اسی طرح جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ازالۃ الخفا میں اس حدیث کو درج کیا ہے اور یہ حدیث صحیح و متواتر ہے اور کسی کو اس حدیث کی صحت میں جانے لگتا نہیں ہے بہر حال جب حج سے رسول خدا نے فریخت پائی تو آنحضرتؐ نے مدینہ کو معاودت فرمائی راہ میں جس وقت مقام خم غدیر کو پہنچے کہ ذی الحجہ کی اٹھارہ تیس تاریخ تھی اور ظہر کا وقت تھا جبریل امین یہ خطاب رب العزت سے لائے یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیہ من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالہ واللہ یعصمک من الناس یعنی اسے رسولؐ پہنچا دے اس پیغام کو جو نازل کیا گیا ہے تیری طرف تیرے رب کی جانب سے پس اگر تو یہ نہیں کرتا ہے تو گویا ہماری رسالت کی تبلیغ نہیں کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ کو آدمیوں کے شر و فساد سے محفوظ رکھے اس وحی کے نازل ہونے پر آنحضرتؐ صلعم و علیؑ بیٹھ گئے اور لوگوں کو مروی سے مجتمع فرمایا۔ چنانچا ہے کہ خم غدیر ایک ایسا مقام ہے کہ یہاں سے مختلف راہیں نکلی ہیں جب معاودت کے وقت رسول اللہ صلعم کے سہرا بیان حج یہاں پہنچے تو بہت سے لوگ مختلف راہوں سے اپنے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے تھے پس رسول اللہ نے ان لوگوں کو بلانے کے

واسطے آدمی بھیجے جب گئے ہوئے لوگ واپس آچکے اور بھی جو لوگ پیچھے
 گئے تھے رسول خدا سے آئے نبی آنحضرت نے نماز پڑھی اور چار کجاہوں
 کا منبر بنایا اور اس پر چڑھ کر سنت زہرا آدمی کی طرف خطاب کر کے فرمایا
 ۱۰ السنت تعلمون انی ادلی بالمومنین من انفسلم یعنی آیا تم نہیں جانتے
 کہ میں بہتر دوست تہذیب و تمدن دیکھتا ہوں کہ ہوں ذات مومنان سے تمہیں
 نے جواب میں عرض کیا۔ یللی صاحب دارج النبوة اس قول نبوی کے یہ
 معنی بنتے ہیں کہ میں مومنوں کو کوئی حکم ایسا نہیں دیتا کہ جو ان کی صلاح
 و نجات و خیریت دنیا و آخرت کے خلاف ہو بخلاف ان کے نفوس کے کہ
 ان سے کبھی شر و فساد کا بھی احتمال ہے بعد ازاں آنحضرت نے فرمایا کہ میں
 تم لوگوں میں دو امر عظیم چھوڑے جاتا ہوں کہ ایک ان میں سے وہ سرے
 سے بزرگ تر ہے اور وہ قرآن و اہل بیت ہیں ان سے خبردار رہنا اور دیکھنا
 کہ ان کے ساتھ تم کیا سلوک کرتے ہو اور ان کے حقوق کس طرح ادا کرتے

ہو اور یہ دونوں امر میرے بعد ایک دوسرے سے برگزیدہ نہ ہونگے یہاں تک
 کہ وہ جتنے جوش کوثر پہنچیں۔ اسکے بعد آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرا مولا
 خدا سے اور میں تمام مومنین کا مولا ہوں۔ اسکے بعد دستِ علی کو پکڑ کر فرمایا۔
 اللهم من كنت مولاهُ فعلى مولاهُ اللهم وال من والاه و عاد
 من عاد الا و الله من نصه و اخذل من خذله و دار الحق حبيبه
 دار۔ یعنی اے خدا میرے جیسا مولیٰ میں ہوں۔ پس اس کا مولیٰ علی ہے۔
 اے اللہ میرے تو دوست رکھ اسکو جو دوست رکھے علی کو اور تو

دشمن ہو اس کا جو دشمن ہو علی کا اور تو مددگار ہو اس کا جو مددگار ہو علی کا
 اور تو چھوڑ اس کو جو علی کو پھوڑے اور پھر حق کو ساتھ علی کے جس طرف وہ
 پھرے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر کو ایک خط میں بیٹھے
 کے واسطے حکم دیا کہ مومنین آپ کو مولائے مومنین ہونے کی مبارک باد دیں
 چنانچہ ازواج مطہرات نے آپ کے پیچھے جا کر آپ کو مبارک باد دی اور
 حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پر زور لفظوں سے مبارک باد فرمائی
 مَخْلُوعًا يَا ابَا الْحَسَنِ لَعَلَّهَا صَحَّتْ مَوْلَانِي وَمَوْلَا حُلِّ مَوْمِنٍ وَمَوْمِنَةٍ اِنْ
 خَطِيئَةٌ غَدِيرَةَ كَمَا بَعْدَ آيَةِ نَزَلَتْ بِهِيَ اَلْيَوْمِ اَتَمَلَّتْ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ
 اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَفَعْتُ لَكُمْ الْاَسْلَامَ دِينًا اِنِّي اِنِّي اِنِّي اِنِّي اِنِّي اِنِّي اِنِّي
 کامل کیا میں نے دین تمہارا اور تمام کی تم پر اپنی نعمت اور راضی ہوا میں
 واسطے تمہارے دین اسلام سے۔ امام احمد بن حنبل جو ائمہ اربعہ اہل سنت
 سے ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ بعد نازل ہونے آیت الیوم اکملت لکم دینکم
 دینکم کے رسول اللہ نے فرمایا۔ الحمد لله على الكمال الدين واتقوا
 نعمته ورضايه برسالتى دو کابیت علی بن جدی یہ قصہ غم غدیر کا
 حبیب السیر میں بھی مندرج ہے یہ تاریخ فارسی زبان میں ہے معمولی
 حیثیت کا آدمی بھی اس کو خود دیکھ سکتا ہے واضح ہو کہ اس قصہ غدیر
 کو صحابیوں کی ایک جماعت کثیرا ورتا بعین اور محدثین کے ایک گروہ
 غیر نے روایت کی ہے اہل بائی سو علمائے شافعی نے بھی حدیث غم غدیر
 کو حوالہ قلم کیا ہے محمد ان کے علامہ مغربی نے ایک نہایت خوب فیض

تہنیتِ نعمِ غدیر کا منقبتِ علی مرتضیٰ میں تصنیف فرمایا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے
 اوضہ بالتاویل ما کان مشکلاً علیٰ بعالم نالہ بالوصیۃ
 المختصرہ معاملہ غدیر کا تاریخ اسلام میں بہت کچھ ممتاز صعدت نظر آتا ہے اور
 جو اس کے تمام اجزاء پر غور کیجئے تو ایک بڑے اہم امر سے خبر دیتا ہے ایسا
 معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلعم نے اپنے بعد کا کوئی ضروری انتظام خود اپنے
 حینِ حیات میں انجام کرنا چاہا تھا اور نہ یہاں تک بڑے اہتمام سے ایک ایسے
 مہم ملی امر کو مرا د نہیں رکھا تھا کہ جس سے اسی قدر ظاہر ہو کہ علیٰ ناصر اور
 دوستانہ مومنین کے ہیں جیسا کہ شیخ ابن حجر وغیرہ کا قول ہے ارباب الصاف
 ملا حفظہ فرماتے ہیں کہ اگر رسول اللہ کو اسی قدر بیان کرنا منظور ہوتا کہ علیٰ ناصر اور
 دوستانہ مومنین ہیں اور ان کے حاکم اور ان کے منصرف بہ امدادیتاؤن
 نہیں ہیں تو اس کی کیا ضرورت تھی کہ خدا سے تعالیٰ بذریعہ وحی کے رسول
 اللہ سے اس موکدانہ طور پر خطاب فرماتا کہ اے رسول پہنچا دے اس پیغام
 کو جو نازل کیا گیا ہے تیری طرف تیرے رب کی جانب سے پس اگر تو یہ نہیں
 کہتا ہے تو گو یا میری رسالت کی تبلیغ نہیں کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ کو
 آدمیوں کے شر و فساد سے محفوظ رکھے گا یہاں یہ جو آیت د اللہ صمد
 بھی قابل لحاظ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم اہل شر و فساد و منافقین
 وغیرہ سے مطمئن نہ تھے اور ان کی طرف سے فساد کا احتمال غالب تھا اس
 لئے اللہ تعالیٰ انحضرتؐ سے وعدہ حفاظت فرماتا ہے پھر اس آیت کے
 نازل ہوتے ہی انحضرتؐ کیوں اس طرح مہربانانہ حج کو جمع فرماتے اور

پالان شتر سے منبر بنا کر اس پر بیٹھتے اور ان سے یہ سوال فرماتے کہ آیا ہم تم
 لوگوں سے اندر دے تمہارے نفسوں کے اچھے یا نزدیک تیرا دوست تہ
 میں پھر ان سے جواب میں قول جلی پا کر کتاب اللہ اور اپنی عزت کے متمسک
 ہونے کی تاکید فرماتے پھر خدا کو اپنا مولیٰ اور اپنے کو تمام مومنین کا مولا بنا کر
 دست علیٰ کو پکڑتے اور یہ ارشاد فرماتے کہ اے خدا میرے جس کا مولا میں
 ہوں پس اس کا مولیٰ علیؑ ہے اے اللہ میرے تو دوست رکھے اس کو جو دوست
 رکھے علیؑ کو اور تو دشمن ہو اس کا جو دشمن ہو علیؑ کا اور تو مددگار ہو اس کا جو مددگار
 ہو علیؑ کا اور تو چھوڑ اس کو جو چھوڑے علیؑ کو اور تو پھیر حق کو ساتھ علیؑ کے جس طرف
 وہ پھرے اگر اتنے اہتمامات سے مراد خدا اور رسول اسی قدر تھی کہ علیؑ مجرد
 ناصر و مددگار مومنین کیسے جائیں تو دنیا میں کسی نبی یا کسی بادشاہ یا کسی حاکم
 یا کسی مدبر نے ایسی فضول کارروائی نہیں کی ہے اس پر طرہ یہ ہے کہ
 جب کلمات بالا آنحضرت صلعم بحق علی مرتضیٰ فرمایا چکے تب آپ نے تہذیب
 کی ہدایت فرمائی اور اہمات مومنین اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ادا
 مبارک باد فرمائی اور بقول امام جنبل علیہ الرحمۃ بعد نازل ہونے آیت
 الیوم اکملت لکم دینکم کے خود رسول اللہ صلعم نے ادا لے سپاس
 الہی کے طور پر یہ فرمایا محمد اللہ علیٰ احوال الدین و اتمام نعمہ و رضا
 کہ جو سالتی و ولایت علیؑ من بعدی ظاہر ہے کہ یہ مبارک بادیاں اور
 یہ ادا لے سپاس صرف اتنی بات کی بنیاد پر ظہور میں نہیں آئی تھیں کہ حضرت علیؑ
 ناصر یا دوستدار مومنین ہیں دنیا و دین دونوں میں حق پسندی انسان کے لئے

ایک نہایت مفید امر ہے حضرات ناظرین بانکمین اس قصے کے تمام اجزاء کو ملحوظ رکھ کر اپنی رائے قائم فرمائیں اس سے زیادہ راہم الحروف اور کیا گزارش کر سکتا ہے۔

واضح ہو کہ مناقب علی علیہ السلام میں جن آیات قرآنی و احادیث نبویہ و دیگر معاملات سیر و تاریخ کو فقیر نے بالا میں عرض کیلئے اکثر ان میں ایسے ہیں کہ عربی و فارسی دائرہ کے لٹریچر میں ان کی طرف حوالات و اشارات ہوا کرتے ہیں مذہبی شاعری میں ان کو بہ کثرت دخل رہا ہے منقبت کی غزلیں قصیدے مسدس مثنویات رباعیات وغیرہ ان سے خالی نہیں ہوتیں فردوسی سعدی سنائی انوری حافظ جامی مولوی روم ملا عثمان گامی قاضی امیر شیرانی نامی و گرامی بھون نے کچھ نہ کچھ ان آیات قرآنی و احادیث نبویہ و دیگر معاملات سیر و تاریخ کو اپنی منقبت نگاریوں میں جگہ دی ہے یہ غیر ممکن ہے کہ کوئی شخص امور بالا سے ناواقف رہ کر منقبت کی غزلیں قصیدے مسدس مثنویات رباعیات وغیرہ سمجھ سکے ذیل میں راہم ایک اپنی مذہبی غزل درج کرتا ہے جس میں کچھ مضامین ایسے منظوم ہیں کہ جو امور بالا سے تعلق رکھتے ہیں

غزل

مزمین مدبسم اللہ سے مطلع ہے دیوان کا	الہی ہوا اثر میرے میاں ہیں حسن قرآن کا
فردوں اور اک سے ہے مرتبہ شاہ سولہ کا	اسے سرزناج خالق نے بنایا جن انسان کا
فقیری میں مجھے بخشا خدا نے اوج سلطوں کا	گدا محکو بنایا آستان شاہ مردوں کا
رولا تا ہے ہوا آنکھوں سے غم شاہ شہیداں کا	مرے گریہ سے دل ہے پانی پانی ابرہہ کا

نمود شکل، مستی کن فکاک کی کار سارا ہی ہے
 تو انائی وہ بہر نالو اتا درست خالق ہے
 تغافل اس کا رستم کو بناوے زال سے بدتر
 تری معراج سے معراج پائی عرش اعظم نے
 طہارت پیغمبر کی آیت قرآن سے تاب ہے
 زہے تو قیود شان آستان عرش پر امن
 علی سے تابہ مہدی یہ امام ہر دو عالم میں
 علی ہے ملازداں حق علی ہے بہر بان حق
 سر جبریل اماں ہے امام پاکبازاں سے
 پڑھی ناو علی جب حکم رب سے سروریں گئے
 شہا جس دم نہرا بحر توجہ جو شش پر آیا
 اٹھایا یہ وہ عظمت کو تیرے نور نے ور
 اٹھا دنیا سے علیسی نام پاک مرتضیٰ لیتا
 ہوا تو حکم حق سے ناخدا نے زور زق نہر
 کیا سجدہ ملائکہ سے تجھے آدم کی صدی میں
 خلیل اللہ کو تیرے کرم نے امن میں کھا
 علی کے ہاتھ میں کونین کی عقدہ کشائی ہے
 ہمارا طاہر دل ہے کباب آتش الفت
 وہ بلبل ہوں کہ باغ منقبت میں شور ہے اپنا

ظہور بہر دو عالم سے اشاہ تیرے فرماں کا
 جو آنکھیں ہوں کسے کوئی تماشا پیر کینعل کا
 توجہ اس کی بختے مہر کو رتبہ سیماں کا
 فلک کہتے ہیں جس کو ہے وہ بہر تیرے لیواں کا
 بخش خود ہے جو منکر ہو کلام پاک نیراں کا
 بلا گرداں فلک ہے گنبد شاہ خراساں کا
 ہر اک ان میں ہے حکم حق سے رہبر حق انسان کا
 علی ہے تر حمان حق علی معنی ہے قرآن کا
 امم کا مقتدی ہے پیشوا ہے اہل ایماں کا
 کھلا جو بہر احمیدین والفقار شاہ مرواں کا
 ہوا غرق فنا دم میں عدو موسیٰ عمراں کا
 نہاں تھا خضر کی آنکھوں سے چشمہ آب حیوان کا
 علی نام خدا ہے مومنین ہمنام بیرواں کا
 نہ بیچا کوئی صد نوح کی کشتی کو طوفاں کا
 ہوا گمراہی فطیطان کا باعث غارتیطان کا
 دکھایا آتش نورد نے جلوہ گلستاں کا
 امام جنی دانسی ہے مالک جسم کاجاں کا
 نہ ہو کیونکہ اثر اس میں حدیث طبر پر پیل کا
 مورے نعموں سے دم ہے بندر فغان خوش حال کا

خدا کیونکر نہ دیتا خردہ معراج حضرت کو
 گنہگاروں کے عیبوں کو ہمیشہ اپنے ڈھانکا
 نبی سے اے شہر دین تو نے پانی و تفری یافتہ
 کیا حق نے تجھے موردِ عطاۃ تیغِ برآں کا
 ولایتی نہ ہو جس میں مسلمان ہو نہیں سکتا
 مسلمان کا جو معنی ہے وہی معنی ہے مسلمان کا
 سنا ہے آفتابِ شہر میں گرمی بہت ہوگی
 شہا سا بہ ملے روزِ قیامت تیرے دامان کا

بجا ہے گرائی کی ذات پر نازش کسے دوراں

فلک سے ہے زیادہ مرتبہ تیرے ثنا خواں کا

منتخبات از دیوان امیر المنین علی علیہ السلام

نقی نسبت طینی و مدح علم و دین

النَّاسُ مِنْ جِهَتِ التَّمَثَالِ الْكُفَاءِ
 الْبُكْمُ اَدْمٌ وَاُمُّهُمْ حَوَا
 معنی: جمیع افراد انسان شکل ظاہری کے اعتبار سے یکساں ہیں باپ بھوں کے
 آدم ہیں اور ان کی ماں حوا ہیں۔ یعنی تمام انسان جسمی ترکیب کے رو سے برابر ہیں
 اس واسطے کہ بھوں کے ماں باپ وہی آدم و حوا ہیں پس تقاضا نسب کوئی شے نہیں ہے
 اگر تقاضا کوئی جائزہ کوئی امر ہے تو اس کا سبب نسب نہیں ہو سکتا۔

واقع ہو کہ کلام بالا کی عمدگی محتاج بیان نہیں ہے سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں
 بنی آدم اعضائے یکدیگر اند کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
 ظاہر اسی علیہ الرحمہ کی کہ یمابوستان اور گلستان کا ماخذ دیوان امیر المنین
 علیہ السلام معلوم ہوتا ہے جس قدر کلمات حکیمانہ و فلسفیانہ ان کتابوں میں موجود

ہیں وہ سب کے سب اس دیوان میں پائے جاتے ہیں بلاشبہ حضرت شیخ نے مولانا علیہ السلام کے اقوال نہایت توجہ کے ساتھ مطالعہ فرمائے ہیں اس لئے ان کتابوں کو ایسی مقبولیت حاصل ہے۔

وَالْبَاءُ مَبْهُاتٌ النَّاسِ أَوْ عِيَةً مُسْتَوْدَعَاتٌ وَالْحَسَابُ أَبَا عُرٍ
معنی :- اور نہیں ہیں آدمیوں کی مائیں الا طرف کہ جس میں ودیعت لفظ ہوتی

ہے اور احساب کے لئے باپ ہیں یعنی مادران مردم طرف کی حیثیت رکھتی ہیں ان میں لفظ سپرد ہوا کرتا ہے مگر حساب نسب کا باپ کی طرف سے ہوتا ہے اور باپ ہی کا فضل و شرف پایہ اعتبار رکھتا ہے چنانچہ سیادت کی نسبت بھی باپ ہی کی جانب سے ہوتی ہے ماں کی جانب سے سیادت کوئی شخص سید نہیں ہو سکتا ایسے شخص کو فقہا شریف کہتے ہیں سید نہیں کہتے۔

فَإِنْ كُنْتُمْ لَكُمْ مِنْ أَصْلِهِمْ يُقَابِرُونَ بِهِ فَالطَّيِّبُ وَالْمَاءُ
معنی :- پس اگر انھیں از روئے اصل و نسل کے کوئی ایسی وجہ شرف حاصل ہے جس پر وہ فخر و مباہلات کرتے ہیں تو ان کی اصلیت اسی قدر ہے کہ ان کی خلقت مٹی اور پانی سے ظہور میں آئی ہے۔

وَأَنَّ أَنْتَ بَعْدَ مَنْ ذُوِي نَسَبٍ فَإِنَّ نَسَبَنَا جُودٌ وَعَلِيَاءُ
معنی :- کسی کو اہل علم کے سوا افضل حاصل نہیں ہے یہ تحقیق کہ اہل علم راہ ہدایت پر ہیں اور جو شخص ان سے طلب ہدایت کرتا ہے اس کے وہ راہبر ہوتے ہیں یعنی اہل علم کے سوا کسی کو شرف حاصل نہیں ہے ذریعہ تفضیلت علم ہے نہ نسب اور نہ اسباب دینا سے کوئی شے سے

بنی آدم از علم یا بدگسالی نہ از شہمت و جاہ و مال منال
 وَقِيمَةُ الْمَرْءِ مَا قَدَّكَانَ يُحْسِنُهُ وَالْجَاهُ هَلْوَكَانَ لِأَهْلِ الْعِلْمِ أَعْدَاءُ
 معنی :- اور آدمی کی قیمت وہی ہے جو اس کا علم ہے اور جاہلوں کا طیبہ

ہے کہ اہل علم کے دشمن ہیں۔

نَفْعُ بَعِيْطٍ وَلَا نَجِيحٍ لَكَ بَدَلًا فَالْنَّاسُ مَوْتًا وَاهْلُ الْعِلْمِ أَحْيَاءُ
 معنی :- پس چاہے کہ ہم لوگ شیوہ علم اختیار کر میں اور علم کا بدل نہ

ڈھونڈ میں اس لئے کہ اشخاص بے علم مردوں کے برابر ہوتے ہیں اور اہل علم
 زندوں کا حکم رکھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جہالت موت کے برابر ہوتی ہے
 اور جاہل مردہ سے کم نہیں ہوتا۔

تخذیر از محالست جاہلان و تنفیر از موانست غافلان
 وَلَا تَتَّعِبْ أَهْلَ الْعِلْمِ أَيَاكَ وَإِيَّاكَ فَكَمْ مِنْ جَاهِلٍ كَرِهِي يَحْتَمِلُ أَحْبَبَ أَخَاكَ
 معنی :- جاہلوں کے ساتھ صحبت نہ رکھ اور ان سے تمام تر کنارہ رہ

اس واسطے کہ جاہلوں کے ساتھ مواخات کرنے سے مرد حکیم کو ہلاکت منتج ہوئی ہے

ز جاہل گر زندہ چوں نیرباش نہ آ میخند چوں شکر شیرباش
 نرا اثر دیا گر بود یا رخسار از آن بہ کہ جاہل بود غم گسار

يُقَاسُ الْمَرْءُ بِالْمَرْءِ إِذَا مَا شَاءَ وَلِلشَيْءِ مِنَ الشَّيْءِ مَقَابِلٌ وَمِثْلُهَا
 معنی :- آدمی جس شخص کی ہمراہی کرتا ہے اسی کا سا قیاس کیا جاتا ہے

اور ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ایسی نسبت قیاس و مشابہت ہوا کرتی
 ہے کہ جس کے ذریعے سے استدلال کی صعوبت پیدا ہوتی ہے۔

وَلِلْقَلْبِ عَلَى قَلْبٍ دَلِيلٌ حِينٌ يَلْقَاكَ -

معنی :- اور واسطے قلب کے ادھر قلب دیگر کے ہدایت ہے جب کہ قلب قلب سے ملتا ہے یعنی ایک شخص دوسرے کا ملائی ہوتا ہے تو اس کا قلب دوسرے قلب سے ہدایت پاتا ہے ۔

شکایت از روزگار غدار و حکایت دوستان بے اعتبار
لَجِبَّتِ الْمَوَدَّةُ وَالْإِحْسَاءُ وَقَلَّ الْمَصْدِقُ وَالْقَطْعُ الرَّجَاءُ
معنی :- منیغ ہو گئی دوستی اور برادری اور کم ہو گئی راستی اور منقطع ہو گئی امید

یعنی نہ دوست دوست نہ برادر برادر ہے دنیا سے راستی جاتی رہی اور اس کے نصرت ہوتے ہی بیکری کا امید بھی منقطع ہو گئی۔ لاریب زوال راستی کے بعد پھر خبر کی کیا امید کی جا سکتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین نے یہ شعر اور مابعد کے اشعار بڑھی دل شکستگی کی حالت میں ارشاد فرمائے ہیں رنگ کلام تمام تر اظہار آرزو کی کرتا ہے خاص کر آخر کا شعر جو آنے والا ہے اور جس میں حضرت نے حقیقت حال کو صاف صاف بیان فرما دیا ہے یہ آخر کا شعر بدست فقیر شعر اول کے اجمالی مضامین کا مصرح ہے

وَأَسَأَمْتِ الزَّمَانَ إِلَى صَدِيقِي كَثِيرًا لَعَلَّ لَيْسَ لَهُ دَعَاةٌ
معنی :- اور سپرد کیا مجھے زمانہ نے ایک ایسے دوست کو جو نہایت پیمان شکن ہے اور جو رعایت دوستان طعوظ نہیں رکھتا۔

سَدِّعْتَنِي الَّذِي اَعْتَاكَ عَشْرِي فَلَا فَرْيَدٌ وَمَوْلَا تَرَاكَ
معنی :- پس سنقریب وہ کس (یعنی خدا) مجھے اس سے بے نیاز کر دیکھا جس نے اسے مجھ سے بے نیاز کر دیا ہے اور حال یہ ہے کہ نہ بے زری کو مدد ملت ہے

اور نہ تو انگریزی کو سبحان اللہ کیا قول ہے حافظ فرماتے ہیں ۔

چوں نماز دولت شبہے وصل بگنزد وایام ہجران نیز بسم
وَلَيْسَ يَدُ الْكَيْدِ اَيْدًا نَعِيمٌ كَذَلِكَ الْيَوْمُ مَن لَيْسَ لَهُ بَقَاءٌ
معنی :- اور کسی نعمت کو بقا نہیں ہے اسی طرح کسی سختی کو بھی استمرار

نہیں ہے ۔

وَكُلُّ مَوْلَاٍ لِلّٰهِ تَصَفُّوْا
دَلَا يُصْفُوْهُمِنَ الْقٰسِقِ الْاَضْحَا

معنی :- ہر دوستی جو خدا کے لئے ہوتی ہے صافی ہوتی ہے لیکن بھائی چار
جو فسق و فجور کے لگاؤ سے ہوتا ہے صافی نہیں ہوتا یعنی جو دوستی جو صاف نہ
ہوتی ہے وہی صافی ہوتی ہے اور اسی کو پائدار سی بھی حاصل نہ سکتی ہے لیکن
جو برادرانہ مرابطت فسق و فجور کے لگاؤ سے پیدا کی جاتی ہے نہ صافی ہوتی ہے
اور نہ اس کو استحکام حاصل رہتا ہے ۔

اِذَا نَكَرْتُ عَهْدًا مِنْ حَمِيْمٍ
فَفِي نَفْسِي السُّكْرُومُ وَالْحُمِيَاءُ

معنی :- جب کوئی اقارب سے میرے ساتھ پیمان شکنی کرتا ہے تو میرا
نفس تکمیر و حیا کے باعث اس سے طالب انتقام نہیں ہوتا۔ سبحان اللہ کیا
ذات مرتضویٰ ہے واقعی مولائے دو عالم کا یہی انداز مزاج تھا ۔
از علیؑ آموز اخلاص عمل تار باگردی ز شیطان دخل

لاریب مولا کی کہیم نفسی فہم انسانی سے باہر ہے اہل واقفیت سے پوشیدہ
نہیں ہے کہ حضرت اپنے دشمن مغلوب کے ساتھ جس نے رومے مبارک
پر تھوک دیا تھا کس طرح پیش آئے مولانا روم فرماتے ہیں ۔

ادھیوانداخت بر روی علیؑ افتخار بہر نبی و عہد ولی

حقیقت یہ ہے کہ صفات مسیحیہ بھی ذات پاک میں اس واسطے کی داہیں العظایا نے بخشی تھیں کہ اگر حضرت نوحؑ تو برس قبل ظہور اسلام کے اس عالم میں رونق افروز ہوتے تو ظاہر اجماع صحیح علیہ السلام کی بعثت کی کوئی حاجت نہ ہوتی
 وَكُلُّ جِرَاحَةٍ فَلَهَا دَوَاءٌ وَسَوْءُ الْخَلْقِ لَيْسَ لَهُ دَوَاءٌ
معنی :- اور ہر جراحت کے لئے دوا ہے مگر بد خلقی کے آزار کے لئے کوئی

دوا نہیں ہے واقعی یہ ہے کہ جس شخص میں خلقت کے روسے بد خلقی لاحق رہتی ہے کسی صورت سے نہیں جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ آدمی خوش اخلاق پیدا ہوتا ہے خوش اخلاقی تعلیمی امر نہیں ہے بقول سعدی علیہ الرحمہ **مصرع**
 طبعی است اخلاق نیکو نہ کسب

وَرَبِّ اِخْرَجْتُمْ وَاَنْتُمْ حُرٌّ وَاَلَيْسَ لَكُمْ لَدُنَّ رَبِّكُمْ لَوْ فَاؤُا
معنی :- بہت سے برادر و فادار کی میں نے دفا کی مگر ہمشکی اس کی وفاداری کو نہیں ہے یعنی میں نے بہت سے دعوئی داران دفا کے ساتھ دفا کی ہے مگر ان سے بیوفائی ہی ظہور میں آیا کی ہے ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا مَا رَاٰوْا رُبُّوْا
معنی :- برقرار رکھتے ہیں محبت کو جب تک کہ مجھ دیکھتے رہتے ہیں ادباتی رہتی ہے صورت محبت محبت تک کہ ملاقات ہوا کرتی ہے یعنی دیکھ کی محبت رکھنے ہیں
 اٰخِلَاءٌ اِذَا سْتَخْنَيْتُمْ عَنْهُمْ وَاَعْدَاؤُا اِذَا نَزَلَ السَّلٰوُ
معنی :- ارباب دنیا کی یہ حالت ہے کہ وہ تب ہی تک دوست بنے رہتے

ہیں کہ جب تک ہم ان سے مسخنی رہتے ہیں اور جب مصیبت آگرتی ہے تو دشمن ہو جاتے ہیں۔ یعنی ارباب دنیا کی دوستی کا یہ طعمہ بٹوا کرتا ہے کہ جب تک انسان کو خوش حالی حاصل رہتی ہے اور اسی خوش حالی کے سبب سے بے نیازی نصیب رہتی ہے تو اس کی دوستی کا دم اہل دنیا بھرتے ہیں مگر جب وہی شخص مبتلائے آفت ہو جاتا ہے تو وہی دعویٰ دلان دوستی کھٹے ڈلے انداز کے دشمن ہو جاتے ہیں۔

سعدی فرماتے ہیں :-

دوست مشمار آنکہ در نعمت زند۔ لاف یاری و برادر خزانہ گی

دوست آن باشد کہ گیر دوست ست در پریشاں حالی وہ در ماندگی

فَانْ غِيْبَتْ عَنْ أَحَدٍ قَلَابَةٌ دَعَا قَبِيحٌ بِمَا فِيهِ اِكْتِفَاءً

معنی :- میں اگر میں کسی دوست سے دور از نظر ہوتا ہوں تو وہ دوست میرے

ساتھ دشمنی کرتا ہے اور اچھی طرح مجھ سے ساتھ عقوبت کے ساتھ پیش آتا ہے۔

اِذَا مَا دَأَسَ اَهْلَ الدِّيْبَةِ وَ لِيْ بَدَا لِكُلِّ مِمَّنْ النَّاسِ الْجَفَاءُ

معنی :- جب سردار اہل بیعت یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت

فرمائی تو لوگوں کی طرف سے انھیں اہل بیعت پر جفا میں شروع ہوئیں۔ اس

کلام سے امیر المؤمنین کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صلح کی وفات کے

بعد لوگوں کے معاملات اہل بیعت کے ساتھ اچھے نہ تھے ورنہ اس طرح کے

ملال آگئیں کلام جناب ولایت مآب فرماتے ظاہر ہے کہ تمام اشعار بالا میں

حضرت نے احباب دنیا کی پوری تصویر دکھلائی ہے اور حقیقت حال بھی یہی

ہے کہ دوستان پر غرض ایسے ہی ہوتے ہیں جیسا کہ اشعار بالا میں بیان کئے

کئے ہیں۔

دعا و مناجات باقاضی الحاجات

كَبَيْتِكَ لِبَيْتِكَ اَنْتَ مَوْلَاكَ فَاذْعَمْ عُبَيْدًا اِلَيْكَ مَالِيًا ۞

معنی :- کھڑے ہیں ہم تیرے حکم کی تعمیل کہ تو مولیٰ میرا یعنی میرا آزاد کرنے والا ہے پس رحم کر ایسے بندے کہ تیرا بلتی ہے۔

بَاذَا الْمَعَالِي عَلَيْكَ مَعْتَمِدِي طُوبَى لِمَنْ كُنْتَ اَنْتَ مَوْلَاكَ ۞

معنی :- اے صاحب بزرگیہا تجھ پر میرا تکیہ ہے خوش ہے عیش اس کا کہ جس کا تو مولیٰ ہے۔

طُوبَى لِمَنْ كَانَ نَادٍ مَا اَرْقَا لِيَحْكُمَ لِي اِذْ يَجْلَلُ بِلَوْاكَ ۞

معنی :- خوش ہے عیش اس کا کہ شیطان و یغزاب رہتا ہے تاکہ اپنی بلا کا شکوہ حضور ذوالجلال میں کرے۔

مَا يَبُغِي عَلَيَّ وَلَا سَقَمٌ اَكْثَرُ مِنْ حُبِّهِ لِمَوْلَاكَ ۞

معنی :- اسے کوئی مرض یا کوئی بیماری اپنے مولیٰ کے عشق سے زیادہ نہیں ہے یعنی مرض عشق کے سوا اس کو کوئی بیماری نہیں ہے۔

اِذَا خَلَّ فِي الظُّلَمِ مَبْتَحِلًا اَجَابَهُ اللهُ ثُمَّ لَبَّاهُ ۞

معنی :- جب وہ تاریکی میں جا بیٹھتا ہے اور درود کہ دعائیں مانگتا ہے تب اسے اللہ جواب دیتا ہے اور لیسٹک فرماتا ہے اس طور پر جیسا کہ اشعاً

آئندہ میں ارشاد خداوندی مسطور کئے جاتے ہیں۔

و واضح ہو کہ اشعار بالا دعا و مناجات کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ جاننا چاہئے۔

دعا و مناجات مخ عبادت ہیں یہ گمراہوں اور جاہلوں کا شیوہ ہے جو کہتے ہیں
 کہ دعا و مناجات کی کوئی حاجت نہیں ہے دعا و مناجات سے مسلمان کو
 چارہ نہیں ہے اس سے انکار اسی کو ہو گا جو خدا کا قائل نہیں ہے اور حقیقت
 دہر یہ ہے۔ البتہ دہریے کے نزدیک دعا و مناجات کوئی شے ہو نہیں سکتی
 مگر جس کو خدا کے وجود کا یقین ہے وہ دعا و مناجات سے انکار نہیں رکھ سکتا
 ہے بعض جاہلوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دعا تقاضائے رضا کے خلاف ہے ان
 جاہلوں کو یہ نہیں معلوم کہ رضائے الہی اسی میں ہے کہ بندہ دست دعا کو خدا
 کی جناب میں بلند کرے اور اس سے عافیت جسمانی اور روحانی کا طالب
 ہو یہ امر کبھی رضائے الہی کے موافق نہیں ہے کہ بندہ خدا سے مستغنی ہو
 بیٹھے اور یہ کہے کہ دعا کی کیا حاجت ہے جیسا خدا کی مرضی میں آتا ہے وہ
 ویسا کرتا ہے اس میں شک نہیں کہ جو خدا کی مرضی ہوتی ہے وہی ہوتا ہے
 مگر صریحاً خدا کی مرضی کے مطابق یہ امر نص قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ
 خدا سے دعائیں مانگے اگر دعا طلبی بیکار تھے ہوتی تو اس قدر دعائیں کیوں
 قرآن میں دیکھی جاتیں انبیاء سلف کیوں کار بند دعا ہوتے صحف قدیم
 میں دعائیں بکثرت مندرج ہوتیں پیغمبر خدا کیوں لطف اٹھا اٹھا کہ دعائیں فرماتے
 علی مرتضیٰ دعا کے طریقے بتلانے ہیں ائمہ دعا طلبی کو عبادت جانتے اور صحیفہ
 کا ملکہ کی سی کتاب دعا و طیفہ طالبان حق ہوتی۔ اگر دعا کوئی شے نہیں ہے۔
 تو نماز بھی کوئی شے نہیں ہے کس واسطے کہ نماز تو دعاؤں ہی پر مشتمل نظر آتی ہے
 لاریب دعا سے انکار شیطان کا کام ہے یہ مردہ داندلی کس کی جناب میں

دست و عا بلند کرے خدا کا تودہ دشمن ہے۔ المختصر دعا و مناجات سے
 مسلمان کو چھٹکارا نہیں ہے اس کا وہی شخص منکر ہوگا جو خدا کو لاشی جاننا ہوگا
 ورنہ عبادت سے انکار خدا کے ماننے والا نہیں کر سکتا ہے پس چونکہ دعا عین
 عبادت ہے امیر المؤمنین علیہ السلام اپنے پیروان کو دعا کا طریقہ بتلاتے
 ہیں آپ کے ارشاد کے مطابق داعی کو سراپا نیاز ہو کر طالب دعا ہونا چاہیے
 اور آخر اشعار بالا میں خلوت گزینی کی ہدایت ہے اور اس لئے کہ تمام
 تعلقات دنیوی سے دل و دماغ داعی کو فراغت حاصل ہو جائے تاکہ
 یک سوئی کے ساتھ عرض حال درگاہ خداوندی میں کر سکے اس شعر سے
 مراقبہ کی تعلیم بھی ظاہر ہوتی ہے بہر حال جب داعی اس طود سے عرض حال
 کرتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے قبول دعا کے وقت
 جو خطاب خداوند تعالیٰ اپنے بندے کی طرف فرماتا ہے وہ اشعار ذیل
 میں ذکر پاتا ہے۔

سَأَلْتُ عَبْدِي وَأَنْتَ فِي كَنْفِي ۖ وَكُلُّ مَا قُلْتَ قَدْ سَمِعْتَا ۙ
 صَوْتِكَ تَشَاتُؤُهُ مَلَأَ كَفِّي ۖ فَذَنْبِكَ الْآنَ قَدْ غَفَرْنَا ۙ
 فِي حَبْنَةِ الْمُخَلَّدِ مَا تَمَنَّأَا ۙ ۖ هُوَ يَا هُوَ يَا هُوَ يَا هُوَ يَا هُوَ
 سَأَلْنِي بِلَا حَشْمَةٍ وَلَا تَرْهَبِ ۖ وَلَا تَخَفِ إِنِّي أَنَا اللَّهُ ۙ

معنی :- تو نے سوال کیا اے ہمارے بندے اور تو ہمارے دائرہ حمایت
 میں ہے اور جو کچھ کہ تو نے کہا ہم نے اسے سنائیری آواز کے مشتاق ہمارے فرشتے
 ہیں پس تیرے گناہ کو اس وقت ہم نے معاف کیا بہشت جاوید میں ہے وہ

چیز جس کا تو متنبی ہو انوشا سال اس چیز کا جس کی تو تمنا کرے ہم سے اپنے
مطلب کا طالب ہو بے لجا بے در بے خوف کھائے اور نہ ڈر بہ تحقیق کہ ہم
اللہ ہیں اور ہمارے کرم کی حد نہیں ہے۔

بیان آنکہ بنا بر کار مردم بر مال مست نہ بر عقل کامل طبع راست

يُعْطَى عِيُوبَ الْمَرْءِ كَثْرَةَ مَالِهِ لِيَصْدَقَ فِيهَا قَالٌ وَهُوَ كَذُوبٌ
وَيَزِيدُ بِعَقْلِ الْمَرْءِ قِلَّةَ مَالِهِ فَتَحْتَقِرُ الْأَقْوَامُ وَهُوَ كَبِيبٌ

معنی :- آدمی کی زیادتی مال اس عیوب کو چھپا دیتی ہے پس اس کا قول
سچا مانا جاتا ہے حالانکہ وہ دروغ گو ہے اور آدمی کی کم یاگی سے اس کی عقل
خوار ہوتی ہے پس لوگ اس کو بیوقوف بناتے ہیں حالانکہ وہ خود مند ہے۔

مدح علم و ادب و حمد عقل و حسب

لَيْسَ الْبَلِيَّةُ فِي آيَاتِنَا عَجَبًا نِيلَ السَّلَامَةِ فِيهَا أَعْجَبُ الْعَجَبِ

معنی :- روزگار میں بلا کا ہونا کوئی عجب انگیز امر نہیں ہے البتہ روزگار میں
سلامتی کا پایا جانا سب عجب انگیز مضامین سے زیادہ عجب انگیز مضمون ہے۔

لَيْسَ الْجَمَالُ بِالْأَوَابِ وَيَزِينُهَا إِنَّ الْجَمَالَ جَمَالُ الْعِلْمِ وَالْأَدَبِ

معنی :- جامے سے زینت انسان کو نہیں ہوتی۔ مرد کو جمال علم و ادب سے ہوتا ہے

لَيْسَ الْيَتِيمُ الَّذِي قَدَّمَ مَاتَ وَالِدًا إِنَّ الْيَتِيمَ يَتِيمُ الْعَقْلِ الْحَسْبِ

معنی :- یتیم نہیں ہوتا جس کا باپ مر جاتا ہے یتیم وہ شخص ہے جو عقل و حسب کا یتیم ہوتا

ارثنا دار باب صلاح بہ اسباب صلاح۔

فَرَضَ عَلَى النَّاسِ أَنْ يَتَّبِعُوا أَمْرًا تَوَكَّلَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَكْرَبُ

معنی :- آدمی پر فرض ہے کہ گناہوں سے توبہ کرے مگر گناہوں کا ترک کرنا واجب تر ہے۔

وَاللَّهِمَّ إِنِّي صَوِّبُهُ عَجِيبٌ ۖ وَعَقْلَةَ النَّاسِ فِيهِ أَعْجَبُ

معنی :- روزگار کے حوادث عجیب ہیں اور غفلت آدمی کی حوادث روزگار میں عجیب تھیں۔

وَالصَّبْرُ فِي النَّيِّبَاتِ مَعْجَبٌ لِّكِنَّ فَوْتِ الثَّوَابِ أَعْجَبُ

معنی :- صبر حوادث روزگار میں ایک دشوار امر ہے مگر اس سے زیادہ تر دشوار حادثہ روزگار پر صبر کے ثواب کا فوت ہو جاتا ہے۔

وَكُلُّ مَا تَرْتَجِحُ قَرِيبٌ ۖ وَالْمَوْتُ مِنْ كُلِّ ذَاكَ أَقْرَبُ

معنی :- دنیا کی ساری امیدیں قریب ہیں مگر موت سب امیدوں سے

قریب تر ہے۔ واضح ہو کہ امیر المومنین کا دیوان۔۔۔۔۔ مسائل اخلاق و حکمت سے معمور ہے اور محتاج انتخاب نہیں ہے ہر طالب حق کا فرض منصبی ہے کہ آپ کے تمام کلام کو بغور مطالعہ کر کے اپنے دین و دنیا کو سنوارے اس کتاب میں حضرت کے تمام کلام معجز نظام کی گنجائش کہاں ہے اس لئے صرف تھوڑے اشعار نمونہ کے طور پر داخل ہڈائے گئے۔

قصیدہ فرزدوق۔

واضح ہو کہ قصیدہ آئندہ کو فرزدوق نے بدیہہ کہا تھا اور اس کے پختہ کا یہ طور ہوا کہ ہشام بن عبدالملک بن مروان اپنے باپ کے عہد خلافت میں شام سے بلقریب حج مکہ معظمہ آیا ہوا تھا۔ وقت طواف جب اس نے

چاہا کہ حجر اسود کو بوسہ دے تو اوز دھام مردم سے اسے اس کا موقع نہ ملا
 پس ایک منبر پر بیٹھ کر لوگوں کا تماشا دیکھنے لگا اس وقت جناب سید
 الساجدین حضرت امام بہام زین العابدین علیہ السلام طواف کے لئے
 تشریف لائے اور جب حجر اسود کے پاس پہنچے تو لوگ غایت ادب
 سے دور دیر پھٹ گئے اور آپ کے بے مزاحمت حجر اسود کو بوسہ دیا جب
 اہل شام نے حلاق کا یہ رنگ دیکھا تو ایک شامی نے ہشام سے پوچھا
 کہ یہ صاحب جاء و جلال جس کی زائرین کعبہ نے اس قدر تعظیم کی کون ہے
 ہشام کو اس خیال فاسد نے لیا کہ اگر ہم بتاتے ہیں کہ یہ یادگار و جانشین پیغمبر
 ہی تو اہل شام اس کی جانب مائل ہو کر اس کا کلمہ پڑھنے لگیں گے پس بطرز
 تجاہل اس نے غایت بے پروائی سے سائل کو جواب دیا کہ ہم اسے نہیں
 پہچانتے۔ اتفاقاً وہاں فرزدق موجود تھا اور ہشام اور اس کے ساتھی کی
 گفتگو سن رہا تھا اس سے راز لگیا جوش و لائے اہلبیت میں اس نے یہ
 قصیدہ ہشام کے روبرو پڑھا ہشام کی بے دینی حرکت میں آئی اس نے
 فرزدق کو مجبور کیا۔ جب حضرت امام علیہ السلام کو اس کی خبر ہوئی۔ آپ نے فرزدق کو
 بارہ ہزار درم بھیجے اس دوستانہ خاندان پیغمبر نے لینے سے انکار کیا اور کہا بھجی میں نے صلے کے
 خیال سے قصیدہ مدحیہ نہیں کہا تھا میری غرض اس مدح خوانی سے مجرد خدا و رسول کی طرف داری
 اور آپ سے امید مغفرت و شفاعت تھی حضرت امام علیہ السلام نے
 فرمایا کہ ہم اہلبیت جو چیز کسی کو دے دیتے ہیں پھر واپس نہیں لیتے اور
 خداے تعالیٰ تیری نیت سے واقف ہے جو تیری مراد ہے اسے بر لائیگا

فرزدوق نے تعبیل ارشاد کی اور دین و دنیا دونوں میں اچھا رہا۔
 اے حضرات ایمان والے اس فقہ سے آپ خوب سمجھ سکتے ہیں
 کہ اہل حکومت اور ان کے پیروان کا معاملہ خاندان نبوت کے ساتھ کیا
 تھا حقیقت یہ ہے کہ بہت تھوڑے لوگ تھے جو خاندان نبوت کے ساتھ
 محبت رکھتے تھے اور جو رکھتے تھے ان پر اہل حکومت کی طرف سے بے حد
 سختیاں ہوتی تھیں فرزدوق مجرد اس جوہم پر کہ اس تہ خاندان پیغمبر کی ثنا خوانی
 کی۔ قید کیا گیا اللہ اللہ کیا مسلمانی تھی۔ ہشام کو دیکھئے کہ حج کو آیا تھا اور
 امام وقت کو بقول خود نہیں جانتا تھا۔ تو تلو پٹھکار ایسے حج پر اور ایسی مسلمانی
 پر جس کو خاندان پیغمبر سے بے تعلق ہو۔ یہی حال اس وقت کے دنیا طلب
 مسلمانوں کا تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ کا کلمہ پڑھتے تھے اور ان کی اولاد و احفاد کی
 تخریب میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھتے تھے کون سی ایذا اور کونسی سیے
 آبروئی ہے جسے کلمہ گو یوں نے خاندان پیغمبر کے لئے اٹھا نہیں کھی۔ کیا کیا حقوق
 اہل بیت ضائع نہیں کئے گئے ہیں فقیر نمبر دار از ابتدا تا انتہا تمام مصائب
 خاندان پیغمبر کو عرض کر سکتا ہے مگر دو وجہ سے فلم کو روک لیتا ہے۔ اول
 یہ کہ اسی دنیا میں بقیہ زندگی کو بسر کرنا ہے دوم یہ کہ اگر حق گوئی میں زیادہ
 کہ کی تو یہ کتاب حسب مراد اشاعت پذیر نہ ہوگی اس عہد میں بھی ہشام
 سے ہزاروں پڑھے لکھے مسلمان ہیں کہ جو نہیں جانتے کہ زین العابدین امام
 ہیں یا نہیں اور اگر امام ہیں تو خاندان پیغمبر کے امام ہیں یا کسی اور خاندان کے
 اور اگر خاندان پیغمبر کے امام ہیں تو گوئی تہا امام ہیں اماموں ناواقفیت تو

اکثر کلمہ گو رکھتے ہیں۔ فقیر اپنے ذاتی تجربہ سے کہہ سکتا ہے کہ زمانہ موجود میں ہزار خواندہ مسلمان سے شاید ایک شخص ایسا نکلے گا جو ترتیب وار اتمہ اپنا عشر کے ناموں کو زبانی بتا سکتا ہے اللہ اللہ خاندان پیغمبر کے ساتھ اس سے زیادہ بے تعلقی کیا ہو سکتی ہے یہ کوئی عجب انگیز امر نہیں ہے جب تعلیم کا یہی طور رکھا گیا ہے کہ خاندان پیغمبر سے لاعلمی لاحق رہے اس تعلیم کے اصول وہی ہیں جن پر ہر شام نے اپنے سائل کو جواب دیا تھا کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کے حالات و معاملات کے چھپانے کے بند و بست ہمیشہ ہوا کئے ہیں۔ یہ انھیں بند و بست کا نتیجہ ہے کہ ہزار پڑھے لکھے کلمہ گو یوں میں ایک آدمی بھی اس وقت ایسا نہیں پایا جاتا ہے جو اتمہ کے نام صحیح طور پر ترتیب وار بتا سکے ان کی سوانح عمری سے خبر نہ لے سکیں تو بیرون ارتقوع ہے اگر دیدہ انصاف سے دیکھئے تو اس لاعلمی میں صرف خاندان پیغمبر کی کسر شان نہیں ہے بلکہ خود پیغمبر صائب کی کسر شان ہے رسول اللہ نے قرآن اور اپنی عزت کو دو امر اہم فرمایا ہے پس تعجب ہے ایسے مسلمانوں سے جو ان کی عزت اور آل اطہار سے لاعلمی رکھتے ہیں خیر اب دو استدلال خاندان پیغمبر قصیدہ ذیل سے لذت روحانی اٹھائیں اور اس مصنف کی دلاکی داد دیں۔

قصیدہ فرزدق

هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْطَاءُ وَطَائِفَهُ
وَالْبَيْتُ لِعَرَفَةَ وَالْمَوْلُ وَالْحَرَمُ

مستحق ہے۔ یہ وہ شخص ہے کہ مکہ اس کے جا سے قدم کو بیچتا ہے اور خاندان

اس کو پہچانتا ہے اور پیرامون حرم و حرم پہچانتے ہیں یعنی لمے ہشام تو اگر
اس شخص کو نہیں پہچانتا ہے تو کیا۔ اس شخص کے موضع قدم کو سناؤ کہ بعد اور
حل و حرم پہچانتے ہیں۔

هَذَا ابْنُ خَيْرٍ عِبَادِ اللَّهِ كُلِّهِمْ هَذَا التَّقِيُّ النَّقِيُّ الطَّاهِرُ الْحَلَمُ
معنی :- یہ بیٹا بہترین بندگان خدا کا ہے۔ یہ پیرمیزگار۔ پاکیزہ پاک سردار

گر وہ ہے بہترین بندگان خدا سے رسول اللہ اور سردارِ گروہ سے سوادِ قریش اور
اِذْ ارْتَدَّ قَوْمٌ لَمَّا قَالُوا قَاتِلْهُمْ اِلَىٰ مَكَارِمِ هَذَا يَسْتَحِيهِ النَّارُ
معنی :- جب قوم قریش اسے دیکھتی ہے تو ان میں کانپنے والا کہتا ہے کہ
اس شخص پر نبردگی اور جو امر دی کا خاتمہ ہے۔

يُنْجِي إِلَىٰ ذُرِّيَّةِ الْعَرَبِ الَّتِي قَصُرَتْ عَنْ بَيْتِهِ عَرَبُ الْاِسْلَامِ وَالْعَجَمُ
معنی :- بلند ہوتا ہے اس اوج عزت کو کہ جس کی دریافت میں عرب الاسلام
اور عجم عاجز ہیں۔ یعنی اسے وہ ارتفاع عزت حاصل ہے کہ اہل عرب و عجم اس
نک پہنچ نہیں سکتے۔

يَكَادُ يَسْبُكُهُ عَرَفَانُ دَاخِئِهِ رُكْنُ الْخَطِيمِ اِذَا مَا جَاءَ لَيْسَتْ لَهُ
معنی :- قریب ہو جاتا ہے سنگِ اسود کہ پکڑے اس کے ہاتھ کو جب وہ
آتا ہے بوسہ دینے کے واسطے۔ یعنی سنگِ اسود یہ جان کہہ کہ وہ فرزند رسول
ہے اسے پکڑ لینا چاہتا ہے۔

فِي كَفِّهِ خَيْرٌ اَنْ يَرَىٰ يَمُودُ عَيْقُ فِي كَفِّ اَرْدُ فِي عَرَبِيَّةٍ شَمَمُ
معنی :- اس کے کف دست میں بید ہے کہ جس کی بوجوش ہے یہ ہاتھ میں اس

خوش حال کے ہے کہ جس کی ناک بلند ہے۔ جاننا چاہئے کہ بینی کا بلند ہونا شرف و بزرگی کی علامت ہے و جاہرت ظاہری کو عہدگی باطن کے ساتھ ایک تعلق عظیم ہے اس لئے انبیاء نہ صرف معائب جسمانی سے تمام تہ پاک تھے بلکہ صاحب جمال بھی تھے و افع ہو کہ پیغمبر خدا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد و احفاد کو خدا نے حسن و جمال بخشا تھا لایب فطرت اسی کی مقتضی تھی کہ ایسے ایسے ارباب فضل و شرف کو کمالات صوری بھی حاصل ہوتے۔ بحیال راقم بدصورت آدمی کمتر خوش صفات ہوتے ہیں بلاشبہ بصورت اور سیرت میں کوئی تعلق خفی ضرور ہے۔

لِيُعْفِيَ جِبَاءً يُعْفِي مَنْ مَهَابَتِهِ فَمَا يَكَلِمُ إِلَّا الْكَافِرِينَ يَكْتُمُ
 معنی :- وہ جیسے نظر اوپر نہیں کرتا ہے اور لوگ ہیبت سے اس پر نظر نہیں کر سکتے پس اس سے گفتگو نہیں کی جاسکتی ہے الا اس وقت کہ وہ متمسک ہوتا ہے یعنی حالت بناشت میں ہوتا ہے۔ بنی زاہلی کا رعب ایسا ہی ہونا چاہئے تب تو وقت طواف دور وہ لوگ اپنے جی سے پھٹ گئے تھے۔

يَلْتَمِسُ نَوْمًا مِّنَ الْهُدَىٰ مِنْ لَوْ غَوَيْتَهُ كَالشَّمْسِ يَجَابُ عَنِ اشْرِاقِهَا الْعُظْمُ
 معنی :- نور ہدایت اس کے نور پیشانی سے پھٹ کر نکلتا ہے جیسا کہ آفتاب کی رخشانی سے تاریکیاں زائل ہو جاتی ہیں۔ یہ شاعرانہ مدح نہیں ہے حقیقت حال بھی یہی ہے کہ ان حضرات ائمہ سے نور ہدایت اشاعت پذیر ہوتا ہے
 مِنْ جِبَدٍ كَذَانٍ فَفَضْلُ الْأَنْبِيَاءِ لَهُ وَفَضْلُ امَّتِهِ خَلَدَتْ لَهُ الْأُمَّمُ
 معنی :- مدوح کا جودہ ہے کہ جس کے سامنے تمام انبیاء کا فضل زیر دست

ہو گیا اور جس کی امت کے فضل کے مقابلے میں تمام انبیاء کی امتیں زیر دست ہو گئیں
یعنی ممدوح کا جبراً فضل الانبیا ہے اور ممدوح کے جد کی امت افضل الاعم ہے۔

مَنْشَقَّةٌ مِّنْ لَّسْوَلِ اللّٰهِ بِنِعْمَتِهِ طَابَتْ عَمَّا صَوَّرَهُ وَالْحَمِيمُ وَالشَّيْمُ
معنی :۔ اس کا درخت رسول اللہ سے لگا ہے پاک ہوئے عناصر اس کے اور

پاک ہوئی خوبو اس کی یعنی ممدوح فرما نخل بنوت ہے اور اس کی ترکیب
بدن اور خوبو سب کے سب پاک و صاف واقع ہوئے ہیں۔

هَذَا ابْنُ خَاطِمَةَ اِنْ كُنْتَ جَاهِلَةً يَّحْيَىٰ اَبِيكَ وَاللّٰهُ تَدَّ خَتْمًا وَا
معنی :۔ یہ لپسہ فاطمہ ہے جان لے اگر تجھ کو نہیں معلوم ہے اس کا نانا
خاتم النبیین ہے۔

دائے برہنہ نام کہ اس نے زین العابدین علیہ السلام کی نسبت اظہار
ناواقفیت کیا اور ولے ان مسلموں پر یہ بھی جنھوں نے ائمہ علیہم السلام
سے کلمہ گویوں کو ناواقف رکھنے کے بند و بست کئے ہیں حقیقت یہ ہے کہ
جو کلمہ گو حضرات ائمہ سے تجاہل یا لاعلمی روا رکھتا ہے یا ان سے مطلع رہنے کو
ایک غیر ضروری امر سمجھتا ہے تو لاریب ایسا شخص اسی ہشام کی امت کا
آدمی ہے وہ ہزار کلمہ پڑھے یہ بھی امت رسول اللہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا ہے
بہت جانے افسوس ہے کہ اس زمانے میں خانہ انبیاء سے ایسی بے تعلق کلمہ گویا
میں دیکھی جاتی ہے کہ الہی توبہ فقیر لے ہزاروں ایسے حضرات دیکھے ہیں جو
عربی خود ان میں صوفی مشرب ہیں واعظ ہیں فقیہ ہیں حاجی ہیں زائرین ہزاروں
ادلیا ہیں مصحف بدست ہیں یا بند صوم و صلوات ہیں کاسب ہیں شاعران ہیں

اور خدا جانے کیا کیا ہیں مگر دو ذرہ اماموں کے ناموں سے آشنائی تک نہیں رکھتے۔ لاریب اگر ان برگزیدگانِ حق کو حضراتِ ائمہ علیہم السلام سے کوئی تعلق ہوتا تو جس طرح اتنے کمالات کے حاصل کرنے کی طرف سعی فرماتے گئے ہوں بیچارے اماموں کو بھی اپنے گوشتِ خاطر میں جگہ دیتے تب ان مظلوموں کے نام بھی ان اہل کمالات کو یاد رہتے بے تعلق کی حالت میں کب کوئی کسی کو یاد رکھنے کی زحمت اختیار کر سکتا ہے۔ ثنائیانِ تحقیق فقیر کے قول بالا کی خود تحقیق فرمالیں ہزاروں ممتاز صورت ایسے مسلمان نکلیں گے جو حضراتِ ائمہ سے تمام نثرِ بحر ہیں اور ان سے باخبر رہتا کوئی ضروری امر نہیں جانتے اور ناچیز نے چند پٹھے مکھے حضرات کو جو ائمہ خاندانِ پیغمبر سے تمام نثرِ بحر تھے مختلف وقتوں میں آگاہ کر دیا ہے کچھ بزرگوار نے تو میری عرضِ محفل سمجھ کر حضراتِ ائمہ کے نام سیکھ لئے۔ مگر بہتوں نے ناقہ جہی کو راہ دی اور ہشام وقت بنے رہے۔

اللَّهُ شَرُّهُ قَدَامًا وَعَظْمُهُ جَبْرِيًّا بَدَأَ لَهُ فِي لَوْحِهِ الْقَلَمُ
 معنی :- خدا تعالیٰ نے اسے بزرگ و عظیم بنایا قدم میں اس کی بندگی و عظمت کو اللہ پاک نے قلمِ قدرت سے لوحِ محفوظ پر ثبت فرمایا ہے یعنی اس کی بندگی و عظمت قدیم ہے کسی کجنت کی توہین و تحقیر سے اس کی بندگی و عظمت میں کمی لاحق نہیں ہو سکتی۔

وَالْمَوْتُ أَيْسَرُ مِنْهُ حِينَ يُحْتَضَمُ
 معنی :- ممدوح سے شدید تر ہے جس وقت کہ تو شخص میں لائے اسے

اور موت آسان نہ ہے ممدوح سے جس وقت کہ وہ تم یا غضب دلایا جائے
یعنی جب ممدوح غصہ دلایا جاتا ہے تو اس وقت اس سے شیر سبک تر ہے
اور جب ممدوح غضب دلایا جاتا ہے تو اس وقت اس سے موت آسان تر
ہے۔ واقع ہو کہ پیغمبر خدا اور ان کے خاندان کے ائمہ نفسانیت سے تمام تر
پاک تھے ان حضرات کو غضب و غصہ سے کوئی علاقہ نہ تھا لیکن غضب و غصہ
ان کو تب ہی آتا تھا کہ جب اللہ کے حقوق معرض تلف میں در آتے تھے
ظاہر ہے کہ حقوق خداوندی کی نگرانی نبی سے ہوا کرتی ہے پس چونکہ حضرت
سیدالساجدین برحق جان شینان پیغمبر صلعم سے ہیں حقوق خداوندی کے تلف
ہونے پر آپ کا یہ غضب، ہونا شان امامت سے ہے۔

خَلَيْتَ تَوْلِكَ مِنْ هَذِهِ الصَّائِرَةِ ۝ الْعَرَبُ تَعْرِفُ مِنْ أَعْلَمَاتِ وَالْحَيَّةُ
معنی :- پس تیرا یہ کہنا کہ یہ کون ہے ممدوح کو ضرور رساں نہیں ہو سکتا

تو تے جسے نہیں پہچانا اسے عرب و عجم پہچانتے ہیں۔

كَلَّمَا يَدِيهِ عِبَاثٌ عَمَّ نَفْعُهُمَا ۝ تَسْتَوِيَانِ وَلَا يَعْرُوهُمَا عَدَمٌ

معنی :- دونوں ہاتھ اس کے ایسے فریاد رس ہیں کہ ان سے نفع عام جاری

ہے ان سے بخشش کی رینش ہوا کرتی ہے اور وہ ہاتھ کبھی خالی نہیں ہوتے

واقعہ خاندان پیغمبر کا جوہ ایسا ہی ہے کہ ابرمطیر کو بھی اس سے کوئی نسبت

نہیں ہے۔ ایسے جوہ نہ ہوتے ہیں۔ نہ ہوں گے ان کے جوہ کی ہزاروں مثالیں

موجود ہیں خوف تطویل کلام سے اس جگہ پر نقل نہیں کی جاتی ہیں۔

سَمَّ الْخَلِيقَةَ لَا تَحْتَسِبُ لِوَادِرِكَ ۝ يَزِيدُهُ إِثْمَانَ حَسَنَ الْخَلْقِ وَالسَّنَدِ

معنی :- وہ نرم طبیعت از روئے خلقت کے ہے اس کے مزاج کی نیز یا
 ڈر کے قابل نہیں ہیں اسے دوٹھے آرا سننے کے ہوئے ہیں ایک حسن خلق
 دوم خوش خوئی ۔

حَمَلٌ اَنْقَالَ اَقْوَامًا اِذَا قَدِمُوا
 حَلَوُ الشَّمَائِلِ تَحَلُّوْا عِنْدَهُ نَعْمٌ

معنی :- وہ قوم کے باروں کا اٹھانے والا ہے اس وقت جب اقوام
 مبتلا سے فرض ہوتی ہے وہ شیریں خصال ہے اس کے پاس میں ہو کہ نعمتیں
 شیریں ہو جاتی ہیں یعنی مردمان مفروض کو شہائد فرض سے نجات دینے والا
 ہے اور چونکہ شیریں خصال ہے اس لئے اس سے احسان نمائی ظہور میں نہیں
 آتی ہے جس کے سبب سے اس کی نعمتیں لوگوں کو خوشگوار معلوم ہوتی ہیں ۔

مَا قَالَ لَا قَطْرَ الْاَرْتِ تَشْهَدُ
 لَوْلَا التَّشْهَدُ كَانَتْ لَادَةٌ نَعْمٌ

معنی :- کبھی لا نہیں کہا الا الا الله کہتے ہیں اگر تشہد نہ ہوتا
 تو اس کا لا نَعْمٌ ہوتا یعنی سوال سائل پر کبھی لا نہیں کہا لا اس کی
 زبان پر تب ہی آتا ہے جب وہ لا الا الله کہتا ہے اگر ضرورت
 تشہد نہ ہوتی تو ہمیشہ نَعْمٌ ہی فرماتا کبھی لفظ لا کو زبان پر نہیں لاتا واقعی
 خاندان پیغمبر کا جود ایسا ہی دیکھا جاتا ہے کہ گاہے سائل سے ان حضرات
 کی زبان پاک آشنائے انکار نہیں ہوتی تھی ۔

لَا يَجْلِبُ الْوَعْدُ مِمَّنْ نَقِيْبَتُهُ
 رَحْبُ الْفِنَاءِ اَرِيْبٌ جَلِيْبٌ يَعْزِمُ

معنی :- وہ وعدہ خلاف نہیں ہے مبارک جہان ہے جہاں لوڑ ہے
 اور صراط مستقیم کے اختیار کرنے میں زیرک ہے ۔

عَمَّ الْبِرِّيَّةَ بِالْإِحْسَانِ فَانْقَشَعَتْ عَنْهَا الْعِبَايَةُ وَالْإِمْلَاقُ وَكَانَ لِحَدِيثِ

معنی :۔ اس نے خلائق کو گہ ذرا احسان کر ڈالا پس خلائق سے رنج و رویشی اور مفلسی جاتی رہی ۔

هُمْ الْعِيُونَ إِذَا مَا أَرَمَتْ وَأَسَدُ اسْدِ الشَّرِيِّ وَالْبَاسُ مُحَمَّدٌ

معنی :۔ یہ لوگ یعنی مدوح و آبا تے مدوح باراں ہیں جب شدت قحط

استیصال مردم گہ گئی ہے اور یہ لوگ شیران راہ کوہ سلمیٰ ہیں جس دم کہ نہنگا مر کار راز بر پا ہوتا ہے۔ واقع ہو کہ شری کوہ سلمیٰ کی راہ کو کہتے ہیں وہاں شیروں کی کثرت پائی جاتی ہے۔

لَا يَنْقُصُ الْعَسْوُ سِبْطًا وَنُؤُفُ كَوْتِهِمْ سَيِّئِينَ ذَلِكَ أَنْ اتْرَوْا الْعَاكِبَ عَدَمُوا

معنی : کم نہیں کہتی ہے تنگی فراخی کو ان کے ہاتھوں سے برابر ہے تنگی اور

فراخی خواہ وہ مالدار اور خواہ غیر مالدار رہیں۔ یعنی ان کی سخاوت نہرداری اور

یہ نہری و دولت حالتوں میں یکساں رہتی ہے یہ کوئی مبالغہ پرہ داندی نہیں ہے

خاندان پیغمبر کا یہی حال رہا ہے کہ دولت مندی اور بے دولتی کو ان کی سخاوت

شعاری میں کوئی دخل نہ ہوتا تھا

مَقْدَمٌ يُجَدُّ ذِكْرُ اللَّهِ ذِكْرٌ مَكْتُمٌ فِي كُلِّ بَدْعٍ وَفُحْتُمْ بِهِ السَّلِيمُ

معنی :۔ مقدم ہے بعد ذکر اللہ کے ذکر ان کا ہر سخن کی ابتدا میں اور سخن

کا خاتمہ بھی انہیں کے ذکر پر ہے۔ یعنی بعد ذکر خدا کے ذکر محمد و آل محمد کا ہر سخن

پر مقدم ہے اسی طرح انہیں، حضرات کے ذکر پر ہر سخن کا خاتمہ بھی ہونا چاہیے

واقع ہو کہ حکم نبوی صلعم بھی ایسا ہے۔ اللہم صل علی محمد و آل محمد

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَعْلَمُونَ خَيْرٌ لَّكُمْ لَوْ كَفَرْتُمْ وَبِالَّذِي أُعْتِقْتُمْ
 معنی :- نہ تو ہمیش انکار رکھتی ہے کہ ان کے گھر میں فرد آئے کیونکہ ان
 کی خصال کریم ہیں اور ان کے ہاتھ پیراز داد و پیش ہیں یعنی ایسے ہاتھ ہیں کہ جو
 کچھ رکھتے ہیں دے ڈالتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے ارباب جو دوسل کے گھر تک نہیں
 کیونکہ آسکتی ہے۔

أَيُّ الْخَلَائِقِ لَيْسَتْ فِي رِقَابِهِمْ لِذَلِكَ هَذَا أَوْلَىٰ نَعْمَ
 معنی :- کون مخلوق سے ہے جو ان کے بندگان سے نہیں ہے بسبب اولیت
 اس شخص کے یا بسبب اس کی نوازش اور انعام کے یعنی اس وقت کون ایسے
 لوگ ہیں جو خاندان پیغمبر کے بندے نہیں ہیں اس غلامی کا سبب یہ شخص جو پہلے
 اول اپنی افضلیت اور دوم اپنی نوازش و کریم کی بنیاد پر۔

مَنْ يَعْرِفِ اللَّهَ عَرِفَ أَقْرَبِيَّةً ذَا وَالَّذِينَ مِنْ بَيْتِ هَذَا نَأْتِيهِمْ
 معنی :- جو شخص خدا کو پہچانے گا وہ اس شخص کی اولیت کو بھی پہچانے گا اور
 امتوں نے دین کو اس شخص کے گھر سے پایا ہے اس قدر کی صحت میں ہی کو گفتگو
 ہوگی جو بنیقہ شان علی ابن ابی طالب اور قبیراۃ معصومین علیہم السلام بد نظر رکھتا ہوگا
 واضح ہو کہ یہ قصیدہ فی البدیہہ کہا گیا تھا۔ اس سے فرزند کی طباعی کا
 موازنہ نہ کیا جاتا ہے۔ واقعی یہ شخص بڑی قوت شاعری رکھتا تھا اس پر دلطف
 یہ ہے کہ اس کا مذاق شاعری کس قدر عالی تھا اس قصیدے میں کسی قسم کی
 بد مذاقی کی بات نظر نہیں آتی ہے نہ مبالغہ ہے نہ تشبیہ و استعارہ کی کثرت
 ہے جو مضمون ہے وہ ایسا ہی ہے کہ پیغمبر و خاندان پیغمبر کے معاملات کے

حسب حال ہے علاوہ اس کے ہر شعر کس قدر خلوص و ولا کے مزے سے بھرا ہوا ہے جوش دین اور ایمان راستی عقیدت کا جلوہ ہر شعر سے عیاں ہے لاریب جس شاعر کو خاندان پیغمبر کے ساتھ اس قدر تعلق نہ ہو گا وہ ایسا پُر تاثر قصیدہ نہیں تصنیف کر سکتا ہے خدائے تعالیٰ فرزوق کو جزاے خیر دے کہ اس نے پیغمبر صاحب کے خاندان مظلوم کو اس جوش و لا کے ساتھ ہا و کیا خدا یا وہی جزائے خیر تو ان حضرات کو بھی عطا فرما جو اس قصیدہ کو اسی جوش کے ساتھ مطالعہ فرمائیں ظاہر ہے کہ ایسے قصیدوں کا صدق دل سے پڑھنا نام تو حقوق خاندان پیغمبر کا ادا کرنا اور اپنی عاقبت کا سنوارنا ہے خیر اب حضرات ناظرین اس قصیدے کو متبنی کے اس قصیدہ کے ساتھ جو کاتب بارون کی شان میں ہے ملائیں وقت منقابلہ ظاہر ہوگا کہ متبنی کا کلام کس قدر نامطبوع مبالغوں سے بھرا ہوا ہے صاف متبنی کے انداز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک شاعر اجرت طلب تھا۔ کیا خود اپنے دل میں متبنی اس کا معترف نہ ہوتا ہوگا۔ کہ اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض لغو سراسئی ہے اس کی تحریک کا مصداق نہ بارون نہ بارون کا آقا ہو سکتا تھا اور نہ کوئی ان کا ایسا دنیا دار شخص ہو سکتا ہے اسی کے برخلاف فرزوق کے قصیدے کو قیاس کرنا چاہئے کہ وہ سمجھتا تھا کہ اس کا مدوح اس کے محامد سے بد بچہا عالی و برتر ہے اور اس لئے جو کچھ اس نے کہا ہے بہت ہی قلیل و رقیل ہے حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ قصیدہ گوئی کا یہ مطلب زینہار نہیں ہے کہ شاعر سلاطین و امرا کی مدحوں سے شاعری کو ذلیل کرے قصیدہ گوئی سے مراد

ہے کہ یہ مسائل اہم پر از نظم میں بیان کئے جائیں یا خدا و رسول دآل رسول کی
 حمد و تعبت و منقبت کے مضامین خوش اسلوبی کے ساتھ موزوں کئے جائیں
 پس جانتا چاہئے کہ مثنوی اغراض قصیدہ گوئی کے خلاف کار بند ہوا ہے اور
 فرزدق تمام تر تقاضائے قصیدہ گوئی کے قرین رہا ہے ۔

ذیل میں نمونے کے طور پر کچھ ایسے اشعار درج کئے جاتے ہیں جو ناقبل
 کے اشعار سے تمام تر علحدہ رنگ رکھتے ہیں یہ اشعار ذہب بہاء الدین
 زہیر کے ہیں یہ شخص ایک بڑا قابل شاعر گذرا ہے علاوہ اس کے بہت
 کچھ جامع علوم فنون تھا اس کا دیوان دیدنی ہے اس کی شاعری تمام تر
 یور و بین مذاق رکھتی ہے اس لئے اہل یورپ کو اس کا انداز کلام نہایت
 پسند ہے ایشیائی مبالغوں سے لاریب اس کے سبب ہی اشعار پاک ہیں
 تشبیہ اور استعارے بھی التناذ کا معدوم کا حکم رکھتے ہیں شاعری کا لطف
 اس عمدگی مضامین اور شستگی زبان سے ہویدا ہے بلاشبہ تعلیم یافتہ اشخاص
 کو اس شاعر کا کلام ضرور ہے کہ پسند آئے حضرات شائقین زہیر کے دیوان
 کو ضرور ملاحظہ فرمائیں یہ دیوان شہر لندن میں چھپ گیا ہے فقیر کے پاس
 جو نسخہ ہے مطبوعہ لندن ہے اسی نسخہ کے دیباچے میں بہاء الدین زہیر کی
 نسبت ابن خلدان کی کتاب و فیات الاعیان و ابناء ابناء الزمان میں
 سے یہ حالات مندرج دیکھے جاتے ہیں کہ ابوالفضل زہیر بن محمد بن علی
 بن یحییٰ بن الحسن بن جعفر بن منصور بن عاصم المہلبی التلمی ملقب بہ
 بہاء الدین الکاتب فضل لے عصر سے تھا اور نظم و نثر اور خطاطی میں

سب پر غلبہ رکھتا تھا سلطان ملک صالح خدیو مصر کی سرکار سے منعلق
 تھا جب سلطان مذکورہ شام کی طرف گیا وہ بھی ہمراہ تھا اور جب اس
 کا قبضہ دمشق پر ہو گیا اس نے بھی اس شہر میں قیام اختیار کیا بعد ازاں
 ملک صالح گہ فناء ہو گیا تب زہیر شہر نابلس میں رہا کہ اپنے آقا کے حالات
 کا نگران رہا جب صالح کو مخلصی حاصل ہوئی اور وہ مصر کی سلطنت کو واپس
 گیا یہ شاعر بھی اس کے ساتھ مصر کو گیا ابن خلکان لکھتا ہے کہ ہم کو زہیر
 سے ملاقات ہوئی اور ہم نے اس کے چند اشعار اس کی زبان سے سنے
 اس مورخ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ زہیر مصر میں مر گیا اس کی وفات
 کا سن بھری ۶۶۶ ۶۶۷ اور سن عیسوی ۱۲۶۹ ہے اور اس کی قبر قرافات
 الصغریٰ میں قبر امام شافعی رحمہما جب کے نزدیک واقع ہے۔

نمونہ کلام زہیر

وَقَالَ وَكُتِبَ إِلَى بَعْضِ أصدقائه وَكَانَ قَدْ

غَرِقَتْ سَفِينَتُهُ وَذَهَبَ كُلُّ مَا كَانَ فِيهَا

یعنی شاعر نے اپنے ایک ایسے دوست کو یہ اشعار لکھے ہیں کہ جس کی کشتی
 سفر دیامین ڈوب گئی تھی اور جو کچھ اس کا مال تھا ضائع ہو گیا تھا۔

لَا تَعْتَبِ الدَّهْرَ فِي خَطْبِ رَمَاكَ بِهِ
 حَاسِبٌ مَّا نَكَ فِي حَالِي تَصَرُّفِهِ
 وَاللَّهِ فَمَا جَعَلَ الْآيَاتُ مَدَّ الْيَوْمِ
 إِنَّ أُسْتُرِدَّ فَقَدْ مَاطَالَ مَا وَهَبَا
 نَجْدَةٌ أَعْطَاكَ أَمْعَاتِ الدَّيْ سَلْبَا
 فَلَا تَرَى رَاحَةً تَبْقَى وَلَا تَعْبَا

وَلَمْ يَرَوْا مَالِكَ وَهِيَ الرُّوحُ مَتَدَّ سَلَمَتٌ
لَا تَأْسَفَنَّ لِمَنْ شِئْتَ بَعْدَ هَذَا ذَهَابًا
مَا كُنْتُ أَقْبَلَ لِمَنْ مَيَّوَّ بِحَادِثَةٍ
كَدَامَ مَهْضَةِ الدَّهْرِ لَا يُدْعَا وَلَا لَدُنَّ يَا
فَرَّهَتْ مَالٍ عَمَامِينَ بَعْدَ مَوْذَعَةٍ
أَمَا تَرَى الشَّمْعَ بَعْدَ الْقُطْبِ مَلْتَحِبًا

یعنی زمانے پر عتاب نہ کہہ کہ اس نے تجھے محل تہر دو میں ڈالا۔ اس کا دستوں
ہے کہ دے کر اپنی دی ہوئی چیز کو لے لیتا ہے زمین کے بہر دو تصرف
پر نظر ڈال تجھے معلوم ہوگا کہ جس قدر لیتا ہے اس کا مضاعف تجھے دیتا
ہے خدا نے زمانے کو گدواں بنایا ہے پس نہ رنج کو قرار ہے نہ راحت کو
نیرا اس المال تیری جان ہے جو سلامت رہ گئی پس جان کے سوا اور جو
کچھ شے بجاتی رہی اس پر ہرگز افسوس نہ کہہ تو وہی پہلا شخص نہیں ہے کہ
مبتلائے مصیبت ہوا ہے دنیا کا یہی انداز ہے اکثر یہی ہوتا ہے کہ مال نقصان
پذیر ہو کر تڑتی کرتا ہے جیسا کہ شمع گل لینے سے روشن تہر ہوتی ہے۔

ان اشعار کا فطرتی انداز محتاج نیلا نہیں ہے شاعر کی خوش مذاقی بہرہ ریا سے عیاں ہے

وَاللَّهِ

وَكُتِبَ لِلصِّدِّيقِ لَهُ فِي جَوَابِ كِتَابِ

یعنی ایک دست کے خط کے جواب میں بہر دو شعر ذیل زیر نے لکھے۔

وَأَنَّ كِتَابَكَ وَهُوَ بِيَا
لَأَسْوَابٍ عَنِّي يُعْرَبُ
قَلْبِي لَدَيْكَ أَطْمَئِنُّ
يُمْنِي وَعَلَيْكَ وَتَكْتُبُ

یعنی تیرا خط پہنچا اودہ میرے شوقوں کا اظہار کرتا ہے گویا کہ تیرے دم خیر

میرا دل تیرے پاس موجود ہو کر تجھے مضامین بتا رہا تھا۔

وَقَالَ فِي مَرَحَلَتِ الشَّبَابِ

یعنی رخصت شباب میں مذہبوں نے یہ کہا ہے

مَنْ لَذَّةٍ فِيهَا تَصِيبِي	لَحَلَّ الشَّبَابِ وَلَمْ أَسَلْ
مَلَأَ الصَّخَائِفَ بِالذُّبُوبِ	يَا طَيِّبُهُ لَوْ لَمْ يَكُنْ
فَعَسَاهُ يَرْجِعُ مِنْ قَرِيبِ	أَرْسَلْتُ دَمْعِي خَلْفَهُ
هُوَ بِالسَّمِيحِ وَلَا بِالْمُجِيبِ	هَيْجَاتَ لَا وَاللَّهِ مَا
بِإِقْدَادِ أَصْبَحَ الْمَشِيئِ	فَقَدْ انْجَلَى لَيْلُ الشَّبَابِ
وَصَلَ الْحَبِيبِيَّةَ وَالْحَبِيبِ	فَقُلِّ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا
مَا كَانَ يَحْفَظُ مِنْ عُيُوبِي	وَرَأَيْتُ فِي النُّوَارِ

یعنی شباب رخصت ہو گیا اور لذت شباب سے مجھے کچھ بھی بہرہ حاصل نہ ہوا۔ شباب خوش تھا مگر کاش دفتر گناہ سیاہ نہیں ہوا ہوتا میں نے شباب کے پیچھے آنسو رواں کئے اس امید پر کہ شاید شباب معاودت کرے مگر افسوس کہ اس نے عود نہ کیا اور بخت امیری ایک نہ سنی۔ مختصر شباب کی رات بسر ہو گئی اور پیر کی صبح نمودار ہو گئی پس الوداع اسے وصل یار میں نے انوار پیری میں اپنے ان عیوب کو معاینہ کر لیا جنہیں شباب کی ظلمت چھائے ہوئے تھے۔ سبحان اللہ کیا خوب استعارہ شاعر نے اختیار کیا ہے

وَلَا

أَيُّهَا الْعَايِبُ عَفْوٌ إِنِّي عِلْمَ اللَّهِ لَمُسْتَأَقٌ إِلَيْكَ

فَاذْهَبْ سَيِّمٌ طَيِّبٌ
 اِنَاذَاكَ الْوَقْتِ سَأَمْتُ عَلَيْكَ
 یعنی اے دوست کہ تو غالب ہے مجھ سے خدا جانتا ہے کہ میں کس قدر
 نیرامشفاق ہوں جب ہوائے عطر آگین بہتی ہے تو میں اس وقت تجھے سلام
 سے یاد کرتا ہوں۔

تمام ہوئی جلد اول

قطع تاریخ ازینجہ انکار بن سیدی محسن صاحب بلکہ امی شاگرد حضرت نصیر بلگرامی
 کامل شعر و سخن سید اعداد امام
 ہیبت و ہندسہ و طبع فلاحت پرورد
 صرف و نحو در معانی و بیباں میں کامل
 فن تفسیر و حدیث و فقہ و علم کلام
 ایک فن میں کوئی کامل ہو ہے قابل قدر
 دیکھو جس فن میں اس کا کل دیکھو
 کس لیاقت کی نکھی ہے یہ کتاب نایاب
 ہیں ہر اک ملک کے شاعر کے خیالات ہم
 ہے کہیں شاعری اہل عرب کی تو شرح
 مختصر ہے کہ ہے عطر یہ مجبورے کا
 شد الحمد کہ چھپکے ہوئی مطبوعہ جہاں
 فکر تاریخ جو کی بے سرا عد محسن

جن کی تحقیق ہے و نیامیں الشمس نظر
 ہے قیادہ و نجوم آٹھ پہر پیش نظر
 عالم علم ریاضی و تواریح و سیر
 منطق و حکمت و اخلاق و ادب ہیں آذر
 جامعیت کا میاں مطف ہے اے اہل نظر
 دعوہ ہے جو جس علم میں ہنر سے ملیں گے بہتر
 اس سے انکار ہے بے شہرہ خطائے منکر
 امر و اقیس کہیں اور ہیں در جملہ ہر امر
 مہر دیوان کے شاعر ہیں کہیں پیش نظر
 بس گیا جس سے دماغ ہنر و اہل ہنر
 شکر صد شکر کہ چھپکے ہوئی ہنر طور نظر
 دل پکارا کہ کھو گلین بستان اثر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
صَلِّ عَلٰی اٰحْمَدَ دَاوِلْ كِرِیْمِ

تقریباً سرائیاتی اثر از شاعر بے مثال و نازک خیال جناب
سید علی محسن صاحب متخلص محسن بلگرامی شاگرد حضرت صفیر باگرمی

راست میگویم و پند و اندرز پسند و بخیر است
حرف ناز است سردون روش با پرمن است

ابا بعد حضرات ناظرین پر روشن ہو کہ مجھ اللہ کتاب کا نصف الحقائق معروف
بہ بہارستان سخن جلد اول تصنیف جناب شمس العالی مولوی حکیم سید امداد امام
صاحب متخلص بہ اثر نرب ہو کہ طبع ہو گئی۔ الحق یہ کتاب عجیب و غریب ہے اسکا
رنگ تمام ایشیائی تصانیف سے نہ لاسے شاید یورپین زبانوں میں بھی اس انداز
کی کتاب کمتر موجود ہوگی مصنف نے اس کتاب میں دکھلایا ہے کہ شاعری کیا
شے ہے فطری اور غیر فطری شاعری میں کیا فرق ہے شاعری کی صنفیں کیا گیا ہیں
شاعری کے اغراض کیا گیا ہیں شاعری سے اغراض انسانی کو کس قدر تعلق ہے اسی
طرح عدد مسائل علمیہ سے اس کتاب لاجواب میں حضرت مصنف نے بحث
کی ہے علاوہ اس کے ہر زمانہ کی شاعری سے خبر دی ہے۔ مہری یونانی۔ لاطینی
ایطالوی۔ جرمن۔ انگریزی۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ سنسکرت۔ بھاشا۔ چینی۔
جاپانی۔ بہ ہائی۔ شاعریوں کے حقائق کو بقدر ضرورت حوالہ قائم کیا ہے۔ پھر جس

ملک کی شاعری کو بیان کیا ہے اس ملک کے جغرافیہ، تاریخ، سیر، تمدن، مذہب، اخلاق، معاشرت، ادب، علم، فضل، مذاق، حرف، صنعت، تجارت، پیداوار، آب و ہوا، مزاج، بلدان، وحوش، طیور، جبال، بحور، معاون وغیرہ وغیرہ کو بھی خوش مذاقی کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ جہت مضامین اس قدر ہے کہ مصنف کی جو کچھ قدر کی جائے بجا ہے۔ لاریب اس تصنیف سے حضرت مصنف کی قوت و مبالغہ حق پسندی، وفراطلاع خوش مذاقی حسن بیان حسب مراد آفکار ہے۔ اس دیار کے اکثر اباب علم و فضل حضرت مصنف کے نام نامی سے وقف ہیں۔ کس واسطے کہ مذاق شاعری کے علاوہ حضرت مصنف کو اکثر علوم و فنون میں بہرہ دہانی حاصل ہے۔ عربی، فارسی وغیرہ وغیرہ کے سوا حضرت مصنف کو زبان انگریزی میں بھی دخل کامل ہے۔ فلسفہ جدید و قدیم سے وفراطلاع کی شکل پیدا ہے۔ معقولات و منقولات سے اطلاع کافی حاصل ہے۔ طبابت، باغبانی، زراعت اور شاعری کے ساتھ حضرت مصنف کی طبیعت ایک مناسبت خاص رکھتی ہے۔ علاوہ اس کے مذاہب مختلف سے پوری باخبری حضرت مصنف رکھتے ہیں۔ چنانچہ علم کلام میں بھی ان کی تصانیف موجود ہیں۔ انعام مذاق کے ساتھ مذاق کا کچھ ایسا پیدا کیا ہے کہ کوئی شخص بے جامع و تحصیل ہوئے ان کے اس انداز مذاق کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اقم الحموت نے چلا تھا کہ جناب مصنف کی صلاح عمری تدریجاً ظہور کرے مگر کمزوریت زمانہ سے سے فرصت درملی بہر حال اس جگہ حضرت مصنف کے کچھ جانمانی ادر ذاتی حالات ذیل میں حوالہ ظم کئے جاتے ہیں۔ حضرت مصنف ہمارے صوبہ بہار کے ایک ممتاز خاندان سادات کے آدمی

ہیں اور خود بھی ایک مشہور و معروف شخص ہیں۔ چونکہ جناب مصنف کے خاندان سے راقم الحروف کے بزرگوں کو چھ سات پشت سے مرابطت کی شکل قائم ہی ہے۔ راقم الحروف پر حضرت مصنف کے خاندان کی حقیقت اچھی طرح روشن ہے حضرت مصنف یعنی جناب شمس العلماء مولوی حکیم سید ادا امام صاحب جو خلیفہ اکبر جناب شمس العلماء مولوی سید وحید الدین خان بہادر ابن سید ادا علی خان بہادر ابن سید امام علی ابن سید تقیۃ اللہ ابن سید احمد اللہ رحیمہ الحسنی کے ہیں نسبت نسل حضرت زید شہید فرزند ارجمند حضرت امام زین العابدین علی ابن الحسین ابن علی ابن ابراہیم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رکھتے ہیں۔

ان کا نانا ہے حسن و ادا حسینؑ جد علی جناب ممدوح کے سید و نواسیوں جو سید ابو الفرج واسطی کی نسل سے تھے۔ ہندوستان میں تشریف لائے حضرت مصنف کے والد بزرگوار کے اجداد مادری سے حضرت سید حسن خٹک سوار تھے جو اس صوبہ میں بمشکل مجاہد تشریف لائے اور بعد بغیابی کے موضع نیورہ میں توطن پذیر ہوئے اور اسی نیورہ میں جو اس وقت حضرت مصنف کا مسکن ہے ان کا ہزار واقع ہے۔ یہ بزرگ حضرت سید حسن خٹک سوار کے کا فرار شریف اجمیر کی پہاڑی پر واقع ہے۔ اور جن کا ذکر کتاب مناقح التتاریخ میں مسٹر ہیل صاحب فرماتے ہیں برادر مغرق حضرت مصنف کے والد کے مادری بزرگواروں میں نواب حاجی سید احمد سعید خان بہادر ظفر جنگ امیر الوراء اور نواب سید عتیق اللہ خان صوبہ دار اٹاوا بھی تھے ان دونوں نامی بزرگواروں کے حالات کتاب سیر المتاخرین کے صفحہ ۲۱۰، ۲۱۶، ۲۲۶، ۲۲۳، ۲۲۹، ۲۳۰

۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۹، میں مندرج ہیں اور کتاب رقعات عالمگیری کے
 رقعہ ۵۲ و رقعہ ۹۲ میں بھی حضرت ادنگ زیب شاہنشاہ دہلی انھیں
 عزت کے ساتھ یاد فرماتے ہیں اسی طرح کتاب گولڈن بک میں سر و پیر تہہ
 برج صاحب نمبر پارلیمنٹ جناب شمس العلماء سید وحید الدین خان بہادر
 پد جناب مصنف کے حالات میں نواب حاجی سید احمد سعید خان صاحب کا ذکر
 کرتے ہیں۔

مصنف مدوح کے اجداد مادی میں سید محمد نجیب ایک بہت بڑے
 تعلقہ دار صوبہ بہار کے تھے ان کے صاحبزادے سید حسن عسکری افواج دہلی کے
 بخشی تھے۔ یہ حضرت اپنے وقت کے ایک بڑے نامی اور صاحب اختیار امیر
 تھے ان کا مزار موضع کراپہر سراہیں واقع ہے۔ سید حسن عسکری صاحب کے دو
 فرزند میر امجد علی صاحب اور نواب میر مردان علی خان بہادر بڑے نامی و گرامی
 ہوئے میر امجد علی صاحب تو وہی بزرگ ہیں جن کا نام ضلع پٹنہ کے جزوی محصول
 میں آج تک السنہ عملاق پر جاری ہے اور جنہوں نے اپنے لشکر سوار و پیادہ
 سے کولون کی لڑائی میں سرکار انگلشیہ کو بڑی اعانت دی تھی اور جس کے صلہ
 میں ان کو ایک بڑا تعلقہ سرکار بہادر سے ضلع گیا میں مرحمت ہوا تھا یہ حضرت پاتے
 وقت کے ایک بڑے قوی اور ذی اختیار تعلقہ دار تھے۔ اور نہایت سخی
 اور سپاہی مزاج آدمی تھے نواب میر مردان علی خان بہادر سرکار انگلشیہ کی
 طرف سے عامل ضلع شاہ آباد کے تھے۔ اور وسیع اختیارات فوجداری و عدالت
 و مال و بند و بست وغیرہ وغیرہ کے ساتھ ایک بہت بھاری تنخواہ بھی سرکار انگلشیہ

سے پاتے تھے نواب ممدوح سید امداد علی خان بہادر حضرت مصنف کے جدا بھائی کے حقیقی نانا تھے۔

یہ امر قابل لحاظ ہے کہ حضرت مصنف یعنی شمس العلماء حکیم مولوی سید امداد امام صاحب کو سرکار انگلشیہ سے چند لپٹت کا شرف نمک خواری حاصل ہے خود حضرت مصنف وکیل درجہ اعلیٰ دیپ و قیسر و منجر وغیر تھے۔ والد ماجد جناب مصنف کے شمس العلماء سید وحید الدین خان بہادر عہدہ لائے صدر الصدور و جبرٹ ضلع و جبرٹار ضلع و بیج اسمال کاز کورٹ و جسٹس آف دی پیس پر سرفراز تھے دادا حضرت مصنف کے سید امداد علی خان بہادر صدر الصدور اور حاکم فوجدار تھے پر دادا حضرت مصنف کے سید امام علی حاکم مال بلقب تحصیلدار تھے۔ اسی طرح جدا بھائی حضرت مصنف کے یعنی سید تقیۃ اللہ صاحب بھی اسی عہدہ پر سرفراز تھے۔ اس زمانہ میں بھتی عہدہ بہت ممتاز سمجھا جاتا تھا اس واسطے کہ اس زمانہ کے عہدہ لائے جلیلہ اس زمانہ میں قائم نہیں ہوتے گئے تھے جناب مصنف کے والد ماجد کے نانا سید سلامت علی خان اور مامون سید راحت علی خان بہادر جلیلہ عہدہ لائے عدالت و فوجداری پر سرفراز تھے جناب مصنف کے حقیقی چچا سید فرید الدین خان صاحب بھی حاکم عدالت تھے اس خاندان کے اور دو بزرگوار سید نجم الدین صاحب و سید فرزند علی صاحب جو حضرت مصنف کے چچا تھے آفتاب اقران و امثال تھے۔ سید فرزند علی صاحب ایک نادر و جرمی نقل و دانش رکھتے تھے اور بڑے ممدوح خلاق تھے سید نجم الدین صاحب کی خدمت میں دفتر لائے سرکاری میں مندرج ہیں، ولیم ٹیلہ صاحب بھی

اپنی تصنیف مجیم موسوم بہ سہی و ہشتت سال در ہند میں سید نجم الدین صاحب کو بڑی عظمت کے ساتھ یاد کرتے ہیں ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے زمانہ میں بڑی کار گزاریاں سید نجم الدین صاحب سے نمایاں ہوئیں جس کے جلد میں سرکار بہادر نے انہیں عہدہ ڈپٹی مجسٹریٹ و خطاب سے سرفراز فرمانا چاہا مگر اس عزت کی پذیرائی میں جناب مدوح خواہان معذرت ہوتے اس کے پہلے جناب مدوح قیام دہلی کے زمانہ میں دربار شاہ دہلی سے بھی عزت یاب ہو چکے تھے لہذا جناب مدوح کو کوئی میلان اس طرح کی عزت یا بیوں کی طرف نہ تھا بلکہ طہرت نشینی کی طرف ہمیشہ راغب تھے اور اسی طرح زندگی بسر کر ڈالی۔

اس وقت میں بھی جناب مصنف کے خاندان کے حضرات مشاہیر صوبہ بہار سے ہیں خود حضرت مصنف مخاطب بہ شمس العلماء از جانب گورنمنٹ ہیں یہ خطاب بہت اعلیٰ و درجہ کا ہے یہ خطاب سرکاری خطاب نواب سے چھوٹا ہے ورنہ ہندی خطابوں سے اعلیٰ ہے۔ حضرت مصنف کے برادر اوسط انیل سید فضل امام خان صاحب منجانب گورنمنٹ خان بہادر کا خطاب رکھتے ہیں مولوی سید نصیر الدین خان بہادر ولد مولوی سید فرزند علی صاحب ایک کار گزار افسر سرکاری ہیں اور بہار کے شہر میں صیغہ مال و فوجداری کے ایک ممتاز حاکم ہیں مولوی سید محی الدین خان بہادر ولد سید نجم الدین صاحب مخفر الیہ عہدہ ڈپٹی کلکٹر و مجسٹریٹ پر فائز ہیں۔

مولوی سید شرف الدین صاحب ولد اصغر مولوی سید فرزند علی صاحب ایک نہایت فردخ یافتہ بیرسٹر ہیں اور کالات صودی و معنوی سے مملو ہیں

مولوی سید ظہیر الدین صاحب جو سال میں ہمدہ دار میغرماں تھے ایک اعلیٰ
 درجہ کے مصنف و محقق ہیں۔ ان کے والد جناب مولوی سید عبدالوہاب صاحب
 ایک بڑے نامی گرامی بزرگ تھے شجاعت و سخاوت میں کمتر اپنا نظیر رکھتے
 تھے۔ مولوی محمد علی صاحب ایک نہایت فروغ یافتہ وکیل درجہ اعلیٰ ضلع
 پٹنہ کے ہیں۔ علاوہ حضرات بالا کے اور چند حضرات ہیں جو بجا آوری خدمت
 سرکار کے خیال سے ہمدہ ماٹے اندری مجسٹریٹ و مینسپل کمشنری و ممبری ڈسٹرکٹ
 بورڈ کو انجام کر رہے ہیں۔ ان حضرات کے ذکر کے ساتھ حضرت مصنف کے
 برادر اصغر کا بھی ذکر ضروری ہے تاکہ نوجوانوں کو ان کے حالات کی
 اطلاع سے تعلیم کی شکل پیدا ہو۔ ان کا نام نامی مولوی سید یوسف امام صاحب
 ہے انہوں نے صغریٰ سے انتظام زینداری و تجارت و کاشتکاری کی طرف
 توجہ فرمائی اور جو زمانہ نوجوانوں کے بسا ہونے کا ہے اسے اکتساب معیشت
 میں بسر کیا اس وقت ماشاء اللہ وہ نہایت مرفہ الحال ہیں اور یہ مرفہ الحالی ان
 کی زیادہ تر قابل تعریف اس نظر سے ہے کہ اکتساب معیشت میں انہوں نے
 کبھی صفت دیانت و امانت کو ہاتھ سے نہیں دیا اور کوئی ایسا کام نہیں کیا
 جو ان کی سیادت اور عالی خاندانی کے خلاف تھا اس وقت حکام انگلشیہ
 جی ان سے رضامند ہیں اور ان کی خاص رعایا بھی ان سے تمام تر خرسند ہے۔
 حضرت مصنف کے اخلاف بھی اسی درجہ کی پورے ہیں مولوی سید علی
 امام صاحب و مولوی سید حسن امام صاحب صاحبزادگان حضرت مصنف
 فروغ یافتہ بیرسٹریٹ لائیں ذہانت و ذکاوت و اخلاق وغیرہ میں چشم بدویر

سر ایا فضل خداوندی نظر آتے ہیں۔ میں ان دونوں لڑکوں کی نسبت بہت کچھ
 لکھتا مگر اس خوف سے کہ لوگ میری تحریر کو رعایتی نہ سمجھیں صرف اس شعور پر
 جو کہ افضال الہی سے ہونا نیک ہوا نام لڑھننا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا
 قناعت کرتا ہوں۔

جناب مصنف کے ہمیشہ زاد سید محمد سلیمان صاحب پسر اکبر مولوی سید محمد
 بیگی صاحب بھی بیرسٹریٹ لاپس اور جیڈ ر آباد کی عدالت ہائی کورٹ سے متعلق
 ہیں سید نصیر الدین ولد مولوی سید نصیر الدین خان بہا در لندن میں ڈاکٹری کا
 علم پڑھ سے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ دو تین سال میں کامیاب ہو کہ ہندوستان کو
 واپس آئیں گے۔ مولوی سید عبدالحمید صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ال پسر کلانی جناب
 مولوی سید عبدالحی صاحب مرحوم کے جو کہ زمیندار کلانی اور جنرل میجر تھے حضرت
 مصنف کے خلیفہ ہیں ان دونوں پر صاحب سکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ ضلع فٹانہ
 آباد کے ہیں ایک اور ہمیشہ زادہ حضرت مصنف کے مولوی سید زین الدین
 صاحب بی۔ اے ہیں۔ اور بی۔ ال کے امتحان کی تیاری کر رہے ہیں سید محمد
 خلیل داماد مولوی سید محمد اسماعیل صاحب کے بی۔ اے ہیں اور بی۔ ال کے
 امتحان میں جانے والے ہیں۔ سید عنایت کریم صاحب جو بی۔ اے بی۔ ال
 اور مولوی سید نصیر الدین خان بہا در کے خلیفہ ہیں روہتروا وکیل شہر پٹنہ
 کے ہیں امسال حضرت کے ایک بھائی داماد خواجہ اقبال حسین صاحب نے
 بھی بی۔ اے کا امتحان پاس کیا ہے ایک اور بھائی داماد مولوی عبدالرحیم صاحب
 بیرسٹریٹ لاپس ہائیکورٹ کے پیشہ بیرسٹری کے علاوہ ڈپٹی لیگل ریویئر

کے عہد ویر بھی سرفراز ہیں۔ ایک اور ہمشیر زادہ حضرت مصنف کے مولوی
سید مظہر امام صاحب سرشتہ دار محکمہ افسانہ ہیں۔ الغرض این خانہ تمام
آفتاب مست الہم زدوں کا نقص۔

حضرت مصنف ۱۷ اگست ۱۸۴۹ء کو پیدا ہوئے اس حساب سے
سن شریف ۱۲۸ برس کا ہے کمالات صدی و معنوی جو مبدیہ فیاض نے عطا فرمایا
میں اسکی تحریر کے لئے ایک جداگانہ کتاب ہونی چاہئے۔ علم حساب جبر مقابلہ
اقلیدس۔ علم مثلث۔ علوم معدنیات و نباتات علم حیوانات۔ علم مناظرہ
جغرافیہ۔ تاریخ۔ سیر۔ فلسفہ جدیدہ و قدیمہ وغیرہ وغیرہ سے پوری واقفیت
حضرت مصنف کو ہے ایسا شخص کیوں نہ پایہ عالی رکھے۔ اور فن شکار میں تو
حضرت مصنف کو وہ بدظول حاصل ہے کہ شاید ہما سے ملک ہندوستان ہی
نہ نظر رکھے۔ اس پر طرز زندگی ایسی سادہ۔ ہمدردی بنی نوع انسان کو گویا گلی
میں پڑی ہے اپنے اپنے موقع پر اس طرح کی خالص اور سچی ہمدردی ظہور میں
آئی ہے کہ واقعی اہل ملک کے لئے نمونہ کا فائدہ دے سکتی ہے۔ میں ضرور دو
چہار واقعے ہمدردی کے کھٹنا نگہ خوف تطویل سے قلم انداز کئے۔ شجاعت
و سخاوت تو خاندانی ترکہ ہے کتنے شیر و پلنگ، اژدہ و نہنگ مارے اور ہت
مواقع میں سچی شجاعت کی داد دی ایام سرما و گرمی کی شب بے نار و صحر
کوہ میں بسر کی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جفاکشی کے لئے مخلوق ہوتے ہیں ہن
صفت شجاعت کے ساتھ سیر چشمی ایسی کہ کمتر دیکھی گئی ہے۔ اپنے دیا میں
شجاعت و دیانت و امانت و خلق و انکسار و تواضع میں بھی مشہور ہوئے

ہیں۔ تصانیف ممدوح سے حضرت کی کثیر المذاقی ظاہر ہے جناب ممدوح کی قابل لحاظ تصانیف ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) کتاب مرآة المحکما یہ دونوں کتابیں سویڈن میں ترجمہ ہو گئی ہیں اور ایک فران

(۲) کتاب انوار شاہ سویڈن و ناروے کا بنام مصنف مصنف کے پاس

ہے حضرت شاہ خلد اللہ ملکہ نے یہ دونوں کتابیں اپنی

یونیورسٹیوں کو استفادہ ملکی کے خیال سے سپرد فرمائی ہیں

جیسا کہ مضمون فرمان ہے۔

(۳) کتاب کیمیائی سنت یہ کتاب منظور سی ہتھم زراعت سرکاری یعنی ڈائریکٹری

کلچر طبع ہوئی۔

(۴) ہدیہ فیصر یہ جناب ملکہ معظمہ فیصر ہند دام انبا ہما کی سوانح عمری ہے

جس تحقیقی و تدقیق سے جناب مصنف نے یہ تحریر لکھی ہے

دیکھنے والے کا دل جانتا ہے۔

(۵) معیار الحق اس میں نکاح حضرت زینب مجتہدین پر جو الزامات ملحدین

میں ان کا جواب ہے اس رسالہ پر تقریباً حضرت تاج محل

مولانا سید علی محمد صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامر فی الجنۃ ثبت ہے

واضح ہو کہ اس کتاب کا شرف اتحاط کے ساتھ حضرت مصنف کا دیوا

بھی طبع ہوا ہے اس کی نسبت جناب مرزا محمد جعفر صاحب ادب مدظلہ صاحبزاد

جناب غفران مآب سلطان الذاکریں حضرت مرزا سلامت علی صاحب دیر

اعلیٰ اللہ مقامر فی الجنان نے جو تحریری رائے ظاہر فرمائی ہے اور نیز جناب حکیم

سید نقمان حیدر صاحب رئیس و وکیل عدالت آ رہ نے جو تقریظ رقم فرمائی
ہے ذیل میں مدح کی جاتی ہے۔

تقریظ حکید کلک گہر سلک جناب مرزا محمد جعفر صاحب متخلص اوج حلف
الرشید بن سلطان لڈاکرین مرزا دیر صاحب اعلی اللہ مقامہ فی الجنان۔
باسمہ سبحانہ و تعالیٰ حضرت عزیز انصفانہ السنۃ البلغاء و قصرت عن
ادرائک حقیقۃ عقول الحکماء س و سلم و بارک علی اکمل الامس خیر البشر
محمد المصطفیٰ والہ النجباء

ابا بعد پھر اے آیہ وانی ہدایہ الا الذین امنوا و عملوا الصالحات و ہم ہم
حدیث شریف ان من الشجر لحکمة عناء و شعریہ کہ عموماً بمسائل حکیمہ مستلزم ہے
اپنی دیگر صنف ثخیل سے کا بعد فی المشتغلین متنازع ہے اور از بسکہ بہترین
مسائل حکیمہ اخلاق حضرات چہارہ معصومین صلوة اللہ علیہم اجمعین کے انکار اختیار
ہیں۔ پس خصوصاً ان بیانات پر مبنی ہونا فی الدارین موجب اعزاز ہے درنیو لا
پہا ائمہ مجموعہ کمالات و ہنر ہمارے معزز دوست فاضل کامل محقق الادیب
مدقق الاریب ذو الفطنہ الوقاد و القریحۃ النقاد مکامہ لا تحف و محاسنہ لانہ اے
زمان بلیغوس دوران بدر الحکما شمس العلماء جناب مولوی سید امداد امام صاحب
اقرہ متخلص کا ملاحظہ ہجہ ان سے گنہرا۔ ماشاء اللہ کیا کہتا اگرچہ اردو سے معلی مادی
زبان ہمارے ذی علم دوست کی نہیں ہے اس پر یہ مجاہدت محافدت کی
کو ششیں طاقت ملاقت کی جو ششیں اور سحر کلف نئے پیرائے مناسب

رعایتیں چوکھی تریکیں روح افزا حسن و عشق کے دکش آئین۔ قدرتی فطرتی
انداز جناب مرزا غالب مرحوم پر واز جس کی پسند پر فطرت خواہ خواہ مجبور
کرتی ہے میں کیا ہر اہل ذوق کے دیدہ شوق میں کھٹنے کے لائق۔ امد و ترنما
میں فائق ہیں۔ بس۔

عبدہ و ابن عبدہ

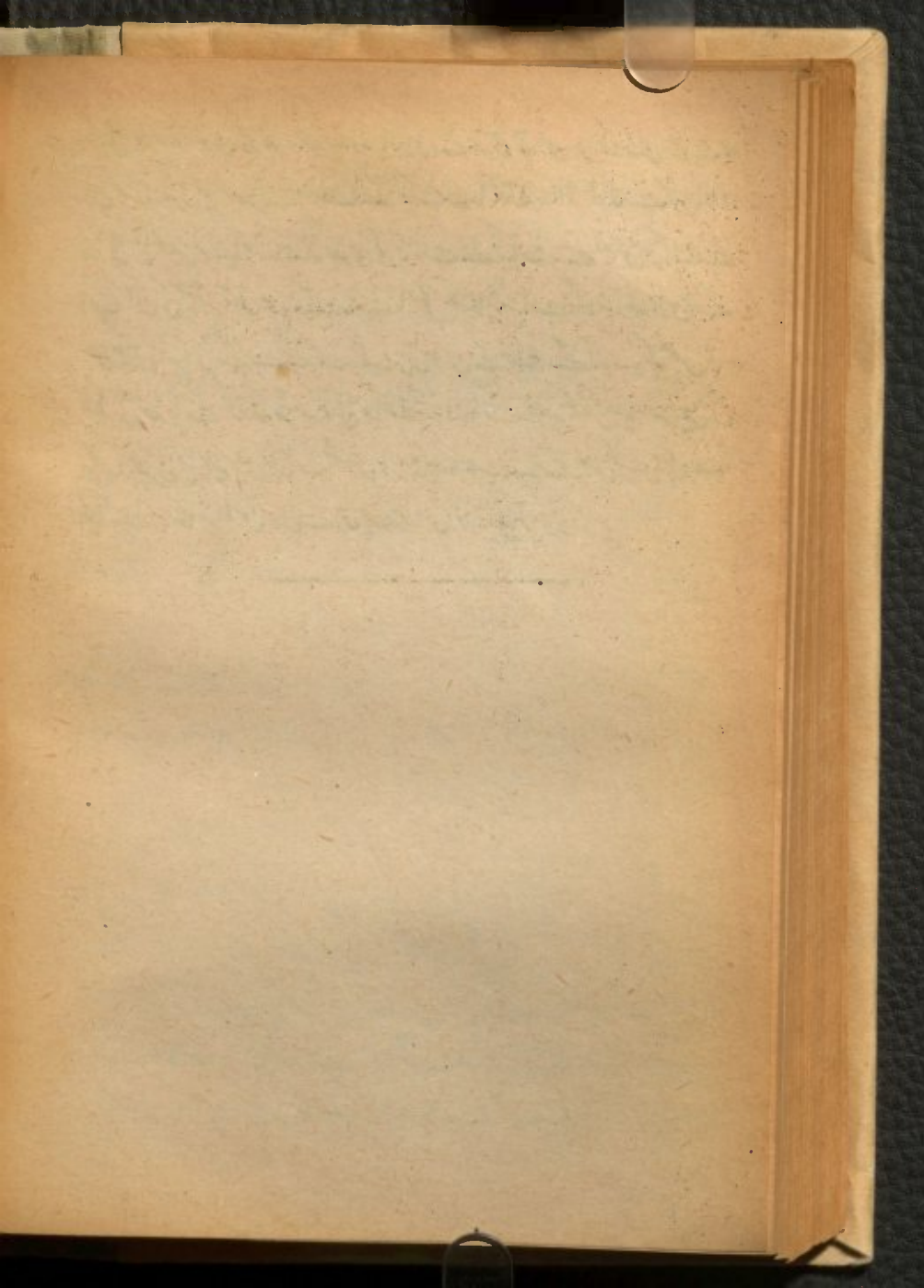
محمد جعفر اوج

تحریر جناب مولوی حکیم محمد سید تقی احمد صاحب کمال عدالت آریہ

جناب شمس العلماء حکیم مولوی سید امداد امام صاحب کی کثیر المذاقی
ایک امر مسلم ہے شاعری بھی ان کے مذاق ماے گوناگون کا ایک جلوہ ہے انکی
شہرت اسی فن کی دستگاہ پر موقوف نہیں ہے۔ ان کی آبائی عزت ان کی ذاتی
قابلیت اس قدر ہے کہ اس کی تفصیل طو لانی ہے
سو پیشت سے ہے پیشہ آیا پہلگی کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے
لیکن چونکہ ان کا مذاق شاعری اس جگہ پر زیر بحث ہے تو رقم الحروف ان کی
شاعری کی نسبت اپنے خیالات ذیل میں درج کرتا ہے۔

جناب شمس العلماء مولوی حکیم سید امداد امام صاحب کے کلام میں گیوں
اثر نہ ہو جب یہ قول تجربہ ماے کافی و وافی سے مان لیا گیا ہے کہ آنچہ ازوں نیزو
بر دل ریند علاوہ اس کے جو صاحبان کہ مصنف والاثر ادکی ارتنی نیزو و منغانی
قلب سے فیض حاصل کرنے کا غرض نامر۔ کھتے ہیں ان کے خیال میں تو یہ کلام سہل
المنع اثر اقیقت کا پورا پورا رنگ پیدا کرتا ہے۔ سادگی کے ساتھ فصاحت
کلامی تو خاندان سبادت کے ساتھ ہمیشہ سے مختص رہی ہے اس پر تمہیل و

تکمیل علوم و فنون قدیم و جدید و زبان ہائے عربی فارسی و انگریزی وغیرہ نے
دل صفا منزل پر حضرت مصنف کے ایک ایسا محققانہ اثر ڈالا ہے کہ جو انہ
مذاق جو محض حسیاست ظاہری کی لذات بے ثبات سے تعلق رکھتا ہے
اب ان کی چشم آہنوں کے سامنے بالکل پھیکا پڑ گیا ہے مگر ساتھ اس کے
بھی غزل سرائی کے سے نازک رنگ میں اس کے حلقہ کے اندر رکھ جس قدر
فطرتی جذبات محققانہ مسائل عاشقانہ و ادوات قلبیہ محض بیباختہ پن کے
ایک نیچرل پیرایہ میں جناب شمس العلماء صاحب نے جو پیش کس اہل بصیرت
کیا ہے اسکا مزا اس دل سے پوچھ جو کسی قدر بھی پُرسوز۔



(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

از زمین تا بہ آسمان سخن است

کاشف الحقائق

معروف بہ

بہارستان سخن

مشمولہ شاعری ہائے مختلف اقوام ہند

از تصانیف

عالمیناب نواب تپیلداو امام صاحب زبیدی و اسمی متخلص اثر و محتاج بہ
نواب شمس العلماء بحکم گورنمنٹ ہند متوطن فیورہ ضلع پٹنہ صوبہ بہار و
مصنف کتاب مرآة العلماء کتاب الآثار و صباح الظلم و کتاب الزراعة
ہدیہ قصیریہ و معیار الحق و رسالہ طاعون و دولیان اثر وغیرہ وغیرہ

جلد دوم

مکتبہ معین الادب اردو بازار لاہور

تعداد ۱۰۰۰

جنوری ۱۹۵۶ء

بلع دوم

حرفِ ناشر

زیر نظر کتاب کے پہلے ایڈیشن میں غلطیوں کی ایک بڑی تعداد باقی رہ گئی تھی جسے "غلط نامہ" کے تحت (جو بائیں صفحات پر مشتمل تھا) کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا تھا۔ طبع جدید میں یہ غلط نامہ اٹاکرٹی انفورمیشن کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ اس کے سوا اور کسی قسم کا رد و بدل نہیں کیا گیا۔

معین الدین حزیں کاشمیری

فہرست مضامین کتاب

نمبر شمار	مضامین کتاب	صفحہ
۱	فارسی اور اردو زبان کی شاعری کا استحواذ مذاق	۱۱
۲	حکاب فارسی کا بیان	۱۲
۳	اہل ایران کا شاعری کی طرف میلان	۱۴
۴	عکس ہندوستان کا بیان	۱۹
۵	ہندوستان بچہ حکومت انگلیش	۲۲
۶	فارسی کی نظم و نثر کے تاریخی حالات	۲۹
۷	فارسی اور اردو زبان کی اصناف شاعری	۴۰
۸	صنعت غزل	۴۱
۹	خواجہ حافظ بچیت غزل گو	۵۹
۱۰	انتخاب کلام حافظ	۶۱
۱۱	سعدی شیرازی بچیت غزل گو	۶۵
۱۲	انتخاب کلام سعدی	۶۸
۱۳	مولانا جامی بچیت غزل گو	۷۰
۱۴	فغانی بچیت غزل گو	۷۱
۱۵	ملا خسرو بچیت غزل گو	۷۱

نمبر شمار	مخلصه مضامین کتاب	صفحه
۱۶	اوهی شیرازی بحیثیت غزل گو	۶۲
۱۷	متلی بحیثیت غزل گو	۶۲
۱۸	کلیم بحیثیت غزل گو	"
۱۹	لالی بحیثیت غزل گو	۶۴
۲۰	خرین بحیثیت غزل گو	۶۵
۲۱	بیدل واقف مظہر جان جاناں اردو قلیل بحیثیت غزل گو	۶۶
۲۲	مرزا غالب بحیثیت غزل گو	۶۶
۲۳	موازنہ کلام حافظ و غالب	۸۰
۲۴	موازنہ کلام سعدی و غالب	۸۳
۲۵	مرزا صاحب بحیثیت غزل گو	۸۴
۲۶	موازنہ کلام حافظ و صاحب	۸۶
۲۷	فارسی اور اردو زبان کا مختصر بیان	۸۷
۲۸	اردو زبان کی نظم و نثر کی مختصر تاریخ	۹۴
۲۹	ولی دکنی بحیثیت غزل گو	۱۰۴
۳۰	مرزا سہوہا بحیثیت غزل گو	۱۰۶
۳۱	انتخاب کلام سہوہا	۱۰۷
۳۲	خواجہ میر درد بحیثیت غزل گو	۱۱۰
۳۳	انتخاب کلام درد	۱۱۲
۳۴	میر تقی بحیثیت غزل گو	۱۱۴

صفحہ	خلاصہ مضامین کتاب	نمبر شمار
۱۱۶	انتخاب کلام تیر	۲۵
۱۲۲	مومن خان دہلوی بحیثیت غزل گو	۳۶
۱۲۳	موازنہ کلام مومن و آتش	۳۷
۱۱۶	انتخاب کلام مومن	۳۸
۱۲۹	ذوق دہلوی بحیثیت غزل گو	۳۹
۱۳۰	ذوق کے خارجی مضامین کے اشعار	۴۰
۱۳۳	ذوق کے داخلی مضامین کے اشعار	۴۱
۱۳۷	میرزا غالب بحیثیت غزل گو	۴۲
۱۳۹	انتخاب کلام غالب	۴۳
۱۵۱	شیخ تاسیح بحیثیت غزل گو	۴۴
۱۵۷	موازنہ کلام تاسیح و غالب	۴۵
۱۵۹	موازنہ کلام ذوق و غالب	۴۶
۱۶۱	تاسیح کے داخلی رنگ کے اشعار	۴۷
۱۶۲	خواجہ آتش بحیثیت غزل گو	۴۸
۱۶۴	موازنہ کلام آتش و غالب	۴۹
۱۶۷	انتخاب کلام آتش	۵۰
۱۷۱	رند بحیثیت غزل گو	۵۱
۱۷۱	انتخاب کلام رند	۵۲
۱۷۸	اردو کی غزل گوئی پر ایک محققانہ ریویو	۵۳

صفحہ	مختصرہ مضامین کتاب	نمبر شمار
۱۸۵	سہرا اور اس کی عربی ترکیب پر بحث	۵۴
۱۸۶	غالب کا سہرا	۵۵
۱۸۸	ذوق کا سہرا	۵۶
۱۹۰	سلام اور اس کی عربی ترکیب پر بحث	۵۷
۱۹۱	سلام میرضیمیر	۵۸
۱۹۲	سلام دلگیر	۵۹
۱۹۳	سلام میر انیس	۶۰
۱۹۴	سلام میر مونس	۶۱
۱۹۵	صفت قصیدہ	۶۲
۱۹۶	فارسی زبان کی قصیدہ گوئی	۶۳
۱۹۷	رود کی بحیثیت قصیدہ گو	۶۴
۲۰۰	فردوسی طوسی بحیثیت قصیدہ گو	۶۵
۲۰۲	حکیم ثانی بحیثیت قصیدہ گو	۶۶
۲۰۵	الوزیری بحیثیت قصیدہ گو	۶۷
۲۰۸	خاقانی بحیثیت قصیدہ گو	۶۸
۲۱۱	سعدی بحیثیت قصیدہ گو	۶۹
۲۱۶	عربی شیرازی بحیثیت قصیدہ گو	۷۰
۲۱۹	حکیم ثانی بحیثیت قصیدہ گو	۷۱
۲۲۷	اردو زبان کی قصیدہ گوئی	۷۲

صفحه	خلاصه مضامین کتاب	نمبر شمار
۲۳۲	مرزا سودا بحیثیت قصیده گو	۷۳
۲۳۳	انتخاب قصائد سودا	۷۴
۲۵۸	ذوق بحیثیت قصیده گو	۷۵
۲۶۱	انتخاب قصائد ذوق	۷۶
۲۶۱	صنف قطعه	۷۷
۲۶۱	فارسی زبان کی قطعه نگاری	۷۸
۲۶۲	قطعات ابن سینا	۷۹
۲۶۲	قطعات سعدی	۸۰
۲۶۸	قطعه فردوسی	۸۱
۲۶۸	قطعه نظامی	۸۲
۲۶۹	قطعات حکیم سنائی	۸۳
۲۸۰	اردو زبان کی قطعه نگاری	۸۴
۲۸۰	قطعات ذوق مہلوی	۸۵
۲۸۲	قطعات غالب	۸۶
۲۸۲	قطعه میر پرورش علی صاحب ستمی	۸۷
۲۸۲	صنف رباعی	۸۸
۲۸۵	فارسی زبان کی رباعی نگاری	۸۹
۲۸۶	رباعی فردوسی	۹۰
۲۸۶	رباعیات مولانا روم	۹۱

صفحہ	خلاصہ مضامین کتاب	نمبر شمار
۲۸۶	رباعی ناطقانی	۹۲
۲۸۶	رباعی انوری	۹۳
۲۸۸	عمر خیام بحیثیت رباعی نگار	۹۴
۲۹۰	انتخاب رباعیات عمر خیام	۹۵
۲۹۲	رباعیات سعدی	۹۶
۲۹۳	اودوزبان کی رباعی نگاری	۹۷
۲۹۴	میر درد بحیثیت رباعی نگار	۹۸
۲۹۴	موتن دہلوی بحیثیت رباعی نگار	۹۹
۲۹۵	میر انیس بحیثیت رباعی نگار	۱۰۰
۲۹۸	مرزا دبیر بحیثیت رباعی نگار	۱۰۱
۲۹۹	صنف مثنوی	۱۰۲
۳۰۵	فارسی زبان کی نثری مثنویاں	۱۰۳
۳۰۵	شاعرانہ مثنوی پر ایک تحقیقانہ رپورٹ	۱۰۴
۳۱۰	انتخاب از شاعرانہ مثنوی	۱۰۵
۳۱۴	فارسی زبان کی بزمی مثنویاں	۱۰۶
"	نظامی بحیثیت مثنوی نگار	۱۰۷
۳۱۷	جامی بحیثیت مثنوی نگار	۱۰۸
۳۱۹	سعدی بحیثیت مثنوی نگار	۱۰۹
۳۲۲	مولانا رام بحیثیت مثنوی نگار	۱۱۰

صفحہ	مختصرہ مضامین کتاب	نمبر شمار
۲۲۵	متفرق مضامین کی فارسی متنویاں	۱۱۱
۲۲۵	انتخاب کلام سعدی	۱۱۲
۲۲۶	اردو زبان کی متنویاں	۱۱۳
۲۲۸	میر تقی بھینڈت فتویٰ نگار	۱۱۴
۲۲۹	انتخاب از متنویات میر	۱۱۵
۲۳۳	مومن خاں بھینڈت فتویٰ نگار	۱۱۶
۲۳۸	انتخاب از متنویات مومن خاں	۱۱۷
۲۴۰	میر حسن بھینڈت فتویٰ نگار	۱۱۸
۲۴۲	میر حسن کی فتویٰ پر ردیو	۱۱۹
۲۴۸	فتویٰ گلزار التجم پر ردیو	۱۲۰
۲۳۹	انتخاب اشعار فتویٰ مذہب شوق معروف بہ گل بکاؤں	۱۲۱
۲۴۳	متفرق مضامین کی اردو متنویاں	۱۲۲
"	انتخاب کلام غالب	۱۲۳
۲۴۵	انتخاب کلام سودا	۱۲۴
۲۵۵	صنف مثلث و مخمس	۱۲۵
"	تضمین فارسی از سپہنشاہ عبدالودود صاحب	۱۲۶
۲۵۴	تضمین غزل مرزا فاطمہ کلین از مرزا سودا	۱۲۷
"	تضمین اردو	۱۲۸
۲۵۶	مثلث اردو از میر پرورش علی صاحب سخی	۱۲۹

صفحہ	خلاصہ مضامین کتاب	نمبر شمارہ
۴۶۰	خمسہ مؤمن خاں برغزل حافظ	۱۳۰
۴۶۰	خمسہ زندہ برغزل خود	۱۳۱
۴۶۶	خمسہ امانت برغزل مہر	۱۳۲
۴۶۳	خمسہ میر موسیٰ بر سلام مرزا فصیح	۱۳۳
۴۶۵	صفت شمس	۱۳۴
۴۶۶	بحث واسوخت اداس پر ایک محققانہ ریویو	۱۳۵
۴۶۱	مسدس حالی	۱۳۶
۴۶۶	میر انیس کی شاعری پر ریویو	۱۳۷
۴۶۸	میر انیس کے معاملات شاعری	۱۳۸
۴۸۸	کلام انیس میں دومی شاعری کی رفعت	۱۳۹
۴۸۹	کلام انیس میں خارجی مضامین کی مثالیں مع ریویو	۱۴۰
۵۰۰	کلام انیس میں داخلی مضامین کی مثالیں مع ریویو	۱۴۱
۵۱۰	میر صاحب کے مرثیہ کس طرح کے مضامین پر مشتمل ہیں مع اٹلہ	۱۴۲
۵۲۷	مرزا دبیر صاحب کے کلامات	۱۴۳
۵۳۸	نور کلام مرزا دبیر صاحب	۱۴۴

کاشف الحقائق

جلد دوم

پنجس میں فارسی اور اردو کی شاعری کا بیان جو الفلم تو ہے

حامد اومصلياً

فارسی اور اردو شاعریاں واحد المذاق

چونکہ دونوں زبانوں کی شاعریوں کا ایک ہی انداز ہے اس لئے دونوں کا ذکر اجمالی طور پر کیا جاتا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ اردو کی موجودہ شاعری فارسی کی شاعری کے ساتھ بڑی مشابہت رکھتی ہے۔ دونوں زبانوں کی شاعریاں اصناف کے اعتبار سے برابر ہیں اور خیالات کارنگ تمام تر ایک ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اردو کے شعراء فارسی کے ہمیشہ متبع رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ اردو کی شاعری بادجوہر اس کے کہ اس کو فروغ ہندستان میں ہوا ہے۔ سنسکرت کی شاعری سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی ہے۔ حالانکہ تھانڈے ملکی ہی تھا۔ کہ اردو کی شاعری سنسکرت کی شاعری

کا انداز پیدا کرتی۔ لاریب اگر اردو کے شعراء شعرائے سنسکرت کا تتبع اختیار فرماتے تو اردو کی شاعری کا دائرہ وسیع ہو جاتا۔ ایسی حالت میں اردو کی شاعری ممتاز صورت پیدا کرتی۔ مگر اس عدم تتبع کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اردو کے شعراء زبان سنسکرت سے واقفیت نہیں رکھتے تھے اور چونکہ عموماً صرف فارسی میں مہارت رکھتے تھے شعرائے فارسی کے سوا انھیں اور کسی دوسری زبان کے شعراء کے تتبع کا موقع حاصل نہ تھا۔ کاش شعرائے اردو شعرائے سنسکرت سے مطلع رہ کر ان کے تتبع چہرے تو اردو میں اصناف شاعری کا عدد بڑھ جاتا۔ مثلاً ڈراما نگاری اردو شاعری میں داخل ہو جاتی اور اس حدت سے اردو شاعری کا وزن یقیناً اہل یورپ کے نزدیک ترقی کر جاتا اور اس ترقی سے زبان اردو کا شمار اعلیٰ درجے کی زبانوں کے ساتھ کیا جاتا۔ ڈراما نگاری کے داخل ہو جانے سے اردو کی شاعری بلاشبہ ممتاز تر ہو جاتی۔ ظاہر ہے کہ ڈراما نگاری فارسی میں نہیں ہے اور اگر ہے تو ابھی ابتدائی حالت میں ہے۔ پس اگر ڈراما نگاری اردو میں آجاتی تو فارسی کی شاعری کو اردو کی شاعری کے ساتھ کوئی صورت تقابلیہ کی نہیں رہتی۔ ڈراما نگاری کے علاوہ سنسکرت میں ایک بہت اعلیٰ درجے کی رزمی شاعری دیکھی جاتی ہے۔ جن لوگوں نے رامائن اور مہا بھارت پڑھی ہیں راقم کے ساتھ اس امر میں ضرور اتفاق راستے فرمائیں گے کہ دونوں تصنیفوں کا جواب فارسی میں نہیں ہے، عربی تو اس صنف شاعرانہ کے اعتبار سے خارج از بحث ہے اس لئے کہ عربی میں جب فنوی نگاری نہیں ہے تو ایسی مبسوط کتابوں کا موجود رہنا ہی غلاتِ توقع ہے۔ فارسی میں جو کتاب مشاہیر نامہ ہے بھی تو اس کی شکل تاریخ ناما ہے۔ خاص کسی واقعے کا بیان رزمی شاعری کے

ہرگز میں نہیں کہہ گیا ہے۔ علاوہ اس کے خود فردوسی کی شاعری بالمشکی اور بیاس کی شاعریوں کو نہیں پہنچتی ہے۔ جبکہ آئندہ وضع ہوگا۔ بالمشقہ اگر اردو کے شعرائے سنسکرت کے شعرا کا قبیح فرمایا ہوتا تو اس وقت تک اردو کی شاعری نے بہت کچھ ممتا ز صورت پیدا کی ہوتی شاید ایسی حالت میں اردو کی شاعری کا جواب دنیا میں کتر ملتا۔ لاریب اردو کی شاعری فارسی کی شاعری پر جن جمیع اوجہ بہت غالب آجاتی۔ کس واسطے کہ فارسی کی شاعری سنسکرت کی شاعری کے برابر نہ رفیع ہے اور نہ وسیع ہے۔ بلا گفتگو سنسکرت کی وہ رفیع شاعری ہے کہ جس کی قوت کو شعرائے عالم میں صرف شکسپیر پہنچتا ہے ہومر ودھل اور ملٹن بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ بہر حال اردو کی موجودہ شاعری کی حالت یہ ہے کہ اگر میراٹیس صاحب کو شعرائے اردو کے زمرے سے نکال بیٹھیے تو اردو کی شاعری فارسی کی شاعری سے بہت پیچھے پڑ جاتی ہے یہ صرف جناب غفران آب کا کمال ہے کہ جس کی بدولت اردو کی زری شاعری کا پایہ بہت بلند نظر آتا ہے اور اس اعتبار سے اردو کی شاعری نہ صرف فارسی کی زری شاعری سے اعلیٰ دکھلائی دیتی ہے۔ بلکہ یونانی، لاطینی اور انگریزی شاعریوں سے بھی بہ اعتبار بالا ارفع پائی جاتی ہے لاریب حضرت کی مرتبہ نگاری نے زری شاعری کا وہ عالم دکھلایا ہے کہ جس کے شاہد سے عقل دنگ ہو جاتی ہے، گو حضرت نے کوئی کتاب رمانن سما بھارت ایلید ایلینڈ شاہنامہ یا پیریڈ ایز لاسٹ کے طور کی منظوم نہیں فرمائی ہے تو بھی زری شاعری کا خاکہ کر دکھایا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کی زری شاعری کا جواب دنیا میں بالمشکی اور بیاس کی تصنیفات کے سوا کہیں نہیں پایا

جاتے، انشاء اللہ تعالیٰ میرٹس صاحب کی شاعری کی بحث آئندہ آئے گی۔
 جس سے حقیقت حال ظاہر ہوگی۔

بر عظم ایشیا کے ملکوں سے فارس بھی ایک
ملک فارس کا بیان

شام اور شمال میں ملک قاف بحرِ کبیرہ سپین اور شرق میں افغانستان و بلوچستان
 اور جنوب میں بحیرہ فارس و بحرِ عرب واقع ہیں۔

ہندوستان سے کچھ ہیں۔ فارس سے کوئی ملک ایشیا میں متحول تر
 نہیں ہے یہ ملک بارہ حصوں میں تقسیم ہے یعنی آذربائیجان۔ عراقِ عجم۔ لورستان
 خوزستان۔ فارس۔ لارستان۔ کرمان۔ گیلان۔ مازندران۔ استرآباد۔ قزوستان
 خراسان۔ اس کا رقبہ ۵ لاکھ میل کا ہے اور قریب دس کروڑ کے اس کے سکنا کا
 عدد ہے۔ کوہستان کی کثرت ہے۔ کوہ قاف کی شانیں اس ملک میں نکل آئی ہیں اور
 شمال کی جانب کوہ البرز بھی واقع ہے یہ وہی پہاڑ ہے جس کا ذکر علاوہ قاف کے
 شعرا نے فارس اکثر کرتے گئے ہیں۔ علاوہ کوہستان کے بڑے بڑے صحرا بھی ہیں
 جن کی زمینیں محض شور ہیں۔ کوہستان و صحرا اور نشت کی اراضی تمام ملک فارس
 کے تیسرے حصے سے کم نہیں معلوم ہوتی ہے، خاص ملک فارس میں کوئی بڑا دریا
 ایک یا دو کے انداز کا نظر نہیں آتا ہے گو چھوٹے دریا اندی چشمے جھیل
 کی کمی نہیں دکھائی دیتی ہے اسی لئے ملک کی شادابی میں کوئی نقور نہیں پڑتا ہے۔
 پروردہ جانور اس ملک کے وہی ہیں جو اور اقابلیم میں ہوا کرتے ہیں لیکن یہاں کے
 خچر اونٹ اور گدھے بہت مستانہ عودت ہوتے ہیں۔ علاوہ ان کے بکریاں

اس قدر عمدہ ریشم پیدا کرتی ہیں کہ تربت کی بکریوں سے برابری کرتی ہیں صحرائی جانور از
 قسم آہو وغیرہ کثیر الوجود ہیں اور درندوں سے قابل ذکر شیر، خرس، ببر، پلنگ
 یوز، گرگ، شغال، روبہ اور کفارہ ہیں۔ پیداوار ملک میوہ جات کے اعتبار سے بہت
 ہے انگو بکثرت ہوتا ہے اور چونکہ قوت کی کھیتی آسانی کے ساتھ ہوتی ہے۔ ریشم
 کے کبڑے بکثرت پروردہ کئے جاتے ہیں۔ ریشم کی تجارت ایران میں بڑی فراغت
 کے ساتھ کی جاتی ہے۔ نیشکر کی کاشت بھی بعض حصوں میں حسب مراد ہوتی ہے اور
 افیون کے پیدا کرنے کی نظر سے لائے کی کاشت بڑی مستعدی کے ساتھ کی جاتی
 ہے۔ ایران کی تجارت افیون کی اسی لئے قابل اعتبار معلوم ہوتی ہے۔ چھوڑوں میں
 گلاب کی کاشت تجارت کی نظر سے بکثرت کی جاتی ہے حتیٰ کہ ایران کے عطر
 گلاب کی شہرت ہند تک پھیلی ہوئی ہے، اہل عجم گلاب کو اپنی زبان میں گل
 کہتے ہیں اور گلاب اس عرق کو کہتے ہیں جو اس سے تیار کیا جاتا ہے اور وہ کسے شعرا
 بھی گلاب کو گل کہتے ہیں۔ مگر عموماً زیادہ گلاب ہی بولا جاتا ہے۔ ایران کی معدنی پیداوار
 مختصر معلوم ہوتی ہے۔ سنگی نمک کی کثرت دیکھی جاتی ہے۔ قیمتی پتھروں کی بھی کانیں ہیں
 مگر فیروزہ جس قدر نمک ایران میں چھتا اور بڑا دستیاب ہوتا ہے کسی ملک میں نہیں ہوتا
 دستکاری کے اعتبار سے اہل ایران ایک ممتاز قوم ہیں۔ یہاں عمدہ اقسام کے ریشمی
 اور لیشمی کپڑے خوب بنے جاتے ہیں۔ آلات حرب اچھے بنتے ہیں۔ شمال و دشنا سے
 دری قابلین نفیس سے نفیس تیار ہوتے ہیں۔ ظروف چینی یہاں کے چین کے ظروف
 کا جواب دیتے ہیں اس ملک کی تعلیم یا فنگی اہل یورپ کی تحریر کے رد سے تمام
 ایشیائی ملکوں کی تعلیم یا فنگی پر غلبہ رکھتی ہے۔ الا زمانہ حال میں جاپان کہ جس نے

ایک عرصہ قلیل میں ایک حیرت انگیز ترقی کا عالم دکھایا ہے۔ اہل ایران بالخصوص
 پسند خوش طبع اور خوش خلق ہوتے ہیں۔ وہ دس و تندرکس سے شوق رکھتے ہیں، اور
 اقسام علوم کی طرف اُن کی طبیعت میں ایک تعلق میلان پایا جاتا ہے۔ اس وقت
 کے ایران کا مذہب بن محمدی ہے اہلسنت کے اعتبار سے امیر مذہب والے
 زیادہ اس ملک میں پائے جاتے ہیں بلکہ شامی مذہب اس ملک کا بزبان حال مایہ
 ہے۔ سلطنت شخصی انداز رکھتی تھی یعنی شاہ کو ہر امر میں اختیار کامل رہتا تھا، مگر
 حال میں پارلیمنٹ وغیرہ کی پابندی کا رنگ کھلائی دیتا ہے واضح ہو کہ ملک ایران
 صد ہا صدیوں سے مشہور دار و امصار رہا ہے۔ کیا نیوں کی سلطنت ایک
 وقت میں منہاتے عروج کو پہنچی تھی۔ پھر عہد دار میں سکندر اعظم نے اس ملک
 کو فتح کیا، پھر ساسانیوں نے اپنا سلسلہ حکومت قائم کیا، اس کے بعد اہل عرب نے
 اسے اپنا کر لیا۔ پھر اس پر چنگیز اور تیمور حملہ آور ہو کر ملک ملک ہوتے گئے نژادوں
 نے بھی اس کے مغربی حصے پرورشیں کر کے اس کی حالت بدل ڈالی آخر کار ۱۵۰۱ء
 میں اسماعیل صفوی نے اپنی سلطنت قائم کی۔ خاندان صفوی ایک عرصے تک حکمران
 رہا۔ مگر جب شاہان صفوی میں ضعف لاحق ہو گیا تو اٹھارویں صدی عیسوی کی
 ابتدا میں افغانوں نے ملک ایران پر سخت حملہ کیا اور بہت کشت و خون کے بعد
 قابض ملک ہو گئے اس جنگ کے کا ذکر شیخ محمد علی حزقین اپنے سوانح عمری میں فرماتے
 ہیں۔ افغانوں کا قبضہ ایران پر بہت مختصر رہا۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد نادر شاہ
 نے افغانوں سے خوب بدلہ لیا۔ نادر شاہ کے انتقال کے بعد ملک میں سمت خانہ
 جنگیاں شروع ہوئیں آخر کار بہت رگڑے جھگڑے کے بعد آغا محمد خاں ہر سراسری

بڑی حکمت عملیوں سے اس ملک پر مستولی ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بھتیجا
 اس کا بھائی بن گیا۔ یہ بھتیجا وہی نامی گرامی فتح علی شاہ مظہر جس کے خاندان میں اس
 وقت ایران کی سلطنت تھی۔

اگر کسی قوم کو شاعری کی طرف میلان نہیں ہے تو اس کی نسبت یہ بات
 تمام تر صحت کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اس قوم کے فطری تقاضوں میں ضرور
 کسی نہ کسی قسم کا نقصان لاحق ہے، لاریب روح کو سچی خوشی بخشنے والی اور اسقل
 سے علی کی طرف لیجانے والی کوئی شے شاعری سے بڑھ کر نہیں ہے۔ جتنی ممتاز
 قومیں دنیا میں گزری ہیں یا اس وقت موجود ہیں شاعری کے میلان سے خالی نہیں
 ہیں ایسی صورت میں ہل ایران کا شاعری کی طرف مائل ہونا کوئی امر غلط واقع نہیں
 ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اہل ایران کو شاعری کی طرف بہت بڑا میلان ہے کم ہی
 کوئی ایسا تعلیم یافتہ ایرانی ہوگا جو کچھ نہ کچھ کہہ نہ لیتا ہوگا یا اس تناؤ کے
 کلام سے لذت یاب نہ ہوتا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک ایران شاعری کا ملک ہے
 فطرت نے اسے ایسی خوبیاں بخشی ہیں کہ وہاں شاعروں کی کثرت خلاف فطرت
 نہیں سمجھی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منظوم کتابیں زبان فارسی میں بے حساب
 ہیں۔ تذکرہ میں معروف شعراء کے ناموں کے علاوہ غیر معروف شعراء کے
 اس قدر نام دیکھے جاتے ہیں کہ ان کا یاد رکھنا دشوار ہے۔ اس سے ثابت
 ہوتا ہے کہ اہل ایران کو شاعری کی طرف میلان عظیم رہا ہے، ان کی مضمون نگاریاں
 بھی ایسی ہیں کہ علمائے اہل یورپ لکھتے ہیں کہ ابھی تک ہم لوگوں کو مشرقی
 شاعریوں کی نازک خیالیوں سے کما حقہ آشنائی نہیں پیدا ہوئی ہے اور

خیالات کے ایسے ایسے میدان پڑے رہ گئے ہیں کہ جہاں ہم لوگوں کا ابھی گور نہیں
 ہوا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اصناف شاعری سے بعض ایسی ہی ہیں کہ ان کی ہوا
 بھی اہل یورپ کو نہیں لگی ہے مگر فارسی شاعری کے نقصانات بھی اسی درجہ
 کے ہیں کہ ان کی اصلاح کی بڑی حاجت ہے مثلاً اصناف شاعری سے ڈراما
 نگاری ہے جو فارسی میں کبھی موجود نہ تھی۔ البتہ اس وقت کچھ حضرات اہل بان نے
 اس صنف شاعری کی طرف توجہ شروع کی ہے۔ اسی طرح منجھ دیگر نقصانات کے
 فارسی شاعری پر کثرت مبالغہ پر دازی کا الزام سخت عائد ہوتا ہے مولف کی دانست
 میں مبالغہ پر دازی راستی کی قوت اور لطافت کو زائل کرنے والی شے ہے اس سے
 جس قدر شاعر اجتناب کرے اسب اور اولی ہے اسی مبالغہ پر دازی کی بدولت
 بیشتر فارسی کی شاعری محبوب معلوم ہوتی ہے سوا سعدی اور حافظ کے
 کتر ایسے شعراء نظر آتے ہیں جن کی شاعری کثرت مبالغہ پر دازی سے پاک ہے
 ان دونوں شاعروں کے مقبول ہونے کی زیادہ وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ اکثر
 ان کے مضامین عدم مبالغہ پر دازی سے فطری رنگ رکھتے ہیں علاوہ اس کے
 عموماً فارسی شاعری میں ایک بڑا نقصان یہ پایا جاتا ہے کہ فطری خوبیوں سے
 بیشتر مترا ہے فارسی کے اکثر شعراء یہ جانتے ہی نہیں کہ نچرل بیانات کیا کیا
 دل آویز تاثیرات پیدا کر سکتے ہیں۔ مولف کی دانست میں کوئی غلطی زبان فارسی
 ایسی نہیں ہے کہ سروالٹر اسکاٹ کی لیڈی آف دی لیک کی دیکش فطرت
 نگاری کا جواب دے سکے۔ نظم تو نظم فارسی کی نثروں کی بھی وہی حالت دیکھی
 جاتی ہے مثلاً سہ نثر ظہوری کہ ایک مشہور کتاب ہے اور اس کی نثر بہت تعجب

خیز بھی جاتی ہے مگر حقیقت حال یہ ہے کہ با مذاق تعلیم یافتہ آدمی کے لئے ایک ایک جملہ اس کا سو مان روح منظور ہے بالمختصر یہ بات نہایت صحت کے ساتھ حوالہ قلم کی جا سکتی ہے کہ اہل ایران شاعری کی طرف ایک میلان عظیم لکھتے ہیں۔ اور ان کی شاعریاں قابل توجہ بھی ہیں مگر ان کی شاعری کا مذاق مختلف پہلوؤں کو ملحوظ رکھ کر بہت کچھ اصلاح طلب ہے اگر حضرات اہل زبان اس امر کی طرف کوشاں ہوں تو اس توجہ فرمائی سے نہ صرف فارسی کی شاعری ترقی کر جائے گی۔ بلکہ قومی معاملات اخلاق و تمدن میں بھی حسب مراد انقلابات ظہور میں آئیں گے۔

بہ عظم ایشیا کے ملکوں سے ہندوستان بھی
ملک ہندوستان کا بیان
 ایک ملک ہے مگر یہ ایسا ملک ہے کہ
 خود بہ عظم کا حکم رکھتا ہے آب ہوا فصل موسم جبال بحور و ثمرت صحرا جنگل آبادی قوم
 علم فضل پیشہ صرف تجارت زراعت صناعت تمدن نباتات حیوانات منعدنیات
 وغیرہ وغیرہ کے اعتبار سے یہ ملک تمام دنیا کا خلاصہ کے جانے کا استحقاق
 رکھتا ہے۔ تمام دنیا کی قوموں نے اس کے احاطہ کے اندر پائی جاتی ہیں اگر ہر
 ملکی تفصیل کی جائے تو راقم کی عمر اس کی تحریر کو اکتفا نہیں کر سکتی۔ بہر حال جہاں چاہئے
 کہ ہندوستان جو برٹش انڈیا کہلاتا ہے اس میں چند ملک جزائر وغیرہ بھی شامل ہیں مگر
 ہندوستان خاص کے حدود اور بعد اس طرح پر قرار دیئے جاسکتے ہیں کہ اس کے مغرب
 میں ملک کابل بلوچستان اوزبکستان اور بھارت اور شمال میں کوہ ہمالیہ اور شرق میں ملک برما اور
 جنوب میں خلیج بنگالہ اور بحر ہند واقع ہیں۔ ملک ہندوستان جزیرہ نما ہے اس کے دو

جانب میں سمندر پایا جاتا ہے۔ اس ملک وسیع کا طول شمالاً و جنوباً دونوں طرف میل ہے
 اور عرض شرقاً و غرباً اٹھارہ سو میل۔ مربع اس کا چودہ لاکھ میل یعنی ملک فارس سے
 نو لاکھ میل زیادہ ہے۔ انتظام سلطنت کے خیال سے یہ ملک تین پریسیڈنسیوں میں
 تقسیم ہوا ہے یعنی پریسیڈنسی بمبئی، پریسیڈنسی مدراس و پریسیڈنسی بنگال۔ پریسیڈنسی
 سے مراد احاطہ ہے، علاوہ ان پریسیڈنسیوں کے کچھ صوبے ہیں جو چیف کمشنر
 کے زیر حکومت رہتے ہیں علاوہ ان پریسیڈنسیوں اور چیف کمشنریوں کے جو حصہ
 ہائے ملک باقی رہ جاتے ہیں ان میں خود مختار ایجنٹانوں اور ان زیر نگرانی سرکار انگلشیہ
 بھی تک حکمران ہیں۔ اس ملک وسیع میں سیکڑوں زبانیں بولی جاتی ہیں معروف زبانوں
 سے بنگلہ، اڑیہ، اردو، پنجابی، گجراتی، سندھی، مرہٹی، مارواڑی، تلنگانی وغیرہ
 ہیں مگر ہندوستان کے زیادہ حصوں میں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے، ہندوستان میں اردو
 زبان فرانس کا حکم رکھتی ہے جو یورپ کے اکثر ملکوں میں ذریعہ تقسیم کلامی ہوا کرتی ہے اردو
 زبان کی حقیقت آئندہ عرض ہوگی مگر یہاں اس امر کا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ
 ہر چند یہ زبان ہندوستان کے اکثر حصوں میں بولی جاتی ہے مگر اس کے صحیح بولنے
 جاننے کی نسبت صرف وہی اور لکھنؤ کی طرف کی جاتی ہے، جاننا چاہئے کہ وہی
 پریسیڈنسی میں بنگال واقع ہے۔ اور لکھنؤ اور دہلی کی چیف کمشنری کا صدر تھا اور
 اب اضلاع متحدہ میں داخل ہے۔ پریسیڈنسی بنگال تین حصوں میں منقسم ہے۔ ہر حصہ
 ایک لفٹنٹ گورنر کے زیر حکومت رہتا ہے۔ پہلے حصہ کو لفٹنٹ بنگال دوسرے
 کو لفٹنٹ اضلاع متحدہ اور تیسرے کو لفٹنٹ پنجاب کہتے ہیں۔ دہلی لفٹنٹ پنجاب
 میں واقع ہے۔ ان دونوں شہروں کے سوا اور ملکوں کے اردو بولنے والے اہل

زبان کے جانے کا حق نہیں رکھتے ہیں۔ مثلاً سائیکین صوبہ بہار کہ ہر چند زبان اُردو ہی بولتے
 اور لکھتے ہیں۔ مگر اہل زبان اُن کی زبان کو کسی طرح سبب نہیں مانتے حقیقت حال
 بھی یہی ہے کہ ہم بہاریوں کی زبان اہل لکھنؤ یا اہل دہلی کو پسند نہیں ہو سکتی۔ ہم لوگوں کا
 بڑا کمال یہی ہے کہ زبان دان کلائیں۔ اہل زبان ہونا تو تمام تر خارج از مکان ہے۔
 واضح ہو کہ عموماً شرفائے بہار کی اُردو یہی ہے کہ جس میں فقیر یہ کتاب لکھو ماہیے
 لکھ بھالے وہ اہل وطن جو حضرات اہل زبان کے فیضانِ صحبت سے مدتِ مدید تک
 بہرہ مند رہے ہیں وہ البتہ راقم کی زبان سے کوئی علیحدہ زبان بولتے اور لکھتے ہیں
 بہر حال جانتا چاہئے کہ صرف لکھنؤ اور دہلی ہی میں۔ سندی اور دہلوی جاتی ہے اور انہیں
 دونوں شہروں میں اُردو کے وہ بڑے بڑے شاعر گذرے ہیں جن کے نام
 نہایت فخر و امتیاز کے ساتھ لکھے جاتے ہیں واضح ہو۔ کہ سوا اُردو کے اور جتنی
 زبانیں ہندوستان میں مروج ہیں اُن کو اس صدی میں بڑی ترقی نصیب ہوئی گئی
 ہے۔ چنانچہ بنگلہ زبان کو وہ اوج نصیب ہوا ہے کہ اب یہ زبان جو سو برس پہلے
 کچھ نہ تھی دنیا کی ممتاز زبانوں میں شمار کی جاتے تھی۔ الاں کوئی علم یوہپ کا نہیں
 ہے کہ اس زبان میں کم و بیش طور پر منتقل نہیں ہوا ہے۔ شاعری اور ناول نگاری
 نے تو بہت ترقی پائی ہے۔ ترقی کے اعتبار سے اُردو نے زبان بنگلہ کے
 مقابل میں گویا کچھ بھی ترقی نہیں کی ہے اُردو نے ابھی تک جو کچھ ترقی کی ہے وہ
 اسی قدر ہے۔ جتنا فارسی کے مستقیم ہونے سے حاصل کر سکی ہے حقیقت یہ
 ہے کہ یورپین علوم سے خاص کر فن شاعری کے لگاؤ میں ترقی اُردو کے لئے
 گویا کچھ بھی مدد نہیں لی گئی ہے۔ برخلاف اس کے اہل بنگالہ نہ صرف سنسکرت

سے اقتباس مضامین کرنے گئے ہیں۔ بلکہ یورپین شعرا کے منتخب سے دائرۂ شاعری کو وسیع کر ڈالا ہے۔ یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ ہندوستان کی مرثیہ زبانوں میں صرف اردو ہی ایک ایسی جامد زبان ہے جس کی شاعری کے سنگرت اور انگریزی سے کوئی صورت استفادہ کی پیدا نہیں کی۔ ورنہ جتنی اور زبانیں ہیں، سب کی سب ان دونوں زبانوں سے مستفید نظر آتی ہیں جیسا کہ ان کی شاعریوں کا رنگ قولِ راقم کی صحت پر گواہی دیتا ہے۔

واضح ہو کہ ملک ہندوستان پر
ہندوستان بعد حکومت انگلشیہ
اوقات مختلفہ میں بیرونی اولوالعزم

قومیں یکے بعد دیگرے حکمران ہوتی آئی ہیں اور جب ایک قوم کی سلطنت ضعیف ہوتی گئی ہے تب دوسری قوم زور آور اس پر قابض اور مالک ہو جاتی ہے ہنود کے مختلف اقوام جو اس وقت ہندوستان میں موجود ہیں ان کے بزرگ بھی مسلمانوں کی طرح اس ملک کے فاتح تھے اور ان کی اولاد اور اسفاد نے یہاں بود و باش اختیار کر کے صد سال ہندوستان کے مختلف حصوں میں سلطنت رانی کی ہے۔ بہت سے شانان ہنود کے نام مثلاً راجہ و سر تھہ۔ جہا راجہ رام چندر راجہ چندر گپت۔ راجہ بکراجیت راجہ پھورا وغیرہ وغیرہ السنہ خلاق پر جاری ہیں اور ان کی علوم پروری اور عدل گستری کے حالات کتب تواریخ میں موجود ہیں بہر حال جب ہندوؤں کی سلطنتوں میں ضعف آیا تو مسلمان ان پر غالب آئے اور چند صدیاں اس ملک میں حکمران رہے۔ مسلمانوں میں بھی ہنود کی طرح چند قومیں یکے بعد دیگرے فرمان روائے ملک ہندوستان ہوتی گئیں

آخر میں خاندان تیمور کو عروج ہوا اور اسی خاندان کے ساتھ اس ملک کی سلطنت
 اسلامیہ بھی معدوم ہو گئی۔ بلاشبہ دولت تیموریہ ہندوستان میں مسلمانوں کی بڑی
 ثروت سے خبر دیتی ہے مسلمان شاہان ہند میں کسی کو وہ ترقی نصیب نہیں
 ہوئی۔ جو دولت تیموریہ نے حاصل کی۔ اکبر کے وقت میں سلطنت اسلامیہ
 کو آئینی استحکام نصیب ہوا اور جما گیکر کا زمانہ اکبر کے حسن جہانپانی کا نتیجہ
 معقول تھا۔ شاہجہان کی فریبوں نے سلطنت کو رونق بخشی۔ اورنگ زیب
 کی حوصلہ مندی نے اسے بہت وسیع کر دیا۔ مگر اس بادشاہ کی غیر مدبرانہ کارروائیوں
 سے ہندو رعایا دل شکستہ ہو گئی۔ چنانچہ اورنگ زیب کے مرنے ہی سلطنت
 میں زوال بھی شروع ہو گیا۔ آخر کار یہ کیفیت ہو گئی کہ ہندو اقوام نے دہلی کو بھی
 لے لیا اور بادشاہان دہلی کو محض بے اختیار و بیچار بنا ڈالا۔ دولت تیموریہ
 کے زوال سے ہندوؤں کو ایسا زور ہو گیا تھا کہ اگر احمد شاہ ابدالی ہندوستان
 پر حملہ آور نہ ہوتا تو پھر ہندوؤں کی عملداری ہو جاتی۔ اس قومی حملہ آور سنے
 مرہٹوں کو ایسی شکست دی کہ مرہٹے نہایت ضعیف ہو گئے اس پر بھی شاہان دہلی
 کی مزاج پرسی کے واسطے کافی تھے، اگر حکام انگلشیہ شاہان دہلی کی حفاظت نہ کرتے
 نہتے نور مرہٹے کب نہ دہلی کو غارت کر چکے تھے۔ بالآخر جب عنان سلطنت
 ہندوستان کی حکام انگلشیہ کو منتقل ہوئی اس وقت ہندو کی چند قومیں اس ملک
 میں برسرِ غلبہ تھیں۔ اسی باعث ایک مورخ انگریزی نے لکھا ہے کہ ہم لوگوں
 نے یعنی انگریزوں نے ہندوستان کی سلطنت ہندوؤں سے نہ کہ مسلمانوں
 سے پائی ہے۔ یہ قول بالذات مولف پورا صحیح تو نہیں ہے۔ مگر اس میں شک

نہیں کہ سلطنت تیموریہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی اور ہر مسلمان صوبہ دار بادشاہ بن
 بیٹھا تھا اور بہت سے اعضاءے سلطنت اولوالعزم اقوام ہنود کے ماتھے آگئے
 تھے اور اسی وجہ سے ہنوز زور آور ہو رہے تھے ایسا قیاس ہوتا ہے کہ اگر حکام نگلیشیہ
 سلطنت ہندوستان کی طرف التفات نہ فرماتے تو آخر کار ہنود ہی فرماؤ گئے
 ہندوستان ہو جاتے۔ مالک ہندوستان ہو کر کس طور پر سلطنت کرتے، یہ خدا کو
 معلوم۔ لیکن اگر وہی مرہٹیا طور قائم رہتا تو رعایا سے ہند کو عافیت کا نصیب ہی نہ
 ایک امر محال ہوتا۔ خدائے تعالیٰ نہایت رحیم ہے کسی حالت میں اپنے بند سے
 کو بے معین و مددگار نہیں چھوڑ دیتا ہے۔ چنانچہ جب علی قزوں میں جہانپانی کی
 صلاحیت مفقود پائی تو دو رو دراز ملک سے ایسی قوم کو عدل پروری اور داد
 گسٹری کے واسطے معین کیا۔ جس نے با جہاندار ہی کو آسانی کے ساتھ اٹھا
 لیا۔ اور فرض منصبی کی بجا آوری میں کوئی کوشش دین نہیں رکھی۔ یہاں تک کہ از
 گنگ تا سنگ تمامی ہندوستان مرآت امن امان بن گیا۔ جان و مال دابڑ کے
 استحفاظ کی شکل پیدا ہوئی۔ ارباب واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اورنگ زیب
 کے مرنے ہی ان کے بیٹوں کی خانہ جنگیوں سے سلطنت مغلیہ کا زور جاتا رہا
 اور جس وقت محمد شاہ کے زمانے میں نادر شاہ نے حملہ کیا اس وقت یہ سلطنت
 ضعیف ہو چکی تھی۔ اس حملہ سے جو کچھ سلطنت کی وجاہت باقی رہی تھی وہ بھی
 جاتی رہی۔ اس حملہ کے بعد ہندوستان میں طوائف الملوک کی صورت نظر آنے لگی
 یعنی صوبہ داران اودھ و بنگالہ وغیرہ خود مختار بن بیٹھے۔ سکھوں نے پنجاب
 پر قبضہ کر لیا۔ جاٹوں نے دہلی اور اطراف دہلی میں ہنگامے مچائے۔ مرہٹوں

نے ہندوستان کے ایک جزو عظم کو زیر حکومت کر لیا، اسی طرح بہت سے سرداروں
 قلعہ داروں نے جن کو جس طرح موقع ملا، اپنے کو خود سر کر ڈالا۔ اس طوائف الملوک
 کے زمانہ میں ہندوستان کو امن دامن سے کچھ علاقہ نہ تھا۔ صوبے داروں کے
 آپس کے خون ریز جھگڑے جاٹوں کی یورشیں سکھوں کی طغیانیاں روہیلوں کی
 فساد انگیزیاں راجاؤں کی سرکشیاں نوابوں کی بے عنوانیاں، فرانسیسیوں کی
 دست اندازیاں تمامی ہندوستان میں قیامت مچائے ہوئے تھیں، کیسی سیاست
 کیسا انتظام ہر کسی کے جان پر آہنی تھی۔ نہ دادرسی کا کوئی طریقہ باقی رہا تھا
 نہ فریاد سے کچھ کام نکلتا تھا۔ جس سے جو بن آتی تھی کہ گزرتا تھا۔ شہروں میں
 ایسے ایسے ڈاکو رہتے تھے جو دن دوپہر دولت مند اشخاص کے مکانات
 میں گھس کر جس کو پاتے تھے، تیغ کہ دیتے تھے، قصبہ قصبہ گاؤں گاؤں
 مفسدان سرکش عافیت خلاق میں رختہ ڈالے ہوئے تھے، شاہراہوں پر راہزنوں
 کا پورا قصبہ تھا، جنگل اور ویرانے ٹھکوں کے دم سے آباد تھے دریاؤں
 کو دریائی ڈاکوؤں نے سراسر بخطر بنا رکھا تھا۔ پہاڑوں میں کوہی قوم خوس و
 کفتار کو بھی خون نمداری میں شرمندہ کئے ہوئے تھے، کیسا تھا نہ کیسی جوہاری
 کیسی نالش، کیسی فراہ، نہ زمین پر پناہ نہ پانی پر امن، آئین و قانون کا کیا ذکر
 زبردست کا جوتما سر پر اور جس کی لامٹی اس کی بھینس کا مضمون پیش نظر
 تھا۔ اس وقت کے اہل حکومت بھی کچھ ڈاکو اور قزاقوں سے کم نہ تھے، اگر
 کسی رعیت کے پاس دولت پاتے حسب خواہش اپنے گھر اٹھا لاتے، عورتوں
 کی عزت بھی خدا ہی کے ماتھے میں تھی۔ اہل قدرت کے لئے جو روٹوں کو شوہر

سے باسیلوں کو باسے چھین لینا کوئی تردد طلب امر نہ تھا۔ اس وقت میں
 بہت سے گیت سنے جاتے ہیں جو اُس وقت کے جباروں کے ظالمانہ فعل
 سے خبر دیتے ہیں پس ایسے زمانہ میں کہ اہل حکومت ہی اس وضع کی بد اخلاقی
 میں مبتلا تھے، راہزنوں و بد معاشوں کا کیا ذکر ہے مختصر یہ ہے کہ ملک
 ہندوستان اس طور پر دارالفساد ہو رہا تھا کہ اُس کی اصلاح ویسی منتظران سے
 ممکن نہ تھی لیکن رحمت عامرہ الہی اپنے کردار کو رہنوں کو کب اس طرح پر
 گرفتار آلام پریشانی رکھنا قبول کر سکتی تھی۔ اس واسطے اس ملک نے وسیع کو ایک
 ایسی قوم کو سپرد کر دیا جو پورے طور پر داد جہان بینی دینے لگی۔ قوم انگلیشہ کے
 ہندوستان میں آنے کی سرگزشت یہ ہے کہ عہد ملکہ ایلزبتھیچہ جو انگلستان کی
 فرمان روا اور سلطان جہانگیر ابن اکبر شاہ کی محضر تھیں، ایک کمپنی اس غرض سے
 قائم ہوئی کہ درمیان انگلستان اور ہندوستان کے سلسلہ تجارت جاری کرے یہ
 مجمع تجارتی ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے قائم ہوا اور اجازت تجارت دو بار ملکہ
 محدودہ سے اس کمپنی کو ۱۶۰۰ء میں ملی۔ ایک سفیر بھی سرطامس رونامی شاہ
 انگلستان کی طرف سے دربار جہانگیر میں بھیجا گیا۔ مختصر یہ کہ کمپنی مذکورہ پہلے تو
 اپنے تجارتی کاروبار کو نہایت شعور مندی کے ساتھ ایک عرصہ تک انجام کرتی
 رہی اور جب ویسی فرمانرواؤں میں سلطنت کی صلاحیت باقی نہیں رہی تب با
 حکومت کو اپنے کاغذ پر لے لیا۔ ۱۶۵۷ء تک یہ کمپنی بہت بابت شاہ انگلستان
 فرمانروائے ممالک ہندوستان رہی۔ بعد لغات کے ۱۶۵۷ء میں
 حضرت علیا ملکہ وکٹوریہ انجانی نے سلطنت ہندوستان کو زیر حکومت خاص

فرمایا اور اس وقت سے اس وقت تک اسی طور پر یہ ملک پر انتظام تھا ہی ہے
 ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ حکومت میں گورنر جنرل کو صرف کورٹ آف ڈائرکٹرز
 کی ماتحتی تھی، اس افسر اعلیٰ کو نہر طرح کا اختیاریہ حال تھا اور کسی قسم کی جوابدہی
 کا تعلق سلطنت انگلیشہ سے یہ عمدہ دارنہ رکھتا تھا۔ البتہ ڈائرکٹران کو اپنی
 کارروائی کی جوابدہی یا شرکاء کمپنی کو یا بذریعہ بورڈ آف کنٹرول کے شاہ انگلستان
 اور پارلیمنٹ انگلشیہ کو تھی، لیکن جب ۱۷۵۷ء میں حضرت علیا ملکہ محظہ نے
 ممالک ہندوستان کو کمپنی کی حکومت سے منتزع فرمایا، تب سے لقب گورنر
 جنرل کے ساتھ خطاب و ایسیرتے یعنی نائب سلطان کا بھی ضم کیا گیا۔ بہر حال
 طوائف الملوک کے زمانہ بعد جب رفتہ رفتہ صوبجات ہندوستان احاطہ حکومت
 انگلیشہ میں داخل ہوتے گئے۔ تو نہر طرح کی برائیاں بھی دُور ہوتی گئیں، محظہ و اماں
 خلاق کے لئے قوانین ایسے نفاذ پائے جن سے جان و مال و آبرو سب کی
 حفاظت کی شکل پیدا ہوئی۔ و البیان ملک کے باخود ما جلال و قتال کا انسداد
 پُورا کیا گیا۔ ڈاکو، راہزن، قزاق، دزدان بری و بھری سب نیست و نابود ہو گئے
 غریب امیر سب کو امن نصیب ہوا۔ مظلوموں کی داد رسی کے قواعد مقرر
 کئے گئے۔ زمینداران رعبا کے حقوق کی نگہداشت کے واسطے قاعدے
 اجرا پائے۔ تجارت اور سماجی کے کاروبار کے لئے آئین نفاذ پائے، مختلف
 اقسام کے عادی کے ارجاع کے لئے مختلف محکمت قائم ہوتے گئے، تابانوں
 کے استحفاظ جان و مال کے واسطے قانونی انتظامات عمل میں آئے، کاشتکاری کی
 ترقی کی طرف توجہ شاہی جو مبذول ہوئی، تو ہزار ہا بیگھہ اراضی جو جھاڑ جنگل سے

بھری ہوئی تھیں کاشتکاری کے اغراض کے لئے آباد کی گئیں۔ سیرابی زراعت
 کے لئے ایسے سامان فراہم کئے گئے کہ ہزاروں بیگھہ افتادہ اراضی حسب مراد
 زرخیز ہو گئیں۔ نئے نئے اقسام کے قلعے اور اٹھار کی کاشت ہندوستان میں
 مروج کی گئی۔ صد ہائی نالوں میں پل تیار کئے گئے، نئی نئی مٹکیں اور راہیں نکالی
 گئیں۔ مسافروں کی واسطے سر آؤں کا انتظام ہو گیا۔ کثرت سے تالاب پناہ کی
 تعمیر ہوتی گئی۔ اقسام ڈاک کے سامان ظہور میں آئے۔ مریضوں کے واسطے شفاخانے
 تیار کئے گئے، شہروں و قریوں کی صفائی میں کندہ کوشش کو راہ دی گئی تا مطبوع
 رسوم کے اندر اس کا سامان کیا گیا، چنانچہ مستی اور بردہ فروشی کا نام تک باقی نہ
 رہا۔ قحط اور دہائی عارضوں کے دفع کرنے کے اسباب مہیا کئے گئے، سیر و سفر کے
 واسطے عمدہ خشکیں پیدا کی گئیں، مراسلات اور جلد خبر رسائی کے طریقے ایجاد پائے
 متنازع مقامات میں آب مصفا کے ہم پہنچانے کے لئے کارخانے قائم کئے گئے
 تفریح طبع غلاتی کے لئے نادر نادر تفریح گاہیں آراستہ کی گئیں اور اسی طرح
 عیش آرام کے بے انتہا سامان ہم پہنچائے گئے اور سب سے بڑا کام سرکار انگلینڈ
 کے عہد میں یہ پورا کہ علوم یورپ کی اشاعت اس وسعت کے ساتھ تمام ہندوستان
 میں کی گئی کہ ہزار ہا عیائسے سرکاری اعلیٰ درجے کی تعلیم یافتہ ہو کر اپنے خانگی اور ملکی
 حقوق کو خوب سمجھنے لگی۔ اور اپنی مالی اور ملکی خواہیوں کی اصلاح میں کوشاں ہونے لگی
 یہ اسی اعلیٰ درجے کی تعلیم یافتگی کا نتیجہ ہے جو ہندوستان کے قوام مختلفہ میں مہارت
 اور یک جہتی کی صورت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اہل ہنگالہ و اہل مدراس و اہل بمبئی میں
 روانست ویکٹ لی کا سلسلہ قائم ہوتا جاتا ہے اور سبوں کو ملک کی بہتری و بہبودی

کا خیال مرکزِ خاطرِ محمد ہے، تعلیم یافتہ سکناے ہندوستان طرح طرح کی تمدنی
 کمیٹیاں اور جلسے منعقد کرتے جاتے ہیں۔ اخباروں کے ذریعے سے بڑے بڑے مدبرانہ
 کام لٹے جاتے ہیں۔ معقول تصنیفات سے ہندوستان کی مختلف زبانیں ترقی کرتی
 جاتی ہیں اور اجرامے شاہی زبان کی بدولت تمام ممالک ہندوستان میں ہم خیالی نور
 پکڑتی جاتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اشاعتِ علوم یورپ نے ہندوستان کو ترقی
 کی ایسی راہ دکھلائی ہے کہ یوں آئیو ما اس کی تمدنی خوبیاں بڑھتی ہی نظر آتی ہیں۔
 اس وقت تک جو کچھ ترقیاں اس ملک کو مرحوم خسرانی کی بدولت نصیب ہو چکی
 ہیں وہ کم حیرت انگیز نہیں ہیں۔

فارسی کی نظم و نثر کے تاریخی حالات

فارسی کی نظم کی ابتدا کی نسبت بعض کا قول ہے کہ پانچویں صدی
 مسیحی میں بہرام گور نے وزن اور قافیہ کو ایجاد کیا۔ مگر بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ ابو الحسن
 نسرقندی نظم کا موجد گزرا ہے۔ بہر حال یہ بات ظاہر ہے کہ آخر کے شاعران
 ساسانی کو فارسی کی انشاء کی طرف میلان تھا، لیکن جب ملک فارس پر قوم عرب کا
 قبضہ ہو گیا، تو کچھ عرصہ تک اہل فارس کا یہ میلان و بار بار، آخری کارِ جب سلطنت
 خلفائے عباسیہ کو ضعف لاحق ہوا اور فارس نے رفتہ رفتہ سیر تو لومی آزادی حاصل
 کر لی تب پھر اہل فارس قومی لطیفی کی ترقی کی طرف توجہ کرنے لگے۔ خراسان میں
 اس کی ترقی کا سلسلہ قائم ہوا۔ مروین ایک شخص مسلمی بہ عباسی سنہ ۱۹۳ھ
 صلح مطابق سنہ ۸۰۰ھ میں نظم نگاری شروع کی۔ اس کے بعد خلیفہ مامون ابن

ہارون الرشید کی تعریف میں محمد عوفی نے اشعار لکھے، پھر خنظلہ حکیم فرید اللہ
 ابوساک نے رابعی غزل اور قصائد لکھے، اس کے بعد ابو شکوہ بلخی متوفی کا
 موجد ہوا۔ یہ صنف شاعری اہل عرب میں نہ تھی، اس کے ایجاد سے فارسی شاعری
 کو ادائے خیالات مسلسل کا ایک بڑا میدان ہاتھ آیا جس کے سبب سے شاہنامہ
 وغیرہ کیسی بسوسو کتابیں فارسی میں لکھی جاسکیں، امیر نصیر دوم کے عہد میں از ۹۱۳ء
 تا ۹۲۶ء مطابق از ۳۰۱ھ ہجری تا ۳۱۱ھ ہجری مسلم سلطنت ایران کو
 استحکام حاصل ہوا۔ اس عہد کے نامی شاعر عباس بخارائی، ابوالمظفر نصر نیشاپوری
 ابو عبد اللہ محمد مجیدی، معنوی، نصرانی، ابوالحسن شاہ بلخی اور رودکی تھے۔
 اول اول حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق جس شاعر نے اپنی غزلوں کو مدون
 کیا، ابوالحسن شاہ بلخی تھا۔ رودکی کی روش کلام حکیم خباز نے اختتام کی
 پھر ابو شعیب ہراتی، روتقی بخارائی، ابوالفتح بسطی، امیر ابوالحسن علی النخاس عمر
 مروی اور کسائی اسی دسویں صدی میں شعرائے نام آور ہوتے گئے، اسی
 خاندان سمانی کے لوح دوم کے عہد میں دقیقی نے بھی شاعری کی شہرت پیدا
 کی، اس کے بعد خاندان بکتگین کو عروج ہوا۔ محمود غزنوی کے عہد میں فردوسی
 نے کتاب شاہنامہ لکھی ۱۰۰۰ء میں یہ کتاب اختتام کو پہنچی، فردوسی کے
 ہم عصر شعر اعنصری، عسجدی تھے، ہر چند یہ سب بڑے درجہ کے شاعر
 تھے، مگر فردوسی کی طباعی کے سامنے دربار محمود میں پھیکے پڑ گئے، شاہنامہ کی
 تصنیف سے ہر شاعر کے دل میں زمی شاعری کا جوش پیدا ہوا، اشعار عام طور
 پر فردوسی کا شیخ کرنے لگے، بلکہ یہ کوششیں ہونے لگیں کہ فردوسی پر بھی سبقت

سے جائیے، علی بن احمد لاسدی نے گراسب نامہ لکھا۔ پھر سام نامہ جرائگہ نامہ
 فرامر ز نامہ بزد نامہ، شہر بار نامہ وغیرہ تصنیف ہوتے گئے۔ ان سب کتابوں
 میں شاہنامہ کی طرح کے مضامین منظوم ہیں اور یہ مضامین تمام تر ایران قدیم کے
 قصص و حکایات پر مشتمل ہیں جب ایران کے خیالی معاملات لکھتے لکھتے شعرائے
 فارس تضحک گئے تب یونانی حالات تاریخی وغیرہ تاریخی کی طرف متوجہ ہوئے اکثر شعرا
 نے سکندر کے حالات منظوم کئے، اسی لئے فارسی میں بہت سے سکندر نامے لکھے
 جاتے ہیں، ان سکندر ناموں میں سربے ممتاز تصنیف نظامی کا سکندر نامہ ہے یہ
 کتاب ۱۲۰۲ء مطابق ۱۷۹۹ء ہجری صلعم میں اختتام کو پہنچی، جب سکندر کی
 حالات نگاری کا خاتمہ کر چکے تب شعرا نے نذی شاعری کے دھارے کو فن میرے
 کی طرف پھیرا۔ حسن شستری نے انبیا نامہ لکھا، ابن ہر شام نے خاور نامہ میں
 امیر المؤمنین علیہ السلام کے معاملات جنگ و سوار قلم کئے، یا ذلک نے حملہ حیدر تصنیف
 کیا اور کاظم نے فرخنامہ، جب حالات میں منظوم ہونے سے باقی نہ رہے تب
 شان وقت کے حالات منظوم کئے جانے لگے، ہالقی نے تیمور نامہ لکھا، قاسمی
 نے شاہ اسماعیل اور شاہ طہماسپ کے وقائع منظوم کئے، کمال سبزواری نے شاہ عباس
 اعظم کا شاہنامہ تصنیف کیا اور عشرتی نے شاہنامہ نادری اسی طرح عمر
 فتح علی شاہ قاجار میں شاہنشاہ نامہ لکھا گیا، ہندوستان میں بھی شاہنامہ کے
 رنگ کی چند تصنیفیں ظہور میں آئی گئیں، عہد ہمالوں میں یعنی درمیان ۱۵۳۳ء
 ۱۵۵۶ء کے اس قسم کی شاعری نے اس ملک میں رواج پکڑا، اس کے بعد
 ہر عہد میں کچھ نہ کچھ اس رنگ کی کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ عہد شاہ جہان میں

قدوسی نے ظفر نامہ شاہ جہانی اور طالب کلیم شاہنشاہ نامہ لکھتے گئے۔ بیجا پور
میں آنتشی نے عادل نامہ لکھا۔ عہد عادل شاہ کی ابتدا ۱۶۲۹ء ہے۔ پھر
ایک منظوم تاریخ موسوم بہ تواریخ تلی قطب شاہ لکھی گئی، یہاں تک کہ آخر کار
۱۷۸۷ء میں غلام حسن نے فتح نامہ طیبہ سلطان لکھا؛

واقع ہو کہ فردوسی کی رزمی شاعری نے نہ صرف اہل ایران کو اس رنگ کی
شاعری کے برتنے کی راہ بتلائی، بلکہ ہندی شاعری کی طرف بھی شعرا کے دلوں
میں میلان پیدا کر دیا۔ کتاب شاہنامہ الہی بسبب کتاب ہے کہ اس میں ہندی
شاعری کے تخم بہ کثرت موجود ہیں۔ چنانچہ فردوسی کے بعد عماد بخاراوی، جامی
موجبی، قاسم خان ناظم ہردی شوکت حاکم شیرازی ہندی شہزادوں حضرت یوسفؑ اور
زینجا کے حالات میں لکھتے گئے۔ یہ سب تصنیفات یوسف زینجا نام لکھتی ہیں
جاننا چاہئے کہ اس کے علاوہ وہ یوسف زینجا ہے جو فردوسی کی تصانیف سے
بہر حال ان شعرا کے علاوہ فصیحی، جرجانی، دمیری، نامی وغیرہ نے اپنے
زمانے میں واقع و عذر کے عشق کی کہانیاں بشکل ہندی منظوم کہیں المختصر قسم
کی ہندی نگاری کے مذاق کے پیدا ہونے کا باعث فردوسی کا شاہنامہ ہوا ہے
اور حقیقت حال یہ ہے کہ صرف عاشقانہ ہندیوں کے مروج ہونے کی صورت
فردوسی کی شاعری نہیں ہوئی ہے بلکہ اُس نے پسند و مغلط کے رستے بھی
شعرا کے بعد کو دکھائے ہیں۔ شاہنامہ میں بہت مقامات ایسے ہیں کہ بہترین لفظ
ان سے بہت کچھ پسند لے سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انھیں مقامات کے
بتبع سے فارسی کے بہت سے شعرا نام آور ہوتے گئے ہیں۔ سعدی مولانا کے

روم، فرید الدین عطار وغیرہ سب کے سب اس خدائے سخن کے پوجنے والے نظر آتے ہیں۔ المختصر تمام اقسام مثنوی نگاری کو یہی کتاب شاہنامہ سے ہدایت ملی ہے اور واقعی فردوسی وہ بڑا شاعر ہے کہ شعرائے فارس اُسے جس قدر عظمت کی نگاہ سے دیکھیں عین انصاف ہے۔ ورحیق فارسی میں فردوسی کا جواب کوئی شاعر نہیں ہے۔ اس شاعر گرامی سے بہتر شاعر ڈھونڈنے کے لئے تلاش کنندہ کو سرزمین ایران سے باہر جانے کی حاجت ہے۔ بزمی اور زمی شاعریوں کے علاوہ قصیدہ گوئی بھی زور و شور کے ساتھ ہر طبقہ شامان اسلام میں مروج رہی ہے۔ ذیل میں بعض ممتاز شعرائے قصیدہ گو کے نام اور ان کے زمانے درج کئے جاتے ہیں :-

نمبر (۱) فخر الدین اسد جبرانی بعض شامان سلجوق کا مداح تھا یہ قصیدہ گو
کیا چھوٹا صدی مسیحی میں زندہ تھا ؟

نمبر (۲) ابو الفرج لاهوری و مسعود بن سعید بن سلمان عماد سلطان ابراہیم
غزنوی ہیں تھے اس بادشاہ کا عہد حکومت از ۱۰۵۹ء تا ۱۰۷۲ء ہے ،
نمبر (۳) ادیب صابر عماد سلطان سنجر میں تھا اس بادشاہ کے حکم سے ۱۱۵۶ء
مطابق ۴۲۷ھ ہجری میں پانی میں ڈبا دیا گیا ؟

نمبر (۴) جوسری امیر مغربی سنہ ۱۱۳۷ء ریشہ و طوطا سنہ
مات ۱۱۶۱ء عبدالواسع سنہ مات ۱۱۶۹ء اوعد الدین الزوری سنہ مات
قریب ۱۱۶۹ء یہ سب کے سب عماد سلطان سنجر کے شعراء ہیں ؟

نمبر (۵) خاقان سنہ مات ۱۱۹۹ء الزوری کا یہ معصر تھا ؟

نمبر (۶) بلیقانی خانقانی کا جمعہ مصراعاً

نمبر (۷) ظہیر ناریابی ایضاً

نمبر (۸) کمال الدین سنہ ۱۲۳۵ھ

نمبر (۹) سیف الدین سنہ ۱۲۶۵ھ

علاوہ ان شعرائے قصیدہ گو کے اور بھی ہزاروں شعرا گزرے ہیں جن کے ناموں کی فہرست طولانی ہے ان تمام شعرا کے کلام لم و بیش طور پر جاوہ فطرت سے انحراف پذیر معلوم ہوتے ہیں اور اس انحراف و ریزی کا سبب یہی ہوا ہے کہ انھیں مدح بادشاہان وقت میں طرح طرح کے مضامین گٹے پٹے ہیں۔ ہر طرح کے استعاروں کو اختیار کرنا پڑا ہے اور مبالغہ پر وازی کی ان راہوں میں چلنا پڑا ہے جن کو فطرت کی راہ سے کوئی علاقہ نہیں ہے راقم کی دانشت میں ایسی شاعریاں کسی صاحب مذاق صحیح کو پسند نہیں آسکتی ہیں اور درحقیقت یہ وہ شاعر ہیں جن سے نفس شاعری کو ضرر عظیم مترتب ہوا گیا ہے

مذہبی اور بزمی شاعریوں اور قصیدہ نگاریوں کے ساتھ ساتھ تصوف آمیز شاعری بھی زور پکڑتی گئی تصوف کا مذاق اہل اسلام میں اول اول ملک نادر کو بیوقوف سے داخل ہوا مگر اس مذاق کے پیدا ہونے کا سبب بھی وہی شامہ نامہ ہوا ہے۔ فرودسی نے بہت متالوں پر اخلاقی اور متصوفانہ مضامین حوالہ تلم کئے ہیں چنانچہ کینسہ کی نسبت اس کا یہ بیان دیکھا جاتا ہے کہ جب اس بادشاہ کو ہر طرح کی ثروت و دنیاوی ممالک ہو چکی تہ دنیاوی تحقیقتی پر لحاظ کر کے اس نے دفعۃً ترک دنیا کیا اور تہائے آرام ابدی میں وہ ایک سرسبز جہہ پر پہنچ کر چشم عالمیاں

سے نہاں ہو گیا، اسلام میں تصوف کا مادہ تمام تر زرد و سفیدوں سے پہنچا ہے، جب
اہل عرب اہل فارس سے میل جول کرنے لگے تو ناچار فارسیوں کے مذہبی خیالات
ان کے دلوں میں اثر کرنے لگے، یہ تو نہ ہو کہ عقیدہ توحید اسلامیوں کا زوال پذیر
ہو سکا، مگر انداز توحید ضرور بدل گیا۔ بہت سے جدید خیالات از تقسیم وحدت
و وجود وحدت شہود و ہمہ اوست وغیرہ پیدا ہوتے گئے۔ شعر آنے اپنی طباعیوں
سے ان عقائد کو بہت کچھ زور بخشا، حتیٰ کہ ہزاروں منظوم کتابیں اس رنگ کی اٹھ
تصنیف میں در آئیں، بہر حال پہلا شاعر جس نے تصوف کے اصول منظوم کئے
فردوسی کا ہم عصر ابو سعید بن ابوالخیر جہانی تھا (۳۵۷ - ۴۴۰ ہجری نبوی علیہ السلام
الصلوة والسلام) اس نے منظوفانہ مذاق کی رابعیاں لکھیں، پھر ناصر بن خسرو
نے تنزی موسوم بہ روشنائی نامہ تصوف میں لکھی۔ پھر عسلی بن عثمان نے
کشف المحجوب لکھی، عمر خیام نے سینکڑوں رابعیاں لکھیں، افضل الدین کاشانی نے
بھی اس مذاق میں کتابیں تصنیف کیں، حکیم سنائی نے حدیقہ تصنیف کیا، اور
جلال الدین رومی نے اپنی تنزی مبسوط لکھی (۱۲۰۷ - ۱۲۷۳ ۶ مطابق ۶۰۰
۶۷۲ ہجری) اس کے پہلے فرید الدین عطار منظوم وغیرہ منظوم کتابیں لکھ چکے
تھے۔ عطار نے عمر طویل پائی تھی، ۱۱۴۰ برس زندہ رہ چکے تھے کہ قوم موغولوں
نے انھیں قتل کیا۔ پھر سعدی نے منظوفانہ مذاق کی کتابیں لکھیں، معلوم ہوتا ہے کہ
سعدی نے ۱۱۰۰ برس عمر پائی تھی۔ ان کے انتقال کا سنہ ۱۲۹۲ ۶ مطابق ۶۹۱ ہ
ہے۔ سعدی نے خاص کر علم تصوف میں کوئی کتاب نہیں لکھی ہے، ان کا اصل مذاق
اخلاق آموزی سے خبر دیتا ہے مگر اس مذاق کو چونکہ تصوف کے مذاق سے

مشابہت ہے اس لئے ان کی تحریر تصوف نامعلوم ہوتی ہے شیخ کی مشہور کتابیں گلستان اور بوستان گریبا اور دیوان ہیں گلستان اور بوستان کے تئیں میں اکثر کتابیں لکھی گئی ہیں مگر کوئی بھی نقل مطابق اصل کا حکم نہیں رکھتی ہے، متبعان سعدی سے بعض مصنفین ذیل میں :-

نمبر (۱) ہزادی کوستانی نے کتاب دستور نامہ تئیں بوستان میں لکھی یہ شاعر ۱۳۳۳ء مطابق ۲۰ ہجری میں رومی ملک بقا ہوا،

نمبر (۲) کاتبی نے کتاب وہ باب بوستان کے جواب میں لکھی اس شاعر کا سال وفات ۱۳۳۴ء مطابق ۲۸ ہجری کے ہیں،

نمبر (۳) حیرتی نے بھی تئیں بوستان میں کتاب گلزار لکھی یہ شاعر ۱۵۵۴ء مطابق ۹۹۱ ہجری میں متوفی ہوا،

نمبر (۴) معین الدین نے گلستان کے تئیں کتاب نگارستان لکھی سال وفات اس شاعر کا ۱۳۲۵ء مطابق ۲۵ ہجری کے ہیں،

نمبر (۵) جامی نے بہ تئیں ایضاً بہارستان لکھی۔ سال تصنیف اس کتاب کا ۷۸۸ھ مطابق ۱۳۹۲ ہجری ہے، متاخرین شعرا و نثار سے بعض

اشتراک نے بوستان اور گلستان کے تئیں میں کتابیں لکھی ہیں مگر کسی کی تصنیف سعدی کی تصنیفوں کو نہیں پہنچتی ہے بہر حال متصوفانہ مذاق کو ہمیشہ ترقی ہی

رہی۔ اور آج تک بھی یہ مذاق محمود سمجھا جاتا ہے۔ ذیل میں بعض متصوفانہ مذاق کے مصنفوں کے نام درج کئے جاتے ہیں :-

نمبر (۱) عراقی نے سعادت لکھی سال وفات عراقی کا ۱۳۸۶ء

اور ۱۳۰۹ء مطابق ۱۶۸۶ء اور ۱۳۰۹ء ہجری کے ہے

نمبر (۲) حبیبی نے زاو المسافرین لکھی۔ سال وفات اس مصنف کا

۱۳۱۸ء مطابق ۱۶۸۶ء اور ۱۳۱۸ء ہجری کے ہے

نمبر (۳) محمود شستری نے گلشن راز لکھی۔ سال مصنف ۱۳۲۰ء

مطابق ۱۳۲۰ء ہجری کے ہے

نمبر (۴) اوحدی نے کتاب جام جمشید لکھی۔ سال وفات مصنف

۱۳۳۸ء مطابق ۱۳۳۸ء ہجری کے ہے

نمبر (۵) قاسم انوار نے انیس العارفین لکھی۔ سال وفات مصنف

۱۳۳۷ء مطابق ۱۳۳۷ء ہجری کے ہے

نمبر (۶) عارفی نے گوئی و چوگان لکھی۔ سال تصنیف ۱۳۳۸ء مطابق

۱۳۳۸ء ہجری کے ہے

نمبر (۷) قاسمی مینٹاپوری نے حسن و دل لکھی۔ مصنف کا سال وفات

۱۳۴۸ء مطابق ۱۳۵۲ء ہجری کے ہے

نمبر (۸) ابراہیم شیرازی نے شمع و پروانہ لکھی۔ سال تصنیف کتاب ۱۳۸۹ء

مطابق ۱۳۹۷ء ہجری کے ہے

نمبر (۹) بولی نے شاہ و گرد لکھی۔ اس شاعر کے مقتول ہونے کا

سال ۱۵۳۲ء مطابق ۹۳۹ء ہجری کے ہے

نمبر (۱۰) ساء الدین آملی نے نان و ملوا شیر و شکر وغیرہ لکھی۔ وفات

مصنف کا سن ۱۶۲۱ء مطابق ۱۰۲۰ء ہجری کے ہے

شاعری نامے اصناف بالا کے علاوہ غزل سرائی بھی ہر وقت میں ترویج رہی۔ اردو کی کے زمانے سے آج تک اس صنف شاعری کو شعر ابرتے رہے ہیں۔ ذیل میں کچھ غزل گو شعرائے معروف کے نام و سال وفات اندراج پاتے ہیں۔

سنہ وفات ہجری	سنہ وفات عیسوی	نام متغزلین
۶۹۱	۱۲۹۲	سعدی شیرازی
۷۹۱	۱۳۸۹	ماہظ شیرازی
۷۷۹	۱۳۷۷	سلطان سادجی
۷۸۴	۰۰۰۰	کمال نجمدی
۸۰۹	۱۴۰۶	محمد شیریں مغربی
۸۳۴	۱۴۳۱	نعمت اللہ ولی
۸۵۷	۱۴۵۴	امیر شاہی
۹۲۵	۱۵۱۹	بابا فقانی شیرازی
۹۳۸	۱۵۳۱	زرگسی
۹۴۱	۱۵۳۴	لسانی
		دوبہری اصحمانی
		ملا مستشم کاشی
		ہجشی
		اہلی شیرازی
۹۴۲	۱۵۳۵	

ابن تینوں شاعروں نے دسویں صدی ہجری کے اخیر میں رحلت فرمائی۔

۷۲۷	۱۳۲۷	امیر حسن { شعر لٹوی سے تھے
۷۴۵	۱۳۲۵	امیر خسرو
۷۳۵	۱۳۵۲	نوحہ کرمانی
۸۹۸	۱۴۹۲	عبد الرحمن جامی
	۱۵۷۶	غزالی مشہدی
	۱۵۹۱	عرفی شیرازی
	۱۵۹۵	فیضی
	۱۵۹۲	زر لالی
	۱۶۷۷	صائب تبریزی
	۱۷۸۵	حافظ اصفہانی

دفع ہو کر ہر چند اقسام بالا کی شاعریوں کو ہر عہد میں فروغ رہا، مگر کبھی شاعر نے ڈراما نگاری کی طرف توجہ نہ کی، اس صنف شاعری کے عدم موجودگی سے فارسی کی شاعری ذلیل اور حقیر معلوم ہوتی ہے، مگر اس صدی کی ابتدا میں اس صنف شاعری کی طرف بھی حال کے شعرائے ایران نے توجہ شروع کی ہے، عجب کیا کہ اپنے وقت پر ڈراما نگاری مروج ملک ایران میں ہو جائے اس وقت اس زبان کی شاعری کو یونانی لاطینی سنسکرت، انگریزی وغیرہ وغیرہ کی شاعریوں کے ساتھ ساتھ مقابلہ کی صورت پیدا ہو سکے گی، اس وقت ڈراما نگاری جو ملک ایران میں مروج ہو چکی ہے وہ معاملات کو بلا سے تعلق رکھتی ہے اور اس طرح کچھ تواریخ کے قصے و مشکل ڈراما موزوں ہوتے گئے ہیں، ظاہر

ہے کہ جب ڈرامانگاری حسب مراد اس طور پر مروج ایران ہو جائے گی تو فطری
شاعری کے رواج پانے کے باعث امید کی جاتی ہے کہ ایرانی شعر کے حال کا
غیر فطری مذاق زوال پذیر ہو جائے گا ۛ

جاننا چاہئے کہ زبان فارسی میں بہت سی کتابیں علوم مختلفہ کی موجود ہیں۔
منطق، طبعیات، فلکیات، ہندسہ، اخلاق، سیر و تاریخ وغیرہ وغیرہ کی کتابیں
تہایت علمی لغتوں کے ساتھ تصنیف پائی ہیں، مگر لٹریچر یعنی انشاء کی کتابیں
کمتر مذاق صحیح سے خبر دیتی ہیں وہی مبالغہ پر دازباں وغیرہ جن سے فارسی کی
شاعری معیوب ہو رہی ہے، فارسی کی نثروں میں بکثرت پائی جاتی ہیں سو
گلستان سعدی کے بیشتر فارسی کی کتب ادب فطری مذاق تحریر سے بے
بہرہ نظر آتی ہیں مثلاً نہ نثر ظہوری کہ بلاشبہ طومار بد مذاقی ہے یہی حال
بینا بازار وغیرہ کا ہے تعلیم یافتہ اشخاص کو ایسی کتابوں سے تمام تر وحشت پیدا
ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انشاء پر دازبان فارسی مطلق مذاق صحیح سے بہرہ
مندہ تھے، ان کے قصے اور کہانی کی تصنیفیں بھی پتھر ل رنگ سے علیحدہ معلوم
ہوتی ہیں، حتیٰ کہ انوار سہیل ایسی کتاب بھی بہت مقاموں میں خوش مذاقی سے
مبرا معلوم ہوتی ہے ۛ

چونکہ فارسی اور اردو کی شاعریاں واحد المذاق ہیں تو ان کے اصناف
میں بھی کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ دونوں کی معروف صنوف ذیل
میں درج ہوتی ہیں۔

فارسی اور اردو کے اصناف شاعری، غزل، قصیدہ، قطعہ

رباعی - خمس - مستدس - منوخی - واضح ہو کہ تقسیم بالا عرضی ترکیب پر مبنی ہے۔ مگر
 مضامین کی رو سے شاعری کی حقیقت ہر صنف کے بیان سے ظاہر ہوگی اصناف
 مختلفہ کے وضع کئے جانے کی وجہ پر جب غور کیا جاتا ہے تو یہ سوال ہوتا ہے کہ
 اتنے اصناف کے ایجاد کئے جانے کا باعث کون سا امر ہوا۔ اگر سب اصناف
 کا تقاضا ایک ہی تھا تو اتنی صنفوں کے وضع کرنے کی حاجت کیا تھی، اسی
 سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر صنف کا ایک تقاضا خاص ہے، ضرور کوئی امر ایسا
 ہے کہ ہر صنف کے برتنے میں شاعر کو اس کا ملحوظ رکھنا واجباً سے ہے اور نہ
 اصناف شاعری کا مضمون باطل ہو جائے گا، اب ذیل میں ہر صنف سے بحث
 کی جاتی ہے حضرات ناظرین سے توجہ فرمانے کی خواہش تنگداری ہے،

یہ وہ صنف شاعری ہے کہ فارسی اور اردو کے سوا کسی اور

غزل
 زبان میں موجود نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں زبانوں
 کے سوا کسی زبان کی ایسی ترکیب بھی نہیں واقع ہوئی ہے۔ جو اس صنف شاعری
 کے حقوق کو پورے طور پر ادا کر سکے، عربی میں غزل کوئی شکل امکان رکھتی ہے
 مگر کسی اہل زبان نے غزل کوئی نہیں کی۔ عجمی شاعروں نے جو زبان عربی میں
 کچھ غزلیں لکھی ہیں وہ صرف ان کا ایجاد... اسی ایجاد ہے حقیقت یہ ہے
 کہ عربی کو غزل گوئی کے ساتھ پوری مناسبت بھی نہیں ہے، اس صنف
 شاعری کے ساتھ فارسی ایک خصوصیت رکھتی ہے اور چونکہ اردو کو فارسی
 کے ساتھ ترکیب بنانے کا سلسلہ خیال کے اعتبار سے متاثر حاصل ہے
 اس زبان میں بھی غزل گوئی کا لطف سبزی اٹھتا ہے نہ انگریزی میں شاعری کی

ایک صنف ہے جسے سوانٹ (SONNET) کہتے ہیں یہ صنف غزل گوئی سے مشابہت رکھتی ہے۔ مگر اس پر غزل گوئی کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا ہے کس واسطے کہ سوانٹ کو جو کچھ مشابہت غزل کے ساتھ ہے وہ اسی قدر ہے کہ مضامین ذبیحہ از قسم واردات قلبیہ غیرہ اس میں قلم بند کئے جاتے ہیں، مگر اس کا یہ ایر غزل سے علحدہ ہوا کرتا ہے، سوانٹ کی ترکیب کچھ عشقینہ فتویٰ کی ہوجاتی ہے، اس واسطے کہ التزام قطعہ بندی غزلیت کی ترکیب ظاہری تمام رہنے نہیں دیتا۔ خیر اب دیکھنا چاہئے کہ خود غزل گوئی کیا شے ہے اور اس صنف شاعری کے کیا کیا تقاضے ہیں ؟

غزل کے لغوی معنی عدتوں سے کلام کرنا ہے مگر اصطلاح میں اس سے وہ صنف شاعری مراد ہے جس میں ایسے مضامین جو اعلیٰ و درجہ کے واردات قلبیہ اور ارفع و درجہ کے امور ذہنیہ سے خبر دیتے ہیں۔ حوالہ قلم کئے جاتے ہیں یہ صنف شاعری تمام تر و اعلیٰ بہنو (SUBJECTIVE) رکھتی ہے۔ ہی لفظ اس کا اعطاب بہت محدود ہوتا ہے چونکہ اس صنف کا یہی تقاضا ہے ذرا سی لغزش سے غزلیت کا رنگ کلام قصیدہ نما ہوجاتا ہے یا مبتلا ٹیپت خیالی ہوا کر اعلیٰ شاعری سے نکل جاتا ہے۔ غزل گوئی کی شان سے ہے کہ وہ اعلیٰ قسم کا دل داغ رکھتا ہو۔ اور مقلقت کی رو سے آزاد طبیعت پاک طینت شمشخ مزاج نازک خیال گداختہ دل اور برشتہ مگر ہوا اور ذیل غزل گوئی ایسے ہر ایت نامہ تصور ہیں ؟

نمبر (۱) ادائے مطلب کے لئے غزل گوئی کی زبان کو سلیس ہونا چاہئے

غزل گوئی کی شان سے ہے کہ وہ اعلیٰ قسم کا دل داغ رکھتا ہو۔ اور مقلقت کی رو سے آزاد طبیعت پاک طینت شمشخ مزاج نازک خیال گداختہ دل اور برشتہ مگر ہوا اور ذیل غزل گوئی ایسے ہر ایت نامہ تصور ہیں ؟

کس واسطے کہ وارداتِ قلبیہ کے بیانات منسلقات سے بہت تاثیر ہو جاتے ہیں؛
نمبر (۲) جس قدر ممکن ہو زبان کی سادگی ملحوظ رہے، غزل گوئی کو مناسبت
بدائع کی حاجت نہیں ہوتی؛

نمبر (۳) حتی الامکان تشبہ استعارہ دخل نہ پائیں یہ چیزیں شاعر
عجزِ طبیعت سے خبر دیتی ہیں؛

نمبر (۴) مبالغہ پر دازی سے جس قدر اجتناب ممکن ہو عمل پر لایا جائے۔
اسی مبالغہ پر دازی سے فارسی اور اردو کی شاعری صحیح اور ذلیل ہو گئی ہے؛
نمبر (۵) اگر تشبہ استعارہ اور مبالغہ سے بھی کام لیا جائے تو ان کا
استعمال فطری خوبیوں کا محل واقع نہ ہو؛

نمبر (۶) پھبتی ضلع جگت وغیرہ سے اجتنابِ جبات سے ہے؛
نمبر (۷) رعایتِ لفظی یا نذار و ہویا محض طبعی انداز رکھتی ہو ایسا نہ
معلوم ہو کہ رعایتِ لفظی کا کوئی التزام کیا گیا ہے۔ اگر فطری انداز بیان کے ساتھ
بلا اور در رعایتِ لفظی کی شکل پیدا ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں؛

نمبر (۸) غزل کے جتنے مضامین ہوں داخلی ہوں، مگر ایسے رفیع درجہ
کے ہوں جس سے انسان کے عالمِ باطنی کا شرف ظاہر ہو سکے، جن سے انسان
کی بزرگی اور عظمت ہو پیدا ہو سکے، جن سے انسان کا دل عرشِ اللہ تعالیٰ ثابت
ہو سکے، جن سے انسان نمونہ قدرتِ خداوندی سمجھا جائے، جن سے انسان
کے قویٰ اخلاقیہ کی خوبیوں کا انکشاف متصور ہو، جن سے انسان کی وسعت
اور اکاپتہ مل سکے۔ جن سے عرفانِ حق کی راہ چھائی دے سکے، جن سے

عالم روحانی کا اندازہ حسب قوت بشر یہ جاسکتے +

نمبر (۹۱) مضامین عشقیہ ایسے نہ ہوں کہ معشوقانِ بازاری کی طرف
محول کئے جاسکیں۔ فسق و فجور سے تمام تزیلے لگاؤں ہوں عشق پیرا یہ فسق میں نہ
دکھایا جائے بلکہ اس عظمت اور بزرگی کی شان سے بندش پائے جو اس کی
شان ہے۔ تَعَالَى الْعَشَقُ عَنِ فَهْمِ الرِّجَالِ۔ اسی طرح وہ مضامین جو
حسن سے تعلق رکھتے ہیں ان کے انداز ایسے عالی ہوں کہ نورِ اُخْیالِ سامعِ معشوق
حقیقی کی طرف کھینچ جائے ،

جاننا چاہئے کہ حسن و عشق بہ تعزیر الفاظ صفاتِ خداوندی سے ہیں اس لئے
کہ حسن و جمال تھے اور عشق و محبت بھی تمدنِ جنات کی نسبت مدیث
میں وارد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ وَّيُحِبُّ الْجَمَالَ اور محبت کے متعلق متعدد
آیات قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں۔ مَثَلُ الْمُحِبِّبِمْ وَّيُحِبُّوْنَہُ الْمُحْتَمِرِمْ جو کچھ
حسن و عشق کے مفہوم میں مثل و بیگز غیر محدود صفاتِ خداوندی کے عین ذات
خداوندی ہیں اور ذاتِ خداوندی کی طرح قدیم میں ، کس واسطے کہ اگر صفاتِ خداوندی
عین ذاتِ خداوندی نہیں ہیں تو تعدد و قدام لازم آتا ہے۔ خیر اپنا مذہب یہی
ہے۔ بلکہ حسن و عشق کے معاملے میں خیالِ راقم یہ ہے کہ حسن و عشق تھے واحد
ہیں اور بصورت و جلالت خود خدا ہیں اور تمام ذات و صفات انہی سے مرو
ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ دونوں اعلیٰ سے اعلیٰ و رحب کی چیزیں ہیں لاریب
وہ بڑا پوری شاعر ہے جو مضامینِ حسن و عشق کو ان کے تقاضے کے مطابق نہ
باندھے اور اپنی ترکیب بندش سے انہیں ایسے درجہ ابتذال کو پہنچا دے۔

کراسع کا ذہن معشوقان بازاری کی طرف منتقل ہو جائے اس عہد میں ایسے غزل گو یوں کی کمی نہیں ہے کتر ایسے طبیعت دار ہیں جو مضامین حسن و عشق کو ان کے تقاضوں کے مطابق بنا دیتے ہیں بلکہ بعض تو ایسے بد مذاق غزل گو ہیں کہ ان کی دماغی اور ذہنی بدترکیبی پورے طور پر ان کی کم بینی، نیرہ چشمی، بیجائی یا بد خلقی نفسی اور فرو باگی کا اظہار کرتی ہے :

نمبر (۱۰) دصال و فراق کے مضامین فطرت کے احاطہ سے باہر نہ جائیں دصال و فراق کی فطری کیفیتیں کیا کم لذت خیز ہیں جو غیر فطری اعانتوں کی محتاج تیاں کی جاسکتی ہیں۔

نمبر (۱۱) دصال و فراق کے بیانات بے حیائی کے ساتھ رقم نہ ہوں۔ کہ جس سے طبیعت کو اکراہ لاحق ہو :

نمبر (۱۲) ہوا۔ ہوس۔ حسرت۔ رنج۔ ملال۔ عداوت۔ رشک جنوں و حسدت۔ رغبت۔ نفرت۔ حسد۔ غرور وغیرہ کی بندشیں ایسی نہ ہوں کہ مذاق صحیح سے خارج پائی جائیں (مذاق صحیح عبارت ہے بمعیت فطرت سے)

نمبر (۱۳) کوئی خیال سستی کی طرف مائل نہ ہو۔ غزل گو کو لازم ہے کہ ہمیشہ عالی مضامین پر نظر رکھے جس قدر بلند پروازی احاطہ امکان میں ہو اُسے اپنا شیوہ جانے :

نمبر (۱۴) شوخی ضروریات کلام سے ہے مگر شوخی سے مراد بے حیائی نہیں ہے۔ دیوان حافظ شوخی کلام سے بھرا ہوا ہے، مگر حافظ کی شوخی سے مراد بے حیائی نہیں جو مرکوز عوام ہو رہی ہے بعض شعرا نے شوخی اور بیجائی کو امر و احد سمجھ لیا ہے اور بے تکلف بیجائی کے مظاہرین منظم فرما گئے ہیں اور

طرہ یہ ہے کہ اُن کے ماحین ان کی بے حیائیوں کو شوخی سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور واہ واہ کی صدا بلند رکھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ جس کلام میں شوخی نہیں ہوتی ہے وہ کلام تمام تر بے لطف ہوتا ہے۔ مگر شوخی چیز ہے دیگر بے حیائی چیز ہے دیگر۔ سعدی کے مقطع میں ذیل میں شوخی ہے بے حیائی نہیں ہے۔

سعدی اذبت ہش بِل صبح کوفت | یا لکھ صبح نباشد شب تنہائی را

اسی طرح اُستادوں کے کلاموں میں کم و بیش طور پر شوخیاں دکھی جاتی ہیں لیکن ایسی شوخیاں محض و بے حیائی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ محض و بے حیائی کی مثالیں ایسے ایسے مضامین میں جیسا کہ ایک شاعر اپنے مستوق سے کتا ہے۔

رات کا خواب الہی تو ہے | آپ سنئے گا تو شرما بیٹے گا

خدا را یہ کیسی شوخی ہے، اگر یہ بے حیائی نہیں ہے تو پھر بے حیائی اور کیسی ہوتی ہے، اس پر طرف یہ ہے کہ فقیر نے بعض دعویٰ داران سخن کو اس نامراد شعر پر وجہ کرنے دیکھا ہے۔ الاحول ثم لاحول۔ اسی طرح اور بھی بہت شعر ہیں جو محض و بے حیائی کے نمونے ہیں مثلاً ایک اور شعر کا مضمون یہاں ذکر کر دیا جاتا ہے۔

وہ یہ ہے کہ بارہم سے اس قدر بدگمان ہے کہ اُس نے ہمیں اپنی پوری تصویر نہیں بھیجی، جو تصویر بھیجی ہے وہ صرف اُوپر کے دھڑکی ہے، استغفر اللہ! کس قدر بد مذاقی نے ترقی کی ہے کہ مذاق صحیح معرض خطر میں جا پڑا ہے۔ المنقصر

شوخی کو شوخی کی حد میں رہنا چاہئے۔ اگر شوخی درجہ اعتدال سے گزر جائے تو پھر شوخی نہیں رہتی بے حیائی ہو جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر عوام جسے شوخی سمجھتے ہیں وہ اقسام بے حیائی سے ہوتی ہے۔ بلاشبہ مرزا غالب

میں بڑی شوخی ہے مگر ان کی شوخی کو بازاری شوخی سے کیا علاقہ۔ بعض شعرا کے کلام ایسے بھی ہوتے ہیں کہ سرسری طور پر دیکھنے میں شوخ نظر آتے ہیں، مگر ان پر جب نظر ڈالئے تو عیاں ہو جاتا ہے کہ ان میں صرف نمائشی شوخی ہے، سچی شوخی جو لو از م خوش خیالی سے ہے، اس کا نام و نشان بھی ان کے کلام میں نہیں پایا جاتا ہے، ایسے شعرا مرہ عوام الناس سے ہوتے ہیں۔ محصل شخص انھیں نہ شاعر نہ حکیم مان سکتا ہے، البتہ بازاری اشخاص انھیں شاعر جانتے ہیں اور ان کے جاہلانہ کلام سے حظ اٹھاتے ہیں :

نمبر (۱۵۱) مکروہ مضامین سے اجتناب و اجبات سے ہے، اسی طرح ان الفاظ سے بھی احتیاط درکار ہے جو مکروہ مفہومات کے لئے موضوع کئے گئے ہیں :

نمبر (۱۶۱) غزل گوئی کی سرسبزی کے لئے اس کی حاجت ہے کہ جو واردات قلبیہ قلم بند ہوں۔ انھیں مجرد شاعر ہی کی زبان سے تعلق نہ ہو، ضرور ہے کہ وہ مضامین فی الواقع دلی انداز بھی رکھتے ہوں۔ تاکہ سامعین کے دلوں میں جگہ کر سکیں :

جاننا چاہئے کہ جس قدر واردات قلبیہ کی بندش شاعر کے قلبی تقاضے کے ساتھ ہوگی، اسی قدر سامع کے دل میں اس کا اثر پیدا ہوگا۔ انچہ از دل خیزد، بول ریزد، ایک نہایت منفع اور راست قول ہے۔ اگر کسی شاعر میں سوز و گداز و حسرت کی کیفیتیں موجود نہیں ہیں تو مجرد ان کی مضمون بندی حسب مراد تاثیر نہیں پیدا کر سکتی، استاد غالب نے خوب فرمایا ہے :

حسن فروغ شمع سخن دود ہے اسد پہلے دل گداخت پیدا کرے کوئی
 نمبر (۱۷۱) جس قدر ممکن ہو غزل گو کو چاہئے کہ تعجرت فطرت کو
 ہمیشہ ملحوظ رکھے بعض غزل گو حضرات ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ خلاق سخن
 تو ہیں مگر سخن سنجی میں فطرت کی پیروی کمتر کرتے ہیں تعجرت فطرت کی ضرورت
 صرف غزل گوئی ہی میں نہیں ہے بلکہ جمیع اصناف شاعری کو اس ضرورت ہے
 اہل یورپ کی شاعری اسی تعجرت فطرت کی بدولت فروغ عظیم پکڑا ہے۔

نمبر (۱۸۱) غزل گوئی کی شان سے ہے کہ مضامین حکمت آئیں شاعری
 کے پردے میں قلم بند کئے جائیں اگر کوئی غزل گو حکیم طبیعت نہیں ہے تو اس کی
 غزلیں محض عوام پسند ہوں گی اور اہل مذاق کو زینہ پار پسند آئیں گی حافظ علیہ
 الرحمہ کا دیوان کا دیوان اخلاقی فلسفہ ہے۔ اسی لئے کسی کی تاب نہیں ہے کہ
 خواجہ کے کمالات کا منکر ہو۔ تمام دنیا میں خواجہ کی خوش کلامی کی شہرت ہے۔
 خواجہ کو لندن اور پیرس کے علماء اسی طرح جانتے ہیں جتنا کہ شیرازہ مصفا
 کے اہل علم ان سے واقفیت رکھتے ہیں :

نمبر (۱۹) غزل گو کو عاشق مزاج ہونا واجبات سے ہے عاشق
 مزاجی سے یہ مراد نہیں ہے کہ کسی زن بازاری پر فریفتہ ہو کہ چہ گردی
 کرنا اور اس کے وصال و فراق کے مضامین سے اپنے دفتر شاعری کو
 سیاہ کرنا، اکثر غزل گوئی کے دعویٰ اور شہادت اعمال سے اس طرح
 کی بوالہوسی میں مبتلا دیکھے گئے ہیں۔ عاشق مزاجی اسے نہیں کہتے کہ چینی
 گنی، لڈن وڈن کی صحبتوں میں اوقات ضائع کی جائے یہ سب فسق و فجور

کی باتیں ہیں ان کو شاعری سے کیا علاقہ۔ جو غزل گو اس طرح کی بے ادبائی میں مبتلا
 ہے گا وہ اعلیٰ درجہ کے مضامین عشقیہ کی دیکھو موزوں کر سکے گا، اپنی خیالی
 سے عالی ذہنی کی امید نہیں کی جا سکتی۔ جانتا چاہئے کہ عاشق مزاجی سے
 مراد ہے عالم فطرت کے حسن پر محبت کا پیدا ہونا، یہ محبت عشق مجازی ہے۔
 لیکن جب وہی محبت حسن فطرت سے منقطع ہو کر سبب حسن فطرت کی طرف رجوع
 کر جاتی ہے تو وہ بر عشق حقیقی کو پہنچ جاتی ہے۔ واضح ہو کہ حسن فطرت کے اعلیٰ
 وسیع میں حسن انسانی بھی ہے انسان کا عشق انسان کے ساتھ خزان فطرت
 امر نہیں ہے، بخوبی مرد کو عورت کے ساتھ اور عورت کو مرد کے ساتھ عشق
 پیدا ہو سکتا ہے، انسان کا عشق مذاوق معاشیہ میں شمار ہونے کے عوض ہونے
 حسن و اخلاق سے خبر دیتا ہے، سپینفو (SAPPHO) جو ملک یونان
 کی ایک مشہور شاعرہ ہے کسی حیران دہنا سے عشق مذاوق رکھتی تھی۔ عالم عشق
 میں غزل سراپاں کیا کرتی تھی۔ تمام شعور سے یونان میں کوئی شاعر ایسا نہیں ہے
 کہ سوز و گداز و دوستگی اور شریعت میں اس کا جواب سمجھا جائے، اس کے
 مضامین عشقیہ ایسے ہیں کہ جنہیں پڑھ کر کلیجہا منہ کو آتا ہے، ظاہر ہے کہ اس
 شاعرہ کے کلام میں اس قدر لیری کا سبب اس کا عشق صادق تھا۔

تا دباش لے عشق خوش سوداے ما

لے طیب جملہ علت بائے ما

نمبر ۲۰، غزل گو کا فرض منصبی ہے کہ قرب سلطانی سے تادم امکان
 کنارہ کش دہنے کسی ضعف شاعری کو قرب سلاطین اور امرا سے اس قدر ضرر

نہیں ہونچتا، جس قدر غزل گوئی کو۔ حافظ اور میرزا صاحب کا مکان سلاطین و امرا سے
 کنارہ کش ہے اور اگر ملے بھی تو محض واجبی طور پر خواجہ حافظ کے پاس
 تاثیر ہے اور امیر زادے آتے تھے مگر ان کے ساتھ خواجہ اس طور پر برتاؤ
 نہیں فرماتے تھے جیسا کہ درباری شعر کا ثبوت ہوا کرتا ہے۔ ایک بار خواجہ کو
 شاہ دکن نے ہندوستان میں مدعو کیا تھا۔ خواجہ نہ آئے اور شاعرانہ عذر شاہ
 کو شعر ذیل کے ذریعہ سے لکھ بھیجا۔

نمی دہند اجازت مرا پیر و سفر

نسیم خاک مصلیٰ آب رکنا باد

اگر زر اندوزی کی ہوس خواجہ کو ہوتی تو سفر کی تکلیفوں کو گوارا کر کے داخل دکن
 ہو جاتے، بالخصوص یہ کہ خواجہ کی قناعت و رزی گوشہ گیری عزت پسندی آنا
 مزاجی، سیریشمی، بے غرضی، بے پروائی کا نتیجہ ہے کہ ان کی غزل گوئی کا نظیر
 دنیا میں نہیں پایا جاتا ہے۔ اگر خواجہ کو قرب سلطانی کی ہوس ہوتی تو بلاشبہ اپنے
 حیرت انگیز کمالات سے محروم ہوتے اور ان کی غزل گوئی بھی عرفی، ظہوری،
 نعمت خاں، آئن کی غزل گوئیوں کی طرح بے تاثیر ہوجاتی، میر صاحب بھی
 سلاطین اور امرا کی صحبتوں کے طالب دل سے نہ تھے، چنانچہ خوب بحالت
 مجبوری وہلی سے لکھواٹے تو نواب آصف الدولہ کی درباری نہ کر سکے، ایک بار
 کا ذکر ہے کہ میر صاحب نواب وقت سے ناخوش ہو کر اپنے مسکن پر چلے
 آئے اور کثرت طالع سے محوم ہو گئے، جب ان کی بد مزگی کی خبر نواب کو ہوئی
 نواب عیادت کے لئے آئے۔ اور ساتھ ایک مرتبہ لیشب کی ناو علی بھی لاتے

جس کو پیر میر صاحب پڑھے ہوئے تھے، نواب بھی اُس کے ایک کنا سے
 پر بیٹھ گئے۔ میر صاحب بخار سے آنکھیں بند کئے پڑے تھے جب آنکھیں
 کھولیں تو دیکھا کہ نواب سامنے بیٹھے ہیں۔ مزاج پرسی کے بعد نواب نے اُس
 نواب علی کو میر صاحب کے گلے میں ڈال دیا، میر صاحب نے بجز تہہ بیٹھنے سے فرمایا
 دیوانہ پن ہمارا آخر کو رنگ لایا جو دیکھنے کو آیا مٹھی میں سنگ لایا
 حضرات اہل دانش پر ہویا ہے کہ دل کی عمدگی کو انسان کے اقوال و افعال سے
 بڑا تعلق ہے، غزل گوئی مستہ جگر گداتہ دل آزاد مزاج عزت نشین
 قناعت پیشہ ام کش اشخاص کا شبوہ ہے، ہوسناکی، جاہ طلبی، زر اندوزی
 وغیرہ سے اس شبوہ کو کیا علاقہ، پس تقرب سلطانی اور غزل گوئی کا انجام ساتھ
 ساتھ نہیں ہو سکتا، چنانچہ فارس کے درباری شعرا کا حال ایسا ہی دیکھا جاتا
 ہے کہ ان میں سے ایک شاعر بھی اس صنف شاعری میں حافظ یا سعدی کا
 جواب نظر نہیں آتا ہے، غزل گوئی کیلئے قابلیت علمی کی اس قدر حاجت نہیں
 ہے کہ جس قدر عمدگی دل کی، عمدگی دل عبارت ہے ان اوصاف حمیدہ سے جن
 سے انسان انسان کہلاتا ہے، عمدگی دل کا تقرب سلطانی کے ساتھ برقرار رہنا
 نہایت غیر متوقع امر ہے، حکیم قالی کو دیکھئے کہ کتنا بڑا شاعر تھا، کس قدر
 استعداد علمی رکھتا تھا اور کس قدر محرم ہو کر مرا، مگر اس حیرت افرا شاعر کی غزلوں
 کو جو پڑھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ غزل گوئی سے کوئی مناسبت ہی نہیں رکھتا تھا
 اس کی وجہ اور نہ تھی، الایہ کہ درباری شاعر ہونے کے باعث اُسے آزادی
 قناعت و رزی، عزت نشینی خودداری بے پروائی وغیرہ کی صفتوں کو برقرار

رکھنے کا کبھی موقع حاصل نہ تھا جس شاعر کی یہ اوقات ہو کہ بادشاہوں کی تقریبات
 میں قصیدہ نگاری کی زحمت ہمیشہ گوارا لیا کرے وہ اپنی عمدگی دل سے کیا کام
 لے سکتا ہے۔ ایسے شاعر کا غزل گو ہونا محال عقلی سے ہے، کرایہ کا شاعر نہ غزل گو
 ہوا ہے نہ ہوگا چنانچہ حکیم قافی کی غزل گوئی راقم کے اس دعویٰ کی پوری معین
 معلوم ہوتی ہے۔ اول تو اس شاعر کی غزلیں بہت تھوڑی ہیں اور جو ہیں بھی
 ان سے آشکارا ہے کہ اسے واردات قلبیہ اور معاملات روحانیہ کی طرف
 توجہ کرنے کی فرصت کم نصیب ہوئی ہے، ساری غزلوں میں شاعری کا خارجی جلو
 (OBJECTIVE) پایا جاتا ہے اسی لئے کتر سوز و گداز درخستگی وغیرہ
 کی کیفیتیں ان میں درک ہوتی ہیں بخلاف حافظ کے کہ ان کی تمام غزلیں داخلی
 رنگ (SUBJECTIVE) میں ڈوبی ہوئی ہیں اور اس سبب سے حق
 غزل گوئی کو دام دام ادا کر رہی ہیں، واضح ہو کہ فارسی ہی کے درباری شعر کی یہ
 حالت نہیں ہے کہ غزل گوئی میں پھیکے نظر آتے ہیں بلکہ کم و بیش طور پر تمام
 درباری غزل گوئوں کا یہی حال دیکھا جاتا ہے، البتہ یائی درباروں میں آزادی کہاں
 اگر فردوسی بھی ہو تو اسے پائے پیل سے پیسے جانے کے لئے مستعد رہنا چاہئے
 پس غزل گوئی جس کا مدار روح کی آزادی پر ہے، فردوسی سے بھی حسب مراد
 انجام نہیں پاسکتی ہے۔ یورپین درباروں میں الٹیائی درباروں کے اعتبار
 سے بہت زیادہ آزادی ہے، مگر درباری شاعر ہو کہ پورے طور پر آزادی
 کو قائم رکھنا بہت غلاف تو ہے، انگلستان ایک بہت آزاد ملک ہے
 مگر وہاں بھی ابھی تک ایک شخص تنخواہ دار دربار سے متعلق رہتا ہے کہ جس

کی خدمت یہ ہے کہ بادشاہ وقت کے محل میں جو شادی اور غمی کی تقریبیں ہوں ان کے متعلق اشعار تہنیت و تفریت لکھا کرے، اس شخص کا لقب "پوٹ لاریٹ" ہے یہ اسی طرح کا کام ہے کہ جیسے مثلاً قافی فارسی یا ذوق دہلی میں انجام کیا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ اس پابندی کے ساتھ غزل گوئی نہ ہندوستان نہ انگلستان نہ ایران میں انجام پاسکتی تھی، یہ ممکن ہے کہ کسی خاص درباری شاعر کو اتفاقِ وقت سے غزل گوئی کی فطری صلاحیت حاصل ہو، مگر درباری شاعری کا تقاضا ایسا نہیں ہے کہ اُس سے غزل گوئی کے حقوق پورے طور پر ادا ہو سکیں، بلاشبہ درباری معاملات کبھی ایسے نہیں ہوتے کہ ان میں سوز و گداز وغیرہ کو ذرا بھی دخل ہو۔ درباروں میں حافظ یا مہر ایسے شاعروں کی کوئی ضرورت منظور نہیں ہے اور وہ بھی خاص کہ ایشیائی درباروں جہاں آزادی حکم مہنکار کھتی ہے۔ جائے لحاظ ہے کہ جب انگلستان ایسے آزاد ملک میں شاعری پر دبدبائی اثر پیدا ہوتا ہے تو اسے برحال ان درباروں کے جہاں شاعر کی گردن جلا کی تلوار کے سائے تلے ہر دم رہا کرتی ہے، اہل اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ملک انگلستان میں کسی کو بے جرمی کی حالت میں سزائے مرگ یا کسی طرح کی سزا کی کا خوف نہیں ہے۔ پس ایسے ملک کے درباری شاعر کو ضرور ہے کہ ایشیائی درباروں کے شاعروں سے بہت زیادہ آزادی اور عزت حاصل رہے، چنانچہ امر واقعہ بھی یہی ہے کہ ٹینیس صاحب نے نہایت آزادی اور عزت کے ساتھ اپنی عمر بسر کی مگر اس آزادی اور عزت کے حامل رہنے پر بھی ان کو اپنے عہد سے کے تقاضوں سے مفر نہ تھا۔ لاریٹ اگر ان کو درباری تعلق نہ ہوتا تو بہت سے ان کے کلام جو ان

کی عمدہ درباری کے نتائج معلوم ہوتے ہیں دیود پذیر نہ ہوتے جائے لحاظ ہے کہ
 جب درباری اثر اس طور سے نہیں صاحب کی شاعری پر دیکھا جا رہے تو
 وائے بر حال قافی کی جو بیچارہ ایک ایسے دربار سے متعلق رہا کہ جس کی خوشی و
 ناخوشی پر اس کی حیات و ممات موقوف تھی ایسے شاعر سے کیا امید کی جاسکتی ہے
 کہ سچی شاعری کی داد دے سکتا ہے یا دل کی عمدگی کا لطف دکھلا سکتا ہے۔
 جو کیفیت ایران کے درباری شاعروں کی دکھائی دیتی ہے، بجنسہ ذی اور
 لکھنؤ کے شعر کی بھی نظر آتی ہے۔ مثلاً ذوق کو جو دنیاوی ضرورتوں سے درباری
 شاعر بننا پڑا تو ان کی غزل گوئی کو بہت سی مضرتیں لاحق ہوتی ہیں اول تو ان
 کی قابلیت کے مطابق ان کا دیوان جمع نہ ہو سکا، دوم یہ کہ انھیں جو کبھی آزادی
 نصیب نہیں ہوئی تو ان کی اکثر غزلوں میں غزلیت کا پورا مزہ اپیدانہ ہو سکا
 ظاہر ہے کہ جس غزل گو کی یہ اوقات ہو کہ کبھی اسے بادشاہ کے حضور میں حاضر
 ہونا پڑے اور کبھی نواب سے مصاحبت گرم رکھتی ہو وہ غزل گوئی کی داد کو نہ
 دے سکتا ہے ذوق بیچارے کی یہ حالت تھی کہ کبھی حاضر ہو کر ظفر شاہ کی غزلیں
 بناتے تھے کبھی نواب الہی بخش خان کے لئے غزلیں تیار کرتے تھے۔ یہ
 دونوں حضرات کبھی غزل گوئی پر قادر نہ تھے بادشاہ صاحب کبھی ایک مصرع
 کبھی نصف مصرع کبھی ایک شعر منور فرما لیتے تھے اور نواب صاحب
 تو اتنی بھی قدرت نہ رکھتے تھے ذوق کو ان دونوں آقاؤں کے لئے غزلیں دست
 کر دینا پڑتی تھیں۔ ایسی صورت میں کہ شاعر کو آزادی حاصل نہ ہو۔ اغراض غزل
 گوئی کے پورا کرنے پر کیا قادر ہو سکتا ہے ایسے پریشان اوقات شاعر کی

غزلوں میں کہیں نہ آزادی، درد، سوز، گداز، خستگی کی صفیتیں پائی جاسکتی ہیں
 نامکن تھا کہ ذوق کی غزل گوئی خواجہ میر درد یا میر تقی میر کا رنگ پیدا کر سکتی علاوہ
 اس مشغلہ کے کہ ذوق ظفر شاہ اور نواب الہی بخش کے لئے غزلیں بنایا کرتے
 تھے، تقریباً شاہی میں انھیں قصیدہ گوئی کی زحمت بھی خستیا کرنا پڑتی
 تھی۔ غزل گوئی ایسے پاک کام کو مدح گوئی کے بھوٹ سچ سے کیا علاقہ زویل
 دھندے کے ساتھ شریف و صند اچل نہیں سکتا، آخر کار کثرت و روغ
 برائی سے ضرور ہے کہ شاعر کی طبیعت کو بے حسی لاجن ہو جو تقاضائے غزل
 گوئی کا بہت منافی ہے، تقرب سلطانی سے متضرر ہونے کی دوسری مثال میر
 انشا اللہ غالب کی ہے، سپہ صاحب جب تک نواب سعادت علی خان
 کی مصاحبت میں عمر ضائع کرتے رہے، ان کی غزل گوئی بے مزہ رہی مگر جب ترک
 خدمت کر کے گوشہ نشینی اختیار کی تو ان کے کلام میں فی الجملہ خستگی، سوز،
 درد، گداز کا مزہ آ گیا۔ فقیر اس امر کا زینہار قائل نہیں ہے کہ کوئی شاعر دربار
 واری بھی کرے اور غزلیت کا لطف بھی دکھلائے، یہ کام گوشہ نشینانِ اہم
 کش کا ہے، جو طابع تنگ چشم اور ہیٹ کے بندے سے غزل گوئی
 مشکل امکان نہیں کھتی، یوں تو اگلے زمانوں میں بڑے بڑے شعراء جو دولت
 فقر سے الامال تھے، گڑھے میں مگر اس عاجز نے اپنے زمانہ میں بھی ایک
 ایسے شاعر کو دیکھا ہے کہ جن کی زیادتِ نواب سے خالی نہ تھی، یہ ہمارے
 مولوی وحید الہ آبادی تھے، شاعر کے لئے جتنی صفیتیں درکار ہیں ان کی ذات
 بابرکات میں موجود تھیں۔ حضرت کو نہ لباس سے شوق تھا نہ کھانے سے

ذوقِ دونوں سے نہایت بے پروا اور آزاد تھے، جہاں نیند آئی سو رہے۔
 جہاں جی چاہا چلے گئے، دنیا میں کیا ہوتا ہے اُس سے اُن کو کوئی محنت نہ
 تھی، جن لوگوں سے احترام مناسب سمجھا، بے لطفی رکھی، کسی کی بُرائی میں کبھی
 زبان نہ کھولی، اگر کسی نے بُرا کہا تو اُس کا جواب نہ دیا، شکایت، غیبت، گلہ
 وغیرہ کی فرصت انھیں انکار شاعری سے نہ تھی، سالہا سال کی ملاقات میں
 اس عاجز نے انھیں کسی کو بد کہتے نہ سنا۔ جس کا ذکر آگیا اس کو اچھا ہی کہا
 ہر طرح کے حسد سے اُن کا سینہ پاک تھا حتیٰ کہ شاعرانہ حسد بھی اُن کے دل میں
 نہ تھا، فحاشی، عجز، صبر، تحمل، صدق و صدا میں اپنا نظیر نہیں رکھتے
 تھے، تلب اس قدر سوز و گداز سے بھرا پایا تھا کہ اُن کی صحبت میں طلبہ جیت کو بچپنی
 پیدا ہوتی تھی، طلب جاہ سے نہایت دور تھے، اُن کے داغ میں اس خیال کا
 گذر ہی نہیں ہوا تھا کہ حکام و امراء کے حضور میں حاضر ہو کر کسی طرح کا رسوم پیدا
 کیجئے وہ ایسے لوگوں کے مذاق سے خبر بھی نہیں رکھتے تھے کہ جو حکام وقت
 کے درباروں کی شرکت پر جان مال و آبرو نثار کر دینے کو ہر وقت آمادہ رہتے
 ہیں اور کمال بے حیائی اور نادانی سے اس طور کی گھس پیٹھ کو سراہنے عزت و
 منزلت جانتے ہیں مختصر یہ ہے کہ مولوی صاحب مرحوم تمام ایسی صفات سے
 متصف تھے جو اعلیٰ درجہ کے پاک سرشت، پاک طبیعت شاعر کے لئے
 درکار ہیں، پس لاریب انھیں صفات حمیدہ کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے کلام میں
 سوز و گداز و خستگی کی کیفیتیں اس درجہ پائی جاتی ہیں، اہل رفاقت کے نزدیک
 اُن کا کلام سراہنے، ناز و افتخار ہے، زبان کی عمدگی سلامت اور روانی کے علاوہ

اُن کے کلام کی پرتائیزی سے سوائے حاسد کے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، اُن کا کلام کہہ دیتا ہے کہ ہم اس کے نتیجہ فکر ہیں کہ جس کی خلقت میں خدا نے سادگی راستی، سیرجمنی، علم، تحمل، صبر، رضا، سوز و گداز، درخشندگی، آزادی، قناعت، مروت، حیا، صدق، صفا، عشق، محبت، عجز، انکسار وغیرہ وغیرہ کی صفیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ ایسے صافی طہنیت پاک شخصیت شاعر کے ساتھ اس ننگ شاعری کو کیا مقابلہ ہو سکتا ہے جو حکام وقت کے وقت مناقب کے قصیدے بغل میں دلپے درباروں اور حکاموں کے جلسوں میں پڑھتا پھرتا ہے اور شاعری ہی عزیز شے کے ذریعہ سے اپنے کو ذلیل و خوار بنائے رہتا ہے۔

یہ بین تفادات رہ از کجا است تا کجا +

ہم اسے شہرِ پٹنہ میں ساٹھ ستر برس پہلے حضرت راسخ گزر سے ہیں جو جو اب میرا نے جاتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے انہیں تمام صفات حمیدہ سے متصف فرمایا تھا، جو سچے شاعر کے لئے درکار ہیں۔ راسخ نے دربارداری کرتے تھے نہ حکام و امراء سے سروکار رکھتے تھے فقر و قناعت میں عمر بسر کر ڈالی، ارباب مذاق سے اُن کے دیکھنے والوں میں اب اس شہر میں خواجہ محمد شاہ صاحب شہرت رہ گئے ہیں، خواجہ صاحب کے معلوم ہوا کہ حضرت راسخ مرحوم فقیہ طبیعت اور فقیر دوست آدمی تھے۔ اکثر شاہ باقر کے تکیہ پر قیام رکھتے تھے، اہل دولت سے کم ملتے تھے، صحبت فقرا میں ہمیشہ رہتے تھے، تب ہی تو اُن کے کلام میں اس قدر مزا ہے، بے فقیر دل ہوئے نہ کلام پرتائیز ہوا ہے نہ ہوگا۔ درباری شاعری کیا، اور اس کی شاعری کیا

وہ پیٹ کا بندہ ہے' دروغ سرائی اس کا شیوہ ہے اسے کلام کے بااثر اور
یہ تاثر ہونے سے کیا مطلب ایسے شاعر کی شاعری کو تعلق شکم سے ہوا
کہ تاہے نہ دل سے +

اب ذیل میں راقم کچھ شعرا سے فارسی اور اردو کا ذکر اس خیال سے خواہ
قلم کرتا ہے کہ جو جو امور غزل گوئی کی نسبت بیانات بالا میں چھوٹ رہے
ہیں وہ بھی احاطہ تحریر میں در آئیں اور بھی غزل گوئی کے تقاضوں کی مثالیں
ان کے کلاموں سے وضاحت پذیر ہوں۔ حضرات ناظرین کو اس یاد دہی کے
اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔ کہ یہ کتاب یہ سبیل تذکرہ نہیں لکھی جاتی ہے اس
کتاب کی جو غرض ہے وہ حقیقت شاعری کا بیان ہے نہ شاعروں کا شمار اس
سے مطلب ہے اور نہ ان کے حالات کی سیر اس سے مدعا ہے۔ اس لئے کہ
حسب وسعت ضرورت کچھ شعرا کے کلاموں کی نسبت عاجز اپنے خیالات
نذر ناظرین کرتا ہے +

فارسی شعراء کا عدد اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی اہل ہمت ان کا
تذکرہ حسب مراد لکھنا چاہے تو اس کو اس کلام کے لئے انسان کی دو عمر طویل
درکار ہوگی۔ مگر اس کثرت شعرا کے ساتھ بھی اچھے غزل گوئوں کی تعداد بہت
تظر نہیں آتی، راقم کی دانست میں سرآمد متغزلین خواجہ حافظ ہیں اور ان کے
بعد دس پانچ ہی نام ہیں جن کو غزل گو کے لقب سے یاد کر سکتے ہیں فقیر کی
دانست میں اس صنف شاعری میں خواجہ کا جواب کوئی شاعر نہ فادس میں دیکھا
جاتا ہے نہ ہندوستان میں، خواجہ کی غزل گوئی ایسی ہے کہ اس کے ساتھ

فارسی یا اردو کے کسی شاعر کی غزل گوئی مناسبت نہیں کھتی ہے یہ وہ غزل گوئی ہے کہ برائے خود مصداق غزل گوئی ہے خواجہ کا دیوان غزل گوئی کا نمونہ ہے جمال سے پڑھئے ہر غزل ہر شعر ہر مصرع غزل گوئی کی مثال ہے ایسا کوئی غزل گو کسی زبان میں نہیں دیکھا جاتا ہے کہ اس کا دیوان کا دیوان پورے طور سے غزل گوئی کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ بہر حال خواجہ کو مستثنیٰ کر کے جب دیگر متغزلین پر نگاہ ڈالئے تو اغراض غزل گوئی کو مد نظر رکھتے وائے بس چند ہی حضرات دکھائی دیتے ہیں جیسے سعدی جامی۔ فنا فی میل کلیم ہلالی، اہلی خسرو، حزین، ان شعرائے متغزلین کے کچھ کلام درج ہذا کیسے جلتے ہیں ان کے انداز کلام سے کم و بیش طور پر غزل سرائی کے تقاضے و ضاحت پذیر ہوں گئے

آپ کا نام شمس الدین محمد ہے، غزل سرائی میں حضرت خواجہ

خواجہ حافظ | کا آج تک کوئی نظیر نہیں پایا جاتا، حتیٰ کہ سعدی علیہ

الرحمۃ بھی اس صنفِ شاعری میں خواجہ تک نہیں پہنچے ہیں، سعدی کو مذاقِ شاعری بطور تنوع حاصل تھا۔ اور مختلف اصنافِ شاعری پر قلت رکھتے تھے یہ تنوع کی کیفیت خواجہ میں موجود نہ تھی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خواجہ فطرت کی رو سے شاعری کا تمام تر داخلی مذاق رکھتے تھے، ہر ضلاف اس کے سعدی کو شاعری کے داخلی اور خارجی دونوں پہلو سے مناسبت حاصل تھی۔ مگر داخلی مذاق ان کا حافظ کے داخلی مذاق کے برابر نہ تھا، اس لئے تغزل گوئی میں خواجہ کے برابر لطیف کلام پیدا نہ کر سکے، حافظ اور سعدی کی طرح، بجز کیفیتِ سیر اور مرزا کی معلوم ہے مرزا رفیع سودا میں لطیف تنوع حاصل تھا، یہ بات میر تقی میر نے بھی، مگر خاص غزل گوئی

میں مرزا ربیع سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے، جس طرح سعدی اصنافِ شاعری پر قادر تھے، سو وہاں کو بھی ویسی ہی قدرت حاصل تھی۔ ان دونوں شاعروں کو شاعری کے داخلی اور خارجی دونوں پہلوؤں کے برتنے کی بڑی صلاحیت حاصل تھی۔ شیخ علیہ الرحمہ فتویٰ، قصیدہ، غزل، قطعہ، رباعی وغیرہ یعنی اصنافِ شاعری کو فخری کے ساتھ برتنے ہیں اور مجموعی حیثیت کے امتداد سے ان کا جواب کوئی شاعر نظر نہیں آتا ہے یہی کیفیت مرزا سوہا کی بھی معلوم ہوتی ہے مگر غزل گوئی میں نہ سعدی حافظ کے اور نہ مرزا میر کے جواب معلوم ہوتے ہیں، گو سعدی اور مرزا اس صنفِ شاعری میں بھی بڑی دستگاہ رکھتے تھے، حافظ کی غزل گوئی کے ایسے کمالات ہیں کہ راقم کو ان کے بیان کی قدرت حاصل نہیں، حضراتِ ناظرین اول ان مضامین کو ملحوظ رکھیں، جنہیں فقیر نے غزل گوئی تمام ان مضامین کی مصداق ہے علاوہ ان خوبوں کے حافظ کا کلام ایک انداز کا ہے، دیوان کا دیوان ان خوبیوں سے بھرا ہوا ہے جو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی غزل گوئی کے لئے درکار ہیں۔ میں تو غزل گوئی کے لئے اعلیٰ درجہ کی وارداتِ قلبیہ اور معاملاتِ ذہنیہ کی بندش کی بڑی حاجت ہے، بغیر اس التزام کے غزل گوئی حسبِ مراد رنگ پیدا کر ہی نہیں سکتی ہے۔ مگر حافظ کے داخلی مضامین ایسے عالم سے خبر دیتے ہیں کہ جس کو ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتی ہیں، صرف دل کی آنکھ کا کام ہے کہ اس عالم کو سمجھ کر سکے، یہی وجہ ہے کہ صوفی مذہب لوگوں نے اپنے خیالات کے مطابق خواجہ کے دیوان کے دیوان کی شرح لکھی ہے، حضراتِ صوفی مذہب جو کچھ لطفِ تاویلات دکھائیں، مگر ہم عوام الناس کے لئے بھی خواجہ کا دیوان ایک

ذخیرہ حیرت ہے اور جو فہم عمومی انسان کو عطا ہوا ہے اس کے ذریعہ سے خواجہ کے کلام کا کچھ مزاج نہیں اٹھتا ہے اہل علم کے لئے خواجہ کا سارا کلام فلسفہ اخلاقی کا حکم رکھتا ہے کچھ غزلیں ذیل میں نذر ناظرین ہوتی ہیں سبحان اللہ کلام کا سہ سے ہے ملائک کی تسبیح و تہلیل ہے

سیرین خاک رہ پیر میغان خواہد بود	تاز میخانہ دمی نام و نشان خواہد بود
ماہمانیم کہ بودیم و رہمان خواہد بود	حلقہ پیر میغانم نازل در گوش است
کہ زیارتنگہ در نڈال جہان خواہد بود	بر سر تربت ماچوں گزری بہت خواہ
سالہا مسجدہ صاحب نظران خواہد بود	یہ نہیں کہ نشان کہتے پاسے تو بود
رازاں پر وہنہاں است نہاں خواہد بود	برو اسے زہ خود میں کہ چشم من و تو
ناکہ انجمن دل مرقد رواں خواہد بود	ترک عاشق کش من مست برویفت امرؤ
کس نہالست کہ حلت پیمانہاں خواہد بود	عجبستان مکن اسے خواجہ کزین کندہاں
آدم صبح قیامت نگران خواہد بود	چشم اندام کہ ز شوق تو نہد سر بہ لحد

سخن حافظ گرازیں گو نہ مدد خواہد کرد

زلف معشوق بدست دگر ان خواہد بود

حضرات ناظرین خدا گواہ ہے کہ اس غزل کو دوح ہذا کا شروع کیا تھا کہ عجب حالت دیدہ دل ہو گئی چند منٹ تک کیا جان پر گزری، نہ زبان کو قدرت ہے نہ قدم کو پار ہے کہ لکھے سبحان اللہ! کلام ایسا تو ہو کہ دل کو ہلا سے ورنہ بے تاثیر مضمون بندی کا ما حاصل کیا۔ اگر غزل گوئی صرف مضمون آفرینی کا نام ہو تو فردوسی عنصری۔ عسجدی۔ فرخی۔ ظہیر۔ خاقانی۔ عربی۔ ظہوری۔ نعمت خاں صاحب

شکست بخارائی۔ نظیری وغیرہ وغیرہ کو بھی فقیر غزل گو کو جانتا۔ یہ حضرات بڑے بڑے شاعر تھے مگر غزل گو نہ تھے، فقیر پر ان شعرائے نامی کے تمام تصانیف کا اتنا اثر کبھی پیدا نہیں ہوا جتنا کہ اس وقت ان چند اشعار کے کاپی کرنے کے وقت محسوس ہوا ہے بہر حال دل پر اخصت عیار کر کے خواجہ کی کچھ اور غزلیں بھی نذر ناظرین کرتا ہے۔

غلام زنگس مست تو تاجدار اند	خراب بادہ لعل تو ہر شیار اند
تراصبا و مرآب دیدہ شد نماز	وگر نہ عاشق و معشوق رازدار اند
بزیر زلف دوتا چوں گزر کنی بہ نگر	کہ از کین کیسارت چہ بریقہ ار اند
گزار کن چو صبا بنفشہ زار و بسین	کہ از لطا و ل زلفت چہ سو گوار اند
رقیب در گز و پیش ازین مکن نخواست	کہ ساکنان در دوست خاکسار اند
نصیب با ست بہشت از خدائے شناس	کہ مستحق کرامت گناہ گار اند
نہ من بر آن گل عارض غزل برائیم و بس	کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار اند
تو دستگیر شوقے خضر پیے نجستہ کہ من	پیادہ سے روم و ہر مان سوار اند
بیا بہ میکدہ و چہرہ ار عوانی کن	مرد بصدومہ کا نجاسیہ کار اند

فلاص حافظ ازان زلفت تابدار آباد

کہ بستگان کند تو رستگار اند

نہایت جاثے حیرت ہے کہ اس شعر کی غزل میں سارا اخلاقی فلسفہ مع الہیات بھرا ہوا ہے فی الواقع خواجہ نے کوزہ میں دریا بھر دیا ہے اس پر سے لطف بالائے لطف یہ ہے کہ کوئی مصرع کہیں سے غزلیت کے پایہ سے اتر نظر نہیں آتا

ہے ایسے ایسے جگہانہ مضامین کو غزل سرائی کے پیرایہ میں اتنی آسانی کے ساتھ
 موزوں کرنا یہ خواجہ جہی کا کام ہے بغیر موبدین اللہ ہوئے، کوئی شاعر یہ لطف کلام
 پیدا نہیں کر سکتا، حقیقت یہ ہے کہ کوئی تعلیم غیبی خواجہ کو نصیب ہوئی تھی ورنہ
 یہ طرز بیان کہاں کسی کو آسکتا ہے، صاف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الہام کے ذریعے
 سے کلام فرماتے ہیں جیسا کہ خود ان کا فرمودہ ہے س
 ولس آئینہ طوطی صفتم داشته اند انچہ استاد ازل گفت ہماں سے گویم

دوش دیدم کہ ملاک در نیمخانہ زوند
 شکر ایزد کہ میان من و او صلح فتاد
 نہا کناں حرم سر عفاف ملکوت
 جنگ ہفتاد و دہ ملت ہمہ را عذر بنہ
 آسمان بار امانت تو است کشید
 نقطہ عشق دل گوشہ نشینان خون کرد
 بالبعدن زمین پندار زہ چون بردیم
 آتش آن نیست کہ بر شعلہ او خند شمع

گل آدم بسیرت تند و بہ سپمانہ زوند
 حوران قص کناں ساغر شکرانہ زوند
 با من راہ نشین بادہ ستانہ زوند
 چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زوند
 قرعہ فال بنام من دیوانہ زوند
 ہچو آن خال کہ بر عارض جانانہ زوند
 چون رہ آدم خالی بہ یکے دانہ زوند
 آتش آن است کہ بر زمین پروانہ زوند

کس چو حافظہ کشید از رخ اندیشہ نقاب

تا بر زلف عروسان سخن شانہ زدند

غزل کا ہے کہ ہے دونوں عالم کی سپر ہے، اخلاق تدبیر المنزل تمدن الہیات یعنی کہ تمام
 اقسام فلسفہ و حکمت کے اعلیٰ درجہ کے مسائل ان چند اشعار میں کمال خوبی لطافت

کے ساتھ منوں کر بیٹے گئے ہیں پھر طرز بیان ملائی مذاق سے کس قدر دور ہے
 شاعری ہے کہ ہر پہلو سے لپیٹی پڑتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر چند شعرائے اردو
 نے شعرائے فارس کی تتبع سے اردو کو ایک معقول صورت بخشی ہے مگر جن قدر عمدگی
 خیالات کی کثرت خواہجہ کے دیوان میں دیکھی جاتی ہے اس کا سوا کھواں جمعہ کسی
 اردو کے شاعر کے دیوان میں نہیں پایا جاتا، حافظ کے کلام کو بخیر دیکھنے سے
 کسی اردو کے شاعر کی غزل گوئی باقار نظر نہیں آتی ہے مقابلہ سے اردو کی
 غزل گوئی ایسی محقر ہو جاتی ہے کہ جیسے کہ ہمالیہ کے سامنے وہلی کی پہاڑی ۵
 مژدہ ایدل کہ سیمیا نفسے سے آید کہ القاسموشش بٹے کسے سے آید
 از غم و درد کن نالہ و فریاد کہ دوش زدہ ام عالی و فریاد رسے سے آید
 ز آتش وادی المین ز منم خرم و بس موسیٰ اینجا بامید قیسے سے آید
 بر یکس نسبت کرد کہوئے تویش کا نہ نسبت هر کس اینجا بامید ہو سے سے آید
 کس زندانست کہ منزلگہ معشوق کجاست اینقدر ہست کہ باہگ جرسے سے آید
 جرغہ وہ کہ بہ میخانہ آر باب کرم ہر حرف یعنی ز پنے ملتے سے آید
 خیر بلبل این باغ میر سید کہ من نالہ می شغوم کہ تفسے سے آید
 یار اگر سر پر سیدن بیمار غم است گو بیار خوش کہ ہنوزش نفسے سے آید

یار دار و سر صید دل حافظ یاران

شاہباز سے بہ شکار گئے سے آید

خواہجہ کا کلام فلسفہ و حکمت سے کہیں غالب تو ہوتا ہی نہیں ہے مگر غزل بالاسیہ شعر
 یعنی کس زندانست کہ منزلگہ الی آخرہ کچھ ایسا قول ہے کہ دو ہزار شاعروں کا حوصلہ

ٹھنڈا کر دینے والا ہے۔ یہ شعر نہیں ہے خدا جانے کیا ہے، بنی آدم میں جو محقق سے
 محقق شخص گذرا ہے اور جو آئندہ گزرنے کا معرفت الہی میں اس سے زیادہ کچھ نہیں
 کہہ سکتا، تمام علوم انسانی کی مدد سے اسی قدر رک میں آسکتا ہے جتنا کہ خواجہ فرما
 گئے ہیں کسی رتیبہ کا کوئی عالم الہیات ہو اگر اسے ذات باری تعالیٰ کی دریافت ہوگی
 تو اتنی ہی ہوگی کہ وہ ہے مگر کیا ہے۔ اور کہاں ہے اور کس طرف ہے اس کی حقیقت
 کا انکشاف امکان سے باہر ہے، پس جائے لحاظ ہے کہ خواجہ نے آدمی کی مجبوری
 عرفان کو کس خوبصورت پیرایہ میں بیان فرمایا ہے، ملٹن نے بھی مضمون عرفان کو کھٹا
 ہے اور کوئی شک نہیں خوب کھٹا ہے، مگر خواجہ کا بیان ملٹن کے بیان پر بہت
 غالب نظر آتا ہے، اس شعر کی غزلیت عجب لطیف کھتی ہے اور اعلیٰ مضمون
 کے تقاضے کے مطابق طرز بیان کس قدر پُر و قار و کھائی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے
 کہ خواجہ وہ شاعر ہیں کہ ہر چیز امتداد شاعری سے صرف ایک صنف شاعری
 یعنی غزل کوئی کہے بولتے واسے ہیں مگر اس ایک صنف میں انھوں نے دونوں عالم
 کی سیر دکھائی ہے لارنسٹ اگر خواجہ نہ ہوتے تو فارسی کی شاعری کو اس قدر بلند
 پاگلی نصیب نہیں ہوتی، حقیقت یہ ہے کہ حافظ اور سعدی فارسی شاعری کی جان
 ہیں، یاد آؤ نکھیں ہیں جن سے شاعری کا چہرہ بازی کاہ نظر اہل نظر مورما ہے راقم
 کی کیا طاقت ہے کہ نص برابر بھی خواجہ کی شناختی کر سکے۔ خاموشی از شناسے تو حد
 شناسے تو پر عمل پیرا ہو کہ اب حضرت سعدی کی غزل گوئی کی طرف حضرات ناظرین
 کی توجہ کا طالع ہے

سعدی :- مصلح الدین نام نامی ہے اور سعدی تخلص، آپ بھی خواجہ

وہ بیٹ کا بندہ ہے، دروغ سرائی اس کا شیوہ ہے اسے کلام کے بااثر اور بے تاثیر ہونے سے کیا مطلب ایسے شاعر کی شاعری کو تعلق تنگم سے ہوا کرتا ہے نہ ذیل سے :

اب ذیل میں راقم کچھ شعرا سے فارسی اور اردو کا ذکر اس خیال سے خواہ
 قلم کرتا ہے کہ جو امور غزل گوئی کی نسبت بیانات بالا میں چھوٹ رہے
 ہیں وہ بھی احاطہ تحریر میں در آئیں اور بھی غزل گوئی کے تقاضوں کی مثالیں
 ان کے کلاموں سے وضاحت پذیر ہوں۔ حضرات ناظرین کو ان یاد دہی کے
 اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔ کہ یہ کتاب بسبیل تذکرہ نہیں لکھی جاتی ہے اس
 کتاب کی جو غرض ہے وہ حقیقت شاعری کا بیان ہے نہ شاعر دل کا شمار اس
 سے مطلب ہے اور نہ ان کے حالات کی سیراں سے مدعا ہے۔ اس لئے کہ
 حسبِ وسعت ضرورت کچھ شعرا کے کلاموں کی نسبت عاجز اپنے خیالات
 نذر ناظرین کرتا ہے :

فارسی شعراء کا عدد اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی اہل ہمت ان کا
 تذکرہ حسبِ مراد لکھنا چاہے تو اس کو اس کلام کے لئے انسان کی دو عمر طویل
 درکار ہوگی۔ مگر اس کثرت شعرا کے ساتھ بھی اچھے غزل گوئوں کی تعداد بہت
 نظر نہیں آتی، راقم کی دانست میں سرآمد متغزلین خواجہ حافظ ہیں اور ان کے
 بعد دس پانچ ہی نام ہیں جن کو غزل گو کے لقب سے یاد کر سکتے ہیں فقیر کی
 دانست میں اس صنف شاعری میں خواجہ کاجواب کوئی شاعر نہ فارس میں دیکھا
 جاتا ہے نہ ہندوستان میں، خواجہ کی غزل گوئی ایسی ہے کہ اس کے ساتھ

فادسی یا اردو کے کسی شاعر کی غزل گوئی مناسبت نہیں کھیتی ہے یہ وہ غزل گوئی ہے کہ برائے خود مصداق غزل گوئی ہے خواجہ کا دیوان غزل گوئی کا نمونہ ہے جہاں سے پڑھئے ہر غزل ہر شعر ہر مصرع غزل گوئی کی مثال ہے ایسا کوئی غزل گو کسی زبان میں نہیں دیکھا جاتا ہے کہ اس کا دیوان کا دیوان پورے طور سے غزل گوئی کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ بہر حال خواجہ کو مستثنیٰ کر کے جب دیگر متغزلین پر نگاہ ڈالئے تو اغراض غزل گوئی کو مد نظر رکھتے والے بس چند ہی حضرات دکھائی دیتے ہیں جیسے سعدی جامی۔ فغانی میمنی حکیم برہانی، اہلی خسرو، حرمیں ان شہدائے متغزلین کے کچھ کلام درج ہذا کے جالتے ہیں ان کے انداز کلام سے کم و بیش طور پر غزل سرائی کے تقاضے و ضاحت پذیر ہوں گئے آپ کا نام شمس الدین محمد ہے، غزل سرائی میں حضرت خواجہ

خواجہ حافظ

کا آج تک کوئی نظیر نہیں پایا جاتا جسکی کہ سعدی علیہ الرحمۃ بھی اس صنف شاعری میں خواجہ تک نہیں پہنچے ہیں سعدی کو مذاق شاعری بطرز تنوع حاصل تھا۔ اور مختلف اصناف شاعری پر قدرت رکھتے تھے یہ تنوع کی کیفیت خواجہ میں موجود نہ تھی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خواجہ فطرت کی رو سے شاعری کا تمام تر داخلی مذاق رکھتے تھے، بر خلاف اس کے سعدی کو شاعری کے داخلی اور خارجی دونوں پہلو سے مناسبت حاصل تھی۔ مگر داخلی مذاق ان کا حافظ کے داخلی مذاق کے برابر نہ تھا، اس لئے غزل گوئی میں خواجہ کے برابر لطف کلام پیدا نہ کر سکے، حافظ اور سعدی کی طرح، بجنسہ کیفیت مہیر اور مرزا کی معلوم ہے مرزا رفیع سودا میں لطف تنوع حاصل تھا، یہ بات میر تقی میں نہ تھی، مگر فاضل غزل گوئی

میں مزا ارفع سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے، جس طرح سعدی اصنافِ شاعری پر قادر تھے، ستودا کو بھی ایسی ہی قدرت حاصل تھی۔ ان دونوں شاعروں کو شاعری کے داخلی اور خارجی دونوں پہلوؤں کے برتنے کی بڑی صلاحیت حاصل تھی۔ شیخ علیہ الرحمہ مثنوی، قصیدہ، غزل، قطعہ، رباعی وغیرہ یعنی اصنافِ شاعری کو خوبی کے ساتھ برتنتے ہیں اور مجبوری حیثیت کے اعتراف سے ان کا جواب کوئی خاص نظر نہیں آتا ہے۔ یہی کیفیت مرزا اسودا کی بھی معلوم ہوتی ہے مگر غزل گوئی میں نہ سعدی حافظ کے اور نہ مرزا تیر کے جواب معلوم ہوتے ہیں، گو سعدی اور مرزا اس صنفِ شاعری میں بھی بڑی دستگاہ رکھتے تھے، حافظ کی غزل گوئی کے ایسے کمالات ہیں کہ راقم کو ان کے بیان کی قدرت حاصل نہیں۔ حضراتِ ناظرین! اول ان مضامین کو ملحوظ رکھیں، جنہیں فقیر نے غزل گوئی تمام ان مضامین کی مصداق ہے۔ علاوہ ان خوبوں کے حافظ کا کلام ایک انداز کا ہے، دیوان کا دیوان ان خوبوں سے بھرا ہوا ہے جو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی غزل گوئی کے لئے درکار ہیں۔ یوں تو غزل گوئی کے لئے اعلیٰ درجہ کی وارداتِ قلبیہ اور معاملاتِ ذہنیہ کی بندش کی بڑی حاجت ہے۔ لیکن اس التزام کے غزل گوئی حسبِ مراد رنگ پیدا کر ہی نہیں سکتی ہے۔ مگر حافظ کے داخلی مضامین ایسے عالم سے خبر دیتے ہیں کہ جس کو ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتی ہیں، صرف دل کی آنکھ کا کام ہے کہ اس عالم کو معائنہ کر سکے، یہی وجہ ہے کہ صوفی مذہب لوگوں نے اپنے خیالات کے مطابق خواجہ کے دیوان کے دیوان کی شرح لکھی ہے، حضراتِ صوفی مذہب جو کچھ لطفِ تاویلات دکھائیں، مگر ہم عوام الناس کے لئے بھی خواجہ کا دیوان ایک

ذخیرہ حیرت ہے اور جو فہم معمولی انسان کو عطا ہوا ہے اس کے ذریعہ سے خواجہ کے کلام کا کچھ مزاج نہیں اٹھتا ہے اہل علم کے لئے خواجہ کا سارا کلام فلسفہ اخلاقی کا حکم رکھتا ہے کچھ غزلیں ذیل میں نذر ناظرین ہوتی ہیں سبحان اللہ کلام کا ہے کہ ہے ملائک کی تسبیح و تہلیل ہے

تازہ میخانہ وحی نام و نشان خواہد بود	سیرین خاک رہ پیرمغان خواہد بود
حلقہ پیرمغانم نازل در گوش است	باہجانیم کہ بودیم و برمان خواہد بود
بر سر تربت با جوں گزری بہت خواہ	کہ زیارتگہ زنداں جہان خواہد بود
یہ نیلینے کہ نشان کھت پاسے تولود	ساہما مسجدہ صاحب نظران خواہد بود
برو اے زہد خود مین کہ چشم من و تو	رازیں پرؤ نہاں است نہاں خواہد بود
ترک عاشق کش من مست بودی منت لعمرو	ناکہرا خون دل مرؤد رواں خواہد بود
عجب مستان مکن اے خواجہ کزین کہ نہا	کس نہاںست کہ حلیت پچھاں خواہد بود
چشم اندم کہ ز شوق تو نہد سر بہ لحد	آدم صبح قیامت نگران خواہد بود

سخت حافظ گرازیں گزندہ خواہد کرد

زلف مشوق بدست دگراں خواہد بود

حضرات ناظرین خدا گواہ ہے کہ اس غزل کو درج نہا کرنا شروع کیا تھا کہ جب حالت دیدہ دل ہو گئی چند منٹ تک کیا جان پر گزری، نہ زبان کو قدرت ہے نہ قدم کو یار ہے کہ لکھے سبحان اللہ! کلام ایسا تو ہو کہ دل کو ہلا سے ورنہ بے تاثیر مضمون بندی کا حاصل کیا۔ اگر غزل کوئی صرف مضمون آفرینی کا نام ہو تو فرود سی

عنصری۔ عسجدی۔ فرحی۔ ظہیر خاقانی۔ عربی۔ طلوعی۔ نعمت خاں صاحب

شکوہت بخارائی۔ نظیری وغیرہ وغیرہ کو بھی فقیر غزل گو کو جانتا۔ یہ حضرات بڑے بڑے شاعر تھے مگر غزل گو نہ تھے، فقیر پر ان شعرائے نامی کے تمام تصانیف، کا اتنا اثر کبھی پیدا نہیں ہوا جتنا کہ اس وقت ان چند اشعار کے کاپی کرنے کے وقت محسوس ہوا ہے بہر حال دل پر اٹھتے تیار کہ کے خواجہ کی کچھ اور غزلیں بھی نذر ناظرین کرتا ہے۔

غلام زرگس مست تو تاجدار اند	خواب بادہ لعل تو ہر شیار اند
تراصبا و مرآب دیدہ شد نماز	وگر نہ عاشق و معشوق رازدار اند
بزیر زلفت دوتا چوں گز کئی بہ نگر	کہ از یمنیٰ یسارت چو بیقرار اند
گز اگر کن چو صبا بنفشہ زار و بسین	کہ از لطاول زلفت چو سوگوار اند
رقیب در گز و پیش ازین کن سخت	کہ ساکنان دوست خاکسار اند
نصیب است بہشت ایسے خدا شناس	کہ مستحق کرامت گناہ گار اند
نہ من بران گل عارض غزل برالم لبس	کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار اند
تو دستگیر شمسے خضر پے جھستہ کہ من	پیادہ سے روم و ہر مان سوار اند
یابا بیکدہ و چہرہ ارعوانی کن	مرد و بھوموہ کا نجاسیہ کار اند

خلاص حافظ ازان زلفت تاباں پیاد

کہ بستگان کند تو رستگار اند

نہایت جاسے حیرت ہے کہ اس شعر کی غزل میں سارا اخلاقی فلسفہ مع الہیات بھرا ہوا ہے فی الواقع خواجہ نے کوزہ میں دریا بھر دیا ہے اس پر سے لطف بالائے لطف یہ ہے کہ کوئی مصرع کہیں سے غزلیت کے پایہ سے اتر نظر نہیں آتا

ہے ایسے ایسے حکیمانہ مضامین کو غزل سرانی کے پیرا میں اتنی آسانی کے ساتھ
 موزوں کرنا یہ خواجہ جہی کا کام ہے بغیر مویذین اللہ ہوئے کوئی شاعر یہ لطف کلام
 پیدا نہیں کر سکتا حقیقت یہ ہے کہ کوئی تعلیم غیبی خواجہ کو نصیب ہوئی تھی ورنہ
 یہ طرز بیان کہاں کسی کو آسکتا ہے صاف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الہام کے ذریعے
 سے کلام فرماتے ہیں جیسا کہ خود ان کا فرمودہ ہے
 واپس آئینہ لطیفی صفتم داشتہ اند
 انچہ استاد ازل گفت یہاں سے گویم

گل آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند	دوش دیدم کہ ملائک در میخانه زدند
حوران رقص کنان سافر شکرانہ زدند	شکر ایزد کہ میان من و او صلح قتاد
با من راہ نشین بادہ مستانہ زدند	ہنا کنان حرم سر عفاف ملکوت
چون ندیدند حقیقت راہ افسانہ زدند	جنگ ہنقاد و دولت ہمہ را عذر بنہ
قرعہ فال بسنام من دیوانہ زدند	آسمان باران نمواست کشید
ہمچو آن خال کہ بر عارض جانانہ زدند	نقطہ عشق دل گوشہ نشینان خون کرد
چون رہ آدم خالی بیکے دانہ زدند	بالبدن زخم پندار زہ چون بردیم
آتش آن است کہ بر زمین پروانہ زدند	آتش آن نیست کہ بر شعلہ او خند شمع

کس چو حافظہ کشید از رخ اندیشہ نقاب

تا بر زلف عروسان سخن شانہ زدند

غزل کا ہے کہ ہے دونوں عالم کی سیر ہے اخلاق تدبیر المنزل تمدن الہیات یعنی کہ تمام
 اقسام فلسفہ و حکمت کے اعلیٰ درجہ کے مسائل ان چند اشعار میں کمال خوبی و لطافت

کے ساتھ موندوں کر بیٹھے گئے ہیں پھر طرز بیان ملانی مذاق سے کس قدر دود ہے
 شاعری ہے کہ ہر پہلو سے لپٹی پڑتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر چند شعرائے اردو
 نے شعرائے فارس کی تتبع سے اردو کو ایک معقول صورت بخشی ہے مگر جس قدر حمد کی
 خیالات کی کثرت خواجہ کے دیوان میں دیکھی جاتی ہے، اس کا سوا کھواں حقیقتہ کسی
 اردو کے شاعر کے دیوان میں نہیں پایا جاتا، حافظ کے کلام کو بخود دیکھنے سے
 کسی اردو کے شاعر کی غزل گوئی باقار نظر نہیں آتی ہے مقابلہ سے اردو کی
 غزل گوئی ایسی محقر ہو جاتی ہے کہ جیسے کہ وہ ہمالیہ کے سامنے وہلی کی پہاڑی سے
 مردہ ایدل کہ سمیٹا نفسے سے آید کہ لقا خوش ترش بٹے کسے سے آید
 از غم و درد کن نالہ و فریاد کہ دوش زدہ ام نالی و فریاد رسے سے آید
 ز آتش وادی امین دہنم خرم و بس موسیٰ ایجا بامید قصبے سے آید
 بیچس نبیست کہ در کوئے توش کار نیست ہر کس ایجا بامید ہو سے سے آید
 کس ندانست کہ منز لگہ معشوق کجاست اینقدر ہست کہ پانگ جو سے سے آید
 جرئہ وہ کہ بر میانہ آراباب کرم ہر حرفیے ز پئے ملتے سے آید
 خیر بیل این باغ میر سید کہ من نالہ می شنوم کہ قفسے سے آید
 یار اگر میر رسیدن بیمار غم است گو بیان خوش کہ ہنوزش نفسے سے آید

یار واد سر صید دل حافظ یاران

شاہان سے بہ شکار گلے سے آید

خواجہ کا کلام فلسفہ و حکمت سے کہیں غالی تو ہوتا ہی نہیں ہے، مگر غزل بالاسیہ شعر
 یعنی کس ندانست کہ منز لگہ الی آخرہ کچھ ایسا قول ہے کہ وہ ہزار شاعروں کا حوصلہ

ٹھنڈا کر دینے والا ہے بر شعر نہیں ہے خدا جانے کیا ہے، بنی آدم میں جو محقق سے
 محقق شخص گذرا ہے اور جو آئندہ گزرنے کا معرفت الہی میں اس سے زیادہ کچھ نہیں
 کہہ سکتا، تمام علوم انہانی کی مدد سے اسی قدر رک ہیں آسکتے ہے جتنا کہ خواجہ فرما
 گئے ہیں کسی رتیبہ کا کوئی عالم الہیات ہو اگر اسے ذات باری تعالیٰ کی دریافت ہوگی
 تو اتنی ہی ہوگی کہ وہ ہے مگر کیا ہے۔ اور کہاں ہے اور کس طرف ہے اس کی حقیقت
 کا انکشاف امکان سے باہر ہے ایس جوائے لحاظ ہے کہ خواجہ نے آدمی کی مجبوری
 عرفان کو کس خوبصورت پیرایہ میں بیان فرمایا ہے، ملطن نے بھی مضمون عرفان کو لکھا
 ہے اور کوئی شک نہیں خوب لکھا ہے، مگر خواجہ کا بیان ملطن کے بیان پر بہت
 غالب نظر آتا ہے، اس شعر کی غزلیت عجب لطف رکھتی ہے اور اعلیٰ مضمون
 کے تقاضے کے مطابق طرز بیان کس قدر پرو تار و کھائی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے
 کہ خواجہ وہ شاعر ہیں کہ ہر چند اصناف شاعری سے صرف ایک صنف شاعری
 یعنی غزل گوئی کے برتنے والے ہیں مگر اس ایک صنف میں انھوں نے دونوں عالم
 کی سیر دکھائی ہے لار نیب اگر خواجہ نہ ہوتے تو فارسی کی شاعری کو اس قدر بلند
 پاگلی نصیب نہیں ہوتی، حقیقت یہ ہے کہ حافظ اور سعدی فارسی شاعری کی جان
 ہیں، یاد آ نکھیں ہیں جن سے شاعری کا چہرہ بازی گاہ نظر اہل نظر ہو رہا ہے راقم
 کی کیا طاقت ہے کہ نخص برابر بھی خواجہ کی شناخت کر سکے۔ خالوشی از تناسے توعد
 ٹٹائے تو پر عمل پیرا ہو کہ اب حضرت سعدی کی غزل گوئی کی طرف حضرات ناظرین
 کی توجہ کا طالب ہے

سعدی :- مصلح الدین نام نامی ہے اور سعدی تخلص آپ بھی خواجہ

حافظ کی طرح شیراز وطن میں سو برس خواجہ کی وفات کے قبل رحلت فرمائی، جیسا کہ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کی وفات ۶۹۱ھ ہجری میں واقع ہوئی اور حافظ کی ۹۱۱ھ ہجری میں سعدی کی نسبت بعض محققین نے لکھتے ہیں کہ غزل کے موجود حضرت ہیں مگر یہ قول صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ مولانا روم و لغامی و بعض دیگر شعرا کی غزلیں دیکھی جاتی ہیں اور یہ حضرات قبل شیخ کے رحلت فرما چکے تھے۔ لیکن اگر غزل گوئی کے کسی خاص رنگ کے موجود حضرت قرار دیئے جائیں تو دور از صحت نہ ہوگا۔ بہر حال غزل مرانی کی حیثیت سے حضرت سعدی حضرت حافظ کو نہیں پہنچتے ہیں، بہر چند شیخ کے کلام میں شوخی ملاححت وغیرہ ہے اور شیخ فلسفہ اخلاقی کے ماہر اور فلسفہ اخلاقی کے بڑے معلم بھی گزرتے ہیں مگر حضرت میں خواجہ کے اعتبار سے غزل گوئی کا مادہ بہت کم موجود تھا، اس لئے اپنی طبعاً فلسفہ و حکمت کو پریرہ شاعری میں اُس خوبی کے ساتھ نہیں بیان فرما سکتے جیسا کہ خواجہ اس امر پر قادر نظر آتے ہیں بعض غزلیں حضرت سعدی کی نہایت حکیمانہ رنگ کے ساتھ بڑی غزلیت سے مسمور دیکھی جاتی ہیں۔ مگر دیوان کا دیوان خواجہ کے دیوان کی طرح انتخاب کا حکم نہیں رکھتا ہے بعض کلام تو ایسا ہے کہ اس میں غزلیت کی تو لوجھی نہیں پائی جاتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی داعیہ صاف صاف نظم میں ارتداد فرما رہا ہے۔ خیر غزل گوئی میں جو کچھ شیخ خواجہ سے کم ہوں مگر شیخ کا مذاق بہ حیثیت تنوع خواجہ کے مذاق پر سزاوار ہے زیادہ غالب تھا، بلکہ خواجہ میں تنوع کا لطف گویا کچھ نہ تھا، خواجہ ایک فنی تھے اور شیخ ہزار فنی، لیکن اُس کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ خواجہ کی ایک فنی

حوصلہ نسانی سے باہر معلوم ہوتی ہے۔ گو شیخ کی شاعری کا تنوع بھی ایک
 نہایت جبرت افزا امر ہے، فقیر کے خیال میں سعدی کے مقابلہ کا کثیر المذاق
 شاعر فارسی میں کوئی نہیں گزارا ہے۔ اس قدر صاف اور شفاف دماغ نہ فردوسی
 نہ لطیفی نہ الوری نہ سنائی اور نہ فارس کے اور کسی نامی شاعر کا ہے، نظم و
 نثر دونوں کی یہ حالت ہے کہ اکثر قول ضرب المثل کا حکم رکھتا ہے، ایسی مقبولیت
 کسی ناظم یا نثار کے کلام کمال حاصل نہیں ہے، حق تو یہ ہے کہ سعدی تمام شاعر اور ناران
 عجم پر غالب ہے، لیکن غزل گوئی میں صرف خواجہ حافظ سے کم ہیں، ظاہر ہے امر
 تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علم و فضل میں خواجہ سے کم نہ تھے اور مذاق
 شاعری ہر قسم کا رکھتے تھے، علاوہ اس کے سیر و سفر سے وقور اطلاع کی بصورت
 بھی پیدا کی تھی، اس پر بھی حافظ سے غزل گوئی میں کم کیونکر رہ سکے، اس کی وجہ یہ
 بیان کی جاسکتی ہے کہ غزل گوئی کے لئے ایک خاص صلاحیت درکار ہے، علم و فضل
 کثیر المذاقی اور جہان گردی کو گوئی خصوصیت اس صنف شاعری کے ساتھ
 نہیں ہے، آدمی عالم سے عالم حکیم سے حکیم نہایت کثیر المذاق اور بڑا سیاح
 ہو سکتا ہے، اس کے یہ سب کمالات صلاحیت تعلق کی کمی کی حالت میں غزل گوئی
 کو مطلق نہیں ہو سکتے بلکہ غزل گوئی کے لئے سیر و سفر کی کوئی حاجت ہی نہیں
 ہے، خواجہ نے خوب کیا کہ شاہ دکن کی دعوت قبول نہ فرمائی، اس سفر ہندوستان
 سے ان کی غزل گوئی کو کوئی فائدہ مترتب نہ ہوتا بلکہ یہ سفر اور شاعری تقریباً بہت
 پرکھ ان کے کمالات کا مارج ہوتا۔ جانا چاہئے کہ غزل گوئی وہ صنف شاعری
 ہے کہ جس میں جہاں گشتی کی کوئی حاجت نہیں۔ اس سبب سے کہ غزل گوئی کو ان

اُمور سے تعلق ہوتا ہے جو محض داخلی پہلو رکھتے ہیں غزل گو کا مطلع نظر اس کا اور دل
 ہی ہوتا ہے اسے عالم خارج کے مشاہدہ کی کوئی محتاجی لاحق نہیں بہتر غزل گوئی
 عزت نشین کا شیوہ ہے، جہاں گودی اُس کے دائرہ احتیاج سے باہر ہے۔
 علوت گزیدہ اہر تماشا ہے حاجت است چوں بوٹے یا بست لہو اچھا حاجت است
 لیکن چونکہ حضرت شیخ کو شاعری کا مذاق بطرز تنوع حاصل تھا، اگر شیر سفر سے قطع
 کثیر حاصل نہ فرما لیتے تو مختلف اصناف شاعری پر قادر نہ ہو سکتے، جیسا کہ خود
 فرماتے ہیں۔

تلمیح زہر گوشتہ یافتم زہر خرمسے خوشہ یافتم
 حضرت شیخ علیہ الرحمہ کا ذکر حضرت شاعری کے ساتھ آئے گا اس لئے اس جگہ پر
 وہی باتیں عرض کی جاتی ہیں جو غزل سے تعلق رکھتی ہیں ارباب و انقبت سے
 پوشیدہ نہیں ہے کہ شیخ کے کلام میں عموماً لفظ یہی تاثیر سوز و گداز شوقی بلکہ شیری
 پدید کثیر پائی جاتی ہے پس ان صفتوں سے حضرت کی غزل گوئی بھی خالی نہیں
 دیکھی جاتی ہے ان کی غزل سرائی میں ان کی آزاد مزاجی سیر حسی تواعظ اخلاق
 بلند و سلی وغیرہ کا اثر بھی بین طور پر پایا جاتا ہے کہ بعد حضرت ہی کا درجہ نظر آتا ہے
 کچھ غزلیں نمونہ کے طور پر نذر ناظرین ہوتی ہیں۔

بسیا سفر باید تا پختہ شود خامے صوفی نہ شود صافی تا در نہ کشد جامے
 گرہ پیمنا جاتی در زند خراباتی ہر یک قلمی فتنہ است بڑے لہر بجامے
 فردا کہ خلایق را دیوان جزا باشد ہر کس عملی دارد آگوش بہ انعامے
 لے پہل گر نانی من با تو ہم آہ ازم تو عشق گھیردای من عشق گل اندامے

سرد و بلب ہوئے گو بند چہ خوش باشد
روزے دل لیش من ہمت پھر ہاں تن
آنا کہ تیرے ستمد مرے لب با سے
آخرو دوا گوئے یاد آ رہ دشنا سے
ورز کہ برو چہ ہات از ما تو پیغا سے
نومد نشاید از رو شمشیر با سے

سعدی بلب دریا دروانہ کجا یا بی

و کلام نہت گان رو گوہ مطہری کا سے

بلا شہ یہ نغزل غزلیت کی بہت خوبیاں رکھتی ہے مگر حافظ کی حیرت انگیز ترکیبوں کو نہیں پہنچتی ہے :-

خبر ویاں جفا پیشہ دفا نیز کنند
بادشاہاں ملاحظہ چو برنجیب روند
بر کساں در دفر ستمد و دوانیز کنند
صید را پائے بر بندید و دمانیز کنند
ضیعھاں نظر از بہر خدا نیز کنند
سرور بر فشانند و دمانیز کنند
کین گناہ نیست کہ دوشہرمانیز کنند
کین فنا نیست کہ بخشند بہانیز کنند
کانکہ از ازل صواب نہ خطا نیز کنند
بادشاہاں بلفظ یاد گد انیز کنند

سعدی اگر نہ کند یاد تو آن ماہ مرتخ

ماکہ باشیم کہ اندیشہ مانیز کنند

یہ نغزل نغزل کا پورا حکم رکھتی ہے گو مذاق کلام حافظ سے علیحدہ ہے ظاہر ہے

کہ اس لطف کی غزلیں سعدی کے دیوان میں سب ہی نہیں ہیں مگر یہ ایک غزل ایسی ہے کہ سعدی کے استاد غزلگوئی ماننے جانے کو کافی ہے اس غزل میں غزل سابق کے اعتبار سے داخلی مضامین زیادہ ملحوظ رہے ہیں اسی لئے اس میں محسن مقبولیت بھی زیادہ ہے اب میں اور شعرائے منغزلیں کی غزلیں مندرج ذیل کرتا ہوں کہ باوجود مختلف المذاق ہونے کے لطف غزلیت سے خالی نہیں ہیں :-

غزل جامی

ادل ٹکنڈگان ستم بھسا چمیت	اے ترک شوخ این ہرناز و قبا چمیت
اے پیر رہ بگو سے طریق صواب چمیت	اندر سہ بہ کعبہ روم یارہ میکدہ
خود کشتہ مینویم ترا اضطراب چمیت	خبر کت میدہ از پئے قلم شتائی
چون من لہم خولیش نادم کہ خواب چمیت	گفتی شبے خواب تو آئیم و لے چہ سود
در جہر تم کہ در دلم این اضطراب چمیت	بے نوز صنعت قوت جبیدر نم نہاند

جامی چہ لاف مینرئی از پاک دامنہی

بر خرد تو این ہر داغ شراب چمیت

ملا جامی بھی مذاق غزل گوئی رکھتے ہیں اور ان کے دیوان میں بہت اشعار ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ لطف غزلیت سے خالی نہیں ہیں مگر تمام دیوان کی کیفیت نہیں ہے۔ فیقر کی دانت میں جامی کی غزل گوئی سے ان کی مثنوی نگاری زیادہ خوبصورت ہے :

غزل فغانی

نخل قد است که چمن جان بر آید
 از فرق تا قدم همه جا هست آن نہال
 اکنون توئی جیل جہاں گر چه پیش ازین
 بر سر زمین کہ جلوه کنان رفته بہ ناز
 شاخ گلے بہ صورت انساں بر آید
 گویا ز آب چشمہ حیوان بر آید
 آوازہ جمال ز کنعان بر آید
 آہ از ہوا و یک خرامان بر آید
 از دل ہزار شعلہ پیمان بر آید
 گل بہ طرف ز شاخ درختان بر آید
 با آفتاب دست و گریبان بر آید
 مست می شبانہ مرمن ز خواب ناز

در سرچمن کہ گفت فغانی سرود غم

افغان ز بلبلان خوش الحان بر آید

یہ غزل ایک عمدہ نمونہ غزل سرائی کا ہے لاریب بابا فغانی نے اس
 غزل میں پوری داد عاشقانہ رنگ کی غزل سرائی کی دی ہے سبحان اللہ کیا کتنا ہے

غزل خسرو

جان ز تن بردی در جانی ہنوز
 آشکارا سینہ ام بیشکافتی
 درد داری و در مانی ہنوز
 بچنناں در سینہ پنهانی ہنوز
 و اندر بس ویرانہ سلطانی ہنوز
 زرخ بالاکن کہ از زانی ہنوز
 ہر دو عالم قیمتہ نمود گفتہ

خون کس یارب گچھرو دامنز
 گچھرو دخنون اپر شمانی ہنوز
 باز گر یہ چن نمک بگدا ختم
 تو زخندہ شکر ستانی ہنوز
 جان ز بند کا لبر آزاد گشت
 دل بہ گیسوئے تو زندانی ہنوز

پیری شاہد پستی ناخوش است

خسرو آتا کے پریشانی ہنوز

خسرو سعدی کے جواب سمجھے جاتے ہیں، کوئی شک نہیں کہ خسرو میں سعدی کا انداز ہے مگر ان کی غزل سرائی سعدی تک نہیں پہنچتی ہے بہر حال کوئی شک نہیں کہ خسرو بہت اچھے غزل گو ہیں، گو ان کا تمام دیوان حافظ کی طرح لطیف غزلیت سے بھرا ہوا نہیں ہے، لوگ خسرو کو ہندی کہتے ہیں مگر وہ ہندی مرزا بیدل اور قبیل کی طرح نہ تھے۔ ان کا شمار اہل زبان میں سمجھ لی گیا جاسکتا ہے کس واسطے کہ جس عمد میں وہ زندہ تھے، اُس میں فارسی کے سوا ہندوستان میں مسلمان کوئی دوسری زبان نہیں بولتے تھے، اور اہل زبان کی بڑی کثرت تھی +

غزل اہلی شیرازی

نخترانک تو با آئی و من پائے تو بوسم
 در مسجد و صنم خاک تو ہمارے تو بوسم
 ہر جا کہ تو روز سے نصیبے جائے گزشتی
 آنجا روم و گر یہ کنائے ہائے تو بوسم
 ہر جا کہ غزالہ یست چو بچندل سرو پیش
 در آرزو سے ز گس شہلا سے تو بوسم

من اہلی درویش و تو آن شاہ تبتانی

دستیکہ بوسم بہ تمنا سے تو بوسم

یہ غزل نہایت عاشقانہ رنگ رکھتی ہے گو حافظ کی حکمت آموزی کا جس
 اس میں نہیں ہے تو بھی اس کے ایک عمدہ نمونہ غزل گوئی ہونے میں کوئی گفتگو نہیں
 ہو سکتی، اگر کسی شاعر میں غزل سرائی کی اتنی بھی صلاحیت نہیں ہے تو بہتر ہے کہ
 اور اصناف شاعری کو اختیار کرے ۶

غزل مرزا علی ملی خان سیلی

چند آنکہ مدعی نہ تو اند بخن کند	کو بخت الکہ یا شکایت زمین کند
گر شکوہ و لم ز تو سپمان شکن کند	گر دو ہزار بارہ گرفتار نا امید
منعم چہ از ہر سی خورشیدین کند	گر بیم سرگردانی او نیست غیر را
قبل مرا بہانہ بر خاستن کند	آن طالب علم کجاست کہ پندو ز قریب
از اضطراب دل نہ تو اند بخن کند	او میکند سوال و مراد جواب او

سیلی ہزار جیفت کہ ان سے پرست!

ذوق شراب ساقی ہر آنجن کند

یہ غزل نہایت شوخ رنگ رکھتی ہے اور غزل گوئی کی چھی مثال ہے اگر اتنا بھی
 کسی شاعر نے شوخ طبیعت نہیں پائی ہے تو اسے لازم ہے کہ غزل گوئی کو خیر باد
 کہے ۷

غزل ابوطالب ہمدانی کلیم

نہ ہمیں مے مدان تو گل خندان از من
 می کشد خار درین باد یہ دامان از من

ہاں آہنزش و الفت موج است و کنار
 قمری ریختہ بالم بہ پناہ کہ روم
 بہ تکلم بہ خموشی بہ بستم بہ نگاہ
 نیست پرہیز از زہد کہ خاکم بر سر
 گرچہ موم دے آن حوصلہ محمود دارم
 آنک بہبود مرزبان ہما زودہ کلیم
 گرد غم را نواں شست بطوفان ازمن

یہ غزل بھی غزل سرائی کا ایک عمدہ نمونہ ہے کلام میں شوخی متانت طبیعت داری
 مدب کچھ موجود ہے حقیقت یہ ہے کہ کلام وہی ہے جس کی تاثیر دل پر پیدا ہو۔
 ورنہ مجرد مضمون خیر ہی لطف غزلیت نہیں پیدا کر سکتی :

غزل ہلالی

ایں است کہ خون کردہ دل بزو بسے را
 دیدم زیاران و قادر بسے را
 قطع ہوس و ترک ہوا کن کہ درین راہ
 تا ازاں لب شیریں گسماں کام گرفتند
 گر از نظر اتنا و قیے عجیبے نیست
 در دیدہ خودں نتواں داد نخسے را

پیش سنگش ایں آہ و فغان چسپت ہلالی

۰۰ از خود کن آرزوہ جنین ہم نفسے را

ہالی میں بھی غزل کوئی کا لطف پایا جاتا ہے اگر غزل میں غزلیت نہ ہو۔ تو
 پھر اسے کوئی اور شے کہیں گے۔ غزل نہیں کہیں گے، واضح ہو کہ ان تمام غزلماں
 بالاسی مختلف انداز پائی جاتی ہے مگر کوئی غزل لطف غزلیت سے فانی نظر
 نہیں آتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شعر اور ادات قلبیہ اور امور ذہنیہ کی تمام تر
 تعبیرت فطرت کے ساتھ اپنی غزلوں میں حوالہ قلم فرماتے گئے ہیں اور جس قدر
 ممکن تھا تشبیہ استعارہ اوربالغہ سے کنارہ کش رہے ہیں۔

شیخ محمد علی عزین

دل در خم زلف او سودے و گردارو یا سلسلہ دیوانہ غوغائے دگر دارو
 صحرائے طلب دارو بر قدم طوے ہر سنگ درین وادی موسائے دگر وارو
 انلاک نگہبان عشق تو نے باشد این بادہ زور آورینائے دگر وارو
 در مجلس مایک کس بر شیار نمی گردو در جام مگر ساقی صبا ئے دگر وارو
 گر عشق نہاں بازو با خمد عجبے نبود در پردہ دل مجنوں لیلائے دگر وارو

پیدا است عزین مارا از وقتے کودش

کیں زند خسرا باقی تقوائے دگر وارو

عزین میں بھی غزل گوئی کا اچھا لطف پایا جاتا ہے، مذاق غزل گوئی ان کا تصوف آمیز
 ہے، مزاج میں فقر کی طرف بھی میلان بہت تھا، ہر چند اہل زبان سے ہیں مگر اہل ایران
 بن سے بالکل تاداف ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وطن سے نکل کر ہندوستان میں چلے
 آئے تھے اور ہندوستان میں رہ گئے، مزار شیخ کا شہر بنارس میں ہے، فقیر جب

عنفوان شباب میں دہائی کے کالج کا ایک طالب علم تھا تو اتر شاہ کو ظمان میں
 جہاں وہ آسودہ ہیں جایا کرتا تھا۔ زمانہ یاد آتا ہے اور عمر گزشتہ کی دل میں حسرت
 ہوتی ہے، عاجز نے شیخ کے دیوان کو اول اول اسی زمانہ میں دیکھا تھا، اچھا اثر اتنے
 ہیں انداز کلام حافظ اور سعیدی سے مرکب معلوم ہوتا ہے، مگر ان حضرات کی سخن
 سنجی تک ان کی طبیعت واری نہیں پہنچتی ہے، قبل اس کے کہ شعرائے فارس کی
 غزل گوئی کی بحث اختتام کو پہنچائی جائے، کچھ ان شاعروں کا ذکر بھی ضروری معلوم
 ہونا ہے جو ہندی وطن ہو کر فارسی میں بھی نام برآوردہ نظر آتے ہیں، ان میں سے
 مشہور یہی حضرات ہیں، مرزا عبدالقادر بیدل، واقف پٹیلوی، منظر جان جاٹاں
 سراج الدین علی خان آرزو، قتیل اور غالب

واقف پٹیلوی نے
 واقف پٹیلوی بیدل جان جاٹاں آرزو قتیل

مذاق غزلگوئی اچھا رکھتے تھے، مرزا بیدل ہندوستان میں ایک مشہور فارسی گو
 شاعر ہیں، ہر ہندوستانی وطن جو فارسی سے آشنائی رکھتا ہے ان کے کلام سے
 کچھ نہ کچھ واقف ہے۔ مرزا بیدل کا فارسی دیوان چھپ بھی گیا ہے، مگر ان کی غزل
 سرائی فقیر کو نہیں پسند ہے۔ علاوہ اس کے کہ زبان میں تصرفات کر جاتے ہیں غزلوں
 میں ایسے ایسے استعارات اور نازک خیالیوں سے کام لیتے ہیں کہ غزل سرائی کا
 لطف قائم نہیں رہتا۔ منظر جان جاٹاں کا کلام اچھا ہے مگر اس درجہ کا نہیں ہے کہ
 جان کشتار ستار غزل گوہوں میں کیا جائے، خان آرزو ایک محقق شخص ہیں، مگر
 شاعری کے لئے طبیعت پورے طور سے مناسب نہیں پائی تھی، قتیل میں

غزل سرائی کا مادہ ہے۔ گردہ اپنے اس مادے سے کام نہ لے سکے غالب تو ان کے کچھ ہی معتقد نظر نہیں آتے ہیں بلکہ بڑی بے اعتنائی سے انھیں یاد کرتے ہیں جیسا کہ ان کا خود قول ہے۔

گرچہ پیدل ز ازل یران نیست لبیک ہچو قلیل ناداں نیست

خیر قلیل ہر کچھ ہوں۔ خود غالب فارسی کے اچھے غزل سرا نظر نہیں آتے، شک نہیں کہ غالب کو فارسی کی معلومات بہت ہے اور شاعری کا مادہ بھی بہت رکھتے تھے۔ مگر ان کی فارسی کی غزل سرائی، غزل سرائی کا حکم نہیں رکھتی ہے۔

جس غزل کو دیکھئے ان سے ان کی مضمون آفرینی خلاقی سخن
بلند پروازی نازک خیالی ندر آوری وغیرہ عیاں ہے مگر ان کی

غالب

تمام فارسی غزلوں میں صرف دس پانچ ہی شعر ہوں گے جو غزلیت کا لطف رکھتے ہوں گے ورنہ دیوان کا دیوان حسن مقبولیت سے خالی نظر پڑتا ہے۔

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ استعارات وغیرہ سے بہت کام لیتے ہیں جو سچی غزل گوئی کی شان سے بہت بعید ہے فقیر حضرت کا بہت معتقد ہے یعنی ان کو ایک بڑا شاعر گرامی جانتا ہے مگر افسوس ہے کہ ان کی فارسی کی غزل سرائی کو اپنے دل پر تاثیر پیدا کرتے نہیں پاتا، حضرت کی غزلوں کے اشعار بیشتر تصدید و نامعلوم ہوتے ہیں اور کچھ ایسی خاص ترکیب رکھتے ہیں کہ ان سے وہ حوصلہ کو نصیب نہیں ہوتا ہے جو غزل سرائی کا لقا خاص ہے کچھ غزلیں حضرت کی نذر ناظرین ہوتی ہیں؛

غزل

بعل تو خستہ اثر التماس کیست
 گیرم ز داغ عشق تو طرفے بر پشت دل
 لہزم بہ کوٹے غیر ز بے تابلی نسیم
 با او بسا وصلے دیا من بہ عزم قتل
 از میکسال شہرم و از ناکسان دہر
 از پر نیال بعربہ راضی نہ می شود
 لطفت بشکوه از ہوس پیشمار من
 گیرم کہ رسم عشق من آورہ ام بدہر
 صحن چین نمونہ بزم فراغ تو

بخت من از تو شکوہ گزار سپاس کیست
 اینم نہ بس بود کہ جگر و تناس کیست
 کا نذر امید واری فیسے لباس کیست
 آہ از امید غیر کہ ہچشم یاس کیست
 اگر گشت سر تو سلامت بر اس کیست
 خار رہ تو چشم براہ پلاس کیست
 شو قم بہ نالہ از ستم بے قیاس کیست
 ظلم آفسریدہ دل ناحق تناس کیست
 بادِ سحر علاقہ ریلط جو اس کیست

غالب بت مرانکہ ناز قحط نیست

تا با ایش مصالفتہ چندین بیاس کیست

غزل کی غزل پڑھ جائیے کسی شعر یا مصرع میں اتنی قوت نہیں ہے کہ تڑپا دے
 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاص ترکیب میں ایسے نازک مضامین موزوں کئے گئے
 ہیں کہ ان کو دل آویزی سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس بے تاثیر کی وجہ یہ ہے
 کہ ان اشعار میں کوئی مضمون ایسا نہیں بندھا گیا ہے کہ جو انسان کے کسی بڑے
 معاملہ قلبی سے خبر دیتا ہو، اور کوئی معاملہ قلبی بیان بھی نہ ہو ہے تو تبعیت فطرت
 سے علیحدہ ہو کر اور ایسی ترکیب زبان کے ساتھ کہ جو بے ضرورت دشوار صورت

ہے ایسا کلام ضرب المثل کی تاثیر نہیں پیدا کر سکتا ہے اور نہ اس کے مضامین پڑھنے
 دلے کے ذہن میں ہمیشہ موجود رہ سکتے ہیں جتنے اشعار میں ان کا یہی حال ہوتا
 ہے کہ فوڈ پڑھنے کے بعد یاد سے جاتے رہتے ہیں، اور کوئی تاثیر دل پر چھوڑ
 نہیں جاتے، افسوس کے دل کا تو یہی حال ہے بہت بار اس عاجز نے اس غزل کو
 دیکھا ہے اور بے اثری کے اعتبار سے یہ سہارنٹی معلوم ہوتی ہے بر خلاف
 اس کے مسبق الذکر شعر اے متغزلین کی غزلوں کی کیفیت دیکھی جاتی ہے
 کہ کم و بیش طور پر ان کا اثر قلب پر رہ جاتا ہے اور اگر وہ نہ جلتے تو اتنی اثر تو
 ضرور ہوتا ہے۔ بخلاف اس غزل کے کہ اس میں پائیدار یا غیر پائیدار کسی طرح کا اثر
 پایا ہی نہیں جاتا، حضرت غالب کی اکثر فارسی غزلوں کا یہی طرز ہے بلکہ
 سب غزلوں کا یہی طرز ہے۔ الا صرف دس پانچ اشعار کہ غزلیت کا پورا
 رنگ رکھتے ہیں جس کے باعث ان کی یہ تاثیر مریض گفتگو میں نہیں آسکتی
 میں دو غزلیں اور بھی ذیل میں عرض کرتا ہوں، ایک حافظ کی زمین ہے اور
 دوسری سعدی کی ۶

غزل

بتان شہر ستم پیشہ شہر باراند	کہ در ستم روش آموز روزگار اند
برسد دل بہ ادائے کہ کس گمان زبرد	فغان زپردہ نشینان کہ پردہ دار اند
بجنگ تاج پودنوعے دلبران کایں قوم	در آشتی نمک ز فحم دل دکار اند
نزارغ و کشت تناسد نے حدیقت باغ	ز بہر بادہ ہوا سخاہ باد و بار اند

ایسی ہے کہ دل ہی چانتا ہے کہ سو بار اس شعر کو پڑھتے رہتے، بخلاف اس کے
 غالب کا شعر ہے کہ اس میں یہ سب کوئی لطف نہیں، بلکہ دوسرے مصرع
 کو دو چار بار پڑھتے تو بالکل بے مزہ ہو جاتا ہے، بڑا حسن اس شعر کا یہ ہے کہ
 پر وہ نشینوں کو پر وہ دار کر کے دکھایا ہے۔ اس میں کیا بڑی مضمون آفرینی ہے
 یا بڑی غزلیت ہے، ظاہر کچھ نہیں معلوم ہوتا ہے حکمت و فلسفہ سے اس شعر
 کو بحث نہیں ہے جیسا کہ اس غزل کے اور اشعار کوئی علاقہ نہیں ہے:

غالب

حافظ

نصیب با ست بہشت ایجا آشناں برد
 بچنگ تاج بود خوش سے دلبران کین رقم
 کہ مستحق کرامت گناہ گار انستند
 در آشتی رنگ ز خم لنگار انستند
 چونکہ گاران کا قافیہ دونوں شعر بالا میں بندھا ہے اس لئے راقم نے ان
 دونوں شعر کو مقابلہ میں لکھ دیا، پھر اب دونوں شعر کے لطف مضمون اور
 حسن بیان پر غور فرمائیے، حافظ کا شعر جیسا کہ عموماً فطری رنگ رکھتا ہے
 زیور سادگی سے آراستہ دیکھا جاتا ہے کسی مسئلہ حکمت و فلسفہ پر ہی ہوتا ہے
 اور غزلیت میں دوبارہ تھا ہے، ویسا یہ شعر بھی ہے بلکہ اس شعر میں خواجہ
 نے بہت سے مسائل دین و اخلاق کو بڑے آسان پیرایہ میں فرما دیا ہے، اس شعر کی
 کیفیت عرض کر کے غالب کے شعر کی طرف توجہ ہی فضول ہے، مسائل علیہ
 سے تو کوئی بحث ہی نہیں ہے مضمون آفرینی کے اعتبار سے بھی چنداں مشکل پیکار
 نہیں رکھتا ہے:

حافظ

غالب

بیابا میسکہ و چہرہ ارغوانی کن
 تو سر میں دورق و زرد و دم و رکش
 مرو و بصوحہ کا سجا سیاہ کار اند
 میں کہ سحر نگاہاں سیاہ کار اند
 تو دستگیر شو اسے حضرت بیخستہ کہ کن
 ز دید و داو مز ن حرف خرد سالانہ
 پیادہ سے روم و ہرمان سوار اند
 بہ گورہ منہ چشم سے سوار اند
 اب موازنہ ہی فضول ہے ناظرین موازنہ کی زحمت سے عاجز کو معاف فرمائیں اسے
 حضرات نکتہ دان حافظ کی شہرت بلے وجہ نہیں ہے اگر کوئی شاعر و ماغ حکیمانہ نہ رکھتا
 ہو تو کبھی حافظ کی راہ میں قدم نہ رکھے، معجز زبان والی یا معلومات سے حافظ کی سعی
 شاعری نصیب نہیں ہو سکتی

غزل غالب

داستانِ نخلند ارچہ چنانیز کنند
 از و ناسے کہ نہ کردن حیا نیز کنند
 چوں بہ بنید بہ تر سز و بہ یزدان گردند
 رحم خود نیست کہ بہ حال گدائیز کنند
 خستہ تا جمال نہ دیدہ عدہ دیدار و ہرند
 عشوہ خواہند کہ در کار قصانیز کنند
 خون ناکامی ہی سالہ ہدر خواہد بود
 مہر با اگر از بہر خسدائیز کنند
 انداز روز کہ پریش دواز بہر گزشت
 کاش با ما سخن از حسرت مائیز کنند
 از و حمال خزان دیدہ ساشتم کاہیما
 ناز بہ نازگی برگ و نوا نیز کنند
 گر بود کوتسی از عمر تو دانی و اجسب
 گفتہ کار بہ بہ کام مائیز کنند
 ز شوی رنج ز زندان بصوحی کایں قوم
 نفس باد سحر غالبہ سائیز کنند

گفتہ باشی کہ زمانہ اشعارش بیدار خطا است
 این خطائے ست کہ در روز حزن اینز کنند
 خلق غالب نگردد و شکر سعدی کہ سرود
 خوبرو بیان جفا پیشہ و نایز کنند

سعدی کی غزل کے ساتھ اس غزل کا موازنہ یہی فضول ہے، کیوں حضرت غالب
 نے اس زمین میں غزل لکھی اس کی ضرورت معلوم نہ ہوئی، اس غزل میں صرف
 ایک شعر قابل توجہ ہے اور وہ یہ ہے

اندر آن ز کز پرستش آرد از سرچہ گذشت
 کاش با ما سخن از حضرت اینز کنند

اس شعر کے سوا جتنے اشعار میں زہبہ اس قابل نہیں ہیں کہ سعدی کے اشعار
 کے ساتھ پڑھے جانے کا استحقاق رکھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ غزل سرائی بہت
 دشوار چیز ہے یہ بڑے حکیم کا کام ہے اور وہ بھی وہ حکیم جس نے غزل سرائی کی
 غلطی عمل حیرت پائی ہے اگر مجرد حکمت مافی غزل گوئی کی منقاضی ہوتی تو اسطو بطلی
 سینا، ملائندرا، یہ سب کے سب غزل گو ہوتے، غزل گوئی عاتاقی، مولوی
 معنوی اور کوری کو تو نصیب ہی نہ ہوئی، جو بڑے درجہ کے شعر گذر سے ہیں
 مگر حضرت غالب پر بہت تعجب گزرتا ہے کہ آپ اردو کے نہایت اچھے
 غزل گو ہیں، اگر لُن کے دیوان سے وہ اشعار خارج کر دیتے جاتیں جو کثرت استناد
 کثرت اصانات و کثرت اطلاق سے بدنام نظر آتے ہیں تو لُن کے اردو کے
 کلام منتخب کا جواب نہیں پایا جائے گا۔ بہت جاٹے حیرت ہے کہ لُن کی اردو
 کی غزلیں سوز و گداز و حسنی و شربت و دل گر تنگی و پراثری کے مزے سے
 قریب قریب میر کی غزلوں کی طرح جہری ہوئی ہیں، مگر فارسی کی غزلیں ان

صفات سے جو غزلگوئی کی شان سے ہیں، تماثر معراظر آتی ہیں، فقر کی دانست
 میں مرزا غالب فارسی کی غزلگوئی کے اعتبار سے فارسی کی قصیدہ گوئی میں زیادہ
 دخل رکھتے ہیں، جیسا کہ آئندہ ظاہر ہوگا :

حضرات حقیقت آگاہ سے مخفی نہیں ہے کہ غزل گوئی کے لئے تماثر
 داخلی مضامین درکار ہوتے ہیں مگر جن شاعروں نے خواہ فارسی اور اردو میں شاعری
 کا خارجی پہلو اُختیار کیا ہے، ان کی غزل سرائی کبھی پرتائیز نہیں پائی جاتی ہے۔
 غزل سرائی خارجی پہلو کی متقاضی نہیں ہے، خارجی مضامین کا باندھنے والا غزل
 گو، گو کس قدر نازک خیال، خلایق سخن زور آور اور بلند پرواز ہو، کبھی اپنے کلام
 سے دل پر حسب مراد اثر پیدا نہیں کر سکتا، چنانچہ فارسی میں مرزا صاحب اور
 اردو میں شیخ ناسخ باوجود بڑے پرگو شاعر ہونے کے کلام کے اس حسن مقبولیت
 سے محروم ہیں جو حافظ اور میر کو نصیب ہوا ہے۔ مرزا صاحب کس قدر کثیر الکلام
 ہیں اور عطاوہ بڑی طباعی کے نقاست خیالات اور نزاکت، مضامین میں بے نظیر
 ہیں، مگر ان کی سیکڑوں غزلیں پڑھ ڈھکیٹے تو بھی اس کا اثر حافظ کی ایک غزل
 کے برابر بھی نہیں ہوتا ہے۔ اس کی اور کوئی وجہ نہیں ہے، الا یہ کہ صاحب غزل گوئی
 کے نقاست کے خلاف کار بند ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صاحب کی سخن
 سنجی نے فارسی کے لطیف کے میدان کو بہت وسیع کر دیا، مگر اس توسیع سے
 خود غزل سرائی کو کوئی نفع نہ ہوا۔ یہ صنف شاعری جس درجہ کو حافظ کی طبیعت
 واری سے پہنچ چکی تھی، اسی درجہ تک قائم رہی ہے، سر بھی اس سے ارفع نہ
 ہو سکی۔ حقیقت یہ ہے کہ صاحب اور ناسخ نے ایک ایسی صنف شاعری کی ایجاد

کی ہے جو غزل سرائی اور تصنیف گوئی کے درمیان کی ہے، کاش یہ دونوں شاعر
 گرامی اور کسی صنف شاعری کو ترقی دیتے یا اور کسی صنف کے موجد ہوتے، تو
 شاعری کو ان کی سخنِ سخن سے زیادہ نفع پہنچتا، خیر جاننا چاہئے کہ مرزا صاحب
 کی غزل سرائی کا رنگ مرغوب نہیں ہے۔ کس واسطے کہ ان کا رنگ غزل
 سرائی کے تقاضے کے مطابق نہیں ہے، ذیل میں مرزا صاحب کی غزلیں نذر
 ناظرین ہوتی ہیں :-

غزل

دستِ گفتن خطا ہے جہاں پیدا شود
 تیر کج چون از کمان بیرون در سوا شود
 پرہ ہندار سدا و وحدت گشت بہت
 چون حباب از خود کند قالب تہی رہا شود
 وہ مقام حیرت دیدار حروفِ صورت نیست
 طوطی از آئینہ حیرانم کہ چون گویا شود
 دست چائے باغبان لوسید از دلِ حیرت
 سہی کن تا بیہ کلیدیں دیر دیت و استود
 مہر فاموشی چہ سازد بالب پر شور من
 حلقہ گرداب چوں در لب دریا شود
 گوہر سے دم کہ گراز حیرت بیرون آوم
 از فرخش پایہ میسنان بہ بیضا شود

دست و بر سینہ دریا گزار و چون صدق
 ہر کہ صاحب آشنائے عالم بالا شود

دیگر

عشق کیساں صفتِ دلش و تو تک می کشد
 این ترازو تک گوہر را بر ابر می کشد

آفتاب روز محشر بدیشتر می سوزدش
 هر که اینچا در دوواع عشق کتری کشد
 تا کلام دل کند جلوان سهند شمع ما
 انتظار گری صحرایه محشر می کشد
 آتشین دوستی که من پیدا آن او گشته ام
 بر شتر ایش و غز از چشم سندی کشد
 بی می از مردن نداد شعله چه باک ما
 شمع ما گردن با امید صبا بر می کشد
 نیست بر شمشیر تو تا آن گمان اشک
 این رقم را عشق بر خردا چون می کشد

سر زنجیر صبح بر می آید چون آفتاب
 هر که صائب در دل خود یکده ساغر می کشد

ظاهر ہے کہ مرزا صاحب غزل سرائی میں تمام تر شاعری کا خارجی پہلو بستہ ہیں ذیل
 میں ان کی ایک اور غزل بھی عرض کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ اسی زمین کی حافظ
 کی بھی ایک غزل پیش کی جاتی ہے۔ دونوں غزلوں کے معاینہ سے ظاہر ہو گا کہ
 جس قدر صاحب غزل میں خارجی پہلو کو ملحوظ رکھتے ہیں اسی قدر حافظ واقعی پہلو
 کو ملحوظ سے جانے نہیں دیتے ہیں اس موازنہ سے یہ بات بھی عیاں ہوگی کہ غزل
 سرائی میں واقعی پہلو کیا لطف سخن پیدا کرتا ہے اور اس لئے اس صنف شاعری
 میں اس پہلو کی کس قدر ضرورت ہے۔

غزل صاحب

اسے غنچ لب کہ سر بہ گریبان کشیدہ
 در پردہ و پردہ عالم دیدہ
 برق سبک حسانی و کوہ گران رکاب
 در بیخ جاتئی و ہبہ جار سیدہ
 تکلیف لطف و معنی شد نصیحت در تو جمع
 در جلوہ و پاسے بدامی کشیدہ

بر پیرین غریب تر از یوسفی بر صن
 چشم بد از تو دور که چوں طفلان شکست
 در پله فرود تو دل گر چه بے بهاست
 و در مصر سکنی و بکفان رسیدہ
 ہر کو چہ کہ دست بہ عالم دیدہ
 از ان بدہ دوست کہ از نال خریدہ
 غیر از نگاہ عجب سز کہ از دور میکند
 لے سنگ دل ز عاصب میکند چہ دیدہ

غزل حافظ

از من حسد استو کہ تو ام نور دیدہ
 از من تو دوست نداشتی
 از چشم زخم و ہر مہادت گذرد آنکہ
 مشم گئی ز عشق شے ایستغنی زمان
 پیام نہ میرسد برین دیگر از نشاند
 داری خیال پر بسش عشاق بنیز
 آرام جان و منس قلب دیدہ
 پیر ازین صبردی ایستشال دیدہ
 درد بس سوری بہ غایت خوبی رسیدہ
 محذور و از دست کہ تو اورا ندیدہ
 تا سوئے من بہ چشم غماہت تو دیدہ
 گویا کہ بس یہ صدق را ایشان شہیدہ
 این سر ز نش کہ کہ و ترا دوست حافظا
 بیش از حکیم خویشش گمراہ کشیدہ

فارسی اور اردو کا مختصر بیان
 واضح ہو کہ یہ نظر ان کا کسی
 زبان کی تحقیق نہیں ہے مگر چونکہ
 ہمارے ہاں بہت اشخاص ایسے ہیں کہ فارسی اور اردو کے تاریخی حالات
 سے مطلع نہیں ہیں اس لئے ان دونوں زبانوں کا مختصر بیان غالباً از نفع نہ ہوگا

حقیقت حال یہ ہے کہ جو اس وقت مروج فارسی ہے یہ زبان کیا نیوں کی نہیں
تھی ان کے زمانہ میں جو زبان بولی جاتی تھی اسی سے انقلابات کثیر کے بعد
حال کی فارسی پیدا ہو گئی ہے۔ اس پر چندہ زبان کو بھی قائم ہوئے چندہ سو سال
سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے، جو زبان کیا نیوں میں ان کے ابتدائی وقت میں جاری
تھی۔ وہ یا قوم آریہ کی زبان تھی یا قوم آریہ کی زبان سے بہت مشابہت رکھتی
تھی، معلوم ہوتا ہے کہ قوم آریہ نسل یورج سے تھی۔ اور لفظ ایران بھی ایسے ہی سے
مشقی معلوم ہوتا ہے اور یہ امر غلط نہیں ہے، اس واسطے کہ کیا نیوں کے خاندان
کی اصل ایسے سے ثابت ہوتی ہے پس کوئی تعجب نہیں کہ جس ملک میں نسل
ایسے سے قرار لیا وہ ایران کہلایا، زردشت کے وقت کی زبان است ایرانی
کیا نیوں کی زبان سے غلطہ نظر آتی ہے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ انقلابات قبل
کہ وہ زبان پیدا ہو گئی جو زبان دور کی اور فردوسی کی ہم لگ پاتے ہیں
اور جیسے زبان فارسی کہتے ہیں قوم آریہ جس نے چادہن راہیں پہلے ہندوستان
کو فتح کر کے اس ملک میں توطن اختیار کیا تھا وہ آریہ زبان بولتی تھی آریہ
زبان کیا تھی؟ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی سنسکرت زبان تھی، لگے جب
ہندوستان میں قوم آریہ نے وطن اختیار کیا اور اس ملک کے سکنا و مغلوب
سے آمیزش پیدا کی تو ان کی سنسکرتی زبان میں خلل لاحق ہونے لگا اور رفتہ رفتہ
اس آمیزش سے ایک زبان غیر سنسکرت جیسے پر اکرت گئے ہیں پیدا ہو گئی
جب قوم آریہ نے دیکھا کہ سنسکرت کی سنسکرتی اور صفائی میں بہت خلل واقع
ہو رہا ہے تو قواعد صرف و نحو کے قائم کر کے اور الفاظ غیر سنسکرت کو دور

کر کے اپنی زبان کی پوری اصلاح کر ڈالی اور یہ زبان خاص برہمنوں کی متباد
 پائی، لیکن بعد زبان پر اگرت جا رہی ہو چکی تھی اس لیے صحیح و تختیق سے اُس کا
 انداز نہ ہو سکا، اسی پر اگرت زبان کی ایک قسم بھاشا ہے اور بھی مختلف
 دیکھوں پر اسی طرح کی عمروج زبانیں جاری ہیں جب برہمنوں کے مذہب
 کو بڑھانے کے مقصد سے کہ ڈالا تو وہی پر اگرت سنسکرت کے قائم مقام کبھی جاننے
 لگی اور سنسکرت سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا، پندرہ سو برس کا عرصہ ہوتا ہے
 کہ شکر اچا یہ نے مذہب بڑھانے کی شکست دی اور مذہب براہمن کی تجدید کی
 تو اس نے سرنو سے سنسکرت کو رواج دیا، مگر زبان پر اگرت رواج پا چکی تھی۔
 علوم الناس میں یہی زبان جاری تھی، لیکن جب اسلام نے ظہور فرمایا اور اہل
 عرب شروع شروع سے مذہب میں پہنچے تو سندھیوں کی زبان جو پر اگرت کی ایک
 قسم تھی۔ عربی لفظوں سے مزاج کر کے لگی چیر مختلف اقوام کے شامان اسلام
 ہندوستان پر حملہ آور ہوئے گئے، حتیٰ کہ اسلامی سلطنت ہندوستان میں قائم ہو گئی اُس
 وقت سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں میل جول زیادہ ہونے لگا، زبان بھاشا
 ہندوؤں میں جاری تھی، اُس میں نارسہی عربی کے اکثر الفاظ کثرت سے داخل ہو
 گئے، خاص کر لشکر دل میں ایک خاص زبان بولی جانے لگی، اس ترکیب زبان کا نام اردو
 ہو گیا، اردو لشکر کہتے ہیں، پس وہ تشبیہ اس کی یہی ہوئی کہ یہ زبان لشکریوں سے
 شروع ہوئی، رفتہ رفتہ اس زبان نے شکل اتیاز پکڑی تھی کہ عہد اکبر میں معلوم ہوتا
 ہے کہ یہ زبان ایسے انداز کی ہو گئی تھی کہ اس وقت کے اردو دان بھی اُس عہد کی
 زبان کو سمجھ سکتے ہیں، اکبر کی رابعی ذیل میں درج کی جاتی ہے جس سے معلوم

ہوگا کہ اردو عہدِ اجرب میں کتنی حیثیت کو پہنچ چکی تھی بلکہ اس رباعی کی نشست الفاظ
ت ترکیبِ نحوی ایسی معتدل ہے کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس میں کسی طرح کی کنگالی محسوس
ہوتی ہے۔

پوچھے جو گھڑی مجھ سے براہِ عادت تو وصل کو ساعت کی نہیں کچھ جاہرت
ہو جاتی ہے بلکہ سے مبارک ساعت ساعت کا ہمانہ نہیں خوش بر ساعت

جب اکبر کے وقت میں اردو اتنی صورت پر کڑھکی تھی تو اس زبان کی پوری روشنی میں
کوئی بہت تر و کارامزائی نہیں۔ ناخالیوں تو کہتے ہیں کہ امیر خسرو کے وقت

سہ اس زبان میں بطورِ تشوہ، شعر اور شعر کہا کرتے تھے، مگر اکبر کے عہد کی زبان تو خوب
ایسی ہو چکی تھی کہ اس میں اصنافِ شاعری کا برتنا و ستوار نہ تھا لیکن چونکہ یہ زبان

فارسی کے مقابل میں پایہ و تازہ نہیں رکھتی تھی اس زبان میں لوگ جو کچھ موزوں
کرتے تھے اسے کسی قسم کا اعتبار حال نہ تھا۔ مگر رفتہ رفتہ جو اس زبان میں شاعری

کو راج تیار ہوتا چلا۔ تو اس زبان کی پایہ اعتبار اصل گیا پہلا شاعر جس نے اس
زبان کو ممتاز کر دیا ولی دکنی تھا، پھر میر جمر نے اس کے وقت میں یہ زبان پورے طور

پر قائم اور جوگی پر پھر لکھنؤ میں اس کو عروج ہوا۔ ناسخ سے اسے شراش تلاش
کر کے ایک خوبصورت زبان کر ڈالی، آخر کو میر تقی میر نے اسے ایسا بنا دیا کہ

اس وقتہ غالبہ قریب قریب جواب فارسی ہو رہی ہے، مختصر یہ ہے کہ اسے
اپنی زبان قریبی کو رواج دیا، بعد ازاں اس سے بھارت پیدا ہوئی پھر اس

بھارت میں فارسی عربی کے لفظوں کی آمیزش ہوئی گئی، پھر بدت سے انقلابات
کے بعد وہ زبان پیدا ہو گئی جیسے اردو کہتے ہیں اب اس زبان میں مختلف زبانوں

کے لفظ داخل ہو گئے تھے کہ انگریزی الفاظ بھی بکثرت پاسے ملتے ہیں مگر ابھی تک
 اس زبان کو بہت الفاظ کی ضرورت ہے، اگر عربی، فارسی، انگریزی سنسکرت کے
 الفاظ کثرت کے ساتھ داخل کئے جائیں تو اس زبان کی کیفیت انگریزی زبان کی
 ہو جائے گی۔ اور جیسا انگریزی زبان وسیع ہے اسی طرح اس کو بھی ہر طرح کے خیالات
 علیہ کے اظہار کی وسعت حاصل ہو جائے گی، فقیر نے کیمسٹری وغیرہ کی کتابوں میں
 الفاظ انگریزی کو قائم رکھا ہے اور کوئی لفظ اپنی طرف سے ایجاد نہیں کیا ہے
 ایجاد کرنے کا فائدہ کوئی نہیں ہے کس واسطے کہ الفاظ ایجاد شدہ اصلی الفاظ سے
 کم و حشت تیز نہیں ہوتے ہیں جن صاحبوں نے الفاظ ایجاد کئے ہیں وہ
 وحشت تیز ہونے کے علاوہ غمک انگیز بھی ہیں مثلاً پیرل لائنس یعنی خطوط
 متوازیہ کا ترجمہ بیچ برار نان بارو فن چرخ گچہ گندہ پر ایجاد بندہ کا مزاد آیا ہے
 فقیر کی دانستہ میں اردو ابھی تک لفظوں کی محتاج ہے علمی خیالات اس زبان
 میں سنسکرت فارسی عربی انگریزی وغیرہ کی مدد کے بغیر ادا نہیں کئے جاسکتے ہیں
 پس لازم ہے کہ اس زبان کو ایشیائی اور یورپین زبانوں کے لفظوں سے اعانت
 دی جائے، مگر راقم کے اس خیال کے ساتھ شاید کمزور زبان اتفاق فرمائیں گے،
 پچانچہ ایک صاحب نے جو اہل زبان ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں فقیر کے لفظ
 مغرب کے استعمال کرنے پر اعتراض فرمایا تھا اس کی حقیقت یہ ہے کہ راقم
 نے اپنی کتاب موسوم بہ کیمیا سے تراخست میں لفظ مغرب کو استعمال کیا ہے
 معترض نے یہ فرمایا کہ لفظ غیر مالوس ہے اس کو اردو میں نہیں استعمال کرنا
 چاہئے اس اعتراض کی وجہ فقیر کی سمجھ میں نہ آئی یہ لفظ ارباب علم میں غیر مالوس

کیونکہ ہے اس کی ذریعہ معترض صاحب نے کچھ نہ فرمایا، شاید معترض صاحب کے
 گوش مبارک تک یہ لفظ پہنچا ہی نہ تھا، ورنہ فیر تو ہمیشہ لسنوں میں لکھتا چلا آیا
 اور استادوں کو اپنی طرح لکھتے ہوئے دیکھا گیا، فرقہ اطباء میں یہ لفظ متعارف
 حیثیت رکھتا ہے اور ہمیشہ استعمال میں لایا جاتا ہے علمی تصنیفوں میں اس کا
 استعمال کیونکہ معروض اعتراض ہو سکتا ہے راقم نے اس لفظ کو کسی مغزل، خمسہ،
 ثنوی و اسوخت وغیرہ میں استعمال نہیں کیا تھا، جس کتاب میں استعمال کیا ہے
 وہ کتاب علم کیمسٹری سے بھرتی ہے، علم کیمسٹری علم طب کا ایک جزو
 ہے۔ پس وہ لفظ جو طبی حیثیت استعمال رکھتا ہے، اگر علم کیمسٹری کی کتاب میں
 استعمال کیا جائے تو معترض کو زبان کھولنے کا موقع کیا ہے، مخصوصہ و اختیارات
 اردو کا فرض منطقی ہے کہ اس زبان کے وسیع کرے میں ہر طرح کے امور کو ملحوظ
 رکھیں اور حسب ضرورت مختلف زبانوں سے الفاظ کے اقتدار کے میں منسلق نہ
 فرمائیں، گنجی اس سے مراد راقم یہ نہیں ہے کہ بلا ضرورت بھی کسی زبان سے الفاظ
 لے لئے جائیں جیسا کہ اس زمانہ میں بد لحاظ، تنہا اصل انگریزی لفظوں کو اردو
 میں نہایت سبب قریبی اور بدتر کسی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں اور حقیقت
 کوئی ایسی زبان بولتے ہیں کہ وہ انگریزی ہے اور نہ اردو، اس کی مثال یہ تقریب
 ہے۔ "جب ہم شام کو واک کر کے آئے تو بہت طاہر و معلوم ہوتے تو ایک
 پتھر پر بیٹھ گئے، اس کے بعد طبیعت کو اسموک کرنے کی خواہش ہوئی، پیچھے
 تھی سیدگار کو کنڈل سے لایٹ کر لیا، اس نے مائیڈر پر سوونگ الیکٹریڈ پیدا کیا"
 ظاہر ہے کہ ان انگریزی لفظوں کے استعمال کی کوئی حاجت نہیں ہے اردو زبان

بحالت موجودہ ایسی محتاج نہیں ہو سکی ہے کہ بلا ضرورت اس میں اس قسم کے الفاظ طوطے
 کا اس طرفی زمانہ بدل جائے اس وجہ سے کہ یہ کئی سے کئی اصناف خاص خاص و خاصا کر ان ہی تہج سے اس میں
 کہ کہیں بعض الفاظ اور بعض اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں اس کی طرف حضرات اہل زبان کی توجہ درکار
 ہے ہر چند زمانہ خود مائل کو وسیع ہے مگر ظاہر زمانہ کی امانت ہی خواہ ان بان کی جانب
 سے کمتر دیکھی جاتی ہے جو حضرات اس حمد کے نفاذ و ان میں ہیں ان کو مجرد متروکات
 وغیرہ کی فکر ہا کرتی ہے اس اصلاح سے زبان وسیع ہونے کے عوض اور بھی تنگ
 ہو چکی ہے۔ فقیر کی دانستہ میں لفظ مرت اسی قدر فصیح ہے جتنا کہ لفظ نہ ہے یہی
 طرح تک اور تک ذمہ ساحت میں برابر نہیں اس طرح کی اصلاح سے درحقیقت
 زبان کو کوئی فائدہ نہیں ہے ایسی اصلاحیں بہتار بیکار آمد نہیں ہو سکتیں بہت خوب
 ہونے کو مرت اور نہ تک اور تنگ و اضطرار سے واسطہ اور اسے واسطہ وغیرہ وغیرہ یہ سب کے
 سب محاورے مانے جاتے اہل اصناف خود فرمائیں کہ ان سب متروکات کو ملحوظ
 رکھنا سزا کی میں تو کس قدر آسان معلوم ہوتا ہے مگر اکثر اہم متروکات کے ساتھ
 رمان یا ما بجات کی ضخیم کتاب کو تصنیف کرنا حالی از وقت مقصد نہیں ہے
 ظاہر متروکات پر حضرات اہل زبان کو اس توجہ پیشینہ کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے
 کہ اردو کی شاعری زیادہ تر سزا کی وغیرہ میں غمزدہ ہو رہی ہے اور چونکہ
 غزل سزا کی کوئی بہت کا پہلو باقی نہیں رہا ہے اس واسطے لفظی جدول کی طرف
 ناچار مائل ہونا پڑا ہے :

اردو کی نظم و نثر کی مختصر تاریخ

کب نظم و نثر نے اردو میں رواج پکڑا۔ اس کی نسبت کوئی محققانہ قول دکھائی نہیں دیتا، کہتے ہیں کہ اس زبان میں النشا پر وازی کی ابتدا احمد تمپور میں ہوئی، اس بادشاہ کے ہندوستان پر تسلط کا زمانہ ۱۳۹۸ء ہے بعض مصنفین یہ بھی لکھتے ہیں کہ اردو کی نظم و نثر اس کہنت پہلے رواج پا چکی تھی۔ اُن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی کے آخر میں مسعود بن سعد نے ایک دیوان زبان اردو ترتیب پایا تھا، علاوہ اس کے سعدی اور خسرو نے بھی متر ہوں صدی عیسوی کے آخر میں اس زبان میں طبع آزمائیاں کی تھیں۔ ظاہر ہے سب اقوال پر تحقیق سے بہت بعد نظر آتے ہیں بہر حال ذیل میں وہ امور حوالہ تلم کئے جاتے ہیں جن کی صحت کتابی وسائل سے درج یقین رکھتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ اردو کی النشا پر وازی کا سدا ملک دکن، گولکنڈہ اور بیجا پور میں اس زبان نے ایک ممتاز صورت پیدا کی ان دونوں مقاموں کے بادشاہوں کو اس زبان کی ترقی ملحوظ رہی، گولکنڈہ میں شجاع الدین نوری نے غزلیں لکھیں۔ ابن نشاطی نے دو مثنویاں معروف بہ طولی نامہ و پھول بن تصنیف کیں۔ شحین الدین نے بھی ایک مثنوی لکھی اس مثنوی میں کامروپ اور کیلا کی کہانی منظوم ہے۔ کامروپ، ادھہ کاراجہ تھا اور کیلا سراندہ بیپ کے راجہ کی بیٹی تھی۔ یہ ایک دلچسپ عشقیہ مثنوی ہے اور بڑے شاعرانہ مذاق سے خبر دیتی ہے اسی طرح بیجا پور میں نصرتی نے جو ایک برہمن تھا دو مثنویاں معروف بگلستان عشق

دلی نامہ تصنیف کیوں، یہ سب شعر اور نغمہ نیکے بہت پہلے گزرتے ہیں ان
 کے بعد دلی اور سراج نے اپنے حسن طبیعت سے اردو کو زینت بخشی، ان دونوں
 شاعروں کے نشوونما کا زمانہ سن ۱۶۸۰ء سے لے کر سن ۱۷۲۰ء تک معلوم
 ہوتا ہے مگر جب شامان دکن کو اورنگ زیب نے زیر و زبر کر ڈالا تب اردو
 نے اپنے مولد سے جلا وطنی اختیار کر کے دلی کو اپنا مسکن بنایا۔ دلی کا دیوان پہلے
 پہلے اس دار الخلافہ میں ۱۷۱۰ء میں پہنچا یہ سن محمد شاہ کے جلس کا دوسرا سال تھا
 شاہ حاتم نے دلی کی تقلید شروع کی اردو دیوان لکھنے شاہ حاتم کے ہم عصر تاجی
 مضمون اور آبرو تھے ان لوگوں نے بھی خوب خوب غزل سراپائیں کیں شاہ حاتم
 ۱۶۹۹ء میں پیر پور سے اور ۱۷۲۰ء میں رحلت فرمائی، دلی میں اردو شاعری
 کے رواج میں دس سال شاہ حاتم ہی گزرے ہیں ان کے نامی شاگردوں میں سزار فرخ
 سودا ہیں اور ایسے شاگرد ہیں کہ بڑے بڑے استادوں کو ان کی شاگردی پر ناز کرنا
 درست و سجا ہے، پھر دلی کے نامی استادوں میں خان آرزو بھی تھے، ان کا سن
 پیدائش ۱۶۸۹ء اور سن حیات ۱۷۵۶ء ہے۔ میر تقی میر ان کے شاگردوں میں
 تھے گو غزل سراپائی میں اپنا تمام ہندوستان میں جواب نہیں رکھتے تھے، حملہ ناوہ
 کے بعد خان آرزو کو گھنوا کو چلے گئے اور اسی شہر میں ولایت حیات فرمائی اسی طرح
 دلی کے پرانے شاعروں میں انعام اللہ خان یقین تھے انھوں نے ۱۷۵۲ء میں
 بہ عہد احمد شاہ پچیس برس کے سن میں انتقال کیا۔

این ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

ان اساتذہ کے ہم عصر تاج میر درد بھی تھے اور ایسے صاحب کمال تھے کہ آج

تک ان کا نام ہی السنہ ضائق پر جاری ہے اور نامور راجہ جباری رہے گا +
 واضح ہو کہ دہلی کی بربادی کے بعد اردو کے اکثر شعراء نے نامی نے لکھنؤ میں کر
 پناہ پکڑی، خان آرزو سہل نادر کے بعد ہی ۱۸۱۹ء میں لکھنؤ کو چلے آئے، اسی طرح
 مرزا رفیع سودا، میر تقی میر، میر حسن، میر سوز، قلندر بخش جبرأت، ہی ترک وطن
 کر کے وارد لکھنؤ ہوتے گئے اور علاقہ اردو میں ہی رحلت فرماتے گئے، میر حسن
 کی وفات ۱۸۱۹ء میں سوز کی سنہ ۱۸۱۶ء میں اور جبرأت کی سنہ ۱۸۱۷ء میں واقع
 ہوئی، میر حسن ایک اچھے غزل سرا تھے، مگر ان کی شاعری کی شہرت کی وجہ ان کی
 مثنوی محدود ہے، سحر الیبان ہے یہ وہ مثنوی ہے کہ اپنا جواب نہیں کھتی ہے
 اس کی خوبیوں کی بگوشہ آئندہ آئندہ کو ہے۔ میر محمد سوز بڑے طیارے تھے
 اندر بخشی میں اپنا لقب نہبر رکھتے تھے۔ جبرأت کی طبیعت نہ وہی بھی مشہور ہے +
 اصرار ہے اور فی الواقع ان کی شاعری قابل لحاظ ہے، ان کا طبع کے ترک
 وطن کرنے سے البتہ ذہنی خالی ہو گئی، مگر اس سرزمین میں پھر نامی شعرا پیدا ہوتے
 گئے، ذوق نے سوز سے شاعری کو چمکایا، مومن خان نے ملک سخن میں خوب
 ہی اپنا سکہ جایا، غالب نے میر تقی میر کے زمانے کو زندہ کر ڈالا، مصحفی
 نے بھی لکھنؤ سے آکر دہلی میں خوب خوب شاعری کے لطف دکھائے اور
 دہلی کے ہر گورہ گئے، آخر شاعر دہلی کے غالب ہیں، انہیں کے ساتھ دہلی کی
 شاعری رخصت ہو گئی، ان کی وفات کا سن ۱۸۶۹ء ہے، جانتا چاہئے کہ
 جس وقت استادان دہلی لکھنؤ نہیں پہنچے تھے، اس شہر میں اردو کی شاعری کو
 کوئی ممتاز وجہ مائل نہ تھا، مگر ان حضرات کے آنے سے لکھنؤ میں بہت بڑھتی

مجھ گئیں۔ طبیعت داروں نے سخن سخن کے مشتعل اختیار کئے، شاعری کی نئی روشیں
ایجاد ہوئے لگیں۔ سستی کہ دلی کی شاعری سے ایک علیحدہ رنگ کی شاعری ظہور
پائی۔ یعنی استاد ماسخ نے غزل سرائی کا ایک خاص رنگ پیدا کیا اور آتش بھی
صنعت شاعری کو دلی والوں سے الگ ہو کر برستے لگے پھر ان دونوں استادوں کے
کے شاگردوں نے غزل سرائی کی مختلف راہیں نکالیں اور اپنے اپنے کمالات کی
بدولت مشہور و بار و اسرار ہوتے گئے، ان دونوں استادوں کے مشہور شاگردوں
میں خواجہ وزیر گویا، مقصد بول بروج، سحر رند اور صاحب ہیں ہر ایک ان میں
استاد کا درجہ رکھتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ جیسے شاگرد ان نامی ان دونوں
شاعران گرامی کو نصیب ہوئے، کمتر کسی اردو کے شاعر کو نصیب ہوئے ہیں۔
اہل انصاف سے پوشیدہ نہیں ہے کہ سرحد لکھنؤ میں اردو کی غزل سرائی
نے بہت کچھ فروغ پکڑا۔ مگر دلی والوں کی غزلیت کا لطف غزل سراہاں لکھنؤ
اپنی غزلوں میں پیدا نہ کر سکے، سچ یہ ہے کہ غزل سرائی دلی والے کر گئے، لیکن
مدرس نگاری حضرات اہل لکھنؤ نے یہی کی کہ دلی والے کیا اہل شیراز اور اہل
اصفہان کو بھی خواب میں نصیب نہ ہوئی، اگر مشعل لے کر بھی کوئی شخص تمام دنیا
میں میرانیس اور مرزا دبیر کی مدرس نگاری کا جواب ڈھونڈے گا تو بالیقین کہیں نہیں
پائے گا۔ میرانیس نے اردو کی شاعری کو اپنی مدرس نگاری سے اس درجہ تک
پہنچا دیا ہے کہ اس کی ہوا اپنی فارسی اور عربی کی شاعری کو نہیں لگی ہے آئندہ میرانیس
کی مزینہ نگاری کی بحث آئے کو ہے جس سے معلوم ہوگا کہ ذمی شاعری ہی میرانیس
ہو۔ دراصل ملکن اور فردوسی پر غالب ہیں اور اگر ان کا جواب کوئی شاعر ہے تو

بالمکی ہے یا بیاس ہے المختصر کوئی شک نہیں کہ اردو کی ذمی شاعری درجہ کمال کو لکھنؤ میں پہنچی اور الحق یہ امر حضرات اہل لکھنؤ کے لئے ایک بڑا سراہیہ ناز ہے اسی طرح مرزا دتیر نے شاعری کا رتبہ ایسا کر دیا کہ اور زبانوں کی شاعری سے زیادہ حیرت سے نگران ہے اور اب حقیقت سے پوشیدہ ہے کہ لکھنؤ میں مرثیہ نگاری اس درجہ کمال کو پہنچ گئی ہے کہ خود کمال شاعری ہو رہی ہے اگر شعرا سے لکھنؤ ذمی شاعری میں ایسا کمال پیدا نہیں کرتے تو مجرد غزل سرائی اور شذی نگاری کی بنیاد پر ان کو شعرا سے وہی کسی طرح کی تزییح حاصل نہ ہوتی اس صنف شاعری کے فروغ دینے والے میر نولسن صاحب بھی تھے پھر میر وحید صاحب نے میر نولسن صاحب کے زمانہ کو زندہ کرنا شروع کیا تھا کہ اہل نے مہلت نہ دی جیف صدیچ افسوس صد افسوس۔

گلے برفت کہ ناپید بعد بہار دگر

آخر میں رئیس صاحب نے مرثیہ نگاری کو رونق بخشی، واحمد تارا درو کہ اب وہ بھی نہیں ہیں، خاندان مرزا دبیر صاحب میں صرف ان کے بیٹے مرزا اوج صاحب نام اور نکلے، خدا نے تعالیٰ انھیں فردوسی سعدی اور مہدی کی حیات فرمائے، فن شاعری کے لئے ورازی عمر کی بڑی حاجت ہے شاعری تب ہی جو ان ہوتی ہے جب شاعر عالم ہیری کہ پہنچتا ہے، یوں تو کوئی شک نہیں کہ اس وقت بھی مرزا اوج ایک بڑے نامی گرامی شاعر ہیں اور ان کی طباطبائی مشہور دیار و احوال کے لیے لیکن ان سے بہت کچھ اہمیت کی جاتی ہیں اور حق یہ ہے کہ وہ امیدیں ہیں کہ شاعر کے عمر بڑھے بغیر لکھی نہیں ہو سکتیں، یہ امر قابل

نظر ہے کہ مرزا صاحب کی مرثیہ نگاری بہت کچھ قدرت سے بہرہ منی ہے۔ ان کی شاعری
 نقالی نہیں ہے، ہرگز ایسی نہیں ہے کہ سوسہ یا اس عمدہ مرثیٰ سے مرزا صاحب
 اقتباس مضامین کر کے ایک خاص مرثیہ بنا لیتے ہوں، اس پر خوبی یہ ہے کہ روایات صحیحہ
 کو منظم فرماتے ہیں اور خود ایجاد اقوال سے امام و خاندان امام علیہ السلام پر اتہام
 نہیں لگاتے ہیں ۛ

وضع ہو کہ حسبِ ہلی اور کھنڈوں میں اردو کی شاعری نے متنازعہ شکل پیدا کی تو اور
 شہروں میں بھی حضرات طباع نے سخن سخن کا مشغلہ اختیار فرمایا، چنانچہ میرزا محمد
 نظیر اکر آبادی نے علاوہ مسدوسوں کے بہت سی ٹنڈیاں اور غزلیں لکھیں یہ شاعر
 مشہور و بارہا معاصر ہے اس کے نیچرل بیانات بہت قابلِ توجہ ہیں اس طباع
 کے کلام ایسے ہیں کہ نیچرل شاعری کی خوبی داد دیتے ہیں اس شاعر گرامی سے
 ۱۸۳۲ء میں رحلت فرمائی، اسی طرح راسخ نے اپنی ٹنڈیوں اور غزلوں سے پٹنہ
 کے نام کو روشن کیا اور مولوی وحید الہ آبادی نے اپنے وطن کی عزت افزائی کی
 سقیقت یہ ہے کہ دونوں شاعر بڑے غزل سراگز، سہیل، راستح، توپٹنہ کے سیر
 تھے اور وحید امیر المتغزلین ۛ

اب حضرات ناظرین اردو کی نثر نگاری کے تاریخی حالات پر نظر فرمائیں ارباب
 واقفیت سے پوچھنا نہیں ہے کہ اس انیسویں صدی کی ابتدا میں ڈاکٹر جان
 گلکرسٹ صاحب نے اردو کی نثر کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی۔ چنانچہ اردو کی
 دسی کتابیں ان کے وقت میں تصنیف ہوئی گئیں، انھوں نے بڑے بڑے نثر دان
 وقت کو صرح فرمایا۔ ان کے بعد علم پروری میں حضرات مندرج ذیل کلامتہ میں مجتمع تھے

نمبر ۱۱) سید محمد بخش حیدری۔ ان کے تصانیف سے طحا کا کتابی آرٹس
مجلس۔ وہ مجلس، گلزارِ دانش اور تاریخِ نادری ہیں ان کی وفات کا سن ۱۸۲۳ء
ہے :

نمبر ۱۲) میر بہادر علی حسینی۔ ان کے تصانیف سے بے نظیر اور
اخلاقِ ہندی ہیں حسینی نے ۱۸۲۳ء میں وفات پائی :
نمبر ۱۳) امیر اکبر لطف۔ ۱۸۰۲ء انھوں نے باغ بہار تصنیف
فرمائی اسی سن میں انھوں نے نسخہ گنجِ خوبی کو بھی شائع کیا :

نمبر ۱۴) حافظ الدین احمد : انھوں نے ۱۸۰۳ء میں خردِ افروز لکھی۔
نمبر ۱۵) شیر علی افسوس : ان کے تصانیف سے دو کتابیں ہیں ایک
آرٹسِ محفل اور دوسری باغِ اردو۔ سن وفات ۱۸۰۹ء ہے :

نمبر ۱۶) نہال چند لاہوری : کتاب مذہبِ عشق جو گل بگاؤ کی کا
ترجمہ ہے ان کے تصانیف سے ہے۔ یہ ترجمہ ۱۸۰۴ء میں اتمام کو پہنچا :
نمبر ۱۷) کاظم علی جوان، سکنتلا کے ترجمہ ہیں علاوہ اس کے ایک
کتابِ معروفہ بارہ ماسی بھی لکھی اس کتاب میں کلکتہ کالج کے پروفیسر مقرر
ہوئے تھے :

نمبر ۱۸) للولال قوی : یہ گجراتی برہمن تھے انھوں نے چند ہندی کی
کتابیں لکھیں ان کی اردو تصانیف سے لطافتِ ہندی ہے :
نمبر ۱۹) مظہر علی ولایا انھوں نے زبانِ اردو میں مادہ حوصل کا قصہ ترجمہ
فرمایا :

نمبر (۱۰۱) اکرام علی : اُن کی تصانیف سے انخوان لہذا ہے۔ اس کے تمام کاسن شائع ہے اجماع شاران بالا سے پویدا ہے کہ گلکرسٹ صاحب کو اردو کی نثر جو اس وقت میں دیکھی جاتی ہے اس کی ابتدائی ترقی صاحب موصوف کی کوششوں کا نتیجہ ہے، کوئی شک نہیں کہ اس وقت سے اردو کی نثر نگاری میں تین ترقیاں ہوتی گئیں مگر انصاف یہی ہے کہ مصنفین بالاردو کی نثر کے راہ بنانے والے تھے، انھیں مصنفوں کی تشاریوں نے سکنا۔ بھندوستان کو نثر نگاری کی طرف مائل کر دیا۔ پھر تو کتنے اخبارات جاری ہوتے گئے، اور مختلف علوم و فنون کی کتابیں تصنیف ہوتی گئیں۔ مرور ایام سے یورپین مذاق تحریر بھی پیدا ہوتا گیا اور چنانچہ بھی تک بمقابلہ یورپین زبانوں کے اردو ایک بڑے حقیقت زبان ہے، تو بھی اس سو برس کے اندر یہ زبان ترقی سے خالی نہیں رہی اس عہد کے نام اور نثر نگار سر سید احمد خان بہادر، قسطنطنیہ مولوی ذکا اللہ خان ^{بہادر} ہیں ان حضرات کی تحریریں شائستہ اقوام کے نثاروں کے انداز کی ہوتی ہیں نثر کی ممتاز کتابوں میں غالب کی اردو سے معنی ابھی ہے مگر سوائے محمد علی کے اس میں خیالات کا لطف کمتر ہے، یہ کتاب ایسی نہیں ہے کہ اولین ذخیرہ کی تحریر کے ساتھ اس کو کسی طرح کا مقابلہ حاصل ہے

فارسی کے شعرا سے متغزلین کے بیان کے بعد اب اردو کے شعرا سے متغزلین کی نسبت کچھ مضامین ذیل ہوتے ہیں جن سے اردو کی غزل سرائی کی حالت موجودہ ظاہر ہوگی :

ہندوستان کے ان حصوں میں جہاں اردو بولی جاتی ہے، مستند غزل سرائی

صرف دو جگہوں کی سمجھی جاتی ہے، یعنی دہلی اور لکھنؤ! ان دونوں شہروں کی صرف
 غزل سرائی ہی مستند مانی نہیں جاتی ہے بلکہ جمیع اصناف شاعری بھی۔ زبان کے
 اعتبار سے تو یہ خیال بہت صحیح ہے کس واسطے کہ ان دونوں جگہوں کے بابر کہیں کی
 زبان نہیں مانی جا سکتی ہے، مگر امر شاعری ایسا ہے کہ اس کو کسی خاص مقام سے
 تعلق نہیں ہے، چنانچہ بعض دیگر دیار کے ایسے شعر نظر آتے ہیں کہ جو اہل زبان نہ
 تھے مگر نفس شاعری میں ان کو پایہ امتیاز حاصل تھا مثلاً پٹنہ میں شیخ غلام علی دراسخ
 گڈے میں کہ ان کی توقیر مرتضیٰ صاحب تیر نے بھی فرمائی تھی مگر چونکہ اہل زبان کی
 شاعری حکم سند رکھتی ہے۔ راقم لکھنؤ اور دہلی کے شعرائے متغزلین کی غزل سراویں
 پر اپنے خیالات کا اظہار موقوف رکھتا ہے ۰

یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ دہلی کے حضرات متغزلین اکثر اپنی غزل
 سراویں میں شاعری کا داخلی پہلو ملحوظ رکھتے گئے ہیں، اس سبب سے ان کی غزل
 سراویں تقاضائے تغزل کے مطابق پائی جاتی ہیں میر حسن انوار امیر درو۔ میر
 تقی میر، سودا، موتمن، غالب یہ سب شعرائے متغزلین اسی داخلی رنگ کے
 برحقے والے گز سے ہیں البتہ ذوق پوسے طور پر داخلی پہلو کے برتنے واسے نہ تھے
 تو بھی وہ خارجی پہلو کی آمیزش داخلی پہلو کے ساتھ اس رنگ سے کر لیتے ہیں۔
 کہ ان کا کلام سیدھے ہونے سے بچ جاتا ہے بر خلاف اس کے لکھنؤ کی غزل گوئی کا
 رنگ نظر آتا ہے اس جگہ کے اکثر شعرائے نامی غزل سرائی میں خارجی پہلو اختیاً
 فرماتے ہیں یعنی واردات تلبیہ اور امور ذہنیہ کی قید سے پابند نہیں رہے ہیں۔ بلکہ
 تقاضائے غزل گوئی کے خلاف خارجی مضامین کو اپنی غزل سراویں میں کثرت

سے جگہ دیتے گئے ہیں اس جدت سے احاطہ غزلگوئی تو وسیع ہو گیا مگر غزل سرائی
 سے جو غرض متصور ہے فوت ہو گئی۔ ظاہر اس صنف شاعری کی علت غائیہ یہی
 معلوم ہوتی ہے کہ دل مضامین درواگیر سے متاثر و متاثر ہو۔ طبیعت شوخی
 کلام سے مزا اٹھائے جان کو سراپا، سوز و گداز حاصل ہو، اخلاقی قوی ترقی کی جائیں
 پس جب ان باتوں سے کوئی بات حاصل نہیں ہوئی تو غزل سرائی سے کیا فائدہ -
 اس سے کسی کو آزار نہیں ہو سکتا کہ شعر رائے لکھنؤ نے غزل سرائی کی ترقی کو ملحوظ
 رکھا۔ چنانچہ تاریخ نے نہ صرف اردو کو اپنے کلامِ محجر نظام سے ایک ششہ
 پاکیزہ اور باقاعدہ زبان بنا ڈالا، بلکہ اردو کے لٹریچر کو بھی دولت عالی خیالی سے
 سے لال مال کر دیا۔ نئی مواقع جیسی ترقی اردو کو تاریخ کی بدولت نصیب ہوئی
 ویسی کسی دوسرے شاعر کی بدولت ظہور میں نہیں آئی، بیشک اردو پر تاریخ کا بڑا
 احسان ہے، اگر تاریخ نہ ہوتے تو جیسی لکھنؤ کی زبان نفیس، فصیح، ششہ
 اور پاکیزہ ہو ہی ہے۔ یہ خوبیاں اس کو نصیب نہ ہوتیں اس زبان کا منظوم لٹریچر
 بھی شیخ کی توجہ فرمائی کا بہت ممنون ہے۔ اگر تاریخ نہ ہوتے تو اردو میں کوئی شاعر
 مرزا صاحب کا جواب نہ نکلتا، لیکن زبان اور لٹریچر کی ترقیوں کے ساتھ لکھنؤ
 میں اردو کے نفس غزلگوئی کو فائدہ حاصل نہ ہوا، کس واسطے کہ ان سب ترقیوں
 سے میر کی غزل سرائی پر ترقی کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی، حقیقت یہ ہے کہ
 قیصر کی غزل سرائی اپنے حال پر رہ گئی۔ یہی حال فارسی کا بھی دیکھا جاتا ہے کہ
 مرزا صاحب کی طبعی سے فارسی کا منظوم لٹریچر تو ترقی کر گیا مگر زبان کے
 نفس غزل سرائی کو کوئی ترقی نہ ہوئی اور حافظ کی غزل سرائی اپنے

دوجہ پر رہ گئی، خیر ایا تم اپنے خیالات اردو کے شعراء متغزلین کی نسبت
عرض کرتا ہے، حضرات ناظرین سے توجہ فرمائی کی التجا ہے +

شمس الدین دہلوی دکنی اردو کی غزل گوئی کے اگر موجد نہیں ہیں
ولی دکنی | تو اس زبان کی غزل گوئی کو درجہ امتیاز کے بخشے داسے ضرور

ہیں کس واسطے کہ ولی اپنے عہد میں کہ عہد عالمگیر تھا، غزل گوئی کو اس درجہ تک
پہنچا چکے تھے کہ آج دنیا بھی ان کے اشعار کو پڑھے لکھے کی نظر سے دیکھتی
ہے ان کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی نہ صرف اپنے زمانہ کی زبان میں
غزل سرائی کرتے تھے بلکہ میر، مرزا مصحفی کی زبانوں کو بھی برتتے تھے اس پر
طرہ یہ ہے کہ ان کے بہت کلام ایسے ہیں کہ جو ناسخ سے لے کر حال کے زمانہ
تک کی زبان میں دکھائی دیتے ہیں۔ غزل گوئی کے اعتبار سے ولی اول درجہ
کے شاعر تھے جو غزل گوئی کے تقاضے پر ان سے ولی کو پوری اطلاع حاصل تھی
چنانچہ غزل گوئی میں بیشتر شاعری کا داخل پہلو ملحوظ رکھتے تھے، اسی لئے ان کی غزل
سرائی پر تاثیر نظر آتی ہے ان کے تنوع کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مابعد
کے جمیع متغزلین دہلوی دکنیوں نے ان کے کلام سے فیض حاصل کیا ہے اور سب
غزل سراہاں نامی نے حسب استعداد ذاتی ان کی شاعری سے ہدایت پائی ہے
ولی کے کلام میں درد۔ سودا۔ تیسر۔ مصحفی۔ ذوق۔ ناسخ۔ آتش سب کے
ذگ بکثرت موجود ہیں اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی کس قدر قوی الدماغ شاعر
تھے جو ہر نوع کے کلام پر قدرت تامہ رکھتے تھے حقیقت یہ ہے کہ مابعد کے
جتنے متغزلین موجود ہیں طرز کے کھاتے ہیں درحقیقت اسی پر طریقت کے مرید

ہیں۔ دلی کے کلام بہت ہیں اور گونا گوں رنگ لکھتے ہیں مگر اصل رنگ ان کا وہی ہے جیسے میرزا مرزا اور درو نے خست بار کیا ہے دلی کے کچھ اشعار ذیل میں نذر ناظرین ہوتے ہیں۔

صدیغ کہ وہ یار میر سے پاس نہ آیا میر سخن راست اُسے راس نہ آیا
طاقت نہیں کسی کو کہ اک حرف سُن سکے احوال گر کہوں میں دل بے قرار کا

شغل بہتر ہے عشق بازی کا کیا حقیقی کا کیا مجازی کا
پھر مری خیر لینے وہ صدیغ نہ آیا شاید کہ مرا حال اُسے یاد نہ آیا
اُسے دلی دل کو آب کرتی ہے نگہ چشم سر مگین کی ادا
نشہ سبزہ خطِ غمبان دالی عالمِ خیال ہوا
باعثِ نشہ دو بلا ہے حسن صورت کے ساتھ حسن ادا

سبحان اللہ کیا طرزِ کلام ہے غزل گوئی ایسی سے عبارت ہے کہ کوئی مصرع بھی دائرہ غزل گوئی سے باہر نہیں جاتا ہے ہر شعر غزلیت سے اس قدر مہر ہے کہ غزلِ قصیدہ کا فرق دکھا رہا ہے افسوس ہے کہ دلی کے کلام سے کتر اس عہد کے لوگ اطلاع رکھتے ہیں حال کے حضرات متخزلین کا فرض منصبی ہے کہ دلی کے کلام کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں تاکہ غزل گوئی کی لغزشوں سے مامون رہیں صاحبِ آبِ حیات لکھتے ہیں کہ دلی کا دیوان لندن اور پیرس میں چھپ گیا ہے واقعی اہل یورپ کس قدر علم پروری کا مذاق رکھتے ہیں، کہاں دلی کا دیوان اور کہاں لندن اور پیرس ایک اسی دیوان پر کیا موقوف ہے سینکڑوں عربی، فارسی وغیرہ کے داہرین یورپ میں

پھسپ چکے ہیں اور دو ادین ہی پر کیا موقوف ہے ہزاروں کتابیں مختلف ایشیائی
علوم کی چھاپی گئی ہیں اور چھاپی جا رہی ہیں :

مرزا رفیع سودا تمام انواع شاعری پر عجیب قدرت رکھتے
تھے، غزلگوئی میں بھی انھیں استاد کی کا درجہ حاصل تھا۔

فی الواقع ان کی قوت شاعری بہت حیرت نظر آتی ہے، مضامین داخلی اور خارجی
دونوں کی بندش پر انھیں اچھی قدرت حاصل تھی۔ یہی لئے تمام اصناف شاعری میں
ان کا کلام عجیب جلوہ دکھاتا ہے، اگر انھیں داخلی شاعری میں کچھ تھوڑی اور بھی
قدرت ہوتی تو غزلگوئی میں تیر کے ہمسر بنائے جاتے، یوں تو اور اصناف شاعری میں
وہ تیر سے بہت بڑھے ہوئے تھے، تیر صاحب کو خارجی شاعری کی قوت بہت
کم حاصل تھی۔ بلکہ سودا کے مقابلہ میں کچھ نہ تھی، حقیقت حال یہ ہے کہ سودا کی قابلیت
کے دنیا میں دس پانچ شاعر سے زیادہ نہ گزرتے ہوں، سودا کی قوت شاعری ایسی ہے
کہ اس سے کسی ملک کے آدمی کو انکار نہیں ہو سکتا، میں اوپر لکھ چکا ہوں، کہ شاعری
کے دو پہلو ہیں، ایک خارجی اور دوسرا داخلی۔ غلام جی پہلو کو تو مرزا صاحب ایسا
برتتے ہیں کہ زبان اُردو میں سوا میر انیس کے کوئی ان کا جواب نہیں ہے۔ مگر
داخلی پہلو پر ان کو ویسی قدرت حاصل نہ تھی، جس کے سبب سے وہ میر تقی صاحب
میر سے غزل سرائی میں پیچھے نظر آتے ہیں، اگر مرزا سودا انگلستان میں ہوتے
تو دوسرے شکسٹیر ہوتے، مرزا صاحب کی اطلاع ملکی بہت معلوم ہوتی ہے، اپنے
ملک کے تمام معاملات مکی و جنوبی سے باخبر تھے، یہی حال شکسٹیر کا بھی نظر آتا
ہے کہ معاملات یورپ سے اُسے پوری واقفیت حاصل تھی۔ خارجی پہلو کی شاعری

برتنے کے واسطے اطلاع عام کی بڑی حاجت ہے۔ برضلاف اس کے داخلی شاعری میں
 معاملات خادجیہ کے والہت کی بہت حاجت نہیں ہوتی، داخلی شاعر کا ردون
 ہی اس کی کائنات ہے جو روایات و سنیہ اور معاملات قلبیہ اس کے ادراک
 میں جگہ رکھتے ہیں، انھیں وہ مہزول کر دیتا ہے، آئینہ پھر ذکر مرزا سودا کا چند
 موقع پر آنے کو ہے جس سے مرزا صاحب کی بلند پایگی ظاہر ہوگی یہاں پر چونکہ غزل
 سرائی کی بحث پیش ہے اس لئے ان کی غزل سرائی کے بارے میں اس قدر عرض کرنا
 کافی ہوگا کہ ہر چند وہ اس صنف شاعری میں تیرھا حرکت کے برابر نہیں ہیں اس پر بھی
 وہ اس صنف شاعری کے بھی ایک بڑے استاد ہیں ان کا کلام درد و سوز و گداز
 خشکی سے خالی نہیں ہے اور یہ وہ صنفیں ہیں کہ جو غزل سرائی کی جان ہیں مرزا صاحب
 کی طباعی طبیعت داری، شوخی، نازک خیالی، مضمون آفرینی بہت قابل لحاظ
 ہے، لاریب مرزا صاحب کا ایسا ہی وجہ ہے کہ استاد تاسع ان کی شان میں یوں
 فرمائے ہیں۔

گب ہجاری فکر سے ہوتا ہے سودا کا جو اب
 ہاں تبت کتے ہیں ناسخ ہم اس مغفور کا
 ذیل میں کچھ مرزا صاحب کے اشعار نذر ناظرین ہوتے ہیں۔

بلبل نے جسے جا کے گلستان میں دیکھا
 ہم نے اسے ہر خار سیاہ میں دیکھا
 سون ہے ڈر ایک تاسے میں زلیخا
 جس نو کو تو نے مر کنعان میں دیکھا
 ہر ہم کہ سے جمیعت کو نین جو پل میں
 لٹکا وہ تری زلف پریشان میں دیکھا
 واعظا توستی بوسے ہے جس روز کی تپ
 اُس روز کو ہم نے شب بجران میں دیکھا
 اے زخم جگر سودا کے الماس سے خور کہ
 کتنا وہ مرزا تھا ناک دان میں دیکھا

سودا جو ترا حال ہے اتنا تو نہیں وہ

کیا جانئے تو نے ایسے کس آن میں دیکھا

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا
پہنچے کب اُس کو ہاتھ ہمارے غبار کا
موج نسیم آج ہے اودہ گرد سے
دل خاک ہو گیا ہے کسی بے قرار کا

قطعہ

سودا تمہارے عشق میں شیرین سے کو کین
بازمی اگر چہ پانہ سکا سر تو کھوسکا
کس منہ سے پھر تو اُپکو کتا ہے عشق باز
اسے وہ سیدہ بچھ سے تو بھی نہ ہو سکا

قطعہ

بہنا کچھ اپنی چشم کا رستور ہو گیا
دی تھی خدا نے آنکھ سونا سورا ہو گیا
بھٹکی پھر سے پہرے کہتے خدا یا سری عا
دروازہ کیا تسمبول کا معور ہو گیا
سودا کہتے ہیں کہ ہے اس مصاحبت
کتنا غلط یہ حرف بھی مشور ہو گیا
ادوں کی نسبت انہوں کچھ لگ چلا تھا
دو چار جھمکویں میں بدستور ہو گیا

قطعہ

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کی انداز
تو بھی ملک اُس کو جا کے ستم گار دیکھنا
نہ حرف و نہ حکایت و نہ شعر و نہ سخن
نہ سیر باغ و نہ گل و گلزار دیکھنا
خاموش اپنے گلہ احرار میں درد و شب
تہا پڑے ہوئے وہ دیوار دیکھنا

یا جا کہ نہیں گلی میں جہاں تھا نر گذر
تسکین دل نہ رہیں میں بھی پائی تو پھر شعل
کہتے تھے ہم نہ دیکھیں کچھ اور غیر پاس
سے سوچ تا بستانم کئی بار دیکھنا
پڑھنا یہ شعر کہ گئی اشعار دیکھنا
پر جو خسرا دیکھائے سو لاچار دیکھنا

عاشق تو نامراد ہیں پر اس قدر کہ ہم
کہتا تھا گل کسو سے کرونگا کسی کو قتل
دیکھیں تو کسی کی چشم سے گتے میں آنحضرت
بیٹھا کوئی چھانڑن نہ پایا کسی نے پہل
قاصد کے ساتھ چلتے ہیں کیکے بیسے تک
انسا کہاں ہے سوز طلب دل پتنگ کا
سودا نہ کہتے تھے کہ کسی کو تو دل نہ دوسہ

دل کو گنا کے بیٹھے ہے صبر کر کے ہم
اتنا تو کشتہ تنی نہیں کوئی مگر کہ ہم
تو اس طرح سے دوسے سے اہر تہ کہ ہم
سب سے برگ و بر نہیں کوئی ایسا شجر کہ ہم
دیکھیں تو پہلے پہنچے پہلے وہاں نامہ بر کہ ہم
کھتی نہیں ہے سچ ہی ایسا جگر کہ ہم
سودا ہوا پھر سے ہے تواب و ربہ کہ ہم

گل پھینکے ہے غیر دل کی پیراں بکے فر بھی
کیا ضد ہے مکے ساتھ خدا جاننے و گرنہ
سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کڑی شام
سبحان اللہ کیا حزن کلام ہے سوز و گداز خستگی و روشنی نازک خیالی بلند پروازی
اور رنگینی کے ساتھ زوہد و بندوبست کا ایسا خوبصورت اظہار ہے کہ کوئی الواقع سودا کی
غزل سرائی کی تعریف کا حقدہ کی نہیں جاسکتی ہے اول تو دیوان اس قدر جمیم ہے
کہ جس سے انتحاب اشعار کے بھی درد و یون۔ غالب۔ ذوق کے دیوان سے

اُن کا وہ ان منتخب زیادہ عظیم نکل سکتا ہے دوم یہ کہ غزل سرائی اس علیٰ درجہ کی ہے کہ سوا میرا درود کے اُن کا جواب کوئی نظر نہیں آتا، اگر قصودِ طبعی اور بھی سودا کے کلام میں ہوتی تو اُن کا کلام میرا درود کے کلام کے برابر ہو جاتا خدا جانے کہ سرزمینِ دہلی کی کیا تاثیر ہے کہ وہاں کے شعراء نے متغزلین اکثر غزل سرائی کی داد خوب دیتے گئے ہیں اس پر تاثیر کا سبب یہی ہے کہ غزل سرائی میں داد داتا قلیہ اور امجد زہینہ کے مضامین کو سوا قلم کو تے گئے ہیں یعنی غزل سرائی میں بخشنہ شاعری کے داخلی پہلو کو ملحوظ رکھا ہے برخلاف اس کے استاد وہاں لکھنؤ غزل سرائی میں بیشتر شاعری کے خارجی پہلو سے کام لیتے رہے ہیں جس کے سبب سے اُن کی غزل سرائی سے دل کو حسبِ مراد حظ نہیں اٹھتا ہے، مرزا غالب فرمایا کرتے تھے کہ اردو زبان کو اہل لکھنؤ نے درست کیا مگر مضمون آفرینی میں دہلی والوں کے برابر نہ ہو سکے، مرزا غالب کا یہ قول مضمون آفرینی کے اعتبار سے تو صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ناسخ، آئینش اور ان استادوں کے شاگردوں نے مضمون آفرینی کا کوئی دقیقہ لٹھا نہیں رکھا ہے مگر بات یہ ہے کہ لکھنؤ کے حضرات متغزلین دہلی کے حضرات متغزلین کے برابر پر تاثیر مضمون آفرینی نہ کر سکے اس کا سبب یہی ہے کہ غزل سرائی میں حضرات لکھنؤ نے شاعری کے خارجی پہلو کو داخل کر دیا جو غزل سرائی کے تقاضے کے خلاف ہے پس یہ جہت مفید غزل سرائی کیوں نہ ہوتی ؟

نوحا جہ میرا پکا نام ہے سودا اور تمیر کے مجھ سے گھوڑے، گو
 پیلہ بان ہر دو شاعران گرامی سے رحلت فرمائی۔ اکثر
 مشاعروں میں یہ تینوں حضرات شریک رہے ہیں نوحا جہ صاحب کی غزل سرائی

نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے، سوز و گداز میں ان کے جواب یا تیر تھے یا آپ اپنے جواب
 تھے، واردات قلبیہ کے مضامین ایسے باندھنے تھے کہ سزا و ان تک نہ پہنچے تھے،
 علاوہ اس کے خود طبیعت جو نہایت پرورد واقع ہوئی تھی اس کا اثر ان کے کلام
 میں بدرجہ کثیر پایا جاتا ہے۔ ہر چیز خواجہ کا دیوان مختصر سا ہے مگر قریب قریب
 انتخاب کا حکم رکھتا ہے اگر میر صاحب کے دوادین سے انتہا بات کہے جائیں، تو
 خواجہ صاحب کے دیوان سے ان کے منتخب کا حجم بہت زیادہ نہ ہوگا، حقیقت
 یہ ہے کہ دیوان کے حجم ہونے پر شاعری کی قدرت موقوف نہیں بہتی کلام کی فوہلی
 قابل توجہ سمجھی جاتی ہے نہ اس کے دیوان کا حجم خواجہ صاحب کی غزل سرائی تاثر
 اس صنعت شاعری کے تعاضوں کے مطابق پائی جاتی ہے علاوہ سوز و گداز اور
 خشکی علوم معانی اور سمو مضامین کے نظم کی شستگی راقم کی دانست میں میر صاحب
 کے کلام سے زیادہ بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے، خواجہ اپنے خیالات و لکھن کو بڑی
 صفائی کے ساتھ سوا کہ قلم فرماتے ہیں، خواجہ کے کلام میں ایک امر اور بھی قابل
 لحاظ ہے کہ چونکہ خلقت کے دو سے صفات دل تھے اور ریاضت نے ان کی
 اس قلبی کیفیت کو ترقی بخشی تھی ان کے کلام میں عجب بے نفسی کی جلوہ گری پیدا
 ہے، المختصر غزل سرائی کے اعتبار سے خواجہ صاحب ایک بڑے شاعر تھے اور
 ان کا نظیر سوائے میر کے کوئی دوسرا نہیں دیکھا جاتا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا
 ہے کہ درد و گداز کے ساتھ ہمسری ہے، حافظ کے ساتھ نہ تو فارسی اور نہ
 اردو کے کسی شاعر کو ہمسری حاصل ہے، اس پر بھی درد کی غزل سرائی بڑی عظمت
 کی نگاہ سے دیکھے جانے کا استحقاق رکھتی ہے ذیل میں کچھ اشعار خواجہ کے مژد

ناظران ہوتے ہیں نہ

قتل عاشق کسی محشوق سے کچھ دور نہ تھا
مدر سربا دیر تھا ایک کعبہ یا بت خانہ تھا
وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
بھول جا چیبہ عبت وہ سابقہ تیاگر

پرتو سے ہیر سے انکے تو یہ دستور نہ تھا
ہم بھی ہمان ماں تھے تو ہی صاحب خانہ تھا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا ہوسنا افسانہ تھا
در وہ مذکور کیا ہے آشنا تھا پارہ تھا

ان ایوں نے نہ کی مسیحائی
تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کوسکا
گونا گوار سا ہونہ ہوا ہ میں اثر
کی تو تھی تاثیر اہل عشقین نے اس کو بھی
جھل سے غزل استمان وفا ہے
انے قصدا بھی میرے ناسے کو
ہم تجھ سے کس ہوں کی فلک جستجو کریں
تو دامن پیچ ہمساری نہ جائیو
تو مجھ سے نہ رکھ غبار جی میں
ہر چیز نہیں مبر کچھ درد و لیسکن
ہر طرح زانے کے ماتھوں ہوں تم ویدہ
کاش تا مشمع نہ ہونا گزرد پروانہ
جون خواب ہے والبتہ غفلت پرکاشا

ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا
میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہوسکا
میں نے تو دور گزرنے کی ہو مجھ سے ہوسکا
جب تک پہنچے ہی پہنچے لکھ کیا پاں ٹھہیر تھا
تو کہ کب تک آنا رہے گا
نہ سنا ہو گا گرسنا ہو گا
دل ہی نہیں رہا ہے کچھ آرزو کریں
دامن چھوڑ بیٹے تو فرشتہ وضو کریں
آنسے بھی اگر ہزار جی میں
اتنا بھی نہ ملیو کہ وہ بدنام کہیں ہو
گردل ہوں تو آرزوہ خاطر ہوں تو رنجیدہ
تم نہ کیا تھر کسیا بال پر پروانہ
کھل جائے اگر آنکھ تو پھر کیا نظر آئے

لوح مزار بھی میری چھاتی پر سنگ ہے
 مذکور کسی طرح تو جا کیجئے اُس سے
 کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے
 بال سے سمجھانے کو ان دفتر چلے
 چشم نم آئے تھے دامن تر چلے
 جب تک بس چل سکے ساغر چلے
 جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے
 یوں ہی خدا جو چاہے تو بندے کا کیا کرے
 اُس بیسے ونا کے آگے جو ذرہ ونا چلے
 گر صبا کوٹے یا میں گزرے

سے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

سبحان اللہ کیا غزل سرائی ہے کن کن باتوں کی تعریف کی جائے نہ ناموشی از
 شنائے تو حد تنائے تو، واقعی خواجہ صاحب گلی غزل سرائی الہامی شاعری کا نمونہ ہے
 علاوہ سوز اگلاز وغیرہ کے اُن کے کلام میں نفاست، مناسبت، شیرینی ملاحظت رنگینی
 بھی کس قدر پیدا ہے اور شوخی کس پاک درجہ کی آتشکارا ہے۔ اس شوخی کو اُس ناپاک شوخی
 سے کیا علاقہ جس پر جہاں زمانہ دیکھ کر تے ہیں۔ جو شوخی مطبوع عوام ہوں ہی ہے اُس
 کی جھلک بھی خواجہ صاحب کے کلام میں پائی نہیں جاتی ہے۔ واقعی اس زمانہ کے
 عوام کے خیالات جو شوخی کے مادے میں ہیں۔ بہت قابل اصلاح نظر آتے ہیں کس
 واسطے کہ اُن خیالات کی بنا محض پر تمدنی پر ہے اللہم احفظنا من ذالک :

اہل فنا کو نام سے ہستی کے سنگ ہے
 یار و مرا شکوہ ہی بھلا کیجئے اُس سے
 تمہیں چند اپنے ذمہ دھر چلے
 ایک بھی پرزائے تم لئے تھے ساخنہ
 شمع کے مانند ہم اُس بزم میں
 ساقیاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
 درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے

تیری گلی میں میں نہ جلوں اور صبا چلے
 کہ بیٹھو نہ درد کو اہل و نسا ہوں میں
 یہی پیغام درد کا کہنا
 روند سے ہے شل نقش قدم خلق یاں مجھے

سبحان اللہ کیا غزل سرائی ہے کن کن باتوں کی تعریف کی جائے نہ ناموشی از
 شنائے تو حد تنائے تو، واقعی خواجہ صاحب گلی غزل سرائی الہامی شاعری کا نمونہ ہے
 علاوہ سوز اگلاز وغیرہ کے اُن کے کلام میں نفاست، مناسبت، شیرینی ملاحظت رنگینی
 بھی کس قدر پیدا ہے اور شوخی کس پاک درجہ کی آتشکارا ہے۔ اس شوخی کو اُس ناپاک شوخی
 سے کیا علاقہ جس پر جہاں زمانہ دیکھ کر تے ہیں۔ جو شوخی مطبوع عوام ہوں ہی ہے اُس
 کی جھلک بھی خواجہ صاحب کے کلام میں پائی نہیں جاتی ہے۔ واقعی اس زمانہ کے
 عوام کے خیالات جو شوخی کے مادے میں ہیں۔ بہت قابل اصلاح نظر آتے ہیں کس
 واسطے کہ اُن خیالات کی بنا محض پر تمدنی پر ہے اللہم احفظنا من ذالک :

میر: نام نامی آپ کا میر محمد تقی ہے لاریب میر صاحب اردو کے سلطان المتقربین
ہیں اور استاد ناسخ کی عقیدت مندی ان کی جناب میں بے سبب نہ تھی
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

میر صاحب کے چھ دیوان ہیں اس میں شک نہیں کہ ان میں بہت اشعار ایسے ہیں
کہ ترک کر دینے کے قابل ہیں اس لئے کہ ان میں یا لپست خیالی کا نقصان لاحق ہے
یا ان کی شان اس قدر کم ہے کہ ان کو میر صاحب کے کلام ہونے کا رتبہ حاصل نہیں
ہے اس پر بھی اگر ان چھ دیوانوں سے انتخاب اشعار کیا جائے تو ایک نہایت حسب
میراد دیوان مرتب ہو سکتا ہے خیر راقم اب اپنے خیالات میر صاحب کے منتخب کلام
کی نسبت ظاہر کرتا ہے اور وہ یہ ہیں کہ اگر میر صاحب کے منتخب کلام پر نگاہ ڈالیے
تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کلام سے زیادہ خوبصورت کلام زبان اردو میں کہیں نہیں
ہے اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ خواجہ میر درد کو مستثنیٰ کر کے کسی شاعر پنجتہ گو
کو آج تک ان کے کلام کی ہوا بھی نہیں لگی ہے واقعی میر صاحب کچھ ایسا کہہ جاتے
ہیں کہ ویسا کہنا تو درکنار ان کے وہ ایک مصرع کا چہرہ پہ بھی کسی سے نہیں اتر سکتا
ہے سارا دیوان ذوق یا ناسخ کا پڑھ ڈالیے، ایک مصرع بھی کہیں نظر نہ
آئے گا جس پر میر صاحب کے کلام کا دھوکا ہو سکے حالانکہ ناسخ یا ذوق کے استاد
الاستاد ہونے میں کسی صحیح الحواس کو غلط نہیں ہو سکتا۔ اس حیرت افزا غزل سرائی
کا سبب جو ڈھونڈ جیسے تو صرف اتنی باتوں میں محدود پایا جاتا ہے کہ میر صاحب
غزل سرائی میں کبھی واردات قلبیہ امور ذہنیہ کے احاطہ سے باہر قدم نہیں رکھتے ہیں اور
ان کے وہی اشعار زیادہ دلآویز معلوم ہوتے ہیں۔ بعد زیادہ واردات قلبیہ اور اور

ذہینہ سے متعلق معلوم ہوتے ہیں۔ میر صاحب کی غزل سرائی تاثر شاعری کا داخلی پہلو رکھتی ہے تب ہی تو ان کے کلام میں سوز و گداز، خشنگی، نشربیت، رنگینی، ملاحظت شیرینی، شغوی وغیرہ کی کیفیتیں بدرجہ کثیر پائی جاتی ہیں ظاہر ہے کہ یہ وہ کیفیتیں ہیں جو دل کو جھاتی ہیں پس جس شاعر کے کلام میں یہ کیفیتیں موجود ہوں گی کیونکہ اس کا کلام دل آویز اور گوش نہ ہو گا یہ سب صفیتیں خواجہ میر درد صاحب کے کلام میں بھی موجود ہیں مگر بدالست فقیر خواجہ صاحب کے کلام میں میر صاحب کے کلام اختیار سے خشنگی کم ہے لیکن سوز و درد خواجہ صاحب کا میر صاحب کے کلام سے بڑھا نظر آتا ہے علاوہ اس کے پاکیزگی اور نفاست خواجہ صاحب کے کلام کی بہت قابل توجہ ہے اسی طرح میر صاحب کے کلام میں دل گرفتگی، محرومی اور نشربیت خواجہ صاحب کے کلام سے زیادہ پائی جاتی ہے خیر ان سب کیفیات قلبی میں یہی دونوں حضرات ایک دوسرے کے جواب نظر آتے ہیں مگر میر صاحب کو جو خواجہ صاحب پر غلبہ نظر آتا ہے وہ قوت شاعری کے اختیار پر ہے کہ یہ قوت میر صاحب کو خواجہ صاحب سے زیادہ حاصل تھی امر موازنہ سے علیحدہ ہو کر گذارش راقم میر صاحب کی غزل سرائی کی نسبت یہ ہے کہ ان کی سخن سنجی کا انداز ایسا ہے کہ کسی شاعر سے اس کا تیغ نہ ہو سکا، بلکہ میر صاحب کے حسن کلام تک پہنچنے کی شعرا نے جس قدر کوششیں کیں، اسی قدر انھیں پس پائی نصیب ہوئی، چنانچہ ذوق نے نہایت انصافانہ فرمایا ہے شعر

تم بخواہو نہ ہو امیر کا انداز نصیب ذوق یادوں نے بہت زور غزل میں مارا
 اسی ناکام مہابی نے مختلف شعرا، کو مختلف غزل سرائی کی راہیں سجھائیں مگر کوئی
 موصل الی مطلوب نہ نکلی۔ ذوق۔ ناسخ۔ آتش نے جس قدر مزے لیں طے کیں میر صاحب

کی غزل سرائی کے دیار سے دُور پڑتے گئے۔ مومن نے راہِ راست اختیار کی بھی تو چند منزل چل کر رہ گئے، غالب کا بھی یہی حال ہوا کہ منزلوں راہِ راست پر چل کر آخر کار انھیں راہِ زلزلوں سے پلا پڑا اور منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکے۔ مختصر یہ ہے کہ جہاں میر صاحب جا کر منزلِ زمین ہوئے وہاں کوئی راہِ رونہ پہنچ سکا۔ ذیل میں میر صاحب کے کچھ کلامِ نذر ناظرین ہوتے ہیں۔

پیدا ہر ایک نالہ سے شور نشور تھا
 یک شعلہ برقِ خرمین صد کوہِ طور تھا
 اُس شلوخ کو بھی راہِ پلانا ضرور تھا

ہنگامہ گرم کن جو دلِ نا صبور تھا
 آتشِ بلند دل کی نہ بھتی ورنہ اُسے کلیم
 ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اُسے سپر

قطعہ

یکسر وہ استخوانِ شکستوں سے چور تھا
 میں بھی کبھی کسی کا سر پر غرور تھا

کل بانوں ایک کا سر پر جو آگیا
 کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہِ بے شبر

کلی نے یہ سن کر تبسم کیا
 پلک تک گیا تو قاطع کیا
 دیکھا اس بیماریِ دل نے آخر کامِ تمام کیا
 یعنی راتِ بہت تھے جگے صبح ہوئی آرام کیا
 چاہے میں سہا پ کر میں ہلکے عبتِ بدنام کیا
 جبہ خرقہ کرتا تو پی مستی میں انعام کیا

کہا میں نے کتنا ہے گلِ کاشیات
 جگر میں یہ یک قطرہِ نوح ہے سر شاک
 اسی ہو گئیں سب سے میری کچھ نہ بھانے کل کیا
 عبد جوانی روو کا پیر میں لیں لکھیں نہ
 ناحق ہم مجبوروں پر تہمت ہے نجاتی کی
 تیغِ جے سب میں نگار لگو تھا تجھ میں

رات کو رو رو صبح کیا یاد ان کو جو توں شام کیا
قسطہ کھینچو دیر میں بیٹھا کب تک اسراہ کیا

یاں کے سفید سینہ میں ہلو دل جو ہی سوا اتنا ہے
تیر کے دین نہ نہر کباب لو پھرتے کیا ہوا ان نے تو

حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا
حال ہے اور کچھ ہے مجلس کا

منہ نکلا ہی کرے ہے جس تپس کا
شام سے کچھ کچھا سا رہتا ہے
تاب کس کو جو حال میر سننے

اپنی زنجیر پائی کا نعل تھا
موسم گل صفیر بلبل تھا
منہ نہ کرنا دہر تھیل تھا
یاو ایام جب تحمل تھا
وقت خوش میر ملکوت گل تھا

جب جنوں سے ہمیں تو سل تھا
یک نگہ کو و فسانہ کی گویا
ان تے پہچان کر ہمیں مارا
اب تو دل کو نہ تاب ہے نہ قرار
خوب دیر یافت جو کیا ہم نے

اس دل نے ہم کو آخر لوہی خاک میں لڑایا
جانے گا وقت مرگ کہ عالم حجاب تھا
فرق نکلا بہت جو باس کیا
ایک عالم کا روشتناس کیا
کیا تنگے نے اتناس کیا
میں ساتھ زیر خاک بھی ہنگامہ لے گیا

مار از میں میں گبار اس کو صبر آیا
موہیں کرے ہے کچھ جہاں میں ابھی تو تو
گل کو محبوب ہم قیاس کیا
دل نے ہم کو مثال آئینہ
صبح ہمک طبع سر کو دھنتی ہے
داغ فراق حسرت وصل آرزو سے شوق

نافذ جا تا رہا میں صبح بوتے سو گیا
 بوہماری خاک پر سے ہو کے گزرا ہو گیا
 جب وہ دریا بہ آ کر بال اپنے دھو گیا
 جھانکنا تاکنا گنبدو نہ گیا
 لیکن اے داغ دل سے تر نہ گیا
 دست کو تازہ تا سبوتہ گیا
 شمع تک ہم نے تو دیکھا تھا کہ پروانہ گیا
 کل جو میں دیکھا اُسے مطلق نہ پہچانا گیا
 لہو آتا ہے جب نہیں آتا
 جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا
 سو وہ مدت سے اب نہیں آتا
 گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا
 پر سخن تا بہ لب نہیں آتا
 عشق بن یہ ادب نہیں آتا
 شمع کا جلوہ غبار دیدہ پروانہ تھا
 تو ہمسایہ کا ہے کوسو تار ہے گا
 مے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لیکے روئے گا
 ہے تو کس آفریدہ کے مانند
 غنچہ دبر چیدہ کے مانند

کیا کہوں کیا ستم فعلت سے مجھ پر ہو گیا
 بیکیسی مدت تلک برس کی اپنی گور پر
 تیرے ایک موج میں لف ہی کا سا داغ
 دل سے متوق رخ نکونہ گیا
 رگے ہوش و صبر و تاب تو ادا
 سنجہ گردان ہی تیر ہم تو رہے
 کچھ نہ دیکھا پھر کج رنگ شعلہ بریچ و تازہ
 دور مجھ سے میرے توب کھینچا کہ شوخ
 اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا
 ہوش جاتا نہیں رہا لیکن
 صبر تھا ایک مولس ہجر ادا
 دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش
 جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہمدوم
 دور بیٹھا غبار میر اس سے
 شب فرخ زرم کا باعث ہوا تھا حسن و بد
 جو اس شہر سے میر روزا رہے گا
 مغل مجھ مست بن چرخندہ ساغرنہ ہوگا
 لے گل نو دیدہ کے مانند
 ہم امید و ناپہ تیری ہوئے

سبزہ نردمیدہ کے مانند
 طائر پر بریدہ کے مانند
 میدان خونِ طیبیدہ کے مانند
 بندہ نذر خریدہ کے مانند
 گئے گزے خضر علیہ السلام
 سخن یاں ہوا ختم حاصل کلام
 رکھ کے تیشہ کے ہے استاد
 ہاں کہو اعتماد ہے ہم کو
 میر کا طور یاد ہے ہم کو
 یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے
 کوئی ایسے مکان سے اٹھتا ہے
 جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے
 وگرنہ ہم خدا تھے گردِ لبے دعا ہوتے
 عبادِ راہ ہوتے یا کسی کے خاکِ پا ہوتے
 یہ نمائشِ سُراب کی سی ہے
 پنکھڑی ایک گلاب کی سی ہے
 غالب اب اضطراب کی سی ہے
 اسی خانہ خراب کی سی ہے
 ساری مستی شراب کی سی ہے

سر اٹھاتے ہی ہو گئے پامال
 ہم گرفتارِ حال ہیں اپنے
 دل تڑپتا ہے اشکِ نین ہیں
 میر صاحب بھی اسکے ہاں تھے لیک
 اگر راہ میں اس کی رکھ ہے کام
 بہن پار کا دیکھ چپ لگ گئی
 میرے سنگ مزار پر فرماؤ
 کتے ہو اتحاد ہے ہم کو
 نامرادانہ زلیست کرتا تھا
 دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
 خانہ دل سے زینہار نہ جا
 یوں اٹھے آہ اُس گلی سے ہم
 سراپا آرزو ہونے نے بندہ کہ دیا ہم کو
 نلکے کاش بکھو خاک ہی کھتا کہیں میں ہم
 اپنی ہستی حجاب کی سی ہے
 تازگی اس کے لب کی کیا کہئے
 بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں
 میں جو لولا کہا کہ یہ آواز
 تیرا نینم باز آنکھوں میں

ساتھ لئے داغ جگر مائیں گے
 عمر رفتہ کی اک نشانی ہے
 تاچن ایک پر نشانی ہے
 اللہ کی قدرت کا تماشاً نظر آوے
 اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آئے
 زمین سخت اور آسمان دور ہے
 گر اگر یہ شہید ہے تو پھر چھو ہے
 ہر طرف حرف ہے حکایت ہے
 نہ خدا واجباً لزیارات ہے
 میں نے مر مر کے زندگانی کی
 تم نے پوچھا تو مہربانی کی
 اب تدا پھر وہی کہانی کی
 اپنی جگہ ہمارے میں کج نفس رہی
 آتی اگرچہ دیر صدائے جرس رہی
 برسات ایکی شہر میں ساڑھے برس رہی
 فرصت رہی جو تیر تو بس اک نفس رہی
 بیٹھ جا چلنے مار ہیں ہم بھی
 تحفہ روزگار ہیں ہم بھی
 اس میں بے اختیار ہیں ہم بھی

شمع صفت جب کبھی مرجائینگے
 اب جو اک حسرت جوانی ہے
 ہم نفس زاو قیدی ہیں ورنہ
 چہرہ سے اظہارِ قہر کو وہ بت اگر آوے
 حیب نام تو ایچھے تب چشم بھر آوے
 کرے کیا کہ دل بھی تو مجھو ہے
 دل اپنا نہایت ہے نازک مزاج
 تڑبت تیر پر ہیں اہل سخن
 تو بھی تقریباً ساتھ سے مل
 کیا کہوں شرحِ خستہ جانی کی
 حال یہ گفتنی نہیں میرا
 جس سے کھوئی یعنی نیند تیر نے کل
 اب کی بھی سیر بلخ کی جی ہیں ہوس رہی
 میں پانگستہ جانہ سکا قافلے تلک
 دن رات میری آنکھوں سے آنسو چلے گئے
 چون صبح ایں چن میں نہ ہم کھل کے سنس سکے
 آج کل بے قرار ہیں ہم بھی
 آن میں کچھ ہیں آن میں کچھ ہیں
 منع گریہ نہ کر تو اسے نا صح

ماے کے لپو سمجھ کے اے بلبل
 مدھی کو شراب ہم کو زہر
 گز خود رفتہ ہیں تر سے نزدیک
 میر نام اک جواں سنا ہوگا
 موت اک ماندگی کا وقفہ ہے
 فقیر اے صدا کر چلے
 جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
 وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لئے
 کوئی نا امیدانہ کرتے نگاہ
 دکھائی دیتے یوں کہ بے خود کیا
 کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے تیر
 کوئی جو محرم شوخی ترا تو میں پوچھوں
 مصائب اور تھے پر دل کا جانا
 واضح ہو کہ اشعار بالا راقم نے موتہ کے طور پر تیر صاحب کے دیوان اول سے
 انتخاب کر لئے ہیں اس انتخاب سے یہ مطلب نہیں ہے کہ اس دیوان میں اس کے
 علاوہ اور اشعار انتخاب کے قابل نہیں ہیں، بہر حال اتنے اشعار تیر صاحب کے انداز
 کلام کو دکھانے کے واسطے کافی ہیں۔ حضرات اہل واقفیت سے مخفی نہیں ہے کہ
 اشعار بالا میں کیا کیا واردات تقلیدہ اور اموزہ دہینہ کی کیفیتیں شاعری کے پیرایہ میں بیان
 کی گئی ہیں اور لطف بلائے لطف یہ ہے کہ یہ سب دستور کیفیتیں جو مسائل علمیہ کا

باغ میں یک کنار ہیں ہم بھی
 عاقبت دوستدار ہیں ہم بھی
 اپنے تو یادگار ہیں ہم بھی
 اسی عاشق کے یار ہیں ہم بھی
 یعنی آگے چلیں گے دم لے کر
 میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
 سوا میں عہد کو اب وفا کر چلے
 ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے
 سو تو ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے
 ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے
 جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے
 کہ بزم عیش جہاں کیا سمجھ کے ہم کی
 عجب اک سا سخہ سا ہو گیا ہے

حکم رکھتی ہیں ایسی آسان اور سلیس زبان میں بیان کی گئی ہیں کہ اُس سے آسان اور سلیس
 تر زبان میں ان کا بیان کیا جانا ممکن نہ تھا، واقعی کیا کیا دشوار مضامین کو جو محض قلب
 ذہن سے متعلق ہیں میر صاحب ایسی آسانی اور خوش اسلوبی کے ساتھ بیان فرما جاتے
 ہیں کہ عقل و دماغ رہ جاتی ہے ان کی سادگی زبان کا عالم فی الحقیقت نرالا ہے، بیان
 مضامین بدیہہ تشبیہ استعارہ اوربالغہ سے احتراز رکھتا ہے اور اگر کہیں ان صنعتوں
 کو بھی دیتے ہیں تو اس خواہموتی سے کہ آدرو کی کیفیت مطلق ظاہر نہیں ہوتی ہے حقیقت
 یہ ہے کہ جب شعر سخن سنجی میں قاصر آتا ہے تب ہی تشبیہ استعارہ اوربالغہ سے اپنے
 کلام میں اعانت لیتا ہے ورنہ متعجوش اسلوب پرتا نیز ولفریب جانفرا روح پرورد
 نیچرل مضمون زینہار ایسی ایسی ترکیبوں کا محتاج نہیں ہوتا، چنانچہ بہت سے گیت
 دہرے وغیرہ ایسے ہیں کہ تمام تر تشبیہ استعارہ اوربالغہ سے پاک ہیں مگر ان کے
 مضامین کی مددگی ایسی ہے کہ بے اقدار دل پر محب با مراد تاثیر پیدا کرتی ہے +
 حکیم مومن خاں ذوق کے ہمصر تھے، مگر ذوق سے غزل گوئی

مومن دہلوی

مومن کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہے مہر چند مومن اور غالب دنوں شاعری کا
 داخلی پہلو برتتے تھے تو بھی ان دنوں کے مذاق شاعری جب اگانہ تھے اہل نظر
 سے پوشیدہ نہیں ہے کہ مومن کی مثنوی غزلیں ہیں ایک ہی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔
 مومن کی غزل سرائی دہلی کی غزل سرائی کا طور رکھتی ہے۔ غزل سرائی میں مومن بھی
 وارد ات بلید اور احمد زہنیہ کے مضامین حوالہ قلم کرتے ہیں گو ان کے بیان میں خواجہ
 درد یا میر صاحب کے کلام کی پرتائیری پائی نہیں جاتی ہے ان دنوں نبرگوار کے

کلام کی خوبی یہ ہے کہ جس طرح کمان سے تیر نکلے، ان کا کلام سامع کے دل پر فوراً اجبا بیٹھتا ہے۔ بر خلاف اس کے مومن کا انداز سخن ہے کہ جب تک بغور ان کے کلام پر نظر نہ ڈالے، لطف کلام حاصل ہی نہیں ہوتا، اس لئے بعض بے مغزوں نے مومن کے دیوان کو محفل قرار دیا ہے، اس میں شاک نہیں کہ مومن ایک بڑے بلیغ شاعر ہیں، مگر میر صاحب کے کلام کی رفعت، جلالت، مکنزت، جستگ، برشتگی کو نہیں پہنچتے ہیں اور پر چند وصل، فراق، غم، طلال، رنج، ضد، عداوت، حسد، رشک، اضطراب، بیٹابی، بیخوابی کے مضامین خوب باندھتے ہیں۔ مگر ان کے کلام سے کبھی کبھی کو چہ گردی کی بو آجاتی ہے، اس پر بھی جو انازہ انداز کے ساتھ تہذیب کی عنان کبھی ماتھد سے نہیں دیتے، خیر خواہ اور میر کے معاملات قلبیہ کے مضامین کی بندش میں مومن غالب جو کچھ کم سمجھ جائیں مگر حقیقت حال یہ ہے کہ وہ ایک ایسے بڑے غزل سرا ہیں کہ ان کی غزل سرائی پر اہل دہلی کو بلکہ ہر زبان کے مذاق کو ناز ہونا چاہئے۔ مومن خاں کی غزل سرائی تشبیہ سے اکثر پاک و میمی جاتی ہے۔ استعارے بھی کثرت سے داخل کلام نہیں ہوتے اور مبالغے باندھتی سے غالب نہیں دیکھے جاتے، ان کی شاعری میں جو کچھ نقصان ہے وہ نقصان بندش ہے، نقصان مضامین نہیں ہے، مثلاً اگر تعقیدات کو ان کے کلام میں دخل نہ ہوتا تو ان کی غزل سرائی ترکیب زبان کے عیب سے پاک ہوتی۔ راقم قبل میں عرض کر چکا ہے کہ اکثر شعرائے دہلی غزل سرائی میں شاعری کا داخلی پہلو برتتے ہیں، بر خلاف اس کے شعرائے لکھنؤ خارجی پہلو سے بیشتر سروکار رکھتے ہیں، راقم ذیل میں دو غزلیں جو آلہ قلم کرتا ہے، ایک مومن خاں کی ہے اور دوسری خواجہ آتش کی۔ اہل نظر پر روشن ہے کہ مومن اپنی اس تمام غزل میں تین شعر کے

سوداغلی پہلو کے متمسک رہے ہیں اور آتش ساری غزل میں خارجی پہلو سے کام لیا
کئے ہیں :

غزل مومن

کرتا ہے قتل عام وہ اغیار کے لئے
 دیکھا غذاب بیخ دل زار کے لئے
 قتل اس نے جو تم صبر جفا پر کیا مجھے
 لے تو ہی بھیج دے کوئی پیغام تلخ اب
 آتا نہیں ہے تو تو نشانی ہی بھیج دے
 کیا دل دیا تھا اس لئے میں نے تمہیں کہ تم
 چلنا تو دیکھنا کہ قیامت نے بھی تدم
 جی میں ہے موتوں کی لڑی اسکو بھیج دوں
 دیتا ہوں اپنے لب کو بھی گبرگ سے مثال
 جینا امید وصل پہ بچاؤں میں کسہل تھا
 مومن کو تو نہ لائے کبھی نام میں وہ بت
 واضح ہو کہ گربار، رخصت اور زار اشیائے خارجیہ سے ہیں ناچار ان اشعار کے مفہم
 بھی خارجی پہلو سے بند ہے، اگر مومن خال کچھ استعدادہ پروازی پر عمل کر جاتے تو یہ
 تالیفہ داخلی پہلو کے مضامین کے ساتھ بندھ جاتے، غالب ہوتے تو ضرور یہی
 روش اختیار کرتے جیسا کہ ان کی روش خاص کا تقاضا ہے :

غزل خواجہ آتش

ہاتھی اپنی پردہ ہے دیدار کے لئے
 نور تجلی ہے ترے رخسار کے لئے
 قول اپنا ہے یہ سچو زنا کے لئے
 لطف چمن ہے میل گلزار کے لئے
 سیری نہ ہوگی تشنہ دیدار کے لئے
 اتنی ہی ہے نمود مر سے یار کے لئے
 دشتِ عدم سے آئے میں بلوغِ جوانی ہم
 شمشاد اپنے طرہ کو نیچے تو لیجئے
 دو انگلیں چپے پر نہیں تیرے فقیر کے
 سر نہ لگایا کیجئے آنکھوں میں مہربان
 حلقہ میں زلف یار کے موتی پر ویسے
 گفت و شنید میں ہوں لبردن بہانے کے
 واضح ہو کہ خواجہ کی یہ غزل چھبیس شعر کی ہے بطور نمونہ ایک طرف سے بارہ
 شعر نقل کر لئے گئے ہیں اسوا مطلع کے کہ داخلی پہلو رکھتا ہے جمیع اشعار اس
 غزل کے خارجی مضامین سے متقل ہیں یہ ایک عمدہ مثال اس دعوتی کی ہے
 کہ لکھنؤ کے استادان غزل بہت زیادہ خارجی مضامین برتتے ہیں اساری غزل
 خواجہ کی وارداتِ تقلید اور امور و ہنہ سے یہ مراحل دور ہے جتنے امور عالم خارج

در نہ کوئی نقاب نہیں یار کے لئے
 آنکھیں ہری کلیم میں دیدار کے لئے
 دو پھندے میں یہ کافر و دیندار کے لئے
 کیفیت شراب ہے منجوار کے لئے
 پانی نہیں چہ ذوق یار کے لئے
 شہرہ ہے جس قدر کے اشعار کے لئے
 بے داغ لالہ و گل بے خار کے لئے
 اس لالہ رو کی لٹ پیٹی دستار کے لئے
 دو ٹھیکرے میں بھیک کے دیدار کے لئے
 اکسیر یہ سفوف ہے بیمار کے لئے
 دندان ضرور میں دہن یار کے لئے
 گل کے لئے ہے گوش زبان یار کے لئے

سے متعلق ہیں وہی اعلا بندش میں درائے ہیں بر خلاف اس کے مومن کی غزل ہے کہ تین شعر کے سوا البقیہ اشعار غزل محض امور ذہنیہ ہیں اور ہر چند اعلیٰ درجہ کے واردات قلبیہ سے خبر نہیں دیتے میں تو بھی امور داخلی ہونے کے باعث غزلیت ہی کی شکل قائم رکھنے والے ہیں۔ لحن غزل مرثیٰ کے لئے داخلی پہلو کے معنایں ہنایت مطبوع ہوتے ہیں چنانچہ خواجہ کا پہلا مطلع جو داخلی پہلو رکھتا ہے۔ البقیہ اشعار غزل سے زیادہ غزلیت کا لطف رکھتا ہے یہ تو خواجہ کی زکینی طبیعت کی خوبی ہے کہ خارجی مضامین بھی ان کی غزلوں میں کچھ مزاد سے جاتے ہیں ورنہ اگر کوئی دوسرا شاعر خارجی رنگ میں غزل لکھتا تو یقیناً اس کی غزل میں سے خالی نہیں ہوتی۔ اہل مذاق سے پوشیدہ نہیں ہے کہ مومن کی غزل کس قدر غزلیت کا مزائے رہی ہے یہ لطف مجر دو داخلی مضامین کی بدولت ہے ورنہ بندش و زبان میں خواجہ کے اشعار کے اشعار پر بدرجہا غالب ہیں۔ ذیل میں کچھ مومن کے کلام نمونہ کے طور پر منسلک بذائے جاتے ہیں

مومن

رات کس کس طرح کہا نہ رہا	نہ رہا پر وہ مسلمان نہ رہا
غیر اگر قریب خانہ رہا	شوق اب تیرے آنے کا نہ رہا
تیرے پردے نے گی یہ پردہ دری	تیرے چھتے ہی کچھ چھپا نہ رہا
غم مرا کس لئے کہ دنیا میں	نہ رہا میں مرافق نہ رہا
مدعا غیر سے کہا تا وہ	سمجھ اب کچھ بھی مدعا نہ رہا
غیر چھڑکے ہے زخم دل پہ نمک	شور الفت میں بھی مزا نہ رہا

دل لگانے کے اٹھائے مزے جی بلا سے رہا رہا نہ رہا
تو تک مرگ ہم سے سب غافل اب کسی کا بھی آسرا نہ رہا
مومن اس بت کے نیم ناز ہی ہیں
تم کو دعویٰ القانہ رہا

ٹانگنے چاک گریباں کو تو سہا رہا ماتھے کٹواؤں جو ناصح ہے اب تار لگا
بسکہ اک پردہ نشیں سے دل بجا لگا جو مریضوں سے چھپاتے ہیں آزار لگا
تو کسی کا بھی خسریدار نہیں پر ظالم سرفروشیوں کا ترسے کوچہ میں بازار لگا
کعبہ سے جانب بتخانہ پھر آیا مومن کیا کرے جی نہ کسی طرح سے نہاں لگا

میرے کوچہ میں عدد مضطر و ناشاد رہا شب خدا جانے کہاں وہ ستم ایجا د رہا
اُس روانی سے ذرا خنجر بیدا رہا بار سے اک دم اڑنا لہ و فریاد رہا
نقد جان تقانہ منرائے بیت عاشق تصیف خون فریاد سہر گردن فریاد رہا
لے چلا جوش جنوں جانب صحرا افسوس جب مرے کوچہ میں اگر وہ پریمی اور رہا
گم غم حور گئے عشق بتاں اسے مومن میں سدا سوزتہ حسن خدا واد رہا

دعہ و صلت سے دل ہوشاد کیا تم سے دشمن کی مبارک باد کیا
کچھ نفوس میں لہن دلوں لگتا ہے جی آشتیاں اپنا ہوا ابر باد کیا
نالہ پیہم سے یاں فرصت نہیں حضرت ناصح کریں ارشاد کیا
ہیں سیر اسکے جو ہے اپنا اسیر ہم نہ سمجھے صید کیا صیاد کیا

در نہ فرق خسرو فریاد کیا
 سچ ہے ایسی بے خموی میں یاد کیا
 چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا
 بے وفا چہرہ مال بیدار کیا
 سر و کوب باندھیں آزاد کیا
 دلولہ کیا نالہ کیا فریاد کیا
 پیچ و تاب طرہ شمشاد کیا
 آسمان بھی ہے ستم ایجاد کیا
 ایسی باتوں سے ہر خاطر شاد کیا
 استقامتِ رحمت جلا د کیا
 لب پہ مومن ہر صبح بادا باد کیا

شمع بازاری تھی شیریں بھی مگہ
 نشتر الفت سے جھوٹے یار کو
 نالہ اکہ میں اڑا ڈالے دیویوں
 جب مجھے رنج دل آزاری نہ ہو
 پاؤں تک پہنچی وہ زلفِ خمِ بزم
 کیا کروں اندر میں بے اثر
 دلربائی زلفِ جاناں کی نہیں
 ان نصیبیوں پر کیا اختر شناس
 روزِ محشر کی تدریج سے عمت
 گر بہائے خون عاشقِ نئیصال
 بتکدہ جنت ہے چلے بے ہراس

میرا سوال ہی مرے خون کا جواب تھا
 شبِ حالِ غیرِ مجھ سے زیادہ خراب تھا
 یوں بھی تو ہجر میں مجھے رنج و عذاب تھا
 ناصح سے مجھ کو آج تک اجتناب تھا

روزِ جزا جو تامل و لمحو خطاب تھا
 عاشق ہوئے ہیں آپ کہیں گو کسی پہ یوں
 وقت و دواعِ بے سبب کے روہ کیوں ہوئے
 کیا جی لگا ہے تذکرہ یار میں عمت

روزِ جزا خدا بُتِ جلا د کو ملا
 گویا کہ خونِ ناصحِ مومنِ ثواب تھا

شب تم جو بزم غیر میں آنکھیں چرا گئے
 پوچھا کسی پر مرتے ہو اور دم نکل گیا
 پھیلی وہ بوجہ ہم میں نہاں مثل غنچہ صفتی
 مجلس میں اس نے بان دیا اپنے ماتھے سے
 اٹھانہ ضعف سے گلے داغ جنوں کا راجہ
 غیروں سے ہو وہ پرہیزگار کیوں نہ سجا
 تھی بدگمانی اب تمہیں کیا عشقِ حور کی
 تابندہ و جوان تو بختِ رقیب تھے
 بیزار زندگانی کا جینا محال تھا
 داغِ گل کے ذکرِ حیرت کو کیا کہوں

اے حورن آپ کب سے ہوئے بندہ تیاں

بارے سچے دین میں حضرت بھی آ گئے

شیخ ابراہیم ذوقِ اظفر شاہ کے استاد تھے! بادشاہ کے حضور
 سے خان بہادر اور قاضی ہند کے خطابوں سے سرفراز بھی
 ہوئے تھے! کوئی شک نہیں کہ ذوق ایک بڑے ممتاز شاعر گزرے ہیں مگر ان کی غزل
 سزنی کے تعاقبوں کے مطابق پوسے طور پر نہ تھی! اسی لئے اس صنعتِ شاعری میں وہ
 خواجہ میر درد یا میر تقی میر کے برابر نہیں سمجھے جاسکتے ہیں! ذوق غزلِ سرائی میں زیادہ
 خارجی مضامین باندھتے ہیں اور جو داخلی مضامین باندھتے ہیں تو ان میں درد اور میر
 کے کلام کے سوز و گدازِ خشکی وغیرہ کی کیفیت نہیں پائی جاتی۔ پس ظاہر ہے کہ ایسی
 صورت میں ان کی غزلِ سرائی ان دونوں بزرگوں کی غزلِ سرائیوں کا لطف نہیں پیدا کر
 سکتی ہے۔ ذوق کے تمام دیوان کو دیکھ کر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کے نثر و شعر میں

ذوقِ دہلوی

پچھتر شعر فارسی رنگ کے ہوتے ہیں اسی لئے ان کی غزل سرائی حضرات اہل لکھنؤ کی غزل سرائی سے زیادہ مشابہ نظر آتی ہے اور اسی لئے ان کا کلام ان کے معروف شاعر ہم وطن کے کلاموں سے ایک علیحدہ انداز رکھتا ہے :

اگر مومن اور غالب سے ذوق کو ملائیے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوق غزل سرائی میں اپنے ملکی مذاق کے پابند نہ تھے بلکہ ان کا مذاق غزل سرائی کا ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جس سے وہ شیخ ناسخ اور خواجہ آتش کے ہم مذاق معلوم ہوتے ہیں، قوت شاعری کے اعتبار سے ذوق ایک زور آور شاعر تھے ان کی ملاقا سخن بند پروازی نازک خیالی نفیس مزاجی وغیرہ وغیرہ میں کسی کو مجال گفتگو نہیں ہے، مگر غزل سرائی میں وہ اس روش کے پابند نہیں ہے، جو ورد اور تمیر کی تھی، اسی لئے ان کی غزلیں باوجود عالی خیالی وغیرہ کے وہ تاثیر قلبی پیدا نہیں کرتی ہیں جس کی تقاضی غزل سرائی ہے حضرت ذوق کے کچھ کلام بطور نمونہ ذیل میں نذر ناظرین ہوتے ہیں جس سے ان کی غزل سرائی کا رنگ ہویدا ہوگا :

ذوق کے خارجی مضامین کے اشعار

شوق نظارہ ہے جیسے آگ پورہ کا سبے مرام غ نظر پروانہ شمع طور کا
واضح ہو کہ یہ غزل کی غزل جو شیخ ناسخ کی غزل پر لکھی گئی ہے۔ ناسخ کی غزل کی طرح تمام تر شاعری کا خارجی پہلو رکھتی ہے، ذوق کی اس غزل سرائی میں یہیں شعر ہیں اور سب کے سب کم و بیش طور پر خارجی مضامین سے مشتمل ہیں :

نام منظور ہے تو فیض کے اسباب بنا
دل بنا چاہ بنا مسجد و تالاب بنا
واہ کلام ہم زخم دل بے تاب بنا
آپ سے نشتر سرتیز کے تیزاب بنا

یوں تنہا کی ہیں دل روشن ہمارا ہو گیا
جس طرح پانی کنوئیں کی تہ میں تارا ہو گیا
بہرے نالوں سے جہ پانی سنگ خارا ہو گیا
کوہ کے چشموں کا ہر آنسو شرارا ہو گیا

یاں تک عدد زمانہ ہے مرد دلیر کا
جس گھر میں ہولناکی وہاں آدمی نہیں
تھیلے ہیں منہ نشکار کپڑے پر بھی شیر کا
کانٹا ہے گھر میں سا ہی کا باگل کینر کا

دیا تے انکسہ چشم سے جس آن بہ گیا
سُن لہجیو کہ عرش کا ایوان بہ گیا

ان سب غزلوں کے بھی اکثر اشعار تمام تر خارجی پہلور کھتے ہیں ؛
یہ نفس سے شور رک گلشن تک فریاد کا
خوب طوطی بولتا ہے ان دنوں مٹیاد کا
روز مرگ عاشق ناشاد ہے شادی کا دن
بے بجائے شور مانتا غل مبارک باد کا
آج سے تلوار کی ڈرتا نہیں بیخوت جان
کشتہ کرنا سخت ہی مشکل ہے اس نولاد کا
یہ تینوں شعور غزل کے میں جو ذوق نے ناسخ کی غزل پر لکھی تھی یہ غزل
بھی ناسخ کی غزل کی طرح اکثر خارجی مضامین سے مشتمل ہے اور کھلے ڈلے طور سے
ناسخ کا بیگ کھتی ہے ؛

عالم ہے زندگی میں زمانہ شباب کا
جلوہ ہو کیونکہ خاک پر تاب عتاب کا
گلشن میں برگ برگ ہے پھول آفتاب کا
لے گلر خونہ چھیرا دامن سماب کا
جلتا نہیں ہے برق سے دامن سماب کا
دیکھو چھلک رہا ہے کٹورا گلاب کا
اس غزل کے بھی تمام اشعار خارجی پہلور کھتے ہیں یہ غزل بھی ناسخ کے بیگ
کی ہے اور ناسخ کی زمین میں لکھی گئی ہے ؛
بھڑکنا کیا کہوں سیدہ میں پئے آتش غم کا
کہ جائے نیر سے ہر داغ پر شعبدہ جہنم کا

جہاں میں عرصہ عشرت سوادہ چنڈ ہے غم کا کہ ہے گر عید کا اکُن تو عشرہ ہے محرم کا
 یہ زمین بھی ناسخ کی ہے اور رنگ بھی شیخ ہی کا ہے +
 بزنگ گل صبا سے کب کھلاہ گیر دل میرا کہ ہے باغ جہان میں غنچہ تصویر دل میرا
 مجنوں نے دی دگا جو سرخا زار پشت
 پشت اب ہجوم خار سے ہے پشت خار

ان دونوں غزلوں کے اشعار اکثر خارجی پہلور کھتے ہیں +
 تمہی زلفت تیری سنبل سخن چمن کی شاخ قطروں سے پریق کے نبی یا سین کی شاخ

یہ ایک بڑی طولانی غزل ہے اور غزل کی غزل کا رنگ خارجی ہے +
 بادام دو جو بھیجے ہیں بٹوسے میں ڈال کر ایجا ہے یہ کہ بھیج سے آنکھیں نکال کر

وہی خارجی رنگ اس غزل کا بھی ہے اسی طرح استاد ذوق کے صدائے اشعار
 ہیں کہ جو شاعری کا خارجی پہلور کھتے ہیں۔ راقم عرض کر چکا ہے کہ خارجی مضامین
 غزل سرائی کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہوتے، ایسے جتنے حضرات غزل سرا کیا
 فارسی اور کیا اردو کے جنہوں نے شاعری کا خارجی پہلور اختیار کیا ہے کبھی اغراض
 غزل سرائی کو پورا نہیں کر سکے، مگر حضرت ذوق کی نسبت اتنا عرض کر دینا ضرور
 ہے کہ آپ کا کلام اس درجہ میں کو نہیں پہنچا ہوا ہے کہ جو خارجی پہلور کی غزل
 سرائی سے عموماً نفع ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چند عموماً غزل سرائی میں ذوق
 خارجی شاعری برتتے ہیں مگر ان میں ایک خاص بات یہ ہے کہ خارجی مضامین کو
 کسی قدر قلبی اور ذہنی امور کے ساتھ مزوج کر دیتے ہیں جس کے باعث ان

کی غزل سرائی سیٹھے ہونے سے نکج جاتی ہے یہی اتنی بات ناسخ میں نہیں ہے ورنہ
ناسخ خلاقی مضامین بلند پروازی اور معنائی بندش میں ذوق پر یقیناً غالب ہیں۔

ذوق کے داخلی مضامین کے اشعار

اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا	اُسے ہم نے بہت ڈھونڈھا نہ پایا
خدا جانے کہ پایا یا نہ پایا	لحد میں بھی ترسے مضطر نے آرام
کبھی جن کا نشان پایا نہ پایا	سراخ عمر رفتہ ماتھے کیا آئے
غبار راہ بھی عنقا نہ پایا	رہ گم گشتگی میں ہم نے اپنا
کہیں ہم نے تجھے تنہا نہ پایا	جہاں دیکھا کسی کے ساتھ دیکھا
غرض خالی دل پیدا نہ پایا	کبھی تو اور کبھی تیرا رما غم
نہا کس نے بھی قرار اعلانہ پایا	سے طالع کی وہ گردش ہے جس سے

واضح ہو کہ وہ غزل جس سے اشعار بالا استنباط کر لیے گئے ہیں، طولانی ہے مگر ان
کے علاوہ اس غزل کے جتنے اشعار ہیں خارجی پہلو رکھتے ہیں یہ اشعار بھی جوہرین کچھ
بسا داخلی پہلو نہیں رکھتے کہ درو یا مہر کے کلام کا لطف دکھا سکیں یوں تو استاد کے
شعر ہیں خوش خیالی اور خوش ترکیبی سے خالی نہیں ہو سکتے یہ

ایک دم بھی ہم کو جینا بھر میں تھا ناگوار
پر امتیاد وصل پر برسوں گوارا ہو گیا
اس غزل میں تیرہ شعر ہیں مگر ان میں ہی ایک شعر داخلی پہلو رکھتا ہے۔

جس بجز سے مرنے کے قرین ہو ہی چکا تھا
تم وقت پر اپنے نہیں ہو ہی چکا تھا
جو کچھ کہ ہوا ہم سے وہ کس طرح نہ ہوتا
حکم ازلی ذوق یوں ہی ہو ہی چکا تھا
سبحان اللہ کیا خوب اشعار ہیں گریاتی اشعار غزل خارجی سے شبرٹیتے ہیں۔

بندہ نوازیوں تو یہ دیکھو کہ آدمی
جزو ضعیف محرم اسرار کل ہوا

پروازی طبیعت و ادراک وغیرہ وغیرہ کی نحو ہیاں بین طور پر نمایاں ہیں بلکہ چونکہ مضمون
بند کا معاملت قلبیہ اور امور ذہنیہ سے حسب مراد طور پر مشتمل نہیں معلوم ہوتا ہے
ان کی غزل سرائی دلچسپی نہیں پیدا کرتی ہے یعنی جو درد اور تیر کی غزل سرائی سے
لطف اٹھتا ہے ان کی غزل سرائی سے نہیں اٹھتا ہے

مبطلہ قابل لحاظ صفوں کے استناد و ذوق میں ایک بڑا وصف یہ ہے کہ
حضرت اردو کے محاوروں کو ایسی آسانی اور روانی کے ساتھ اپنے اشعار غزل میں
باندھ جاتے ہیں کہ اہل اطلاع کی طبیعت نہایت لذت یاب حیرت ہوتی ہے لاریب
فطری طور پر میرا درد کی بندش شاعر کے کلام کو بڑا حسن بخشی ہے اور لفظ گفتاری
کو نہایت معین ہوا کرتی ہے کچھ اشعار ذیل میں ایسے درج کیے جاتے ہیں کہ محاورہ
بندی کے نمونے ہیں

نیچے یار نے جس وقت بغل میں مارا جو چڑھا منہ اُسے میدان اہل میں مارا
اس نے جب مال بہت رو بہ دل میں مارا ہم نے لاپنا اٹھا اپنی بغل میں مارا

نالہ اُس شور سے کیوں میرا دوائی دیتا لے نلک گر تجھے اونچا نہ سنا دیتا

کھے ہے خنجر قاتل سے یہ گلو میرا کمی جو مجھ سے کرے تو پیٹے لو میرا

گل اس نگر کے زخم رسیدں میں مل گیا یہ بھی لو لگا کے شہیدوں میں مل گیا

کسا پتنگ نے یہ وار شمع پر چڑھ کر عجب مزا ہے جو پیٹے کسی کے سر چڑھ کر
مے خیال ہیں ہر شتم فتنہ گر چڑھ کر یہ خانہ جنگ بنی آنی لڑنے گھر چڑھ کر

تو کے فحشہ کہ اس لب پہ ڈھڑھ خوب نہیں چُپ کہ منہ چھوٹا سا اور بات بڑی خوب نہیں
 مشتہ نمونہ از خردار سے بہت ایسے اشعار ہیں جس میں استاد نے محاورہ
 بندی کا لطف دکھایا ہے۔ سب کے انتخاب کا یہاں موقع کہاں ہے جو درج ہذا
 کئے جائیں۔ البتہ ذوق مصلح زبان نہ ہوئے یہ دولت استادِ ناسخ کے لئے اٹھا
 رکھی گئی تھی جو اپنے وقت پر اس بیگانہ روزگار کو حوالہ کی گئی۔

غالب مرزاالوشہ نواب اسد اللہ خان۔ غالب فارسی اور اردو دونوں
 زبانوں کے نام اور شاعر ہیں ان کی فارسی کی غزل سرائی کی نسبت
 راقم انظار خیالات کر چکا ہے اب ان کی اردو کی غزل سرائی کی کیفیت عرض کرنے کو
 ہے غالب ان شاعروں میں ہیں جو برصغیر شاعری سے مناسبت رکھتے تھے مگر یہاں
 ان کی اردو کی غزل سرائی زیر بحث ہے۔ حضرت نے ذوق۔ مومن۔ ناسخ۔ آتش۔ ان
 استادوں کے زمانے دیکھے اور ان سب اساتذہ کے بعد رحلت فرمائی۔ ذوق سے
 شاعرانہ سابقہ بھی ظہور میں آیا۔ مگر مومن سے کیا طور حضرت کا رہا۔ فقیر کو نہیں معلوم
 ناسخ سے لطف مراسلات حاصل تھا۔ آتش کے ساتھ موافقت یا مخالفت کی کوئی
 بات علم راقم میں نہیں ہے۔ اردو کی غزل سرائی کے اعتبار سے مرزاالوشہ بہت قابل
 توجہ شاعر ہیں اپنی غزل سرائی کی نسبت حضرت فرماتے تھے کہ میری غزل گوئی کی ابتدا
 تھی کہ ناسخ مرحوم کا دیوان دہلی میں پہلے پہل پہنچا۔ شیخ کی سخن سنجی کی تمام شہر میں دھوم
 مچ گئی۔ میں نے اور مومن نے ان کا منتہی ہونا چاہا۔ ہم لوگوں نے شیخ مرحوم کے
 رنگ میں مشق کلام کرنا شروع کیا۔ مگر شیخ کا رنگ ہم لوگوں میں نہ آیا۔ مومن عاشق
 کے بعد ویسے ہو گئے جیسا کہ ان کا رنگ دیکھا جاتا ہے اور ہم تیر کے رنگ میں در
 آئے۔ اس جگہ پر یہ مر قابل لحاظ ہے کہ مومن اور غالب کے عجز اور تنہج کا سبب اور
 کچھ نہ تھا۔ آئیہ کہ یہ دونوں شاعر ان نامی افتاد طبیعت سے داخل شاعری کے

برتنے کی قابلیت رکھتے تھے پس ناسخ کی شاعری جو محض خارجی رنگ کھتی ہے
 کیونکہ ان کی خلقی صلاحیت کے ساتھ موافق پڑتی بہر حال غالب کا یہ فرمانا کہ ہم
 تیر کے رنگ میں ورائے واقعات سے بہت بعد نہیں ہے حقیقت یہ ہے
 کہ غالب کی غزل سرائی میں تیر کی جھلک نمایاں ہے لاریب وارداتِ تلخ اور
 امورِ ہند کے مضامین غالب قریب قریب میر صاحب کی پرتا تیری کے
 ساتھ بانڈھا ہوتے ہیں مگر حالانکہ یہ ہے کہ ان کے غمقر دیوان میں بہت کم
 شعر ہیں جو میر صاحب کی سادگی کلام کا لطف دکھاتے ہیں زیادہ حصہ ان کے
 کلام کا استعارات سے بھرا ہوا ہے۔ اسلافوں کی وہ بھرا رہے کہ بعض وقت جی
 گھبرا اٹھتا ہے کہ الہی اسلافوں کا سلسلہ کب ختم ہوگا۔ الفاظ فارسی کی وہ کثرت دیکھی
 جاتی ہے کہ نہیں معلوم ہوتا کہ اردو کے استعارہ زیر نظر ہیں یا فارسی کے ان باتوں کے علاوہ
 کبھی کبھی اصنافِ مضامین کا وہ عالم دکھائی دیتا ہے کہ اور اک اپنے نعل میں ناصر سونے
 لگتا ہے بلاشبہ ان کے ایسے کلام کوئی لطف غزلیت نہیں رکھتے اگر ان کے دیوان
 کا کوئی انتخاب جدید کیا جائے تو لازم ہے کہ ایسے ایسے متعلق اشار خارج از دیوان
 کر دیئے جائیں لیکن ان صاحب سے گزرتا کہ اگر اس کتاب سے روزگار کے کلام کو انصاف
 کا نگاہ سے دیکھتے تو پھر سن کی گولی اتنا بھی نظر نہیں آتی۔ واقعی جو سوز گداز خوشگی
 درد و برہنگی۔ نشتریت۔ بلند پروازی نازک خیالی کلمت ترائے جلالت تہذیب
 شوخی غالب کے کلام میں ہے۔ بامتنائے درد و میر کسی استاد کے کلام میں نہیں پائی
 ہے نشتریت تو ایسے غضب کی ہے کہ تیر صاحب کے کلام میں بھی اس سے زیادہ
 نہ ہوگی پرتا تیری کا کیا کہنا۔ دل سے سخت پیار چلا اٹھتا ہے کہ غزل سرائی اسے
 کہتے ہیں۔ شوخی کا وہ عالم ہے کہ طبیعت سے چین ہوئی جاتی ہے عالی مذائق روح
 کو عالم بالا کی سیر دکھاتی ہے۔ وارداتِ قلبیہ کے مضامین کی خوبی جذباتی معاملات

کے تماشے پیش نظر کر دیتی ہے اور مختصر یہ ہے کہ حضرت کے کمالات گونا گوں کا
 وہی نال نہ ہوگا جیسے قلبی نعمتوں سے فطرت نے محروم رکھا ہے ذیل میں کچھ
 کلام معجز نظام نذرناظرین ہوتا ہے :

غالب

لوٹے گل نالہ دل وود چراغ محفل جوتو کی بزم سے نکلا سو پریشان نکلا

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

میں نے جانا تھا کہ اندوہ و فاسے چھوٹوں کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجئے
 وہ ستم گیمے کئے چھبی رامنی نہ ہوا ہم نے چاہا تھا کہ مرجائیں سو وہ بھی ہوا

محرم نہیں ہے تو ہی لانا سے راز کا یاں وہ نہ جو حجاب ہے پر ہے ساز کا

متر نہ کھٹنے پر وہ عالم ہے کہ دیکھا ہی نہیں زلف سے بڑھ کر نقاب اس شوخ کے منہ پر کھلا

کی مر سے نقل کے بعد اس نے جفا سے توبہ جیسے اس چار گروہ کپڑے کی سدا غالباً
 ہائے اس دہشتیان کا پشیمان ہونا جس کی قسمت میں ہونا شوق کا گریباں ہونا

خیر خبر کروم کہ غالب کے اُسے بگا پر نے دیکھنے ہم بھی گئے تھے یہ تماشہ نہ ہوا

وائے گرمیرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو اب تلک تو یہ توقع ہے کہ وہاں ہو جائیگا

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے کبھی ہم انکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
نظر لگے نہ کہیں اس کے دست بازو کو یہ لوگ کیوں مرے زخم جگہ کو دیکھتے ہیں

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخراں درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار یا الہی یہ ماجرا کیا ہے
میں کبھی نہ میں زبان رکھتا ہوں کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے
جیکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود پھر یہ منہ گام لے خدا کیا ہے
ہم کو ان سے وفا کی امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

ان کے دیکھے جو آجاتی ہے منہ پر رونق وہ سمجھتے ہیں کہ بمبار کا حال اچھا ہے

کب وہ سنا ہے کہاں میری اور پھر وہ بھی زبانی میری

منحصر مرنے پر ہوجس کی امید ناامیدی اس کی دیکھا چاہئے
وضع ہو کہ اشعار بالا کے رنگ کے بہت اشعار دیوان غالب میں موجود ہیں سر کے
انتخاب کا یہاں موقع نہیں ہے حضرات شائقین خود دیوان کو ملاحظہ فرمائیں لیکن
چونکہ غزل سرائی حضرت غالب کی سوز و گداز و درد محبت عشقی پر شتم کی نسبت
عالی خیال، دل آویزی، خوش مذاقی، شیرین بیانی، نفیس پسندی، شغوی، رفعت
مکنت، جلال، متانت وغیرہ سے مشہور ہیں۔ اس لئے چند پوری غزلیں ذیل میں درج

کی جاتی ہیں کہ حضراتِ ناعین اُن سے حضورِ وحی اٹھائیں اور ہر چند اُن میں تیر صاحب
کے کلام کے سادگی نہیں ہے۔ تو بھی اُن میں غزلیت کا ایسا لطف ہے کہ یہ لطف
کتر استادوں کے کلام میں دیکھا جاتا ہے :

غزل نمبر ۱

درد منت کش دوا نہ ہو	میں نہ اچھا ہو بُرا نہ ہو
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو	اک تماشا ہو گلا نہ ہو
ہم کہاں قسمت آزماتے جاہیں	تو ہی جو بختِ آنحضرت نہ ہو
ہے خیر گرم اُن کے آنے کی	آج ہی گھر میں بوریا نہ ہو
کیا وہ فرد کی خدائی تھی	بندگی میں مرا بھلا نہ ہو
جان دی دی ہوئی اُس کی تھی	حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہو
زخمِ گردب گیا لہو نہ تھا	کام گر رک گیا روا نہ ہو
دہنزی ہے کہ دستانی ہے	سے کے دل دستاں دانا نہ ہو
کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں	آج غالب غزل سزا نہ ہو

غزل نمبر ۲

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر تھی	آپ آتے تھے مگر کوئی غناں گہری تھا
تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ	اُس میں کچھ شائبہ خوبیِ تقدیر بھی تھا
تو مجھے بھول گیا ہو تو بتا بتلا دوں	کبھی فتر اک میں تیری کوئی پتھر بھی تھا
قید میں ہے ترے حسی کو وہی لف کی یا	ہاں کچھ اک رنج گرانباری زنجیر بھی تھا
بھلی اک کو نہ گئی آنکھوں کے اگلے تو کیا	بات کرنے کے میں لبِ تشنه تقریبی تھا

یوسف اسکو کہوں دیکھ نہ کہے خیر ہوئی
 دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجا ٹھنڈا
 پیشہ میں غریب نہیں رکھئے نہ فرما دو کو نام
 ہم تجھے مٹے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
 پلٹے جاتے میں فرشتوں کے لکھے پرنا حق
 یحییٰ کے تمھیں اُستاد نہیں ہوں غالب

گر بگڑ بیٹھے تو میں لائق تعدیر بھی تھا
 نالہ کرتا تھا دے طالب تاثیر بھی تھا
 سہمی آشفتمہ رُسن میں ہ جوال میر بھی تھا
 آخر میں شوخ کے ترکش میں کوئی میر بھی تھا
 آدمی کوئی بہار آدمی تحسیر بھی تھا
 کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

غزل نمبر ۳

عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا
 جا تا ہوں داغ حسرت سہتی لئے ہوئے
 مرنے کی ایدل اور ہی تدبیر کر کہ میں
 بروئے شہمت در آئینہ باز ہے
 وا کر بیٹے ہیں شوق نے بند نقاب حُسن
 گوئیں رہا مرین ستم ماٹے روزگار
 دل سے پورے کثرتِ وفا مگلی کروا

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
 ہوں شمع کشتہ درخوردِ محفل نہیں رہا
 شایاں دست بازو سے قابل نہیں رہا
 یاں امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا
 غیر از نگاہ اب کوئی حاصل نہیں رہا
 لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
 حاصل سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا

بیدارِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر استاد
 جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

غزل نمبر ۴

جو سے باز آئیں پر باز آئیں کیا
 رت دن گردش میں ہیں ساتھ آسمان

کہتے ہیں تم تجھ کو منہ دکھا میں کیا
 ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرا میں کیا

لاگ ہزاروں کو ہم سمجھیں لگاؤ
 ہو لئے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ
 موج خوں سر سے گذری کیوں نجلے
 عمر بھر دیکھا کئے مرنے کا راہ
 جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
 یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا
 آستان یار سے اٹھ جائیں کیا
 مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا
 پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
 کوئی بستلاؤ کہ ہم بستلائیں کیا

غزل نمبر ۱

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
 تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قتلِ کج
 دل پر آشکش چادرہ رحمت میں تمام
 اب جفا سے بھی میں محروم ہم اللہ اللہ
 ضعف سے گریہ میں دم سوز ہوا
 دل سے فنا تری امانتِ خانی کا خیال
 بے مجھے ابر باری کا برس کر کھلنا
 گر نہیں نکلت گل کوئی سے کو چہ کی ہوس
 تاکہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوائے صدیق
 درود کا حمد سے گزرا ہے دوا ہو جانا
 تھا اکھا پاست کے بنتے ہی جد ہو جانا
 مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا دوا ہو جانا
 اس قدر دشمن ارباب و فاجر ہو جانا
 یاد آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا
 ہو گیا گوشت سے ناخن کا جد ہو جانا
 روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا
 کیوں سے گردہ جو لان صبا ہو جانا
 دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا ہو جانا
 بچھتے ہے جلوہ گلِ ذوق تماشا غالب
 چشم کو چاہئے ہر رنگ میں دوا ہو جانا

غزل نمبر ۶

سب کہاں کچھ لارہ گل میں نہ پایا ہو گئیں
 یاد تھیں ہم کو بھی زنگار تک بزم آرائیاں
 تھیں نہات آفتاب گدوڑن کو رو میں نہاں
 قیدیں بعقوبتے لی گو نہ یوسف کی خبر
 مسیبتوں سے سوں خوش پر زناں صبر سے
 جوئے خون آنکھوں سے بہتے وہ کچھ شام فراق
 ان پر زادوں سے لینگے غلام ہم انتقام
 نیند اسکی ہے نایب اسکا ہے تپس اہل کی ہیں
 میں چین میں کیا گیا یاد بستیاں کھل گیا
 وہ رنگا میں کیوں ہوئی جاتی ہیں بار لکھے پار
 بسکہ لو کا میں تے اور سینہ میں ابھر جا پہ پے
 دل گیا بھی تیرا بھی گا کیوں کا کیا جواب
 جانفزا ہے بادہ جس کے ماتھے میں جام آگیا
 ہم سو حد میں جا کر ایش ہے ترک سووم
 رنج سے سو کر سو سال تو مٹ جاتا ہے رنج
 یوں ہی گردوار باغالتے اے اہل جہاں

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ نہ پائی ہو گئیں
 لیکن آفتاب و نگار طاق نسیان ہو گئیں
 شکوہ ان کے جس میں کیا آئی کہ عریان ہو گئیں
 لیکن آنکھیں روزن دیوار زندان ہو گئیں
 ہے نہ بجا خوش کہ محو ماہ کنتھاں ہو گئیں
 میں یہ سمجھوں گا کہ دو شمعیں فردا ان ہو گئیں
 قدرت حق سے ہی حوریں اگر وہ ان ہو گئیں
 تیری زلفیں جس کے بازو پر پرت ان ہو گئیں
 جلیلیں سن کر سے نائے غم نوحاں ہو گئیں
 جو مری کوتاہی قسمت سے مرگال ہو گئیں
 مری اہیں بخیر چاک کہ یہاں ہو گئیں
 یاد تھیں جتنی دعائیں صرف دربان ہو گئیں
 سب لکیرں ماتھے کی گویا رنگ جان ہو گئیں
 ملتیں جب ہر گائیں اجڑائے میان ہو گئیں
 مشکبیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آسان ہو گئیں
 دیکھنا ان بستیدوں کو تم کہ دیر ان ہو گئیں

غزل نمبر ۷

دل ہی تو ہر زنگار و نخت سے دور ہے آئے کیوں
 روئینگے ہم ہزار بار کوئی نہیں ستائے کیوں

بیٹھے ہیں رنگدہ پر ہم غیر میں اٹھائے کیوں
 آپ ہی ہوں ظاہر سوز پرے میں نہ چھپائے کیوں
 تیرا ہی عکس رخ سہی سامنے تیرے لئے کیوں
 مورت سے پہلے آدمی غم سے نہجات پائے کیوں
 اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیوں
 راہ میں ہم طمس کمال نہ ہیں وہ بلائے کیوں
 جس کو پروین دل عزت زاری کی گئی جانے کیوں

دینیں حرم نہیں در نہیں آستان نہیں
 جب وہ جمال و لفر و صورت مہر نیم روز
 دشتہ غمغزہ جان ستال نادک ناز بے پناہ
 فیہ حیات و بند غم اصل میں تو لول یک ہیں
 سخن در اسپہ سخن ظن رہ گئی لولوس کی شرم
 وال وہ غرور عز و نازیباں بی حجاب پاک لضع
 ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے فاسی

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
 رو پیئے ناز زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں

غزل نمبر ۸

نہ ہو جرب ل ہی سینہ میں تو پھر نہ میں بان کیوں ہو
 سبک سر پہلے کیا پوچھیں کہ ہم سر گراں کیوں ہو
 نہ لائے تاب جو غم کی ڈمیر از ازاں کیوں ہو
 تو چہ لے سنگدل تیرا ہی سنگ آستان کیوں ہو
 گری ہے جس یہ گل کھلی وہ میر آستان کیوں ہو
 کہ جب نہیں تجھ میں تم تو آگے سے نہاں کیوں ہو
 نہ کہینہ گرتا اپنے کو کشت دریاں کیوں ہو
 عدو کے ہولنے جب تم تو میر امتحاں کیوں ہو

کسی کو دیکھے دل کوئی تو اسخ فغاں کیوں ہو
 وہ اپنی تو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
 کیا غمخوار نے سوا لگے ال اس محبت کو
 دنیا کیسی کہاں کا عشق جب سر چھوڑا نظر
 نفس میں چھوڑے دو داغین کہتے نہ ڈر ہمدم
 یہ کہہ سکتے ہنرم نہیں ہیں پر یہ ستارہ
 غلط ہے بند ب ل کا شکوہ کیوچہ ہم کس کا ہے
 یہی ہے آ زمانا زستان کس کو کہتے ہیں

کما تم نے کہ کیوں ہو غیر کے طے میں سووائی
بجائے کہتے ہو سچ کہتے ہو کچھ کہو کہ ہاں کیوں ہو
یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جھکے اسکا ڈن آسماں کیوں ہو

نکالا چاہتا ہے کام کیا طغندوں سے تو غالب
تسے ہمیر کینہ سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

غزل نمبر ۹

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی
میری وحشت تری شہرت ہی سہی
قطع کیجیے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
میرے ہونے میں ہے کیا سووائی
اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی
اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
آگئی گر نہیں غفلت ہی سہی
عمر بجزند کہ ہے برق خرام
دل کے نھوں کر تیری فرصت ہی سہی
ہم کوئی ترک و فاکرتے ہیں
نہ سہی عشق معیبت ہی سہی
کچھ تو دے اے فلک انصاف
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی
ہم بھی تسلیم کی خود ایں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی
بارہ سے چھیڑ چلی جائے اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

غزل نمبر ۱۰

دل سے تری نگاہ جگرتک اتر گئی
دونوں کو اک اداسی رضا مند کر گئی

شوق ہو گیا ہے سیدتہ خوشالذت فراغ
 وہ بادہ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
 اُٹھٹھے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی
 باسے اب لے ہوا ہوس بال و پر گئی
 موج خوام یار بھی کیا گل کتب گئی
 اب آہروٹے شیوہ اہل نظر گئی
 مستی سے ہر نگہ تے رخ پر بکھر گئی
 کل تم گئے ہم پہ قیامت گند گئی
 فرادوی کا تفرہ یک بار مٹ گیا
 مارا زمانہ نے اسد اللہ خاں تمہیں
 وہ دلوں سے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

غزل نمبر ۱۱

کوئی دن گر زندگانی اور ہے
 اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
 آتش موزن میں یہ گرمی کہاں
 سوز غم مائے نہانی اور ہے
 بار ما دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں
 پر کچھ اب کی سرگرائی اور ہے
 دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ برد
 کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے
 قاطع احمد سار ہیں اکثر نجوم
 وہ بلائے آسمانی اور ہے
 ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
 ایک مرگ ناگمانی اور ہے

غزل نمبر ۱۲

جوش قدح سے نرم چراغاں کئے ہوئے
 عرصہ بٹوا ہے دعوت شرکاں کئے ہوئے
 بریسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے
 مدت ہوئی ہے سیر چراغاں کئے ہوئے
 سامان صد ہزار نمکدال کئے ہوئے
 سازِ جن طسرازی اماں کئے ہوئے
 نظارہ و خیال کا سماں کئے ہوئے
 پندار کا عنق کدہ دیوان کئے ہوئے
 عرض تمنا معقل دلِ مہاں کئے ہوئے
 صد گلستان نگاہ کا سماں کئے ہوئے
 جان نذر دلِ فریبی عنوان کئے ہوئے
 زلف سیاہ رخ پہ پویشیاں کئے ہوئے
 سرمہ سے تیز و شہنہ مرگاں کئے ہوئے
 چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے
 سز زہرِ باہرنت درباں کئے ہوئے
 بیٹھے ہیں تقویرِ جاناں کئے ہوئے
 بیٹھے ہیں ہم تہیہ طہِ فال کئے ہوئے

مدت ہوئی ہے پار کو سماں کئے ہوئے
 کہتا ہوں جمع پھر جگر نخت نخت کو
 پھر وضع احتیاط سے لگائے ہم
 پھر گرم نالہائے شریار ہے نفس
 پھر پرستش جراتِ دل کو چلا عشق
 پھر پھر رہا ہے غامہ شرکاں بخونِ دل
 باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر نقیب
 دلِ پھر طواف کوئے سلامت کو جائے ہر
 پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
 دھڑے ہے پھر ایک گل لالہ پر خیال
 پھر پائتا ہوں نامہ سردار کھولنا
 مانگے ہے پھر کسی کو لبِ ہام پر ہوس
 چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
 اک نو بہار ناز لڑائے ہے پھر نگاہ
 پھر جی رہا ہے کد پر کسی کے پٹھے نہیں
 جی دھونڈتا ہے پھر سی فرسکے رات دن
 غالب ہیں نہ چھیل کر پھر جوشِ اشک سے

فقیر کی دانست میں اگر کوئی شاعر اپنی تمام عمر میں صرف بارہ غزلیں ایسی جو
 بالاس رقم ہوئیں۔ تصنیف کرے تو اُسے صاحبِ دیوانِ عجم ہونے کی عاجزت
 نہیں ہے۔ یہ غزلیں اعلیٰ درجہ کی غزلِ سرائی سے خرد پتی ہیں۔ علاوہ ان کے اور بھی
 غزلیں دیوانِ غالب میں موجود ہیں۔ جو استحاب کا حکم رکھتی ہیں یہ بارہ غزلیں تو
 صرف نمونہ کے طور پر مندرج کی گئی ہیں بہر حال یہ بارہ غزلیں اہلِ انصاف کو رائے
 قائم کرنے کے واسطے کافی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُستادِ غالب اُردو میں بڑے
 غزلِ سرا گذر سے ہیں۔ یوں تو بے عیب ذاتِ خدا کی ہے مگر اس پر بھی اُن کی غزل
 سرائی معائبِ غزلِ سرائی سے بہت کچھ پاک ہے لاریب اُن کی غزلِ سرائی قریب
 قریب غزل کے تقاضوں کے موافق ہے اگر غالب اُردو یا میر تک اس صنف
 شاعری میں نہیں پہنچتے ہیں تو ان دونوں استادوں کے بعد اُنھیں کا درجہ ہے واقعی
 باسٹنا سہ خواجہ و میر کسی کی غزلِ سرائی ایسی نہیں دیکھی جاتی ہے جو دل کو ہلا
 دے یوں تو پرتائیری سے اُستادوں کا کلام خالی نہیں ہوتا۔ اس جگہ فقیر اپنی ذاتی
 کیفیتِ ولی کو عرض کر رہا ہے نہیں معلوم کہ اس عاجز کا قول کلید کا حکم رکھتا ہے
 یا نہیں مگر اکثر کیفیتیں جو اسحق پر غالب کے شعروں سے گزری ہیں ان سے اپنی
 رائے وہی قائم ہوا کی ہے جسے تجربہ شخصی کے طور پر اس ہیچمدان نے بالاس عرض کیا
 خواجہ میر درد اور میر تقی میر کے کلاموں کی پرتائیری سے تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا مگر
 غالب کی نسبت بھی فقیر کا یہی عقیدہ ہے کہ ان کے کلام کی تاثیر عجب ڈھنگ رکھتی
 ہے راقم بہت ایسی صحبتوں میں شریک رہا ہے۔ جہاں بہت اُستادوں کے کلام
 پڑھے گئے ہیں مگر غالب کے کلام نے رنگِ جلسہ کو بدل دیا ہے ایک بار کی سرگزشت

ہے کہ بندہ میرٹھ شکار کی نظر سے ایک صحرا میں خمیرہ زن تھا کچھ ارباب مذاق جو مدعو
تھے شام کے بعد شعر خوانی فرمانے لگے بہت سے استاذوں کے کلام پڑھے گئے
اور سب حضرات تلمذ و روحی اٹھانے لگے۔ آخر ایک طبیعت و ارجوان رحمانے یہ
مقطع غالب کا پڑھا۔

زندگی اپنی جو اس شکل سے گذری غالب ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے
یہ شعر غیر محروم نہ تھا مگر اُس سے کچھ عجیب کیفیت قلبی پیدا ہوئی اُس
وقت سے تا سحر اِس دل گرفتہ کو سخت بے قراری لاحق رہی فیر کے دل سے اُس
دن کی نماز صبح کا مزہ نہیں جاتا۔ کاش ایسی صبح دولت خیز ہر روز تصدیب ہوتی دہی
جس کلام میں تاثیر نہ ہو تو وہ کلام گوہرِ صنائعِ بدائع سے بھرا ہوا ہو۔ قابلِ نفرت ہے اسی
طرح ایک بار شب کو ایک دوست خواجہ میر درد کے یہ دو شعر پڑھے۔

یہی پیغام درد کا کہنا جب صبا کوئے یار میں گزرے
کون سی رات آن سیلئے گا دن بہت انتظار میں گزرے

مالککہ ان شعروں سے بھی عاجز کو سابق سے واقفیت حاصل تھی۔ مگر دل کا یہ عالم
ہو گا کہ خدا یا میری پناہ۔ وہ رات تو بڑی گذری مگر ایک ہفتہ تک وحشت کی کیفیت
قائم رہی میر صاحب کے نشروں کی کیفیتوں کو بیان کرنا فضول ہے۔ کون شخص
ایسا ہے کہ جہول رکھتا ہے اور اُن کا زخم خوردہ نہیں ہے لہٰذا غزل سرائی ایک
ایسی شے ہے کہ جس کو محض دل سے تعلق ہے اور ناظر ایسی غالب کی غزل سرائی
نظر آتی ہے اُس سے اُنکا ایک بامراد غزل سرائی بت ہونا بعید از انصاف نہیں
ہے۔

حضرت غالب کے کچھ وہ اشعار جن سے لطف غزلیت نہیں اٹکتا، نمونہ

کے طرز پر ذیل میں عرض کیے جاتے ہیں۔ مگر ایسے اشعار بہت نہیں ہیں :

شمار سحر مغرب بت مشکل پسند آیا	تماشا ئے بیک گفت برون عدول پسند آیا
یفیض بیدلی نو میدی جاوید آسان ہے	کشاکش کو سپہ را عقدہ مشکل پسند آیا
ہولے سیر گل آئینہ مجھے مہری نائل	کہ انداز بخون غلطیدن بسمل پسند آیا
پئے نذر کم تحف ہے شرم نارسائی کا	بخون غلطیہ صدرنگ دعوی پارسائی کا
نہ چون تماشا دوست رسوا بے وفائی کا	بہر صدر نظر ثابت ہے دعوی پارسائی کا

ظاہر ہے کہ ان اشعار میں غزلیت کا کوئی مزہ نہیں ہے، ان سے پرتائیری کی کیا امید کی جاتی ہے اگر ایسے ایسے اشعار خارج از دیوان کر بیٹے جائیں تو سووا غائدہ کے کوئی نقصان متصور نہیں ہے :

ناتسخ | **ناتسخ**۔ شیخ امام نجف ناتسخ، زبان اردو کے مصلح گزشتے ہیں اس اعتبار سے ان کا یہ تخلص نہایت حسب حال ہے۔ شیخ نے اردو کو خواہش تراش کر

ایسا درست کر دیا کہ اب اس کی لطافت اور صفائی فارسی سے کچھ کم نہیں معلوم ہوتی ہے۔ ذوق نے صرف مضمون آوری کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھی اور ملاح زبان پر مطلق مائل نہ ہوئے، مومن کو بھی اس جانب کچھ میلان نہ ہوا۔ غالب نے تو فارسی کی اس قدر آمیزش کر دی کہ اردو پر زبان فارسی کا شبہ ہونے لگا، حضرت نے فارسی الفاظ کا فارسی ٹھیکوں کو اس طرح بانڈھا کہ اردو فارسی نما ہو گئی۔ اس کے برخلاف شیخ نے گو ان الفاظ فارسی سے اجتناب نہ کیا مگر تہ کیسب ایسی ملاحظہ رکھی کہ اردو اردو رہ گئی، بلکہ اگر کسی فارسی جملہ کو بھی اپنے کلام میں جگہ دی تو فارسی کو اردو کر کے دکھا دیا۔ مثلاً شیخ

فرماتے ہیں

سوال میں پہلے پیر و تیر سے ابرو کا اشارہ ہے برات عاشقانِ شاخ آبرو کا
 لاریب بن ابرو شیخ کی کوششوں کی تمام ترجموں ہے، اگر جناب شیخ کو اصلاح
 زبان کی طرف توجہ نہ ہوتی تو زبان حال کی صورت پیدا نہ ہوتی۔ بہر حال اب دیکھنا چاہیے
 کہ شیخ کی طباعی سے غزل سرائی کو کس نذر ناندہ پہنچا۔ اہل واقفیت سے پوچھنا
 نہیں ہے کہ شیخ کی شاعری کی شہرت مجرد غزل سرائی کی بنیاد پر ہے کس واسطے کہ
 اور صفات شاعری میں شیخ کی کوئی تصنیف ممتاز شکل نظر نہیں آتی ہے، پس شیخ
 کی غزل سرائی ہی اصناف شاعری سے ہے۔ جس کی نسبت رائے ذلی کی حاجت ہے،
 واضح ہو کہ شیخ کے ہر دو دیوان کے معاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بہ کثرت اپنی غزل
 سرائی میں شاعری کا خارجی پہلو برتا کیے ہیں یعنی ایسے مضامین کو بانڈھا کیے ہیں جن کو
 عالمِ خلق سے تعلق ہے۔ اسی وجہ سے شیخ کا رنگ درد۔ تیر۔ موتن اور غالب سے
 نامتر علیحدہ ہے شیخ کی غزل سرائی ذوق کے رنگ سے بھی مطابقت نہیں رکھتی
 ہے اس لئے کہ ذوق بیشتر داخلی اور خارجی شاعری کی آمیزش کے ساتھ غزل سرائی کہتے
 تھے۔ اُن کا رنگ غالب خارجی تھا۔ شیخ کی غزل سرائی تو ایسے دکھائی دیتی ہے کہ سو
 شعر میں کہیں ایک شعر داخلی رنگ رکھتا ہے اور باقی اشعار پورے طور پر خارجی پہلو رکھتے
 ہیں یعنی باقی اشعار کے مضامین اشیائے موجودہ فی الحاح سے کہ عبارت عالم مادی
 سے ہے تعلق رکھتے ہیں اور وارداتِ قلبیہ اور امور ذہنیہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتے اس
 میں شک نہیں کہ خارجی پہلو کے خستہ یار کرنے سے شیخ کو شاعری کا ایک ایسا میدان
 وسیع ملتا تھا گیا جس میں غزل سرائی کی حیثیت سے درد۔ تیر۔ موتن اور غالب نے

کبھی قدم نہیں رکھا تھا۔ پس شیخ کے سے بلند فکر، عالی دماغ شاعر نے جو ایسے میدان
 میں قدم رکھا تو غزل سرائی کا دائرہ تنگ بہت وسیع ہو گیا۔ چنانچہ وہ خیالات
 شیخ کی بدلت بڑی کثرت کے ساتھ احاطہ غزل سرائی میں داخل ہو گئے جو حقیقت
 احاطہ غزل سے باہر ہیں یعنی شیخ نے ان خیالات کو بروستی کے ساتھ احاطہ غزل سرائی
 میں داخل کر دیا۔ جو قصیدہ و قطعہ وغیرہ کے لئے مخصوص ہیں لیکن اس نور آزمائی کا
 نتیجہ یہ ہوا کہ واردات و جذبات قلبیہ اور دیگر امور ذہنیہ کے مضامین سے شیخ کی
 غزلیں متحرک ہو گئیں اور غزل سرائی کا مطلب فوت ہو کر ایک ایسی قسم کی شاعری ایجاد ہو
 گئی جس پر نہ قصیدہ گوئی اور نہ غزل سرائی دو میں سے کوئی تعریف صادق نہیں آتی
 ہے وہی بہت خوب ہونا اگر شیخ اپنی حیرت انگیز قوت شاعری کو اور کسی صفت شاعری
 میں صرف فرماتے اور غزل سرائی کے حسبِ رُو کو دو۔ تیر۔ موئن اور غالب کی حدود
 بندی پر قائم رہتے دیتے۔ بخیاں راقم غزل سرائی کا احاطہ وسعت پذیر ہونے کی صلاحیت
 ہی نہیں رکھتا ہے اس واسطے کہ اس صفت شاعری میں خارجی مضامین داخل نہیں کیئے جا
 سکتے۔ ایسے مضامین کے داخل ہونے سے غزلیت جاتی رہتی ہے کبھی خارجی مضامین
 سے حافظ یا تیر کی غزل سرائی کا لطف پہنچ نہیں ہو سکتا۔ خارجی پہلو کے اختیار کرنے
 سے ضرور ہے کہ کلام میں مہائب یا ناسخ کا رنگ آجائے۔ جو غزل سرائی کے اعتبار
 سے مرغوب و محبوب نہیں ہے یہی سبب ہے کہ اکثر با مذاق حضرات مہائب اور ناسخ
 کی غزل سرائی کو بے لذت کہتے ہیں اور کھلے کھلے طور پر کہ جاتے ہیں کہ ان دونوں کے
 کلام سبٹھے ہیں اور امر حق بھی یہی ہے کہ جب واردات و جذبات قلبیہ کے مضامین بانجھے
 نہ جائیں گے تو کلام میں ضرور بے شمس محسوس ہو گا اور یہ امر تین طور پر لقا صنائے غزل گوئی

کے محض خلاف ہے، ہر کیفیت شاعری کے اعتبار سے لاریب شیخ بڑے طبع اور
 خلاق سخن تھے۔ اُن کی نازک خیالی اور لطیف پروازی نادر انداز رکھتی ہے۔ کلام میں بلاغت
 فصاحت کے ساتھ شیر و شکر مہر دی ہے۔ دونوں دیوان جو اہر مضامین کے معدن ہیں
 علاوہ اُن غزلیوں کے اُن کے کلام پر از منان و جلالت، شوکت، جہت تہذیب و
 ذفا نظر آتے ہیں۔ شیخ علی اہم غزلیں سیر لکھتے ہیں۔ دستور و شمار مضامین کو اسانی کے
 ساتھ بانڈھ جاتے ہیں ان کے لفظوں کی نشست عقد مرورید کا حکم رکھتی ہے مگر ان وصفوں
 کے ساتھ تشبیہ کو اسی افراط کے ساتھ کلام میں خل دیتے ہیں جیسا کہ غالب کی غزلوں
 میں استعارہ کی کثرت دیکھی جاتی ہے۔ ناسخ کی تشبیہیں انثریند خیالی کی داد دیتی ہیں
 اس پر بھی کبھی کبھی چھٹی کا انداز پیدا کرتی ہیں اول تو کثرت تشبیہ سے اعلیٰ درجہ کی غزل
 سرائی مستغنی ہے۔ پھر جب تشبیہ پھینکی کی پستی کو پہنچ جاتی ہے تو اُس سے اغراض
 غزل سرائی میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی اسی طرح مبالغہ پروازی کی طرف بھی میلان شیخ
 پایا جاتا ہے اور جب مبالغہ پروازی درجہ امت دال سے تجاوز کر جاتی ہے تو شیخ
 سے فطرت کی راہ چھوٹ جاتی ہے اس وضع کے معائب غزل سرائی کے ساتھ شیخ
 ناسخ بلا گفتگو اُستاد اُستاد زمانے جانے کا استحقاق رکھتے ہیں، حضرت کے ایک
 بڑے نامور شاعر ہونے میں کسی صاحب عقل و تیز گو گفتگو نہیں ہو سکتی۔ شیخ کی ذات
 پر لکھنؤ بلکہ تمام ہندوستان کا فخر و مبالغت کرنا بجا ہے اور اہل فن جو کچھ اُس بجائے دوزگار
 کو عزت و توفیق کے ساتھ یاد فرمائیں درست ہے۔ ذیل میں ایک غزل شیخ کی نمونہ کے
 طور پر درج کی جاتی ہے :

غزل ناسخ

سبزہ خط گوہ سے گالوں پر نمایاں ہو گیا
 آگیا مجھ کو جس نے لہٹ پریشاں کا خیال
 تنگی محفل کی دولت بھڑکے بیٹھا مجھے یار
 مرنے لگاتے ہی نئے قلیاں بنی ہے تے شکر
 ہو کے تم تسلیم کرتے ہی کیا مجھ کو شہید
 خود بخود ہوتا ہے پینے لگتے ہی فصل بہا
 اس قدر مضمون تے دست حنائی کے لکھے
 چاند چھپتا ہے جو دون ہوتی ہے مشتاق خلق
 بعد مردن بھی ہے باقی مجھے خوش چشم کو مسد
 پاؤں بھی ایسے جنوں کے دیکھے کانٹوں کے نذر
 ہو گیا وہ مصر ہے جس شہر میں تصویر یار
 ہم وہ جنوں ہیں کہ جو نور شہید و آیا نظر
 مشتعل ایسے ہیں اس کے دست نازک خود بخود
 سراٹھا کر جو چلا اس وقت ہشت خمیر ہیں
 شمعیں کا فوری جلاتے تھے سونٹکی گود پر
 کوئی دم پیری بھی اپنی ہے لبان مجھوم
 کیوں ملاطین زمانہ آگے ہیں یاد پھر

یا سمن زار صبا حرت سنبلستاں ہو گیا
 دم میں مجموعہ عناصر کا پریشاں ہو گیا
 رات اہل ہنرم کی کثرت کا احساس ہو گیا
 دو دست بالونسیم باغ رضواں ہو گیا
 قدر ترا طالم کسان تیر مڑنگاں ہو گیا
 یاں گزریاں لے جنوں گل کا گریباں ہو گیا
 جو قلمدان میں رقم تھا شادخ سرعیاں ہو گیا
 ہو گئی قدر اس کی جو نظروں سے پنہاں ہو گیا
 سبزہ تربت چر اگاہ غزالاں ہو گیا
 سر تو مدت سے تیار ننگ طفلان ہو گیا
 جس کفوئیں کو ہنس بھانسا چاہ کنعاں ہو گیا
 صبح سان اپنا دہن چاک گزریاں ہو گیا
 طاؤر ننگ حنا بھی مرغ بریاں ہو گیا
 پار تووں سے ہیں فار مغیباں ہو گیا
 دیدہ غول بیابان سے چر اغاں ہو گیا
 مثل شب عمد شباب نکھوڑے پنہاں ہو گیا
 نتختہ بالوت جب نتخت سلیمان ہو گیا

ہر سخن کہتے ہیں غزل کا غل کہتی ہے خلق
سرسکشی کرتے ہیں مجھے جو کہ ہیں پامال خلق
چاک کیا بیخ قیامت کا گریباں ہو گیا
شیر قایلین بھی مجھے شیر نیستان ہو گیا
جوش تاروں کا ہوا نور شد نہ پیمان ہو گیا

رشک جہاں ہے ناسخ بخت بکسل پر مجھے

جب کھلا غنچہ مرا لکڑے گریباں ہو گیا

اہل دانش پر بویا ہے کہ غزل بالائے تمام اشعارِ خراجی پہلو کے ہیں۔ ایک شعر بھی غزلی
رنگ نہیں رکھتا ہے۔ پس جس غزل میں داخلی رنگ کا فقدان ہو تو اس میں واردات
جنباتِ تقلید کے مضامین موجود نہیں رہ سکتے۔ اسی طرح شیخ کی اکثر غزلیں تمام تر خراجی
رنگ کھنٹی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ شیخ کی کوئی غزل نظر سے نہ گزری جو دردِ تیر-موت
یا غائب کے داخلی رنگ میں لکھی گئی ہو یہی سبب ہے کہ وہ حضرات جو غزلِ سرائی کے تقاضوں
سے واقفیت رکھتے ہیں شیخ کی غزلِ سرائی کو پسند نہیں فرماتے اور نہ شاعری کے اعتبار
سے شیخ کی شاعری بڑی غلامی سخن نازک خیالی اور بلند پروازی سے خیر دیتی ہے۔ اور حقیقت
شیخ کی شاعری ایسی ہی رفیع و عظیم ہے کہ ہر قدر شناس سخن اس کو بڑی عظمت کی نگاہ
سے دیکھتا ہے۔ فقیر کو اکثر یہ حسرت ہوتی ہے کہ کاش شیخ کی قابلیتِ شاعری اور کسی
صنفِ شاعری میں صرف نہ ہوتی ہوتی۔ جیسے اس کی کوئی صاحبِ ذہنی نمونہ کسی طرز پر دو
غزلیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ ان میں ایک شیخ کی ہے اور دوسری غالب کی۔ ان
دونوں کے معائنہ اور موازنہ سے ظاہر ہو گا کہ کس کا رنگ خار جی اور کس کا داخلی

غزل ناسخ

ششدر سارہ گیا ہوں دیوار دیکھ کر
 ایک برہمن کے عشق میں ہے آسوی کا تار
 کیفیتیں جو تم میں ہیں زمرزم میں وہ کہاں
 کیا اٹک سادہ موسم گل میں بھاؤں میں
 سوکھا ہوں غم سے مثل عصائے کلیم میں
 زنجیر زلف یار کی تاثیر دیکھنا
 پھینکا ہے در تیر کو قصہ سے یار نے
 زلفیں نظر جو آئیں تو انھیں ہے نزع کی
 پریاں تمام تخت سلیمان کو بھول جائیں
 زنجیر سجے سینل پریاں کو جہر میں

دیوار بن گیا ہوں میں دیوار دیکھ کر
 سنجہ نکالی ہم نے بھی زنا دیکھ کر
 بھولا ہے کعبہ خانہ خسار دیکھ کر
 روؤں لہوہ پھول سے خسار دیکھ کر
 وہ از دمانے گیسوئے خمدار دیکھ کر
 دیوانے روز ہوتے میں و چار دیکھ کر
 خسار کی طرف لب سو فار دیکھ کر
 جیتے سے تنگ ہوں بن یار دیکھ کر
 لے جان جان ترا یہ ہوا دار دیکھ کر
 وحشت زیادہ ہو گئی گلزار دیکھ کر

ناسخ ہو جائے مہر سیاہی حروف کی

روشن ہوں آنکھیں نام نہ ولدار دیکھ کر

غزل غالب

کیوں مل گیا کتاب رُخ یار دیکھ کر
 آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے
 جلتا ہوں ایسی طاقت دیدار دیکھ کر
 سرگرم ناہائے شرور بار دیکھ کر
 رکتا ہوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر
 کیا بارو سے عشق یہاں عام ہو جفا

آتے سے میرے قتل کو پرچہ نثر شاک سے
 ثابت ہوا ہے گردن مینا پر خون حلق
 و احسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
 یک باتے میں ہم آپ متاع سخن کیسا تھ
 زنا را بندھ سبجہ ضد دانہ توڑ ڈال
 ان آبلوں سے پانوں کے گھیرا گیا تھا میں
 گرنی تھی ہم پر برق تجھ سی نہ طور پر

سر چھوڑا وہ غالب شہیدہ حال کا
 یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

ارباب رائے دونوں استادوں کے کلاسوں کو موازنہ فرمائیں۔ تجویز نظر ہو جائے
 کہ غزل سرائی کے لئے دائمی شاعری کی کس قدر حاجت ہے۔ فیقہ کی دانست میں خارجی
 شاعری سے غزل سرائی کے اغراض کا پورا ہونا ناممکنات سے ہے حضرت سنا سنا
 حضرت غالب سے قابلیت شاعری میں کبھی کم نہیں ہیں۔ مگر خارجی پہلو برتنے کے
 باعث ان کی غزل غزلیت کا مزہ نہیں دیتی ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ خارجی رنگ کی غزل
 سرائی واصلی رنگ کی سرائی کی پرتائیری کا لطف دکھائے۔ مثلاً اراقم دو غزلیں اور جی درج
 ہذا کرتا ہے ان میں ایک استاد ذوق کی اور دوسری غالب کی۔ غزل سرائی میں دائمی رنگ
 کو خارجی رنگ پر کیا غلبہ ہوا کرتا ہے وقت موازنہ اہل انصاف پر روشن ہو جائے گا

غزل ذوق

نہ دے شراب ڈبو کر کوئی کباب تو دے
 اور آگ میں یوں جی نیسا ہے گر عذاب تو دے
 کہ سر پر چرخ بھی کھلائی بول جباب تو دے
 ذرا دکھا اسے تو چشم نیم خواب تو دے
 جو لذت ہے ہیں ہے ایسا نہ شراب تو دے
 کہو تو اس سے ہلا دامن سحاب تو دے
 کہ ایسا نقطہ کوئی وقت اتخاب تو دے
 و عا سے خیر ذرا ہونے مستجاب تو دے
 کہ بعد مرگ بھی معلوم تیج و تاب تو دے
 ذرا ٹھہرنے تیرینہ اضطراب تو دے
 تسلی آکے مجھے وقت اضطراب تو دے
 ہوا نہ یہ بھی کہ بوسہ سر کا ب تو دے
 جو تجھ کو دینے ہوں بوسہ بلا حساب تو دے
 دل شہید تو چپ کیوں کچھ جواب تو دے
 کسی کو بھرنے فرما کا سہ شراب تو دے
 بجھا پران کی ذرا آتش عتاب تو دے
 پڑے تو واقعی ایک بار اُٹ داب تو دے

کہاں نلک کہوں ساتی کہ لا شراب تو دے
 بجھا آگریہ ہے گر سوز دل کو آب تو دے
 الہی چشم کے چشمہ کو اتنا آب تو دے
 کھلے ہے ناز سے گلشن میں غنچہ زرگس
 دل پرشتہ کو میسے نہ چھوڑ لے میخوار
 کہاں گجی ہے تر خاک میری آتش دل
 تھارے مطلع ابرو پہ حال کہتا ہے
 درتبول ہے در بان نیند کر در بار
 صبا بگولہ بنے کشتگان زلف کی خاک
 شہید کرتا ہے قائل تو پھر ہے جلدی کیا
 بلا سے آپ نہ آئیں پر آدمی اُن کا
 شکار بے تر فراک کو تر سے مقلد
 نشہ میں ہوش کسے جو گنے حساب کسے
 زبان خنجر قائل نے کیا کہا تجھ سے
 ہمارا آنکھ سے ہمیشہ ہو گا کیا دریا
 بلا سے کم نہ گریہ سے میرا سوز جگر
 خاک دلوں کی لگڑ مشیت خاک درخ میں

کر کیا قتل وہ اسے ذوق تجھ کو سُورہ سے
نگہ کی تیغ کو ہونے سیاہ تاب توڑے
پہنچ دیوں گا سر منزل فنا سے ذوق
مثالی نقش قدم کرنے پا تراب توڑے

غزل غالب

وہ اکے خواب میں تسکین اضطراب توڑے
وہ مجھے پیشِ دل مجالِ خواب توڑے
کرے ہے قتل لگاؤ میں ترا رو دینا
تسوی طرح کوئی تیغ نگہ کو آپ توڑے
دکھاکے جنبش لب ہی تمام کہہ ہم کو
نہ دے جو بوسہ تو نہ دے سے کس جواب توڑے
پلائے اوک سے تھی جو ہم سے لفر سے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب توڑے
استغرضی سے مرے ماتھے پاؤں پھول گئے
کہا جو اُس نے ذرا میرے پاؤں داب توڑے

اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ استاد ذوق کی غزل کس قدر طولانی ہے مگر چونکہ از
مطلع تا مقطع خارجی رنگ رکھتی ہے کسی طرح کا حسب مراد اثر دل پر پیدا نہیں
کرتی۔ بر خلاف اس کے غالب کی غزل ہے کہ نہایت ہی مختصر ہے مگر واقعی رنگ
رکھنے کے باعث کس قدر پُر اثر ہے یہی سے ثابت ہوتا ہے کہ غزل سرائی
میں شاعر کو داخلی پہلو بستنے کی کس قدر حاجت ہے۔ یہ داخلی پہلو ہر تے غزلیت کا
لطف پیدا نہیں ہو سکتا۔ استادنا شیخ نے غزل سرائی میں خارجی پہلو کو اختصار
کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی غزلوں میں دلچسپی کی کیفیت پیدا نہیں ہو سکی، لیکن کہیں
کہیں اشعار داخلی رنگ کے شیخ کی غزلوں پر جو نظر آتے ہیں تو ان سے طبیعت

کو حفظ اٹھتا ہے۔ ایسے اشعار بہت نہیں ہیں۔ بہر حال کچھ ایسے اشعار ذیل نذر ناظرین ہوتے ہیں :

اشعارِ ماسخ

سب ہمارے لئے زنجیر لئے پھرتے ہیں
 کون تھا صید و نادر اگر اب تک صیاد
 تیزی صورت سے نہیں ٹٹی کسی کی صورت
 دل میں پوشیدہ بت عشق تیاں رکھتے ہیں "

ہم سز لطف گرہ گیر لئے پھرتے ہیں
 بال و پیر اس کے ترسے تیر لئے پھرتے ہیں
 ہم جمال میں تری تصویر لئے پھرتے ہیں
 آگ ہم سنگ کے مانند نہاں رکھتے ہیں
 کہنے کو شمع کے مانند زباں رکھتے ہیں
 ہم فقط تجھ پر فدا کرنے کو جاہاں رکھتے ہیں
 تیر رکھتے ہیں پر پروہ نہ کہاں رکھتے ہیں
 یہ عجب گل ہیں کہ ناماں ترزاں رکھتے ہیں
 نہ مکر رکھتے ہیں کافر نہ دہاں رکھتے ہیں
 گو نہیں حکم رواں طبع رواں رکھتے ہیں
 ہمیں رکاب میں اوٹھسو اور لیتا جا
 انہیں کے لگے جا دو گیسے جا دو گیسے
 مگر لے آہ تجھ سے خشت کا نسو ہونے سکتا
 عجب بہمار سچان زونہ زونہ پھولوں کی
 حضرات سخن دان پر روشن ہے کہ اشعار بالا کسی قدر آہلی رنگ رکھتے

ہم جہاں میں کبھی بات نہ نکلی منہ سے
 مثل پروانہ نہیں کچھ زرواں اپنے پاس
 طائر روح کو کر دیتے ہیں کینہ مگر بسمل
 ہو گیا نہ دہڑی جب کہ حسینوں پر نظر
 بھاگتی کون سی وہ بات تلوں کی ورنہ
 عوض ملک جہاں ملک سخن ہے ماسخ
 اڑکے ساتھ پرشت خبار لیتا جا
 مقابل اپنی آنکھوں کے لہو ہو نہیں سکتا
 لہو سے بدن کا کر دینے خشک فرقت نے
 جھول پسند مجھے چھانوسہ بولوں کی

جس کے باعث فی الجملہ ان میں دلچسپی پائی جاتی ہے مگر ان میں بہت اعلیٰ درجہ کے
 وارداتِ تقلید کے مضامین نہیں ہیں۔ درود یا تیر کے انداز کلام تک نہیں پہنچتے ہیں
 آخر میں شیخ کی غزل سرائی کی نسبت قابلِ لحاظ ایک اور بات بھی گزارش کی جاتی
 ہے کہ علاوہ فصاحت و بلاغت کے شیخ کا کلام پر از تمدنیب دیکھا جاتا ہے کوئی
 شعر ایسا نہیں پایا جاتا ہے جس سے کچھ بھی کوچہ گردی کی بونگلتی ہو۔ شیخ کبھی فسق و
 فجور کے مضامین نہیں بانڈھتے کوئی مضمون مشقِ ایسا حالہ قلم نہیں فرماتے جو محض
 حسنینانِ بازاری سے تعلق رکھتا ہو۔ ظاہر ہے کہ حسنینانِ بازاری زنیار ہیں
 قابلِ نہیں ہیں کہ عشق ایسے پاک امر کے ساتھ یاد کیے جائیں کوئی صافی طینت
 اور پاک فطرت آدمی کسی حسین بازاری کے ساتھ تعلق عشق نہیں رکھ سکتا ہے
 پس شیخ کا اجتساب ایسے مضامین کی بندش سے جو تقدسِ انور پاکبازی کے خلاف
 ہوں بہت کچھ قابلِ احترام ہے اس جگہ ایک مطلع حضرت کا عرض کیا جاتا ہے۔
 جس میں ایک بڑی تعلیم ملحوظ رہی ہے، خاص کر حضراتِ انور ان کو اے گوشِ دل
 سے سنا چاہیئے۔

اہلِ حرفہ جو میں بست اُن کا خریدار نہ ہو
 جوشِ سودا کبیں اے دل سر بازار نہ ہو
 واقعہ اس شعر میں بڑی قومی صلاح و نظر رہی ہے یہ ان اقسامِ اشعار سے
 ہے۔ ہدیہ اتنا مفید معاشرت میں ہے۔

خواجہ چیدر علی آتش۔ شیخِ ناسخ کے ہم عصر تھے مگر چند سال
 تک شیخ کے بعد زندہ رہے لکھنؤ میں آتش بھی ناسخ کی طرح
 شاعرستان اٹھ جاتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ لکھنؤ کی غزل سرائی دونوں

آتش

شاعران گرامی کے جہتادات کی مضمون ہے شیخ اور خواجہ کے وقت سے جتنے
 ممتاز غزل سر لکھنؤ میں گزرتے ہیں۔ یا انشاء اللہ اس وقت موجود ہیں انہیں دونوں
 استادوں کی پیروی کرنیوالے نظر آتے ہیں دونوں استادوں کے بڑے بڑے نامی
 گرامی شاگرد گزرتے ہیں۔ جن کے دوادین چاپ ہو کر مختلف دیار میں شائع ہوئے
 گئے ہیں خواجہ اور شیخ میں شاعرانہ مقابلہ ہوا کرتا تھا اور بڑے بڑے مشاعرے
 ان دونوں بزرگوں کے دم سے قائم ہوتے تھے۔ شہرت شاعری میں خواجہ شیخ
 سے کم نہیں ہیں۔ چنانچہ شیخ کے نام کے ساتھ خواجہ کا نام بھی آج تک لکھنؤ علاقے
 پر جاری ہے خواجہ کے دونوں دیوانوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت
 بھی شیخ کی طرح اکثر غزل سرائی میں شاعری کا خارجی پہلو برتتے تھے، یہ وہی رنگ
 ہے جس کے پابند جمیع متغزلین لکھنؤ نظر آتے ہیں دہلی اور لکھنؤ کی غزل سرائی کا
 فرق یہی ہے کہ استادان دہلی بیشتر غزل سرائی میں داخلی پہلو کو ملحوظ رکھتے ہیں اور
 استادان لکھنؤ اس کے برخلاف کار بند ہوتے ہیں یہی ایک امر ایسا ہے جس نے
 ان دونوں جگہوں کی غزل سرائی کو دو شے بنا رکھا ہے، جاننا چاہئے کہ اس امر کی نوعیت
 پر سن فہمی کا مدار ہے۔ بلے اس امر کی دانست کے نہ ان دونوں جگہوں کی غزل سرائی کا
 فرق سمجھ میں آسکتا ہے اور نہ کسی غزل گو کے حسن و قبح کلام سے خبر ہو سکتی ہے
 دہلی میں ایک غزل خواجہ صاحب کی درج کی جاتی ہے جس سے خواجہ صاحب کا
 مذاق غزل سرائی ظاہر ہوگا۔ اسی زمین میں ایک غزل غالب کی بھی ہے جو پہلے
 نذر ناظرین ہو چکی ہے وقت مقابلہ اہل بنیش پر روشن ہو جائے گا کہ خواجہ کی غزل
 خارجی پہلو اور غالب کی غزل داخلی پہلو کھتی ہے +

غزل آتش

شکرانہ نکھیر تھاری آفت جالی ہو گئیں
 امیر جہانکے نسیم نو بہ ساری کی طرح
 سے عباد اس سچ، تیز اور مجھ جنوں کا نام تھا
 منہ بہ منہ لگا رخسارہ زریبا سٹھے یار
 ندی ماتھو نہیں ملی تو نے جو اسے ویسے حن
 تی سے نیرہ مزرگان بنا یا لاسٹھے یار
 اندل میں قصہ خوش جہانوں کا رہا
 دیر گدی میں کھائی تیغ قاتل سٹھے بہار
 یز عاشق سے دیکھا جس نے دیوانہ ہوا
 سے مراد دل سے کوچ میں کھینتی ہی قدم

یہ کھلا آتش عناصر سے ہے دل دیوانہ کو

چار دیواریں کھٹی ہو سکے زنداں ہو گئیں

دونوں غزلوں کے موازیہ سے ظاہر ہو گا کہ غزل سرائی کے بیٹے واپلی پہلو کی کس
 در حاجت ہے جناب آتش مرزا اسد اللہ خاں غالب سے قابلیت شاعری
 کی کمی کم نہ تھی مگر خارجی پہلو اختیار کرنے سے خواجہ کی غزل حسب مراد ناپید نہیں
 بدکار کی خیالی واقعہ خواجہ کی نسبت یہ ہے کہ اگر وہ دہلی وطن ہوتے تو تقاضا سٹھے
 ہی سے کن کی غزل سرائی بھی قریبہ غالب زیادہ واپلی رنگ کی ہوتی۔ پس ایسی

برجھیاں عاشق کشتی کر نیکو شکر گاہ ہو گئیں
 پھول کھل کھل کر گل لالہ کی کلیاں ہو گئیں
 اس پر پرو کی اگر زلفیں پریشاں ہو گئیں
 صورت آئینہ آنکھیں اپنی حیراں ہو گئیں
 انگلیاں رنگ جنا سٹھے رخ مہراں ہو گئیں
 وہ بھویرا ہی کچی سے تیغ عریاں ہو گئیں
 گاہ حوریں گاہ پر اپنی اپنی مہماں ہو گئیں
 بسماں سے شہر کی کلیاں گستاں ہو گئیں
 حسن سے پر پاں ملائے جان لساں ہو گئیں
 حسرتیں کچھ کہتیں گرد پریشاں ہو گئیں

صورت میں وہ یاد دہ دیر کے جواب ہوتے یا مومن اور غالب کے سہمسر باطن دوا سے بھی بہتر غزل سرا نکلتے۔ خواجہ کی فطری صلاحیت بڑے اعلیٰ درجہ کی معلوم ہوا ہے مگر چونکہ شیخ نامتخ اپنا رنگ جما چکے تھے خواجہ کو تقاضائے زمانہ سے بہت کچھ ملی رنگ کو اخست یا کرنا پڑا۔ ہزار افسوس کہ خواجہ کو داخلی پہلو کے اختیار کرنے کا موقع نہ ملا۔ ورنہ غزل سرائی کا تیر بہت اعلیٰ ہوا تاہم کیفیت اس خارجی رنگ کے ساتھ بھی خواجہ کے کلام میں ایسی بات ہے کہ شیخ تا شیخ کو باوجود بڑی طباعی اور خلافت سخن کے محال نہیں ہے۔ شیخ صاحب کے اکثر اشعار تشبیہ اور مبالغہ سے مملو ہیں اور اکثر اشعار کی ترکیب یہی ہوتی ہے کہ پہلے مصرع میں دعویٰ ہوتا ہے اور دوسرے میں دلیل خواجہ صاحب بھی ملکی مذاق کے تقاضے سے بیشتر ہی رنگ کے اشعار فرم گئے ہیں مگر طبیعت کی رنگینی شوخی اور برشتگی سے ان کے اشعار میں شیخ کے اعتبار سے کچھ غزلیت کا ایسا انداز پیدا ہو جاتا ہے جس سے دل کوئی بھلا غزل سرائی کی لذت نصیب ہو جاتی ہے لیکن شیخ کے رنگ سے علیحدہ ہو کر جریب حضرت خواجہ لطف طبیعت دکھاتے ہیں تو ان کی غزل سرائی احاطہ تعریف سے باہر جاتی ہے۔ دلیل میں ایک غزل درج ہذا کی جاتی ہے جو خواجہ کے اصلی رنگ طبیعت سے خردتی

غزل آتش

مثل تصویر نہالی میں ہوں یا پہلو سے دست
حسن مطلع ہے چین مطلع ہی صاف آہ دست
دوش سے نیچے نہیں اتنے کبھی گیسو سے دست

تار تار میں میں لیں ہی ہے بوئے دوست
چہر زنگیں کوئی دیوان رنگین ہے مگر
بجر کی شب ہو چکی روز قیامت سے راز

دُر کو دل کی کدورت محو ہو ویدار کا
 واہری نشانہ کی قسمت کس کو یہ معلوم غما
 رخ دل پر بغیر گلے تو غیرت جانئے
 و مرے گلے زخم کاری لئے حسرت ہزار
 ترس گل بستہ تھا اپنا خاک پر سوتے ہیرا ب
 دک کے اپنی بربادی کو رو دیتے ہیں ہم

اُس بلائے جاں سے آتش دیکھیے کو نہ کہ بنے
 دل سوا شیشے سے نازک ل سے نازک حصے دست

واقعی خواجہ صاحب جو داخلی رنگ اختیار فراتے ہیں تو غضب کی طبیعت داری
 دکھا جاتے ہیں درحقیقت یہ غزال ایسی ہے کہ اغراض غزل سرائی کو پورا کرنے والی ہے
 بحان اللہ! کیا کتنا ہے ایک غزل ہزار دیوان کا جواب ہے ظاہر ہے کہ اس غزل
 کے اکثر اشعار ارفع درجہ کے داروات قلبیہ سے تعلق رکھتے ہیں بلاشبہ خواجہ کا
 اصل رنگ یہی ہے اور وہی رنگ کی بدولت خواجہ کی شہرت تمام ان دیار
 میں ہے جہاں اردو بولی جاتی ہے حضرت خواجہ کی غزل سرائی پر نظر ڈالنے سے
 بہت سی خوبیاں بین طور پر عیاں ہوتی ہیں اول لطف زبان ایسا ہے کہ کس منہ سے
 نکلی اُس کی تعریف کرے۔ دوم۔ محاورہ بندی ایسی ہے کہ جواب نہیں رکھتی سوم
 اکثر اعلیٰ درجہ کے مضامین بندش پاتے ہیں چہارم مضامین شوخی اور باطنیوں سے
 غالی نہیں ہونے پنجم اکثر مضامین فقر و آرزو مزاجی سے خبر دیتے ہیں کیوں نہ ہو
 خواجہ آدمی بڑے فقیر طبیعت تھے مال و منال کی انھیں کوئی پروا نہ تھی نہایت

بے طبعی لاپرواہی اور ہیشمی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے چنانچہ اپنے حسبِ حال فرماتے ہیں ۷

نہیں رکھتے بن امیری کی جو س مرد فقیر شیر کی کھال بھی ہے قائم و سنجاب مجھے
 ششم کلام کارنگ بہت مردانہ ہے۔ غزل گوئی کے لیے اس رنگ کی
 بڑی حاجت ہے ورنہ اشعار میں جلال و منان کی صفیں حاصل نہ ہوں گی حقیقت
 یہ ہے کہ خواجہ صاحب ایک وقت میں کسی لشکر سے متعلق تھے۔ جب پیشہ سپہری
 کو چھوڑا راہ فقر اختیار کیا۔ تارک و نیا ہو کہ غزل سرائی کی طرف مائل ہوئے
 پھر اپنی فطری صلاحیت کی بدولت اس صنفِ شاعری کے ایک مستند استاد ہو گئے
 المصنف خواجہ صاحب میں وہ سب خوبیاں مدعا نہیں جو ایک بڑے شاعر کے لئے لازم
 ہیں حضرت افعال اور اقوال سے تمام تر شریف تھے کوئی بات خواجہ میں ایسی نہ
 تھی۔ جو ان کی عظمت و جلال کی کمی کا سبب قیاس کی جاسکے، شہادتِ سموات
 مروت۔ تقاضا۔ حیرت۔ حیرت۔ خوش اخلاقی، پاکبازی کے جمع تھے نامشروع امور سے
 اقتساب رکھتے تھے اور تا دمِ آخر ان صفات کے ساتھ متصف رہے حضرت
 کے کچھ اشعار غزلوں کے طور پر ذیل میں نذر ناظرین ہونے ہیں ۷

حبابِ آسما میں مہر تابوں تیری کشائی کل نہایت تم ہے اس قطرے کو دیا کی جلائی کا
 یہ شعر تو ایسا شرحِ طلب ہے کہ اس عالم سے عالم اور عارف سے عارف شاعر
 کی ضرورت ہے۔ سبحان اللہ! کتاب بڑا مضمون کس آسانی کے ساتھ اور کیسے ب
 پیرایہ شاعری میں بیان ہوا ہے واقعی اگر خواجہ بہت بڑے طبیعت دار نہ ہوتے تو
 ایسے شعر کے مفردوں کرنے پر قادر نہ ہو سکتے۔ اس شعر سے کس قدر نازک خیالی بلند

- پروازی اور عالی مذاقی ظاہر ہے۔
- ظہور آدم خانی سے یہ مجھ کو یقین آیا •
- خدا سے تو سودا کے تھے ہی زلف پریشاں کا •
- چمن میں شکر جو وہ شہوخ بے نقاب آیا •
- ایسر ہوئے کالت سے شوق بلبل کو •
- شعب فریق میں مجھ کو سلانے آیا تھا •
- چکوڑ حسن مر چارہ کو بھول گیا •
- ہماری قبر سے آٹے کی یہ صدا تا حشر •
- عدم میں مہتی سے جا کر یہی کہوں گا میں •
- محبت سے وحشوق ترک کر آتش •
- غضب سے یہ جاگنو پہلیں ہونا دل سے دشمن کا •
- جو سو یا ساتھ بھی تامل تو خضر درمیاں رکھ کر •
- یہ نعرہ سدا بجم ہنس نوجوان کا جو باپ میں تو •
- چینی انتہاں جو پیشانی پر اس سچانہ فی چٹکی •
- ڈرانا ہے کسے لے شیخ تو نار جنہم سے •
- وحشت دل نے کیا ہے ہر سہیا بال پیدا •
- دل کے آئینہ میں کہ جو ہر پنہاں پسیدا •
- فریب حسن سے گبر و مسلمان کا چلن بگڑا •
- امانت کی طرح رکھا نہیں نئے روز خستک •
- تماشتہ سخن کا دیکھنے خلوت نشین آیا •
- جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہو ایسے سببستاں کا •
- یقین ہو گیا شبنم کو آفتاب آیا •
- جگایا پانوں سے صیاد کو جو خواب آیا •
- جگایا میں نے جو افسانہ گو کو خواب آیا •
- مرا پر جو ترا عالم شہاب آیا •
- یہ مردہ آیا کہ مجھ پر کوئی عذاب آیا •
- ہزاروں حسرت زندہ کو گاڑ داب آیا •
- سفید بال ہوئے موسم خضاب آیا •
- محل خوف ہے ہمایہ قصاب برہمن کا •
- بھاسے اس کے پر ڈرہ گیا دیوار آہن کا •
- براہر نکلے ڈور اس کمر کا اور گردن کا •
- ملی مسی تو آئینہ میں پھولا تختہ سوسن کا •
- سمندر موج مارے گر چوڑوں پاٹ دامن کا •
- سینکڑوں کو کس نہیں صورتِ اسال پیدا •
- درو دیوار سے ہو صورت جانان پیدا •
- خدا کی یاد بھولا شیخ بت سے برہمن بگڑا •
- نہ اک موکم ہوا اپنا نہ اک تار کفن بگڑا •

گھر نہ بھی چڑھانے دیتے دیتے کا لیاں صاحب
 چال ہے مجھ کا تو ان کی مرغ بھیل کی تڑپ
 عاشق شیدا علی مرتضیٰ کا ہو گیا
 قرب حق حاصل ہے اس کو مر عارف ہی
 ساختہ پر دوختہ تیری ہے ساری کائنات
 وقت مشکل میں کہا جس وقت یا مشکلا
 کون تجھ سا ہے لی اللہ اے مولا مرے
 کچھ پار میں سایہ کی طرح رہتا ہوں
 لے جاں کے برابر تے کتے ہم نے کھا ہے
 برہمن انکھوں کو ملتا ہے جو پائے بت پر
 پیامبر نہ تیسر ہوا تو خوب ہوا
 یہ مارا لوگ سے لگی ہے آگ گلشن میں
 باغ جہاں میں گل کی قناعت ہو جائے شکر
 چلے تو سیر کو ہیں آپ سنی مل کے گلشن میں
 یہ سوائے شہادت ہے ہمارے سر کو انے قائل
 نہیں زدن جو قصر بار میں پروا نہیں ہم کو
 طوق عشق میں آتش قدم مجھ سا نہ گزے گا
 جنوں کے جوش میں کیا نہیں دم بھر قرار آتا
 خراب گور کا واں سامنا یاں رنج دنیا کا

زبان بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیمبے دہن بگڑا
 ہر قدم پر ہے لقیں یاں رہ گیا وال رہ گیا
 دل مرا بندہ نصیری کے خدا کا ہو گیا
 یا علی ظہیر و جو تجھ سے پیشوا کا ہو گیا
 حکم حضرت سے جو دراض و سما کا ہو گیا
 سہل چھٹکارا گرفتار بلا کا ہو گیا
 کعبہ پیدائش سے تیری گھر خدا کا ہو گیا
 در کے نزدیک کبھی ہوں کبھی دیوار کے پاس
 ہماری قبر پر دیا کرے گی آرزو برسوں
 رشک آتا ہے مجھے سنگ دریا نہ ہو
 زبان غیر سے کیا شرح آرزو کرتے
 گریباں بھارا کو مل بٹھئے صحرا کے امن میں
 عمر دو روزہ ایک قبا میں تمام کی
 اشارے کیسے کیسے ہو گئے نافرمانوں میں
 تری تلوار کا دم بھرتی ہو ہے گردن میں
 نگاہ شوق رخنہ کرتی ہے دیوار آہن میں
 گریباں میں کبھی جو جب لگی ہو آگ امن میں
 کبھی گلشن سے صحرا میں کبھی صحرا سے گلشن میں
 نہ گھر میں چین زندوں کو نہ مردوں کو ہر دن میں

شریف کعبہ کو کعبہ مبارک ہم تو اے آتش
 خدا بخشے صنم یہ کہہ کے مجھ کو یاد کرتے ہیں
 قفس میں جس کے مرغ دل اپنا سر ٹکاتا ہے
 خدا جانے یہ آتش کس سے گی قتل کس کس کو
 نہ خود آتے ہیں میرت پر نہ اذن دین دیتے ہیں
 عدم سے جانب ہستی تلاش یا میں آئے
 اٹھائے بار عشق اس عالم غدار میں آئے
 شیشے شراب کے میں آٹھوں پہ رکھلے
 رنگریزی کی دکان میں بھرے ہوں ہزار رنگ
 جیوں پر آدمی کو شرف نطق سے ہوا
 کٹ جائے وہ زبان نہ ہو جس سے دعائے خیر
 کو تہ ہے اس قدر کے قدر پر دوائے عیش
 فصل بہا داتی ہے چلتا ہے دور جام
 مطلب نہ سرشت کا سمجھا تو شکر کر

تہوں کے گھوڑے کو جاتے ہیں دیر پر بہن میں
 دعائے مغفرت میرے لئے جلا د کرتے ہیں
 کسی پارہیکے رائے کہیں فریاد کرتے ہیں
 طلب ہوتا ہے شانہ آئینہ کو یاد کرتے ہیں
 وہ گھر بیٹھے ہوئے مٹی مری برباد کرتے ہیں
 ہوائے گل میں ہم کس ڈای پر غار میں آتے
 کہاں ہم کہاں پڑے ہوئے بیکار میں آئے
 ایسا گھر سے کہ پھر نہ کبھی ابر تر کھلے
 طرہ وہ ہے جو یار کی دستار پر کھلے
 شکر خدا کرے جو زبان بشر کھلے
 پھوٹے وہ اکھ جو کرنہ وقت سحر کھلے
 دھوا کو جو پاؤں کو تو لقیں ہے کہ سر کھلے
 مع کی دکان شام کھلے یا سحر کھلے
 دیوانہ ہو جو حال قضا و قدر کھلے

چلا پڑے گایار کی خدمت میں سر کے بل
 سمجھ ہو کیا جو بیٹھے ہو آتش کر کھلے

اشعار بالا سنے خواجہ صاحب کی غایت طبیعت داری کا اندازہ ہویدا ہے زبان
 کے اعتبار سے ان کی زبان شیخ صاحب کی زبان سے زیادہ دلغریب ہے گو اصلاح
 زبان کی حیثیت سے شیخ صاحب کا درجہ ارفع اور اعلیٰ ہے شیخ صاحب کو لغات

کی طرف بہت توجہ تھی حقیقت یہ ہے کہ شیخ صاحب کی زبان، زبان سوتی سے خاص بھری تعلق نہیں رکھتی ہے ان کی زبان میں غلطی عام کا نشان نہیں ملتا ہے اور انصاف یہی ہے کہ خواجہ صاحب کی زبان صحت لغات کے اعتبار سے شیخ صاحب کی زبان کو نہیں پہنچتی ہے۔ مگر خواجہ کی زبان کا حسن ایسا ہے کہ چند غلطی عام شکلیں جو ان کی بعض غزلوں میں دیکھی جاتی ہیں وہ چہرہ زیبیاں میں غلطی کا حکم رکھتی ہیں :

رندہ : نواب سید محمد خان رند حضرت آتش کے شاگرد تھے ان کی غزل سرائی قابل لحاظ ہے ششگل زبان خوبی بندش صفائی کلام روانی طبع چنگی معانی کی صفیتیں اس درجہ تامی دیوان میں آنتہ کار ہیں کہ جس غزل کو جہاں سے پڑھیے یہ صفیتیں اپنے جلو سے دکھادی ہیں۔ شروع سے آخر تک دونوں دیوانوں کا ایک رنگ ہے ہر شعر یہ کہتا ہے کہ میں رند کے نتائج اذکار سے ہوں یہ بات تو خواجہ صاحب کی غزل سرائی میں بھی نہیں دیکھی جاتی ہے کس واسطے کہ سیکڑوں شعر حضرت خواجہ کے ایسے ہیں جو شیخ صاحب کا رنگ رکھتے ہیں اور ان کے ذاتی رنگ سے تاملتہ علمدہ ہیں ایک اور خوبی بھی رند کی غزل سرائی میں ہے کہ ان کی غزلیں بہت سیر ہو کر کرتی ہیں۔ واضح ہو کہ رند بخلات اپنے ملی رنگ کے بیشتر شاعری کا داخلی پہلو پرستے ہیں اسی لئے ان کی غزلیں غزلیت کا مزہ دیتی ہیں اگر ان کے کلام ششگل شاعری سوز گداز نشتریت و درمناست جلال و غیرہ کے مواد حسب مراد ہوتے تو ان کو درد۔ تیر۔ اور غالب کے ساتھ ہمسری حاصل ہوتی۔ خیر اس پر بھی جیسی ان کی غزل سرائی ہے نہایت غنیمت ہے۔ اور ارباب مذاق کی توجہ کے قابل ہے ذیل میں کچھ کلام حضرت رند کے نذر ناظرین ہوتے ہیں :-

غزل نمبر ۱

سحر پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا
 شان ارفع ہے تیری مرتبہ اعلیٰ تیرا
 عقل کیا دخل کسے کہ حقیقت ہی تیری
 راہ میں اس کی جو ثابت قدمی ہو تجھ سے
 جسبت میں جو نہ دوڑیں تیری ٹوٹیں وہ پاؤں
 تو ہی نے اس کو بنا یا ہے یہ قدرت سے
 دیدلی کے لئے دیدہ مجنوں ہے ضرور
 ایک عالم کو ترسے نام کا ہے روئے دست
 میں بھی دیکھوں گا دکھا مجھ کو تجھ لئے جمال
 آنکھ لا سکتی نہیں تاب تجھ لئے جمال
 بیٹھے تکیہ بھی لگا کر نہ کبھی اس دن سے
 پاکٹ مانی میں تیری نہیں پڑنے کا دخل
 تجھ سے بیزار ہوں جاتا ہوں سو ملک عدم

عاشق نے پوری کیفیتِ حور نہیں

جانِ جاں رند ہے دیوانہ دستِ شیدا تیرا

سبحان اللہ کیا حسن کلام ہے یہ حمد نگاری اور اس کے ساتھ یہ غزلیت آفرین
 صد آفرین، مضامین، کلام کیا پرتاثر کلام ہے، شاعر کی حقیقت دل کا آئینہ

اور حقیقت آگاہوں کے بیٹے نماشا گاہ حیرت ہے ایسی لاجواب غزل ہے کہ
 اگر بزم عشق میں ٹپھی جائے تو عاشقوں کی بے قراری کو بڑھا دے اور اگر مسجد میں
 سنانی جائے تو عابدوں کی توفیق عبادت میں ترقی پیدا کرے

غزل نمبر ۲

کوہ فرما دے مجھوں سے سیاہاں جیتا
 رُو بہ رستہ بھی اب کھل نہیں سکتی ہم سے
 دشت نل تم سے اقبال سے میداں جیتا
 گرد کلفت ہیں دبا جاتا ہے میر تن زار
 باندھ لاتے تھے کبھی شیر نیستاں جیتا
 بندگی کرنا غلاموں کی طرح سے تیری
 گاڑ دیگی مجھے کیا گردشِ دوراں جیتا
 آج کئے نذر ہا یوسف کنگاں جیتا
 جس کی دعوت کی طے نے دیا زہرا سے
 اس کے گھر سے نہ پھیرا ایک بھی ہماں جیتا
 پیس ڈٹے گی یہ اکلیک کوچکی کی طرح
 کوئی لکھنے کی نہیں گردشِ دوراں جیتا
 تیری امید یہوں عسسیٰ و وراں جیتا
 مگر خدائاں سب مری ہے مچی ہمزلیست جواب
 پھیکاٹ تینا ہے کوئی توڑ کے نداں جیتا
 آپناستہ کوئی کھوتا ہے نعمت اپنی
 میں تو دم بھر بھی نہ لے مرغ گلستاں جیتا
 سخت ہاں تھا جو رہا زندہ چین سے چھٹکے
 چل کے اب عرض کوہِ قراقرظ سے زندہ
 معرکہ آپ کا یہ طفلِ دستاں جیتا

غزل نمبر ۳

لاہ روہیوں سے کب فراغ رہا
 اک ناک گل کا دل پہ داغ رہا

ناز بے جا اٹھائیے کس کے
 اب نہ وہ دل زدہ دماغ رہا
 کب مٹا عشق کا نشان دل سے
 زخم اچھا ہوا تو داغ رہا
 اک نظر جس نے تجھ کو دیکھ لیا
 عمر بھر دے لئے سراغ رہا
 یاد ہیں کس کو نہ مرے بلبل
 مدتوں مہنو اسے داغ رہا
 کبھی نظارہ حیسمن نہ کیا
 اپنے داغوں سے باغ باغ رہا
 دل کو افسردگی سی ہے لے نہ
 سیر گل کا کسے دماغ رہا

غزل نمبر ۱۷

کھلی ہے کنج قفس میں مری زباں صیاد
 میں ماجر ایسے چین کیا کروں بیاں صیاد
 دکھائے گا نہ اگر سیر لوستاں صیاد
 پھر کچھ ہر اک کے قفس ہی میں نو لگا جاں صیاد
 جہاں گیا میں گیا دام لے کے داں صیاد
 پھر اتلا شش میں میری کہاں کہاں صیاد
 دکھایا کنج قفس مجھ کو آب و دانہ نے
 دگر نہ دام کہاں میں کہاں کساں صیاد
 اجاڑا موسم گل ہی میں آشیاں میرا
 الٹی لوٹ پڑے تجھ پر آسماں صیاد
 میں کھینچوں دام میں بلبل تو آشیانہ جلا
 بہم یہ مشورہ کرتے ہیں باغباں صیاد
 عجیب قصہ ہے دلچسپ اک حکایت ہے
 سناؤں گا گل و بلبل کی داستاں صیاد
 یہ گل کھلیں گے نہ چکارے گا کوئی بلبل
 بہار باغ کو ہونے تو مے خمرے اس صیاد
 ہٹائے زندہ گھسیٹے گا دام میں شاید
 بجائے دانہ بچھاتا ہے آغواں صیاد
 خیر نہیں کہے کتے ہیں گل چین کیسا
 قفس کو جانتے ہیں ہم تو آشیاں صیاد

کئی برس میں ہوا ہے مزا جہاں صیاد
 قفس سے اڑ کے میں جاؤں لگا لگاں صیاد
 سنا کیا میری تا صبح داستاں صیاد
 ہوں چند روز تھے گھر میں ماں صیاد
 جو گوش دل سے سنے میری داستاں صیاد
 پکارتے ہیں گرفتار الا ماں صیاد
 خدا کرے یہیں ہو جائے بے نشان صیاد
 یہ از چین ہوا اب تو ترا ماں صیاد
 نہ ہوئے نامری جانب بدگماں صیاد
 قضا لے آئی ہے مجھ کو کشاں کشاں صیاد
 قفس کو لے کے میں اڑ جاؤں لگا لگاں صیاد
 ہزار تجھ کو سناؤں گا داستاں صیاد
 یقین نہ ہوئے تو کہ میرا مستاں صیاد
 ادائے فکر کروں گا میں ہر زماں صیاد
 رہا جب آٹھ پہر گھات میں نہاں صیاد
 ہزار شکر ہوا مجھ پر صہر بان صیاد
 ملا ہے خوبی قسمت سے قدر داں صیاد
 لگائے بیٹھے ہیں تھندے جہاں نہاں صیاد
 قفس کے چاکوں سے اٹھنے لگے دھواں صیاد

اوس دیکھ کے مجھ کو چمن دکھاتا ہے
 رہے نہ قابل پرواز بال پر میرے
 قفس کو شام سے لٹکا کے فرش خواب کے پاس
 کرے گا یاد مرے زم زموں کو بعد مرے
 سناؤں واقعہ اپنا تجھے تمام و کمال
 ستم زیادہ نہ کر حکم دے رہائی کا
 چمن میں رکھنا نہ بلبل کا نام تک باقی
 ہزار مرغ خوش الحان چمکتے ہیں ہر سو
 میں جھانکتا نہیں چاک قفس سے بھی گل کو
 اسیر کب قفس کرتے شوق وام میں کھینچ
 پروں کو کھول دے غلام جو بند کرنا ہے
 نہ ہوں گا بنا قفس میں بھی نہیں وہ بلبل ہوں
 در قفس بھی کھلے گا تو اب نہ جاؤں گا
 رہا بھی ہو کے نہ بھولوں گا حق خدمت کو
 چمن میں بلبل و قمری کا پر نہ چھوڑے گا
 قفس پہ رکھنے لگا اب تو مار بھولوں کا
 عزیز رکھتا ہے کرتا ہے خاطر میں میری
 نکالیو نہ قدم اشیاں سے لے بلبل
 وہ عند لب ہوں بل کر کروں جو ناوا گرم

کے بیان کو سن بن کے کانپ کانپ اٹھا
 غصیب یہ ہے کہ سمجھتا نہیں زبان صیاد
 الہی دیکھیے کیونکہ تباہ ہوتا ہے
 زبان دراز ہوں میں اور بد زبان صیاد
 سو اے شکر تیرا بیت اگر کبھی کی ہو
 الہی قطع ہو منتقا رسے زبان صیاد
 فریب دانہ نہ کھاتا میں زینہار اسے زند
 نہ کرتا دام اگر خاک میں نہاں صیاد

غزل نمبر ۵

دید گل کے تجھے پڑ جائیں گے لائے بلبل
 پر لگی حجب کسی صیاد کے پارے بلبل
 کان کھوسے ہوئے گل گوش بر آواز سہج
 در دل جو تجھے کتا ہو ستائے بلبل
 پھر وہی کنج نفس ہے وہی صیاد کا گھر
 چار دن اور ہوا باغ کی کھالے بلبل
 پہلے گلشن کی ہوا دیکھ لے رہے چند سے
 آشیائ کی تو ابھی طرح نہ ڈالے بلبل
 دست انداز نہ ہو گل پر ابھی لے لے چھینیں
 صبر کہ صبر ذرا باغ سے جا لے بلبل
 بے اجازت میں قدم باغ میں دھرنیکا نہیں
 منتظر ہوں در گلزار پہ آ لے بلبل
 ماتھا اور لق گل آئیں تو بنا کر اجسزا
 لکھوں رنگیں مفا میں کے رسالے بلبل
 کوئی ارمان نہیں لے کے چلے بلغ سے ہم
 دل کے جو وصلے تھے خوب نکالے بلبل
 نہ رہی بوسے وفا ایک بھی گل میں باقی
 اب تو اس باغ سے الٹا اٹھ لے بلبل
 ہے یہ ویرانی گلشن تو عجب کیا اس کا
 بچہ بوم جو بیٹھے سے نکالے بلبل
 کس طرف جائے گی برداشتہ خاطر ہو کہ
 باغ کیوں کرتی ہے گلچیں کے حوالے بلبل
 باغ تک خانہ صیاد سے اڑ کر آئی
 یاد سے پھر تو نے پروا نکالے بلبل

طائر دل کا جو ہو اشوق تو بالے بلبل
 لاکے دکھلائے گلستاں کے قبلے بلبل
 تا بہ مقت وود پر و بال بلائے بلبل
 بے اثر ہو گئے کیسے ترے نالے بلبل
 پڑ نہ جائیں تری منقار میں چھالے بلبل
 باغ کا باغ ہی سر پر نہ اٹھا سے بلبل
 پھوٹ پڑینگے نہ ترے بوجھ سے ڈالے بلبل
 پہلے صبا د سے خیر اپنی مناسے بلبل
 اڑ گئے سب سے بچا تے والے بلبل
 گھورتی کیوں ہے مجھے آنکھیں نکالے بلبل

چھچھے نہ ذکر سے گا تو یہ ہو جائے گا بند
 کہہ دو گلچیں کہ زباں اپنی سنھا لے بلبل

غزل نمبر ۶

اسے شہ حسن فقیر دل کی دعا لیتے ہیں
 ہم بھی یاران عدم رفتہ کو جا لیتے ہیں
 قافلے والے تو سوتوں کو جگا لیتے ہیں
 سرفا صدار کے بیٹے بال بہا لیتے ہیں
 آسرا غیر کا مردان خسدا لیتے ہیں

عمد طفلی سے وہ گل مائل عشاق رہا
 دعویٰ ملک نوا اثبات کرے گلچیں پر
 دام میں پھنس کے بکھانا ترانا ممکن ہے
 درد آمیز پہنچتی نہیں کانوں میں صدا
 دم بدم سینہ سوزاں سے نہ کرنا گرم
 ایک دو گل سے جو تسکین نہ ہوئے اس کی
 جس شجر پر زراحی چاہے نشیمن کرے
 مانگے خالق سے دعا بعد بھاسے گل کی
 نہ رہے گل ہی گلستاں میں جو تھیرے تیرے ناس
 کسی غنچہ کو چھو اور نہ کوئی گل توڑا

نہ ستار پر پڑا رہنے دے کیا لیتے ہیں
 تو سن عمر نے طے منزل رستی کی ہے
 میرے ہر اسی مجھے چھوڑ گئے پاں درتہ
 پیچھیں گے پیک بنا کر تھے پس امر تہ جن
 سامنا لاکھ مصیبت کا پڑے پر کوئی

سکش اس راہ میں گردن کو جھکا لیتے ہیں
 کیوں وبال اپنے سروں پر شعر ایتے ہیں
 اپنے سر غبر کی ناحق یہ بلا لیتے ہیں
 آسمان اہل زمین سر پہ اٹھا لیتے ہیں
 زندگانی کا وہی لوگ مزا لیتے ہیں
 سلطنت مول تم سے رکے گا لیتے ہیں
 یاں بسیرا سرتام آکے رہا لیتے ہیں
 بھیک جس کا سے میں تم سے فقر لیتے ہیں
 وال کی ہم خاک کو آنکھوں سے لگا لیتے ہیں

کوچہ دوست میں کھ پاؤں ادبے غافل
 زلف پڑیچ کا شموں نہیں بندھ سکنے کا
 حق تو یہ ہے کہ عجب لوگ ہیں مردانِ خدا
 شہور و شہرت کرتے یہ ہیں سستی دو روزہ پر
 لب بلب لیتے ہیں جو شام و سحر دل سے
 گرچہ مدد ویش ہیں یہ لوگ مگر چاہیں تو
 میر سے دیوانہ میں مدد ویش ہی سلطان ہو جائے
 جامِ جم سے اُسے رتبہ میں سمجھتے ہیں زیاد
 جو گذر ہوتا ہے مدفن چسپنیوں کے کبھی

عیب سے پاک و پیرا ہے کلام اُن کا رند
 جو غزل حضرت آتش کو دکھا لیتے ہیں

واضح ہو کہ اُن شعراء نے غزل سرا کے علاوہ جن کے کلام نمونہ کے طور پر بالا میں
 درج اندا کیئے گئے اور بہت سے استادان فن گزرے ہیں اور ماشاء اللہ اس وقت
 بھی موجود ہیں مگر چونکہ یہ کتاب سببیل تذکرہ نہیں لکھی جاتی ہے اُن حضرات کے ذکر
 کی ضرورت نہیں دیکھی گئی۔ اب غزل سرائی کے مادے میں آخر عرض راقم یہ ہے کہ اس
 زمانہ میں تقاضائے سلطنت سے انگریزیت نے ایسی تاثیر پھیلانی ہے کہ ہر شخص جو
 ملکی وضع ترکیب ساخت روش وغیرہ کی ہے تنگ چشموں کی آنکھوں میں ذلیل اندھا
 نظر آتی ہے جن حضرات نے علوم لادب حاصل کیے ہیں اُن کا انقلاب مذاق خیر اتنا
 حیرت انگیز نہیں ہے مگر تعجب اُن حضرات سے ہے جو نہ انگریزی جانتے ہیں۔ نہ

فراموشی مگر صحت عدم صحت مذاق پر بحث کرنے کو مستعد ہو جاتے ہیں اور ہندوستانی
 علوم و فنون کی مذمت بے دھڑک کرنے لگتے ہیں ایسے حضرات کے نزدیک ہر
 شے ہونہر و ستان سے تعلق رکھتی ہے لہذا اے یقین مقدوح و مذموم ہے بجز اگلا شائے
 ملکی کے ملکی شاعری بھی ان کے خیال میں پُر از عیوب مقصود ہے اس میں شک نہیں
 کہ ملکی شاعری میں معائب ہیں۔ مگر یورپین شاعری بھی عیوب سے پاک نہیں ہے پورپین
 شاعری کے عیوب ایسے حضرات کو سمجھائی نہیں دیتے اور حقیقت یہ ہے کہ
 انھیں یورپین شاعری کے عیوب کیونکر نظر آئیں، جب ان کی اطلاع کوٹ۔ پتلون
 کرسی۔ میز۔ چھتری۔ کانٹے وغیرہ کے اندر مح ڈوبے ایسے حضرات کو ہوسر۔
 درجل۔ ہارس۔ ڈینیٹی۔ شکسپیر۔ ملٹن۔ شیلی۔ ہیرن۔ ٹینیس وغیرہ ہم کے حسن و قبح سے
 کیا خبر ہے جو یورپین شاعری کا دم بھرتے ہیں اور شاعری ایسے امرا ہم میں رائے زنی
 کرنے کو مستعد ہو جاتے ہیں۔ ایسے حضرات غزل سرائی کے ادبے میں جو جو صورتیں
 اصلاح کی بتاتے ہیں، اس کی نسبت یہی کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے غزل سرائی
 کی خوبیوں کو عجز طبیعت کے باعث درک نہیں کیا ہے یا ان پر انگریزی کا جمل
 مرکب ایسا سوار ہو رہا ہے کہ جب تک ان کے خیال کے مطابق انگریزی مذاق
 کے ساتھ غزل سرائی نہیں کی جائے، تب تک غزل سرائی مطبوع رنگ پیدا نہیں
 کر سکتی۔ ان حضرات سے بعض فرماتے ہیں کہ غزل میں ہمیشہ عشقیہ مضامین باندھے
 جاتے ہیں جو مخرب تہذیب ہوا کرتے ہیں۔ لازم ہے کہ ایسے مضامین کے عوض و عطا
 پند نصیحت۔ اخلاق۔ تمدن اور نیچرل سبیلوں کی باتیں مندوں کی جائیں۔ نیچرل
 سبیلوں عبارت ہے جبال۔ بجز صحرا میدان۔ کشت زار۔ حیوانات۔ نباتات

بجا بہق باراں وغیرہ وغیرہ کی نمود سے ایسے معترضین کی خدمت میں عرض راقم
 یہ ہے کہ غزل و صنف شاعری ہے۔ جو مضامین عشقیہ کے لیے موضوع کی گئی ہے
 اس کا تقاضا ہی یہ ہے کہ اس میں اعلیٰ درجہ کے واردات قلبیہ معاملات روحیہ اور
 اموزہ ہنسیہ حوالہ قلم کیے جائیں۔ اگر واقعی کسی غزل سرا کو ایسے مضامین کی بندش کی فکر
 ہے تو اس کی غزل سرائی محض تہذیب ہونی نہیں سکتی بلکہ اس کی غزل سرائی سے
 بہت کچھ اصلاح قلب روح کی اُمید کی جاسکتی ہے جیسا کہ حافظ کی غزل سرائی دیکھی
 جاتی ہے کہ اس سے زیادہ اطلاق آمود کوئی کتاب فارسی زبان میں نہیں دیکھی جاتی
 ہے اسی طرح وعظ و پند کی نسبت یہ عرض ہے کہ غزل سرائی کو پند و موعظت سے
 عداوت نہیں ہے، البتہ بھونڈے طور کی پند گوئی اور وعظ فرمائی کو غزل ایسی نازک
 صنف شاعری سے کیا علاقہ۔ یہ میں نہیں کہتا کہ غزل سرائی کو پند و موعظت سے
 کوئی علاقہ ہی نہیں ہے مگر ماں جو علاقہ ہے وہ نہایت نازک انداز کا ہے یہ بڑے
 غزل سرا کا کام ہے کہ موعظت بھی کرے اور غزل کے رنگ کو بھی قائم رکھے۔ اس
 کام کو حافظ خوب کرتے ہیں اس کا پورا ڈھنگ سعدی کو بھی نہ تھا، کس واسطے کہ
 شیخ جب غزل میں پند و موعظت فرماتے ہیں تو غزل سرائی کے پیرایہ سے نکل جاتے
 ہیں لیکن اگر کسی کو یہ منظور ہے کہ پند و نصیحت کھلے ڈسے طور پر داخل غزل کی جائے
 تو اسے اس امر کوئی الذہن رکھنا چاہئے کہ یہ صنف شاعری اس کام کے لیے موضوع
 نہیں ہوئی ہے۔ اس کام کے لیے اور اصناف شاعری درکار ہیں مثلاً مثنوی۔ قطعہ
 رباعی۔ قصیدہ اور سدس جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ مشیران اصلاح غزل اس کی اُمید
 نہ رکھیں کہ کھلے ڈسے طور کے پند و موعظت غزل میں کوئی موثر رنگ پیدا کریں گے

کر یا ئے سعدی اور پندرہ نامہ عطار کی طرز مضمون بندی غزل کے لئے زینہار درکار نہیں
 ہے۔ اسی طرح نیچرل سینیریوں کے بیان کے لئے غزل موضوع نہیں ہوتی ہے، اس
 صفت شاعری کو محجور عالم درونی کی سیرور کار ہے۔ غزل گو کو کوئی حاجت نہیں ہے
 کہ کوہ کوہ پختروں کو یا دریا دریا مہجوں کو گنتا پھر سے۔ نیچرل سینیریوں کے لئے مثنوی
 موضوع ہوتی ہے۔ یورپین شاعریوں میں بھی نیچرل سینیریوں کا بیان لیکس میں نہیں دیکھا
 جاتا ہے۔ ایسے مضامین کے لئے مثنوی کے رنگ کی شاعری عمداً کام میں لائی
 گئی ہے مثلاً سروالٹر کی وہ مثنوی جس کا نام لیڈی آف دی لیک (Lady of the Lake)
 ہے پس حضرات مشیران اصلاح کی خدمت میں عرض ہے کہ غزل
 جس کام کے لئے ایجاد ہوئی ہے اس میں بے موقع دست اندازی نہ فرمائیں اس
 کے عوض یورپین مذاق ہائے شاعری کے لئے یا کوئی صفت جدید اختراع فرمائیں
 یا موجودہ اصناف شاعری سے کسی صنف کو جس میں وسعت دیکھیں نہایت شوق سے
 اختیار فرمائیں۔ ظاہر غزل میں کوئی اصلاح کی جگہ نہیں نظر آتی ہے کوئی طباع روئے
 زمین پر نہ ہے اور نہ ہوگا۔ جو حافظ کی غزل سرائی کی خوبیوں پر ایک جو کے برابر بھی
 کسی قسم کی افزائش کر سکتا ہے یا کر سکے گا۔ نام لوط امور کو غزل میں داخل کرنے کا
 مثال ایسی معلوم ہوتی ہے۔ کہ کسی خاص پز سے کوئی امیر یہ فرمائش کرے کہ تو اس
 فیرنی کلا جس میں خاکینہ گرین مرغ مسلم مرتبے چٹنی اور آچار کی لذتیں موجود ہیں
 واضح ہو۔ کہ بعض مشیران اصلاح غزل نے جو اصلاح میں عملی طور پر کوشش کی ہے
 وہ نہایت ناکامیاب رہے ہیں ان کی غزل سرائی ازال سوراندہ و اذین سو ورامندہ کی
 پوری تصویر نظر آتی ہے دوسرا امر جو مشیران اصلاح غزل سرائی کے مادے میں فرماتے

ہیں وہ یہ ہے کہ غزل میں معشوق کو غزل سرا بان اُردو نذرکہ بانڈھتے ہیں اور یہ مرغلات
 بیچہ یعنی غلات فطرت ہے اس کی بخت راقم اہل عرب کی شاعری کے بیان میں
 کہ چکا ہے یہاں اس کے اعادہ کی کوئی حاجت نہیں ہے تیسرا امر جو شیران اصلاح
 ارشاد فرماتے ہیں یہ ہے کہ غزل کو قطعہ بند ہونا چاہئے ظاہر ہے کہ اہل التزام کی
 اصلاح کا سبب اہل یورپ کی تقلید کو راند کے سوا دوسرا امر نہیں رائے ہر شیران
 اصلاح جو اہل یورپ کے تتبع پر امر ناسخ میں جان دیتے ہیں اہل انصاف تجویز فرمائیں
 کہ غزل سرائی میں اس التزام کی کیا ضرورت ہے بلکہ جو غزل سرائی کا موجودہ طور
 ہے وہ بہت قابل لحاظ ہے۔ کس واسطے کہ سوا فارسی اور اردو کے کوئی زبان
 روئے زمین پر نہیں ہے۔ جس میں نازک سے نازک اور دشوار سے دشوار مضامین صفا
 دو مصرع میں تمام ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ امر فارسی اور اردو کے لئے موجب امتیاز
 نہیں ہے واقعی کوئی زبان ان دونوں زبانوں کے سوا ایسی نہیں ہے کہ ادا سے مطلب
 پر اس طور سے قادر ہو۔ خواجہ حافظ کے دیوان میں تو قلیلیہ و اخلاق جس حسنی بندش
 کے ساتھ حوالہ رقم ہوئے ہیں یقیناً کسی اور زبان کی شاعری میں اس ترکیب خاص کے
 ساتھ نہیں پائے جاتے۔ پس جانتا چاہیے کہ غزل سرائی میں التزام قطعہ بندی کی کوئی
 حاجت نہیں ہے اس عدم احتیاج کی وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ خود تقاضا سے
 غزل گوئی سے مضامین غزل ایسے ہوتے ہیں کہ ایک احاطہ خاص سے باہر نہیں جاتے
 یعنی غزل سرائی کے مضامین واردات و جذبات قلیلیہ و امور ذہنیہ کے احاطہ سے
 باہر قدم نہیں رکھتے۔ پس یہ احاطہ یک گونہ خود حکم قطعہ بندی کا رکھتا ہے ایسی صورت
 میں شیران اصلاح کی اصلاح بیکار معلوم ہوتی ہے بلکہ جس طرح کے التزام کی اصلاح

یہ حضرات دیتے ہیں وہ لطف غزل سرائی کو فوت کر دینے والا نظر آتا ہے کس واسطے
 کہ حسن غزل یہی ہے کہ غزلیت کی خوبیوں کے ساتھ مختلف انداز کے داخلی مضامین
 شامل غزل میں راقم کو اس سے انکار نہیں ہے کہ قطعہ بند غزلیں بھی ہوتی ہیں مگر جو لفظ
 کی اصلاح دیجاتی ہے وہ مفید غزل سرائی نہیں ہے اور درحقیقت اہل یورپ کی کورانہ
 تقلید پر مبنی ہے۔ چوتھا امر جو یہ سبیل مشورہ حضرات جدت پسند ارتداد فرماتے ہیں معروضی
 قواعد سے تعلق ہے میشران اصلاح فرماتے ہیں کہ غزل سرائی میں روایف کی کیا حاجت
 ہے صرف قافیہ کا التزام کافی ہے۔ ارباب مذاق سے پوشیدہ نہیں ہے کہ روایف
 غزل سرائی کے لطف کو بڑھا دیتی ہے اس کا متروک ہو جانا غزل کے نصف لطف
 کو ضائع کر دے گا، ہرزبان کے عروض کا ایک خاص تقاضا ہے چونکہ انگریزی میں دلیف
 کا مضمون کمتر ہے اس لئے مقلدان اہل یورپ کو راضی کرنے کے واسطے کوئی ضرورہ
 نہیں کہ اردو میں بھی انگریزی نظم کا طور اختیار کیا جائے۔ بعض میشران اصلاح روایت
 تو روایف قافیہ کے بھی نداد کر دینے پر برسر اصرار نظر آتے ہیں یعنی جس طرح انگریزی
 میں بے قافیہ اور روایف کے اشعار چھیں بلنیک درس
 کہتے ہیں لکھے جاتے ہیں اردو میں بھی لکھے جائیں ایسی اصلاح وہی حضرات دیر
 گے جو اقسام ذیل کے اشخاص ہوں گے۔

نمبر ۱ :- وہ جو علوم یورپ سے بے خبر ہیں۔ مگر بہت سی یورپین چیزوں
 کو جو اچھی طرح دیکھتے آئے ہیں تو اس سے یہ رائے قائم کر لی ہے کہ عتیقی یورپین
 چیزیں ہیں سب کی سب اچھی ہیں۔ خدا صفا اور دع ماکدر کے مضمون سے یہ بچا ہے
 بالکل نادانف ہیں یہ تنگ چشم حضرات یورپ کی ہر چیز کو راجس ۱

بھی کی دکان کی بنی ہوئی جانتے ہیں۔ جیسا کہ ایک نادان نے کسی جلسہ میں ایک کتاب کی جلد کی نسبت کہا تھا کہ اس کی جلد راجس کی دکان کی بندھی معلوم ہوتی ہے، اس نعرہ کے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے ترجمہ غیرہ کے ذریعہ سے کچھ انگریزی اشعار کے مضامین خط بے ربط طور سے دریافت کر لئے ہیں اور اس دریافت کی زیاد پر رائے زنی کیا کرتے ہیں :

نمبر ۲ : وہ جو نہیں جانتے کہ انگریزی دیگر یورپین زبانوں میں بلینک درس کے مروج ہونے کا سبب کیا ہوا حقیقت حال یہ ہے کہ یورپین زبانوں میں الفاظ مقفا بہت کم ہیں بس ایسی زبان میں حرب منظوم مجہم کتابیں لکھی جائیں گی تو کمی قوافی کی حالت میں بلینک درس ہی لکھی جائیں گی۔ ہر مدرس کی ایلپیڈ ورجل کی اینیڈ اور ملٹن کی پیر پیڈ ایز لاسٹ اگر بلینک درس میں نہیں لکھی جائیں تو ایسی مبسوط اور پر مضمون تصانیف کے اتمام کی صورت یونانی لاطینی اور انگریزی زبانوں میں کیا ہوتی اُردو فارسی تو ایسی زبانیں ہیں۔ جن میں قوافی کی کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی ہے پس ان زبانوں میں بلینک درس کی کیا حاجت متصور ہے ؟

نمبر ۳ : وہ جو شاعری کا دم بھرتے ہیں مگر انھیں درحقیقت موزونی طبع حاصل نہیں ہے۔ یہ حضرات سمجھتے ہیں کہ حرب قافیہ اور ردیف کی پابندی باقی نہیں رہے گی تو حسب مراد طور پر غزل سرائی کر سکیں گے، یہ اُن کا گمان ہی گمان ہے بودی طبیعت کے لوگ بلینک درس میں بھی طبع آزمائی نہیں کر سکتے برخلاف اس کے شخص طبع پابندی قوافی کے ساتھ اُردو اور فارسی میں غزل سرائی ہی نہیں کر سکتا ہے بلکہ ایلپیڈ اینیڈ اور پیر پیڈ ایز لاسٹ کی سی مبسوط کتابیں بھی موزون کر سکتا ہے۔

نمبر ۴ :- وہ جو اپنے کو مصلح قوم سمجھتے ہیں اور قوم کی مائے دلانے سے صرف اپنی شہرت منظور رکھتے ہیں ایسے لوگوں سے قوم کو نہ کوئی نفع پہنچا ہے اور نہ پہنچے گا۔ البتہ ایسوں سے قوم کو ذلتیں نصیب ہوتی گئی ہیں ایسوں کی حقیقت یہ ہے کہ نفع ذاتی کے خیال سے قوم کی ہزاروں برائیاں بیان کیا کرتے ہیں یہ لوگ جلسہ مائے عام میں کہا کرتے ہیں کہ میری قوم ایسی اور میری قوم ایسی ایسی تقریروں سے سوا قومی ذلت کے اور کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوتا، یہ تقریریں جب خود داری کے پہلو سے دور ہیں تو غیر اقوام کی آنکھ میں ضرور قومی سبکی بھی پیدا کریں گی۔ ان مصلحان قوم تے بہ سبیل عادت ہر قومی شتے کو برا سمجھ لیا ہے۔ قومی مذہب معاشرت، قومی عادات وغیرہ کو تو برا ہی جانتے ہیں۔ قومی شاعری بھی ان کی بدگوئی سے نہیں بچ سکتی ہے۔

سہرا

واضح ہو کہ غزل کی صورت پر سہرا بھی لکھا جاتا ہے اس کی عرفی ترکیب تمام تر غزل کی ہوتی ہے اس سے اور غزل سے فرق یہ ہے کہ اس کے مضمون غزل کے اعتبار سے بہت محدود ہوتے ہیں۔ ہجر۔ فراق۔ درد۔ رنج۔ الم۔ حسرت۔ یاس۔ حرمان۔ تنہا وغیرہ کے مضامین جو غزل کے لیے مخصوص ہیں سہرے میں نہیں ماڈھے جاتے ہیں۔ خوشی اور نرمی اور ہلکے پھلکے شادی بیاہ کے مضامین اس میں جو آہ قلم کئے جاتے ہیں سہرے کی تصنیف میں کبھی ایسے دستاویز مضامین کو نہیں دخل دینا چاہیے کہ سامعین کے دماغ کو اس کے فہم میں ذرا بھی وقت لاحق ہو

غرض سر سے کی یہ ہے کہ شادی بیاہ کے مجمع میں اُسے بابِ قص گائیں اور حاضرین محفلِ لطف اٹھائیں۔ مشہور سہروں میں دو سر سے ہر ایک سہرا حضرت غالب کا فرمایا ہوا ہے اور دوسرا استادِ ذوق کا۔ غالب کا سہرا ان کے مذاقِ غزل گوئی کا رنگ رکھتا ہے اور سر سے کے اعتبار سے اُس کا رنگ سر سے کے تقاضے کے مطابق نہیں ہے۔ برخلاف اس کے ذوق کا سہرا تمام تر ایسا ہے جیسا کہ سر سے کو ہونا چاہئے۔ حضرت غالب مضمونِ آدری کے کار بند ہوتے ہیں سر سے میں غزل کی مضمونِ آدری کی حاجت نہیں ہے۔ استادِ ذوق نے معمولی مضامین کو شاعری کی خوبیوں کے ساتھ اس پر بیوزوں فرمایا ہے کہ خاص و عام کو پسند آتا ہے جانا چاہیے کہ سہرا کوئی ایسی صنفِ شاعری نہیں ہے۔ جس میں داخلی مضامینِ دقیق اور نازک انداز کے بانہ صے جائیں اس میں اس قسم کے مضامین کو دخل دینا سر سے کے تقاضے کے خلاف عامل ہوتا ہے کوئی شک نہیں کہ جب ذوق کا سہرا گایا گیا ہو گا تو حضار محفل کو بہت لطفِ حاصل ہوا ہو گا۔ شاعری میں اس امر کا لحاظ و اجابت سے ہے کہ جس صنف کی شاعری اختیار کی جائے اُس میں کوئی امر اُس کے تقاضے کے خلاف دخل نہ پائے۔ سخن کے لئے موقع و محل ہے بے موقع اور بے محل کلام کبھی لذت بخش نہیں ہو سکتا۔

غالب کا سہرا

خوش ہوا بے بخت کہ ہے کج سے سہرا بانہ شہزادہ جوان بخت کے سر پر سہرا
کیا ہی اس چاند سے کھڑے پہ بھلا لگتا ہے ہے تہے سخن بل فروز کا زلیو سہرا

سر پہ پڑھنا تجھے چھتا ہے اپڑ طرف کلاہ
 ناؤ بھر کر ہی پڑے گئے ہوں گے موتی
 سات دریا کے فراہم کیئے ہوں گے موتی
 رخ پہ دو گلا کے جو گرمی سے پسینا پڑکا
 یہ بھی اک بلے دلی تھی کہ تبا سے بڑھ جائے
 جی میں ترا میں نہ موتی کہ میں میرا کس چیز
 جبکہ اپنے میں سما میں نہ خوشی کے ماسے
 رخ روشن کی نگ گوہر غلطان کی چمک
 تار لیشیم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار

مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا میر سہرا
 درد نہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا
 تب بنا ہو گا اس انداز کا گز بھر سہرا
 ہے رگ ابر گم بار سہرا سہرا
 رگ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا
 چاہیئے پھولوں کا بھی ایک مقرر سہرا
 گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا
 کیوں نہ دکھلائے فروغ مہ داختر سہرا
 لائے گا تاب گہ اناری گوہر سہرا

مہ سخن فہم میں غالب کے طرفدار نہیں

دیکھیں اس سر سے کہ سے کوئی بہتر سہرا

ارباب مذاق پر پیدا ہے کہ بہ سہرا کے دیتا ہے کہ ہم نواب مرزا اس اللذخاں
 غالب کے نتائج اور کار سے ہیں۔ داخلی پہلو کی مضمون آوری کی کوئی کمی نہیں معلوم
 ہوتی ہے۔ بہ شعر حضرت کی غزل سرائی کا رنگ لیئے ہوئے ہے الفاظ کی بندش
 کا انداز بھی وہی ہے جو حضرت کی غزلوں میں اکثر قائم رہتا ہے حسن دل افروز
 طرف کلاہ۔ رگ ابر گم بار۔ تاب گہ اناری گوہر ایسے مرکبات ہیں کہ
 زبان حال سے کہتے ہیں کہ اس سر سے کا مصنف کون ہے لا ریب سر سے
 کے واسطے یہ وقت شعاری خوش مذاق سے بعید ہے اب نواب ابراہیم فوق کے
 سر سے پر تو جبر فرما کر ناظرین صحت مذاق کی داد دیں ۰

ذوق کا سہرا

آج ہے یمن وسعدت کا تہ سے سر سہرا
 کشتی زد میں مہ نو کی لگا کر سہرا
 رخ پر نور پہ ہے تیر سے منور سہرا
 دیکھیں مکھڑے پر جو تیرے مہ اختر سہرا
 گوند جیسے سورہ اخلاص کو پڑھ کر سہرا
 گائیں مرغان نواسخ نیکوں کر سہرا
 تار بارش سے بنا ایک سر اسر سہرا
 سر پہ دستار ہے دستار کے اوپر سہرا
 تیرا نہوایا ہے لے لے کے جو گوہر سہرا
 اللہ اندر سے پھولوں کا معطر سہرا
 گلگنا ناتھ میں زیبا ہے تو سر پر سہرا
 کھول دے منہ کو جو تو منہ سے اٹھا کر سہرا
 دم نظارہ تیرے روئے نکو پر سہرا
 لے جو ان نجات مبارک تجھے سر پر سہرا
 آج وہ دن ہے کہ لائے ز انجم سے فلک
 تابش حُن سے مانند شعاع نور شید
 وہ کے صل علی یہ کے سبحان اللہ
 تانبے اور سنبلیں ہے اخلاص بہم
 دھوم ہے گلشن آفاق میں اس سر سے کی
 رنٹے فرخ پہ جو ہیں تیرے بیستے انوار
 ایک کو ایک پر تو نہیں ہے دم آرائش
 اک گھر بھی نہیں صد کان گھر میں چھوڑا
 پھرتی خوشبو سے ہے اترائی ہوئی باد بہا
 سر پہ طرہ ہے مزین تو گلے میں بدھی
 رونمائی میں تجھے دے مہ نور میں فلک
 کثرت تار نظر سے ہے تماشا یوں کی

جن کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سنا دو ان کو

دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

فی الواقع کیا خوب سر ازوق نے لکھا ہے سر سے کے تقاضوں کے مطابق

یہ سہرا ہے۔ تعقیبات و تعقیدات کے نقصانات کو نظر انداز کر کے اسے جو صاحب

ذائقہ صحیح دیکھے گا۔ آفرین صد آفرین کہے گا۔ جن اشعار پر راقم نے خطوط کھینچ دیئے
ہیں وہ ایسے ہیں کہ زبانِ حال سے اس مصرع کو پڑھ لے ہی۔ مصرع
دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سنو ر سہرا

واضح ہو کہ راقم اپنے خیالات کے اظہار میں اتحاد امکان انصاف و راست بازی
کو ہمیشہ ملحوظ رکھتا ہے دروغ سرائی کام بے ایمان کا ہے ایمان کی کمیں گے ایمان
ہے تو سب کچھ ۷

راست میگوئیں زبان نہ پسند و جز راست حرف ناز راست بگردان و نثر بہرین دست
اس میں شک نہیں کہ فقیر اپنے خیالِ محظانِ غالب کی اردو کی غزل سرائی کا بہت متقدّم
ہے مگر فقیر کے اعتقاد کا طعن ان کی جناب میں کو ارنہ نہیں ہے۔ امرحق جو راقم کو معلوم ہوا اُسے
بالاس عرض کیا اور آئندہ بھی اسی روش کا پابند رہے گا۔ خیر انصاف یہی ہے کہ ذوق
لئے غالب سے کہیں بہتر سہرا لکھا اور ایسا لکھا جیسا کہ سہرے کو ہونا چاہئے۔ لیکن
ذوق کے سہرا لکھنے کے بعد جو غالب نے قطعہ معذرت لکھا وہ ایسا لکھا کہ غالب
کے عرض اگر ذوق کو اس کے لکھنے کی نوبت آتی تو اس کا میا بی کے ساتھ فائدہ نہ ہوتے
اس کی وجہ یہ ہے کہ ذوق و اعلیٰ مضامین کی بندش پر پوری قدرت نہیں رکھتے تھے اور
اگر رکھتے ہوتے تو غزل سرائی اسی رنگ میں کی ہوتی جیسا کہ درو۔ تیر۔ موئن غالب
وغیرہ کر گئے ہیں غالب کا یہ قطعہ داخلی رنگ رکھتا ہے۔ کس واسطے کہ معذرت
نواہی خود ایک داخلی امر ہے۔ اس کو وہی شاعر حسبِ مراد موزوں کرے گا جو
داخلی شاعری کی صلاحیت رکھے گا۔ اس قطعہ سے اور بھی قلبی اور ذہنی کیفیات
عباں ہیں جو اہل دانش سے پوشیدہ نہیں ہیں ۸

قطعہ

منظور ہے گزارش احوال واقعی
تسلو پشت سے ہے پیشہ آب اسپہ گری
آزادہ رویوں و مرا مسکاتہ صلح کل
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
استادشہ سے ہو مجھے پرغاش کا خیال
جام جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
میں کون اور بیختمہ ، ماں اس سے مدعا
سہرا لکھا گیا زرہ است شمال امر
مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ
قسمت بُری سہی پر طبیعت بُری نہیں

ایسا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے
کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
مانا کہ جاہ و منصب ثروت نہیں مجھے
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
جز انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
مقصود اُس سے قطع محبت نہیں مجھے
سودا نہیں جنوں نہیں حشمت نہیں مجھے
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول کا غالب خدا گواہ
کتابوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

سلام

عروضی ترکیب کی رو سے غزل سہرا اور سلام نئے واحد ہیں مگر ان کے مضامین
کے تعاضفے ایک دوسرے سے علیحدہ انداز رکھتے ہیں۔ فارسی میں سہرا اس واسطے

نہیں ہے کہ اس ملک میں دو گھایا دو گھن کو سر انہیں باندھتے۔ مگر سلام ہے سلام میں
 غزل کی طرح اعلیٰ درجہ کے مضامین از قسم واردات قلبیہ و معاملات ذہنیہ باندھتے
 ہیں مگر ان میں غزلیت کا رنگ پیدا ہونے نہیں دیتے۔ سلام کی ترکیب کو رنگینی کے
 ساتھ بھی غزل سے علیحدہ ہونا چاہئے، سلام گوئی کا لطف یہی ہے کہ شوخی رنگینی
 اور طبیعت داری کے ساتھ بھی غزل سرائی سے جدا نظر آئے۔ جموں اسلام میں واقعہ کہ بلا
 شہادت امیر المؤمنین و شہادت امام حسن و مصائب حضرت خاتونِ حضرت و رحلت
 حضرت رسالت آبِ صلوة اللہ و سلامہ علیہم انی یوم القیام کے مضامین داخل رہتے
 ہیں۔ اور بھی دیگر امور المآلگیر و حسرت نیز جو خاندانِ پیغمبرِ خدا صلعم سے متعلق ہیں اندراج
 پاتے ہیں علاوہ ان کے اخلاقی و تمدنی و مذہبی و دیگر امور جلیلہ جن سے شاعری کی زینت
 مقصود ہے منظم کیئے جاتے ہیں۔ ایسے مضامین کبھی کبھی غزلوں میں بھی باندھے جاتے
 ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلام کے بعض اشعار ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ اگر غزلوں
 میں داخل کر دیئے جائیں تو بے موقع یا بے محل معلوم نہ ہوں گے میرا نہیں اور
 میرا نہیں کے بہت ایسے اشعار سلام ہیں کہ اگر غزلوں میں داخل کر دیئے جائیں تو
 غزلوں کا وقار ترقی کر جاسکتا ہے۔ دلیل میں کچھ سلام میرا نہیں، مرزا دلگیر میرا نہیں
 اور میرا نہیں کے بطرز انتخاب درج کئے جاتے ہیں +

سلام میرا نہیں رحمہ اللہ تعالیٰ

مجرئی شہ نے کہا میں جو زبے سر ہوتا حشر کو تاج شفاعت نہ میسر ہوتا
 شاہ کہتے تھے اگر تیرے گناہوں پر دیکھتے تم کہ جواں کیا علی اکبر ہونا

ایسا کرتا جو حسن میرا برادر ہوتا
ہم تجھے دیتے جو تجھ پاس نہ خنجر ہوتا
حشر ہو جاتا اگر شافع محشر ہوتا
نہر کیا پانی نہ ہم پیتے جو کوثر ہوتا
ہم لٹا دیتے اگر چشمہ کوثر ہوتا

سلام میاں دلگیر مرحوم و مخفور

لیک شہبیر کو بچر جانا ہی منظور نہ تھا
جہاں عابد کو کفن دینے کا مفور نہ تھا
پیش ازیں ملک عرب میں کبھی دستور نہ تھا
قابل ناقہ کشی عساید رنجور نہ تھا
جب تلک شاہ جئے آنکھ نہیں بچھڑ نہ تھا
کون سالانہ تھا زخموں سے جو یہ چور نہ تھا
ورنہ میدان سے خیمہ تو بہت دور نہ تھا
چھ مہینے کا بھی وہ لال تو بھر پور نہ تھا
خیمہ آل محمد بھی کم از دور نہ تھا
پرسواشہ کے کوئی درد میں سرور نہ تھا
حکم خالق کا گمہ ہر دم صدور نہ تھا
پانی پینا ہی اگر شاہ کو منظور نہ تھا

شاہ نے خر سے کہا آج جو کچھ تو نے کیا
شاہ کہتے تھے بے وق شہادت لے شمر
ہوتی خانوں قیامت تو قیامت ہوتی
سویح کر تشنگی شاہ کو بولے عباس
شاہ فرماتے تھے کچھ چیزیں کب فرات

ای سلامی وطن شاہ تو کچھ دور نہ تھا
اُسے اس ملک میں پائی تھی سکی نہ وفات
سر کھلے قیدیوں سے جا میں کسی کے ناموں
پاسیادہ کہیں بیجا بھی چلتا ہے بھلا
علی اکبر سا ملا خاک میں جو نور نظر
کس طرح گنج شہیدان نہ بنائے سجاد
تھی سکی نہ سے خجالت نہ پھیسے جو عباس
بانو کتی تھی کہ کیا جلد سدھارا اصغر
بسکہ تھے ناکہ سوزاں حرم شعلہ فشاں
اور خاصان خدا بھی مصیبت گزری
کچھ قیامت میں نہ باقی تھا دم نسل حسین
اُن کے ہر گام تلے چشمہ نکلتا دلگیر

اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے کہ دونوں سلام بالاکا بندش گو ویسی چسپت نہیں ہے
جیسے ہر دو سلام ذیل کی ہے مگر مشریت کا انداز حسب مراد ہے ۶

سلام میرا اعلیٰ اللہ مقامہ فی الحجۃ

گزر گئے تھے کئی دن کہ گھر میں آب نہ تھا
نمود و بود بشر کیا محیط عالم میں
فتار سے جو بچا میں ہوا زمین کو عجب
اگر بہشت میں ہوتے نہ کوثر و تسنیم
نہ جانے برقی کی چشمک تھی یا شرک کی لپک
حسین اور طلب آب اے معاذ اللہ
جیسے بٹی نہ بلایا ہوا وہ نخل تہال
علیٰ کے پاسے مبارک نے جو شبیا پائی
فقط حسین کے بچوں پہ بند تھا پانی
حضور شاہ پھر آیا کہاں سے حشر شہید

مگر حسین سے صابر کو اضطراب نہ تھا
ہوا کا جب کوئی بھنکا چلا جباب نہ تھا
صدایہ قبر نے دی حکم بو تراب نہ تھا
تو رونے والوں کی آنکھوں کا پھر جواب نہ تھا
ذرا جو آنکھ جھپک کہ کھلی شباب نہ تھا
تمام کرتے تھے حجت سوال آب نہ تھا
قرآن سے بھی دیئے جو کہ بار یاب نہ تھا
وہ نور حضرت موسیٰ کو دستیاب نہ تھا
بہت قریب تھی وہ نہر قحط آب نہ تھا
خطا کی راہ میں گر جاوے صواب نہ تھا

انیس عمر بسر کردو خاکساری میں

کہیں نہ یہ کہ غلام ابو تراب نہ تھا

خوبی زبان چسپت بندش، بلند پروازی مضامین رنگینی طبیعت محتاج بیان نہیں
ظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ میرا اعلیٰ صاحب مرحوم جس عمدگی کے ساتھ مشریت
نگاری فرماتے تھے اسی طرح سلام کے لکھنے پر ایک حیرت انگیز قدرت رکھتے تھے ۶

سلام میر موسیٰ نور اللہ مرقدہ

بحرئی جلتا تھا شہ کا جسم بے شہو پ میں
 جب کھنچا عطر گل خنسا رسور و دھوپ میں
 اس قد صحت بھی روز قتل سرور دھوپ میں
 آگ سے بھی تھی سو اسی دن حرارت مہر کی
 اڑتے تھے ذرے شہ کی طرح ریگ گرم کے
 وال تو این سین کے سر پر لگا تھا چتر زر
 سایہ میں ڈھالوں کے تھا راحت سے شہر و سیاہ
 واہ ری جرات کرتا لڑا تھا فوج سے
 بیقراری جس طرح آتش پہ ہو سیام کو
 تھیں رو میں بھی نہ لاشوں کی عجب نیرنگ تھا
 شہ نے اعدا سے کہا لازم ہے سپہم کو رحم
 کہتے تھے شہ اسکو امن میں چھپا لے لے زمین
 رکھو یا شہ تم لیں نے ایک سنگ گرم پر
 بے کفن جہلم تک افتادہ را وہ آفتاب
 کیا مصیبت تھی ابرین ستم پر ہے ستم
 سایہ طوبی میں پہنچائیں گے موسیٰ کو حسین
 حشر کے دن دیکھ کر نالان و مضطر دھوپ میں

شامیانہ نغانہ لانتے پر نہ چادر دھوپ میں
 بحرئی کیا کیا بسنی لفت معجز دھوپ میں
 اے سلامی لال تھے میدان پتھر دھوپ میں
 باہر آنا اگر تو بول جاتا سمندر دھوپ میں
 سنگریزے جل رہے تھے شمس افکار دھوپ میں
 یال کھڑا تھا ہر تابان پیمبر دھوپ میں
 چھ اوں تلوار دی تھی سرور دھوپ میں
 تین دن کا بھوکا یا باسا میر کو تر دھوپ میں
 گر کیے تڑپے سطر جیتی پہ اکبر دھوپ میں
 سو کھتے تھے باغ زہر انکے گل تر دھوپ میں
 بوند پانی کے لئے نکلا ہے ہنغر دھوپ میں
 جنتی ریتی بڑی ہے لاش اکبر دھوپ میں
 کاٹ کر تن سے سر سلط پمیر دھوپ میں
 رہنے دیتی تھی نہ زہر اچھو سکود بھر دھوپ میں
 اوس میں رہتے تھے ساری شان بھر دھوپ میں

خوش خیالی خوبی زبان چستی بندش کے ساتھ جس قدر میرونس مرحوم رنگین طبع
 تھے ظہر من لشمس ہے طبیعت کی رنگینی میں اپنا جواب نہیں دیکھتے تھے بعضوں کا یہ
 خیال ہے کہ سلام گوئی میرونس مرحوم پر تھی تھی۔ اگر میرا میں غفران ماب علم وجود میں
 نہ کئے ہوتے تو یقیناً اس قول کی صحت میں کسی پہلو سے جائے گفتگو ممکن نہ تھی :-
 معلوم ہوتا ہے کہ اہل فارس کو سلام گوئی کا مذاق کم ہے کوئی دلخواہ سلام فارسی
 کا اتم الحروف کو دستیاب نہ ہوا اس لئے داخل جلد نڈانہ کر سکا :-

قصیدہ قصیدہ وہ صنف شاعری ہے کہ عروسی ترکیب میں غزل سے
 تمام تر مشابہت رکھتا ہے الایہ کہ اس میں غزل سے بہت
 زیادہ اشعار ہوتے ہیں جس طرح غزل پانچ شعر سے کم کی نہیں ہوتی اسی طرح قصیدہ
 الکیس شعر سے کم کا نہیں ہوتا۔ لیکن مضامین کے اعتبار سے قصیدہ اور غزل میں
 بڑا فرق ہے۔ یہ صنف شاعری داخلی اور خارجی دونوں پہلو کے مضامین سے تعلق
 رکھتی ہے اس صنف میں شاعر اعلیٰ درجہ کے مضامین جو امور ذہنیہ اور معاملات خارجیہ
 سے متعلق ہوتے ہیں موزون کرتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ قصیدہ کا احاطہ مضامین غزلیہ
 کے اعتبار سے وسیع تر ہے۔ قصیدہ کے ایسے علاوہ مضامین کی بڑی ضرورت ہے اگر
 کوئی قصیدہ اس صنف سے منصف نہیں ہے۔ تو اس پر قصیدہ کا اطلاق نہیں کیا جا
 سکتا ہے۔ اس صنف شاعری کے لئے ضروری ہے کہ اس میں موزون ہینہ از قسم مسائل خلافا
 تدبیر المنزل و سیاست بدن و تدبیر شریعت طریقت عرفان توحید عدل نبوت امت
 معاد و قوانین الہی و انسانی وغیرہ اور معاملات خارجیہ از قسم مضامین منادات اشیائے سما
 و ارضیہ یا بینہما احاطہ نظم میں رائیں المختصر قصیدہ گوئی شاعر حکمت مکتب کام ہے اور

اس کے لئے وفور معلومات علمیہ کی حاجت ہے لیکن ہزار افسوس ہے کہ اس صنف
 شاعری سے بہت سے شعرائے اہل علم بھی وہ کام نہیں لیتے گئے ہیں جو اس کا تقاضا
 ہے۔ راقم نے قصیدہ کی بحث تنہی کی قصیدہ گوئی کے لگاؤ میں کی ہے جس سے
 قصیدہ کے استعمال بد کی کیفیتیں ظاہر ہو چکی ہیں۔ اسی پر فارسی اور اردو کی قصیدہ گوئی
 کو بھی خیال کرنا چاہئے کہ شعرائے درباری کی بدولت یہ صنف شاعری کس درجہ ابتذال
 کو پہنچ گئی ہے، جاننا چاہئے کہ قصیدہ کی اصل غرض یہ ہے کہ شاعری کے پیرایہ
 میں مسائل اخلاقی و معاشرتی و تمدنی و معاش و معاد وغیرہ کی تعلیم دینی و دنیوی نبی آدم کو
 نصیب ہو یا جو خداوند عزت و مجدہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و التماس سے شاعر کو
 تواریخ عتیقہ حاصل ہو اور سامعین کو زکریا و رسول و امیر سے توفیق عبادت پزیر ہو
 لیکن شعرائے ناعاقبت اندیش اس صنف شاعری کو اس بڑھیکہی سے استعمال
 کرتے گئے ہیں و آج بھی کرتے ہیں کہ عربی اور فارسی اور اردو کی قصیدہ گوئی ننگ
 شاعری ہو کر شائستہ ناکوں میں ان زبانوں کی تفسیح کی صورت ہو گئی ہے ذیل میں کچھ
 فارسی اور اردو کے شعرائے قصیدہ گو کے کلام درج کیئے جاتے ہیں اور ان کی نسبت
 ہوراقم کے خیالات ہیں وہ بھی قدرت ناظرین میں گزارش ہوتے ہیں :

فارسی کی قصیدہ گوئی

ظاہر ہے کہ فارس کے تمام شعرائے قصیدہ گو کا ذکر اس کتاب میں کیا نہیں جاسکتا
 کس واسطے کہ اس کی تصنیف بہ سبیل تذکرہ واقع نہیں ہوئی ہے اس لئے صرف چند شاہکار
 حضرات قصیدہ گو اس کتاب میں یاد کئے جاتے ہیں ان کے نمونہ آئے کلام سے قصیدہ

گوئی کی حقیقت کم و بیش طور پر منکشف ہو جائے گی ۷

معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص فارسی کا پہلا شاعر ہے۔ قصیدہ کا مجدد
 نذرا نہیں جاسکتا۔ اس واسطے کہ اس کے ظہور کے بہت سی

رودکی

صدیاں پہلے یہ صنف شاعری اہل عرب میں جاری تھی بہر حال رودکی قدیم ترین شعرا
 فارس سے ہے اور اس کا کلام فطری خوبوں سے ممد ہے۔ اس کے ایک قصیدہ
 کے کچھ اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں ان سے ظاہر ہوگا کہ یہ شاعر فطرت کی
 تبعیت کرنے والا تھا، بسے سرو پا طور کے مضامین کا باندھنے والا تھا۔ یعنی اس کی
 ترکیب تطبیق فارابی وغیرہ کی نہ تھی ہر چند قصیدہ ذیل بھی ایک دوبارہ قصیدہ ہے
 مگر ظہیر کے ان پے شائبہ باری قصیدوں سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا۔ رودکی کا
 کلام زیور سادگی سے آراستہ نظر آتا ہے اور فطری رنگ رکھنے کے باعث
 دلچسپی سے فانی نہیں معلوم ہوتا۔ اس قصیدہ کا کوئی شعر ایسا نہیں دکھائی دیتا۔ کہ
 سعاری علیہ الرحمہ کو یہ کہنے کی ضرورت پڑتی ہے

چہ حاجت کرے کہ کسی آسمان
 نہی زیر پائے قزل ارسلان

واقعی سعدی کیا ہی عمدہ مذاق کے شاعر تھے آخر ظہیر کے اس شعر نے

کہ کسی خاک نہماندیشہ زیر پا
 تابوسہ برد کا ب قزل ارسلان دید

شیخ سے شعر بالا کلامی چھٹا ایکوں نہ ہو ہر راست باز راست پسند است طبیعت
 راست خلقت آدمی کو دروغ سرائی سے حشمت ہوتی ہے۔ لاریب ایسی ہی مبالغہ
 پر ادیوں نے فارسی کی شاعری کو عالم میں بدنام کر رکھا ہے۔ اگر فارسی شاعری سے مبالغہ
 پروازی کی بد مذاقی دور ہو جائے تو فارسی شاعری پڑھا ہو جائے۔ غضب خدا کا

ہے کہ فارسی کے شعرا اپنے سلاطین و امراء کی تعریف ایسے نہج سے کرتے ہیں کہ اگر
 ان کے اشعار خدا و نعت محمد مصطفیٰ اور منقبت علی رضی اللہ عنہ میں پڑھے جائیں تو نہایت
 ہی حسبِ طالع معلوم ہوں بدیشہ شعرائے فارس کے قصائدِ مدحیہ کا یہی رنگ دیکھا جاتا
 ہے یا شنائے شعر اے قلیل منقذین متاخرین سب کے سب مرضِ مبالغہ پر دازی کے
 دلیل نظر آتے ہیں اور انہوں سے کہ مرور ایام سے یہ بیماری ترقی ہی کرتی گئی۔ چنانچہ
 نثرِ متاخرین حکیم قانانی کو آزارِ مبالغہ میں متقدّمین سے بھی زیادہ متبلا پاتے ہیں۔ مثلاً
 ایک شعر ان کے ایک قصیدہِ مدحیہ کا عرض کیا جاتا ہے۔ شعر

شنتا ہے کہ بہت اور الطوع و طبع جان دل قضا ابلع قد طالع ملک خام فلک چاکر

کاش ما آتی نے اس شعر کو مرزا ناصر الدین شاہ کی طرح کے مومن نعت محمد مصطفیٰ و
 منقبت علی رضی اللہ عنہ میں کہا ہوتا اسی طرح اس شاعرِ نادر کے سیکر و دلِ ستار میں جو حمد و نعت
 منقبت کے لئے موزوں معلوم ہوتے ہیں۔ نہایت جاتے حسرت ہے کہ مبالغہ پر دازی
 کی بیماری سے فارسی کی نظم و نثر دونوں بد حال ہو رہی ہیں۔ مگر ابھی تک اس کے
 ازالہ کی طرف توجہ نہیں کی گئی ہے۔ کاش اب بھی کوئی علاج کی صورت نہ لکھے
 کہ فارسی کی شاعری پیچہ اہل سے نجات پائے۔

واقع ہو کہ شاعری کو دروغِ سرائی سے کوئی علاقہ نہیں ہے دروغِ سرائی
 شاعری کی پُر تاشی کو کھو دیتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اکثر فارسی کے قصائدِ مبالغہ پر
 نظر آتے ہیں۔ انہیں پڑھ کر طبیعت کو کسی قسم کی فحرتِ نصیب نہیں ہوتی۔
 بالیقین ایسے قصائدِ تعلیم یافتہ و ماغول میں جگہ نہیں کر سکتے ان سے متکلف ہونے
 کے لئے ضرور ہے کہ پہلے انسان ان کے مصنفوں کا مذاق پیدا کرے ابلا شبہ

ایسا شخص جو شاعری کو سرمایہ زندگی و وقت رُوح جانتا ہے ایسی شاعری سے جو حقیقت
 سوہان جان ہو کسی طرح کی ولی یا دماغی خوشی حاصل نہیں کر سکتا ہے بہر حال رُود کی کاؤ
 قصبہ جس کے کچھ اشعار و روح ذیل ہوتے ہیں ان معائب سے پاک ہے جن سے
 فارسی کی شاعری انگشت نما ہو رہی ہے اس میں نہ معیوب طور کی مبالغہ پر دازی ہے
 اور نہ مابلوغ انداز کی نازک خیالی - ظہیر عرفی - ناکائی وغیرہم کے طریقہ قصبہ گوئی
 سے تمام تر علمدہ ہے۔ معاً - چیتان اور ہر طرح کے صنائع بدائع کے معائب سے
 تمام تر پاک ہے۔ بیچرل شاعری کا نمونہ ہے اور جس غرض سے لکھا گیا تھا اُس کا پورا کرنے
 والا نظر آتا ہے اسی لئے حُسنِ نابیر سے آراستہ دکھائی دیتا ہے ۴

اشعار از قصائد رُود کی

یاد یار مہم - زبان آید ہی	یاد جو سے موبلیاں آید ہی
زیر پا میم پر نیان آید ہی	ریگ آمو باد شیتتا سے او
خنگ مارا تا میان کید ہی	آب جیوں از نشاط روتے ما
میر تروت شادان آید ہی	اسے بخارا شاد باش دیہ زری
سوز و سو سے بوستان آید ہی	میر تر است بخارا بوستان
ماہ سو سے آسمان آید ہی	میر ماہ است و بخارا آسمان

صاحب تاریخ گزیدہ لکھتے ہیں کہ رُود کی کو اس قصبہ کے لکھنے کی پرماتیت
 ہوئی کہ امیر نصر ۹۲۵ء میں بخارا کو چھوڑ کر مع ارکان دولت ہزار ہزارین قیام پذیر
 ہوا تھا۔ اس شہر سے اُسے ایسی دلہنگی پیدا ہوئی کہ وہ بخارا کو بھول بیٹھا اور پھر پورا

ہمت اس کے کوتاہی تھے کہ وہ وطن مراجعت کرنا مگر وہ کسی کی نہیں سنتا تھا
 تب روڈ کی تے یہ قصیدہ لکھا اور یہ قصیدہ بھنورا امیر گا یا گیا۔ اس قصیدہ کا یہ اثر
 ہوا کہ امیر فوراً جلسہ سے اٹھا اور بلا سامان سفر امر اور رفقار کو لے کر بنجا را کو روٹا
 ہوا گیا۔ صاحبِ فیضیہ دولت شاہی لکھتے ہیں کہ علماء کو اس قصیدہ کی مقبولیت پر
 عجب ہوتا ہے۔ کس واسطے کہ یہ نہایت سادہ اور سلیس زبان میں لکھا گیا ہے اور
 یورات شاعری سے تمام تر معرا ہے امیر نصیر کے بعد کے سلاطین کے حضور میں اگر ایسا
 نصید پڑھا جاتا تو ضرور ان کی ناپسندیدگی کا باعث ہوتا۔ واضح ہو کہ دولت شاہ کی
 تحریر مذاق شعرائے فارس کے تمام تر موافق ہے مگر راقم کو اس قصیدہ کی مقبولیت میں
 عجیب نہیں گزرتا ہے۔ اس لئے کہ یہ قصیدہ نہایت فطری رنگ رکھتا ہے فطری
 مذاق بیان میں اگر پڑنا تیری موجود نہ ہو تو پھر کہاں ہو سکتی ہے۔ حضرت غالب نے بھی ایک
 قصیدہ ہی زمین میں تحریر فرمایا ہے۔ اُس کے عمدہ ہونے میں کوئی گفتگو نہیں مگر اس کا
 مذاق اس قدر فطری نہیں ہے اس لئے اس کو اس قدر حُسن و متبول حاصل نہ ہوا۔ علاوہ
 اس کے جاتے خود ہے کہ روڈ کی تے اپنا قصیدہ ایسے وقت میں لکھا تھا کہ تمام امرایہ
 مذاہر اور رفقائے امیر پر حُصْبِ طین کا جوش غالب ہوا تھا۔ روڈ کی بھی دوری وطن سے
 نشان تھا۔ ایسی حالت میں جو کچھ روڈ کی نے کہا۔ دل سے کہا

اسچہ از دل خیزد بر دل ریزد

یہ موقع حضرت غالب کو کب نصیب ہوا۔ پس حسبِ مراد مقبولیت کی
 بت حضرت غالب کے قصیدہ کو کیونکہ ہو سکتی تھی ؟

فردوسی طوسی ابو القاسم نام نامی ہے اور فردوسی تخلص چونکہ طوی ملک س تھا

اس لیے ہوس کی نسبت کے ساتھ یاد کئے جانے اور درجہ حکمت حاصل رہنے کے باعث ملقب بچشم ہیں اس خدائے سخن کی شہرت قصیدہ گوئی کی نسبت یاد نہیں ہے جس بنیاد پر ہے اس کی بخت آئندہ آئے گی۔ یہاں ذیل میں ایک قصیدہ جو اس ہجالیوں نہاد کی فکر پاک کا نتیجہ ہے۔ نذر ناظرین کیا جاتا ہے یہ قصیدہ منقبت سیدنا امیر المؤمنین میں ہے اور دوستانہ الام کے خلاف مذاق نہیں ہے :

قصیدہ فردوسی

اگر بوی نجم زلف تا بدار انگشت
مگر شمارہ زلف تو می گن شانه
گرہ گره شدہ رگہاے جان خستہ دلان
بحر تزلزل من انگشت کش نہادی دوش
منزلے شہا شہادت شہید عشق برد
پئے نظارہ شیکین ہلال اویا ماہ
برستی آرزو سے پائے ہوس اد کرم
لاچو پیر شدی بگزر از ہوا و ہوس
بلو کہ بود کہ شد فتح باب خیمہ از و
کہ پارہ کرد کند نفاق و رشتہ کفر
علی عالی اعلیٰ کہ دست ہمت او
نشے کہ تا زدو انگشت در ز خیمہ کند

ز زلف خویش بر آری ز بہار انگشت
کہ کردہ در خم زلف تو بے شمار انگشت
چو کردہ زلف سیاہ تو تا تار انگشت
سرم ندائے تو زین حرف بر مدار انگشت
چو بار تیغ بر آرد دلا برار انگشت
کشدم نوا زین نیگول حصار انگشت
نہادہ بر لب خون نوش خود نگار انگشت
ز بہر آرزوئے نفس خود بر آرد انگشت
کہ کہ در برد رآن فلجہ استوار انگشت
بر گاہ ہوارہ کہ زد در ومان مار انگشت
ہزار نئے زدہ بر چشم نہا بخار انگشت
بر آمد از پئے اسلام صدر ہزار انگشت

ز دست تیغ تو جان بروز جہاں ایمان
 کسے کہ حب تو اش نعلیت تا بروز شمار
 کسے کہ دست بدایمان حیدر و آتش
 شہنا تر است مسلم کرم کہ گاہ رکوع
 کینہ چاکہ مداح است فردوسی
 بگیر دست خدایا بحق حیدر و آل
 مولیان علی رازدوسے لطف و کرم
 ہر آنکہ کہ بدیں تو استوار انگشت
 بہر زہ گوی تبلیج می شمار انگشت
 نزد بسا کہ بدندان کند و گاہ انگشت
 کند برائے تو انگشتری شمار انگشت
 ہمیشہ با قلمش گشتہ دستیار انگشت
 در ان نفس کہ رو خلق راز کار انگشت
 نہ ہوں روز جزا ہر قرار انگشت

شہا غلام غلام تو ام مرا یہ گذار
 برائے فاقہ بر آرم یہ زمینہار انگشت

مجد الدین نام نامی ہے۔ سنائی تخلص۔ اور حکیم لقب ہے۔ وطن
 اطراں غزنین میں تھا۔ ظہور اس حکیم نامی کا آل سلجوقیوں کے عہد
 میں ہوا اس فائدہ کے جن جن بادشاہوں کو اس کی تائید سے روزگار کے دیکھنے کا اتفاق
 ہوا حلقہ بگوش عقیدت ہے۔ واقعی حکیم سنائی عجب بزرگ گند سے ہیں اہل سنت
 ان کو اولیاء و القیاس سے جانتے ہیں حکماء ان کو حکیم مانتے ہیں۔ شعراء ان کو استاد
 بالکمال کہتے ہیں۔ شیعہ ان کو عظمت کے ساتھ یاد کرتے ہیں ذیل میں ایک قصیدہ
 حکیم ممدوح کا بطرز نمونہ نذر ناظرین ہوتا ہے :

قصیدہ سنائی نمبر ۱

مکن در جسم جان منزل کایوں دست و اولاد
 قدم از ہر دیرین نہ ایجا باش و نہ آسجا

بہرچہ از راہ باز آفتی چہ کفر آن حرف چہ ایمان
گروہ ہر دان بینی کہ مژدش بینی از دوزخ
سخن گزراہ دین گوئی چہ غیر الہی چہ سرایانی
مگر سزور غافل برابرے امن او حکمت

نہ حرف از بہر آن مد کہ سوزی ز سوزہ زہر اہ
تو علم آموختی از حرص آنکہ ترس کا نہ ز شرب
یہو علمت بہت غفلت کن ہو بیہ علمت کہ زشت آید
چو زن جان از مزین کن یہ علم دین کہ زشت آید
تربیزدان ہی گوید کہ در دنیا مخور پادہ
ز بہر دین نہ بگذاری حرام از حرمت یزدان
مرا با بسے بجز اندر راہ حکمت و ہمت
نخواہم لا حرم نعمت نہ دروینا نہ در حبت
کہ یارب مرستانی را سناستے تو در حکمت
مگر دان عمر من چوں گل کہ در ظلی شوم کشتہ
مکرم از شریستہ خردم بگیر از من کہ بد کردم
بہرچہ از اولیا گفت از زلفی و وفقنی

بہرچہ از دوست انانی چہ زشت کن لغزش و چہ بیبا
نشان عاشق آن باشد کہ خشکش بینی از دریا
مکان کن بہر حق ہوئی چہ جا بقا چہ جا لمسیا
مدہ مجبور و حساب ہل را نہ بہر طبع او حرفا

نہ حرف از بہر آن باشد کہ فدوی چادری نہ ہر اہ
چو خورد با چراغ آید گزیدہ تر برد کالا !
گرفتہ چہ پیغمبران احرام کی نختہ در طہما
ازین سوشاہ عمرایں از ان سو کوئی نکانہ دیبا
ترا تر ساہی گوید کہ در صفا مخور حلوا
ولیک از بہر تن مانی حلال از گفتہ تر سا
بہ سوائے خط وحدت برو عقل از خطہ اثیبا
ہمی گویم بہر ساعت چہ در سراجہ در ذرا
چنان کہ ز سبے بر تنک آید روان بوئی سینا
مگر دان حرص من چوں گل کہ در پیری شوم ہر نا
بیابان بود و تالستان آب سرد استقا
بہرچہ از انبیا گفت خدا منا و صد تقنا

سبحان اللہ زانی سوا حکیم کے کون شاعر ایسے اشعار موزون کہ سکتا ہے یہ شعر
دفعہ حکمت ہے تعلیم دین و دنیا کا خاتمہ ہے کیسے کیسے مسائل منفع پیرایہ شاعری میں
بیان ہوئے ہیں یہ اشعار عالموں کو راہ ہدایت بتانے والے ہیں ان سے فلسفی کو فائدہ

عظیم نتج ہو سکتے ہیں۔ ان سے طالبِ حق دریافتِ حق کر سکتا ہے کیا کتنا ہے آفرین
 صد آفرین، الاریب جس زبان میں ایسے اشعار موجود ہوں وہ زبان اپنے وقار پر ناز کر سکتی
 ہے۔ کاش فارس کے سب قصائد اس انداز کے ہوتے۔ جیفت صحیفت کہ درباری
 قصیدہ گوئیوں نے اس زبان کو بے آبرو کر ڈالا ہے اس زبان کے وقار پر بدذاتی شعراء
 کا ابر ایسا چھارنا ہے کہ یہ زبان مبتلائے تیرگی ہو رہی ہے واضح ہو کہ برائے خود قصیدہ
 ایک نہایت اعلیٰ اور فضل منان شاعری سے ہے مگر اس کے استعمال بد نے
 اسے مفذوح بنا رکھا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ صنف شاعری بڑے بڑے اہم مضامین
 کی بندش کے واسطے منع کی گئی تھی جیسا کہ اس قصیدہ کے انداز سے ظہور ہے راقم
 ایک اور بھی قصیدہ اس حکیم عالی مقام کا درج لڑا کرتا ہے ۴

قصیدہ سنائی نمبر ۲

رخ چو عیا ان میا از جان چو نامردان بکن	برگ بے برگی نزار و لاف در لیشی مزن
ہرچہ بینی جز خدا آن بت بود در ہم شکن	ہرچہ بابی جز مہا آل بن بود در جان بکار
کشندگان زندہ بینی آنخسمن در آنجن	سر سر آرز گلشن تحقیق تا د کوئے دین
درد گر صفت خستگان بینی ز نیر سے چون حسن	دیکے صفت کشندگان بینی ز نیر سے چون حسین
چہل سولی بہا و بتر گردی از گردن زدوں	درد دین و دل و لہر و دے ست کند وے چو شمع
درد باید صبر سوز و سرد باید گام زن	ہر تھے از رنگ گفنا سے این ہ کے رسد
عاقلے کامل شود یا فاضلے صاحب سخن	قرن آباد کہ تا یک کو دے از لطف طبع
لعل گرد در پختاں یا عقیق اندرین	سال آباد کہ تا یک تنگ اصل ز آفتاب

ماہ لایا کہ ایک مہشت ششم از پشت پیش
 صوفی را خرقہ گردو با حلا سے رارسن
 ہفتہ لایا کہ تا یک پینہ دانہ زاب و گل
 شاہدی راحلہ گردو با شہید سے راکفن
 روز لایا کہ کشیدن انتظار بے شمار
 تاکہ در جوف صدف باران شود در عدن
 صدق و اخلاص در ستنے باید و عمر در از
 تا قرین سخن شود صاحب قرآنے رقرن
 باد و قبیلہ در رہ نوحید نتوالفت ہست
 بار ضائے دوست باید یا ہولے نوحشتین
 کس عنہ سے انعام بالاکا کفریت کی جائے سبحان اللہ وصل علی ہر شمر اعلیٰ وجہ

کی تعلیم روحانی کا آلہ ہے کس قدر فطرت کے قرین ہے سخن گوئی اور سخن جوئی کا خاتمہ ہے
 کلام ایسا تو ہو کہ ضرب لاش کا حکم رکھتا ہو فارسی کو جس قدر بد مذاق قصیدہ گوہوں کی
 سخن سخن سے مراد یہ شہ مساری مترتب ہوا ہے اسی قدر ایسے اشعار کی بدولت گنجینہ
 ناز بھی ہاتھ آیا ہے واقعی بنائی ایسے حکیم دین و دنیا گزر سے ہیں کہ ہر مذہب ملت کا
 آدمی ان کے شرف حکمت بانی کا قائل اگر نہ ہو تو آدمی نہیں ہے اس پر سے حضرت
 دلاسے اہل بیت میں ایسے عرق معلوم ہوتے ہیں کہ خاندان نبوت کی یاد سے کبھی غافل نہیں
 ہوتے واقعی جرت تک انسان کسی شے کو محبوب نہیں رکھے گا اس کو گاہ و بسے گاہ یاد
 نہیں کرے گا فرقہ نشینی مذہب کا حکیم سالی کو نظر عظمت سے دیکھنا ہے وجہ نہیں معلوم ہوتا

حکیم ابو الحدیدین الودعی قصیدہ گوئی میں مشہور آفاق ہیں اطراف
 خراسان میں پیدا ہوئے سلطان سنجر سلجوقی کے عہد میں ان کی شاہی
 شہرت پکڑی واقعی الودعی بڑے طباع تھے علم و فضل میں حکیم کا درجہ رکھتے تھے مگر
 موافق کی دانست میں ان کی قصیدہ گوئی حکیم سالی کی قصیدہ گوئی کی خوش مذاقی تک نہیں
 پہنچتی ہے الودعی درباری شاعر تھے مگر سالی نے تقرب سلطانی سے اپنی شاعری کے اسن کو

آلودہ ہونے نہ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ سنائی کا کلام ایک اور مقدس نظر آتا ہے۔ ان
 دونوں حکیموں کے حالات زندگی پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں بل کمال
 بیخ کے آدمی تھے۔ انوری طالب جاہ و منال تھے۔ اور سنائی تارک دنیا
 انوری نے اپنے کمالات علم و فضل کی بدولت تقرب سلطانی حاصل کیا۔ مگر سنائی
 نے سلطانی تقرب سے اپنے کو علیحدہ رکھا۔ انوری کے حالات میں محققین نے لکھا ہے کہ
 ایک روز آپ مدرسہ کے دروازے پر بیٹھے تھے کہ ملک الشعراء حکیم ابوالفتح کی
 سواری نہایت جاہ و احتشام کے ساتھ سامنے سے گزری۔ انوری نے کہتا ہے
 افسوس ہوتا ہے تھے۔ پوچھا کہ یہ کون مہر ہے کہ اس تزک سے جانا ہے لوگوں نے
 کہا کہ یہ شاعر بارگاہ سلطانی ہے۔ انوری نے کہا کہ میں بھی اپنے کو سلسلہ شعراء میں
 داخل کروں گا۔ یہ ارادہ کر کے ایک قصیدہ مدحیہ خدمت شاہ میں پیش کیا۔ بادشاہ
 کو بہت پسند آیا سلطان پڑ سے اعزاز و احترام سے پیش آئے اور آخر کار انوری کو
 ملک الشعراء کا رتبہ بخشا۔ اس کے برخلاف حکیم سنائی کی سرگذشت نظر آتی ہے کہ
 سلطان وقت ابراہیم غزنوی سے ان کا اپنی بہن سے بیاہ کر دینا چاہا، مگر سنائی کی
 آزاد مزاجی نے بادشاہ کی خواہش پوری ہونے نہ دی اپنے فراسفر حجاز اختیار فرمایا
 اور حج زیارت بیت اللہ سے مشرف ہوئے واضح ہو کہ انسان کے خلاق و اطوار کو
 اس کے علم و فضل میں تمام تر دخل ہوتا ہے پس جب سنائی کا انداز مزاج ایسا تھا تو ضرور
 ہے اس کے کلام میں بھی اس کے مزاج کا انداز پایا جائے چنانچہ اس واقعہ میں ایسا
 ہی ہے کہ سنائی کا کلام بڑی حوصلہ مندی سے خبر دیتا ہے۔ دنیا سے دوں کی
 پستی کی طرف میلان نہیں رکھتا یہ بات درباری شاعر میں پائی نہیں جاسکتی

طالب ماہ و منال کہاں تک عالی خیال ہو سکتا ہے۔ نہایت جاہلے افسوس ہے کہ
 سلاطین اسلام کی بدولت شاعری و سخن بہت ذلیل و پست ہو گیا۔ جاہلے غلو ہے کہ حکیم
 الوری سے قابل شخص کو بھی اس کام کو کرنا پڑتا تھا جو سچے شاعر کے لئے ایک بڑے
 ننگ کی بات ہے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً سلاطین نے شاعری کو اپنی مداحی کے واسطے
 مختص سمجھا تھا پس انھیں شعراء کی عزت و آبرو ہوتی تھی جو اپنے بادشاہوں کی مدح میں کوئی
 دقیقہ دروغ گوئی کا اٹھا نہیں رکھتے تھے الوری کے اکثر قصائد گو بڑی طباطبائی سے نچر مٹتے
 ہیں مگر باری شاعری کے مناسب بھرے ہیں راقم ذیل میں ایک قصیدہ حکیم مدوح کا
 درج کرتا ہے یہ عجیبہ قصیدہ ہے اور غرض قصیدہ گوئی کے موافق ہے حضرات ناظرین ملاحظہ
 فرمائیں اور اس کے مصنف عالی مقام کے لئے حق تعالیٰ سے خواستگار رحمت ہوں۔

قصیدہ الوری

و سے گو سرکان آفرینیش	لے شادی جان آفرینیش
محو است نشان آفرینیش	لے محرم خلوتی کہ آنجا
در شہرہ ستان آفرینیش	لے بلبل بوستان تجرید
اسرار نہان آفرینیش	در جلوہ کیش کشف لطقت
کاسے بخت جوان آفرینیش	در بدو وجود گفست پیرت
تیرے زکسان آفرینیش	ناجستہ ز فکر نت رواق تر
ز آسیدب گمان آفرینیش	آزاد مرا تب یقینت
نام تو نشان آفرینیش	بے فاستقہ تننا بندہ

در شیوه اختراع ابداع
 کم کرده گراں - کابلی تو
 در بے جیتی ہلال قدرت
 در بے صفتی علو لغت
 تابستہ بنود تاکہ بودہ
 عبیت تو گرفتہ صد لایت
 دہ یازدہ قسب اولی
 بیش است نکات مایہ تو
 سو گند بجان تو خورد عقل
 بر تو بہ مجلس بہار بیت
 افتادہ بر آستانہ شمع
 نوزیہ استعارت تست
 نقد سخن چو راجح افتاد
 پر بیز عقل کل کہ آن چسبیت
 صرف سخن کہ نفس کل است
 تا ابلق تند رہر رام است
 در خدمت دور ولت باد
 نیریں زبان شکر نیت

با تاب و توان آفرینش
 تیزی عنان آفرینش
 نایغ ربت ان آفرینش
 بر تر ز زبان آفرینش
 پیش تو میان آفرینش
 زان سوئے جہان آفرینش
 بر کل مکان آفرینش
 از سود و زیان آفرینش
 بے سنی کہ بجان آفرینش
 در فضل خزان آفرینش
 مست از نور و ان آفرینش
 آرایش نخوان آفرینش
 در داد و ستان آفرینش
 گفتا بہمدان آفرینش
 بر طرف و کان آفرینش
 اندر جسم ران آفرینش
 دوران زمان آفرینش
 تا شہد مان آفرینش

خاقانی بکلمتہاں الیہا شروانی حسانِ عجم کی شہرت شاعری ان کی تصنیف گوئی کی وجہ

سے ہے اس صنف شاعری میں انھیں بڑی دستگاہ حاصل تھی قصائد ان کے بہت پر بند و نظر آتے ہیں۔ اور ہر چند کہ تر یاری شاعری کے عیوب سے پاک نہیں ہیں۔ اس پر بھی حکیمانہ مذاق رکھتے ہیں لاریب خاقانی کے کلام میں بڑی نازک خیالی اور بلند پروازی کی کمی جاتی ہے فیضی و ادرت میں حکیمہ خاقانی کے قصائد اس قدر حکیمانہ انداز میں لکھے گئے گوان کی شوکت لفظی اپنا جواب نہیں رکھتی۔ خاقانی کے کلام کے نقصانات یہ ہیں کہ محض آسان مضامین بھی وقت خیر تر لکھیوں سے جو القلم کئے گئے ہیں اور چونکہ عموماً مبہمان مضامین کا طور و شعور ہوا کرتا ہے پرتائیری ان میں کتر پائی جاتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاقانی کو دم سخن سنجی یہ یا نہیں رہتا تھا کہ خوشخیالی سالی کی محتاج نہیں ہے ظاہر ہے کہ خوب و مرغوب مضامین کج و کاواک بیان سے بے اثر ہو جاتے ہیں مسائل منفع کیلئے سادگی بیان ہی عمدہ ہوا کرتی ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ عالی اور نازک خیالات ایسی دقیق تر لکھوں سے جو القلم کئے جائیں کہ سنے کی صورت پیدا کریں ذیل میں لطیف نمونہ کچھ اشعار قصیدہ منزۃ الارواح و تزیینۃ الاستباح سے نذر ناظرین ہوتے ہیں :

قصیدہ

صبح را چون محراب کعبہ عریاں دیدہ اند	شب روان صبح صادق کعبہ جان دیدہ اند
ہم بسبح از کعبہ جان رکنے ایمان دیدہ اند	از لباس نفس عریاں ماندہ چون ایمان صبح
بچو کیستہ سبز و خوں لوز خندان دیدہ اند	در شکر برون ز رنگ خوں کہ گردوں ابہ صبح
مردق شوق ایسا دہ کعبہ جان دیدہ اند	دادی فکر ت بریدہ محرم عشق آمدہ
صبح یابغ و شفق را خون قربان دیدہ اند	روز و شب دیدہ دو کا دستہ در قربانگمش

در دل از خط پیدانند صد لبستان دیده اند
 دل علامت گاه پاسخنائے سلطان دیده اند
 در کجا در وادی تجرید امکان دیده اند
 چنانست که هم مقصد هم چشمه هم سخنان دیده اند
 هم جو عقل ساکنان مرست زبیرال دیده اند
 علم حضرت و چشمه ماهی بریان دیده اند
 از پیے در بونده جان کاسه گردان دیده اند
 با همی حضرت اند گوئی کاب حیوان دیده اند
 کین دوچار نفس فرعی طبع در بهقان دیدند
 کعبه همان را به شهر عشق بنیان دیده اند
 کین ره دشوار مشتے خاک آسال دیده اند
 خاصگان این را طفیل بیدان کن دیده اند
 زبیر پیش نامه توفیق پنہان دیده اند
 پس طواف کعبتین عرض فرمان دیده اند

خوانده اند از لوح دل شرح مناسک بسر آنکه
 نام سلطان خوانده ہم بر پامخ سلطان از آنکه
 از کجا بر داشته تا اول ز بعد اطلب
 صبحی هم رانده ز منزل تشنگان ناشنا
 در سجود کعبه جان ساکنان سدر را
 در حریم کعبه جان محرم الیاس وار
 در طریق کعبه جان چشم زریں کاسه را
 گشتگان کرد کعبه جان باز جانور گشته اند
 کعبه جان زان سوسے نہ نشهر جوئی هفت و
 برگرد گشته زین و ذال شهر در اقلیم دل
 خاکبان دانند راه کعبه جان کوفتن
 کعبه شگین مثال کعبه جان کرده اند
 هر کجوتر که حریم کعبه جان آمد است
 عاشقان اول طواف کعبه جان کرده اند

مطلع خاتمی

با خیال دیده نفس کعبه جان دیده اند
 دیدہ را از نشون کعبه ز مزم آفتال دیده اند
 اشعار بالا سے خاتمی کی طیامی ہو رہا ہے یہ اشعار تمام تر حکیمانہ مذاق رکھتے ہیں
 اس کی بلند پایگی معرظ گفتگو میں ہمیں آسکتی واضح ہو کہ خاتمی اکثر شاعری کا داعی پہلو
 برتتے ہیں اُن کا اکثر کوئی قصیدہ ہے جو اس پہلو سے خالی نظر آتا ہے یہ ایک بڑا

فرق در بیان ماقاتی اور قاتی کے حاصل ہے کمالیخی علیٰ ارباب النظر و تحقیق۔

شیخ علیہ الرحمہ کو قصیدہ گوئی سے بھی مناسبت حاصل تھی اور یہ مناسبت اس قسم کی نہ تھی جو قصیدہ گوئی کو

سعدی بحیثیت قصیدہ گو

بدنام کر دالی ہو کرتی ہے چونکہ حضرت کی طینت میں راست خیالی اور راست گفتاری داخل تھی ایک قلم سے ایسی باتیں نکل ہی نہیں سکتی تھیں جو ہمیں سن کر کسی حق گو یا حق پرکاش پریشان ہو و واقعی آپ قولاً و فعلاً مصداق راستی تھے اسی واسطے جب کوئی قصیدہ منظوم فرماتے تھے تو ظہیر یار و غیرہ کی ترکیبوں سے تامل و تاملتے تھے عموماً ایک کلام لفظ بہ آسان اور باطن سے شعور نظر آتا مگر خیالات کی صفائی ایسی ہے کہ فردوسی - لطائفی - الوری اور خاقانی کو بھی نصیب نہیں ہوتی جو بات زبان قلم پر آجاتی ہے ضرب المثل کا حکم رکھتی ہے حضرت کی قصیدہ گوئی بجز ان مصفا سے غالی نہیں ہے۔ ذیل میں ایک قصیدہ موعظت اور دو قصیدہ سے تعریف ربیع کے نذر ناظرین ہوتے ہیں یہ تینوں قصیدہ سے اغراض قصیدہ گوئی کے تمام تر موافق ہیں پہلا قصیدہ موعظت کا ہے اور حسن بیان سے محمود ہے اس کی پرتاثری غامضوں کو ہر شیار بنا دینے والی اور سونوں کو جگادینے والی ہے ہر مصرع تصور و عبرت ہے فصیح فصیح اور بلیغ سے بلیغ و اعظمی اس سے بہتر طریقہ و عطا اختیار نہیں کر سکتا۔ اسی لئے مساجد میں سرتبر و اعظین اس قصیدہ کو پڑھتے ہیں واقعی اس کی پرتاثری ایسی ہے کہ اگر شخص دنیا دار غفلت کو وارہں کو یہ توجہ بنا کر لے تو اس کی آنکھ میں دنیا بچ دکھائی دیتے گے اور یقیناً آخر کار اسے دنیا سے تنفر پیدا ہو جائے گا واہ سعدی واہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے خوب اس قول کو سمجھا تھا کہ دنیا روز سے چند و آخر کار با خداوند متب ہی تو آپ ایسی پرتاثری زبان میں اس خیال کو نظم کر سکے جو حضرات حق آگاہ سے پنہاں نہیں ہے کہ

نیچرل شاعری کا کلام عموماً راستی سے ملو ہوتا ہے۔ مگر یہ کہ راستی کے ساتھ کلام کمال
 درجے کی شاعری کی صفت کے ساتھ بھی منصف ہو یہ بڑی ندرت سے خبر دیتا ہے
 سعدی کی شاعری بھی ندرت کھنتی ہے کہ راستی مضامین کے اعلیٰ درجہ کے شاعرانہ حسن
 سے مزین پائی جاتی ہے اس قصیدہ کو حضرت ناطرین ملاحظہ فرمائیں کہ شروع سے آخر
 تک نہ صرف مصداق راستی ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی شاعری کی تصویر بھی ہے اس کے علاوہ
 جو اردو قصیدہ سے منسلک ابدا ہوتے ہیں وہ بھی اغراض قصیدہ گوئی کے تمام تر موافق
 ہیں۔ ان دونوں قصیدوں میں شیخ علیہ الرحمہ نے ربیع کی صفت بڑی عالی مذاتی کے
 ساتھ حوالہ قلم فرمائی ہے اہل مذاق صحیح ال کو پڑھیں اور نیچرل شاعری کا لطف اٹھائیں
 واضح ہو کہ سعدی کے ان دونوں ربیع کے قصیدوں کو دیکھ کر طاسن (THOMSON)
 شاعر انگلستان یاد آتا ہے اس باذوق شاعر نے بھی فصلوں کی کیفیتیں منظوم کی
 ہیں اس کی اس تصنیف کا نام ٹاسمنٹ سنڈریس ہے :

قصیدہ سعدی نمبر ۱

قرآن کو سے اجل کے قرارِ خواہد بود	قرآن گاہ تو دارالقب از خواہد بود
اگر تو ملک جہاں را بدست آوردی	مباش غرہ کہ ناپا ادا از خواہد بود
بمال غرہ چہ بانشی کہ یکدے روئے چند	ہرہ نصیبہ میراثِ خوارِ خواہد بود
زایہ تختہ و تابوت در کشد از تخت	گرت خزانہ و لشکر ہزارِ خواہد بود
تراہ کنجِ حسد سالہا بیلید تخت	تن تو طعمہ ہمہ موزا خواہد بود
اگر تو در چین روزگار پہنچو گئے	دمیدہ بر سر خاک تو خارِ خواہد بود

نیاز مندی باران نداشت سود سے
 بسا سوار کہ آنجا پیادہ خواهد شد
 بسا امیر کہ آنجا اسیر خواهد شد
 بسا امام ریائی و پیشواے بزرگ
 چراز حال قیامت مے بیند نشی
 بہشت محاطی از گند نہ پر میزنی
 گرز باطل و مردانہ حق پرستی کن
 بسا ز چارہ رفتن چو مردان رفتند
 بر قطره قطره حرمت عذاب اہ داد

لے حضرات حقائق و ستگاہ واقعی سعدی کا کلام کس قدر تاثیر معلوم ہوتا ہے
 کون شخص دنیا میں ہے جو ان اشعار کو پڑھ کر دنیا کی طرف سے افسردہ خاطر نہ ہوگا
 بیوہ اشعار ہیں کہ سلطنت دولت حکومت حسن تشابہ موت زور اور دنیا کی
 تمام نعمتوں کے نشہ کو بچھا ڈالنے والے ہیں واہ کلام ہو تو ایسا پڑ تاثیر ہو پڑ تاثیر
 امر اختیار نہیں ہے، ہر شاعر سعدی نہیں ہو سکتا یہ تمام تر خدا کی دین ہے حکومت اے وہی پائے
 میں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخش خدا لے بخشندہ

قصیدہ نمبر ۲ در صفت زبج

علم دولت نور و بصیرت ابر قاست
 لشکر رحمت سرماز سرما بر قاست
 تار یا بگلنہ قائم برفت از سر کوہ
 بزرگ تالش خورشید بیغما بر قاست

بر عروسان چمن بست صبا بر گره
 یں چه بولے ست که از جانب خلق بیدید
 به بولے است که خلدش تجریر به نشست
 غلام انحراف عکس چمن حمرا گشت
 موسم نغمه جنگ است که در بزم صبور
 بولے آلودگی از خرقره صوفی آمد
 از زمین ناله عشاق بگره دل برسید
 بسکه نوبال به تفریح صوفی بستان رفتند
 عاشق امر و ذی قوتی بر تپا بد به نشست
 هر کجا طلعت خورشید رهنه سایه فلکند
 هر کجا موقوفه چهره چو یوسف به نمود
 هر کسکه رهسوار بولے گلے در سر شد
 بارخش لاله ندانم بچه رونق بشگفت
 سر به بالین عدم باز ندای گرس مست
 سخن گفتن او عقل زهر دل برسید
 در رویش چو بر انداخت نقاب زلف
 درق خوبی معشوق زهرم برگره دید
 زک عشقش زهر صبر چنان غارت کرد
 سعیا نامه سیه کردن سود آتا که

که لغوا صی ابراز دل دریا برخواست
 وین چه بادی است که از جانب صحر برخواست
 چه زیننه است که چرخش تولا برخواست
 بسکه از طرف چمن بولے لاله برخواست
 بلبلان راز چمن ناله و نحو غا برخواست
 شور دیوانگی از سینه دانا برخواست
 و از تری ناله میستان به تریا برخواست
 الغیبات از چمن گلبن حمرا برخواست
 که دل زاهد از اندیشه فردا برخواست
 بیدار نخته مکر بسته چو جزا برخواست
 عاشق سوخته سخن چو لیخا برخواست
 نه که این دلوله از بلبل تنها برخواست
 با قدش سر و دندانم بچه یارا برخواست
 که ز خواب سحران گرس شکر برخواست
 عاشق آن قدر فرم که چیز دیا برخواست
 گوئی از روز قیامت سبب یاد برخواست
 قلم عافیت از عاشق شیرا برخواست
 که جهان راز حرم راز معابرخواست
 که قلم را بسرازد دست تو سودا برخواست

قصیده سعدی نمبر ۳

بادادان کہ تفاوت نہ کند لیل و نہار
 صوفی از صومعہ گوئیمہ بزبان در گلزار
 کوہ دوریا و درختان سہمہ در تسبیح آمد
 بیلاب وقت گل آمد کہ بناند از شوق
 آفرینش ہمہ تنبیه خداوند دل است
 این ہمہ نقش عجب برود دیوار وجود
 خبرت نیست کہ مرغان چمن می گویند
 ہر کہ امروز نہ بیند اثر قدرت او
 تا کہ آخر چو پنبشہ مرغفلت در پیش
 کہ تو اند کہ دید میوہ زگیں از چوب
 وقت آنست کہ داماد گل از جملہ غیب
 آدمی زادہ اگر در طرب آید چو عجب
 باش آغچہ سیراب در بن باز کند
 متر و گانی کہ گل از غنچہ برون می آید
 باد گیسو سے عروساں چمن شانہ کند
 نزالہ بر لالہ فرود آمدہ ہنگام سحر
 باد بوسے سمن آردو گل و نیل و بید

خوش بود دامن صحرا و تاشائے بہار
 وقت آن نیست کہ در خانہ نشینی بیکار
 نہ ہمہ مستمعان فہم گنم خدا این امر
 نہ کم از نیل مستی تو بنال آئے ہر سیاہ
 دل نداد کہ نداد و بخداوند اقرار
 ہر کہ فکرست نہ کند نقش بود بر دیوار
 کاخ آہستہ آہستہ سمرات بالمش غفلت برد
 غالب آن است کہ فردا اش نہ بیند دیدار
 حیث باشہ کہ تو در خوابی در گس بیدار
 باکہ داند کہ بر آد گل صد برگ از خار
 بدر آید کہ در خصال ہمہ گردند نثار
 سرور باغ برقص آمدہ بید و سپہار
 بادادان چو سیر نافہ آہوئے ستار
 صد نیر آغچہ ریزند عروساں بہار
 بوسے سمرین و قمر نفل مہر و در اقطار
 راست چوں عارض گلگون عرق کردہ یار
 در دکان بچہ رونق بکشاید عطار

خیرمی خطمی و نیلو فرو بستان افروز
 ارغوان ریختہ بردرگہ خنجر سے چمن
 این ہنوز اول آثار جہاں افروزی است
 شاخہا دستر و شیزہ باغ اند ہنوز
 حیث از عمر گر انما یہ کہ در لہو برفت
 درد نہاں بہ تو گویم کہ خنداوند منی
 لفظہائے کہ در خویشہ بہانہ البصا
 ہچنان است کہ بر تختہ دیبا دینار
 باش تا خیمہ زند دولت نیمان دایار
 باش تا حاملہ گردند بالوان شمار
 یارب از ہر چہ خطا نیت ہزار استغفار
 یا نہ گویم کہ تو خود مطلعی بر امر را

مولانا جمال الدین عمری شیرازی -

یہ شاعر گرامی ہندوستان میں شہرت عظیم رکھتا ہے مگر اس سے اہل ایران بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ عمری - حنرین کی طرح ایران میں غیر معروف نہیں ہے شہرت عمری کی قصیدہ گوئی کی بنیاد پر ہے اس کے قصائد وریات میں دہل میں عمری کی قصیدہ گوئی ایک ممتاز پایہ رکھتی ہے لیکن جو ایشیائی شاعری کے نقائص ہیں اس شاعر کے قصیدوں میں موجود ہیں عمری کے قصائد کا مجموعہ جس کا معروف نام قصائد عمری ہے ایسے قصیدوں پر مشتمل ہے جو علاوہ قصائد حمد و نعت و منقبت کے اگر شاہنشاہ دہلی شاہزادہ سلیم و دیگر امراء سے دربار کے مدحیہ قصائد ہیں اور تمام تر درباری رنگ رکھتے ہیں عمری ایک نئی نظم شاعر تھا۔ اور چونکہ اہل زبان سے ہے ضرور اسے آسانی بیان کی حاصل ہوتی جو فارسی میں ہندی قصیدہ گو کو فطرت کی رو سے حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ واضح ہو کہ اس کتاب میں راقم الحروف کو کسی ملک کی زبان سے بحت نہیں ہے اس لئے یہاں جو کچھ خیالات فقیر کے حوالہ قلم ہوتے ہیں ان کو مجھ و شاعری سے تعلق ہے اس پہلو سے عمری کی نسبت یہ عرض آتا ہے کہ عمری ایک ممتاز شاعر ہے کوئی تعجب

نہیں کہ عہدِ اکبرِ عظیم میں اس کی طباعی نے فرخ پکڑا اور آج تک اس کی شاعری کی شہرت قائم رہ گئی ہے لاریب یہ شاعر گرامی و شہسوار گو مضمون آفرین اور خوش خیال ہے مگر اپنے خیالات کو آسان ترکیبوں سے جو القلم نہیں کر سکتا ہے اس کے کلام میں استعارات کی ایسی کثرت ہے کہ بسا اوقات دم کو کچھن ہونے لگتی ہے تشبیہات بھی افراط کے ساتھ داخل کلام دیکھی جاتی ہیں مگر مبالغات درجہ مبالغتہ کو پہنچے ہوئے نظر آتے ہیں عری کی شاعری یورپین شاعری کے ساتھ کسی طرح کی مناسبت نہیں رکھتی ہے بہت سے اشعار ایسے ہیں کہ ان کا ترجمہ کسی مغربی زبان میں حسبِ مُراد اچھے طور پر نہیں ہو سکتا ہے عری کو قصیدہ گوئی میں زیادہ تر داخلی شاعری کی طرف میلان معلوم ہوتا ہے بزخلاف مرزا حبیب نانی کے جو اس صنفِ شاعری میں تمام تر خارجی پہلو کے پابند دکھاتی بیٹے ہیں۔ عری پر چند ایک نامی شاعر ہے مگر اس کو نیچرل شاعری کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ کشمیر کی تعریف میں جو اس کے اشعارِ قصیدہ ہیں ان کو فقط نگاری سے کوئی علاقہ نہیں معلوم ہوتا ہے مطلع ہی اس قصیدہ کا ایشیائی مبالغتہ نگاری کی پوری تصویر دکھائی دیتا ہے۔

ہر سوختہ جانیکہ یہ کشمیر در آید گر مرغِ کباب است کہ با بالِ پُر آید
سارا قصیدہ پڑھ جائیے کہیں بھی کسی سینتری کا بیان حوالہ قلم نظر نہیں آتا ہے۔ البتہ ہر جگہ مبالغوں کی بھر مار ہے جس سے طبیعت کو شگفتگی خاطر کا نصیب ہوتا معلوم کشمیر کے وصف میں اگر یہ قصیدہ لکھا گیا تھا تو ضرور تھا کہ کشمیر کا بیان فطری رنگ رکھتا کشمیر ایک دلچسپ جگہ ہے اس کا سچا بیان ضرور ہے کہ مسرت خیز ہو۔ ہں کے جبالِ صحرِ اچھے سبزہ زار۔ مرغزارِ ازلہ زار۔ جنگلِ خوش طیور اور ہزاروں

انسان کے اڑنا و اُتار ایک نیچرل فنکار کے لئے سرمایہ کثیر کا حکم رکھتے ہیں۔ اگر مولانا عربی کو نیچرل شاعری کا مذاق تھا تو کشمیر کی تعریف میں ایسا کوڈھنکا قصیدہ تصنیف نہ فرمائے ہوتے۔ یورپ کا ایک نیچرل مذاق کا شاعر کشمیر کا ایک ایسا فوٹو تیار کرتا جس سے اہل مذاق کو کشمیر کی پوری سیر نصیب ہو جاتی بہت جائے افسوس ہے کہ عموماً فارسی کے قصیدہ گو شعرا نیچرل مذاق سے محروم پائے جاتے ہیں لاریت جس شاعر کو نیچرل مذاق کی دولت نصیب نہیں ہے اس کا کلام دل میں جگہ نہیں کر سکتا۔ ذیل میں ایک قصیدہ اس شاعر گرامی کا دخل کتاب اندا کیا جاتا ہے یہ قصیدہ حمد کا ہے جیسا کہ مولانا عربی کا دستور ہے نازک خیالیوں کی دستیابی کا سامان اس قصیدہ میں بھی کثرت استعارات کے ذریعہ سے عمل میں لایا گیا ہے اس پر بھی یہ قصیدہ بہت کچھ قابل توجہ ہے

قصیدہ عربی

گوہر برسود در حبیب زبان انداختہ
بس بہا یوں مرغ عقل از آستان انداختہ
معرفت کو تیر حکمی بر نشان انداختہ
طرح رنگ اعجزی از فصل خیر ان انداختہ
عادت خمیازہ در حبیب کمان انداختہ
از لیسم عشوہ فرش از عوان انداختہ
عفو تو شاہین رحمت را بران انداختہ
فرش استبرق بزیر سائبان انداختہ

لے متاع درد در بازار جان انداختہ
نور حیرت در شب اندیشہ اوصاف تو
از کماں ناب حسہ چہ چشم تجھ کدوہ جا
لے بطع باغ کون از بہر برطان حدوت
سرعت اندیشہ را افگند درد امان تیر
در چمن لے محبت ہر قدم چون کربلا
مُرخ طبع اندر ہولے معصیت کشو ڈبال
سایہ پرورد غمت در آفتاب رستخیز

طبع عشق تر از مغز جان آورده ام
 لے ندلت را روائی داده در بازار عشق
 بر کجا با تیر غم را داده اذن عموم
 زین تجلات چوں برون ایم کز در موج خول
 فیض نازم که بر کس پا بر اہمت مانده است
 صید دل را بہر آگاہی تر صیاد ازل
 کردہ از عرفان لباس عجز را دامن راز
 طبعہ کہ خون عشق آگندہ ام در کام دل
 شرع گوید منع لب کن عشق گوید لغز زان
 دولت و صلت کہ در یاد کہ با آن محرمی
 حیرت حسن تر از نام کہ در بنم وصال
 وصف صنعت کہ لب پر ذرہ میریزد برون
 در تابت چوں کشایم لب کہ برق ناکسی
 من کہ با شتم عقل کل را نادانگ از ادب

مست ذوق عرفیم کہ نغمہ تو حیدر تو

لذت آوازہ در کام بہمال انداختہ

قائمی حکیم مرزا حبیب شیرازی مشہور یہ قائمی - اطراف شیراز میں پیدا ہوئے
 والد بزرگوار ان کے مرزا ابو الحسن گلشن مخلص کون فن شاعری کے ساتھ بڑی تہنیک پی پڑھی
 بیٹے کو اس کی طرف مائل پا کر چاہا کہ اس فن کی تعلیم دیں چنانچہ قائمی کو نہایت

کم عمری میں خراسان کی جانب بھیج دیا۔ مشہد مقدس میں مرزا حبیب نے علوم مرصعہ
 میں دستگاہ حاصل کر کے شاعری کا مشغلہ شروع کر دیا۔ چونکہ اس فن کے ساتھ طلبیت
 کو بڑی مناسبت حاصل تھی۔ سخن سنجی میں جلد مشہور و پار و امصار ہو گئے۔ کوئی شک نہیں
 کہ قآنی کو شاعری کی بڑی قوت حاصل تھی۔ لیکن اگر اس شاعر کی فطری استعداد
 میں تقاضائے زمان و مکان کو دخل نہ ہوتا تو یہ وہ شاعر تھا کہ جودت طبع اور حدت
 فکر کی بدولت عالم میں اپنا ڈنکا بجایا دیتا۔ مگر اس بڑے طباع کو کبھی ان ہی مکروہات
 کا سامنا کرنا پڑا۔ جن کے مبتلا قبل میں عنصری۔ قمرخی۔ عسجدی۔ الہامی۔ بحرانی
 وغیرہ ہو چکے تھے۔ بہت جاملے افسوس ہے کہ یہ شاعر کسی ایسے آزاد ملک میں
 پیدا نہ ہوا جہاں شاعری سے بھٹتی کا کام نہیں لیا جاتا ہے بلکہ جہاں شاعر کی
 دولت اور حکومت کے فکر و ذکر سے تمام تر لب بند اور خاموش رہا کرتی ہے
 بہت جاملے حیرت ہے کہ اس انیسویں صدی میں زمانہ نے بہت کچھ ترقیاں
 کیں۔ مگر فارسی کی قیصرہ گوئی جس بقندل حالت میں تھی رہ گئی۔ قآنی کی قابلیت
 کو خیال کر کے اور بھی زیادہ افسوس ہوتا ہے کہ یہ نادرون روزگار۔ اسی صدی میں
 تھا جس میں اہل یورپ اہل امریکہ نے انواع صورتوں کی ترقیاں نمایاں کیں
 مگر اس کی شاعری ان بد حالیوں میں مبتلا رہی۔ جن میں اس کے قبل کی صدیوں کی
 شاعری علی الاطلاق گرفتار چلی آئی۔ حالات قآنی پر نظر ڈالنے سے معلوم
 ہو جائے گا کہ اس کی شاعری پر اس کی ملکی بارزاقیوں کا کیوں کم اثر پڑا جس سے
 نہ اسے اور نہ اس کی شاعری کو حافظ یا سعدی کی عظمت و جلالت کا دعویٰ ہو
 سکتا ہے۔ المختصر جب قآنی کا نام فن شاعری میں بلند ہوا اس کی شہرت نے اسے

شاہزادہ حسن علی مرزا و امی خراسان کی خدمت میں پہنچایا۔ واضح ہو کہ قاتانی کے
 دوبارہ شاعر ہونے کی ابتدا اسی وقت سے ظہور میں آئی۔ شروع شروع میں اس کی شاعری
 کی آزادی کو داغ ہی تقریباً لگا۔ شاہزادہ نے قاتانی کو ایک قابل شاعر پر سلسلہ
 مذا میں داخل کیا۔ ظاہر ہے کہ شاعری کو سلاطین امر کی ندیمی سے کیا علاوہ لیکن جب
 حکیم ندیم بنا تو ایشیائی درباروں کی یہ عنواناتوں سے اس کا ناموں رہنا محال
 تھا پس اتفاقاً خدمت سے ندیموں کی طرح عمر بسر کرنے لگا اور اس تعلق کی
 حالت میں اس نے خدمت ندیمی کی مشق کو اس درجہ تک پہنچایا کہ تھوٹے عرصے کے
 بعد اسے فتح علی شاہ کی حضوری نصیب ہوئی تو بے تکلف زمانے شاہنشاہی میں
 در آیا۔ یہ تقریب شاہی اسے تادم آخر نصیب رہا یعنی فتح علی شاہ حضرت آراگاہ
 کے بعد محمد شاہ بہشت آرام کی ندیمی کرتا رہا۔ پھر بھی خدمت مرزا ناصر الدین شاہ نادر
 مکان کے عہد میں برقرار رہی حتیٰ کہ سن ۱۲۰۷ھ میں رازی ملک بقا ہو اہل واقفیت
 سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ دوبارہ شاعر کی عمر بڑی امیدیم میں بسر ہوتی ہے ہمیشہ اسے
 بادشاہ اور امر کی رضامندی کی فکر رہتی ہے امیدمان وہیم جان کا مضمون پیش نظر
 رہتا ہے چنانچہ یہی حالت قاتانی کی تمام عمر رہی تادم آخر یہ شاعر کمال اعیان سلطین
 امر کی خوشامدیں کرتا رہا۔ اور اپنے کمال شاعری سے شاعری میں داغ نقصان لگاتا رہا
 اس کی تائے روزگار کا دیوان کھول کر دیکھئے تو چند قصیدوں کے سوا جتنے
 قصیدے ہیں سب کے سب نشانان و اہل حکومت ہی کی مدح میں دکھائی دیتے
 ہیں۔ الشدیری پناہ۔ جس شاعر کا یہی روزگار دھندا ہو کہ طرح طرح کے جھوٹے
 اور غیر فطری مضامین دل سے گڑھ گڑھ کر حوالہ رقم کیا کرے۔ تو اس کے دل میں

راست بازی اور فطرت پسندی کی کیا صلاحیت باقی رہ سکتی ہے پس ایسا شاعر سچی
شاعری کی کیا داد دے سکتا ہے اور شاعری کی بلند پایگی کو قائم رکھ سکتا ہے یا تم ذیل
میں حکیم قاضی کے دو قصیدے نذر ناظرین کرتا ہے ایک قصیدہ امام حسین علیہ السلام
کی شناسی ہے اور دوسرا دیساری مدیحہ ہے جیسا کہ امر اور سلاطین کے لئے لکھا جاتا ہے۔

اشعار از قصیدہ منقبت در شان سید امام علیہ السلام و الشاہ

بھاسر خیز و گوہر ریز گوہر بیز و گوہر ز
شدہ گھنٹی ہم چیمیرہ بہ مغزش علت سودا
بہ اختاب بیدہ و اتمق بزنگ طرہ عذرا
برون پر سر سودہ درون پر لولہ لالا
چو در بزم طرب زندان نشور نشہ صہبا
ز دلہں درناستہ زمستی خیرہ بر رخسار
چو شاہ مصر زندان چو ماہ چرخ و ظلم
دیا روشن گہ بھمن شدہ در کام از درما
ز بس باران از الخ الہ بر طرب گلشن و صحرا
کشتیدہ از طرب بلبل بہ شاخ سُرُخ گل کوا
ز بس الماس پائیدہ بہ باغ از ڈالہ ہینا
وزور شک نگارستان زمیں از لالہ امرا
چمن زوعرق پیرایہ چو رنگین خنابہ رعنا

گزدوں تیرہ ابر بادلان بز شد از دریا
چو چشم امیرن خیرہ چورد نے گیاں تیرہ
شبہ گون چو شاخ غامق گرفتہ چون ل عاشق
تلش باقیر آلودہ دلش از شیر آمودہ
بُل گلشن بہ تن زنداں گے گریاں گے خندا
چو دوسے بہ ہوا رفتہ چو دیوے مست آستفہ
شدہ نور شید اور افشاں بہ تالے جسم او پنہاں
ویا د تیرہ چہم شیرن نہفتہ چہرہ روشن
لب و منچہ رخ لالہ بردن آوردہ بنجالہ
ز فیض او میدہ گل شہیدہ طرہ سنبل
عذار گل نرا شہیدہ فخط بہ جاں نرا شہیدہ
از اطراف خارستان شدہ یکسر بہارستان
گلدنہ بر سن سایہ دمن را دادہ سرمایہ

زہیش مرغ جان پر در سہمش زہر بادرد
 نحو شد ہر دم از گردن کہ پوشد بر تن ناموں
 فشانہ خبر پس نرالہ وما نذاز دن لالہ
 کنوں از فیض و لبستان نمایا گل ہر بجال
 چمن از سر و سینہ ز ہمال غلغ و کشتہ
 ز لب گلہائے گوناگون چمن چوں صحت نگول
 ز لب خوبال فرخ رخ گستان غیرت تلخ
 ز لب لالہ ز لب نسربین رنگین چمن مشکین
 گل زبا ووزال لرزل وزل سخن ارزال
 زقرالہ و سوسون زلور و نار نستر و ن
 چو در ناموں چو در لبستان صفت بند صفت گل بجای
 تو کوئی اہل این کشور بر سہنہ یا بر سہنہ سر
 چمن از فر فروردین چچان نازاں بدشت چین

واضح ہو کہ اس قصیدہ میں ۸۵ شعر ہیں اور سب اشعار آبدار ہیں یہ سبیل مختصر
 ان میں سے کچھ اشعار نقل کر لئے گئے۔ سبحان اللہ کیا سخن آوری ہے متاخرین کو یہ شاعری کیا
 نصیب ہوتی مبتدعین میں بھی یہ طباطبائی عاقباتی کے سوا کسی اور میں پائی نہیں جاتی
 قافیہ کی تشبیہوں کے مضامین اکثر خارجی رنگ رکھتے ہیں یہ رنگ قصیدہ گوئی کے لئے
 مناسبت مناسب ہے بلکہ قصیدہ کے تشبیہی اشعار کا داخلی رنگ رکھتا قصیدہ کو
 غزل نما کرتا ہے واضح ہو کہ یہ بڑے عالی فکر اور با مادہ شاعر کا کام ہے کہ داخلی رنگ

چو اوچوں شد ماغرد ویا چوں دکشد آوا
 ز سبیل گسترت اکسوں ز ژالہ خلعت ویا
 چنان از دل کشد نالہ کہ سعد از فرقت آہما
 بزنگ چہرہ غلمان یہ بوئے طرہ حورا
 دن از لالہ و عہطر از تربت و لیغما
 تو گوئی فرش سقا طون صبا گسترہ در مرغی
 ہمہ چوں نوشد و با سنج ہمہ چوں سیم در سیما
 ز بوئے آن رنگ این ہوا دلکش نہیں زیبا
 بلے نبود تگفت از زان کساد عنبر سارا
 دن چوں اداوی این چمن چوں سینہ سینا
 زیکسو لالہ نمان زیکسو ز گس شہلا
 چمال و خشک سال اندر ناموں بہر سقا
 کہ طوں از فر شاہ دیں برین نہ گنبد خضرا

میں قصیدہ لکھے اور قصیدہ کو غزل بنا ہونے نہ دے یہ حال قصیدہ بالابین جو مقاماتی کا
 رنگ ہے تا مگر قصیدہ گوئی کے حسب حال ہے کاش اس طلاق سخن کے تمام قصائد
 حمد و نعت و منقبت و مسائل علوم و فنون وغیرہ مشتمل ہوتے ہزار حیف کہ اتنی
 بڑی قابلیت کے شاعر کو بیچ سرائی کا تینڈل کام انجام کرنا پڑا اور تھانہ ان اہل
 یابوسی میں اس کی عمر گرامی تمام ہوئی۔ غیر مقدرات سے کوئی چارہ نہیں ہے اب حضرات اہل
 انصاف اس شاعر کی خوبیوں پر نظر انصاف ڈالیں و صبح ہو کہ یہ قصیدہ منقبت امام
 ضامن نامن میں ہے یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی شخص ل محمد کی ثنا خوانی حق ثنا خوانی کے
 مطابق انجام کر سکے تو بھی بحد طاقت بشر یہ یہ ایسا قصیدہ منقبت لکھا گیا ہے کہ اگر
 اس کی ربیع خوبیوں کے برابر کوئی شاعر اظہار فکر کرے تو اسے جس لقب گرامی سے
 دو سزاؤں ال محمد یاد کریں بجا و درست ہے اس قصیدہ کے اشعار تشبیب شکر ت لفظی
 اور معنوی ایسے لکھتے ہیں کہ کمتر کسی قصیدہ کے اشعار تشبیب اس صفت خاص سے مصنف
 دیکھے جاتے ہیں۔ فصاحت کا خاتمہ نظر آتا ہے فصاحت کے ساتھ بلاغت کی آمیزش
 شاعری کی ممتاز صورت دکھائی ہے۔ رنگینی الفاظ کا یہ عالم ہے کہ مینا کاری کا حکم
 رکھتی ہے جو لفظ جمال پر ہے ہ ایک جزا و جوہر ہے ان سب تدریوں کے ساتھ غالی
 خیالی بلند پروازی نقاست، پاکیزگی تکنت اس درجہ کی ہے جس کی اعلیٰ درجہ کی
 شاعری متقاضی ہے ان محاسن کے علاوہ یہ اشعار خیر ل خوبیوں سے مملو ہیں تا آتی
 نے مالک ایران کی بہار کی تصویر ان اشعار میں کھینچی ہے۔ اشخاص ہندی وطن کے
 سے ایسی بہار کو لے جیوں کے دیکھے پھنا خلافت توقع ہے ایران کی بہار ہندی سنن کی
 بہار سے آسمان زمین کا فرق رکھتی ہے حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں نہ

خرزاں ہے نہ بہلا ہے کوئی ایران کی بہار کو اپنی آنکھوں سے دیکھے تو سمجھے کہ بہار کسے کہتے ہیں ماں کی خرزاں جیسی عبرت خیز ہوتی ہے ایسی ہی بہار بھی عشرت انگیز ہوتی ہے تشبیہ کے بعد گریز کیسی خوبصورت ہے پھر اشعار منقبت ایسے ہیں کہ وہ گاہ امام علیہ السلام پر ان کی مقبولیت مرتقلین رکھتی ہے آفرین خدا فرین بروج قافی باء

قصیدہ قافی نمبر ۲

واضح ہو کہ یہ قصیدہ کسی حاکم وقت کی مدح میں لکھا گیا ہے فقیر نے اُس سے صرف اشعار تشبیہ انتخاب کر لئے ہیں۔ بقیہ اشعار قصیدہ روٹی لیا کھانے کے ہیں جیسا کہ درباری رنگ کے اشعار ہوا کرتے ہیں بہر حال اس کے اشعار تشبیہ بہت کچھ قابل توجہ ہیں اور اس بات کے ثابت کرنے والے ہیں کہ قافی ان شاعروں میں ہے کہ جب آسمان سبیکڑوں برس چکر کھاتا ہے تب ایسے شعر لے گرا ہی پیدا ہوتے ہیں اُس کی بھی تشبیہ بہاریہ ہے اور بہار ایران کی تصویر ہے یہی لیتے ہیں کے جتنے اشعار ہیں محض خارجی رنگ رکھتے ہیں ۛ

نسیم خلدی وز دمگ ز جو سار ما	کہ بوئے مشک مید ہوسے مرغزار ما
فراز خاک و خشتا و میدہ سبز کشتا	چہ کشتا بہشتا نہ نہ صد ہزار ما
بہ چنگ بستہ چنگلہا بہ ناسے شہتہ رنگہا	چکا و ما کلنگہا تڑو ما ہزار ما
ز نای خویش ناخترہ و صد اصول ساختہ	ترانہا ناخترہ چو زبیر و ہم تار ما
ز خاک رستہ الا ما چو بستیں پیلا ما	برگ لالہ ترانہا چو در شفق ستار ما
فلندہ اندہ ہمہ کہ کشیدہ اندہ مزم	بشاخ سردین ہمہ چہ کیکہا چہ سار ما

نسیم رو قند ارم جمد یہ مغز دمدم
 ہمارا کا بنفشتہ با شقیقہ اشگو نما
 زہر کرانہ مستہا یا الہا بدستہا
 زریز ش سجا ہما بر آہا جا ہا
 فراز سر و بوستان نشستہ اند قمریاں
 نگندہ اند غلغندہ دو صد ہزار کیدلہ
 دزہ تائے بارو چو اشتران باربر
 ہمارکش شمالستان سجا ہمارا لستان
 دریں بہار لفتیش کر گشتہ خاک جنبریں
 رفیق جو شقیق تو عقیق لب شقیق تو
 لطرہ کردہ تعبیر ہزار طبلہ غالبہ
 مہی دو ہفت سال و سوادیدہ خال او
 دو کوزہ شہد در لبش دو چہرہ ماہ تخت شیش
 سیل حسن چہر او دو چشم من سپر او
 چہ گوہیت کہ دوش چوں بانہ و فخر شہر بون
 بخت لیلی آسرخ مے کہ گراؤ چکدہ بنے
 دوندہ در داغ و سر جہندہ در دل جگہ
 مرا البشودہ گفتہ سبہ تر است بیچ میل مے
 خوش بہت کامتہ لستم تو ہم مے بیاد جہم

زلس دمیدہ پیش ہم بطرف جو ہمارا
 شما انما خجستہ با ارکا عرار
 زمغز مے پرستہا نشاندہ می خمار
 چو جو سے فقرہ آہار والہ البشار
 چو مفریان لغز خون بزم مردیں مزار
 بہ شاخ گل پیہ گلہ ز رخ انتظار
 ہمی ز لبت یک دگر کشیدہ صف قطار
 اہولستان عقالتان فرو عتال مہار
 زمین ربودہ عقل دین نگار سے از نگار
 رفیق دل و قیق موج چہ موز مشک تار
 بہ مژدہ بستہ عار بہ بزندہ ذوالفقار
 شگفتہ از جمال او بہشتا بہار
 نہفتہ زلف چو کشت شیش تبار ہاتار
 دامن مست مہر او سب بندہ عقار
 بہ حجرہ آمد اندرون لطر مے کسار
 ہمی ز بندہ مے ہر دل جہد شرار
 چنانکہ بر جہد شر رہہ خشک ریشہ خار
 کفتمش بیاد کے بخش چہ بیار
 کہ گشتہ دولت عجم تو ہی چو کو ہسار

زسعی صد نامور مہین امیر دا دگر کز و کشو و باب در حصن و از حصا

اردو کی قصیدہ گوئی

اردو کی قصیدہ گوئی کا انداز تو وہی ہے جو فارسی کی قصیدہ گوئی کا ہے مگر اردو میں قصیدہ گوئی کو فارسی کے برابر فروغ حاصل نہیں ہوا ہے اس کی چند وجہیں دیکھی جاتی ہیں اول یہ کہ فارسی اردو کے اعتبار سے قدیم تر زبان ہے چند صدیاں اردو کے وجود کے پہلے فارسی میں قصیدہ گوئی بہت زور شور کے ساتھ رواج پکڑ چکی تھی سیکڑوں سلاطین گزر چکے تھے اور ہزاروں شعرا و دفاتر سیاہ کر چکے تھے پس اردو نے اتنا زمانہ ہی نہیں پایا کہ اس صنف شاعری میں فارسی کے ساتھ برابری کا دعویٰ کر سکے وہم یہ گریز دقت میں اردو کی قصیدہ گوئی سے صوت اختیار حاصل کرنا شروع کی اس وقت سلاطین ہند بھلائے اور بارہو چکے تھے ان کے اختیار میں اتنا بھی نہیں رہا تھا کہ اپنے مداحوں کی اوقات بسری کا کوئی معقول سامان کر سکیں اردو کے نام اور قصیدہ گوئی شاعروں میں مزاج نفع سودا اور شیخ ابراہیم ذوق ہیں ان دونوں کی حالت معاش کو یہی سے قیاس کرنا چاہیے کہ سودا تکلیف زدگی سے پہلی سے پایہ تخت کو چھوڑ کر لکھنؤ چلے گئے ذوق جو دہلی میں ہے بھی تو بھلائے افلاس ہے حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ ذوق اور چار پوہ ماہانہ کی نوکری اختیار کریں اور اس تنخواہ سے رفتہ رفتہ بہ ہزار تریابی آخر عمر میں سو روپیہ ماہوار ہی تک پہنچیں یہ دو مثالیں اس امر کے ثابت کرنے کو کافی ہیں کہ ہندوستان میں جس وقت اردو کی قصیدہ گوئی رواج میں آئی وہ وقت اس صنف شاعری سے حصول مال مسائل کا نہ تھا پس ایسی حالت میں اردو کی قصیدہ گوئی کا فروغ فارسی کے

ایرکینزکو ہو سکتا تھا بسوم یہ کہ فارسی میں ایسے درجہ کے شعرائے قصیدہ گو ہو و فور علم و
 لش کے باعث حکیم کا درجہ رکھتے تھے کثرت سے گزے ہیں ان کے فضل کمال
 کا ایک شاعر بھی اردو زبان میں نظر نہیں آتا ہے اردو میں جو کچھ ہیں حضرت سودا ہیں
 اگر سو و انہ سوتے تو اردو کی قصیدہ گوئی کو زیر بحث لانا بھی فضول ہوتا مختصر اردو کی قصیدہ
 گوئی کو فارسی کی قصیدہ گوئی کے ساتھ مقابلہ کی کوئی صورت حاصل نہیں ہے اردو
 میں نہ سعدی اور سنائی کے درجہ کا اخلاق آموز کوئی قصیدہ گو گزرا ہے اور نہ خاقانی و
 نوری و تاتائی وغیرہ کی ترکیبوں کا برتنے والا سپید انہو اسے بحال جو کچھ ملت
 موجودہ اردو کی قصیدہ گوئی کی بنیے ذیل کے بیانات سے منکشف ہوگی،

ظاہر ایسی معلوم ہوتا ہے کہ جتنے قصیدے اردو زبان میں تصنیف ہوئے
 اور باری یا مذہبی اغراض سے لکھے گئے ہیں مذہبی اغراض کے قصائد و باری
 اغراض کے قصائد سے بہت کم ہیں اس کی وجہ محتاج بیان نہیں ہے دنیاوی
 نرو تیں یعنی ضرورتوں پر ہمیشہ غالب ہوا کرتی ہیں اس کے ثبوت میں راقم استاد
 ذوق کے قصائد پر حوالہ کرتا ہے دیوان ذوق میں منجملہ ۲۴ قصیدوں کے ایک قصیدہ
 بھی نہیں ہے جو حمد خدا یا نعت محمد مصطفیٰ یا مسقبت علی مرتضیٰ یا حماد ائمہ باصفائیں
 میں لکھا گیا ہو صرف ایک قصیدہ ہے جو کسی درویش موسوم بہ عاشق نبال کی شان
 میں ہے یہی سے سمجھنا چاہیے کہ بچا سے ذوق کو درباری تعلقات سے اتنی فرصت
 نہال تھی کہ یہ حیثیت شاعر پرہیزگار کی خدمت کر سکتے، اللہ تعالیٰ سو و انہ من غالب غیرہ
 نے درباری قصائد کے علاوہ کچھ مذہبی قصائد بھی لکھے کہ سعادت عقلمانی حاصل کی ہے
 مختصر اردو میں درباری قصیدوں کی تعداد مذہبی قصائد کے اعتبار سے بہت زیادہ

پائی جاتی ہے لیکن ان دونوں ترکیبوں کے قصائد کے سوا اور کسی ترکیب کا قصیدہ اُردو
 میں بائیں ہے۔ یا راقم کی نظر سے نہیں گزرا ہے راقم نے آج تک کوئی قصیدہ اُردو
 میں ایسا نہ دیکھا جو قصائد سیدہ حلقہ کی ترکیب دکھتا ہو یا سعدی یا سنانی کے خلاف
 آموزہ قصائد کا جواب سمجھا جائے۔ درحقیقت اُردو کے قصائد بیشتر ایک تنگ دائرہ
 خیال میں محدود پائے جاتے ہیں خاص کر وہ قصائد جو درباری رنگ رکھتے ہیں ایسے
 قصائد کے مضامین ہمیشہ ان خیالات پر مشتمل ہیں۔ جن کو نہ کوئی راست باز صحیح
 مزاج شریف آدمی زبان پر لا سکتا ہے اور نہ راست باز صحیح مزاج شریف آدمی اس پر
 ہے اکثر ایسے قصائد کے مضامین اس طرح پر بندش پاتے ہیں کہ شاعر اپنے تشبیب کے
 اشعار لکھتا ہے تشبیب میں یا زمانہ کی شکایت کرتا ہے اور اپنی بد حالیوں کو دکھ
 ہے یا مژم بہار کی کیفیتوں کو تم کرتا ہے یا اپنے جو نثرانی اور عالی صفاتی کمزوروں کو کرتا ہے
 اور بھی اس طرح کے مضامین جن کو تشبیب سے مناسبت ہے حوالہ قلم کرتا ہے اس کے بعد
 مضامین تشبیب گریز کے مروج کی تعریف کا کوئی درجہ اٹھا نہیں رکھتا ہے محدث
 خوبصورتی و جاہرت دولت جلالت عظمت شوکت قدرت ہمت سخاوت و غیر
 وغیرہ نہایت غیر فطری طریقوں سے کی جاتی ہے پھر اس کے باطنی گھوٹے تلوار و غیر
 کی تعریفیں از بس نامربوط رنگ پر بانڈھی جاتی ہیں پھر اس کے طول عمر کیلئے اس وضع سے
 دعا کی جاتی ہے کہ اس کا قبول ہونا معلوم۔ آخر میں اس کے شیون کے لئے بددعا جیسی ہی بدترنگی
 کے ساتھ کی جاتی ہے۔ جس بدترنگی کے ساتھ دعا کی جاتی ہے مختصر اکثر قصائد مدحیہ کا
 بھی انداز ہوتا ہے جسے راقم نے عرض کیا اب ارباب مذاق یہ فرمائیں کہ جس شاعری کا
 یہ انداز ہے وہ شاعری کیا ہے لاریب اُردو کی قصیدہ گوئی بہت مصلح طلب ہو رہی ہے

اقصیٰ جو اس وقت کی قصیدہ گوئی ہے شاعری کو بدنام کرنے والی ہے ایسی قصیدہ گوئی
 صرف شاعر اور ہم کے مدوح کو ذلیل نہیں کرتی ہے بلکہ تمام ان اقوام کو جو اردو کو اپنی
 مادری زبان جانتے ہیں بہت جائے افسوس ہے کہ بھی تک اردو کی قصیدہ گوئی نے
 کسی قسم کی اصلاح کی صورت نہیں دیکھی ہے۔ حاجت مند شعر آجور یا ستوں میں حصولِ رُتق
 کی خاطر پھرتے ہیں ہی پرانا راگ گایا کرتے ہیں مدوح کو سخاوت میں حاکم، شجاعت
 میں ستم عدل میں کوشیروان عکس میں لہمان لکھا کرتے ہیں، سپاہِ مدوح کو موردِ مَلخ
 مانتے ہیں۔ اُس کے تابع فرمان آفتاب ماہتاب فلک ملک ابر باد آتش خاک
 ضاؤ نذر سب ہی کو کر دیتے ہیں اُس کی تلوار کو برقی مانتی کو کوہ اور گھوڑے کو ہوا
 سا کرتے ہیں۔ اُس کی عمر کو حضرت سے بھی طویل تر جانا کرتے ہیں اور اسی طرح کے سیکڑوں
 مر لو طمضابین جو القلم کیا کرتے ہیں ایسے شعرا سے اصلاح مذاق کی امید تو فضول
 ہی فضول ہے لیکن مگر ان کے مدوحین اطہارِ رضا مندی کے عوض انظارِ نارضا مندی
 راویں تو شاعری کا یہ نامحسوس طبقہ دورِ دفع ہو جائے اور واقعی حال کے مذاق کی
 نصیدہ گوئی میں ایک انقلاب معقول پیدا ہو لاریب حال کی قصیدہ گوئی نہایت
 درجہ ابتداء کو پہنچ گئی ہے حتیٰ کہ گدائی کی صورتوں میں سے یہ بھی ایک صورت ہو رہی
 ہے۔ کتنے قصیدہ گو شعرا مالدار اشخاص کے پاس قصائدِ مجیدہ لے کر آیا کرتے ہیں
 یہ بھی سوال کا ایک طریقہ ہو گیا ہے۔ یہ نکتہ بھی شعرِ صرف مالداروں پر نازل
 نہیں ہوتے، ہم غریب اور مساکین کو بھی تنگ کرتے ہیں ایک بار ایک قصیدہ گو
 صاحبِ فقیر کے گھر تشریف لائے عاجز نے انھیں مسافر سمجھ کر اپنے مقدور کے
 مطابق کچھ سلوک کرنا چاہا، شاعر صاحب بہت برہم ہوئے اور فرماتے لگے کہ ایسے

قصیدہ غرا کا اس قدر العاقل دیا جاتا ہے فقیر نے عرض کی کہ حضرت یہ آپ کے
 قصیدہ کی اجرت نہیں ہے یہ حدیث شاعر آپ مجھ سے کچھ بھی پانے کے مستحق نہیں
 ہیں آپ کو سا فر سمجھ کر کچھ دیا چاہتا ہوں آپ کی قصیدہ آپ کو مبارک ہو آپ کو کسی
 ایسے جنت کے پاس ملتیں فرمائے گا جو اپنے کو دار کبکادوں کھسیر و فریدوں رسم عام نوشیر و
 لقمان اسطو فلاطون وغیرہ وغیرہ سمجھنے میں بچارہ کہاں اور یہ تسلیم عالم کہاں آپ ہی
 العناں فرمائیے کہ میں آپ کو ایسی شے کی کیا اجرت دوں جو طومار دروغ گوئی ہمیں
 پر بھی جرت اپنے احسانات مجھ پر دھرتے لگے تو اچار سو کر عاجز نے یہ عرض کی کہ
 حضرت مجھ سے آپ کے احسانات کی جزا ناممکن نہیں ہے آپ دیکھنے کی مہلت دیں
 میں ایک ایسی قصیدہ آپ کی تعریف میں لکھ دیتا ہوں بل جزا الاحسان لا الاحسان
 مختصر یہ ہے کہ قصیدہ گوئی تھی زما اس مذلت کو پہنچ گئی ہے کہ تمام گزرائی ہو گئی ہے
 اللهم حفظنا من ذلك لیکن اس بدعالی پھبی اس طرح کی قصیدہ گوئی مذموم نہیں سمجھی جاتی
 ہے۔ ملکی مذاق ابھی تک اس کے موافق ہے اور اہل دول اپنی مدح سرائی سے خوش
 ہوتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ یہ مدح سرائی نہیں ہے ان کی ہجو ہے فقیر کی نگاہ میں قصیدہ مدح
 ایسا ہی نظر آتا ہے اور عمل بھی فقیرانہ ہے چنانچہ ایک بار کایہ ذکر ہے کہ کسی خاص وجہ
 سے فقیر ایک بڑی ریاست میں گیا ہوا تھا وہاں اصحاب نے صلاح دی کہ عاجز ایک
 قصیدہ تصنیف کر کے حضور والی راست پیش کرے صلاح دوستانہ تھی مگر ایسے فعل
 قبیح کا مرتکب ہونا طبیعت کو سخت ناگوار معلوم ہوا۔ اصحاب سے فقیر نے معذرت کی
 اور جو حضرات صاحب مذاق صحیح تھے ان سے اپنے خیالات کو ظاہر بھی کیا فرمانے
 لگے واقعی قصیدہ گوئی لغو سرائی کے درجنہ تک پہنچ گئی ہے ارباب مذاق ایسے شبوہ

کیونکہ پسند کر سکتے ہیں بحقیقت حال یہ ہے کہ کثرت مدح سرائی سے قصیدہ گوئی کی
 عرض فوت ہو گئی ہے تا دقت اشخاص تو یہی سمجھتے ہیں کہ قصیدہ گوئی سے صرف اس
 قدر مراد ہے کہ شاعر شان و امراء و خوانین کی مدح لکھ کر مسوخ پیدا کرے یا روٹی
 کما کھائے حالانکہ عرض قصیدہ گوئی یہ نہ ہا نہیں ہے قصیدہ گوئی کا مطلب یہ ہے کہ شاعر
 اعلیٰ درجہ کے مضامین و اعلیٰ اور خارجی کو پسندیدہ عنوان سے پر ایہ نظم میں بیان کرے یا
 ہے کہ یہ صفت شاعری غزل سے زیادہ وسیع دائرہ خیال رکھتی ہے قبل میں عرض
 کیا جا چکا ہے کہ غزل میں صرف مضامین و اعلیٰ بندش پاتے ہیں اور مضامین خارجی
 کو غزل سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا کہ قصیدہ کے لئے جو مضامین و اعلیٰ درجہ کے بھی ہیں
 وہ غزل کے مضامین و اعلیٰ سے تمام تر علمدہ رنگ رکھتے ہیں قصیدہ کے مضامین و اعلیٰ
 کو تمام تر حکیمانہ رنگ رکھنا چاہئے مثلاً یہ قصیدہ کی شان سے ہے کہ اس میں توجید عدل
 نبوت . امامت . معاد . تمدن . معاش معاشرت دیگر امور دینی و دنیوی کے مضامین
 جگہ پائیں یا اخلاقی معاملات از قسم صداقت و خلوص و شجاعت و بہت و فتوت و
 مردت و سخاوت و غیرہ موزوں کئے جائیں۔ یا اعلیٰ درجہ کے مضامین ذہنیہ
 جو اقسام جذبات قلبیہ سے ہیں۔ زور بیان کا لطف دکھائیں و اعلیٰ مضامین
 کے علاوہ جو خارجی مضامین باندھے جائیں ان کو تقاضائے فطرت سے خالی
 نہیں ہونا چاہئے کہ قصیدہ میں بھی نیچرل مضامین کی حاجت ہے۔ گو اس قدر
 بسعت بیان کے ساتھ نہیں جس کی محتاج مثنوی ہوا کرتی ہے ذیل میں کچھ اردو
 نصاب کے انتخابات نذر ناظرین ہوتے ہیں چونکہ یہ کتاب سبیل تذکرہ نہیں لکھی
 باقی ہے اس لئے صرف سودا اور ذوق کے قصائد سے اشعار انتخاب

کر لئے جاتے ہیں درتہ سحر اور انشاء اللہ خان دیگر حضرات کے قصائد بھی موجود ہیں اہل شوق انھیں ملاحظہ فرمائیں :

سودا اگر اردو کے سلطان ہنر مند ہیں
 مزارِ فتحِ سودا بہ حیثیتِ قصیدہ گو

کامکار تو لقیباً ہیں اردو کے کسی قصیدہ گو شاعر کو سودا کی نہانت اور طباعی کے ساتھ برابر ہی کا دعویٰ نہیں ہو سکتا میر حیدر غزل سرا میں اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں مگر قصیدہ گوئی میں سوا سے کوئی نسبت نہیں رکھتے، مومن خان نے بھی مذہبی قصائد لکھے ہیں اور اچھے لکھے ہیں اور غالب کے بھی دو مذہبی قصیدوں کے دیوان میں موجود ہیں سحر اور انشاء اللہ خان بھی قصیدہ گوئی کی مقبول صلاحیت رکھتے تھے اور ذوق کی شہرت تو زیادہ تر قصیدہ گوئی ہی کے باعث ہوئی گا الفصاف یہی ہے کہ ان حضرات میں کوئی صاحب بھی ہر صنفِ شاعری میں سودا کو نہیں پہنچتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ہر چند سودا قصیدہ گوئی میں سنائی الوزی خانانی اور قاتانی کے جواب نہیں سمجھے جاسکتے ہیں مگر شعر لکھنے اور دو میں اپنا جواب نہیں رکھتے، سودا کے قصائد جو ان کے دیوان میں دیکھے جاتے ہیں بیالیس میں ان میں جو وہ قصیدہ مذہبی میں اور لقیبہ یا روح میں ہیں یا ذہن میں تمام قصائد علی درجہ کی سخن آفرینی اور طباعی سے خیر دیتے ہیں بل میں ان کے قصائد کے کچھ انتخابات نذر ناظرین ہونگے ہیں :

نمبر اقصیدہ نعتِ ماستی شاعر

ہر کجا جب گرفتار تھے تمنا سے سلمانی
 نہ ٹوٹے شیخ سے زناں تبسح سلیمانی

ہر سپید اگر دل ترک کیجے تب لباس اپنا
 نہ ہو جوں تیغ بے جوہر و گرنہ تنگ عریانی

نہیں کچھ جمع سے ہنچ کر حلال جزیر پریشانی
 نہ جھاڑے آئینہ کمکشال شاہلو کی پیشانی
 سدا خورشید کی جگہ پر سدا ہی ہے افشانی
 ہوئی حجب تیغ زنگ آلودہ کم جاتی ہر پہچانی
 ہوئی ہے فیض نہائی سے عمر خصم طولانی
 بت ہتا ہر نالان فصل گل میں مرغ بستانی
 کہ ہو جو تیغ زہر ہر سے عزت ہے عریانی
 کہ تا بد گو صدائے غیب سے کھینچے پیشانی
 موافق گزہ ہوئے دست ہر وہ سن جانی
 نفس جھٹک سج داغ دسے فرصت کیونکہ پانی
 کہ زیب ترک چشم پار سر رہے صفا اتانی
 لکھوں گریغزل اس زمیں میں مطلع اتانی

مطلع

فلک بال ہما کوپل میں سو پنے ہے گس رانی
 کہ چشم نقش پاسے تا عدم کلی نہ حیرانی
 وگرنہ دیکھا آئینہ کو پختہ ہو گئے پانی
 کہ ہے جمعیت خاطر مجھے ان کی پریشانی
 گرہ چنوں کی کھولے ہے صبا کیونکہ آسانی
 کہ اعضا بدہ زنجیر کے کرتے ہیں مٹھانی

فہم زد کا کہ نابعث اندوہ دل ہوئے
 خوش آمد کہ ہے بر عالی طبیعت اہل دولت کی
 عروج دست ہمت کو نہیں کچھ قدر بیش و کم
 کرے ہے کھفت ایام ضائع قدمروں کی
 اکیلا ہو گئے ہ دنیا میں گر چاہے بہت جینا
 اذیت وصل میں دنی جہائی سے ہے عاشق کو
 موقر جان ارباب ہنر کو بے لباسی میں
 بزرگ کہ رہ خاموش حرف ناسرا سن کر
 یہ روشن ہو بزرگ شمع رطب باد و آتش سے
 نہیں غیر از ہوا کوئی ترقی بخش آتش کا
 کرے ہے ہر تیریت ظالموں پر تیرہ روز کی کو
 طلوع مہر ہو با بال حسرت آسمان اوپر

عجب ناواں ہیں وہ جن کو ہے عجب تاج سلطانی
 نہیں معلوم ان نے خاک میں کیا کیا ملا دیکھا
 ہمارے آہ تیرا دل نہ بر ماٹے تو یا قسمت
 تری زلفوں اپنی رو بیاہی کہہ نہیں سکتا
 زمانہ میں نہیں کھلتا ہے کار بستہ حیراں ہوں
 جنوں کے ہاتھ سے سر تا قدم کا پریدنا ہوں

مگر زانو سے اب باقی سطر سے ربط پیشانی
 نمط خامہ کی سر کٹوائے گی یعنی بان دانی
 ادائے صہن پیشانی و لطف زلف طولانی
 نہیں ہے ان سے ہرگز ملائم غیر از پیشانی
 مگر ہمارے صعب یا کھینچے پریشانی
 برہمن کو صنم کرنا ہے تکلیف مسلمان
 ہے خاک قدم سے اس کی چشم عرش نورانی
 امانت دار نور احمدی ہوتی نہ پیشانی
 مراد الفاظ سے معنی ہیں تا آیات قرآنی
 رکھیں خشش کے مرتبت بیہوشی دل نصرتی
 واہ کیا خوب قصیدہ ہے۔ سبحان اللہ قصیدہ کا ہے کو ہے مزار اسودا کا
 نوشتہ آخرت ہے بلکہ گوش ایمان سے سننے والوں کا پروانہ نجات بھی ہے لاریب
 مذہبی قصیدہ کا یہ ایک عمدہ نمونہ ہے قصیدہ کیلئے جتنی باتیں ہیں اس میں موجود ہیں :

نمبر ۲۔ قصیدہ منقبت تاجپل و سہفت اشعار

تیغ اردی نے کیا ملک خزاں مستاس
 دیکھ کر باغ جہاں میں کرم عز و جہل
 ڈال سے بات تک پھول سے بیکر تاجپل
 آب جو قطع لگی کرنے روش پر مغل

نہ کھی جگ ہیں رسم دوستی اندوہ روزی نے
 سیرینجی میں اے سودا میں طول سخن لازم
 سمجھ اے ناقباحت فہم کتبکات بیان ہوگا
 خدا کی بواسطے باز آواب ملنے سے جہاں کے
 نظر رکھنے سے حال ان چشم زلف کے اوپر
 نکال اس کفر کو دل سے کراہ وقت آیا
 ہے زین محمدی میں ان کی جو ہو دیں
 ملک سجاہ نہ کرتے آدم خاکی کو گر اُس کی
 اُسی کو آدم و حوا کی خلقت سے کیا پیدا
 خیال خلق اُس کا اگر شیفع کافر ان ہوے
 واہ کیا خوب قصیدہ ہے۔ سبحان اللہ قصیدہ کا ہے کو ہے مزار اسودا کا
 نوشتہ آخرت ہے بلکہ گوش ایمان سے سننے والوں کا پروانہ نجات بھی ہے لاریب
 مذہبی قصیدہ کا یہ ایک عمدہ نمونہ ہے قصیدہ کیلئے جتنی باتیں ہیں اس میں موجود ہیں :

اٹھ گیا بہمن دے کا چنستاں سے عمل
 سجدہ شکر میں ہے شاعر فروار ہر ایک
 قوت نابینیتی ہے نباتات کا عرض
 واسطے خلعت تو روز کے ہر باغ کے بیج

پوشتش چھینٹ ملکا رہ نہنت و جبل
 کار نقاشی مانی ہے دوم وہ اول
 ہار پنا تے کو انتہار کے ہر سو بادل
 لوٹے ہے سبزہ پہ از بسکہ ہوا ہے سیکل
 شمع ساگر می نظارہ سے جاتی ہے پھیل
 شاخ میں گاؤں میں کی بھی بوجھوٹی کوئل
 دین میں قسم جادات سے شاید ہو غفل
 کہیں عوائے خدائی نہ کریں لات و ہبل
 بچہ مرغ چین تخم سے آتا ہے نکل
 ہوزباں سے سخن اب طوطی کے آئے نکل
 بچاں نشو و نما کرنے میں ہر غرب مثل
 گل ہم پہنچے ہے عقدہ ہو کسی طرح کا حل
 ان گلوں چھٹ جو تانگہ کے ہیں سدا عمل
 چاہتی ہے لسانوت کے سبزے سے نکل
 غنچہ لالہ نے سُرمرہ سے بھری ہے مکمل
 چشم بسیار گستاخاں میں جھکتی نہیں بل
 خط گلزار کے صفحہ پہ طوائف جہول
 سانہ لعل میں جوں کیجیے نہ مرد کو حل
 تیغ کسا رہوئی دست ہوا سے صیقل

بخشتی ہے گل نورستہ کی رنگ آمیزی
 عکس گلبن یہ میں پر ہے کہ جس کے آگے
 تار بازش میں پرنتے ہیں گہرائے تلرگ
 بار سے آب رواں عکس ہجوم گل کے
 شاخ میں گل کے نزاکت یہ بہم پہنچی ہے
 جوش روئیدگی خاک سے کچھ دور نہیں
 دم غمبسی سے فزوں فیض پہلے ہے یاں تک
 فکر زنتا ہے مجھے یہ کہ زبان سے اپنی
 حدایام کے پیش از دنا میہ سے
 سبز ہوتا ہے نصیحی کے سخن پر ہر بار
 دست گل خورد و شاخ گل و گلزار بہم
 غنچہ پر کچھ نہیں موقوف عجب فصل سے یہ
 لٹے ہے ایک نظر لاکھ طرح کا وہ گل
 یا ہمیں نگ جو گھرتی ہے خزاں سے مانا
 چشم نرگس کی بصارت کی لڑی سے در پے
 اس قدر جو تماشیا ہے کہ نرگس کی طرح
 آج گرد چمن لٹے خورشید سے ہے
 سایہ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل پر
 فکر نے تیرہ آئینہ کیا ہے پیدا

برگ برگ چمن ایسی ہی صفا دکھتا ہے
 لڑا کھڑا ہوتی پھرتی ہے خیاباں میں نسیم
 اتنی ہے کثرت لغزش زمین ہر باغ
 قیض تاثر ہوا یہ ہے کہ اب حنظل سے
 دانہ جس شوز میں پر نہ پھیلا دہقان سے
 کشت کرتے ہیں ہر اک تخم سے ز فیض ہوا
 بنرفام ان ذوالاں ہے نظر ہر گلو
 جوہری کو چینیان جہاں میں اس فصل
 تاکجا شرح کروں میں کہ بقول عربی
 نسبت ہر فصل کو پر کیا سخن سے میرے
 اور میر سخن آفاق میں تا یوم قیام
 تا ابد طرز سخن کی ہے سسری رنگینی
 نام تخی نہیں مجھ نطق میں جز شیرینی
 ہیں برو متد سخنور سے ہر مصرع سے
 ہو جہاں کے شعر اکامے لگے سر سبز
 ہے مجھے فیض سخن اس کی ہی مداحی کا
 مہر ہے جس کے مود سے ہل ہوں ہر نشید
 بغض جس کا کہے ہوں ہر سلیمان کو ضعیف
 جائے وصلت ہستی جس کو نہدی خیاں زرش

گل کو دکھو تو تاکہ جا ہے سنبل پہ پھیل
 پانوں دکھتی ہے صبا سخن میں گلشن کے کنبھیل
 جو تر شاخ سے اتر اسوگر اسر کے بل
 شہد ٹپکے جو ہلگے نشتر زینور عمل
 سینرواں دانہ شبنم سے ہو اسے جنگل
 گرتے گرتے ہر زمیں برگ بر آتے نخل
 خواہ ہو شیخ سپر خواہ ہو فرزند نخل
 آگیا لعل ذمرد کے پر کھنے میں نخل
 اکلرا ز فیض ہوا سبز شود در منقل
 ہے فضا اس کی تو دو چار ہی ان میں فیصل
 ہے گاسینو ہر شمع و ہر یک رنگل
 جلوہ رنگ چمن جلائے گا اک ان میں جھل
 یک طرف نار گستاں میں ہے کیونہ نخل
 مصرع مرو سے پایا ہے کسی نے بھی پھل
 نہ قصیدہ نہ تجسس نہ رباعی نہ غزل
 ذات پر جس را بہرین کسے عز و جیل
 رویہ کہینے سے جس کے ہے مانند جل
 مود کو حسبے ملے جس کی یلوں کا سابل
 فرش گلزار میں حق تے سمجھ مستعل

شیرزدان شہ مردان علی مالی قدر
 خاک نعلین کی جس کی مدد طالع سے
 وہ نظرئے اسے دسر کی بینائی سے
 مدح غائب کھلے اس کے نہ صلاح کا دل مطلع ایک شے دو نظر آتی ہے چشم احوال
 وحی مستم رسل اور امام اول
 پہنچے اس شخص کو جو شخص ہو عالمے ازل
 رہ گیا اور سے گا جو ابد تک او جھل
 بلا شہ مرزا سودا نے قصیدہ لائی کا خاتمہ کر دیا ہے کیا تاب کر کوئی شاعر

منقبت میں ایسا لامیہ قصیدہ لکھ سکے طبیعت داری سخن افرینی متانت جلال
 شکوہ وقار بلند پروازی عالی حیالی پر شعر میں جلوہ گر ہے حقیقت یہ ہے کہ زمانت او
 طبع سودا کی گھٹی میں پڑی تھی اردو کے کسی قصیدہ گو شاعر میں خلائی سخن کی
 ایسی قدرت نہیں دیکھی جاتی ہے اس منقبت کے علاوہ سودا نے اور بھی منقبت
 کے قصائد لکھے ہیں اور اکثر ائمہ علیہم السلام کی شان میں قصائد نظم کیے ہیں۔ یہ
 سب کے سب قصائد قابل توجہ ہیں لاریب سودا نے اپنی قوت شاعری سے یہ
 اچھا کام لیا کہ قصائد مذہبی رقم کر کے ثواب عقیقی حاصل کیا۔ قصیدہ نگاری کے اعراض
 سے یہ بھی ایک بھاری غرض ہے عربی میں بھی اس فن کے قصائد ہیں جیسے قصیدہ
 بردہ و قصیدہ فرزوق وغیرہ جو مذہبی پہلو کی شاعری سے خبر
 دیتے ہیں :

نمبر ۳۔ تشبیب قصیدہ در مدح نظام الملک

صبح ہوتے ہو گئی آج مری آنکھ چھپک
 پوچھا میں کون ہے بولی کہ نہ بول غافل
 دی وہیں کے خوشی سے درد دل پردہ تنگ
 نہ گئے شوق میں جس کے کبھو تالو کی پلک

ہے خوشی نام سرا میں ہوں عزیز دلرا
 کھول آغوش دل اور لے مجھے جلد ہی دال
 سن کے یہ شردہ جان بخش جو میں کھولی آنکھ
 آنکھیں ملکر کے جو دکھوں میں تو اک بادلوں پرش
 حسن ایسا کہ جسے ماہِ شنب چار دہم
 چہرے میں ایسی ہے گرمی کہ شنب روز جسے
 زلفیں یوں بکھری ہوئی چہرہ بالکین تھیں دل
 جعدہ فتر گدھنے میں ہو جس کی ہر لہر
 ناگنی پیچ میں اُس کے نہ مانگے پانی
 جبیں ایسی کو جگر ماہ کا ہو جاٹے داغ
 قفل کرنے کے یہ جو ہر ہر ہوں شمشیر کے بیج
 دست وہ تیز کہ عاظم میں نہیں جس کی پناہ
 فتنہ اس چشم کا ایسا کہ مژدہ سے نہ خونخوار
 حسن سے کان کے آویز عین لطف کہ ہوں
 بحرِ خوبی کی گویا مچھلی ہے قلاب کے بیج
 نظر آبانہ دہن مینی کو تھگی کے سبب
 مسی آلودہ لب احرار تھے تہ خاکستر
 ساگ ہر کی صفادام لے ان دانوں سے
 دونوں عارض گویا شینے میں سے گلگوں کے

زندگانی کی حلاوت، جہاں میں مجھ تک
 پھر خدا جاتے دین کب تجھے دکھائے فلک
 اشہ نور کی سی مجھ کو نظر آئی جھپک
 کس سے لے فرق جو اہر میں ہر پالوں تاک
 ایک بیکٹ کیکھے تو کچن دی رہ جائے بھپک
 یاد کرتی ہی ہے امن شکر کا کی جھپک
 جہ طرح ایک کھلو تے پٹیں دو بالک
 گھر دیا دینے کو عشاق کے مریائے ملک
 کھیل جاٹے وہیں کا جو ڈسے اُس کی لٹ
 اس کی تشبیہ سے جب اس کو تجاؤ دے فلک
 اس کے ابرو سے مشابہ نہ بناویں جبتک
 چشم وہ ترک کہ ہم قوم جھول کا اذ بک
 متصل ہو نکتے پا کر دیا کرتے ہیں تھپک
 مستعد قطرہ شبنم کہ پڑے گل سے ٹپک
 نتھ کے حلقے میں جو دیکھے کوئی نختے کی پچرک
 منخرن اپنی سے گوان نے تراشی عینک
 کہ ہوا سے وہ سخن کرنے میں جاتے ہرک
 برق در یوزہ کرے موج تبسم کی چمک
 زرخ کن دونوں میں یوں جیسے نکلاں میں نمک

وصف میں اسکی بلاحت کے پڑھوں کے مطلع جس کے آگے نہ کہے مطلع خود شید نمک
 سبحان اللہ اس سے زیادہ خوبصورت تشبیب کیا ہو سکتی ہے ایسی ایک تشبیب
 انسان کے شاعر نامی ہونے کے واسطے کافی ہے اشعار بالامیں غزل کی پرتاثری کے
 ساتھ قصیدہ کی منانت اور جلالیت کس آن بان سے جلوہ گر ہے فی الواقع ایسے اشعار
 کوئی شخص بے شاعر پیدا ہوئے نہیں کر سکتا ہے ان کو پڑھ کر طبیعت کو کیا شگفتگی پیدا
 ہوتی ہے حضرات ناظرین اپنے اپنے دل سے پوچھ لیں راقم اپنی کیفیت قلبی کیا عرض
 کرنے بیشک یہ وہ اشعار ہیں کہ ہر ملک کے اہل مذاق کو ان کا پسند آنا ایک امر
 مجبوری ہے کیا طرز بیان ہے کیا بندش مضامین ہے کیا خلاقی سخن ہے کیا مضمون
 آوری ہے کیا صورت نگاری ہے کیا موقع سازی ہے مرصعہ مرصعہ آفرین صد آفرین
 اے سودا کن لفظوں سے تیری تعریف کروں کن جرقوں سے تیری ست لکھوں لاریب تو سچے
 شاعروں کی طرح الہامی قدرت دکھتا تھا اور نہ ہر ناظم کا یہ کام نہیں ہے کہ مضمون کے زور
 سے تیسیرول کر سکے اے سودا تو نے اس تشبیب میں خوشی کی ایک ایسی تصویر چھنی ہے
 کہ ہزار دوانی کیا لور کے استادان مصوری بھی تیری فیکاری پر قربان نظر آتے ہیں
 سچ یہ ہے کہ تو نے کمال صناعی سے شاعری اور مصوری کو شے واحد کر کے دکھایا ہے
 تیرے حسن تقریر سے خوشی ایک مستوق مجسم دکھائی پڑتی ہے واقعی تو نے اپنے اعجاز بیان
 سے ایک سیمان چیزیں جان ڈالی ہے اے سودا تیرا کیا کیا شاعری نہیں ہو سحر نگاری ہے

نمبر ۴۔ قصیدہ در تہنیت فتح

آبا اعلیٰ میں تیغ سے تیری وہ کارزار دیکھا جسے نہ ترک فلک تیرے بروزگار

خاک اُنکی پر ہوتو نہ شر لاشے شناخا
 مدفون ہوں جن میں پہ تو واں اٹھ سکے عیا
 تن میں نہیں ہے قطرہ خون صورت شرار
 نہ عفت کرے ہے سگس نہ نان باغ کوہرا
 تن اس میں کر دیا نمک تیغ آبدار
 تیغوں کو کھینچ کھینچ کے قلعاری مار مار
 پایا تھا جوں دلوں میں خیال اُنکے نے قرا
 سایہ میں جھٹیلوں کی صفیں باندھ بیٹے شبہ
 گاؤں بچھاویں پارچہ جوں نر کے کنہ
 تیرے دلاوروں کا نہ دیکھا تھا کار تار
 اک کھیت رو برو ہے ہمارے پراز خیابا
 کھینچا ہے اسکے نشہ نے ایسا ہی کچھ خرابا
 لشکر میں اپنے بیٹھ کے جب کھینتے قمار
 غارت پہ ہر ترود کے لپتے تھے سب ادا
 بولارے تھے سوئے گئے رکھنا ایک تار
 اپنا تو حرف حق سے گذرنا نہیں شمار
 آگے قدم اُٹھوں کے نہیں ان کا استوار
 صحبت نہ دل سے ان کی تہذیب کی برار
 میں نے کہا اُنھوں سے کہ تم جیسے جاگتے

بے سرو شے میں آج یہ سرکش کر گر نہال
 سر چنگ اس طرح کی نہ کھائی کرتا یہ حشر
 آتش غضب کی فونے یہ ان کی فشرہ کی
 نام اس کا تیری تیغ نے معدوم یہ کیا
 یک دم تعادل اُنھوں کا پر از بادۂ غرور
 تھا سوزم یہ ہر ایک کا گویں گے بیچھڑ ہم
 آئے تھے وہ چنانچہ اسی طرح روز جنگ
 گاتے بجاتے ناچتے اور کو دتے ہوشے
 وہ جھنڈیاں نظر میں اک دم میں اس طرح
 پر حق بجانب اُنکے ہی تھا کچھ اس امر میں
 جو غول تیرے سامنے آیا تو سمجھے یہ
 جیسی ہی اس گروہ نے بی تھی شراب کبر
 اسباب پر حریف کے آپس میں لگتے واؤن
 حق شناس تو م بیٹھی غرہ اس قدر
 لیکن خدا کے فضل سے یاں ناگزرتہ قرص
 تشریح دوست باند کے ہیں یہ بہت بلی
 پردہ جو ہیں غلام غلام اس جناب کے
 جرات میں انکے حرف نہیں پر یہ کیا کہیں
 ان میں سے اس غلام کے تھے اکثر آشنا

یکے قوم کو یکے ساری ویکے گروہ کے
 حافظ کی لاش ڈال گئے معرکہ میں تم
 ان میں سے ایک تے بدم سر وید کہا
 لیکن جو کچھ کہہ دیتی دیکھا سو ہم کہیں
 تھی ساتنے ہمارے خوف فوج ہر ادلی
 سنے ہوں ہر ایک سے اس فوج کی یہی
 محبوب و لبنت لطافت تھے یک طرف
 لیکن انہوں کو آدمی کیٹے کہ دیو وود
 ایدہ سے بان و ہر گاہ و توپ متصل
 بڑھ بڑھ کے آرش وہ لگے تو ہیں داغنے
 لیکن میں تجھ سے کیا کہوں اے ہر اس گھڑی
 تھی کرتیاں ننگوں کی مانند لالہ زار
 تو ہیں جو داغنے تھے فیتلوں سے آن آن
 گنجال میں رعد کے کرٹکے تھی دہم دم
 بارہ و گولہ توپ میں تھا یا وہ باد تھی
 فرصت کسوں نے اتنی نیامی کہ وکر سے
 ہر ایک جا ہی نظر آیا ہر ایک کو
 اڑتے تھے ہوں پیادہ کہ تو دے کو روٹی کے
 تھے ناچوں پر بیٹھے جو حافظ کے ہمنشین

ہوسا منے حریف کے بے حد بے شمار
 فتح و شکست مردوں کو ہے پر یہ اضطراب
 خواہش خدا کی ہوں ہے نہ تھا اپنا اعتبار
 آئے تھے سخن کا ہمارے گر اعتبار
 ہوں گے وہ دس ہزار تک پیادہ و سوار
 سر کردہ تھے سمیت فرنگی کے پانچ چار
 یک سو تھا میر سید علی مستق کار
 ان کا قدم دغا میں یہ پایا ہم استوار
 پڑتی تھی پردہ بڑھنے ہی اتنے تھے سر گزار
 اس پہلے پہنجاں سے جزائر کی بوٹے مار
 دکھلائی تھی حل نے عجب طرح کی بہار
 تھا وہ توپ ابر سیاہ ننگ بار
 رنجاک شمال برق حکمتی تھی بار بار
 آواز شتر مال تھی طاؤس کی چنگھار
 جس نے کہ قوم عاڈالی تھی جوں عباد
 بندوق تیر تیغ سے جان میں کارزار
 گھوڑا و دھڑ پلے سدا دھڑ پلے سوار
 نذات کا کمانچہ جوں دے سے آستار
 ساتھیں کے ہم پیادہ و ہام نوالہ خوار

وہ بھاگے ہر طرح کہ کہتی تھی ان کو خالق
 نے لڑنے کے واسطے تے بھاگنے کا ہوش
 باور ہی کچھ اس کو تو اسے بار اس گھڑی
 جیدھر کوئیں کا منہ اٹھا دھرو کو وہ چلا
 ہو یہ غضب تو لاش کا حافظ کے ذکر کیا
 حافظ کی لاش ہم سے نہ اٹھی تو تزد فہم
 لازم نہ تھا اس کے ہوا ایسے کے سامنے
 سے ترستے تا جو اہر از اسپ تا بہ فیل
 نہ تر نہ کو ہے تر جو اس کو منزلت
 خلوت کسی کو اسپ کسی کو کسی کو فیل
 حافظ یہ چاہے عہد سے اسکے برادوں میں
 کیا کیا کر میں اس کی شجاعت کا اب بیان
 حافظ نے سر پایا نہ دیا زرمونی سے یہ
 تاریخ فتح عرض کی سو وہ اتنے یوں کہ ہو
 واضح ہو کہ یہ قضیہ تاریخ حینیت رکھتا ہے اور سو ا کے عہد کے معاملات
 ملی سے خبر دیتا ہے اس قصیدہ کے لکھے جانے کا یہ سبب ہوا کہ حافظ رحمت خاں
 روہیلہ اور نواب شجاع الدولہ نواب فیہ الممالک و دھ کے درمیان جنگ واقع ہوئی جس میں
 روہیلوں کو شکست ہوئی اور حافظ اسے بھی گئے نواب اودھ کو فتح زینہار نصیب
 نہ ہوئی۔ اگر لشکر انگلیشہ مدد پر نہ ہوتا۔ فوج انگلیشہ کی شرکت کی یہ وجہ ہوئی کہ نہ کار

بھاگا وہ دیکھو جاتے ہے میدان سے کوسرا
 نے سوچ جینے کا ہے نہ منے کا کچھ بچار
 آیا جو کچھ عمل میں نہ تھا اس میں اختیار
 سوچھے بغیر یہ کہ نماں جا کر دن قرار
 بیٹا سسکتا چھوڑ کیا باپ نے فرار
 جاگہ نہیں ہے طعن تعرض کی ہم پہ پار
 ہمت میں درگرم میں جو ہے طاق روکار
 جس کے ہم کے آگے نہ لکھے کچھ اعتبار
 نے قدر اسپ کی ہے نہ کچھ فیل کا وقار
 بخشے کسی کو لاکھ کسی کو دسیے ہزار
 پیادہ کوڑے کے تین روپیہ نو روپیہ سوار
 ہمت کو اس کے کیا کر دن ظہار بار بار
 تاریخ اس کی فوت کی کر کے عدد و شمار
 یہ فتح نومبار کس نواب نامدار

واضح ہو کہ یہ قضیہ تاریخ حینیت رکھتا ہے اور سو ا کے عہد کے معاملات
 ملی سے خبر دیتا ہے اس قصیدہ کے لکھے جانے کا یہ سبب ہوا کہ حافظ رحمت خاں
 روہیلہ اور نواب شجاع الدولہ نواب فیہ الممالک و دھ کے درمیان جنگ واقع ہوئی جس میں
 روہیلوں کو شکست ہوئی اور حافظ اسے بھی گئے نواب اودھ کو فتح زینہار نصیب
 نہ ہوئی۔ اگر لشکر انگلیشہ مدد پر نہ ہوتا۔ فوج انگلیشہ کی شرکت کی یہ وجہ ہوئی کہ نہ کار

اودھ سے سرکار الہیٹ انڈیا کمپنی کو اتھا و نصابہ استجاب علی اصول پر اور تقاضائے وقت
 کے مطابق تقاضائے منانہ کی تاریخ قابل سیر ہے اس وقت کے ہندوستان سے اس عہد کے
 ہندوستان کو کوئی مناسبت نہ تھی یہ ملک اس وقت طوائف الملوک کی بلا میں مبتلا
 ہو رہا تھا۔ دہلی کی سلطنت پر نئے پر نئے سوچنے لگی تھی۔ سر سوہا را بادشاہ وقت بن گیا تھا
 چنانچہ اودھ بھی دلی سے علیحدہ ہو کر ایک آزاد سرکار ہو گیا تھا اسی طرح روہیلوں نے
 کچھ ملک و بالیا تھا اور نہ تو اب اودھ کا ماتحت اپنے کو سمجھتے تھے اور نہ دلی کے بادشاہ
 کو کوئی شے ماننے تھے اس وقت ان ایوان کمپنی بڑی حکمت عملیوں سے کام لے رہے
 تھے جن ریاستوں سے موافقت کی ضرورت دیکھتے تھے موافقت کرتے تھے اور
 بس سے خلاف کی حاجت دیکھتے تھے مخالفانہ کارروائی عمل میں لاتے تھے اس لڑائی میں بھی
 انگریزوں کی شرکت اسی بنا کاروی اور پاک گیری کے قاعد کی بنیاد پختی تھی سرکرت سوہا کے
 کلہم سے عیاں ہے اب حضرت شام ناطرین سوہا کی طبعا کی اور قابلیت کی طرف
 توجہ فرمائیں کہ قصیدہ بالائیں اس یکتا سے روزگار نے کیا کیا شاعری کے ناشائے دکھائے
 ہیں۔ یہ قصیدہ تہذیب فریح میں لکھا گیا ہے نو اب کی تعریف کے بعد سوہا روہیلوں کی
 آمد کو اس عہد کی سے لکھتے ہیں اس عہد کی فوجیں یورپین فوجوں کی طرح باقاعدہ تو نہیں
 ہوتی تھیں ہندوستانی لشکروں کے انداز ہی ہوتے تھے جو اس وقت بھی بعض ریاستوں
 کے لشکروں کے دیکھے جاتے ہیں اب انگریزوں کی تقلید سے ریاستوں کے لشکروں
 کو کچھ ظاہری صورت درست ہوئی ہے ورنہ اکثر ریاستوں کے سپاہیوں کی ہی قطع
 ہے کہ اگر گلا درست ہے تو مزہ اچھا ہوا ہے۔ تلوار صاف ہے تو ہندو رنگ لودہ ہے
 یاد گار تلوار ہندو اور جمیع اسباب جنگ سب کا سب ہی مبتلا تھے نسبت

ہو رہا ہے۔ یہی حال حافظ کے لشکروں کا بھی تھا۔ کہ لیٹروں کی صورت پھٹا پڑنا
 پختہ طرح طرح کے کہنے آلات حرب لگائے غل شور مچاتے میدان جنگ میں
 آئے نواب کے لشکریوں کی بھی حالت اس سے اچھی نہ تھی اور وہی فوجیں نو لہین
 (NAPOLEON) اور ویلنگٹن (WILLINGTON) کی تعلیم
 کر وہ تھیں کچھ تھوڑا باقاعدہ جو لشکر نواب تھا بھی وہ پوری یورپین تعلیم جنگ
 پائے ہوئے نہ تھا۔ اگر فوج انگریزی ملک نواب پر نہ ہوتی تو اس فتح کا لقیب
 نواب ہوتا اور امر لیتینی نہ تھا۔ چنانچہ غنیمت کی مستندی کا ثبوت سودا کے کلام
 سے ملتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

شمشیر و دست یازو کے ہتی یہ بہت ملی
 اپنا تو حرف حق سے گزرا نہیں شمار
 پر وہ جو میں غلام غلام اس جناب کے
 آگے دم نھوں کے نہیں ان کا ہتوار
 جرات بہان کے حرف نہیں پر یہ کیا کریں
 صحبت نہ دل سے ان کے تھوڑے کی بڑا

نیراس کے بعد سودا جو میدان جنگ کی تصویر کھینچتے ہیں ایسی ہے کہ صورت ہی کا
 عالم دکھا رہی ہے بل مذاق بیان جنگ کو پڑھیں اور لذت یاب سخن ہوں اس کی
 لڑائی کے آلات حرب اور طریقہ حرب پر توجہ فرمائیں وہ زمانہ ہمزئی ماہینی استانیڈر
 اور کپ گن کا نہ تھا یہی گجنال شترمال اور جزائر سے لڑائیاں لڑی جاتی تھیں لہجہ
 یہ بیان جنگ مورخ کی توجہ فرمائی کہ بھی قابل ہے اس سے اس عہد کی لشکر آرائی
 اور ہندو آرائی کا پورا اندازہ ظاہر ہوتا ہے وہ سودا واہ۔ شاعری واقعہ شکاری کا
 لطف دکھا رہی ہے شاعری کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ پھر تشبیہات کو ملاحظہ فرمائیے
 تو خوبوں سے سمور نظر آتی ہیں بحقیقت یہ ہے کہ ان سے بہتر تشبیہات

دھونڈنے سے دستیاب نہیں ہو سکتی ہیں ان میں غیر فطری انداز کی کوئی تشبیہ نظر نہیں آتی ہے۔ مختصر حضرت سودا نے اس قصیدہ میں بڑی خوش مذاقی کا اظہار کیا ہے اور فقیر کی دانست میں یہ قصیدہ نیچرل بیانات سے خالی نہیں ہے۔

نمبر ۵۔ قصیدہ شہر آشوب

دعویٰ نہ کرے یہ کہ مے منہ میں بال ہے
اللہ سے اللہ ہی کیا نظم بیاں ہے
آدم سے کٹنے کی کوئی طرح بھی یاں ہے
اس امر میں قاصر تو فرشتوں کی بال ہے
ہے وجہ معاش تہی سوس کا یہ بیان ہے
تتخاہ کا پھر عالم بالا پر نشان ہے
شمشیر جو گھر میں تو سپرینے کے بیاں ہے
تیروں میں پرگیری تو بے چلہ کمان ہے
بی بی نے تو کچھ کھایا ہے فاقہ سے یاں ہے
سوال ہی پھر ماہ مبارک رمضان ہے
تتخاہ کا پھر بیٹا اس شکل سے یاں ہے
ہاٹھ ہونٹ دھونے کے تجھیر تاپ توں ہے
بیٹھا ہوا اس شکل سے ہر پیر جو ہاں ہے
کتھے ہیں کہ خاموش مسلمان کہاں ہے

اب سامنے میرے جو کوئی پیر جو ہاں ہے
میں حضرت سودا کو سنا بولتے یار و
آنا میں کیا عرض کہ فرمایے حضرت
سُن کر یہ لگے کتنے کہ خاموش ہی رہ جا
کیا کیا میں تاؤں کہ زمانہ کی کمی شکل
گھوڑا لے اگر لڑائی کرتے ہیں کسو کی
گڈے ہے سدایوں علف و دانہ کی خاطر
ثابت ہو جو دکھلا تو نہیں موزوں میں کچھ حال
کتا ہے لفرغہ کو صراف سے جا کہ
یہ سُن کے دیا کچھ تو ہوئی عیب و گرنہ
اس رنج سے برب چڑھ گئے چھتیس مہینے
لیتے ہیں بیاں رو سہی وہ تو دو ماہہ
قاضی کی جو مسجد ہے گدھا بانڈھے اس میں
ملا جو اداں دیو سے تو منہ موند کے اس کا

ماتھ گیا واعظ تو تھپڑ اور دماں ہے
 تے ذکر نہ صلوات نہ سجدہ نہ اذان ہے
 زینہ کے بولگے کی یہ ہر ایک کاں ہے
 دربار و اس عہد میں جو تھرو دکلاں ہے
 اس سچ سے رسا کار سالہ ہی وال ہے
 کوئی دوسے ہے منہ پیٹ کے ٹی ناکہ ناں ہے
 اڑھی کا تو ہٹہ ہے جنازہ کا گماں ہے
 کرتا ہے جو اں عرض نونے دینے ناں ہے
 اس کی تراذیت بڑی ہی ہفت جاں ہے
 کیسا ہی اگر اپنے تیں خواب گراں ہے
 سو کیا کہوں تجھ سے کہ نصیبت کیاں ہے
 اور سچ غلارو دونیں بول اپنے وال ہے
 منہ صورت سو فار کمر شکل کہاں ہے
 سو دو سو رو پیسے کا جو کسی عمدہ یہاں ہے
 اسے تودہ اس کو جھونٹ نگرال ہے
 ٹھنڈی ہوا آنے کا اگر اس وقت گماں ہے
 کہا تو یہ کھاتے ہیں ایں کو شعقاں ہے
 ہے دودھ پر ٹھیلی تیں اوپر گاؤ زباں ہے
 اس سب پر لفظن کیلئے بیسی ناں ہے

بولا جو خطیب اس میں تواری سے اس کا حوال
 دینے ہے گدھا اٹھ پھر گھر میں خدا کے
 اندوہ جو ہیں کمزور دماں ان کے بیٹھیں
 اٹھ اٹھ کے دکھاتے ہیں بھین حال وہ اپنا
 یوں بھی نہ ملا کچھ تو ہر اک پاکی آگے
 کوئی سر پہ کئے خاک گریبان کو کر چاک
 ہندو مسلمان کو پھر اس پاکی اوپر
 یہ شعر کی دیکھ کے جا صاحب اڑھی
 گرو چھپے جا کر کسی عمدہ کے مصاحب
 وہ جاگے جو راتوں کو تو بیٹھے ہیں دوزانو
 بے وقت خورش اس کی جو رو اپنے تیں بھوکھ
 گھر ٹال کی چپ بیٹھے ہوتے کتنے ہیں گھر ٹال
 خمیازہ پر خمیازہ ہے اور چرت اوپر چرت
 صیغہ پر طبابت کے بھلا آدمی تو کر
 صحبت ہے یہ اسے اگر آقا کے تیں چھینک
 دیتے ہیں رنگا تیر و کہاں ماتھ میں اس کے
 اور حاضر اوپر جو وہ نواب کو دیکھے
 ملبوس میں ہے خربزہ اور خربزہ بہر دودھ
 یہ بھی تو نہیں ہے کہ اسی سے ہو تسلی

میں جو کہیں دو اٹھا پریت میں ان کے
 لکھتے ہیں غرض مرگ سے لڑنے کو سپاہی
 سو داگری کیجیے تو ہے اس میں بیستقت
 ہر صبح یہ خطر ہے کہ طے کیجیے منزل
 لے جا جو کسی عمدہ کی سرکاریں لے جس
 بہت جو چکاتے ہیں سو اس طرح کہ حالت
 بمثل شخص ہوا مرضی کے موافق
 بردانہ لکھا کر گئے عامل کنے جس وقت
 او دھ سے پھر آئے تو کہا جس ہی لے جا
 آخر کو دیکھو تو نہ پیسے ہی نہ وہ جس
 ناچار ہو پھر جمع ہوئے قلعہ کے آگے
 دوپہل کی جا کر جو کہیں کیجیے کھیتی
 نہیں لگی وغرتی کے قلعہ میں شب روز
 گرجان نہوائیں کی لے کوئی کوکالت
 ہر عمدہ کے دروازہ پہ زین پوش پہ بیٹھا
 ہر گھر میں وہ چاہنے کہیں فوارہ سا چھوٹا
 دیوانہ کی بخشی کی بیوتات کے حاضر
 ہر بات پلٹنا ہی ہے صبح سے تا شام
 لائے جو کچھ ہی سے وہ داموں کا سیاہ

پھر بو علی سینا ہے تو ان محمدیال ہے
 گر نوکری سمجھو یہ طبابت کی کہاں ہے
 دکھن میں یکے ہ جو خرید صفہاں ہے
 ہر شام بہ دل دسو سہ سو ذریاں ہے
 یہ درو جو سینہ تو عجب طرفیاں ہے
 سمجھے ہے فرشتہ یہ زرد بکاگاں ہے
 پھر پیسوں کے جاگیر کے عامل پر نشان ہے
 کتا ہے ہ پیا ابھی مجھ پاس کہاں ہے
 دیوانہ بیوتات یہ کتے میں گراں ہے
 ہر اک متصدی سے میاں ریتاں ہے
 جو بالکی تکھے ہے تو فریاد فغاں ہے
 اور عینہ بھی موافق ہی پڑے تو سماں ہے
 نہ ان ہے لکھی تیں نے جبکہ اماں ہے
 اس کا تو بیاں کیا کردل تجھے کہ عیاں ہے
 پوچھے آجی مر ہے نواب کہاں ہے
 سر کوچ میں جو اب چکا بودہ ویاں ہے
 مانند تھیا کے جہاں دیکھو تنہاں ہے
 پیل کے پتے کی طرح منہ میناں ہے
 لپٹاے موکل کو یہ کیا خوبیاں ہے

اور زکر کے اجاے کی بھی اردو میں کہاں ہے
 گھر جا کے پکائے جو کوئی لالہ کہاں ہے
 آپ ہی کہا گھر میں کتنی چیز کے یا ہے
 اسناد کا جاگیر کے یہ اس سے بیاں ہے
 پروانہ میں تم پر ہوں تصدق مریجا ہے
 کیدھر کا وہ پروانہ وہ جاگیر کہاں ہے
 سب با محسن ان باتوں کا کٹا چہاں ہے
 دیکھو جو کوئی فکر و درد کو تو بیاں ہے
 ملنا انھیں ان سے جو فلاں ابن فلاں ہے
 نیت قطعہ تہنیت خان زماں ہے
 گر رحم میں بیگم کے سے لطفہ فلاں ہے
 پھر کوئی نہ پوچھے میاں میکن کہاں ہے
 ہوں دور وہیہ اسکے جو کوئی متنویں ہے
 پک کا سہ ڈال عرس جو کی دواں ہے
 شب خراج لکھ گھر کا اگر بندہ فلاں ہے
 لڑکوں کی شہزادت سے ملنا غارنماں ہے
 دیوالی کو سے ناختمہ تقاب میں فلاں ہے
 آرام جو چاہئے کرے وقت کہاں ہے
 ہر صفحہ کا غنڈہ فلم اشک فلاں ہے

سو ماہرہ یہ بیٹھے ہے لے پانسو ہے خرچ
 بتا دے غرض پیسے اڑا کر ہوسے دلپوش
 جس وقت سنا یہ وہیں آواز بدل کر
 پھر ہو جو موکل سے کہیں راہ میں بیٹھا
 عرضی یہ ہوا میر سیما ہی پوٹھا جیم
 گلہ کے کی غرض عرضی سدا درس کا سیما
 انصاف جو کیجیے تو نہیں اس کی بھی تقصیر
 شاعر جو سنے جاتے ہیں ستغنی الاحوال
 مشتاق ملاقات انھوں کا کس و ناکس
 گریہ کا مسجد میں پٹھے جا کے دوگانہ
 تاریخ تولد کی رسبے آٹھ پر منکر
 اسقاط حمل ہو تو کہیں مرثیہ ایسا
 ملائی اگر کیجئے ملائی ہئے یہ قدر
 اور ما حاضر اخوند کا اب کیا میں بتاؤں
 دن کو تو پکارا وہ پڑھایا کرے لڑکے
 تم پر یہ قسم ہے کہ نہالی تلے اس کی
 بھاگے یہ عمل کہ جو وہ شیطان کا لشکر
 اب کیجئے انصاف کہ جس کی ہویہ اوقات
 جس دور سے کا تب کا لکھا حال میں تسبیح

وہ بریت کے سیکڑے لکھنے کو ہے محتاج
 یہ بھی تکلف ہی سے کتاہوں دگر نہ
 اجیا ہو جو مانا کا زمانے میں نئے سر
 ہدیہ ہو سو پانچ ٹکے گذری میں آکر
 دمری کو کتابت لکھیں دھیلے کو قبائل
 چاہے ہو کوئی شیخ بنے ہر فراغت
 دیتا ہے دم خر سے کوئی شملہ کو نسبت
 اور اس کو جو دیکھے کوئی وہ ہر معیشت
 پوچھے ہے مریدوں سے یہ سرخ کو لکھ کر
 تحقیق ہوا عرس تو کر ڈاڑھی کو کنگھی
 ڈھولک جو لگی کجھ تو واں سکو ہوا وجد
 بے تالے تھے شیخ جونک وجد میں آکر
 گزراں سے پڑتا ہے دم تو سبھی ہنس ہنس
 اور حاصل اس رنج و مشقت کا جو پوچھو
 سب پیشہ بوجھ کر جو کوئی ہو متوکل
 اور بیٹی کے دل کو ہے خرافت کا تیقن
 پھر جو دم کے جب لڑکے جو ک سے مرنے
 جب راہ خدا پیسے نکالے کوئی نواب
 معنون ہو قعدا کو کچھ دیکھے اسس کو

خوبی میں خطاب میں کارہ از خطبات ہے
 آفاق میں ان چیزوں کی قباہت کہاں ہے
 خطاط کی اتنی ہی ہے قد جو یاں ہے
 یا قوت پکائے جو بکا ڈیہ قرآن ہے
 بیٹھے ہوئے اس میں علی جو کجاں ہے
 چھٹی ہے تو شعر کی ہر مطعون باں ہے
 گنبد سے کوئی گڑھی کو تشبیہ کہاں ہے
 اس فکر تو رد ہی میں ہر ایک زباں ہے
 ہے آج کہ در عرض کی شب ز کہاں ہے
 لے خیل مریدان گئے وہ ہر زم جہاں ہے
 کوئے ہے کوئی روئے کی لغز زباں ہے
 سرگوشیوں میں پھر ہر اصولی کا بیاں ہے
 کہتے ہیں کوئی حال ہی رقیص زباں ہے
 دلاڑواں وال خود قلبیہ و ناں ہے
 جو رو یہ سمجھتی ہے نکھٹو یہ میاں ہے
 بیٹھے کو جنوں ہونے کا بابا کے گماں ہے
 ہر خانہ و خواہین کے ہمراہ دواں ہے
 تباہ کی سفاک میں ہی اک رقعہ ظاں ہے
 دماغ لہاموں کا ہے اور مرثیہ خواں ہے

بالفرض اگر آپ ہوتے ہفت ہزاری
 ملک دیکھنا منصوبہ علی خاں جی کا احوال
 دنیا میں تو اسودگی کھتی ہے فقط نام
 سو اس تحقیق کسی کے دل کو نہیں ہے
 یہاں فکر معیشت ہے تو ماں و غزنہ حشر
 آدم سے کھٹے کا نانو نے کچھ احوال
 یہ شہر آشوب قصیدہ نہ صرف سوڈا کی بڑی طبیعت داری سے خبر دیتا ہے بلکہ
 اس امر کا بھی مثبت ہے کہ یہ شاعر ہمہ دانی کی صفت سے بھی متصف تھا سوڈا کا پورا
 دیوان دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص اپنے عہد کے معاملات کلی و جزئی سے
 تمام ناز باخبر تھا ہندوستان کے ملکی و درباری شہری بازاری سب کے امور اس پر ہویا
 تھے فرمانرواؤں کی کیا حالت تھی۔ لشکروں کا انتظام کیسا تھا و زراعت اور امر کے کیا طور
 تھے ان حالات کی کیا صورت تھی پیشہ وروں کی کس طرح گذتی تھی مساجد و مدارس اور
 خانقاہوں کی کیفیتیں کیا تھیں اطباء کی اوقات بسر کیوں ہوتی تھی شعرار کا گداز کس
 نتیجہ پر ہوتا تھا ملاؤں کے مشاغل کس طرح کے تھے تاجروں کے کاروبار کیوں کر چلتے تھے
 نوکری پستوں کی کالی کا کیا ڈھنگ تھا کاشتکاروں کی کیسی کشتی تھی الغرض یہی طرح
 ہر طبقہ اور ہر درجہ کے آدمی کے حالات سے یہ یکتا سے روزگار اطلاع کافی رکھتا تھا
 ہر قصیدہ سے بھی اس کی اطلاع عام کا اظہار متصوہ ہے فی الواقع یہ قصیدہ بڑی طباعی اور واقف
 کاری سے خبر دیتا ہے کلام کی خوبی یہ ہے کہ اس کے بہت اشعار ضرب المثل
 کی طرح زبان زد خلعتی ہوتے ہیں

یہ شکل بھی رت سمجھو تو راحت جاں ہے
 چھاتی پر کڑا کبلی ہے اور تیرہاں ہے
 عقیقی میں یہ کتا ہے کوئی اس کا نشان ہے
 یہ بات بھی گوئندہ ہی کا محض گماں ہے
 اسودگی حرفیت نہ یاں نہ دماں ہے
 جمعیت خاطر کوئی صحت ہر کہاں ہے

نمبر ۶۔ قصیدہ درجو اسب

ہے چرخ جب ابلق ایام پر سوار
 جن کے طویلے بیچ کئی دن کی بات ہے
 اب دیکھتا ہوں میں کرمانے کے اٹھتے سے
 تنہا لے نہ دہر سے عالم خراب ہے
 پہلے پہلے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہربان
 تو کہیں سو رہ پیہ کئے پانت کی راہ سے
 نہ دانہ نہ کاہ و نہ تمبار نہ شیش
 ناطقتی کا اُس کی کہاں تک کروں بیان
 ماند نقش نعل زمین سے بھگڑ فنا
 اس مرتبہ کو بھوک سے پہنچا ہے اس کا حال
 قصاب پوچھتا ہے مجھ کب کر گئے یاد
 جس دن سے اس قصائی کی کھڑی بند ہے وہ
 ہر لذت ختموں کے تیئں دانہ بوجھ کر
 تنگا اگر پٹا کہیں دیکھے ہے گھانس کا
 خط شعاع کو وہ سمجھ دستہ گیاہ
 پیدا ہوئی ہے تیسہ اگن باو اس قدر
 گڈے وہ جس طرف کبھد اس طرف نسیم

رکھتا نہیں ہے ہمت غناں کا بیک قرار
 ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
 مچھی سے کنش پاگوٹھاتے ہیں وہ اُدھار
 سخت سے اکثروں نے اٹھایا خونگ عار
 پائے مزاج انکا کوئی نام سے ہمار
 گھوڑا کہیں ہریاں یک سواتا خراب و خوار
 رکھتا ہو جیسے سپ گل پقل شیر خوار
 فاقوں کا اس کے اب میں کہاں تک کروں شمار
 ہرگز نہ اٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار
 کرتا ہے راکب اس کا ہوا بازار میں گزار
 اُمیر وار ہم بھی ہیں کتنے ہیں یوں چہار
 گڈے ہے اس غلط سے ہر سبیل و ہر نہار
 دیکھے ہے آسمان کی طرت ہو کے متقرار
 چلنے کو اٹھیں روند کے دیتا ہے منہ لپسار
 ہر دم زمین پر آپ کو ٹپکے ہے بار بار
 ہرگز دروغ اس کو قسمت جان نہ بہار
 بادِ سموم ہووے وہیں گر گر سے گزار

دیکھے ہے جب تو بڑھ و تھان کی طرف
 ہے اس قدر تعیض کہ اڑ جائے باد سے
 نہ اتھوان نہ گوشت نہ کچھ اس کے پیٹ میں
 سمجھا نہ جائے یہ کہ ذائق ہے یا سُرنگ
 یہ حال اس کے کچھ غرضوں کے ہے خلق
 ہرزخ سے پر زبیکہ بستگتی ہیں کھتیاں
 لے جاویں پھر یا مسے یا ہو کہیں یہ گم
 تنہا نہ اس کے غم سے بے ل تھان بن کا
 الخضم ایک بن مجھے کچھ کام تھا ضرور
 رہتے تھے گھر کے پاس قضا وہ آشنا
 خدمت میرا ان کی میں نے کیا یا یہ ہتھان
 فرمایا جب جنھوں سے کہ لے مہراں من
 لیکن کسی کے چہرے کے لائق نہیں یہ سپ
 عورت کا جس کی دیکھتا میرا گدھے کو ننگ
 بد رنگ جیسے لید رو بد بو ہے چوں پشاب
 مانند بیخ چوکی لکڑن ہے تھان یہ بر
 خستری ہے اس قدر کہ جتر اس کی پشت پر
 اتنا وہ سرنکوں ہے کہ سب کے ہیں دانست
 ہے پیراں قدر کہ جو بتلائے اس کا سن

کھوٹے ہے اپنے سم سے کنوئیں میں مار مار
 مینجیں گراں کے تھان کی ہویں نہ استوار
 دھونکے ہے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو دہار
 خا رشت سے زبیکہ ہے مجروح بے شمار
 چنگل سے موذی کے تو چھتر املکو کر دگار
 کتے ہیں اس کے رنگ کو گسی اس اعتبار
 اس تین بات سے کوئی جلدی ہوا آشکار
 خوگیر کا بھی سینہ بود کھیا تو ہے فگار
 آیا یہ دل میں جا تے گھوٹے ہے ہو سوار
 مشہور تھا جنھوں کہ وہ سپ تاجکار
 گھوڑا مجھے سواری کو اپنا وہ مستعار
 ایسے ہزار گھوٹے کروں تم بہ میں نثار
 یہ واقعی ہے اس کو نہ جانو گے انکار
 سیرت سے نت ہے جس کی سبک خستہ لیکن کھیا
 بدلیں یہ کہ اعلیٰ سل اور جڑ کر سے ہزار
 لا جنب زمین سے ہے چوں بیخ استوار
 دجال اپنے منہ کو بہہ کر کے ہو سوار
 جیڑے پہ لیکہ ٹھو کر وکی نت پڑی ہے مار
 پہلے وہ لیکے ریگ بیاباں کرے شمار

شیطان اسی پر لگا تھا جنت ہو سوار
 لوٹا منگا کے تیغ بناٹے کبھو لوٹا
 رستم کے ہاتھ سے نہ چلے وقت کا زار
 جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زہینار
 دو لھا جو بیاہنے کو چلا اس پر ہو سوار
 تھا سردار سا جو تھوڑا شاخ باردار
 یہ شخصیت کے درجے سے اس طرف گزار
 لیکن اب ایک دن کی حقیقت کہوں میں بار
 مجھ سے کہا نقیب نے اگر بے وقت کار
 ہو کر سوار اب کروں میدان کا زار
 ہتھیار باندھ کر میں ہوا جا کے پھر سوار
 دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل بخوار
 تاک تک سے پاشندہ کے سے پاؤں دگار
 پیچھے نقیب تاکے تھا لاطھی سے مار مار
 ہلانا نہ تھا زمین سے مانند کو ہمار
 اکثر تدبیروں میں سے کہتے تھے یوں پکار
 یا ابدان باندھ پون کے دو اختیار
 تیغ زباں سے کاٹ کے کرتا تھا گلنثار
 کتا تھا کوئی ہو گا ولایت کا یہ حمار

لیکن مجھے زورے تواریخ یاد ہے
 کم رو ہے اس قدر کہ اگر اس کی نفس کا
 ہے دل کو یقین کہ وہ تیغ روز جنگ
 مانڈا سپنا نہ شطرنج اپنے پاؤں
 اک دن گیا تھا مانگے بگھڑا برات میں
 مہرے سے خطریاہ وہیہ سے ہوا سفید
 پہنچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجوان
 بیٹھا تو اس قدر ہے وہ جو کچھ کہ تم سنا
 دلی تک ان پہنچا تھا جس دن کہ مر مرٹ
 مدت سے کوٹیوں کو اٹیل ہے گھر میں بیٹھ
 تا چارہوں کے نب تو بند پایا میں اس پر زین
 جس شکل سے سوار تھا اس دن میں کیا کہوں
 چابک تھے دو تہا ہاتھ میں کھڑے تھا منہ مرگ
 آگے سے توڑا اسے دکھلائے تھا سیس
 سرگز وہ اس طرح بھی نہ لاتا تھا روبرو
 اس معنی کہ تو دیکھ ہوئے جمع خاص عام
 پیٹے سے لگاؤ کہ تا ہوئے یہ رواں
 میں کیا کہوں غرض کہ ہر اک اس کی شکل دیکھ
 کتا تھا کوئی ہے ہر کوئی نہیں یہ اسپ

کتا تھا کوئی مجھ سے بڑا تجھ سے کیا گناہ
 کہنے لگا پھر اسی مجمع میں کوئی شخص
 سمجھوں ہل میں تو یہ کہ سپاہی کے بھیس میں
 اس شخص میں تھا ہی کہ آگاہ ایک روز
 دھوبی کھار کے گدھے اس دن تھے تھے گم
 ہرا کے اس کو اپنے گدھے کا خیال کر
 وہ اپنے کشتکش بڑا اس ان موج زن
 پلٹتی اس کی دیکھ کے کہ خرس کا خیال
 رکھا تھا کوئی لاکے سپاہی کو منہ کی بیج
 کتا تھا کوئی مجھ سے کہ تو مجھ کو بھی چڑھا
 کہے بھی بھونکتے تھے کھڑے لکے گردوش
 اس وقت میں نے اپنی مصیبت پر کہ نظر
 جھکوں میں صوبوں کہ لڑکوں دونوں اب
 ہائے عامری ہوئی اس وقت مستجاب
 دست دعا اٹھا کے میں پھر وقت جنگ کے
 پہلے ہی گولا چھوٹے اس گھوڑے کے لگے
 یہ کہ میں خدا سے بڑا مستعد بی جنگ
 گھوڑا تھا بسکہ لاخروہرت وضعیف و شک
 جاتا تھا جڑ پٹ کے میں اس کو حریف پر
 کتوں نے گدھے پر تھے کیوں کیا سوار
 مرکب نہ یہ گدھانہ یہ را کب گناہ گار
 ڈائن چلی ہے سیر کو ہو چرخ پر سوار
 فتنہ کو آسمان نے کیا پھر سے پھر دو چار
 اس ماجرے کو سن کیا دونوں نے واں گزار
 پکڑے تھا دھوبی کان بکھینچے تھا دم کھار
 تھا عنقریب ڈیبیہ سخت سے ایک بار
 لڑکے بھی واں تھے جمع تماشے کو پیشمار
 مواسکے تن سے کوئی اکھاڑے تھا بار بار
 دوں گا شکا تجھے میں نوچند آیتوار
 ساتھ اس سمند خرس نما کے ہر چشم چار
 کہنے لگا خدا سے یہ روو کے زار زار
 کتوں سے یار لڑوں کہ مرں اپنا پیٹ مار
 واں سے بہر خط کیا جگاہ تک گزار
 کہنے لگا جناب النہی میں یوں پکار
 ایسا لگے یہ تیر کہ ہووے جگر کے پار
 اتنے میں مرٹا بھی بڑا مجھ سے آدو چار
 کہ اتھابوں خعیف بچھے وقت کار زار
 دڑوں تھا اپنے پاؤں سے چن طفل نے سوار

کتا تھا کوئی مجھ سے بڑا تجھ سے کیا گناہ
 کہنے لگا پھر اسی مجمع میں کوئی شخص
 سمجھوں ہل میں تو یہ کہ سپاہی کے بھیس میں
 اس شخص میں تھا ہی کہ آگاہ ایک روز
 دھوبی کھار کے گدھے اس دن تھے تھے گم
 ہرا کے اس کو اپنے گدھے کا خیال کر
 وہ اپنے کشتکش بڑا اس ان موج زن
 پلٹتی اس کی دیکھ کے کہ خرس کا خیال
 رکھا تھا کوئی لاکے سپاہی کو منہ کی بیج
 کتا تھا کوئی مجھ سے کہ تو مجھ کو بھی چڑھا
 کہے بھی بھونکتے تھے کھڑے لکے گردوش
 اس وقت میں نے اپنی مصیبت پر کہ نظر
 جھکوں میں صوبوں کہ لڑکوں دونوں اب
 ہائے عامری ہوئی اس وقت مستجاب
 دست دعا اٹھا کے میں پھر وقت جنگ کے
 پہلے ہی گولا چھوٹے اس گھوڑے کے لگے
 یہ کہ میں خدا سے بڑا مستعد بی جنگ
 گھوڑا تھا بسکہ لاخروہرت وضعیف و شک
 جاتا تھا جڑ پٹ کے میں اس کو حریف پر

جب دکھا میں کہ جنگ کی یاں بندھی شکل
 دھردھمکاواں سے ڈرا ہوا شہر کی طینت
 گھوٹے سے کی شکل یہ ہے تم نے جو دنی
 شکر تباہ سے میں نے یہ قصہ دیا جواب
 گفتن ہمیں پس است کہ ہرپ من الملق است
 مسودا نے تب قصیدہ کہا سن یہ ماجرا

ہر چند یہ قصیدہ ہجو کا ہے مگر مسودا کی قابلیت شاعری اس سے تمام تر اشعار کا
 کوئی مضحک بات گھوٹے اور سوار کی نسبت چھوٹ نہیں رہی ہے لیکن اس قصیدہ کے
 ساتھ اس کی نتیجہ خیزی محل گفتگو نہیں ہے اکثر یہی تو اس ہے کہ جو حضرات اپنے گھوٹے
 کو منگنی دینا نہیں چاہتے کچھ ایسا لنگڑا عذ پیش کرتے ہیں کہ فی القور یہ قصیدہ خیال
 میں آجاتا ہے۔ اور خاص کر یہ شعر: گفتن ہمیں پس است کہ ہرپ من الملق است
 غیر مسودا کی ہجو نگاری ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے کہ اس کے ساتھ تو ہجو کا بڑا دُور نہیں کیا جا
 سکتا ہے اس طباع زمانہ کی ہجو گوئی میں جو نقصان سے وہ یہ ہے کہ کلام کبھی کبھی
 فحش گوئی تک پہنچ جاتا ہے اگر یہ نقصان نہ ہوتا تو مسودا کی ہجو نگاری کسی طرح قابل
 گرفت رہتی کس واسطے کہ ہجو گوئی سے کسی ملک کی نظم یا نثر خالی نہیں دیکھی
 ہے۔ ہجو گوئی میں کہ یہ مضامین سے اجتناب کرنا واجبات سے ہے ہجو کو ایسا
 ہونا چاہئے کہ مذہب سے مذہب آدمی بھی اس کے بڑھنے یا
 سننے

سے اجتناب نہ کرے۔ لاطینی شاعر جوینیل اور انگریزی نثر نگار سوٹ (SWIFT)
 بڑے ہجو گوئے ہیں ان کی تصنیفوں کو ہر تعلیم یافتہ آدمی نے دیکھا ہے ان کی تحریر

کے اعراض قابل توجہ ہیں ان کی تحریریں نتیجہ خیزی سے معرا نہیں ہیں پس کیونکہ الہی تصنیفات
قابل توجہ نہیں سمجھی جاسکتی ہیں البتہ قارئین کی نظر میں جو جواب گستان کے طبع پر لکھی گئی ہے
جہاں جہاں غش آلائیں عمل میں آئی ہیں تعلیم یافتہ اشخاص کے تحمل سے باہر ہیں بہر حال
اس قصیدہ میں صرف ایک شعر کہ یہ مضمون سے مشتمل تھا جو ترک کر دیا گیا اور اسی طرح
اگر تمام کر یہ ادغش مضامین سو دا کی دیگر تصنیفات سے متروک کر دیئے جائیں تو اس
یختے روزگار کے کلام کا حسن و بالال نظر آئے۔ ظاہر ہے کہ سو دا کی طباعی غش گوئی کی
محتاج نہیں ہے اسی قصیدہ کو ارباب العارف ملاحظہ فرمائیں کہ کس قدر طبیعت داری
اور ظلماتی سخن سے خبر دینا ہے اور اسی سے سو دا کی ہر ذراتی کس قدر نمایاں ہے ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ اس وانا سے روزگار کو اپنے ملک کے ہر کلی اور جزوی امر سے اطلاع
کامل حاصل تھی۔ ایسا قصیدہ وہی لکھے گا جو اپنے ملک کے ہر طبقہ کے آدمی اور
ان کی معاشرت اور ان کے رسم و رواج سے پورے طور پر باخبر ہوگا پھر اس قصیدہ سے
یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دلی کے شاہی رسالے کا یہ حال ہوا تھا کہ گھر بیٹھے تنخواہ پایا
کرتے تھے قواعد اور پر پڑ سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے تھے جب غنیم نمودار ہوا تھا تو
نقیب انھیں لڑائی پر جاتے کو کہ آتا تھا۔ سبحان اللہ کیا لشکر آرائی تھی۔ کوئی
اس عہد کے سرکاری رسالوں کو دیکھے کہ گورے اور کالے سوار کس بیج سے لکھے
جاتے ہیں اور کیونکہ انجام قدرت کرتے ہیں۔ آخر میں عرض رقم یہ ہے کہ حضرات
ناظرین اس قصیدہ کی ترکیب پر نظر فرمائیں کہ شاعر گھوڑے کی بدھالی کو شاعرانہ پیرایہ
میں بیان کر کے الگ سب سے اس کی برائیوں کو افراط مبالغہ کے ساتھ گھلا آستہ
پھر ملک کو لازم دروغ گوئی سے کہ خود حقیقت حال کہہ دیتا ہے۔ واقف و دانست

ذکاوت طبیعت و ادنی سخن آفرینی ہرہ والی سودا پر ختم ہے۔ ان معنات سے
 متصف یا فارس میں سعدی تھے یا انگلستان میں شکسپیئر جب ہزار برس زمانہ
 چرخ کھاتا ہے تب دو چار شخص ایسی ترکیبوں کے وجود میں آتے ہیں ۴
 مزار فیح سودا کے بعد قصیدہ گوئی میں شیخ
 فوق بحیثیت قصیدہ گو
 ابراہیم ذوق ہی کا نمبر ہے مگر ان دونوں شاعرانہ
 نامی ہیں بہار اور ٹیکہ کا فرق ہے ذوق میں ایک ربیع بھی سودا کی طبیعت داری نہیں ہے
 سودا ایک نیچرل شاعر تھے ان کی فطرت نگاری کی ہوا بھی ذوق کو نہیں لگی تھی ذوق کی مضمون
 آفرینی کوئی شکر نہیں کہ ایک ممتاز درجہ کی ہے مگر یہ مضمون آفرینی اس قسم کی ہے جو
 ایک باری شاعر کے لئے درکار ہوا کرتی ہے حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ ذوق کے
 جو بیس قصیدہ ہیں اگر ایک بھی فطری شاعری کی راہ نہیں دیتا ہے نہ کسی سبب مصدومی
 ترکیبوں سے معروض آئے ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر ذوق کو درباری تعلق نہ ہوتا
 تو ان کی شاعری کچھ نہ کچھ نیچرل رنگ نکالتی مگر خدمت شاہی کے بگھڑے سے نہیں
 اتار بھی نہ خدمت نہ مل سکی کہ ایک قصیدہ بھی اپنے پیشوا سے دین سلیم کی شان میں ادا کر چھوڑ
 جلتے حقیقت حال یہ ہے کہ جس وضع سے ذوق عمر بسر کرتے تھے وہ فطرت نگاری کی بہت
 منافی تھی بہت جلدے افسوس ہے کہ ایک اتنے بڑے طباع کی زندگی ایسی بھالی سے
 بسر ہوگی یا اس ہرہ ذوق کو اگر آزادی حاصل رہتی اور فطرت نگاری کے سامان ہم دستہ
 تو نیچرل شاعری سے ان کی قصیدہ نگاری کو اس قدر بے تعلقی نہ ہوتی۔ واضح ہو کہ
 راتہ کہ ذوق کی خلاقیت سخن میں کوئی گفتگو نہیں ہے بلاشبہ اس شاعر گرامی کی فکر بہت
 نالی اپنے بندش مضامین استادا نہ ہے اور روش اداسے مطلب کی خوب و

مردوب سے گروہ دل آویزی جو شیخ کلام کی نوا کرتی ہے اس کا جلوہ کسی قصیدہ میں
 نمایاں نہیں ہے حضرات ناظرین پہنچیدار رہے کہ یہ رائے محض شخصی ہے ممکن ہے کہ
 راقم نے اس کے قائم کرنے میں دھوکا کھایا ہو کس واسطے کہ کسی اہل رائے کی تحریر
 بالقریب سے راقم کو ان امور میں کسی قسم کی مدد نہیں ملی ہے یہ بھی ارباب نظر سے پوشیدہ
 نہیں ہے کہ ہندوستان بلکہ فارس میں کبھی شعراء کے کلاموں پر رائے زنی نہیں کی جاتی
 ہے ہاں وقت تک بعد مذکور سے فارسی یا اردو کے فقیر کی نظر سے گزرے ہیں ان
 سے کسی شاعر کے حسن و قبح کلام کا پتا نہیں لگتا مثلاً کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ خاقانی اور
 انوری کے قصائد کے امتیازی طعن و قبح کیا ہیں یا بلالی اور میلی کی غزل سرائیوں میں کون
 شے تمیز کرنے والی ہے اسی طرح اردو کے شعراء کی نسبت کوئی تالیف یا تصنیف
 ایسی نہیں دیکھی جاسکتی ہے کہ مثلاً غالب اور ذوق کی غزل سرائی کا فرق دکھلائے یا
 ان کے کلاموں کے حسن و قبح کو واضح طور پر بتلائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فن جیسے انگریزی
 میں کمری ٹی سیزم (CRITICISM) کہتے ہیں۔ فارسی اور
 اردو میں نہیں مروج ہے یہ وہ فن ہے جو سخن سخنوں کی کیفیت کلام سے بحث
 رکھتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص دریافت کرنا چاہے کہ پوپ (POPE) جو
 ایک انگریزی شاعر ہے کس قابلیت کا سخن سنج تھا تو اس کی شاعری کا ایک پورا
 آزادانہ بیان انگریزی تصانیف میں ملے گا یہ کیفیت فارسی اور اردو کے تذکروں
 کی نہیں ہے ان ایسیائی تذکروں میں اگر دس نامی شاعروں کے کلاموں کی حقیقت
 کو دریافت کرنا چاہیے تو سب کی تعریف کمال مبالغہ پر دازی کے ساتھ ایسے
 انداز سے جو ان فلم نظر آئے گی کہ کچھ سمجھ میں نہ آئے گا کہ جامی کیا تھے اور لٹامی کیا تھے یا نسخ

کیا تھے اور راسخ کیا تھے یہ تو تذکرہ نگاری کی حالت ہے تقریظ نگاری کی حالت پر
 نظر ڈالیے تو یہ بد مذاقی اور بے ثباتی تحریر کا دریا اٹھ اٹھوا دکھائی دیتا ہے اگر کسی دہستان
 نے بھی ایک جزو کا دیوان ترتیب دیا ہے یا چار ورق کی شہنوشی لکھی ہے تو اس کے تقریظ
 نگار نے اسے فردوسی سعدی حافظ انوری بنا چھوڑا ہے مختصر فارسی یا اردو میں کوئی
 ایسی تصنیف فیر کی نظر سے نہیں گزری جو کسی شاعر کی سچی اور واقعی کیفیت شاعری
 سے خبر لے خدا جانے واقعہ نگاری میں ان دونوں زبانوں کے مصنفین کیوں پس پا
 نظر آتے ہیں اور افسوس ہے کہ اب تک اس کی اصلاح کی طرف کسی صاحب علم و صاحب
 دماغ نے توجہ نہیں کی امر بالا کے متعلق فیر ایک اپنی مایوسی کی سرگذشت غرض
 کیا چاہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب اس عاجز کو معلوم ہوا کہ دیوان ذوق گوئیس العلماء
 جناب محمد حسن صاحب آزاد نے کچھ اپنی تحریر کے ساتھ چھپوایا ہے تو یہ امید ہوئی
 کہ ضرور مولانا نے مہاراج نے انگریزی ترکیب پر اس شاعر نامی کے کلام پر لائے زنی
 بھی فرمائی ہوگی اس شوق میں ایک نسخہ اس کا دستیاب کر کے شروع سے آخر
 تک پڑھ لیا مگر کہیں سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ ذوق داخلی شاعر تھے یا خارجی -
 ان کی غزل سرائی تعاضدائے غزل سرائی کے مطابق ہے یا نہیں۔ ان کی قصیدہ
 گوئی مناسب رنگ کھتی ہے یا نہیں۔ انھیں فطرت نگاری کی قدرت حاصل تھی یا
 نہیں۔ ان کی خلاق معنی اعلیٰ درجہ کی تھی یا نہیں۔ اسی طرح یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ ان
 میں مہتمم مومن غالب آتش ناسخ میں کیا فرق ہے۔ ستودا اور دیگر قصیدہ گو
 شعراء کو ان کے ساتھ کیا مسابقت ہے الغرض مولانا کا وہ مشرح دیوان کچھ اور
 ہی مطلب کا نکلا۔ مختصر جب کوئی تصنیف راقم کے مفیدہ مطلب نظر نہیں آتی ہے

تو کچھ اس کتاب میں اظہار رائے کیا جاتا ہے وہ محض شخصی امر ہے اگر حضرات
 ناظرین اس ماجز کو برسر خطا پادیں تو اپنی کرمی سے درگزر فرمائیں۔ اس جگہ پر راقم
 اس امر کو بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ جو کچھ اس نے بسبیل رائے زنی
 حوالہ قلم کیا ہے اس کا منشاء غموش نبی کے سوا دوسرا نہیں ہے کہیں اس نے پڑھتی
 دل آزاری بدخواہی حق فراموشی حق تلفی حق پوشی کو دیدہ و دانستہ اپنی تحریر میں جگہ
 نہیں دی ہے اس معذرت کے ساتھ راقم ذیل میں قصائد ذوق کے انتخاباً تصحیح
 اپنی آزادانہ رائے کے نذر ناظرین کرتا ہے *

نیلر تشیب قصیدہ مدح اکبر شاہ صفحہ ۲۹۹ دیوان ذوق

سحر جو گھر میں بشکل آئینہ تھا میں مٹھا نزار و حیران
 تو اک پر ی چہرہ جو طلعت بہ شکل بقیس ماہ کمان
 پری کی صورت چمن کی رنگت گریں کا شیوہ تو میں کا جلوہ
 زبان شیرین بیان رنگین کلام ز ندان خرام ستان
 انیس خلوت مجلس جلوت حرابت حکمت ظرافت صحبت

بوزیم بایں بہ دل بہاروں بال عزلت گلے بدامان
 جہیں بشکل مرینور عرق کے قطرے ہیں اس میں آہتر
 جمال ہر چنگاہ بناوہ غدنک مرگاہ و چشم نقاں
 برے رنگین نگارستان شگوفہ خنداں گرنہ خنداں

موسے بیچال ہے عشق تھیماں بو میں کیساں تو دل پریشان

وہ گوش پر زریب کج بلا ہی جو کیکو مینی تریا الہی

دین میں غنچہ لبوں میں گلبرگ رٹے روشن میں ہر تاباں
نگاہ ساغرش تماشا، بیانیں گردن صراحی آسا

وہ گول بازو وہ گوشے ساغزو پنچہ رنگیں سخن بجان
کر نزاکت سے چمکی جائے کہ ہے نزاکت کا بار اٹھائے

اور اس پر سونور لہ کھائے پھر اس پر ہیں دو قمر فروزاں
وہ دن روشن وہ ساق سبیں پائے نازک حنا میں رنگین

وہ قد قیامت وہ فتنہ قامت دلوں نشامت جو ہونہر لمان
ہنمام پوچھا کہا خوشی ہوں جو وصف پوچھا تو دلبری ہوں

بہت جو پوچھا تو منہس کے لولا کہ ذوق تو بھی عجب ہے ناداں
وہ تٹا ہو ہے محمد الکر جہاں میں رشک جم و سکندر

جلوس سخن اُس کا ہے نلک پر ہسی کے پوتوں میں ربت سامان
یہ سنتے ہی میں نے ابد ہرت لکھا وہ مطلع شفق شبا ہرت

کہ جس کو حسن کے سخنور ٹھہرے تجھ میں ہر اک سخن داں
ارباب مذاق ملاحظہ فرمائیں کہ اس تشبیب میں ذوق نے اسی مضمون خوشی کو

موزوں کیا ہے جسے سو دانے اپنے اس قہیدے کی تشبیب میں نظم کیا ہے جس کا مطلع یہ ہے
بیخ ہونے جو گئی آنکھ مری آج بھی پاک دی خوشی نے نہیں کہ دو دل پر دستک

اب ہل نظر منصفی فرمائیں کہ سو دانے کس طباطبائی کے ساتھ اپنے اشعار تشبیب میں
خوشی کی تصویر کھینچی ہے اس نے اپنے بیان سے خوشی کو ایک مجسم باجان تھے دکھایا ہے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خوشی ایک معشوقہ و لفریب ہے جو ہمیشہ نظر کھڑی ہے شاعری
 اتنی بھی تو ہو کہ غیر مجسم کو مجسم اور بے جان کو جاندار کر کے دکھائے ذوق نے سودا کے
 اسی خیال خوشی کو حوالہ لکھ کر کیا ہے مگر خوشی کی تصویر نہیں کھینچ سکے ہیں۔ اس میں جان کا
 داخل کرنا اور خارج از بحث ہے یہ دونوں کتبیں سودا اور ذوق کی شاعریوں کا خوب
 فرق دکھاتی ہیں ظاہر اور ذوق کے اشتداد پر زور میں شوکت لفظی اعلیٰ درجہ کی رکھتے
 ہیں بندش چست ہے ترکیب درست ہے یہ سب کچھ سہی مگر جو شے شاعری کی
 جان ہے وہ سودا کے شعرا میں ہے ذوق کے اشعار میں نہیں ہے حقیقت یہ ہے
 کہ جب تک شاعری مصوری کا ناما نشانیں دکھاتی ہے بلکہ جب تک جان آفرینی کا کمال اس
 سے نمایاں نہیں ہوتا ہے تب تک شاعری شاعری کا حکم نہیں کہتی ہے ذوق کا بیان
 خوشی زینہ دار ایسا نہیں ہے کہ خوشی کو ایک مجسم اور ذی جان پیرا یہ میں دکھاتا ہے۔
 شاعر کمال کا یہ کام ہے کہ اگر غیر مجسم شے کو مجسم کر کے دکھانا چاہتا ہے تو مجسم کر کے
 دکھا دے اور بے جان کو جان بنا دے تو اعجاز بیانی سے! جان بنا دے ملن نے
 گناہ اور موت کا بیان کیا ہے اس کے بیان نے گناہ اور موت کو باہم اور باجان
 کر کے دکھایا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ گناہ اور موت دو مجسم باجان شے ہیں شاعری
 اس کو کہتے ہیں اس طرح میر نہیں کے اس مصرعے سے "جب زلفت کو کھوٹے ہوئے لیلیا سے
 شبلی" صاف درک ہوتا ہے کہ شب کوئی مجسم زندہ شے ہے حالانکہ شب مجسم ہوتی ہے نہ جان

نمبر ۱ تشبیب قصیدہ غسل صحت صفحہ ۳۲۹ دیوان ذوق

مثل نغم صاحب صحت ہے ہر مروج نصبا

واہ و کیا معتدل ہے باغ عالم میں ہوا

بھرتی ہے کیا کیا میسائی کا دم باد بہار
 ہے گلوں کے حق میں بنیم مرہم زخم جگر
 ہو گیا موقوف یہ سودا کا بالکل احتراق
 ہو گیا زائل مزاج دوسرے پاں تک جنوں
 ہوتا ہے لطف ہوا سے اس قدر بیدار ہو
 پائی یہ صلاح منفراتے کہ دنیا میں کہیں
 ہر مزاج ملنے ہی میں ہوتی ہے تولد جنوں
 نام کو اشتیاق میں نہ تلخی رہی نہ سمیت
 کیا عجب جبار کی تاثیر کر رکھے ز قوم
 نیش کی ممانوش ہو مذنب الہ زنبور میں
 راحت و آرام کا اس در میں ہے دور دور
 موتی بند آنکھ میں اپنے جو کھتی تھی صدق
 آگیا ملاح پر ایسا زمانے کا مزاج
 نشے پر لکھنے نہیں پاتا ہوا الشافی طبیب
 فرق جانا یاں تک عنائے بدن در دلے
 لاغور کو ہو کمال تاب طاقت یہ شتاب
 صبح صادق کے ہے گو سر میں سپیدی آگئی
 جھوک کسی ثبات سے ہں کو لکھتے نصرت ہو
 رات بھر ڈنگا کیا انجم کے دانے چرخ پیہر

بن گیا گلزار عالم رشک صدور الشفا
 شاخ بشکستے کو ہے بال کا قطرہ مویا
 لالہ ہے داغ سیاہ پانے لگا نشو و نما
 بید مجنون کا بھی صحرا میں نہیں باقی پتا
 برگ میں سرخ کے سرخی ہی چون برگ حسنا
 زود چشم اب نہ کھینے کبھی نہیں ہے کربا
 جان ندنی کا پھول ہو گر ارغوانی ہے بجا
 بن گئی تریاق افیون زہر ملیٹھا ہو گیا
 کیا عجب گر آب حنظل دلیوے شربت کا مزا
 کام میں فنی کے ہو مہرہ بجائے ابلا
 چاہے واقف نہ ہو دوران سر سے ایسا
 اب کھی ہے روشنی مثل دل اہل صفا
 تازبان نامر بھی آتا نہیں حرف دوا
 کتا ہے بیمار بس کر مجھ کو ہے بالکل شفا
 درد کے جو حرف ہیں آپ ہی ہیں سب جدا
 کیسے دو ہفتے حال ک شب میں ہو بد الذبا
 لیکن ہں پیری میں بھی صادق ایسی اشترا
 قرص سے نور شید کے جہنگ نہ کر لے ناشتا
 پھر جو کھیجا صبح کو ہلا شکم میں کچھ نہ تھا

پہنچی یہ تفتیح کی نوبت کہ نوبت خانہ میں
 کوس بھلا بے خوشی سے نفع کا کیا بدل ہے
 ہضم کامل اس قدر حد سے نہ پہنچایا بہم
 ہے مزاج اہل عالم یہ قریب اعتدال
 لکھے کا تعویذ اور گنڈا کوئی کیوں اپنے پاس
 دیگا ہاؤس اپنے بال پر سے سائے بخش جو
 اس قدر جاتی رہی عالم سے بیماری کراچ
 واقعہ کس طرح سے صحت ناک ظالم کو ہو
 وہ ولی عہد ذراں مرزا محمد یوسف
 کوئی شک نہیں کہ اشعار بالا بہت خوب ہیں ذوق کی اطلاع عام سے غیر ہوتے
 ہیں اور ہر چند نچرل پیرا یہ نہیں کہتے اس پر بھی دوبارہ مذاق کے اعتبار سے ایسے
 ہیں کہ بہت کچھ قابل تعریف و توصیف ہیں +

نمبر ۳۳ - قصیدہ مدح صفحہ ۳۵۲

جس کا مطلع یہ ہے -

شب کو میں اپنے سر پر ترنوبابِ راحت
 نشہ علم میں زمرست غرورِ سخوت
 واقع ہو کہ یہ قصیدہ بہت طولانی ہے اس کی گنجائش اس کتاب میں نہیں نظر
 آئی اس لئے راقم صرف اپنے خیالات اس قصیدے کی نسبت ذیل میں عرض کر دیتا
 ہے کہ کوئی شک نہیں کہ ذوق نے جس ہی مضمون خیر طبیعت پائی تھی یہ قصیدان کی انتہائے

قوتِ شاعری سے خبر دیتا ہے اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ان کی مدیٰ لاطح
 ایک ممتاز ذوق ہے جسے واقعی علوم کی فرست خوب تیار کی ہے گو اس میں ظہارِ شاعری
 بہت نہیں ہے پھر اس علمِ شاعری کا نتیجہ اس قدر متخرج ہوتا ہے کہ بے قسمت علم سے
 کچھ فائدہ مترتب نہیں ہوتا یہاں پر ذوق کی فکر نے لذت کی ہے کاش ذوقِ حصولِ علم
 کا نتیجہ کچھ معقول طور پر دکھاتے ایسی تقریر سے انسان کو علمِ اندوزی کی طرف توجہ نہیں
 ہوتی ایسی تقریر تو سرسری منانی علمِ اندوزی ہے مگر درباری شاعر ہونے کے باعث
 ذوقِ معذور تھے ان کو تواجد و جمالِ رمنے تمام علوم و دنیا و دین کے بادشاہ کے دروہتی
 قسمت اپنے کو دکھانا ایک امرِ مجبوری تھا لاریب آزاد شاعر علم کو محتاج قسمت نہیں دیکھا سکتا
 ہے صاحبِ علم ہونا خود ایک بڑی خوش قسمتی ہے جیسا کہ میر تقی میر فرماتے ہیں سلا فضل
 اللابل العلم نہم۔ علی الدیٰ لمن استمدی اولاً۔ فتم بعلم ولا تبمی کہ بلافا لئاس موتی وہل علم
 احیاء۔ بہر حال قسمتی کے بیان طویل کے بعد ذوقِ جو نوبہ بھجت کا مضمون رقم فرماتے
 ہیں وہی سووا کا اگر ڈھا تھا مضمون ہے اس میں کوئی جدت کا پہلو نظر نہیں آتا جس طرح
 سووا کی آنکھ لگ گئی اور خوشی سامنے اگھڑی ہوئی اسی طرح ذوق کی آنکھ بند ہوتے ہی
 ذوق کے رہ برد نوید بھجت حاضر آئی اس نوید بھجت کو مجسم پہلے میں ذوق نے بڑے
 زوروں کے ساتھ بیان کیا ہے، بیان کیسا ہی ہو مگر سووا کے نتیجے سے عالی نہیں ہے
 لیکن اس کے ساتھ انصاف یہی ہے کہ چھ ذوق ہی کا کام تھا کہ سووا کی راہ میں قدم مار
 سکے اس نتیجے کی بدولت بے شک ذوق نے نوید بھجت کو مجسم کر کے دکھایا اگر اتنی کسر
 گئی کہ جسم میں جان نہ دے سکے، بیان نوید بھجت کے بعد جو مدحیہ شعرا میں وہ درباری
 شاعر کے حساب سے اچھے ہیں اور بابِ مذاقِ صحیح پر ان کا ملاحظہ بارہ تو ہو :

نمبر تیشیب قصیدہ مدح صفحہ ۳۷۸ دیوان ذوق

ہے کج جو یوں تو تھا نور سحر رنگ شفق
 یہ جوش نسرانی سخن یہ الہ دگل کا چین
 ہر قطر قد نغمہ سخن زریب چین شان چین
 لب پر نسیم ہے کہ ہے جوش بہار و موج گل
 افشاں جہیں پر لب ہر تہ تاب حکم جلوہ گر
 ہر مجمع پر جو ان اک طرف مشرق سے کہ والی
 جام بلوریں سخن یوں عکس شراب لہ لہ گول
 دیکھے چین میں برگ گل آلودہ شبنم جو گل
 ہے شوق کو بالیا کی ہے لبط کو حسیب کی
 مساتی نئے عشرت بھر ساغر کہ جی اس رنگ پر
 جشن بہادر شاہ ہے رور علوجاہ ہے

پر تو ہے کس نور شیا کا نور سحر رنگ شفق
 گلشن میں گویا چھا گیا نور سحر رنگ شفق
 ہر نسیم برگ گلوں قبا نور سحر رنگ شفق
 دندان پان تھوڑے ہیں یا نور سحر رنگ شفق
 اور گور سے ماتھوں میں جانا نور سحر رنگ شفق
 روشن دل نگین ادا نور سحر رنگ شفق
 ہو جیسے کیفیت فزا نور سحر رنگ شفق
 خجالت سے پانی ہو گیا نور سحر رنگ شفق
 کس رنگ ہوں بل کہ جی نور سحر رنگ شفق
 اب ہوا جائے فضا نور سحر رنگ شفق
 ہے اس لئے بھت فزا نور سحر رنگ شفق

یہ قصیدہ ایٹھیاں تخیالات شاعری کے اعتبار سے جو کچھ پر مضمون سمجھا جائے
 اور نہ حقیقت میں اس کو خوبی مضامین سے کوئی علاقہ نہیں ہے ردیلت کی خوشنمائی
 نے جو کچھ اس کی شہرت پھیلائی ہو اور نہ اس میں مضمون آوری بہت کم ہے اس قصید میں نہ
 کوئی حکمت آموز بات ہے اور نہ فطرت نگاری کا کوئی لطف ہے قصید گوئی کی غرضیں
 تو تھامز فوت ہیں لہذا یہ کہ تا تعلیم یافتہ دماغوں کو خوش کرنے کا اچھا آلہ ہے اسی سے
 ایٹھیاں و باروں کے مذاقوں کو بھٹا چاہئے کہ وہاں شاعری سے کیا نئے مراد ملی جاتی ہے

اور وہ کسی شاعری ہے جس کی قدر کی جاتی ہے۔

نمبر ۲۸ قصیدہ ملح صفحہ ۳۸ دیوان ذوق

لانا نیز نگ سے ہر رنگ نئے چمن محیل
 ڈر زمانہ سے وہ عیار ہے یہ ہوش ربا
 ہے توکل کا اناطہ وہ عزیمت کا حصار
 گم ہونے کی نوابی سے صفات اصلی
 پیش روشن نہ کر رہتی سے نہیں سامع کو آنج
 بولتے سیرت میں مردان دلاور ممتاز
 نہیں بے قید و لائق کسی علم میں بزرگ
 ہے در خاک بھی تاروں کو سفر حشر تلک
 عیاں روز جہاں ہیں مضاں ہے یک ماہ
 کشت سبز فلک ان سے نہ کہ چشم مثر
 قابل انسان کی صحبت ہے انسان نہ فلک
 جتنا خود ریشہ پیستہ تنی ہی بارشس رہا ہوا
 عشق کے چنوائے ہے اک ارجح کش سے نہ
 نہ لگے چرخ کو گر نالہ عاشق کی ہوا
 شمع کشتہ کیلئے ہے دم عیدسی آتش
 معتز ہے جو کہے نالہ دل درد اظہار

واہ بگڑا ہے کچھ ان نعم میں عجب تک سے نیل
 لاکھ سہویشیوں سے جس کی بھری ہے نیل
 کہ بجز حفظ خدا جس کے نہ خلق نہ فیصل
 رنگ تیل چھپا ہو شہ شہیر اصیل
 بلکہ ہے آتش نرو و گلستان خلیل
 در نہ صلوٰت میں تو کچھ کہ نہیں شہباز سے چیل
 رسم تحریر میں بھی حمد ٹپے نہ بجز سہ سے فیصل
 نہیں ماتحت تری منزل آرام بخیل
 بعد ہے کثرت تکلیف یا عیش کلیل
 نوشتہ فیض سے بے ہر ہے یہ مرز عمیل
 بن گیا پیش بنی صورت دھیا جبریل
 ہوئے کیونکہ تیش عشق و حرمت کی دلیل
 بار صد کوہ الم بے عمل بحر قلیل
 دم میں اجرائے رضائی کی طرح ہوں کلیل
 سوزش عشق سے نہ ہوں محبت کے قلیل
 نالہ ہے دل کی زبان دل ہر موکل یہ کلیل

دل کے ہر ایک ق میں حقیقت ساری جس کا جمال قصا اور قدر سے تفصیل
 محی میں ہے اور پڑھوں میں کوئی مطلع ایسا گوہر مخزن معنی سے ہو جس کی تاویل
 اس قصیدے کے اشعار تشبیہ ویسے ہیں کہ جیسا اشعار تشبیہ کو ہونا چاہیے
 ان میں کچھ اقوال حکیمانہ اور محققانہ بھی ہیں پھر شاعری کا پیرا یہ بھی اچھا رہا ہے مزید برآں
 کلام اصراط غزلیت سے بھی نکلا ہوا ہے ان اشعار کا رنگ بعض عربی قصائد کے اشعار
 کا رنگ رکھتا ہے اکثر عربی قصائد کے اشعار تشبیہ بکار آمد مضامین سے مشتمل ہوتے
 ہیں حتیٰ کہ متبی کے اشعار تشبیہ بھی حکیمانہ اور محققانہ مضامین خالی نہیں ہونے فقیر کی
 دانست میں استثنیٰ بکار آمد مضامین ذوق کے اور کسی قصیدہ میں نظر نہیں آتے
 وضع ہو کہ قصائد بالا کے علاوہ اور بھی چند قصائد ذوق کے ایسے ہیں کہ ترجمہ طلب
 نہیں البتہ ای مذاق کی رو سے تو لاریب ذوق کے یہ سب قصائد اس شاعر نامی کی
 بڑی صلاحی سخن طبیعت داری عالی پروازی اور بلند خیالی سے خبر دیتے ہیں مگر سچی
 شاعری کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر جو ان کا موازنہ کیجئے تو ان میں چند نقصانات
 پائے جاتے ہیں اول یہ کہ شاعری کو جو آزادی خیالات، درکار ہے ان میں نہیں ہے
 دوم یہ کہ ان میں معاطات فطرت کا جلوہ کیسے نظر نہیں آتا ہے سوم یہ کہ ان میں ایسے اقوال
 کہ مفید اخلاق و تمدن و معاشرت ہوں کمتر پائے جاتے ہیں چہاں ہم یہ کہ ان میں ایسے
 مضامین منفقود ہیں جن سے مذاق شاعری کی مصلح منفعہ اور مزاج ان مرتبہ نامت
 کی معززت استاد ذوق کی طرف سے صرف ایک جملہ کے ذریعہ سے کی جاسکتی ہے
 اور یہ ہے کہ حضرت کو افتاد وقت سے درباری شاعر بننا پڑا تھا اور نہ جو قابلیت
 شاعری حضرت کو مودعہ تھی اس قابلیت کا شاعر ایک آزاد ملک میں بہت کچھ

بکار لہ لہانین سے شاعری کو ذہنیت اور قوم کو عزت دے سکتا ہے اس جگہ ایک
 لہر بہت قابل لحاظ ہے کہ ہر چند اقرب شاعری سے حضرت کی شاعری کو بڑا نقصان
 پہنچا، مگر ان کے فانی معاملات خلاق ہیں کوئی نسل و واقع نہ ہوا ذوق جس طرح کے
 کچھ خوش ذہنیت مبالغہ خستہ پر دست آدمی تھے۔ تا دم مرگ یہ ہے ان کی قناعت ایک
 ممتاز درجہ کی تھی ظاہر ہے کہ جس دربار سے ان کو تعلق تھا وہ غایت بد حالی میں
 مبتلا رہتا تھا ناچار ان کو ایک قلیل رقم تنخواہ کے طور پر وصول ہوا کرتی تھی اس پر بھی انھوں
 نے شاہ نصیر کی چال نمبر اختیار کی، کبھی ملک دکن کا منہ نہ دیکھا دہلی میں رہے اور دہلی میں
 مرنے لگے اگر شاہ صاحب کی طرح جاوہ قناعت سے قدم باہر نکالتے تو شاہ صاحب سے
 زیادہ مال دنیا حاصل کسیتے اس واسطے کہ دیہاتی شاعری میں ان کو شاہ صاحب سے
 بہت زیادہ دخل تھا لیکن ذوق نے ان قناعت کو نہ چھوڑا جیسا کہ خود فرمائے ہیں
 گرچہ ملک دکن میں ان دنوں قدر سخن کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر
 واضح ہو کہ شاہ نصیر کے متواتر سفر دکن اختصار کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے
 زمانہ میں ملک دکن ایک اچھا زمانہ وزمی کامیاب تھا۔ یہ وہی زمانہ ہے جس وقت
 ماجہ چند لعل کی او ببول فیاضی بر سر طغیانی تھی لیکن اس عہد میں بھی ملک دکن کچھ کم
 مرجع اہل حاجت نہیں ہے ہزاروں بے روزگار اب بھی بشکل امیدوار آتے جلتے
 ہیں اور ہزاروں بیرونی اشخاص سرکار دکن سے تعلق خدیرت رکھتے ہیں۔ حقیقت
 یہ ہے کہ جب سے افلاس میں مسلمان ہند مبتلا ہو رہے ہیں لگے یہ ریاست نہ ہوتی
 تو بہت سے ایسے نوکر پیشہ لوگوں کو جن کو انگریزی نوکری کا ملنا معلوم اوقات بسری کی
 مکتوت سخت دشوار ہوتی واقعی یہ ریاست بہت فیض رساں ہے مگر اس کی فیض رسانی سے

ہم مسلمانوں کی برائی کا پتا خوب لگتا ہے اس کی فیض مسانی کہہ رہی ہے کہ اے مسلمان
 ہندو اپنے دیاروں کے غیر اقوام سے قابلیت میں بہت پیچھے پڑ گئے ہوتے تو میرے
 روٹی و صفائی لے لیتے ہو۔ خدا! کاش وہ دن ہم کو نصیب ہو کہ ہم لوگ کافی طور پر سزا
 قابلیت حاصل کر کے اکتساب معاش میں اپنے ہم وطن غیر اقوام کے برابر ہو جائیں۔ بلکہ
 ان سے بڑھ جائیں تاکہ ہم کو دنیاویوں کے حقوق کو غصب کرنے کی محتاجی باقی نہیں ہے۔
 عروسی ترکیب اس صنف شاعری کی وہی ہے جو قصیدہ کی ہے الایہ کہ اس
 قطعہ صنف شاعری میں ہمیشہ مطلع نثار و موزا ہے اور اشعار کے عدد چار سے کم
 نہیں ہوتے مضامین کے اعتبار سے یہ صنف شاعری ایک اعلیٰ درجہ کی ہے اس کے
 مضامین کو مسائل اخلاق و حکمت پر مشتمل ہونا چاہیے قطعہ نگاری کا تقاضا یہی ہے۔ مگر
 بعض شعراء نے اس صنف شاعری کو سہرت مضامین کی بندش سے درجہ ابتذال کو
 پہنچا دیا ہے۔ واضح ہو کہ قطعہ نگاری کے لئے واعلیٰ شاعری (NTERAL POETRY)
 درکار ہے چنانچہ فارسی اور اردو کے جتنے عمدہ قطعات ہیں اسی پہلو سے مضامین سے
 مزین نظر آتے ہیں مگر اس جگہ ایک امر قابل گزارش یہ ہے کہ قطعہ نگاری میں شاعر کو یہ
 بات ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اس کا کلام نوزائیدت کا رنگ پیدا کرے۔ الا اس حال میں
 کہ قطعہ نثر و اشعار وہ کسی غزل میں موزوں کرنے کو ہے۔

فارسی کی قطعہ نگاری

راقم کی دانست میں اکثر فارسی شعراء کی قطعہ نگاری کا مذاق اچھا ہے اس کی ٹیپہ
 یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ صنف شاعری درباری شاعری کے اغراض کے لئے قصیدہ کے

برابر نوزون و مناسب نہیں ہے اس لئے درباری اغراض میں کمتر صرف ہوتی ہے
 اگر کسی شاعر نے اس میں مدح سرائی وغیرہ کی ہے تو اس کی مثال محض شاد و اتفاق ہے
 واضح ہو کہ فارسی ابن مبین نے اچھے قطعاً نظم فرمائے ہیں بلکہ ان کے قطعاً نے
 مدون ہو کر ایک مختصر دیوان کی صورت پیدا کی ہے۔ ابن مبین کی شہرت شاعری قطعاً
 نگاری کی بدولت ہے مگر وہ قطعاً ابن مبین سے نمبر رکھتا ہے حقیقت یہ
 ہے کہ یہ کتاب منظوم از سزا پامائل حکمت سے معمور ہے اور اباب مذاق کے
 قابل تو ہے وہ ذیل میں کچھ ابن مبین کے قطعاً نذر ناظرین ہوتے ہیں۔

انتخاب قطعاً ابن مبین

دانی چہ موجب است کہ فرزند از پدر قطعاً، منت غیر راجح فراوان و عطا
 یعنی قدیس جہاں کہ محل حوادث است در محنت و جہد تو افکنند مرا
 سائلے حال جہاں رازیکے کہ رسول قطعاً، آن سشہندی کہ چہ فرود ہمیش پنجاب
 گفت دنیا و عیش چو بیابان سراب یا خیالیت کہ صاحب نظرش فید پنجاب
 خواب را مردم بیدار دل اصلاً نہ ہند نہ شود اہل خسرو زہ تو بوی سراب
 مرد آزاد در میان گروہ قطعاً، گر چہ خوش خو عاقل و دانا است
 محترم انگھے تو اند بیو کہ از التیال بالاش استغنا است
 واکہ محتاج خلق شد خوار است گر چہ در علم بوعلی سینا است
 واضح ہو کہ یہ ترجمہ قول امیر المومنین علیہ السلام کا ہے
 گر ناز و فلکت غرہ مشوا از پسے آل قطعاً، کہ صعوبت سے نبوکش کہ سقوط نے پسے است

گر بلندی دہشت بخت برد نیز مناز کار قناع نبودش کہ پہلے نپے است
 اگرچہ بے ہنرے رادم فرزند باشد (قطعہ) گمان میر تو کہ نادان برابر داناست
 بیچ حال ابو جہل چون محمد نیست اگرچہ طہیت ہر دو ز آدم چھو است
 کسے کہ طریق تو واضح رود (قطعہ) کند ہر سر نیز شرف سلطنت
 ولیکن محاشش بدان و مکن ملک سیرتی در گہ شلطنت
 تواضع بود با بزرگان ادب بود با فرو مانگان مسکنت

یہ بھی قول امیر المومنین علیہ السلام کا ترجمہ ہے۔

ہر کہ موجود حقیقی را شناخت (قطعہ) ذات ایزد را بلا ایشاہ گفت
 رہ یہ بزرگان بیچ میدانی کہ برو آنکہ لا موجود الا اللہ گفت
 چو میدانی کہ احوال زمانہ (قطعہ) مبدل می شود ساعت ساعت
 گرت باید کہ یابی لذت از عمر و گر شوہی کہ یابی ذوق طاعت
 زدام حصی چون سمرخ بگرہ یز نشین ساز بر قاف قناعت
 ہر کہ دارد کفائف عیش جہاں (قطعہ) کہ نباشد در ال بکس مناج
 کلبہ نیز باید شش کہ ازال نہ کند ہر دمش کسے اخراج
 در جہاں بادشاہ وقت خود ہست وین چنین کس نہ بنگرہ سوسے تاج
 بلشیر زین جو سے ابن میمن تا بمانی مگر ازین محنت تاج
 کا بچہ افزون ازین کئی حاصل ہر و دادنی است یا تاراج
 مرد باید کہ ہر کجا باشد (قطعہ) عزت خویش تن نگہ دارد
 خود پسندی دالمی نہ کند ہر چہ کہ و منی است بگزار

بظریعے دود کہ مردم را
سرموسے ز خود نیاز آرد
چمکس راز خویش بداند
یہی کس را حقیر نہ شمارد
سرد ز در طلب نهد وانگہ
تا مگر دو ستے بدست آرد

راقم نے قطعات بالا اس لئے انتخاب کئے ہیں کہ قطعہ نگاری کی غرض ظاہر ہو جتنے مضامین قطعات بالا کے ہیں تھے اور چچے ہوئے ہیں ارباب دانش سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ان سے قطعہ نگاری کی غرض ہو یا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس رنگ کی قطعہ نگاری ایک بڑے حکمت آماب شاعر کا کام ہے، ہر شعر راستی کا مرتع ہے اور سچی شاعری کا نمونہ ہے اب ذیل میں کچھ قطعات سعدی علیہ الرحمہ کے عرض کئے جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس صنف شاعری میں بھی حضرت ایک بڑا نماز پارہ رکھتے ہیں بلکہ فقیر کی دانست میں کوئی فارسی کا شاعر قطعہ نگاری میں ان کا ہمسر نظر نہیں آتا ہے جو صناعی خیالات حدت مضامین حق پسندی راست گفٹاری اثر انگیزی کا جلوہ حضرت کے کلام میں پایا جاتا ہے کسی اور شاعر کے کلام میں نہیں دیکھا جاتا ہے کہ ہر چند ابن بعین بڑے قطعہ نگار ہیں مگر سعدی کے صفاء خیالات اور اثر انگیزی کو نہیں پہنچتے ہیں۔

بسیار خوبال دیدہ ام لیکن تو چیز نئے یگری

انتخاب قطعات سعدی

اے کہی کہ از خزانہ غریب قطعہ گیر و تر سا و طیفہ خود آری
دوستان را کجا کہی محروم تو کہ باد شهنان نظر آری

ابرو باد و بر خیزد و فلک در کار انداخته آتا تو ناله کبک آرمی و بخت سحری
 بر سر از سر تو گشتم و قرآن بردار شرط انصاف نه باشد که تو فرمان نبری
 ای برتر از خیال و قیاس و گمان و دهرم (قطعه) و ز هر چه گفته اند شنیدیم و خوانده ایم
 دفتر تمام گشت و پایان رسید عمر ما همچنان در اول وصف تو مانده ایم
 گر کسی وصف او زمین پرسد (قطعه) بی دل از بے نشان چه گوید باز
 عاشقان گشتن تکان مشوق اند بر نیایدز گشت تکان آواز
 ای مرغ سحر عشق ز پروانه بسیار آموز (قطعه) کان سوخته را جان شد و آواز نیامد
 ای مدعیان در طلبش بے خبر اند کانرا که خبرت در خبرش باز نیامد
 گلے خوشبو تے در حمام روزی (قطعه) رسید از دست محبوبے بدستم
 بدو گفتم که مشکلی یا عیبری که از بوسے دل آویز توستم
 بگفتا من بگفے ناچیز بودم لیکن دستے با گل نشستم
 جمال بنشین در من اثر کرد و گرنه من برهان خاکم که پرستم
 کونست که امکان گفاز هست (قطعه) بگو ای برادر به لطف و خوشی
 که فردا کی یک ابل درسد به حکم ضرورت زبان در کشی
 زبان دردمان خردمند چیست (قطعه) کلید در گنج صاحب مہر
 چو در بسته باشد چه داند کسی که جوهر فروزش است یا شیشه گیر
 آنچه پیش خردمند نامشی ادب است (قطعه) بوقت مصلحت آن به که در سخن کو شمی
 دو چیز طرہ عقل است دم فرد بستن بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی
 بس نامور و بیزمین و فن کعبه اند (قطعه) اگر هستیش برے بین یک نشان ماند

آن پیر لاشہ را کہ سپردند زیر خاک
خاکش چنان بچند کرد استخوان نماز
زندہ است نام فرخ نوشیروان بجزیر
گر چہ بسے گزشت کہ نوشیروان نماز
خیرے کن لے فلان و غنیمت شمار عمر
زان پیشتر کہ بانگ بر آید لالہ نماز

آن شندی کہ لاغرے دانا (قطعہ ۱۱) گفت روز سے ایلے فریہ
ہست تازی اگر ضعیف بود
ہمچنان از طویلہ خسریہ
نیم نانے گز خورد و مرد خداے (قطعہ ۱۲) بذل درویشاں کند نیسے دگر
ہفت قلم ار یکے ز بادشاہ
ہمچنان در بند اقلیمے دگر
اگر آب زندگی بارد (قطعہ ۱۳) ہرگز از شاخ بید بر بخوری
بافرو مایہ روزگار میر
کنے لوریا شکر بخوری
(قطعہ ۱۴)

پس لوح بایاں بہشت
خاندان بنو شمس گم شد
سگ صحاب کف روئے چند
پے نیکاں گرفت مردم شد
شمشیر نیک آہن بدچوں کند کسے (قطعہ ۱۵) ناکس بہ تربیت نشود اے حکیم کس
یاراں کہ در لطافت طبخش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خلص
(قطعہ ۱۶)

زمین شور سبیل بر نیارد
در تخم عمل ضائع مگردان
نکوئی بایاں کردن چنان است
کہ بد کردن بجائے نیک مردان
واضح ہو کہ یہ سب قطعات راقم نے کتاب "گلستان" سے داخل لہذا کئے ہیں ظاہراً
اپہا معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس کتاب کے تمام قطعات اور بھی وہ قطعات جو کلیات

سعدی میں مندرج ہیں ماردن کر دیئے جائیں تو ایک عمارت جس سے قطعاً سعدی
کا ترتیب پاسکتا ہے فقیر کی دالرت میں تاسی کا کوئی قطعہ نگار شاعر سعدی کے
حسن بیان صفائی پر تاثری مضامین حق پسندی حق آموزی حق جوئی حق گوئی راست
گفتاری راست کرداری کو نہیں پہنچتا ہے حقیقت یہ ہے کہ جو خوبیاں سعدی کے
قطعات میں ہیں۔ زینار ابن سمین کے قطعات میں نہیں ہیں لاریب سعدی قطعہ نگاری
میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں۔ ذیل میں کچھ قطعات ان کی کلیات سے بھی درج
ذیل کئے جاتے ہیں :

قطعه ۱۷

تاگماں باگ در سر اے فتد	کہ فلاں را محل وعدہ رسید
دوستان آمدند تائب گور	قد مے چند و باز پس گر دید
دانکہ دوست تہمی داری	مال و ملک و قبالہ برد و کلید
آنکہ پیوستہ با تو خواهد بود	عمل تست و نفس پاک و پلید
نیک در باب و بیکن ز نہار	کہ بد و نیک باز خواہی دید
کے بجا و شناسے برادران عزیز	۱۸ قطعہ ز عیب خویش نباید کہ بے خیر باشد
ز دشمنان شناسے دست تاجہ میگویند	کہ عیب در نظر دوستان مہتر باشد
پدر کہ جان عزیز تر لب سید چہ گفت	۱۹ قطعہ یک نصیحت من گوش دار جان عزیز
بد دست گر چہ عزیز است راز دل کشای	کہ دست نیز بگوید بدوستان عزیز
ایکہ وقت لطفہ بودی بے خیر	۲۰ قطعہ وقت دیگر فضل بودی شیر خوار
مدستے بالا رفتی تا بلوغ	سر و بالائے شدی سچین عذار

بر چمنال نامرد نام آور شد ہی
 آنچہ دیدی بر قرار خود نماند
 افسار میدان و مرد کارزار
 این میبویج است چون می بیکرود
 نام نیک زندگان منس الخ ممکن
 ذیل میں کچھ اور ہستادوں کے بھی ایسے قطعات جس سے قطعہ گوئی کی
 غرض نہیں ہو یہی ہیں۔ غرض کئے جاتے ہیں۔

قطعہ فردوسی

بریابگوں کے کہ پرویز از زمانہ چہ خورد
 گراو گرفت ممالک بدگیراں بگزاشت
 برو بہ پرین کہ کسری از روزگار چہ خورد
 در این زمانہ خزان بدگیراں لبسید

قطعہ لطافی

دوش زخم بہ خرابات مرارہ نبود
 یا نہ بد بیکس از بارہ فروستان بیدار
 میزوم نعرہ و فریاد کس از من نشنود
 یا نہ من بیکس ہم بیکس در نہ کشود
 زند سے از غرقہ بزوان کرد و نرسن یہ نمود
 بے محل آمدنت بر در ما بہر چہ بود
 کا ندرین وقت کسے بہر کسے در کشود
 کہ تو در باری و اندر صف پیشستی زود
 شاہد و شمع و شرایب شکر دلمے و سرود
 گفت خیر بست درین وقت کہ اینجو ہی
 گفتش و ربکتا گفت برو ہرزہ گو سے
 این نہ مسجد کہ ہر لحظہ درش بکشایند
 این خرابات مغال است درو زندانند

مومن دارمنی و گبر و نصاریٰ و یہود
 گر تو خواہی کہ دل از صحبت ایناں بزنی
 خاک پائے سیمہ نشوتا کہ بیابی مقصد
 واضح ہو کہ اس قطعہ کی عرضی ترکیب غزل کی ہے کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ
 قطعہ میں مطلع بھی لکھتے ہیں مگر یہ غزل نہ ترکیب قلیل الوجود ہے لیکن عرض قطعہ نگاری
 سے قطعہ کو خالی نہیں ہونا چاہئے اس قطعہ کا مصراع آخر اس قطعہ کی عرض پر مشتمل ہے

قطعہ سنائی

گویند چو سپتیر مارفت ز دنیا
 میراث خلافت بعللاں داد ز بیگان
 نے نے ملکہ ملک بہ بیگانہ نداد است
 بود فرشتاں جہاں جملہ تو برخوان
 میراث یہ بیگانہ دید ایچ مسلمان
 با دختر و این عم و داماد و دوز زند
 رونے ز سر سنگ عقابے بہو اناست قطعہ، و اندر طلب طعمہ پر وبال بسیار است
 از کبر و منی ہاکہ در او بود بھی گفت
 امر و ہمہ ملک خدا زیر پرماست
 ناگز کہین گاہ یکے سخت کمانے
 تیرے بڑھ آور دفرستاد بد و راست
 بر بال عقاب آمدہ آن تیر حکر دوز
 در سینہ بردن نت پس پشت بھی کاست
 در حیرت آن بود زانے بہ تفکر
 کاین آہن این چوب ہریدن کجا خواست
 چوں نیک نگہ کرد بر خویش در آن دید
 گفتا کہ نالیم کہ از راست کبر راست

قطعہ غالب دہلوی

فرصت اگر دست دید مغتتم آنکار
 ساقی و مغنی و شربانی و سرود

تہنہارا از ان قوم نباشی کہ فریبند
حق را بہ سجودی دینی را بہ درودی

یہ آدم زن بہ شیطان طوق لعنت
دیکن در اسیری طوق آدم
واضح ہو کہ قطعات بالاین شونجی کا لطف ہے، غالب کے قطعات فارسی بہت
میں مگر بیشتر درباری رنگ کے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے قطعات بضرورت تصنیف
ہوتے ہوں گے اور چونکہ اغراض قطعہ نگاری کے موافق نظر نہ آئے درج ایذا نہیں کئے
گئے یہی حالت عرفی کے قطعات کی بھی نظر آتی ہے کہ حکیمانہ مضامین پر کثیر مشتمل ہیں۔

اُردو کی قطعہ نگاری

معلوم ہوتا ہے کہ اُردو کے شعراء نے قطعہ نگاری کی طرف بہت کم توجہ فرمائی
ہے اُردو کا شاعر اس صنف شاعری میں نہ سعدی کا نظیر نظر آتا ہے نہ ابن کیمین کا
جواب کھائی دیتا ہے ذیل میں اُردو کے کچھ قطعات بسبیل انتخاب عرض کیے جاتے ہیں۔

قطعات ذوق

ایک تارک نیا سے میں نے پوچھا ذوق
ذرتی ہوگی بہ آرام زندگی تیسیری
ماہر اس نے کہ قید حیات میں انسان
ٹھانٹے ماتھے جہاں سے لیک کیا مکان
کہ تو اکھر کے ادھر سے ادھر سوا پوہست
کہ تجھ کو اب نہ علم نیست ہے شادی بہت
کبھی نہ ہو گا دل اسودہ گوہر مست الست
کہ با فرغ کرے کج عافیت میں نشدت

تو سلسلہ میں فقیری کے وہ بڑا پالہرت
 کہ حق پرست ہر وہ پہلے جو ہر پیر پرست
 کیا یہ شوق نے موت بہت بلند نہ پست
 تو یہ ارادہ ہوا اور بھی ہوں بالادست
 کہ نفس بہن سرکش ہے اس کو دیکھتے شکست
 پھنسا ہوا ہے کہ پھیتوں میں گر ہے مست
 مجال کیا کہ تکل جائے کوئی کر کے جست
 کیا زبان سے نکل اس کی جیسے تیرا دست
 بریدہ زہمہ باعد اگر فقاہت است

چھٹا جو کوئی گرفتار یوں سے دنیا کی
 راہ نہ مدت مرشد کی قید میں برسوں
 گر ایک عمر میں پہنچا مقام عالی پر
 جو دست گاہ تصوف میں بھی تہوئی اس کو
 ہمیشہ جنگ لڑی بعد صلح کل کے یہی
 جو ہوشیار ہے تو بڑے شرع کا پابند
 نہیں ہے دام علائق سے مطلق آزادی
 کہا ہے خوب کسی نے یہ شعر چوتھے
 کہ کہ قطع تعلق کلام شد آزاد

قطعہ

مثل زنگ جسے جب تک ہے اس چمن میں چشم دا
 جو کہ عالم اپنا اس نشوونما سے پہلے تھا
 پھر کہاں یہ سبزہ بگی اور یہ ابرو بڑھا
 اس تماشا نے جہاں رامفت می سلیم ما
 قطعہ غور سے دیکھا تو اسے فوق ہے ان کا یہ حال
 نقل کرتا ہو مسلمان کی کافر نقال
 قطعہ ہے بڑا وہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے
 کیوں برا کہنے سے تو اس کے برا مانتا ہے

دیکھتے ہیں جلوہ گلہائے زنگار زنگ ہم
 آخرش ہو گا وہی اکدن خزاں کے ہاتھ سے
 ہے غنیمت کوئی دم نظارہ رنگ بہار
 دردم بودیم دیگر دردم خواہیم رفت
 جن کوں وقت میں اسلام کا دعویٰ ہے کمال
 جیسے محفل میں ہنسنا نے کو مسلمانوں پر
 تو بھلا ہے تو برا نہیں سکتا اسے ذوق
 اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کتا ہے

قطعات غالب

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے سہلین
 وہ سبزہ زار مائے مطرا کہ غصہ
 اک تیر میرے سینہ میں ادا کہ مائے مائے
 وہ از زمین تیاں خود آرا کہ مائے مائے
 طاقت رہا وہ ان کا اشارا کہ مائے مائے
 وہ باد مائے ناب گوارا کہ مائے مائے
 اس قطعہ میں صرف شوخی ہے کوئی شعر حکیمانہ مذاق نہیں رکھتا۔ اس قطعہ پر کیا
 موقوف ہے، جتنے قطعات دیوان غالب میں موجود ہیں کسی مسئلہ علمی سے علاقہ نہیں
 رکھتے ہیں۔

قطعه

لے شہنشاہ آسماں اور رنگ
 تھا میں اک بنو اے گوشتہ نشین
 تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
 کہ ہو مجھ سا ذرہ ناچیز
 گر چہ اندوئے ننگ بے ہنری
 کہ گر اپنے کو میں کہوں خاک کی
 شاہد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں
 خانہ زاد اور مرید اور مباح
 اے جہاندار آفتاب آثار
 تھا میں اک درد مند سینہ فگار
 ہوئی میسر ہی وہ گرمی بازار
 رو ششماں تو اہت و سیار
 خود ہوں اپنی نظر میں اتنا خوار
 جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
 بادشہ کا غلام کار گزار
 تھا عیشہ سے یہ سر لیسندہ نگار

نسبتیں ہو گئیں مشخص چار
 دعائے ضروری الاظہار
 ذوق آرائش سرود ستار
 تاندے باد زمیر آزاد
 جسم رکھتا ہوں ہے اگر چہ زار
 کچھ بنایا نہیں ہے اسکے پار
 بھاڑ میں جائیں لیسے لیل و نہار
 دھوپ کھائے کہاں تک جاندار
 وقتا رہتا عذاب النار
 اُس کسے طنہ کا ہے عجیب ہنجاہ
 خلق کا ہے یہی چلن یہ مدار
 اور چھ ماہی ہو سال میں وہ بار
 اور رہتی ہے سوز کی تکرار
 ہو گیا ہے شریک سا ہو کاہ
 شاعر لہز گوئے خوش گفتار
 ہے زبال میری تیج ہو ہر دار
 سے قلم میرا ہو گوہر باد
 قلم ہے گر کہو نہ مجھ کو پیاد
 آپ کا نوکراہد کھاؤں اُدھار

باسے نوکر بھی ہو گیا صد شکر!
 نہ کہوں اپنے تو کس سے کہوں
 پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں
 کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر
 کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش
 کچھ خیر یا نہیں ہے اسکے سال
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ
 آگ تا پے کہاں تک انسان
 دھوپ کی تالیش آگ کی گرمی
 میری تنخواہ جو مقررہ ہے
 رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک
 جھک کو دیکھو تو ہوں بقید حیات
 بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرص
 میری تنخواہ میں تسائی کا
 آج مجھ سا نہیں زمانے میں
 رزم کی داستان گر صنیعہ
 بزم کا الترام گر کیجیے
 قلم ہے گر نہ دو سخن کی داد
 آپ کا بندہ اور پھول سنگا

میری تنخواہ کیجیے ماہ بیاہ
ختم کرتا ہوں اب دعا یہ کلام
تاتہ ہو مجھ کو زندگی دشوار
شاعری سے نہیں مجھے سرکار
تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
اس قطعہ میں جس قدر شوخی ہے محتاج بیان نہیں مگر راقم نے اس قطعہ کو اس لئے
منتخب کیا کہ اس میں مرزا غالب نے بڑی واقعہ نگاری خرچ کی ہے ہندوستانی
سرکاروں کا بیشتر ہی طور ہے کہ بدانتظامیوں کے باعث تنخواہیں بڑی دشواریوں
سے ملتی ہیں ہندوستانی ریاستیں سرکار انگلینڈ کی نہیں ہوتیں کہ مشاہیر ہر مہینہ کی پہلی
تاریخ ملازموں کو وصول ہو جایا کرے یہ قطعہ بہت عبرت خیز ہے ظاہر ہے کہ جن
سرکاروں کی یہ حالت ہو کہ ملازموں کو مزد خدمت و وقت پر نہ ملا کرے تو بالضرور یا وہ
پوری کریں گے یا اسے تکلیف کے بھاگ کھڑے ہوں گے اور اب مذاق سے
پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ قطعہ ہجو کا ایک نہایت مطبوع پیرایہ رکھتا ہے گویا ایسی
نیرت سے لکھا نہیں گیا۔

ایک قطعہ ذیل میں میر پرورش علی صاحب متخلص بہ سخی کا نذرناظرین ہوتا ہے۔
ایک دن وہ لے کے کچھ لوگوں کو ساتھ
اس میں محمول ہے اور اس میں کوکین
بعد اس کے پھر ہمساری قبر پر
پوچھا جب سرتے کہ اس میں کون ہے
بولے ہے ہے یہ سخی کا ہے مرزا
تربتیں یہ کہہ کے دکھلاتے رہے
عاشقان نازتھے جاتے رہے
دیہ تک انسوس فرماتے رہے
آپ جو رو رو کے پھٹاتے رہے
جان دیدی لاکھ سمجھاتے رہے
رُباعی وہ صنف شاعری ہے جس کے لئے میکمانہ مضامین کی حاجت

ہے۔ شاعر کو لازم ہے کہ مسائل اخلاق و تمدن و معاشرت و مذہب و دیگر مضامین جلیلہ سے اپنے کلام کو زینت دے۔ اگر لہجہ خیالی کی طرف اس کے کلام کو میلان ہوگا تو اس کی رباعی نگاری بامراد تاثیر پیدا نہ کر سکے گی۔ جانتا چاہیے کہ جمعی علی خیالی قطعہ نگاری کے لئے درکار ہے اس صنف شاعری کو بھی اسی قدر اس کی حاجت ہے مگر فرق یہ ہے کہ قطعہ میں گنجائش مضامین زیادہ ہے اس لئے کہ قطعہ صرف چار مصرعوں میں محدود نہیں رہتا۔ اور رباعی کو چار مصرع کے سوا چارہ نہیں ہے، چونکہ یہ صنف شاعری عروسی ترکیب کے دو سے بہت محدود صورت ہے شاعر کو لازم ہے کہ منفی مسائل کو اس طرح مورد کرے کہ تھوڑی لفظوں سے بہت معنی پیدا ہوں اور چونکہ مصرع بہت پر مضمون اور پُر زور ایسا ہوگا کہ گویا ہر مصرعہ اعمائے سابق کا خلاصہ یا نتیجہ سوال و اقیقت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ صنف شاعری کے لئے زیادہ تر داخلی مضامین کی حاجت ہے۔ مسائل اخلاق و تمدن و معاش و معاد کے علاوہ عشقیہ مضامین بھی اس میں مورد کئے جا سکتے ہیں بشرطیکہ ایسے مضامین لہجہ خیالی کے عیب سے پاک تصنیف ہو۔

فارسی کی رباعی نگاری

فقیر کی دانست میں فارسی کی رباعی نگاری فارسی کی قطعہ نگاری کی طرح ایک اعلیٰ درجہ کی شاعری سے خبر دیتی ہے اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ فارسی میں جو عمدہ رباعی نگار گزرے ہیں وہ عموماً حکمائے وقت سے بھی تھے ذیل میں بعض شعرائے نامی کا ذکر رباعی نگاری کے تعلق کے ساتھ حوالہ قلم کیا جاتا ہے۔

اور ان کے کلام کے نمونے بھی نذر ناظرین ہوتے ہیں۔

فردوسی بہ حقیقت رباعی نگار

فردوسی کی شہرت رباعی کے ذریعہ سے نہیں ہے مگر اس شاعر گرامی کی

رباعی نگاری سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کے عہد میں ہی رباعی نگاری فارسی میں مروج ہو چکی تھی۔ یہ صنف شاعری اہل عرب کا ایجاد ہے جب کہ کتب تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے۔

رباعی فردوسی

تا چند نہی بر دل خود غصہ و درد تا جمع کنی سیم سفید و زرد
ز اس پیش کہ گرد نفس گرم تو سرد باد دست بجد کہ دشمنت خواہد خود
ظاہر ہے کہ رباعی بالا اطلاق و تمدن اور معاشرت کے ایک بڑے شاخہ ہے۔
عبروتی ہے۔ یہ رباعی تمام تر اپنے تقاضوں کے مطابق ہے۔

مولانا جلال الدین رومی بہ حقیقت رباعی نگار

مولانا کے رومی کی شہرت رباعی

نگاری کی وجہ سے نہیں ہے۔ بہر حال دو رباعیاں مولانا کی درج ذیل ہوتی ہیں۔

نمبر ۱۔ رباعی رومی

درد بہر بے عاشقان قرارے دگر بہت دین بادہ ناب را انما سے دگر بہت
بہر علم کہ در مدسہ حاصل کر دیم کارے دگر بہت و عشق کارے دگر بہت

نمبر ۲۔ رباعی رومی

ہر دیدہ کہ در جمال جانان نگر و شک نیست کہ در قدرت یزدان نگر و
 بیزارم ازاں دیدہ کہ در وقت اجل از یار تو رواند در جان نگر و
 واضح ہو کہ رباعیات بالا عشقیہ ہیں مگر لوالموسوں کی عشق بازی کے مضامین
 سے تمام تر بے لگاؤ ہیں یہ وہ عشق ہے جس کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ

تعالیٰ العشق عن نسَم الرجال

خاقانی کی شہرت قصیدہ نگاری
 کی بدولت ہے اس شاعر نامی کی

خاقانی بہ حقیقت رباعی نگار

ایک رباعی ذیل میں عرض کی جاتی ہے۔

رباعی خاقانی

ز ندیق درین طریق صدیق شود
 تقلید کن کن قدر کہ تحقیق شود

توفیق رفیق اہل تصدیق شود
 گر ساز مرادہ دانی انکار کن

انوری قصیدہ گو ہیں مگر کن کی ایک
 رباعی ذیل میں نذر ناظرین ہوتی ہے

انوری بہ حقیقت رباعی نگار

رباعی انوری

اتم زدہ نیست ہر کج بامی گرید

با گل گلتسم ابر چہرامی گرید

گل گفت اگر راست سہمی باید گفت بر عمر من دو عدد شمامی گرید
 پیرا شاعری میں تعلیم کا پہلا اچھا راہ ہے غرض رباعی نگاری ہویدا ہے
 اس شاعر کی شہرت محض درباعی نگاری کی بنیاد پر ہے جس طرح ابن سین
 قطعہ نگاری کی بدولت مشہور دیار و امصار ہوئے ہیں اسی طرح رباعی کی وسیع
 سے عمر خیام کا نام شہرہ آفاق ہو رہا ہے یورپ میں بھی رباعیات عمر خیام کی بڑی قدر
 کی جاتی ہے چنانچہ ملک انگلستان میں ایک کلب (یعنی جلسہ)
 اس شاعر گرامی کے نام سے قائم ہے۔ ذیل میں خیام کے کچھ حالات یہ سبیل تذکرہ عرض
 کئے جاتے ہیں۔

واقع ہو کہ اس مشہور عالم کا نام غیاث الدین ابوالفتح عمر بن ابراہیم النخایم ہے
 اور وطن نیشاپور جو صوبہ خراسان کا ایک شہر ہے۔ عمر خیام سلطان ہختر کے عہد میں تھے
 اور ان کی وفات کا سن ۵۱۷ ہجری صلعم معلوم ہوتا ہے نظام الملک جو الپ سلان
 اور ملک شاہ شامان سلجوقیہ کے زمانوں میں وزیر رہے اپنی کتاب وصایا میں لکھتے
 ہیں کہ ہم اور خیام عہد طالب علمی میں ہم سبق اور ہم استاد تھے ابو اقصا تم تعلیم کے ہم سیر و
 سفر کو چلے گئے اور ابو معاویہ کے وزیر ہوئے، ہماری وزارت یا بی کے بعد خیام
 ہمارے پاس آئے ہم ان کے ساتھ تعلیم و تکریم کے ساتھ پیش آئے اور ان سے
 یہ کہا کہ آپ کی قابلیت کے ادھی کو خدمت سلطان میں درآنا چاہئے خیام نے اس
 کو پسند نہیں کیا اور کہا کہ مجھے علم اندوزی کے لئے چھوڑ دو مجھے گوشہ عافیت درکار
 ہے۔ جب ہم نے خیام کو اس خواہش میں متحکم پایا تو شاہی خزانہ سے بارہ سو
 اختریاں سالانہ کفاف کے طور پر مقرر کر دیں، الپ سلان کے بعد جب ملک شاہ

تخت نشین ہوئے تب خیرام مرو میں آئے۔ اس وقت ان کے علم و فضل کا شہرہ تھا سلطان نے بڑی توقیر کی اور بڑے بڑے عہد سے ان کو بخشے ابو الفدا کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مرو میں تیس عہد سے خیرام کو سلطان نے سرفراز فرمایا تھا وہ علم الافلاک کے شاہی سرشتہ کی افسری تھی۔ اس خدمت کے زمانے میں خیرام نے مرو سے تقویم سال مازی کی اور بہت سے زینج تیار کیئے۔ جو زینج ملک شاہی کے نام سے مشہور ہیں اسی تقویم کو جلالی کہتے ہیں اور جب اس کی تسمیہ کی یہ ہوئی کہ سلطان وقت جلال الدین کا شاہ تھے اور انھیں کی توجیہ فرمائی تھی یہ کار و ستوار انجام کو پہنچا۔ ابن خلدون کی تحریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خیرام کو علم جہر و مقابلہ میں بھی بڑا دخل تھا اور اس علم میں ان کی تفسیفات موجود ہیں ایک کتاب ان کی تفسیفات سے جس کا موضوع اقلیدس کی تعریفیات کی دستاویزیاں ہے لیڈن (LEDEN) کے کتب خانہ میں ابھی تک موجود ہے شہرستانی خیرام کی نسبت لکھتے ہیں کہ اپنے زمانہ کا یہ عالم ترین شخص تھا علم الافلاک اور فلسفہ میں اس کا کوئی نظیر نہ تھا۔ مختصر یہ ہے کہ خیرام ان علماء میں ہے جن کے نام نامی نامور و معروف السنہ خلائق پر جاری رہ جائیں گے خیرام کے عقائد دین کی نسبت طوسی لکھتے ہیں کہ اسے تدریس کی طرف میلان تھا اور یہ میلان اس کو بڑھاک علم کے باعث تھا۔ ابو الفدا کی تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خیرام کو شاعری سے بڑی رغبت تھی مگر راقم کو اس کی کتابت روزگار کی ربا عیات کے علاوہ اس کے اور اصناف کلام منظوم سے خبر نہیں ہے یہ رباعیاں مختلف مضامین پر مشتمل نظر آتی ہیں کچھ تو تشکایتی رنگ کا ہیں ہیں اور کچھ ہجو ہیں۔ پھر کچھ فراقیہ اور دہلیہ ہیں۔ تھوڑی ہمار یہ بھی ہیں، علاوہ ان کے کئی اور مناجاتیہ ہیں۔ لیورپ میں خیرام کی رباعیوں کی بڑی قدر ہے اس کا سبب اور کوئی

نہیں معلوم ہوتا ہے الایہ کہ خیام کے کفر یہ مضامین مذاق یورپ کے قرن میں۔

انتخاب از باعیات عمر خیام

آمد سحر سے نداز مئے خانہ ما نمبر ۱ کا سے نذر اباتی دیوانہ ما
 بر خیز کہ پر کینیم پیمانہ ز سے زان پیش کہ پیکند پیمانہ ما
 بر خیز و سیا بیار سے دل ما نمبر ۲ حل کن بہ حال نحویشتن مشکل ما
 یک کوزہ می بیار تا نوش کینیم زان پیش کہ کوزہ کند از گل ما
 گرسے نخوری طعنه مزین مستان را نمبر ۳ گرد دست و بد تو بہ کینم یزدان را
 تو فخر بدین کنی کہ من سے نخورم صد کار کنی کہ سے غلام است ان را
 با بطمی گفت با ہی در تب و تاب نمبر ۴ باشد کہ بجو سے رفتہ باز آید آب
 بط آغستہ چون و تو بہ گشتیم کباب دنیا پس سرگ من چہ دیدیا چہ سراب
 این کوزہ چون عاشق ترا سے بود است نمبر ۵ دور بند سوز زلف نگاہ سے بود است
 این دستہ کہ در گردن اومی بینی دستت کہ بر گردن یا سے بود است
 پیش از من تو لیل نما سے بود است نمبر ۶ گردنہ فلک زہر کار سے بود است
 ز نثار قدم بہ خاک آہستہ نہی کان مرد مک چشم نگار سے بود است
 پر خون ز فراقت بگریے نیست کہ نیست نمبر ۷ شیر اے تو صاحب نظر سے نیست کہ نیست
 یا آنکہ نداری سر سودا سے کسی سودا سے تو دو بیچ سے نیست کہ نیست
 و فیصل بہار اگر بت سحر شدت نمبر ۸ پر می تھے دید مرا بر لب کشت
 ہر چند یہ نرد و نام بد باشد این از سنگ بترم اگر کینم یاد بہشت
 سے لوش کہ عمر جاودانی این است نمبر ۹ خود حاصلت از نور جوانی این است

ہنگام گل دل است یاران مرمت خوش باش دے کہ زندگانی این اے
 چون جان بلبک مدیچہ نشاپور و چہ بلخ نمبر ۱۱ پیمانہ چو پر شود چپ شیرین
 مے نوش کہ بعد از من تو باہ بیسے از سلخ بہ غرہ آید از غرہ یہ
 این قافلہ عمر عجیب می گذرد نمبر ۱۲ در باب دے کہ از طرب می
 ساقی غم فردا سے حدیفاں چہ خوری پیش آریا کہ شب می
 آن قوم کہ سجادہ پرستند خزند نمبر ۱۳ زیر کہ بہ زیر بار سالوس
 دین از ہمہ طرفہ تر کہ در پرہ زہد اسلام فروستند و ز کافرا
 افسوس کہ سراینہ کف بیرون شد نمبر ۱۴ در دست اجل بیسے جگر با خون
 کس نامدازان جہاں کہ پریم ازوے کا حوال سا فران عالم چون
 از گردش روزگار بہرے برگیر نمبر ۱۵ بر بخت طرب نشین بکف سا
 از طاعت و معصیت خدا متشنفی ست با سے تو مراد خود ز عالم
 عمر تو چہ دو صد و چہ صد چہ ہزار نمبر ۱۵ زیر کہ نہ سرا بردن بر مدت
 کہ باد شتہ و گر گدا سے بازار این ہر دو بہ یک نین بود آہ
 گر گوہر طاعتت نصفتم ہرگز نمبر ۱۶ گر دگنہ از چہرہ نہ رقتہ ہرگز
 نوید بیسم ز بارگاہ کرمت زیر کہ یکے را دو نہ گفتہ ہرگز
 از عادتہ زمان آگندہ پیرس نمبر ۱۷ از ہر چہ رسد چو نیست پانچہ پیرس
 این یک نہ تقدرا غنیمت میدان از رفتہ میں پیش در آئیندہ پیرس
 از آتش آخرت نینداری پاک نمبر ۱۸ در آب ندامت نشد سے ہرگز
 چون باد اجسل چراغ عمرت بہ کشد تر مسم کہ تر از تنگ پنڈیر و نا

سوت کون چهل نقش است و خیال نمبر ۱۹ عارف نزلد و هر که نزارد این حال
 این قدرج یاده بنوش و کوشش باش فانح مشوازیں نقش و خیالات محال
 ش همیشه در بندم چسپ کنم نمبر ۲۰ و ز کرده خوشی تن بدردم چسپ کنم
 آ که زمین در گز رانی به گرم زال شرم که دیدی که چه کردم چسپ کنم
 سعدی علیه الرحمه سه رباعیان بھی ہیں ذیل میں کچھ رباعیان سعدی کی تذناظرین
 ہیں۔

رباعیات سعدی

تا دل همه جایا همه خلق آمیزد نمبر ۱ چون غرقه بهر چه دید دست آویزد
 با مردم ز نشت نام همراه مباش که صحبت دیدگان سیاهی نیزد
 بشوید ارادت سخن پیر کن نمبر ۲ تا فم کنی کار جهان را سردین
 خای که کسے را ز سدر تو سخن بنگد تو و هر چه کن ز نیکو است مکن
 تا که بچال و مال و دنیا نازی نمبر ۳ وقت است که برگ را عقبنی سانی
 لے دیر نشسته وقت است که جائے یک چند نوبت خواستگان پروازی
 زانکه که ترا بر من مسکن نظر است نمبر ۴ آثارم از آفتاب مشهور تر است
 گریه خود همه علیا بدین بنده در است بر عیب که سلطان بپسند و بهتر است
 دانی که چه گفت نزل با رستم گو نمبر ۵ دشمن تو مال حقیر و بیچاره شمر و
 دیدیم پس آب ز چشمه خورد چون بیشتر آمد شتر و بار بد برد
 چیزم چون نماند بیش ازین تدبیرم نمبر ۶ خصم از همه شمشیر زند یا تیرم
 گویست رسد که آستینش گیرم در نه بروم بر آستینش میرم

اردو کی رباعی نگاری

اردو میں جس طرح کوئی مدون نسخہ قطعات ابن سینا کے رنگ کا نہیں۔ اسی طرح رباعیات عمر خیام کے طور کی بھی کوئی کتاب نظر نہیں آتی معلوم ہوتا کہ شاعر نے اردو کے شعرائے فارسی کے برابر رباعی نگاری میں ترقی نہیں کی ہے شعراء میں کوئی شاعر رباعی نگار عمر خیام کے درجہ کا نظر نہیں آتا ہے مگر اسودا اور صاحب نے رباعیاں لکھی ہیں مگر ان کی رباعیاں علیٰ درجہ کی شاعری سے کمتر دیتی ہیں۔ ذوق نے تو جو کچھ رباعیاں لکھی ہیں ان میں بادشاہِ وقت کی خوشامد کے کوئی ایسا مضمون نہیں پایا جاتا ہے کہ جس کو اخلاق تمدن معاشرت معاشرہ معاہدہ وغیرہ سے کسی طرح کا تعلق حاصل ہو۔ قریب قریب یہی کیفیت غالب کی رباعی کی بھی ہے۔ نہایت جاسٹے افسوس ہے کہ ذوق اور غالب سے نامی شاعر اور بھی اس صنف شاعری کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ بلکہ خوشامدانہ اندازِ سخن پر سے ا کو درجہ ابتذال تک پہنچا ڈالا۔ سچ ہے کہ شاعری کو درباری تعلق سے ہمیشہ مرتب ہوا ہے، اگر کاش ذوق اور غالب کو درباری تعلق نہ ہوتا تو ان کے قصائد، قطعات اور رباعیات سے شاعری کو اس قدر ذلت نصیب نہ ہوتی۔ تب یہ ہر دو شاعران نامی آزادی کے ساتھ تصانیف معقول سے شاعری کو زیر دیتے، ذیل میں کچھ رباعیاں خواجہ میر درد صاحب اور موسیٰ خان کی نمد ناظرین جاتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب کو رباعی نگاری کا مذاق حاصل تھا، مگر وہاں اس صنف شاعری سے چندان مناسبت نہیں رکھتے تھے۔ بہر حال ان کی

عیوں سے کچھ رباعیاں چن لی جاتی ہیں آخر میں چند رباعیاں میرا نیس صاحب
 زیاد تیر صاحب کی منسلک ہذا کی جاتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ مہر دو بڑے گووار
 نگاری کے اعتبار سے بھی بہت قابل قدر ہیں بلکہ اردو شعرا میں ہی حضرات
 ہوں نے رباعی نگاری کی شرم رکھ لی ہے :

رباعیات خواجہ میر درد

رے سر چند تقدس بند امبرا مشکل ہے کہ جس سے ہو دل برکتدا
 میں بھی کل فرشتے کب تک نجات دوزخ کا بہشت میں بھی ہو گا دھندا
 یہ کبھی جامِ دسبو دیکھا تھا نمبر ۲ جو کچھ کہ نہیں ہے رو بردیکھا تھا
 دل کو اب غور جو کہیے اے درد کچھ خواب سا تھا وہ کہ کبھو دیکھا تھا
 نہ دن کو بقیقہ ارسی کے سبب نمبر ۳ نے رات کو چین آہ وزاری کے سبب
 نہ تھے ہم ان بلاؤں سے کبھو یہ کچھ دیکھا سو تیری باری کے سبب

رباعیات مومن خاں

نہ ہیاں نہ لائے افسوس نہیں نمبرا مرتے دم بھی نہ آئے افسوس افسوس
 رہ گئی دل کی حسرتیں ہی ہیں افسوس افسوس آئے افسوس افسوس
 نہ شوق گناہ نگاری کب تک نمبر ۲ اے تیرہ دروں سیاہ کاری کب تک
 اپنے خدا کو باز آہر خدا اے شہن دین توں سے یاری کب تک
 جی یہیں مرے تانے کے لئے نمبر ۳ گرمی تھی یہ آگ پر ٹانے کے لئے

دشمن پہ نگاہ سرد مہری کے سبب تم آگ ہوئے مہرے جلائے کے لئے

ریا عیات میر انیس

اب خواب سے چونک وقت بیداری ہے مہرا بے زاد سفر کوچ کی تیاری ہے
 مرد کے پہنچتے ہیں مسافرواں تک یہ قیر کی منزل بھی غضب بھاری ہے
 دہری طرف عالم بالاہوں میں نمبر ۲ دنیا سے عدم کو جانے والاہوں میں
 یارب تبارک و تعالیٰ کے لئے گویا ایک پڑیوں کا مالا ہوں میں
 مرد کے مسافر نے بسایا ہے تجھے نمبر ۳ رخ سے پھر کے منہ دکھایا ہے تجھے
 کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سٹوں لے قیر میں نے بھی تو جان لیکے پایا ہے تجھے
 زیبا ہے وقار بادشاہی کے لئے نمبر ۴ جرات واجب ہے کجگاہی کے لئے
 لازم ہے کہ ہوا اہل سخن تیز زبان تلوار ضرور ہے سپاہی کے لئے
 جو تھے ہے فنا سے بقا سمجھا ہے نمبر ۵ جو چیز ہے کم اسے سوا سمجھا ہے
 ہے بحر جہاں میں عمر مانند حساب غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے
 خاموشی میں یاں نہت گویائی ہے نمبر ۶ آنکھیں جو ہیں بند عین بیانی ہے
 دوست کا جھگڑا ہے نہ دشمن کا نساد مرقد بھی عجب گوشہ نمانائی ہے
 ہر برگ سے قدرت احاطہ پیدا ہے نمبر ۷ ہر پھول سے صنعت صمد پیدا ہے
 سینہ ہے بشر کا وہ محیط زخار ہر ایک نفس سے جزو مد پیدا ہے
 گلشن میں پھول کہ سیر صحرا دیکھوں نمبر ۸ یا معان کوہ و دشت دریا دیکھوں
 ہر جاتری قدرت کے ہیں لاکھوں حلے حیراں ہوں کہ دیکھوں کیا کیا دیکھوں

آغوشِ لحد میں حبیب کہ سونا ہو گا نمبر ۹ ہرز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہو گا
 تمنائی میں آہ کون ہوئے گا ایتیس ہم ہوئیں گے اور قبر کا کونا ہو گا
 کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہے نمبر ۱۰ پیڑی میں بہ شکل نوجواں پھرتا ہے
 عرس ہے جہاں کا اس قدر تنگ و تنگ ختم ہو کے زمین پہ آسمان پھرتا ہے
 یارب کبھی جلد وہ زمانہ ہووے نمبر ۱۱ بندہ سوئے کہ بلا روانہ ہووے
 لیکن یہ دعا ہے مجیب الدعوات جانا ہووے تو پھر نہ آنا ہووے
 بے جاہر کوشش و طلب کو پایا نمبر ۱۲ اپنی اپنی غرض کا سب کو پایا
 مطلوب ملا ابن ابی طالب سے جب شاہ عرب ملے تورب کو پایا
 دم الفت حید کا جو بھرتا ہوں میں نمبر ۱۳ حال آتا ہے ل کو وجد کرتا ہوں میں
 ممکن میں صفات واجب اللہ کیا آگے کہوں خدا سے ڈرتا ہوں میں
 ناکام بھی کامیاب ہو جاتا ہے نمبر ۱۴ بے قدر تک جناب ہو جاتا ہے
 گراک نظر مہر سے دیکھیں حیدر ذرہ ابھی آفتاب ہو جاتا ہے
 گر صورت دریا ہر تہن جوش ہوں میں نمبر ۱۵ لب خشک میں شیم تہ ہے خاموش ہوں میں
 کیا پوچھتے ہو مقام و مسکن میرا مانند حجاب خانہ بردوش ہوں میں
 آئینہ خاطر کی جلا ہے رونا نمبر ۱۶ اور دیدہ مروم کی منیا ہے رونا
 پوچھا جو علاج دل میجانے کہا ہر درد کی دنیا میں دوا ہے رونا
 عزت سے یارو آشنا کے آگے نمبر ۱۷ محبوب نہ ہوں شاہ و گدا کے آگے
 یہ پاؤں چلیں تو راہ مولا میں چلیں یہ ہاتھ جب اٹھیں تو خدا کے آگے
 آنکھ ابو بھاری سے لڑی رہتی ہے نمبر ۱۸ اشکوں کی روا منہ پر پڑی رہتی ہے

دونوں انگلیوں میں میری سلون بھاڑوں
 افسوس جہاں سے دست کیا کیا نہ گئے نمبر ۱۹ اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے
 تنگ کون رانخل جس نے دیکھی نہ خزاں
 وہ کون سے گل کھلے جو مرجھانہ گئے
 دنیا میں نہ پنین ایک ساعت دیکھا نمبر ۲۰ برسوں نہ کبھی روز فراغت دیکھا
 راحت کا مکال من کا گھر خانہ عیش
 جہنم سخن منہ سے کوئی کم نکلے نمبر ۲۱ ہر دم سینے سے آہ پر ہم نکلے
 روحی بغدادک یا حسین ابن علیؑ
 پیری ائی عذار بے نور ہوئے نمبر ۲۲ یاران شباب پاس سے دور ہوئے
 لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت آئیں
 جو مشک سے بال تھنہ کا فور ہوئے
 کس منہ سے کہوں لائق تجھ میں ہوں نمبر ۲۳ کیا لطف جو گل کسے کر گلیں میں ہوں
 ہوتی ہے حلاوت سخن خود ظاہر
 کستی ہے کہیں شکر کر شیریں میں ہوں
 آدم کو عجب خدانے رہنا بخشا نمبر ۲۴ ادنیٰ کے لئے مقام اعلا بخشا
 عقل و ہنر و تمیز و جان و ایمان
 اس ایک کف خاک کو کیا کیا بخشا
 دل کو مے شغل نمکساری کا ہے نمبر ۲۵ غفلت میں بھی طور بہوشیاری کا ہے
 گر دوں کو اگر ہے سرکشی کا مغرہ
 ہم کو بھی غرور خاکساری کا ہے
 جس شخص کو عقی کی طلبگاری ہے نمبر ۲۶ دنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے
 اک چشم میں کس طرح سمائیں دونوں
 غافل یہ خواب بڑے بیداری ہے
 پیری سے بدن زار ہوا زاری کر نمبر ۲۷ دنیا سے آئیں اب تو بیزاری کر
 کتے ہیں زبان حال سے مٹے سپید
 ہے صبح اجل کوچ کی تیاری کر

کیا کیا دنیا سے صاحب مال گئے نمبر ۲۸ دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
 پہنچا کے لحد تک پھر آئے سب گ گئے تو اعمال گئے
 دنیا کو نہ جانو کہ دل آرام ہے یہ نمبر ۲۹ اسے سچتہ مزا جو طبع خام ہے یہ
 ماں سوچ کے پاؤں ہن زمین پر کھو چھٹنا انہیں بھینس کے جس وہ دام ہے یہ
 کیوں زر کی ہوس میں در بدر پھرتا ہے نمبر ۳۰ جانا ہے تجھے کہاں کہ صبر پھرتا ہے
 اللہ سے پیری میں ہوس دنیا کی تھک جاتے ہیں جو ب پاؤں تو سر پھرتا ہے
 راحت کا مزہ عدد سے جانی نکلا نمبر ۳۱ دل سے نہ کبھی غم نہ سانی نکلا
 پیاسے رہے آگے چاہ دنیا پہ انیس نکلا بھی کبھی تو شور پانی نکلا

رباعیات مرزا امیر

میزان سخن سنج میں تلتا ہوں میں میرا فکر گہر نظم میں گھلتا ہوں میں
 دل دہتا ہے بند نقل اجد کی طرح جب حرف تناس ہو تو کھلتا ہوں میں
 جو دغہ میں بار یاب ہو جاتا ہے نمبر ۱ وہ اوج میں لا جواب ہو جاتا ہے
 جلتا ہے جو شب کو قبر حیدر پہ چرخ وہ صبح کو آفتاب ہو جاتا ہے
 حیدر نے دم بذل نہ کیا کیا بخشا نمبر ۲ قطرے کے طلبگار کو دریا بخشا
 قرین مرآت علی وقت اخیر قاتل کو بھی شربت گوارا بخشا
 بن بن کے ہزار بار آئی دنیا نمبر ۳ پیچشم علی میں نہ سمانی دنیا
 جس طرح گویا تھا درخبر کو نظروں سے اسی طرح گویا دنیا
 جو مجلس ماتم میں یہاں رہتا ہے نمبر ۴ ہر فرد گنہ اس کے خدا ہوتا ہے

ثابت ہے، حدیثوں سے کہ قیصرہ اشک
 ہر چند ہزار سال آدم لڑے نمبر ۶ یعقوبؑ بھی فرزند کوہیم لڑے
 جس دم کیا ماسمان قدر کے حساب اس بزم کو دعویٰ ہے کہ جنت میں ہوں نمبر ۷ آلسویہیں رواں کہ بجر رحمت میں ہوں
 کتاب ہے یہ دل سے درم داغ حسینؑ گنجینہ مغفرت کی قیمت میں ہوں
 یارب خلاق ماہ و ماہی تو ہے نمبر ۸ بخشنده تاج و تخت شاہی تو ہے
 بے منت بے سوال و بے ستحقا دیتا ہے جو سب کو یا الہی تو ہے
 زہراؑ کی ولایت میں صد صادق نکلی نمبر ۹ کیا معتقد مخلص صادق نکلی
 زندان میں ہونے کے آئی تھا شام میں غل کاذب کے محل سے صبح صادق نکلی
 میدان میں جب آئے تھے عرش پناہ نمبر ۱۰ بولابن سعد کیجئے بیعت یا شاہ
 منہ پھیر کے حضرت نے یہ نصیحت کما لا حول ولا قوۃ الا باللہ
 تکلیف دکھاتا ہے زمانہ ہم کو نمبر ۱۱ دیتا ہے نہ دولت نہ خزانہ ہم کو
 اوگروش چرخ ہم سمجھتے ہیں سمجھے تو پیتا ہے جان کے دانہ ہم کو
 ہے کشور و دل کو فوج غم نے لٹا نمبر ۱۲ اور شیشہ صبر رنگ غم سے لٹا
 یہ پناہ رحیم وہ ہے کہ اس میں نہ نانا لی محمدؐ مدینہ چھوٹا
 یہ وہ صفت شاعر ہے کہ مفا اشعار پر تنہا ہوتی ہے۔ اس کے
 واسطے اشعار کی تعداد میں نہیں ہے مکمل ہے کہ چار شعر کی شہنوی

شہنوی

ہو یا چار لاکھ کی مضامین کے اعتبار سے جو وسعت اس صنف شاعری کو حاصل
 ہے کسی اور صنف کو نہیں ہے۔ ہر طرح کے داخلی اور خارجی مضامین اس میں
 گنجائش پاتے ہیں۔ تب ہی تو جیم اور ضخیم کتابیں شامنامہ - سکندر نامہ

یوسف زینما وغیرہ کی سی اس میں لکھی جاسکتی ہیں لاریب یہ وہ صنف شاعری ہے جس میں شاعر شاعری کا کمال حسب مراد دکھلا سکتا ہے، چنانچہ اس صنف شاعری میں دنیا کی بڑی بڑی منظوم تصنیفیں انجام کو پہنچی گئی ہیں عروصتی ترکیبوں کو نظر انداز کر کے دیکھئے تو سر زبان میں شاعری کا کمال اسی صنف میں اظہار کیا ہے، ہومرز، ورجیل ملٹن، فردوسی، بالملکی اور بیاس نے اسی صنف میں اظہار کمال کیا ہے، ہاں میر تقی صاحب اس صنف کے پابند نہیں رہے ہیں، اگر نثر نگاری کے لئے یہ صنف مروج شعراء ہوتی تو حضرت بھی کوئی نہ کوئی تصنیف ایڈیٹڈ اینڈ پریڈ ایڈ لاسٹ شاعرانہ راہن اور ہما بھارت کے رنگ کی چھوڑ جاتے، حقیقت یہ ہے کہ میر صاحب کے کمال نے صدر نگاری کو اس درجہ تک پہنچا دیا ہے جس تک شعر بالابکی بدلت مثنوی نگاری پہنچ گئی ہے اس پر بھی نہایت قرین خوش مذاقی ہوتا اگر کوئی تصنیف منظوم بہ شکل مثنوی کتب بالا کے رنگ کی یادگار حضرت بہتی، ایسی تصنیف میر صاحب کے لئے کچھ مشکل نہ تھی مگر اس جانب تعاضاتے ملکی سے لگن کو توجہ فرمائی کا موقع نہ ملا۔

جاننا چاہیے کہ مثنوی نگاری صرف اس شاعر سے حسب مراد انجام پا سکتی ہے جس کو امور ذہنی اور معاملات خارجی کو بھی موزوں کرنے کی صلاحیت محقول حاصل ہوتی ہے وہ شاعر جو صرف امور ذہنی کو یا صرف معاملات خارجی کو کو الہ قلم کر سکتا ہے مثنوی نگاری کی داغ نہیں ڈے سکتا، آئندہ معلوم ہو گا کہ بہت سے ایسے شعراء گزے ہیں کہ انھوں نے مثنوی نگاری کی ہے مگر ان سے یہ کام پورے طور پر انجام نہیں ہو سکا ہے، ہر زبان میں انھیں شعراء نے حسب مراد مثنویاں

لکھی ہیں۔ جو داخلی اور خارجی دونوں طرح کے مضامین کی بندش پر پوری قدرت رکھتے تھے، مثنوی نگاری کے لئے شاعر کو بڑی اطلاع عام کی حاجت ہے ایسے معاملات عالم سے بہ توجہ وقت بشعر یہ پورے طور پر باخبر ہونا چاہئے اس کے ساتھ اسے مصور عالم بھی ہونا درکار ہے، اگر بندش مضامین میں اسے مصوری کی قدرت نہیں ہے، تو اس کی مثنوی نگاری لطف کمال نہیں دکھلا سکے گی؛ مثنوی میں کیسے کیسے مضامین کی گنجائش ہے، حیات ذیل سے اس کی حقیقت ظاہر ہوگی؛

مخبراً۔ رزمی مضامین :-

اس کی مثال فارسی میں شاہنامہ، انگریزی میں سپر ہیرا لاسٹ، یونانی میں ایلیڈ اور اولیسی لاطینی میں ایڈیڈ اور سنسکرت میں رامائن اور مہابھارت ہیں، اردو میں کوئی مثنوی ان کتابوں کے رنگ کی نہیں ہے، واضح ہو کہ رزمی مثنوی کے لئے ضرور ہے کہ جو فقہ منظم کیا جائے وہ ایسا ہو کہ اخلاقی، تمدنی اور مذہبی اعتبارات سے کسی خاص قوم یا اقوام دنیا کے عام اغراض سے متعلق ہو، یہ سب کتابیں اسی اہم شکل کی ہیں، اب کوئی واقعہ بزرگ جو جو وضع کتب بالا رزمی شاعری کے برتنے کے قابل نظر آتا ہے، واقعہ کر بلا ہے، اگر فارسی یا اردو کا کوئی شاعر گرامی اس واقعہ کے متعلق کوئی رزمی مثنوی لکھے تو اس کی تصنیف "شاہنامہ" "ایلیڈ" "ایڈیڈ" "سپر ہیرا لاسٹ" "مہابھارت" اور "رامائن" کا جواب نہ سکے گی، اگر وہ حضرات جو مرتبہ نگاری کا مشغل رکھتے

ہیں اس کی طرف اپنی توجہ بذول فرمائیں تو کامیابی کی حالت
 میں ان کی تصنیف خالی مدت سے نہ ہوگی۔ فقیر کی دانست میں
 اس وقت وہ حضرات جو شہرت شاعری کی غرض سے مرثیہ نگاری
 میں اتنا محنت رکھتے ہیں کسی طرح کا نفع شاعری کو نہیں پہنچاتے
 ہیں مابتک اس عاجز کی نظر سے کسی منتوج میر انیس کا ایسا اثر نہیں مگر راجو
 میر صاحب کے ہاتھ سے ہوئے مضامین سے علیحدہ ہو کر کسی قسم کا
 لطف خاص نہ لکھا ہو۔ اکثر تو یہ دیکھا کہ جن صاحب نے کچھ ایچ کی لی
 لے تالے بلے سر سے ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ میر صاحب نے
 مسدس نگاری کی شکل میں آئندہ کے شعر کے واسطے کچھ نہیں چھوڑ رکھا
 ہے اب جو کسی کا مرثیہ چلیا نظر آئے تو سمجھنا چاہیے کہ اس کے لکھنے
 والے نے میر صاحب کے مرثیوں سے ضرور اقتباس کر لیا ہے اور
 اگر اس کی تحقیق کی جائے گی تو یہ بات روشن ہو جائے گی کہ حضرت ہی
 کے کلاموں کی شعلہ اس میں ہر طرف جلوہ گر ہے ظاہر ہے کہ ایسی
 مرثیہ نگاری شاعری نہیں ہے نقالی ہے پس ایسی نقالی سے کوئی
 نقال میر صاحب کا ہمسر نہیں ہو جائے گا۔ حضرت پر فوق سے جانا
 تو محالات سے ہے المختصر جب مسدس نگاری کی شکل میں میر صاحب
 نے رزمی شاعری کا فائدہ کر دیا تو اب ضرور ہے کہ جو حضرت رزمی شاعری
 کی طرف توجہ فرمائیں اس عروضی صنف کو چھوڑ کر اور کسی عروضی صنف
 کو رزمی شاعری کے برتنے کے واسطے اختیار فرمائیں ظاہر ہے

کہ مثنوی کے سوا کوئی اور عرصی صنف نہیں ہے جس میں رزمی شاعری
برتی جاسکتی ہے اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ اس صنف میں دنیا
کے تمام بڑے بڑے رزمی معاصرے حوالہ قلم ہوتے گئے ہیں :

نمبر ۲۔ بہرہی مضامین :-

اس کی مثال فارسی میں یوسف زلیخا و لیلیٰ مجنوں و دیگر عشقیہ مثنویاں
ہیں ساتی نامے اور شکار نامے بھی اسی مد میں داخل ہیں کوئی شک
نہیں کہ ہر مثنویاں شعرائے فارس سے خوب لکھی ہیں جیسا کہ آئندہ
ظاہر ہوگا۔ ان کی شاعری کے نقصانات بھی حوالہ قلم کئے جائیں
گے اس مد کی مثنویاں ہر زبان میں موجود ہیں انگریزی میں لارڈ بائرن
سر و الٹر اسکاٹ۔ الگزینڈر پوپ۔ موراؤ اوجھی دیگر شعراء نے
خوب خوب مثنویاں لکھی ہیں ان شعرائے فرنگ کا کمال یہی ہے کہ
بندش مضامین تبعیتِ فطرت کے ساتھ کرتے ہیں۔ یہ خوبی فارسی اور
اردو کے مثنوی نگاروں میں کمتر پائی جاتی ہے :

نمبر ۳۔ حکمت آموز مضامین :-

اس کی مثال بوستان ہے اس مد کی مثنویاں اور زبانوں میں بھی ہیں
جیسا کہ آئندہ ظاہر ہوگا :

نمبر ۴۔ تصوف آموز مضامین :-

اس کی مثال مثنوی طائے روم ہے اس مد کی مثنویاں یورپین زبانوں
میں کم ہیں لیکن اگر تصوف علم اخلاق کا مترادف سمجھا جائے اور

جیسا کہ اس کو مترادف سمجھنا چاہیے تو ایسی حالت میں ایسی مثنویوں کی

قلت یورپین زبانوں میں نہیں پائی جاتی ہے۔

نمبر ۵۔ متفرق مضامین :- اس کی مثالیں آئندہ حوالہ قلم ہوں گی؛

واضح ہو کہ رندمی اور بزمی مثنویوں کا کمال یہ ہے کہ ان کی بندش مضامین
ہیں درجہ کی سلجھی ہو کہ قریب قریب ڈراما کا لطف پیدا کر سکے لاریب و رہمی
مثنوی ڈراما کا رنگ پیدا کر سکتی ہے جو فطری مضامین اور فطری ترکیبوں پر مشتمل ہوگی ہرگز
کی ایک ذرا کا یہی طور ہے کہ قریب قریب ڈراما کی خبریوں کو پہنچ گئی ہے اور حقیقت
حال بھی یہی ہے کہ یونان میں ڈراما کا ایجاد اسی کتاب کی بنیاد پر ظہور میں آیا، راقم
قبل میں ایجاد ڈراما کے اسباب حوالہ قلم کر چکا ہے۔ مختصر رندمی اور بزمی مثنویوں
کو اس قدر نیچرل ہونا چاہیے کہ اگر ان کے مضامین ڈراما کی شکل میں بندش پائیں تو
صنف شاعری میں آسانی اور لطافت کے ساتھ درآسکیں، حکمت آموز اور تصوف
آموز مثنویوں کے لئے یہ امر درکار ہے کہ مسلم اور متفرق مسائل حکمت و تصوف سے
ان کا کوئی مضمون خلاف نہ ہو اور دلیل و استدلال میں جھول واقع نہ ہو، ان قسموں
کی مثنویوں میں بجز امکان شاعر کو مبالغہ پر دازی سے نمازنا احتیاط لازم ہے علاوہ
اس کے طرز لفظی بیان ایسا ہو کہ سامع کے دل پر حسب مراد اثر پیدا کر سکے متفرق
مضامین کی مثنویوں کو بھی فطرتی بیانات سے عالی ہونا نہیں چاہیے، علاوہ اس کے
ان کے مضامین کو مفید عام ہونا ضروری ہے، خوش گوئی اور بزمیان سرابی کو شہومی نگاری
سے کوئی تعلق نہیں ہے؛

فارسی کی شتویاں

زندہ شتویاں - فارسی میں زدی شتویاں بکثرت موجود ہیں۔ جیسا کہ قبل میں
 بہت سی ایسی شتویاں نام بنام مذکور ہو چکی ہیں لیکن ان سبوں میں ممتاز ترین شتویاں شتویاں
 ہے جس پر اغراض کتاب ہذا کے لئے راقم نے کتاب مبسوط کی نسبت اپنے خیالات
 ذیل میں گزارش کرتا ہے۔

شاپنامہ فردوسی

حکیم ابوالقاسم فردوسی بحیثیت شتوی نگار - فردوسی کی شہرت اس کے
 شاپنامہ کی بدولت ہے جس کا مذکور سوہر کی ایلیڈ ورجل کی اینٹیڈ ملٹن کی پیریڈ ایزلا
 والکی کی رامائن بیاس کی مہابھارت اور سرائیس کے سرائی کے ساتھ زبان ہل اطار
 پر آتا ہے شاپنامہ اہل عجم کی ایک قومی زدی کتاب ہے شاپنامہ کی ساخت ایلیڈ
 اینٹیڈ پیریڈ ایزلا سوت مہابھارت اور سرائیس سے اس طود پر علمدہ ہے کہ یہ
 سرتومی تصنیفات علمدہ علمدہ خاص خاص افعات سے تعلق رکھتی ہیں اور شاپنامہ
 ایک منظوم تاریخ کا نام کھتا ہے یعنی اس میں کسی واقعہ خاص کا ذکر نہیں ہے۔ یہ
 کتاب ملک ایران کی ایک فسانہ نما تاریخ ہے اس کتاب میں کیومرث کے کعبہ
 کے ایران کو فتح کرنے تک کے حالات درج ہیں لاریب پوری تاریخ بحیثیت اس
 کتاب حال نہیں ہے اس لئے کہ اس میں غیر فطری امور بے حد داخل ہیں۔ مثلاً چند
 بادشاہوں اور پہلوؤں کی عمریں عمرینی آدم سے وہ چند زیادہ درج پائی جاتی ہیں۔

ی طرح دیو وغیرہ کے افسانے سوائے قلم دیکھے جاتے ہیں کوئی شک نہیں ستم ایک
 بلوان تھا مگر تاہنا مہر کا ستم جو ہے بقول فردوسی وہ فردوسی کا ستم ہے

نش کمروہ ام ستم داستان دگر نہ یلے بود در سیستان

تخصیریہ ہے کہ یہ کتاب سیم زہ اس کو تاریخی پایہ حاصل ہے اور نہ اس کا اندازہ زمی
 تصنیفات بالا کا ہے۔ اس کتاب میں بہت سے زمی معاملات اس طور پر لکھے جاتے
 ہیں کہ خاص خاص واقعات سے تعلق رکھتے ہیں اور علیحدہ علیحدہ رزمی شاعری
 لے کر لے کر خود نمونے میں مثلاً ستمین جنگ ستم با فراسیاب جنگ ستم با سراپ جنگ
 ستم با زو جنگ ستم با اسفندیار وغیرہ وغیرہ مگر خود معاملات فردا فردا ایسے واقعات
 رنگ نہیں ہیں کہ جو ایلید ایلید پیر پیر لاسٹ لاسٹ اما سن ہما پچارت اور مرا آہ انیس
 سے معاملات سے ہم سہوں یہ اقتاد خود ایک ایسی ہے کہ جو فردوسی کی لہجہ نگاری
 و بلند پایگی کا سراپہ پور سے طور پر نہیں بخش سکتی ہے ایسی حالت میں بقابلہ ہومر
 در حل ملٹن و الملکی بیاس اور میر انیس کے ان شعر لے کر فردوسی کا سبب تکالیف جانا
 ان کا مقابل ہونا دشوار نظر آتا ہے ظاہر ہے کہ جس قدر کسی زمی تصنیف کا
 سراپہ عمدہ ہوگا وہ تصنیف بھی اسی قدر عمدہ ہوگی بشرطیکہ شاعر ہی عدلی سراپہ سے
 کام لینے کی عمدہ صلاحیت رکھتا ہو۔ واقعہ کہ بلا کا معاملہ ایک عمدہ سراپہ سے
 لاریب زمی تصنیف کے لئے اس سراپہ سے بہتر دوسرا سراپہ نصیب نہیں ہو سکتا
 لہذا اس سراپہ سے کام لینے کے لئے میر انیس ہی شاعر ہی درکار ہے بالتحقیق فردوسی
 و سراپہ حسب مراد کے نہیں حاصل رہنے سے شعر لے کر بالا سے مقابلہ کا اچھا
 طرح نظر نہیں آتا ہے یہ تو حالت موجودگی سراپہ کی ہے لیکن اگر تصدیق دیر کے

لئے یہ ان بھی لیا جائے کہ سرمایہ کلام فردوسی کا شعر لائے بالا کے سرمایہ کلام کے برابر
 ہے تو کبھی فردوسی کو شاعری کی حیثیت سے شعر لائے بالا کے ساتھ ہمایاگی نہیں
 حاصل ہے اور شعر لائے بالا سے ہومر کو انتخاب کر کے اگر ہومر کے ساتھ فردوسی
 کا موازنہ اختیار کیا جائے تو ہومر کا پلہ گراں ثابت ہوگا۔ یہ صرف اس بنیاد پر کہ ہومر میں کیرکٹ
 انگلی کی طاقت فردوسی سے بہت زیادہ دکھی جاتی ہے شاعر کیرکٹ نگار نہیں ہو سکتا۔
 جب تک کہ جرنیٹ کے بیانات پر اس کو پوری قدرت نہ ہو ہومر کو یہی قدرت فردوسی
 کے مقابل میں زیادہ بھتی، میں اپنے بیان کی توضیح تحریر ذیل سے کرتا ہوں۔

ہومر کی شاعری کی بحث جلد اول میں آچکی ہے اور اس جلد میں اس کی تصنیف
 جس کا نام ایلیڈ ہے، ذکر پاچکی ہے اس ایلیڈ میں بہت سے مرد و زن کے بیانات
 داخل ہوئے گئے ہیں اسی طرح پرٹامنا نامہ میں بھی بہت سے مرد و زن کے مذکور
 آئے گئے مثلاً ایلیڈ میں ذکور طبقہ میں پیر ایم پیرس کیرکٹ اکیسز وغیرہ وغیرہ اور انات
 میں ہیکو ابیلن انڈر ویکی وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح پرٹامنا نامہ میں سام ٹر نما زال رتوم گورز
 گیورن طوس گسٹم وغیرہ وغیرہ طبقہ ذکور میں اور رودانہ سوڈابہ تھینہ فرگیش وغیرہ
 وغیرہ وغیرہ طبقہ انات میں۔ ہومر نے اپنے بیانات مرد و زن میں ہر فرد کے کیرکٹ
 یعنی امور نامہ کو اس خوبصورتی سے حوالہ قلم کیا ہے کہ ہر فرد ایک دوسرے سے اس
 کے خصوصیات کی وجہ سے صاف صاف علیحدہ معلوم ہوتا ہے یعنی خوبی بیان یہ ہے
 کہ ذکور طبقہ کا ہر شخص مثلاً پیر ایم پیرس کیرکٹ اکیسز وغیرہ وغیرہ اپنے امور خاصہ کے
 باعث ایک دوسرے سے ممتاز طور پر نمیز ہوتا ہے اور اسی طرح انات میں سے ہر
 عورت مثلاً ہیکو ابیلن انڈر ویکی وغیرہ وغیرہ اپنے کیرکٹوں کی بدولت ایک دوسرے

سے علیحدہ نظر آتی ہے یہی چیز ہے جس کی کمی فردوسی کو ہومر کے برابر ہونے نہیں دیتی ہے اور یہی چیز ہے کہ جو میر انیس کو ہومر سے مزج کیے دیتی ہے۔ میر انیس کی کیر کٹر نگاری اس مرحوم کی ذمہ شاعری کے بیان میں ذکر ہائے گی۔ بالخصوص جس وضاحت امتیازی کے ساتھ ہومر نے اپنے فسانہ کے افراد کا بیان حوالہ قلم کیا ہے فردوسی اپنی تصنیف کے افراد کو اس قدرت کے ساتھ احاطہ تحریر میں نہیں لاسکتے ہیں۔ شاہنامہ کے پڑھنے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ سام کی شجاعت سے زریان کی شجاعت کس طور پر علیحدہ رنگ رکھتی ہے امور خاصہ طوس اور گسٹم کے کیا تھے، گودرز اور سام میں کیا فرق تھا، پیل ستم اور کیو کس کس رنگ کے شجاع تھے، بہمن اور شو قن میں کیا امتیازی بات تھی۔ فرامرز اور گیو کے امتیازی کیر کٹر کیا تھے خود ستم کے امور خاصہ بہت وضاحت کے ساتھ نہیں بیان ہو سکے ہیں روہن تہنی کے مضمون سے علیحدہ ہو کر ستم اسفندیار سے کیونکر ممیز ہوتا ہے۔ سہراب اور یزد کے کیر کٹر کا فرق مطلق نہیں دکھلایا گیا ہے اسی طرح عورتوں کے امور خاصہ ممتاز طور پر جو آقلم نہیں کئے گئے ہیں سو داہ اور تھیلنہ یا منیرہ اور فرنگیش کیونکر ایک دوسری سے کیر کٹر کے اعتبار سے پورے طور پر ممیز کی جاسکتی ہیں شاہنامہ سے کچھ پتا نہیں لگتا معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی کو امور عامہ کے بیان کی بڑی قدرت تھی مگر امور خاصہ کے بیان میں اسے حسب مراد دستگاہ نہ تھی جو شاعر اور مفاد خاصہ کے بیان پر قدرت رکھتا ہے دوسری کیر کٹر نگار ہونا ہے کیر کٹر نگاری ذمہ شاعری کی جان ہوتی ہے اس قدرت کی بدولت شاعر کی ذمہ تصنیف خدا کا عالم پیدا کرتی ہے چنانچہ ہومر کی تصنیف ڈرا کے ایجاد کا وسیلہ ہوئی، جو شاعر کیر کٹر نگار نہیں ہے

ڈراما نگار نہیں ہو سکتا۔ فردوسی کو اور عامہ کے بیان میں پوری صلاحیت دیکھی جاتی ہے
 مثلاً جب یہ شاعر گرامی مضمون شجاعت کو جو اُلکے قلم کرتا ہے تو شجاعت کو پوری
 قابلیت کے ساتھ احاطہ تحریر میں در لاتا ہے۔ مگر مرثیہ شجاع کے انداز شجاعت کو
 علیحدہ علیحدہ نہیں دکھلا سکتا ہے یہی حال اور مضامین کا بھی ہے مثلاً اس شاعر کے
 حسن کا بیان بھی امر عام کی حیثیت سے لاجواب ہوتا ہے مگر افراد کے حسن کے حقائق
 کی تحریر کا انجام اس سے حسب مراد رنگ پر عمل میں نہیں آتا ہے۔ صاحب
 شاہنامہ تمینہ کے حسن بیان میں یوں فرماتے ہیں :

دو اور دو گیسو گنت بقامت بگردار سرو بلند

یہ ایسی عام تعریفیں حسن کی ہیں کہ ہر خوب لکش کی شان میں کہی جا سکتی ہیں یہ تعریف
 تھینے کو فرگیش یا مینزہ سے مینز نہیں کر سکتی ہے، اللہیب فردوسی کو کر کٹر نگاری
 کی بہت صلاحیت حاصل رہتی تھی اسی لئے اس کے ذمی معاملات سب

کے سب لیک ہی انداز کے نظر آتے ہیں اور اس عدم جدت کے باعث ہومر
 کے ذمی معاملات کے اعتبار سے کمزور اور بڑی سکتے ہیں فردوسی

کا ایک بیان جنگ پڑھ کر طبیعت میں ہو جاتی ہے۔ دوسرا بیان جنگ چونکہ اول
 بیان جنگ کے طور کا ہوتا ہے۔ دوسرے کے پڑھنے سے کوئی لطف تازہ

نہیں اُٹھتا ہے اگر فردوسی کا شاہنامہ کیر کٹر نگاری کی خوبیاں رکھتا تو ایران میں
 ڈراما نگاری رواج پا جاتی۔ جاننا چاہیے کہ فردوسی کا شاہنامہ وہ کتاب ہے

جو فارسی کے اصناف شاعری کی جز ہے۔ جبکہ راقم الحروف سابق
 میں عرض کر چکا ہے لیکن ڈراما نگار نے جو اس کتاب کے ذریعہ سے رواج نہیں پایا

اس کا سبب یہی ہے کہ یہ کتاب کیر کھڑنگاری کی خوبیوں سے بہت کچھ محروم ہے
 برضاعت اس کے ایڈیٹر کا معاملہ ہے کہ اس کیر کھڑنگاری کی بدولت ڈالمانگاری بھی
 دیگر اصناف شاعری کی طرح یونان میں وجود میں آئی ۔

تختین جنگ رستم بافراسیاب

انتخاب از شاہنامہ فردوسی

چہ گو نہ بود ساز جنگ و بنرد	چو رستم بدید آنکہ قارن چہ کرد
کہ پیدا است تا بان فوش بنفش	چہ پوشند کجا بر فراز درفش
میان یلان فرارم بدو	نشان دہ کہ بپیکار سازم بدو
کہ با من جہاں پہلوانا بگو سے	بیش پذیر شد پیر سید از و سے
کجا جائے گیر و بدنتت بنرد	کہ افراسیاب ال بدانیش مرو
کشانش بیارم بہ نزدیک شاہ	اگر یار باشد مرا بہور و ماہ
من دگر زو میدان و پور پشنگ	مراجز بدو نیست امرو ز جنگ
بگیرم کشانش بیارم برو	من امرو زمیند کمر گاہ او
اگر کوہ باشد برارم ز جاے	بفرمان جال آفرین بک خداے
مراں بدکنش مرو بہراہ و داد	یہ بندم بیارم بر کیتقاد
یک مرو ز باغوشستن موش دار	بدو گفت زال سے پسر گوش دار
دم آہنج و در کینہ ابر بلاست	کہ ان ترک ز جنگ اتزد ہاست

درفش میاه است مختلف سیاه
 همه دوشه آهن گرفت بر نر
 بهیجا که گرد و دلاور بود
 به کیجایه ساکن نباشد جنگ
 نونیک ساو ز دریا بر آرد بدم
 از دوشه شتر را انگه دار سخت
 شود که آهن چو دیایه آب
 بدو گفت رسم که ای سپه روان
 جهاں آفرینده یار من است
 اگر از دبا باشد و دیو نر
 به پنی کنول و صفت کار زار
 بدو نگو نه باد سے بر آیم جنگ
 بر ایگخت ال خورش زویننه ستم
 دماں رفت تا سوسه تو را سیاه
 چو افراسیابش به ما مول بدید
 زگردان به پرسید کیں از دبا
 کدام است کیں رانده ام بنام
 بود ترش نام و بس رکش است
 نه پنی سکه باگز ز سام آمد است
 به پیش سید آمد افراسیاب

ترا منش ساعد ز آهن کلاه
 درفش سیه بسته بر خود سر
 به رزم اندیش ده برابر بود
 چنین است آیین پوریشنگ
 نه پیشادش نیست بالاش کم
 که مرد لیر است پیروز سخت
 اگر لبش نو نام افراسیاب
 تو از من مدارا تیج ر سجد الوال
 دل و تیغ و بانو حصار من است
 بیادش بگر فترت بند مکر
 کز آن شاه جنگی بر آرام مار
 که بر دے بگرد سیاه پیشنگ
 بر آمد خمر شیدن گاو دم
 یکے نعره زد شیر لشکر پناه
 شگفتند زال کودک تا رسید
 بدین گونه از بند گشته دما
 یکے گفت این پور دستاں سام
 که جنگ چو آن بی چو آن ترش است
 جوان است و چو پناه نام است
 چو کشی که موجب بر آرد در آب

بگردن بر آورد گرز گران
 فروگرد گرز گران را به زمین
 بنزد چنگ و تیغ از میان برکشید
 تهنن برافراخته چنگ و بال
 جدا کردش از پشت زمین پینگ
 دید جنگ روز نخستینش یاد
 نسیم دودال کمر پاندار
 سواران گرفتند گرز اندرش
 بلود از سرش تاج آل مسرفراز
 بدست دگر با جوش از سر بلود
 بنمایند ستم بهمی پشت دست
 بهمی بر کمر ساختیم پنج پیش
 برقتند نزد یک آل سلطن
 بدست شدند آفرین نوال بهمی
 بهمی کار رفتند بدو باز راند
 بدال تا بسیار م به ایران سپاه
 بنیاد از دست پیوند دسه
 چونور شیده خشنده تاج سرش
 بنودی برش نزد شاه گزین

چو ستم و را دید بگشود روان
 چو تنگ اندر آورد با او زمین
 چو افراسیابش بدانگونه دید
 زمانه بکوشید با پوزال
 به بند کمرش اندر او نجات چنگ
 بهمی نخواست بردن بدیش قباد
 زینک سپه دار چنگ سواد
 گشت و خاک اندر آمد سرش
 تهنن فرو برد چنگ دراز
 بیک دست ستم کمر مانده بود
 به بند چو از چنگ ستم به جست
 چو رفتند گرفتیش بر کوش
 چو گردان ایران ستم تن بدتن
 چو تاران چو گشود او گردان بهمی
 تهنن یکس را بر خویش خواند
 بگفت اگر ستم کمر بند شاه
 گشته شد از بهم کمر بند دسه
 چو بدست از خاک آل بیکه ش
 بودم به توفیق جان آفرین

که تا بر کسشم تیغ تیز از میان
 چو آواز زنگ آمد از پشت پیل
 یکے مشروده برود نزدیک شاه
 بنمزد سپه دار ترکان رسید
 گرفتش کمر بند و افکند خوار
 گرفتند گدشش دلاور سران
 سپه دار ترکان چو شد زیر دست
 پس انگاه راه بیابان گرفت
 چو ایس مشروده بشیبتند از و کیتباد
 یک باره بر شیل توران زنند
 ز جاسه اندر آمد چو آتش قباد
 ز دست و گرد زال و هراب شیر
 بر آمد غم و شیدن دار و گیر
 بر آبل ترک زدی و ندیس سپر
 تو گفستی که ابر سے بر آمد ز گنج
 دو لشکر یک گره او میخستند
 غریب دین مرد و غرندہ کوس
 تا سیدب شیران پولاد چو جنگ
 زمین کرده بد سرخ رستم جنگ

کتم رتیختر سے بہ تور نیان
 خرموشیدن کوس از چند میل
 کہ رستم بدید قلب سپاہ
 و دوش سپہدار شد تا پدید
 خرو سغے بر آمد ز ترکان نزار
 سپاہ بہ بردنش آبل سرال
 یکے بارہ تیز تک او شست
 سپہ رار ما کرد و نمود جان گرفت
 بفرمود تا لشکرش ہمچو باد
 برو سنج ایشان زین بر کنند
 بہ جنید لشکر سو دریا ز باد
 بدستند بر عاش جو و دلیر
 در شیدن خنجر و زخم تیر
 غمین شد سراز چاک چاک تبر
 ز شخرف نیزنگ زد بر ترنج
 تو گفستی ہم اندر او میخستند
 ہمی کرد بر رعد غمراں فسوس
 دیدہ دل شیر و چرم پلنگ
 یکے گزہ گاد پیکرہ پنجنگ

چو بر گ خزاں سرفرو سنجته	بهر سو که مرکب بر آسینجته
سر سرفرازاں بهمیکرد پست	بیشتر بر آن چو بگذاشت دست
بدونیه کردیش با اسب ساز	اگر بر دوسه بر سر آں سرفراز
چو گواز سواران سر انداخته	چو شمشیر بر گردن افراخته
چو دریا زمین موج زن شد خون	ز خون و لیلای بخت اندرون
بزرگ اسب جنگ کز ما	همه دوسه صحرای دوست و پا
زمین بکشش و آسمان گشت مشت	ز سم ستورال درال بین مشت
بماهی نم خون و بر ماه گرد	فرو رفت بر رفت روز نبرد
بیشتر و خنجر به گزرو کند	بزرگ تیر و آں یل از چمنند
بلان را سرو سینند و پا دست	برید و ورید و شکست و به بست

بزرگی تنوایان : اس قسم کی تنوایان فارسی میں بہت ہیں۔ نظامی، امیر خسرو، خواجہ کرمانی، جامی، ناتقی، بکیتی، بلالی، عربی، فیضی وغیرہ وغیرہ نے بہت سی بزرگی تنوایان لکھی ہیں ان سب شعرا کی تنوایاں بریلو کی گنجائش میں کتاب میں نہیں ہے راقم الحروف مولانا نظامی کی اس تنوی سے جس کا نام خسرو شیرین ہے اور بھی جامی کی زینجا سے کچھ ذیل میں درج کرتا ہے :

دی بزم خسرو پر وزیر یا شیرین وصف بہاری فرماید

ز سہزہ بر کشد صبح جوانی	چو میر سبز پوش آسانی
بسر سبزی در آمد سرخ گلنار	جوانان را دگر پیران را دگر بار

بنفشه پرط اوسمی بر آرد
 بسا عشق کمن کان تازه گردد
 جمال می کرد عهد خرمی نو
 ز گلها بر درید از خرمی پوست
 سپاه فاخته بر داغ میزد
 بنفشه در چهار و سرخ گل مست
 صلا در داده کار افتادگان را
 زده بر گاو چشمه پیل گوشه
 شقائق مهاد مرزن گوش گشته
 ز عشقش لاله پیرامن در دیده
 کشاده یاد نسری را بنا گوش
 شکر نان شکوفه نشانه در دوسه
 ز نافت آورده بیرون رستنیها
 زمر و را پیر و اید بستره
 به گرد سبزه با ما در سبازی
 ریاسین بر تدران سرفشانده
 گرفته مهر گل بر کف تارے
 ز گل افروخته مهر دم چرخه
 قباے سرخ را صد پاره کرده

گل از گل تخت کاسی بر آرد
 بسا مرنا که عشق آوازه گردد
 چو خرم شد بر شیرین جان خسرو
 چو می خرم نهاد خرمی دوست
 گل از شادی علم در باغ میزد
 سمن ساقی و گرس بام در دست
 صبا بیق کشاده ساءگان را
 شمال انجمنه مهر سوخرو شنه
 زمین نطع شقائق پوش گشته
 سہی سرو از چین قامت کشیده
 بنفشه تاب لفت انگند بر دوش
 عروسان ریاسین دست بر دوشه
 نموده ناف خاک استنیها
 بهوا بر سبزه گوهر با گسته
 غزال شیر مست از دل نوازی
 ندران بر ریاسین پر فشانده
 زهر شاخه شگفته نو بارے
 صبا از سبزه در سرباغ در اسف
 گل از مهر منظر نظر آره کرده

درم دینہ شدہ ہر شاخاے
 بطرف ہر گن بروے چمانہ
 صنوبر بر در سنبل شستہ
 چنبن فصلے بدیں عاشق نوازی
 خراہل خسرو شیریں شب درقا
 گئے خورد مدے در مرغزارے
 ز سر ہر یک جدا کردہ تارے
 بہر جوے شد آبلے روانہ
 چوستان در میان گل شستہ
 خطا باشد خطا بلے عشق بازی
 بہر ز بہت گئے شاو دل افروز
 گئے چید نگل در کوہ سارے

واضح ہو کہ مولانا نظامی ایک معروف مثنوی نگار ہیں اور حیثیت مجموعی فارسی کے ایک
 مستند شاعر ہیں اس پر بھی بہت بڑے فطرت نگار شاعر نہیں معلوم ہوتے اشعار بالا میں
 ہمارے وصف منظوم فرماتے ہیں نظم کا اسلوب کیا شک ہے کہ بہت اچھا ہے
 مگر عمدہ بیان کسی ہمارے سینتری کا حوالہ قلم نظر نہیں آتا ہے وہی گل و صبا و سنبل کی
 بندش غیر فطری انداز کے ساتھ بالا میں پائی جاتی ہے جیسا کہ اکثر فارسی کی مثنویوں میں
 دیکھی جاتی ہے۔ خارجی مضامین کی بندش میں فطری ترکیب کے ساتھ جیسا کہ سروالہ کی
 بیڈی آف دی لیک میں دیکھتے ہیں کسی فارسی کی مثنوی میں نہیں دیکھتے اقماع و حرف
 کی دانست میں خارجی مضامین جس قدر فطری انداز کے ساتھ مزین کی مثنوی میں بندش پاتے
 گئے ہیں فارسی کی کوئی مثنوی یہ ترکیب بندش کی نہیں کھتی فارسی کی تمام نثری مثنویوں کے
 مقابل میں یہ اردو کی مثنوی بہت زیادہ نیچرل میرا بہ بیان کہتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی کے
 مثنوی نگار شعر اعمیٰ فطرت نگاری کا کم مذاق رکھتے ہیں ان کی ساری تصنیفیں نیچرل معانی
 سے کم و بیش طور پر ملحدگی دکھلاتی ہیں جہاں دیکھو مبالغوں کی بھر مار ہے یا اسی طرح کے
 مصنوعی اندازوں سے ان کے کلام بھرے ہوئے ہیں فارسی کی شاعرانہ عام طور پر اس

نامطبیع پر ایہ سے بدنام ہو رہی ہیں صرف مثنوی نگاری ہی کا یہ طرز نہیں ہے اب کے شعرا
اگر مصلح مذاق کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائیں تو فارسی کی شاعری ان کی اس توجہ فرمائی
سے بہت کچھ نامد سے اٹھا سکے گی ذیل میں کچھ اشعار مولانا جامی کی زینما سے نذر ناظرین
ہوتے ہیں :

خواب دیدن یوسف سجد آفتاب و ماہتاب یازد ستارہ استماع اخوان از یاد حسد الیشال

خوش لک کر بند صورت باز رستہ	ز سحر چشم بندال چشم بستہ
دلش بیدار و چشمش در شکر خواب	نیدہ کس چنیں بیدار و در خواب
پوشیدہ ز ناپائندہ دیدہ	ولے پوشیدہ آئندہ دیدہ
بغیبے یوسف ز پیش چشم یعقوب	کہ پیش او ز چشمش بود محبوب
بخواب خوش نہادہ سر ببالیں	بخندہ لعل نوشین کرد شیر میں
ز شیریں خنداں لعل شکر خند	بدل یعقوب را شکر سے در آغلند
چو یوسف نرگس سیراب بکشاد	چو نوجت خویش چشم از خواب بکشاد
پدگفت لے شکر شرمندہ تو	چہ موجب داشت شکر خندہ تو
بگفتا خواب دیدم مرد مہ را	در خستندہ کو اکب یازدہ را
کہ کبیر داد تعظیم بدادند	بسجارہ پیشیں رو کم سر نہادند
پرگفتا کہ بس کن این سخن بس	گو ایں خواب را ز نما ریا کس

به بیاری صد آذارت رسانند
 درین غصه کیت نذایغ گذارند
 که بس روشن بود تعبیر این خواب
 بیایم بگسلد زنجیر تدبیر
 خندا و آن را باخوان در میان
 بانگ وقت و روز هر آن گشت
 که سر خوابی سلامت سر نگهدار
 و گرتوان بدرتال پائے اوست
 ز غصه پیرین بر خود در بیدند
 که نشناسد ز نفع خود ضرر را
 که طفلی جز طفیلے را نشاید
 دیدن گوهر خود را فروغی
 شود از صحبت آن شکلی
 بر دهر پدر فرزندی ما
 بیعت این قدر حشمت پسندش
 بسجده پیش او انیتیم بر خاک
 نباید جاه جوئی این قدر هم
 پدر را ما هوا داریم نسی او
 و گر شرب خانه اش را پارساییم

مباد این خواب انخوان بدانند
 ز تو دور دل هزاران غصه دارند
 نیارند از حد این خواب تاب
 بدر کرد این وصیت لیک تقدیر
 بیکس گفت یوسف کل نسانه
 شنیدستی که سر سر کرده بگذشت
 چه خوش گفت آن تکوین و تکو کار
 چون خوشی مرغ از قید قفس حبست
 چون انخوان قصه یوسف شنیدند
 که یارب حییت و خاطر پدر را
 نمی داند که از طفلی چه آید
 بر یک چند بر با قدره غمی
 خورد آن پر میسکن آن فریبی
 کند قلع تکو پیرندی ما
 پدر که دست ز نیال سر بلندش
 بویس دارد که ما از تیرگی پاک
 نه تنها که مادر با پدر هم
 پدر را ما خریداریم نسی او
 اگر روز است در صحرا شبانیم

براعد اوقت باز ویش ازما است
بجز جلیت گری آنسے نہیں بدست
بیاناتا کار خود با چہارہ سلایم
پہو با ما بر سر سخوارگی نیست
بیاید چہارہ ساتھ می امیال بست
پو خاکسے برود از نشو سخته
بغرم مشورت یکجانش مستعد

الل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ خواب حضرت یوسف علیہ السلام کا تورات
میں اور بھی قرآن شریف میں مندرج ہے لاریب ہو لانا جامی نے اس کو خوش اسلوبی کے
ساتھ منظوم فرمایا ہے یہ تنوی جامی کی ایک دلکش پیرایہ کھتی ہے فردوسی کی یوسف
زینماہر گز اس کو نہیں پہنچتی ہے فردوسی نے اپنی تنوی کے لئے وہی زمی بجز اختیار کی
ہے جو شاسنامہ کی ہے۔ اور تلافی تعاضد سے قصہ یوسف زینماہر بیانات کا انداز
بھی نڈی رکھا ہے فردوسی کے انداز بیان کی بدولت حضرت یوسف رستم نامعلوم
ہوتے ہیں :

حکمت آموز شہنایاں یہ شہنایاں ایک بکار آمد قسم شاعری کی ہیں اس میں
مسائل علم الاخلاق تذبذب المنزل اور سیاست المدن کے منظوم پیرایہ میں حوالہ فلم ہوتے
ہیں مثال اس قسم کی تنوی کی سعدی علیہ الرحمہ کی بوستان اور حضرت فرید الدین
عطار کا پنڈ نامہ ہے۔ انہیں دونوں کتابوں سے سبیل انتخاب کچھ اشعار درج ہذا
ہوتے ہیں داغچ ہو کہ بوستان سعدی میں ہر قسم کے حکمت آموز مضامین دیکھے جاتے

ہیں ہزارا مسائل جو حکمت عملی سے تعلق رکھتے ہیں اس کتاب لاجواب میں حضرت مصنف نے داخل کئے ہیں تدریج مضامین کی بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ دس بابوں میں کی گئی ہے بلاشبہ یہ کتاب حضرت شیخ مدوح کی بڑی پایہ کھتی ہے دو پچاس حکایتوں کے سوا جتنی حکایتیں اس میں لکھی جاتی ہیں نہ صرف حضرت کے مفید اطلاق سے خبر دیتی ہیں بلکہ ہر طرح پر لسی حکمت آموز ہیں کہ اس کتاب گرامی میں تمام تر درج ہونے کا پورا استحقاق رکھتی ہیں۔ یہ سب حکایتیں ایک ہی بحر میں منظم ہوئی ہیں اور حضرت مصنف کی حیرت انگیز قوت شاعری کا جلوہ دکھلاتی ہیں جاننا چاہیے کہ حکمت آموز ٹنویاں اس قسم شاعری سے تعلق رکھتی ہیں جس کو انگریزی میں ڈائٹیکٹک شاعری کہتے ہیں :

حکایت آباک مرحوم تکلمہ بن سعد رنگی

سعدی بہ حیثیت ٹنوی نگار

در اخبار شاہاں پیشین ہست	کہ چوں تکلمہ بر تخت زنگی نشست
بدور انشاز کس نیاز زد کس	سبقت برد کہ خود ہمیں بود بس
چنین گفت بکہ لبصاحب لے	کہ عمرم بسر وقت بیجا صلے
چومی بگز و ملک و جاہ و سریر	نیر و از جہاں دولت الافقیر
بخواہم بہ کنج عبادت نشدت	کہ دیدایم اس پنج روزے کہ ہست
چو لبشند وانا ئے روشن نفس	بہ تند ی بر آشفت گائے تکلمہ بس
طریقت بحر خدمت خلق نیت	بہ تسبیح و سجادہ و دل نیت

تو بخت سلطانی خویش باش
 به اخلاق پاکیزہ خویش باش
 ز صدق و واردات کمر بستہ دار
 ز طامات و دعویٰ زبال بستہ دار
 قدم باید اندر طریقت نہ دم
 کہ اصلے ندارد دم بے قدم
 بزرگان کہ نقد صدا داشتند
 چنین خرقة زیر قیاد داشتند
 حضرت فرید الدین عطار علیہ الرحمۃ کا پند نامہ بھی نہایت توجہ طلب کتاب ہے
 کچھ کلام حضرت کا مندرج ذیل ہوتا ہے :

در میان عمل خالص

ہر کہ باشد اہل ایمان سے عزیز
 پاک دار و چار چیز از چار چیز
 از حسد اول تو دل را پاک دار
 خوشترین را بعد از ال مومن شمار
 پاک دار کذب از غیبت زبال
 تا کہ ایمانت نیکتر در زبیاں
 پاک گرداری عمل را از ریا
 شمع ایمان تر باشد ضیا
 چون عظم را پاک داری از حرام
 سرو ایمان دار باشی والسلام
 ہر کہ دار و این صفت باشد شریف
 ہر کہ باطن از حرامش پاک نیست
 چون نباشد پاک اعمال از ریا
 ہر کہ اندر عمل اخلاص نیست
 ہر کہ کارش از برائے حق یود
 و نہ دار و دار ایمان ضعیف
 روح او راہ سے فلوک نیست
 ہرست بے حال چو نقش بودیا
 در جہاں از بندگان خاص نیست
 کار او پیوستہ بار و نق بود
 ہر چند حضرت عطار کا پند نامہ حضرت سعدی کی شوخی تحریر سے متراستہ اور

تزیب قریب صرف نظم ہی نظم کا انداز رکھتا ہے تاہم بکار آمد مضامین سے مملو ہے اور
 اس لئے بہت کچھ قابل تعریف ہے :
 تصوف آموز ثنویاں : جاننا چاہئے کہ تصوف سے مراد علم و مائیت ہے
 بلکہ اہل ہند میں درجہ کمال کو پہنچ گیا تھا اور اب بھی ہندوستان میں بیشتر ہندو فقرا
 اس سے باخبر ہیں اس زمانہ میں ہندوستانی حضرات جنہوں نے یورپین علم پائی
 وہ اس علم کو تمہیاسونی کہتے ہیں یہ علم فی زمانہ جو مرکوز اہل ہند ہے امریکہ وغیر سے
 ہندوستان میں تشکیل جدید آیا ہے گو ماخذ اس کا وہی ہندوستان کا تصوف قدیم ہے۔
 تاہم البیاسی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں یہ علم پہلے ندرستیوں کے میل جول سے داخل
 تزیب ہوا پھر جب مسلمان ہندوستان میں آئے ہندی تصوف نے ان کے دماغ
 میں اچھے طور پر گھر کر لیا یہاں تک کہ ہندوستانی مسلمانوں کے ایک زیادہ حصہ کا مذہب
 تصوف ہی دکھائی دیتا ہے۔ فیقر کا قول یہ ہے کہ اگر تصوف سے کلام خدا رسول
 مراد ہے تو مجھے تصوف سے انکار نہیں ہے لیکن اگر تصوف سے مراد کوئی اور شے
 ہے تو تصوف کو سات سلام بہر حال فارسی تصوف آموز ثنویاں بہت ہیں مثلاً ان علوا
 تصنیف حضرت بہائی آملی کی اور من و سلوی جناب شمس العلماء مفتی سید محمد عباس
 صاحب کی مگر سب سے زیادہ قابل لحاظ تصنیف اس فن کی ثنوی مولانا جمال الدین
 ربی علیہ الرحمۃ کی ہے۔

مولانا سے روم بہ حیثیت ثنوی نگار : مولانا نے روم علیہ الرحمہ کی شہرت
 حضرت کے علم و فضل کے علاوہ ثنوی نگاری کی بنیاد پر ہے اہل اسلام میں خاص کر
 اہل سنت حضرت کی اس تصنیف منظوم کو جو ثنوی مولانا سے روم کے نام سے

مشہور ہے بعد کتاب اللہ کے قابل قدر جانتے ہیں چنانچہ یہ شعر
 مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن رزبان پہلوی
 فقیر کے قول کی صحت پر دال ہے اسی طرح اس تصنیف گرامی کی وجہ سے حضرت
 مولانا ایک بہت اعلیٰ درجہ کے بزرگ مانتے جاتے ہیں حتیٰ کہ اس شعر سے
 ظاہر ہوتا ہے :

من چہ گویم وصف آل عالمی جناب نسبت پیغمبر و آل و کتاب
 لاریع لانائے روم بڑے پایہ کے بزرگ گز سے ہیں فرقہ امامیہ میں بھی حضرت بڑی
 وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اہل اسلام ایک پابند شریعت جماعت
 نے اس مثنوی کے چند اشعار کو تعلیم قرآنی اور اسلامی توحید کے مخالف قرار دیا ہے اور
 ان اعتراضات کے جوابات مولانا کے معتقدین نے مثنوی کی شرح وغیرہ میں تلبہ
 کئے ہیں جنہیں حضرات معترضین محض تاویلات و دراز کار کہتے ہیں بہر حال ہر
 بحث سے اگر درگزر کیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ مولانا ایسے ہی بزرگ ہر
 کہ اسلام کے ہر فرقہ میں حضرت کی توقیر کی جائے حضرت کی مثنوی بہت سے
 قرآنی آیات کی تفسیر ہے بہت سے احادیث نبوی کی شرح ہے اور بہت
 سے مسائل فلسفہ و حکمت کی توضیح ہے تصوف کی عبارت ہے صفائی خیالات
 سے اس کتاب لاجواب میں عجب خوش جمالی کے ساتھ جلوہ گر ہے و احوال
 قلبیہ اور جذباتیہ وجہ کے بیانات حیرت آگیز انداز رکھتے ہیں تعلیمات روحانیہ کا
 پیرا بہ تمام بے نظیر نظر آتا ہے، تزکیہ روحی اور تصفیہ قلبی کے اعتبار سے کہ
 کوئی کتاب مولانا کی اس مثنوی بسوٹ کے برابر رکھے گی نفس شاعری اس مثنوی کی بہت

ہے یہ فنوی اپنے تعلیمات کے اعتبار سے انگریزی کی اس صنف شاعری میں
 سب ہوتی ہے جس کو ڈای ڈیکٹیک کہتے ہیں ذیل میں کچھ اشعار نمونہ کلام کے طور
 پر کیئے جاتے ہیں .

زجا ایہا شکایت می کند	بشنوا نے چون حکایت میکند
از نفیرم مردوزن نالیسده اند	کز نیستان تا مرابہ بریدہ اند
تا بگویم شرح درد شتیاق	سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
باز جوید روزگار وصل خویش	ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش
جفت بد حالل خوشحالاں شام	من بہر جمعیتی نالاں شام
از درون من نجست اسرار من	ہر کسے از ظن خود شد یار من
یک چشم گوشت راں لونیست	سرم از ناکہ من دور نیست
یک کس را دید جان ستور نیست	تن در جان و جان زن مستور نیست
ہر کہ این آتش ندارد نیست باد	آتش بہت این باگناہی نیست باد
جوشش عشق بہت کا ندے فناؤ	آتش عشق بہت کا ندے فناؤ
سرو ما نیش پیر دہا سے ما دید	نے حریت ہر کہ از بارہ برید
بچو نے دمسازو مشتاقے کہ دید	بچو نے زہرے تزیاقے کہ دید
قصہا سے عشق مجنوں می کند	نے حدیث راہ پر خون می کند
ہزریاں را مشتری جز گوشت نیست	محرم این ہوش جز بے ہوش نیست
نے جہاں را پر نگوی از شکر	کز بوسے نالہ نے را مثر
روز ما با سوز ما بہرہا شد	دوغم ما روز ما بے گاہ شد

روزگار رفت گور و پاک نیست
 سہر کہ جز ما ہی ز آتش سیر شد
 در دنیا بد حال نختہ بیچ خام
 بندگیس باش آزاد سے پس
 گر بیزی کج سر را در کوزہ
 کاسہ چشم حریر ال پر نشد
 سہر کہ اجامہ ز عشقہ چاک شد
 شاو باش از عشق ترخس سودا ما
 اسے دو اسے نخوت و ناموس ما
 جسم خاک از عشق بر افلاک شد
 عشق جان طور آمد عاشقا

متفرق مضامین کی مثنویاں : واضح ہو کہ مثنوی چار شعر کی بھی ہوتی ہے اور
 شعر سے زیادہ کی بھی، جیسا کہ بالا میں حوالہ قلم ہو چکا ہے۔ مثنوی ہر بحر میں نہیں
 جاتی ہے اس کے واسطے چند بحر میں مخصوص کر دی گئی ہیں چونکہ کسی عرفی ترکہ
 سے اس کتاب کو بحث نہیں ہے اس لئے ذکر مثنوی کی بحروں کا بیان نہیں
 جاتا ہے بلکہ جاننا چاہیے کہ متفرق مضامین کی مثنویاں ہر طرح کی ہوتی ہیں۔ کو
 رزمی کوئی بزمی کوئی حکمت آموز اور کوئی تصوف آمیز اور ان کا کبھی مرکب از
 ہوتا ہے مگر بحال میں ان کے مضامین رفیع اور منقطع ہوتے ہیں ذیل میں حضرت سہ
 کی کچھ متفرق مثنویاں درج ہذا ہوتی ہیں۔

این حکایت شنید که در برف راو
 رایت از گوراه رنج و رکاب
 من و تو برده خواجسته تا شایم
 من ز خدمت دوسه نیا سو دم
 تو نه رنج آزموده نه حصار
 قدم من به سعی پیشتر است
 تو بر بسندگان مروتی
 من نمانده بدست شاگردان
 گفت من سر بر آستان دارم
 هر که بلیه بوده گردن افرازد
 دیدم گل تازه چند دسته ^{الجنائله} برگینده از گیاه بسته
 گفتم چه بود گیاه ناچسبند
 بگو سیت گیاه و گفت خاموش
 گریست جمال و رنگ و بویم
 من بنده حضرت کریمیم
 گر بلیه سوزم و گر سوز مند
 با آنکه بفاصحه ندارم
 او چاره کار بسته داند
 رسم است که مالکان تحریر

رایت پرده را خلاص افتاد
 گفت بار پرده از طریق عتاب
 بسته بارگاه سلطانیم
 گاه و بیگاه در سفر بودم
 نه بیابان و باد و گرد و غبار
 پس چرا عزت تو بیشتر است
 با کنیزان یا سمن بولی
 به سفر پائے بند و سرگردان
 نه چو تو سر بر آسمان دارم
 خولشتن را به گردن اندازد
 آرد صفت گل نشیند او نیز
 صحبت نه کند کرم فراموش
 آخر نه گسیاه باخ اویم
 پرورده نعمت قدیمیم
 لطفست ایام از خداوند
 سرایه طاعتی ندارم
 چون هیچ سلیقتش نماند
 آزاد کنند بسته پییر

لے باز خداے عالم آرائے
 بر سعدی پیر خود بہ بختاے
 سعدی رہ کعبہ رضا گیر
 لے مرد خدا رہ خدا گیر
 بد بخت کسے کہ سر بنا بد
 زین در کہ دید و گریہ بد
 درختے کہ کنوں گرفت پائے
 ایسا و لہ بہ نیر سے مرے بر آیدز جائے
 دیش چچناں روزگار سے رہی
 بگردوش از پنج برنگسلی
 سرچشمہ شاید گرفتن بہ میں
 چو پرشد نشاید گزشتن بد میں

اردو کی مثنویاں

رزمی مثنویاں: اردو میں کوئی رزمی مثنوی فردوسی کے شاہنشاہ مہدی یا نظامی کے
 سکندر نامہ کے مدارج کی نظر نہیں آتی ہے جو رزمی مثنویاں ہیں وہ انھیں کتابوں کے مختص
 ترجمے ہیں بھی تک اردو کے کسی شاعر نے اپنی فکر سے کوئی اصل مثنوی جو کسی اقتدار بزرگ
 پر مشتمل بر نہیں لکھی ہے ظاہر اردو میں میر انیس یا مرزا ادبیر کے سوا کوئی شاعر بھی فردوسی
 یا نظامی کی فکر و قابلیت کا نہیں گزرا ہے مگر ان بزرگوں نے مثنوی نگاری کی طرف کبھی
 اپنی توجیہ مبذول نہیں فرمائی، اب بھی اگر شعر اسے وقت سے کچھ حضرات اس قسم کی مثنوی
 نگاری کی جانب میلان فرمائیں تو اردو سے رزمی مثنویوں کی ناداری کا داغ مٹ جائے
 یہ اسباب ظاہر واقعہ کر بلا ایک ایسا معاملہ رزمی ہے کہ اگر اعلیٰ درجہ کی طباعی اور قابلہ
 کے ساتھ لبشکل مثنوی منظوم کیا جائے تو نومرہ فردوسی، ورجل، ملکن، بالمنی اور میاں
 کی تصانیف سے کم نہ تماشائے سخن نہیں دکھلا سکتا ہے،

رزمی مثنویاں: نازی کی بعض عشقیہ مثنویوں کے ترجموں کے علاوہ شعر اسے

اُردو نے برائے خود بہت عشیقہ ثنویاں لکھی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زہری ثنویوں کی طرف اکثر شعر امتوجہ ہوئے ہیں، ذیل میں بعض ان شعراے نامی کی قابلیت تصنیف پر اظہار برائے کیا جاتا ہے جنہوں نے عشیقہ ثنویاں تحریر فرمائی ہیں :

میر تقی بہ حیثیت ثنوی نگار : میر تقی میر، میر لاہیب سلطان المتخربین تھے۔ مگر حضرت کی ثنوی نگاری سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جو درجہ غزل سرائی میں حاصل ہے، وہ ثنوی نگاری میں نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو صرف مضامین داخلی کی بندش کی بڑی قابلیت حاصل تھی، لیکن ثنوی نگاری کی وہی شاعرِ داد دے سکتا ہے جو مضامین خارجی کی بندش پر بھی پوری قدرت رکھتا ہے، یہ قدرت آپ کو بہت حاصل نہ تھی، اس لئے آپ کی ثنویاں تاثر داخلی پہلو کی شاعری سے خبر دہی میں درحقیقت آپ کی ثنوی نگاری بھی مضامین کے اعتبار سے ایک قسم کی غزل سرائی نظر آتی ہے، آپ کی ثنویوں میں خارجی مضامین گویا نادر ہیں، کیوں آپ صحرانگل، جبال، سحر، خزاں، بہار، برق، باران، سرما، گرما، طیلور و سوحش، آب، سراب، غیرہ وغیرہ کے خوش آئند مضامین کو بیان نہیں فرماتے ہیں، اس پر بھی جس قدر آپ کی ثنویاں ہیں، قابلِ توجہ ہیں، کس واسطے کہ روحانی اور قلبی معاملات کے بیانات سے مملو ہیں، جتنی عاشقانہ کیفیتیں آپ نے تحریر فرمائی ہیں، اکثر بے حیالی کی ذلتوں سے بری دکھائی دیتی ہیں، کمر کوئی جزو تصنیف ایسا ہے کہ تہذیب کی آنکھیں اُسے دیکھ کر شرم اٹھائیں، ذیل میں آپ کی عشیقہ ثنویوں کے اشعار نمونے کے طور پر درج کیئے جاتے ہیں :

انتخاب اشعار از مثنویات میر

ہر جگہ اس کی کئی نئی ہے چال
 کہیں سینے میں آہ سرد ہو
 کہیں سر میں جنون ہو کے رہا
 کہیں ہنسنا ہو اجراحت کا
 کہ تپنگا چرخ کا پایا
 ایسا دل آفت تازہ سے دوچار ہو
 تھی طرف اُس کے گرم نظارہ
 پھر نہ آئی اُسے خبر اس کی
 وہ نظر ہی دواغ طاقت تھی
 صبرِ خصلت ہوا اکہ کے ساتھ
 تاب طاقت نے بیوفائی کی
 مضطرب ہو کے خاک پر یہ گرا
 بے طرح ہو سے گو کہ حال اُس کا
 اٹھ گئی سامنے سے یک بارہ
 خاکتے اڑ گئی وہ رعنائی
 رنگ چہرہ سے کہ چلا پرواز
 چاک کے پھیلے پاؤں ماں تک

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال
 دل میں جا کر کہیں تو درد ہو
 کہیں آنکھوں سے خون ہو کے بہا
 کہیں رونا ہو اندامت کا
 گد نامک اُس کو داغ کا پایا
 تاکہ اک کوچہ سے گزر ہو
 ایسا دل آفت تازہ سے دوچار ہو
 ایک غرقہ سے ایک مہ پارہ
 پڑ گئی اس پہ اک نظر اُس کی
 تھی نظریا کہ جی کی آفت تھی
 ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ
 بے قراری نے کج ادائیگی
 منہ جو اس کا طرف اُس کی بھرا
 وہ تو بھتی نہ تھی خیال اُس کا
 جھار و امن کے تئیں وہ مہ پارہ
 وہ گئی اُس کے سر بلا آئی
 ل پہ کرنے لگا طپیدن ناز
 ناخفہ جانے لگا گریبان تک

محبت نے ظلمت سے کاٹھا ہے نور
 محبت سبب محبت سبب
 محبت بن اس جانہ آیا کوئی
 محبت ہی اس کا خالے میں ہے
 محبت سے کس کو ہوا ہے فراغ
 محبت اگر کار پرواز ہو
 محبت ہے آبِ رخِ اکارِ دل
 محبت عجب خوابِ غوریز ہے
 محبت کی ہیں کار پروازیاں
 محبت کی آتش سے اٹھ کر پہل
 محبت کہ آس گھلتاں میں راہ
 محبت ہی سے دل کو رو بیٹھیے
 محبت لگائی ہے پانی میں آگ
 محبت سے ہے انتظامِ جہاں
 محبت سے رونے گئے یارخوں
 محبت سے آنا ہے جو کچھ کہو
 محبت سے پروانہ آتشِ سماں

نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور
 محبت سے آتے ہیں کارِ عجب
 محبت سے خالی نہ پایا کوئی
 محبت سے سب کچھ مانتے میں ہے
 محبت نے کیا کیا دکھائے ہیں داغ
 دلوں کے تئیں سوز سے ساز ہو
 محبت ہے گرمی بازارِ دل
 محبت بلائے دل آویز ہے
 کہ عاشق سے ہوتی ہیں جاننازیاں
 محبت نہ ہوتے تو پتھر پہل
 کلی کے دل تنگ میں ہے یہ چاہ
 محبت میں جی مفت کھو بیٹھیے
 محبت سے تیغِ دردن میں آگ
 محبت سے گردش میں ہے سماں
 محبت سے ہو ہو گیا ہے جنوں
 محبت سے ہو جو وہ ہرگز نہ ہو
 محبت سے بلبل ہے گرمِ فغاں

اسی آگ سے شمع کو ہے گداڑ
 اسی کے لئے گل ہے سرگرم ناز

اشعار از ساقی نامہ

جسے قابلِ حسدہ سر انداز
 اُس کو مے حُن نے چکھایا
 پی اِس نے شرابِ خود پرستی
 وہ مستِ شرابِ تازہ ہے فرد
 ہے گردشِ چشمِ اس سے فنوں
 ظلمت ہے دہلی کی تجھ سے جوں
 عالم ہے قرابہ سے مٹے خام
 مشہور جہاں جو کیفیت و کم ہے
 وہ مستِ نیاز ہے حرم میں
 ہے آبِ رخِ زمانہ اُس سے
 مینا میں جو کس کشتی ہے وہ ہے
 شمشاد ہے سر فراز اُس سے
 نوگر اے تازہ پیشگی ہے
 جو عکس پڑا ہے جامِ مے میں
 ہر چیز میر صاحب نے اچھا لطفِ سخن دکھلایا ہے مگر ظہوری کے ساقی نامہ کو
 نہیں پہنچتے ہیں سخن یہ ہے کہ اگر میر حسن کی شہنوی اردو میں نہ ہوتی تو فارسی کے
 مقابل میں اردو کی کوئی شہنوی قابلِ ذکر نہ ہوتی ؛

جو سب میں بڑا ہے جلوہ پرواز
 رستی کا نشہ اسی سے پایا
 طاری ہوئی اس پہ زورِ مستی
 خورشید ہے اس کا جامِ خورد
 پھر جائے تجس کے ساتھ گردوں
 آخر ہے وہی وہی ہے اول
 ہے دور سپہر گردشِ م
 بے نشہ جو ہوتے تو تم ہے
 وہ رفتہ تازہ ہے صنم میں
 روشن ہے تمام خانہ اُس سے
 صبا میں جو دل کشتی ہے وہ ہے
 گل دیدہ نیم باز اُس سے
 وہ ہے کہ جسے ہمیشگی ہے
 آتی ہے صد اسی کے لئے میں

واضح ہو کہ منجملہ نیرمی ثنویات کے میر صاحب نے ایک ثنوی لکھی ہے
 جس میں نواب آصف الدولہ کی شکاراگلی کے حالات رقم فرماتے ہیں یہ ثنوی ان
 حضرات کو جو فن صید نگہنی کے ماہر ہیں کسی طرح لذت بخش نہیں ہو سکتی صبا نے بھی
 ایک ایسی ہی ثنوی لکھی ہے وہ بھی مذاق صحیح نہیں رکھتی حقیقت یہ ہے کہ نہ میر نہ صبا
 دو میں کوئی صاحب بھی علم صید سے واقف نہ تھے پس ان کی اس قسم کی ثنویاں کیا لطف
 سخن پر اگر کہتی ہیں ان دونوں استادوں کی شکاری ثنویاں غایت صید نگہنی سے مطلق
 خبر نہیں دیتی ہیں اور نہ ان سے کسی علمی مسئلہ کی تحقیق ظہور میں آتی ہے اگر صبا نگہنی سے
 مجر و شیر و شغال کی جان یعنی مراد ہے تو یہ ثنویاں خوب میں مگر ارباب واقفیت سے
 پوشیدہ نہیں ہے کہ شکار علمائے با مذاق کا کام ہے اس کام کے کرنے والے
 سرسویل بیکر سٹڈ سن اسٹرنڈیل بالڈون کیبل راکس گوس وغیرہ وغیرہ گذرے ہیں
 یہ لوگ علیٰ درجہ کے صاحب علم اور صاحب تحقیق تھے بلاشبہ ان کی تصنیفات حضرات
 اہل علم کے ملاحظہ کے قابل بہرل در و قور فرائد سے مور ہیں جس نے ان مصنفوں کی تصنیفوں
 کو بغیر پڑھا ہوگا اور ان کی ہدایتوں کے مطابق مشغل صید نگہنی کو ملحوظ رکھا ہوگا اسے میر
 اور صبا کی شکاری ثنویوں سے کیا حظ حاصل ہو سکتا ہے ان ثنویوں میں علم ریاضی، علم
 حیوانات، علم نباتات، علم معدنیات وغیرہ کا کوئی مسئلہ نظر نہیں آتا۔ جتنے
 بیانات میں فطرت خداوندی سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے، کوئی بات تعلیم و تعلم کی کہیں
 دکھائی نہیں دیتی، البتہ بد مذاقی کے ساتھ جگہ جگہ نواب و ودھ کی تعریفیں پائی جاتی ہیں
 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ثنویاں مجر و مدحت سرائی کی عرض سے لکھی گئی ہیں ان کو
 تحقیق و تزیین مسائل علیہ سے کیا علاقہ۔ یہ بھی امر قابل لحاظ ہے کہ چونکہ یہ ثنویاں

درباری رنگ کھتی ہیں ان میں ہر لطف کلام زینہا نہیں پایا جاتا ہے جو امر القیس کے قصیدہ لامیہ کے ان معدودہ اشعار سے اٹھتا ہے جن میں اپنی صید گلشنی کے حالات کو حوالہ فلم کرنا ہے حضرات ناظرین راقم کی تحریرات سابقہ کو ملاحظہ فرمائیں ان کے اعادہ کی یہاں حاجت نہیں ہے۔

مومن خاں بہشتی راقم کی نگار : اُن ساد مومن کی کلیات میں چھ مکمل تنویاں دکھی جاتی ہیں یہ سب کی سب تنویاں تمام تر داخلی شاعری کا رنگ کھتی ہیں اس اعتبار سے ان تنویوں کو تفریق صاحب کی تنویوں کی قسم کے ساتھ تمام حاصل ہے مگر انداز کلام کا جو فرق ہے وہی ہے جو ان دونوں ستادوں کی غزل سراٹیوں میں محسوس ہوتا ہے مومن خاں کی تنویاں دقت انگریز پر ایہ کھتی ہیں اس نامطبوع انداز سے میر صاحب کی تنویاں کا مترجمی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مومن خاں بالقصد مضامین داخلی کو ایسی دشوار بندش دیتے ہیں کہ فہم کو ایذا لاحق ہوتی ہے بر خلاف اس کے میر صاحب اپنی دہی کیفیت سوز و گداز و خشکی کے ساتھ اداسے مضامین میں ایسی آسانی کی راہ اختیار فرماتے ہیں کہ ان کے کلام کی پرتائیری میں کسی قسم کا نقصان لاحق نہیں ہوتا ہے خیر اب حضرات ناظرین مومن خاں کی تنویوں کو بلا تامل ایک اہل سے موازنہ فرمائیں فقیر کی والدت میں اُن ساد مومن کی تنویاں ہر چند زور طبیعت اور سخن افزینی سے خیر دیتی ہیں مگر ان میں اخلاقی یا تمدنی یا مذہبی مضمون کا نشان نہیں پایا جاتا ہے ان کی کوئی تنوی ایسی نہیں دکھائی دیتی ہے جو جس برابر بھی مفید معاشرت ہو یا جس سے بال برابر بھی نائدہ علمی مترتب ہو۔ اکثر مضامین عشقیہ ہیں مگر وہ بھی ایسے ہی ہیں جن سے یا کوچہ گردی کی بولتی ہے یا ایسے ہیں کہ سوا نوجوانان غیر مفید کے ان کا گزار کسی اور

کے دماغ میں بوجہ نہیں سکتا۔ مختصر فقیر کی دانست میں تو من خال کی کوئی شہنوی مفید نبی آدم
 نظر نہیں آتی ہے ذیل میں استاد مومن کی دو تنزیلوں کی نسبت راقم ظہار فضیلات کرتا ہے
 شہنوی منبرا۔ جس کا سر نامہ یہ شعر ہے

ابن نامہ شکایت ستم نام
 با من خود گفتہ سال اتمام

واضح ہو کہ اس شہنوی میں اول مومن خال اپنی عاشق مزاجی کو بیان کرتے ہیں، پھر
 ایک فوجوان عورت پر اپنے عاشق ہو جانے کو تحریر فرماتے ہیں پھر اپنے عشق کی جالیوں
 کا مرتع کھینچتے ہیں اس کے بعد اپنی محبوب سے اپنے ہی گھر میں ملاقات ہو جانے کی
 صورت دکھاتے ہیں درود اس طور پر کہ اس کا اناں کے گھر ایک شام کی تقریب
 سے ہوا، نوساری شہنوی غیر قطری اور بے شریا ہے مگر اس مقام پر بہت کچھ خلاف
 قرآن ہے شادی کی تقریب میں کسی ناکتخدا عورت سے تنہائی میں ملاقات، کالضیب
 ہونا اس ملک ہندوستان میں خلاف قیاس ہے اس ملک میں ناکتخدا شریف
 زادیاں اس طور پر مطلق العنان نہیں رہتی ہیں کہ ان سے کوئی شخص نامحرم شادی وغیرہ کی
 تقریب میں مجالت تنہائی عشق بازی کی باتیں کرے یہ بالکل رسم ملی کے خلاف ہے
 اول تو اس ملک کی ناکتخدا لڑکی کیوں تقریب شادی میں عاشقانہ گفتگو کا محفل
 ڈھونڈے لگی دوم یہ کہ اگر وہ نامہوار سے ڈھونڈے بھی تو اس کی رشتہ منبانی یا
 کب اس کو ایسا موقع ہاتھ لگنے دیں گی۔ یہ قطعہ عجب نامربوط سا معلوم ہوتا ہے صاف
 ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جس عورت کا مومن خال تذکرہ کر رہے ہیں ہندوستان کی شریف
 زادی نہ تھی، اور اگر تھی بھی تو شریف زادیوں کے اس کے اندازہ تھے اس جگہ آپ
 فرماتے ہیں :-

ہوئی شادی ہمارے مالک بار
شکرکت مغل سراپا زیب
ایک خالی مکان میں آ کر
کیا ملاقات رشک تنہائی

اس ملاقات کی گفتگو کو طول دے کر آپ اس کی شخصیت کو بیان فرماتے ہیں پھر
اس کے مرجائے کا حال حوالہ قلم پایا جاتا ہے اس سے صدر کا منہج ہونا امر طبیعی
ہے مگر آخر کار معشوق کے غم کا زائل ہو جانا چہ عینی دار دیوہ غم نہیں ہے جو کبھی زائل
ہو معشوق کا بدل معشوق کے ساتھ ہونے نہیں سکتا، انسان کو عشق دوبارہ نہیں ہوتا ہے
معشوق کے مرتے کے بعد یا معشوق سے مفارقت کے بعد پھر عشق نہیں پیدا ہو
سکتا ہے ایک ل میں دو دلبر کی جگہ نہیں ہوتی خواہ ان واحد میں اور خواہ ان مختلف
ہیں مومن خان کو معشوق اول کے مرتے کے بعد معشوق دوم نامتھ لگ گیا، پھر
معشوق اول کو ایسا بھول بیٹھے کہ گویا کوئی ایسا شخص کبھی وجود ہی میں نہ تھا، اس
نئے معشوق کے ساتھ جو معاشرت کا طہر بیان کیا جاتا ہے وہ ویسا نظر آتا ہے جیسا
کہ عیش مزاج نوجوان کا ہوا کرتا ہے مختصر یہ ہے کہ یہ مثنوی از ابتداء اتنا اخلاقی
پایہ سے بہت گری ہوئی ہے اس کو میر تقی صاحب کی ان مثنویوں کی روحانیت سے
کیا علاوہ جن کے کچھ اشعار داخل کتاب لہذا کہئے گئے ہیں۔

واضح ہو کہ مثنوی نگاری کے لئے داخلی شاعری کے ساتھ خارجی شاعری کی بھی
بڑی حاجت ہے مومن خان خارجی شاعری سے کوئی بہرہ نہیں کہتے تھے، اس لئے
ان کی مثنویاں امر خارجہ سے تامل مترا ہیں، ان کی مثنویوں میں کہیں بھی کوئی سینی

کا بیان نہیں دیکھا ہے کوئی بیان ایسا نہیں پایا جاتا ہے جس سے صبح شام سراگر با برق
 یاران جبال جو صحرادشت وغیرہ وغیرہ کی کچھ بھی کیفیت ظاہر ہوتی ہو مگر جس نے جس
 قدر امور خارجہ کو اپنی مثنوی میں حوالہ تلم کیا ہے اس کا بیسواں حصہ بھی مومن خاں کی کسی
 مثنوی میں نہیں پایا جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ مجرد داخلی شاعری کا برتنے والا شاعر صاحب
 مثنوی لکھ نہیں سکتا ہے ایسا شاعر اچھا غزل سرا ہو سکتا ہے چنانچہ مومن خاں ایک
 اچھے غزل سرا ہیں، مگر اچھے مثنوی نگار نہیں ہیں ان کی مثنویاں صرف انھیں اشخاص کو
 اچھی معلوم ہوں گی جو تقاضے مثنوی نگاری سے واقفیت نہیں رکھتے ظاہر ایسا
 معلوم ہوتا ہے کہ مومن خاں نے مضامین غزل اپنی مثنویوں میں بھر دیئے ہیں ایسے
 مضامین غزل سرا ہی میں جو کچھ بچھلے دکھائی دیں مثنوی نگاری میں تو یقیناً بے محل نظر
 آتے ہیں کلام کے لئے موقع و محل کا لحاظ واجبات سے ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو فرقہ
 کی یوسف زلیخا جامی کی یوسف زلیخا سے بہتر ہوتی، لاریب فردوسی طوسی ایک
 بڑے زری شاعر تھے مگر یوسف زلیخا اسی عشق مثنوی لکھنے واسطے وہ مخلوق نہیں
 ہوئے تھے۔ لحد تصدق مومن خاں یہ حیثیت مثنوی نگار بڑے شاعر نہ تھے۔ ان کی
 مثنویاں صرف داخلی مضامین سے بھری ہوئی ہیں جو نقصان مثنوی نگاری پر وال ہے
 علاوہ اس کے حیثیتہ داخلی مضامین ان کی مثنویوں میں پائے جاتے ہیں ان کو حکمت
 آمیزی سے کوئی علاقہ نہیں آتا ہے، اس شعر بھی ان کی ساری مثنوی میں ایسے دکھائی
 نہیں دیتے ہیں جن میں کسی اعلیٰ قسم کے ذہنی مسائل حوالہ تلم ہوئے ہوں۔ عموماً جتنے داخلی
 مضامین منظوم کئے گئے ہیں وہ ایسے ہی ہیں کہ غیر محفل و زمانہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی پسندیدگی
 کے قابل ہیں کوئی مضمون ان دفعہ ہر جہ کے واردات تقلید سے خبر نہیں دیتا ہے، ایسے

مضامین کو حکیم کو کیا مطبوع ہو سکتے ہیں معمولی درجہ کے ارباب فہم و فراست بھی ان کی طرف رغبت نہیں کر سکتے، واقعی ایسی شاعری کہ جس سے تخریب اخلاق کا خوف ہو جس سے کوئی اخلاقی نتیجہ نہیں نکل سکے نہ صرف ایک بیکار بلکہ قابل استرازا امر ہے، اب قلم مومن خان کی شتوی نمبر ۲ کی نسبت ذیل میں اظہار خیالات کرتا ہے اس کے سرنامہ کا شعر یہ ہے

نام این چند نالہ یہیم
بمچو تا زسخ گشت قصہ غم

واضح ہو کہ اس شتوی کی نسبت بھی خیالات راقم ہی میں جو بالا میں عرض کئے گئے لیکن اس اجزا کی نسبت مختصر طور پر کچھ اور بھی رائے زنی کی جاتی ہے حضرات ناظرین سے توجہ فرمائی امید ہے :

اس شتوی میں مومن خاں پہلے ساتی کی طرف مخاطب ہو کر طالب بادہ ہوتے ہیں اور فصل کی تحویلوں کو ارشاد فرما کے ساتی کو تخریبیتے ہیں کہ پھر ولولہ عشق پیدا ہوا ہے بعد ازاں معشوقوں کی بیوفائی کا ذکر کر کے ایک عشقیہ داستان بیان فراتے ہیں یہ مضامین بہت طول و بسط کے ساتھ جو کہ قلم ہوتے ہیں مگر فطری خوبیوں سے تمام تر معرا نہیں ہیں شتوی میں فصل بہار کا بیان فطرت سے مٹ کر نہیں رکھتا، بقیہ مضامین جتنے ہیں اعلیٰ درجہ کے واردات قلبیہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، حکیمانہ مضمون کا ایک شعر بھی دکھائی نہیں دیتا، اخلاق آموز کلام کی جھلک بھی اتنے اشتہار میں کہیں نظر نہیں آتی کوئی جزو کلام روحانیت کی داد نہیں دیتا جتنے خیالات ہیں جو آواز میں اور جو آواز بھی ایسے کہ کسی تعلیم یافتہ نوجوان کے دماغ میں گزرا نہیں سکتے، ان سب کا شروع کیفیتوں کے ساتھ بندش مضامین کی ترکیب کچھ ایسی دشوار ہے کہ دماغ کو ان سے ایذا ہوتی ہے بلکہ اس عدم سلامت سے اور بھی زیادہ طبیعت متعاضی ہوتی ہے جب مضامین مفید

کی معدومی ہر شعر میں پائی جاتی ہے یہ سب اشعار کو ہے کندیوں کا ہے ہر اور دن
 کا حکم رکھتے ہیں خیراب راقم مضمون داستان عرض کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دہلی میں
 ایک نوجوان مومن نام عاشق مزاج تھا ہمیشہ حسیدوں کی صحبت میں لطف عیش
 و مٹھایا کرتا تھا۔ مومن خان لکھتے ہیں کہ ہم کو اس سے بہت محبت تھی اتفاقاً وہ کسی عورت پر
 مائل ہوا اس عورت نے بھی اس کی طرف میلان دکھایا ایک ماہ تک دونوں مشغول عیش و عشرت
 رہے وہ نوجوان اس عورت کا ایسا شیفتہ ہو گیا کہ اس نے ہم سے بھی ملاقات ترک کی اور اب جو
 بڑی تلاش و جستجے کے کئی برس تک اس کا نشان نہیں ملا۔ ایک روز جب چاہا کہ سیر صحرا
 کیجیے مگر وہاں کے سبز و لالہ دگل سے دل تنگی نہ ہوئی، وحشت ہمیں کشتاں کشتاں و دست کی
 طرف لے گئی وہاں ایک شخص چال نظر آجا جو حالت غم میں اپنے عشق کی سرگوشی بک مٹھتا
 دیکھا تو یہ وہی شخص مومن ہے جو ہمارا دوست تھا اور جس کی ہم کو تلاش تھی اقصیٰ اس تنہی کا اسی قد
 ہے مگر اس کا شاعرانہ بیان طولانی ہے اور بلاشبہ مومن خان کے زو و طبیعت اور خلقی سخن
 سے خبر دیتا ہے لیکن اسی کے ساتھ لطف تناسب کے سارے بیان متراسہ ہے اور زیادہ قابل
 افسوس مر یہ ہے کہ اس عدم تناسب کے ساتھ عدم تہذیب کی قباحت بھی اس میں لاحق ہے
 مثالاً راقم ذیل میں کچھ اشعار درج ہذا کرتا ہے جس سے عدم تناسب اور عدم تہذیب دونوں
 ظاہر ہوتے ہیں۔

ظاہر حرکت سے رغبتیں ہارے	وہ منہ میں زباں کی لذتیں مارے
جی چاہا کچھ اس سے بھی زیادہ	پنپا جو بڑا کچھ اور ارادہ
کس ناز سے کرتی مٹھتا پائی	پھر کیا ہی ادا سے کج ادائی
واگرنے نہ دیتا بند شلووار	وہ ہاتھ کو رکھ کے جوش انکار

وہ تکیہ پر سر کو دسے چکنا
 حیلہ کی وہ کیسی کیسی باتیں
 وہ ہو کے تنگ کاٹ کھانا
 آزدہ ہو گا لسیاں وہ دینی
 قابو سے تڑپ کے نکلے جانا
 کچھ بس نہ چلا تو رونے لگنا
 کس بیکسیوں سے روکے کتا
 اچھی نہیں لگتی مجھ کو یہ بات
 کرتا ہی نہیں ہے تو کبھی بس
 ہر شام سے صبح تک جگانا
 آخر کسی اور کے بھی جی ہے
 آہنجی ہے اتوجان لب تک
 ہے فائدہ کچھ تمہیں اسی میں
 گرجان ہی یعنی ہے تو لے لو
 ہے بات یہی منتہم خدا کی
 مر جائے یہ اور مری بلا جائے
 آنکھ اور ہی شوخ سے لڑاؤں
 یہ رہ گئی الفت زمانہ
 بس چھوڑ خدا کے واسطے چھوڑ

وہ ماتھ کو دم بدم جھٹکنا
 آہستہ لگاتی آہ لائیں
 وہ ماتھ کو زور سے چھڑانا
 ہرجائی کی چٹکیاں وہ یعنی
 وہ نیچے پڑے ہی تھلانا
 وہ جی سے تنگ ہونے لگنا
 وہ چین بہ جہیں ہو کے کتنا
 ہے تم کو تو یہ ہی شغل دن رات
 بھرتا ہی نہیں ہے تیرا جی بس
 اتنا تو نہ چاہیے ستانا
 اس ظلم کا کچھ ٹھکانا بھی ہے
 یہ ظلم اٹھائے کوئی کب تک
 کیا جان ہی لینے کی ہے جی میں
 منظور یہی ہے گر تو کہو
 مال مال تری بات اب میں سمجھی
 چاہے ہے تو یہ کہ اس کو موت ہے
 پھر اور کسی سے دل لگاؤں
 ہیں کیا ہی سلوک عاشقانہ
 بے حرم تو اب تو مجھ کو دے چھوڑ

اتنا نہ سستا کہ جی ہی جائے

فرصت کے حال میں جان آئے

بیزاری میں اس کا لطف کیا ہے

آسور میں وقت خواب کا ہے

حضراتِ ناظرین باتکینِ راقم کو معاف فرمائیں اشعارِ بالا کے اعادہ کی مجبوری لاحق
تھی ایسا اوقاتِ صلاح مذاقِ عوام کے خیال سے مطبوع کلاموں کے اعادہ کی حاجت
لاحق ہو جاتی ہے خبر یہ تو اخلاقی حالت ان اشعار کی ہے عیانِ راجح بیان اب ان کے
غدم متناسب پر غور فرمائیے افسوس ہے کہ اس مرض میں زیادہ تر ایشیائی مصنفین مبتلا
دیکھے جاتے ہیں جانے لحاظ ہے کہ اس ثنوی میں مؤذن خان تحریر فرماتے ہیں کہ ان کا دست
مؤن جو عرصہ سے بے نشان ہوا تھا ابھی ایک دشت میں ملا اور انھوں نے اسے آہ و
نالہ کرتے پایا، جب کان دھکر کرنا تو بدشواری معلوم ہوا کہ آیامِ گزشتہ کا بیان کرنا ہے
یہ آیامِ گزشتہ کا بیان سلسلہ اری کے ساتھ طولانی ہے۔ زمیندار ایسے بیان پر ایک ایسا
شخص جواز خود رفتہ ہو اور غایتِ وحشتِ عشق سے ہوش گزیر ہو گیا ہوا قادر نہیں ہو سکتا
اس پر طرہ یہ ہے کہ اس کی زبان سے ایسی باتیں کہلائی گئی ہیں جو اشعارِ بالا میں منطوم ہیں
ممکن نہیں ایسا شخص ہو قیلائے مصائبِ عشق ہو کہ دشت میں جا بیٹھے وہ بند شلوار کو یاد
کرے اور ایسے خیالات کو دل میں جگہ دے۔

ابنِ شاعر گرامی کی شہرت اس

مہیر حسن دہلوی بہ حیثیتِ ثنوی نگار :

کی ثنوی کی بدولت ہے گو اس کی غزل مرثی بھی پر از مذاق اور قابلِ لحاظ ہے میر حسن
ساداتِ کرام سے تھے اور فصاحت و بلاغت میں جو ائمہ ہدی کی خاص شان ہے اپنی
قوم کے نمونہ تھے ان کی ثنوی ایک بہت حیرت انگیز تصنیف ہے اس ثنوی میں شاعری
کا خاکثرہ نظر آتا ہے اردو میں تو یقیناً ایسی کوئی ثنوی نہیں لکھی گئی ہے فارسی میں بھی اس کی

مجموعی خوبیوں کی کوئی ثنوی نظر نہیں آتی ہے۔ فقیر کی دانست میں فارسی اور اردو کے کسی
 ثنوی نگار نے میر حسن کے برابر فطرت نگاری کا لطف نہیں دکھلایا ہے۔ حقیقت یہ ہے
 کہ جس شخص نے اس ثنوی کو حکیم کی نگاہ سے نہ دیکھا اس نے گویا شاعری کا لطف ہی
 نہیں ٹھایا۔ اس ثنوی سے بے خبر رہنا ویسا ہی ہے۔ جیسے کوئی شخص سب کتابیں
 پڑھ ڈالے اور شکستیر الف لیلہ اور گلستان سعدی کے مطالعہ اور ملاحظہ سے محروم رہ
 جائے کوئی صاحب مذاق آدمی ایسا نہیں ہے جو اس ثنوی سے لطف کثیر نہ اٹھائے اور
 زبان اردو سے باخبر ہو کر اس سے بے خبر رہنا پسند کرے یہ ثنوی اخلاقی تمدنی اور مذہبی
 پہلوؤں سے پُرآزواں ہے اس ثنوی کی تلو دانی سوا حکیم کے کسی سے نہیں ہو سکتی اس
 کی خوبیاں قابل ذکر ہیں اول یہ کہ اس کی زبان فطری سلامت رکھتی ہے دوم یہ کہ جو قصہ
 منظم کیگا ہے اس کے اجزات سب کے اعتبار سے خوب ہیں سوم یہ کہ تشبیہات مستعارات
 فطری انداز رکھتے کے باعث مخالف مذاق صحیح نہیں ہیں۔ چہاں یہ کہ بالعموم ان پ
 شباب نہیں ہیں ان کا اعتدال ایسا ہے کہ سچی شاعری کا منافی نہیں ہے سچم یہ کہ رسم و
 رواج ملک کے بیانات بڑی صحت کے ساتھ حوالہ قلم ہوئے ہیں ششم یہ کہ جو سین
 یعنی معاملہ خارجی بیان ہوا ہے تصویر کا حکم رکھتا ہے ہفتم یہ کہ تمام امور ذہنیہ اور ادراک
 قلبیہ پر ایہ شاعری میں بڑی راستی اور پرتابیری کے ساتھ ذریعہ تم ہوئے ہیں ہشتم یہ
 کہ ہر جزو قصہ کچھ نہ کچھ اخلاقی یا تمدنی نتیجہ پیدا کرتا ہے نہم یہ کہ تمام امور ذہنیہ اور
 معاطات خارجیہ کے بیانات فطری اسلوب رکھتے ہیں جس کے باعث بے
 اعتبار دل ان کی جانب ٹھنپتا ہے مختصر یہ ثنوی داخلی اور خارجی دونوں قسم شاعر کا
 کا پورا لطف دکھاتی ہے اور اپنے مصنف کی قابلیت عام کی بڑی ثبوت ہے ہر چند یہ ممکن

ہیں کہ اس کتاب میں اس شہنوی کے تمام اشعار کی خوبیاں بیان کی جائیں تاہم اس شہنوی کی
 عہدگی کے دکھانے کے لئے ضرور ہے کہ اس کے بعض اجزا پر ریویو لکھا جائے واضح
 ہو کہ دنیا میں کوئی تصنیف ایسی نہیں ہے جو نقصان سے تمام تر پاک ہو آدمی ناقص
 پیدا ہوا ہی ہے پس اس ریویو میں اس شہنوی کے جو عیب ہوں گئے وہ بھی ظاہر کئے جائیں
 گے گو اس شہنوی کے جو بڑے غمگنے آفتاب کی طرح نہایت ہیں اور نہ بدتاہیں :

میر حسن کی شہنوی پر ریویو : میر حسن اپنی شہنوی کو حسب تصور مصنفین اہل اسلام
 کے ساتھ شروع کرتے ہیں۔ یہ جہاں ایسی لکھی گئی ہے کہ عالم سے عالم کو بھی اس کی پسندیدگی سے
 چارہ نہیں اسلامی حکمائے متاثرین اس کی جو قدر فرمائیں بجا ہے اس حمد کو دیکھ کر دل
 کو صاف اس امر کا اعتراف ہوتا ہے کہ سچا شاعر صاحب لہام ہوتا ہے واقعی یہ
 حمد ایسی ہے کہ عبادت کا پورا حکم کھتی ہے اور دو دو تلیفہ کے کام کی ہے کون شخص
 مقدرات باری ایسا ہے جو اس کو پڑھ کر روحانی لطف نہیں اٹھا سکتا ہے کون مذہبی آدمی
 ایسا ہے جو اس حمد کو پڑھ کر ولولہ شوق کبرائی میں مبتلا نہیں ہو سکتا ہے اس حمد کا کوئی شعر
 ایسا نہیں ہے جو منتخب نہ ہو وقت انتخاب قوت انتخاب جواب دینے لگتی ہے نہیں معلوم
 ہوتا کہ کس شعر کو انتخاب کیجئے اور کس کو ترک کیجئے سلسلہ سخن ایسا خوب ہے کہ اس کی دوسری طبیعت
 گوارا نہیں کرتی ناچار چن شعر بلا قصد انتخاب بل میں عرض کئے جاتے ہیں :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

کروں پہلے توحید یزدان رقم
 قلم پھر شہادت کی انگلی بٹھا
 بھوکا جس کے سچے سے کو اول قلم
 ہوا حرف زن یوں کہ رب اللہ
 تری ذات ہے وحدہ لا شریک
 نہیں تیرا کوئی نہ ہو گا شریک

پرستش کے قابل ہے تو لے کریم
 رہ حسد میں تیری عزوجل
 وہ لہی کہ ایسا ہی مجھو دہے
 سجدوں کلا ہی دین و ایمان ہے
 یہ ظاہر ہیں ہر چند ظاہر نہیں
 نہیں اس سے خالی غرض کوئی شے
 نہ گوہر میں ہے وہ نہ ہے سنگ میں
 ذیل میں کچھ اشعارِ نعت عرض کئے جاتے ہیں مہجرت سے نعت لپی لکھی ہے کہ قوتِ انتحاب کو اس میں
 دخل نہیں ہے :

نبی کون یسینی رسول کریم
 ہوا گو کہ ظاہر میں امی لقب
 بغیر از لکھے اور کئے بے تم
 ہوا علم دین اس کا جو آشکار
 اٹھا کفر اسلام ظاہر کیا
 محمد کے مانند جگ میں نہیں
 یہ تھی رمز جو اس کے سایا نہ تھا
 نبوت کے دریا کا دریا یتیم
 یہ علم لدنی کھلا دل پر سب
 چلے حکم پر اس کے لوح و قلم
 گذشتہ ہوئے حکمِ تھویم یاد
 بتوں کو خدائی سے پاس کیا
 ہوا ہے نہ ایسا نہ ہوگا کہیں
 کہ رنگ دوئی والی تنگ باد تھا

اس کے بعد مہجرت سے لے کر ہونے کی اور وہیں بھی لکھتے ہیں سبحان اللہ کیا تولا رکلائی ہے
 اس شوقِ بقید اشعار کو ان کی منظومی میں ملاحظہ فرمائیں حمد و نعت کے بعد منقبت مہجرت میں
 علیہ السلام کے اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :-

نہیں برسر اس کا کوئی جز علیؑ
 ہوئی جو نبوت نبی پر تمام
 جہاں فیض سے اس کے ہے کامیاب
 علیؑ دین و دنیا کا سردار ہے
 دیارِ امانت کے گلشن کا گل
 علیؑ راز دارِ خدا و نبیؐ
 علیؑ بندہ خاص درگاہِ حق
 علیؑ ولی ابنِ عبدِ رسول
 کے یوں جو چاہے کوئی پیر سے
 خدا نفس پیغمبرش خواندہ است
 یہاں بات کی اب سہائی نہیں
 نبیؐ و علیؑ ہر دو نسبت ہم
 علیؑ کا عدد دوزخی دوزخی
 نبیؐ و علیؑ فاطمہؑ اور حسنؑ
 ہوئی ان پر جگہ کی خوبی تمام
 علیؑ سے لگتا یہ مہدی دین
 انھوں سے ہے قائمِ امانت کا گھر
 صغیرہ کبیرہ سے یہ پاک ہیں
 ہوا یاں سے ظاہر کمالِ رسولؐ

کہ بھائی کا بھائی وصی کا وصی
 ہوئی نعمت اس کی بھی پر تمام
 نبیؐ آفتابِ علیؑ ماہتاب
 کہ مختار کے گھر کا مختار ہے
 بہارِ ولایت کا باغِ سبیل
 خبر دارِ سرِ شخصی و ضعی
 علیؑ سا لک و رہبرِ راہِ حق
 لقبِ شاہِ مردانِ زوجِ بتولؑ
 یہ نسبت علیؑ کو نہیں غیر سے
 دگر افضلیت کجا ماندہ است
 نبیؐ و علیؑ میں جس دالی نہیں
 دو تاؤ کیے چوں زبانِ قلم
 علیؑ کا محاسبِ جنتی جنتی
 حسین ابنِ حیدر یہ ہیں بیچین
 انھوں پر درود اور نھوں پر سلام
 یہ ہیں ایک نورِ خدا سے برین
 کہ بارہ ستوں ہیں یہ آٹھ عشر
 حسابِ عمل سے یہ بیباک ہیں
 کہ بہتر ہوئی سب سے الٰہیوںؑ

واضح ہو کہ اشعار بالا کس قدر مبالغہ سے پاک ہیں دوستانہ خاندان محمد صلعم کا جیسا عقیدہ
 ہونا چاہئے اس سے کوئی شعر ایک حرف برابر بھی کم و بیش نہیں ہے سبحان اللہ کیا شاعری
 ہے کہ مبالغہ سے تمام تر پاک ہے درحقیقت میر حسن کی حمد و نعت و منقبت میں مبالغہ کی
 جھلک بھی نظر نہیں آتی ہے اس کے ساتھ شاعری کا جلوہ وہی ہے جیسا کہ ہونا چاہئے اس
 سے معلوم ہوا کہ سچی شاعری مطلق مبالغہ برداری کی محتاج نہیں ہے ۔
 میر حسن کے صحابہ پاک رضوان اللہ علیہم کی تہنیت بھی ایسی لکھی ہے کہ کیا کہنا اس سے
 زیادہ کیا سچی تہنیت ہو سکتی ہے آپ فرماتے ہیں :-

سلام ان پر جو اس کے صحابہ ہیں	وہ صحابہ کیسے کہ احباب ہیں
خدا نے جنوں کو کیا مومنین	وہ ہیں زینت آسمان و زمین
خدا ان سے راضی رسول ان سے خوش	علی ان سے رضی بتول ان سے خوش
ہوئی فرض ان کی ہمیں دوستی	کہ ہیں دل سے وہ جان نثار نبیؐ

مناجات کے اشعار در دیکھنے کے قابل ہیں اس سے بہتر مناجات بدگاہہ قاضی الحاجات
 کیا ہو سکتی ہے ایسا معلوم ہونا ہے کہ میر حسن جس نے کہ لکھتے ہیں اس کے مغز کو پہنچ
 جاتے ہیں پوست و استخوان و لغو و حسرت سے تمام تر کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں ۔

اشعار مناجات

الہی بحق رسول امیں	بحق علی و باصحاب دیں
بحق بتول و یہ آل رسول	کرد عرض جو ہیں سو ہوسے قبول
الہی میں بندہ گنہگار ہوں	گناہوں میں اپنے گرانبار ہوں
مجھے بخشو میرے پروردگار	کہ تو ہے کریم اور آمرزگار

مری عرض ہے یہ کہ جب تک جیوں
 سوا تیری لذت کے اور سب پر بیچ
 جو غم ہو تو ہو آل حسد کا غم
 ہے سب طرف سے مرے دل کو چین
 کسی سے نہ کرنی پڑے التجا
 صحیح اور سالم سدا مجھ کو رکھ
 مری آل و اولاد کو شاد رکھ
 میں کھاتا ہوں جس کا نمک لے کر
 جیوں آبرو اور حرمت کے ساتھ
 بر آویں مے دین و دنیا کے کام
 بحق محمد علیہ السلام

واضح ہو کہ اس مناجات میں میر حسن نے اپنے اہل کوفہ فراموش نہیں کیا جھنوں خداوند وہاں بھی
 ادا ہے حق نمک میں پہلو تہی جائزہ بھی اس انداز کلام سے کہیں قدر اخلاقی تعلیم شمع ہے پاس نمک
 کیا عظیم شے ہے آدمی کو ناسپاس نہیں ہونا چاہیے ناسپاس سخن خدا اور بدخواہ نبی آدم ہوتا ہے
 اسی لئے اسلام شکر گزاری کا ماکہ ہے *

حمد و نعت و توقیت و تعریف صحابہ مناجات کے بعد میر حسن سخن کی تعریف زیب تم
 فرماتے ہیں، بلا قصد انتحاب و شعرا ان کی تعریف سخن سے نزل میں عرض کئے جاتے ہیں *

سخن کا سدا گرم بازار ہے سخن سنج اس کا خریدار ہے
 ہے جب تک داستان سخن المی رہیں تدر وان سخن

اس کے بعد حضرت مصنف شاہ عالم بادشاہ کی مدح صرف چار شعروں میں ختم کر کے نواب

آصف الدولہ کی مدح میں بہت اشعار جو القلم فرمائے ہیں مگر اس مختصر مدح میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ شہ عالم اور آصف الدولہ کے فرق مراتب کو دکھلا دیتے ہیں

وہ مہر منور یہ ماہِ منیر اور اس کا یہ نجم سعادتِ زبیر

آصف الدولہ کی مدح لیبی جیسے کہ الیث یاتی شعرا لکھا کرتے ہیں مگر دو مقام اس میں قابلِ محاذ ہیں ایک یہ کہ ممدوح کی سخاوت کے بیان میں میر حسن یوں لکھتے ہیں۔

سوا اس کے ہے اور یہ داستان کہ تجھس پہ قربانِ حاتم کی جان

ہوئی کم جو اک بار کچھ بر شگال گرائی سی ہوئے لگی ایک سال

غریبوں کا دم سا نکلنے لگا تو کل کا بھی پانوں چلنے لگا

وزیر الممالک نے تدبیر کر خدا کی دیا راہ میں مال و زر

مستندہ محلہ کیا حکم یہ کہ باڑھی سے اس غم کے کھری گہ

یہ چاہا کہ خلقت کسی ڈھب جیئے کئی لاکھ لاکھ ایک دن میں ڈیئے

یہ لغزشِ پٹری ملک میں جو تمام لیا ہاتھ لے اس کے گرتوں کو تھام

ان اشعار کی حکمت آموزی میں کیا گفتگو ہو سکتی ہے اس کی تمدنی خوبیاں محتاج بیان نہیں ہیں اس صدی

کے شاکستہ حکمران بھی اگر کریں گے تو اتنا ہی کریں گے ہوشیار سے ہوشیار گو فرزند اس سے زیادہ

کچھ نہیں کر سکتے ہے سخاوت کی تعریف میں مگر کسی شاعر نے ایسا بکا اور مضمون جو القلم کیا ہے سرا

مقام قابلِ محاذ یہ ہے کہ سخاوت کے بیان میں حضرت مصنف ممدوح کے مذاقِ تشکار کا ذکر

فرماتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مذاقِ تشکار بڑی سپاہی مزاجی سے خبر دیتا ہے افسوس ہے کہ ہم

مسلمانانِ ہند خاص کر مسلمانانِ ہمارے اس کا مذاقِ باطل جاتا رہا ہے۔ اگر یہ مذاقِ ہمارے

ہم وطنوں کو باقی رہتا تو یہاں کے فوجوالوں کو ایسی محفلِ چیزوں کی طرف میلان نہ ہوتا۔ جن سے

قوی غارت ہو جاتے ہیں خیالات پست ہو جاتے ہیں چستی اور چالاکی جاتی بہتی ہے اور ہر طرح
کی کاہلیاں لاحق ہو جانے سے نہ دنیا اور دین کے رہتے ہیں اللهم حفظنا من شر درالفساد
سینات اعمالنا ورحمنا با الرحم الرحیم ۴

مدح نواب کے بعد میر حسین نبی شہزی کو عجز و انکسار کے ساتھ پیشکش مدح فرماتے ہیں اور عذر
تقصیر ایک خوش اسلوب پیرایہ شاعری میں بجالاتے ہیں مصنف کا عجز و انکسار و عذر سب
کا سب فطری مسامت سے معذور ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت مصنف ایک بڑے
نیچرل شاعر تھے جیسا کہ ائذہ طاہر ہوتا جائے گا۔

ابراقم اس شہزی کی ہر داستان پر علمیہ و علمیہ ریویو تحریر کرتا ہے حضرات ناظرین
بانگین سے امید توجہ فرمائی ہے۔

آغازِ داستان

اس شہزی کا قصہ اس طرح شروع ہوتا ہے کہ کسی شہر میں کوئی شہنشاہ تھا جس کے
ماتحت کئی خراج گزار بادشاہ تھے اس کا ملک نہایت آباد تھا اور اس کی رعایا نہایت مرفہ
حال تھی اسے اولاد کی کمی تھی اس غم سے وہ ایسا شکستہ ہو رہا تھا کہ آخر اس نے
سلطنت چھوڑ کر فقیری اختیار کرنے کا قصد کیا فیروز نے بہت سمجھایا اور یوں عرض کی کہ
فقیری جو کیجیے تو دنیا کے ساتھ نہیں خوب جانا اور خالی ہاتھ
پھر اولاد کے غم کو دور کرنے کی نظر سے اس طرح عرض پر راز ہوئے

مگر ہاں یہ اولاد کا ہے جو غم
عجیب کیا کہ ہوئے تمہارے خلع
کہ فرماں میں آیا ہے لا تقصوا
سو اس کا تر دو بھی کرتے ہیں ہم
کہو تم نہ اوقات اپنی تلف
کہ فرماں میں آیا ہے لا تقصوا

بلا تے ہیں ہم اہل تنجسیم کو نصیبوں کو اپنے ذرا دیکھ لو
 ہر طرح بادشاہ کو تسلیم ہے کہ وزیر اہل نجومی رمال اور برہمن بلائے ان سبھوں نے اپنے اپنے
 علم کی رو سے بادشاہ کو اولاد کی خوشخبری دی ان طالع تناسلوں میں سے برہمن نے لگدازش کی

مقدر سے چاہئے ہو پسر
 لیکن مقدر ہے کچھ اور بھی
 یہ لڑکا تو ہوگا وے کیا کہیں
 نہ اے یہ خورشید بالائے یام
 نہ نکلے یہ بارہ برس تک مر
 کہ دیتی ہے یوں اپنی پوختی خبر
 کہ ہر لڑکے بھلے میں بڑے طور بھی
 خطر ہے اسے بارھویں سال میں
 بلندی سے خطر ہے اس کو تمام
 ہے برج میں یہ مر چارہ

بادشاہ نے یہ کیفیت دریافت کر کے نہایت فطری انداز سے پوچھا کہ اس کی جان کا خطرہ تو
 نہیں ہے تیسرے برہمن نے

کہا جان کی سب طرح خیر ہے
 مگر دولت غربت کی کچھ سیر ہے

اس کے سنتے سے

ہوئی کچھ خوشی شہ کو اور کچھ الم
 کہ دنیا میں تو ام ہیں شادی و غم
 بن سب گفتگو کے بعد اہل تنجیم رخصت ہوئے، بادشاہ نے بڑے اعتقاد کے ساتھ خدا
 سے اولاد کی دعا مانگنی شروع کی جو دعا دل سے کی جاتی ہے وہ قبول بھی ہوتی ہے چنانچہ
 ایسا ہی ہوا کہ خدا نے بادشاہ کو ایک صاحب جمال جیسا جاگتا بدیا مرحمت فرمایا اس انسان کا
 خلاصہ ایسی قدر ہے مگر مہجن نے طول البسط کے ساتھ مضامین بالا کو مفہوم کیا ہے، لیکن
 بندش مضامین میں تناسب کلام کا بڑا لحاظ رکھا ہے اس داستان کے پڑھنے سے یہ معلوم
 ہوتا ہے کہ ان کے تمام مضامین ایک ایشیائی بلکہ ایک ہندوستانی سلوان بادشاہ کے معاملات

ذاتی سے تعلق رکھتے ہیں لادلی کے غم میں ترک سلطنت کا خیال کتر کسی یورپین بادشاہ
 دماغ میں جگہ کر سکتا ہے اس کے علاوہ وزیر کا اہل تہجہ کو بلانا اور ان سے طالع بادشاہ
 کی کیفیت کو دریافت کرنا بھی ہندوستانی ریاستوں کے معمولات سے خبر دیتا ہے واضح ہو کہ
 شانان دہلی اور دیگر فرماں روا یان ہندوستان کے درباروں سے ہمیشہ اہل تہجیم متعلق تھے
 اور اکثر امور اہم مخفی طالع شناسوں کی مدایتوں کے مطابق تعمیل پاتے تھے، اسلام کی رو
 سے علم نجوم درل وغیرہ لاشعے متفقہ ہیں بلکن پر کسی قسم کا اعتقاد رکھنا ممنوعات سے
 ہے مگر چونکہ یہ سب علوم کہ درحقیقت علم کا حکم نہیں رکھتے ہیں ایک صدہ دراز سے شانان ہندو
 کے زمانہ میں مروج تھے، اسلامی بادشاہوں نے بھی انہیں جاری رہنے دیا، یہاں میر حسن
 نجومیوں کی طالع شناسی کے حالات کو لکھ کر بادشاہ کے اسلامی عقیدہ کی طرف ذرا رجوع
 کرتے ہیں اگر کسی ہندو بادشاہ کا معاملہ بیان کرتے تو زمین کی پوتھی کے خلاف میں یہ نہ کہتے
 کہانہ نہ ہے اس پر نہیں اعت یار جو چاہے کرے میرا پروردگار
 سبحان اللہ حضرت مصنف چونکہ عرش شاعر واقعہ نگار ہیں ہر قدم پر تیز اسب کلام کو کس قدر ملحوظ
 رکھتے ہیں اس طرح حضرت کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کی چند بیبیاں تھیں
 ان میں سے ایک حاطہ سوئیں یہ کثرت ازدواج برائے سعود ایک ایٹنیالی کی معاملہ سے خبر دیتی ہے
 اٹلخص اس داستان میں میر حسن نے ایک حسب مراد ایٹنیالی بادشاہ کی پوری تصویر کھینچی ہے
 اجزائے داستان پر ازنا سب ہیں اور حضرت مصنف کی بڑی قابلیت شاعری سے خبر دیتے
 ہیں وہ چند داستان جس میں نجومی رمال اور زمین کے معاملات حوالہ قلم ہیں بہت قابل لحاظ
 ہے یہ ایک پورا ناول ہندوستان کے مختلف طالع شناسوں کا ہے اس سے معلوم
 ہوتا ہے کہ حضرت مصنف کو ایسے فن والوں کے حالات سے کافی اطلاع تھی +

داستان تولد ہونے شاہزادہ بے نظیر کی

اس داستان میں بادشاہ کے بیٹا ہونے کا بیان ہوا ہے ایسی خوشی کی تقریب میں ہندوستانی سلاطین کے محلوں میں کیونکہ خوشی رچائی جاتی ہے اس کی پوری تصویر حسین نے کھینچی ہے ساتی نامہ کے رنگ کے دو شعر لکھ کر حضرت مصنف لکھتے ہیں کہ جب تو مینھے گزے تو ایک فرزند صاحب جمال پیدا ہوا۔ خواصوں در خواجہ سراؤں نے بھنوا بادشاہ حاضر ہو کر نذیر گز رہا اور وارث تاج و تخت پیدا ہونے کی مبارک بادیں دیں جب بادشاہ کو یہ مشرہ پہنچا، بادشاہ نے جانماز بچھا کر بہت کچھ سچا سچا کھا لیا اور یہ کہا کہ بھجے فضل کہتے نہیں لگتی بار نہ ہو تجھ سے یابوس امیر وار

اس کے بعد خواصوں در خواجوں کی نذیر قبول فرما کر انھیں خلعت و زربخشا، بیدازاں حشر کا حکم دیا ہر طرح کے ارباب، نشاط حاضر ہوتے گئے اس جگہ حضرت مصنف تفصیل وار ہر قسم کے باجوں کا ذکر کرتے ہیں اور معاملات مسیقی سے پوری اطلاع دکھاتے ہیں کوئی سامان طرف نشاط اٹھائیں لکھا ہے پھر خوشی کی تقریبوں میں جو سلاطین انعامات تقسیم کرتے ہیں اس کا مشرح بیان بڑی اسلوبی سے جو الفیلم کیا ہے آپ فرماتے ہیں :-

میٹے شاہ تے شاہزادے کے مالوں	مشائخ کو اور پیر زادوں کو گانوں
امیروں کو جاگیر لشکر کو زر	وزیروں کو الماس و لعل و گہر
خواصوں کو خوبوں کو جوڑے میٹے	پیاڑے جو تھے ان کو گھوڑے میٹے
خوشی میں کیا یاں تنک زر نثار	جسے ایک دینا تھا سچے ہزار

المختصر اس داستان میں یہ خوشی کی تقریب ایسی قابلیت کے ساتھ جو الفیلم ہوئی ہے کہ کیا کہنا واقعہ لطف بیان سے حضرت مصنف نے اس خوشی کا ایک نادر نوٹ لکھینچا ہے کمال

شاعری یہ ہے کہ سائے بیانات مصوری کا حکم رکھتے ہیں واقعی میرسن کی فطرت نگاری
 بڑے غضب کی ہے ایسی تقریبوں میں جو راگ رنگ اور دھوم دھام کی کیفیتیں ہندستان
 میں ہو کرتی ہیں سبحان اللہ کس نوالجوتی کے ساتھ پیرایہ نظم میں درائی ہیں کہ ان کے
 پڑھنے سے غیر ملک کے آدمی کو ہر قسم کے رواج ملکی سے بڑی صحت کے ساتھ اطلاع
 پیدا ہو جاسکتی ہے یہی کیفیت الف لیلہ کی بھی ہے کہ ملک شام و مصر وغیرہ کے رسم رواج
 اس میں بڑی عمدگی کے ساتھ ذکر پائے ہیں۔ پیدائش مولود کی کیفیت لکھ کر میرسن اس کی
 چھٹی کا ذکر کرتے ہیں پھر اس کے دودھ بڑھانے کا حال رقم کرتے ہیں پھر جب اس نے
 اور زیادہ سن پایا، تب اس کے واسطے جو ایک باغ اس کے باپ نے تیار کیا اس کا بیان
 بڑی قابلیت شاعرانہ کے ساتھ داستان ذیل میں جو آگے قلم فرماتے ہیں سبحان اللہ کیا حسن
 کلام اور تناسب بیان ہے :

داستان تیار کی باغ کے بیان میں

حضرت مصنف اس داستان میں باغ و مکان کی ایسی تصویر کھینچتے ہیں جس سے
 ایشیائی مذاق باغ و مکان کی پوری کیفیت نمایاں ہوتی ہے۔ ایشیائی سلاطین و امراء
 کے باغات و مکانات ایسے ہی ہوتے ہیں اب القبتہ ہندوستان میں ترقیب باغات و
 مکانات میں یورپین مذاق کو بڑا دخل ہو گیا ہے ورنہ پہلے عہد کے باغات و مکانات
 ایسی ڈھب سے آراستہ کئے جاتے تھے جس طرح پر اس نثر میں زیر یہ قلم ہوئے ہیں
 یہ بیانات میرسن کی بڑی قوت شاعری سے خبر دیتے ہیں واقعی خارجی شاعری میں اس
 شاعر گرامی کو بڑی قوت حاصل تھی یہ وہ قوت ہے کہ میر صاحب اور مومن خان کو فطرت
 نے نہیں بخشی تھی جیسا کہ ان شاعران نامی کی نثروں میں سے ہو دیا ہے۔ جاننا چاہتے

کہ شہزادی نگاری کے لئے خارجی شاعری بھی بڑی قوت کا حامل رہنا و اجبات سے ہے
 قوت کی عدم موجودگی سے شہزادی نگاری کے پورے حقوق ادا نہیں ہو سکتے، حضرات ناظرین
 ملاحظہ فرمائیں کہ اشعار ذیل میں حضرت مصنف نے کس قدر اپنی اس قوت کا اظہار فرمایا
 ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایشیائی سلطان یا امیر کا مکان اور باغ پیش نظر ہو رہا ہے
 دیباچہ نے ترتیباً کائناتہ باغ
 عمارت کی خوبیوں کی وہ شان
 پھینیل اور پرہے بندھے زرنگار
 کوئی ڈور سے در پہ اٹکا ہوا
 وہ مقیش کی ڈوریاں سر بسر
 چتوں کا تاشا تھا آنکھوں کا جال
 سنری مفرق پھیتیں ساریاں
 ٹیٹے ہر طرف آسنے جو لگا
 وہ تحمل کا فرش اس کا ستھرا کس
 رہیں نکلنے اس میں روشن مدام
 چھوٹے مرصع وہ دالان میں
 زمیں پر پختی ہن طور میں کی جھمک
 زمیں کا گرد اس کی کیا میں بیاباں
 نبی سنگ مرمر کی چوڑی کی تھر
 قرینے سے گرد اس کے سرو ہی

ہزار شک سے جس کے لالہ کو داغ
 لگے جس میں زلفقت کے سائبان
 دروں پر کھڑی دست بستہ بہار
 کوئی زہ بہ خوبی سے لڑکا ہوا
 کہ مرہ کا بندھا جس میں تار نظر
 نگر کو وہاں سے گذر نامحال
 وہ دیوار اور در کی گنگاریاں
 گیا چونکہ لطف اس میں سما
 بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس
 معطر شب و روز جس سے شام
 چمکتا دکھتا تھا ہر آن میں
 ستاروں کی جیسے نکلتے چمک
 کہ حندل کا اک پا چھ تھا عیاباں
 گئی چار سواں کے پانی کی نہر
 ذرا دور دور اس سے سبب ہی

کھول کیا میں کیفیت دار بست
 ہمائے بہادی سے کچھ لعلے
 زہر کے مانند سبزے کا رنگ
 دوش کی صفائی پہ بے اختیار
 چمن سے بھرا باغ گل سے چمن
 چینی کہیں اور کہیں مویا
 کھڑے شاخ شہو کے ہر جانشاں
 کہیں ارغواں اور کہیں لالہ زار
 کہیں جعفری اور گیسند کہیں
 عجب چاندنی میں گول کی بہا
 کھڑے سرو کی طرح چنپا کے جھاڑ
 کہیں زرد نسریں کہیں نترن
 پڑا آب ہر طرف کو بے
 گول کا لب نہر پر جھومنا
 وہ جھک جھک کے گزنا خیابان پر
 ایسے اجتہ میں بیچھے ! نہیں
 کہیں تخم پاشی کریں گود کر
 کھڑے شاخ در شاخ ہا ہر نہال
 لب نو بہ آئینہ میں دیکھتے قد

لگائے ہیں ناک ان سے پرست
 چمن سا سے تادا اب ڈڈ ہے
 دوش پر جو ابر لگا جیسے سنگ
 گل اشرفی نے کیا زہر نثار
 کہیں نرگس و گل کہیں سہن
 کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا
 مدن بان کی اور ہی ان بان
 جدی اپنے موسم میں سب کی بہا
 سمان بٹب کو داؤ دیوں کا کہیں
 ہر اک گل سفیدی سے متاب وار
 کہے تو کہ خوشبو نیوں کے پہاڑ
 عجب رنگ کے زعفرانی چمن
 کریں قمریاں سرو پر چھچھے
 اسی اپنے عالم میں منہ چومنا
 نئے کا سا عالم گلستان پر
 چمن کو لگیں دیکھنے بھالنے
 پیسیری جھاویں کہیں کھو کر
 وہیں ہاتھ جوں مست گردن میں ڈال
 اگر نا کھڑے سرو کا جہ نہ تہ

خراں صبا صحن میں چار سو
 کھڑے نہر پر نواز اور قرقر سے
 صد قرقروں کی لہلوں کا وہ شور
 چین آتش گل سے دہکا ہوا
 صبا جو گئی ڈھیراں کر کے بھول
 وہ کیہوں کی اور مونسوں کی چھال
 خوشی سے گلوں پر سدا بلبلیں
 دختوں نے برگوں کے کھولے ورق
 سماں قمریاں دیکھ اس ان کا
 داغوں کو دیتی ہر اک گل کی بو
 لیے ساتھ مرغا بیوں کے پے
 دختوں پہ بگئے منڈیروں پہ سود
 ہوا کے سبب باغ ہمکا ہوا
 پڑے ہر طرف مونسوں کے پھول
 لگی جائیں انکھیں لٹھیں کا انوں
 تعشق کی آہیں میں باتیں کریں
 کہ لیں طوطیاں بو سنال کا سبق
 پڑھیں باغ بچم گلستان کا

بیان تک باغ و مکان کا حال بیان کر کے میجرن دو ادائیاں متلانیان خواص وغیرہ کا ذکر
 جو اس باغ میں خدمت بے نظیر کے واسطے مقرر تھیں کرتے ہیں یہ بیان بھی تمام تر
 ایشیائی سلاطین امراء کے مملوں کی تصویر ہے اس کے بعد بے نظیر کی تعلیم و تربیت کا
 تذکرہ ہے یہ بھی ایک ایشیائی شاہزادے یا امیرزادے کے طریقہ تعلیم کی تصویر ہے شاہان
 اسلام کے وقت میں جو اہل ثروت کی تعلیم کا طہ تھا اس کا پورا اظہار حضرت مصنف نے
 کی ہے اسے یہ بیان بھی غالی از نفع نہیں ہے میر حسن مختلف علوم و فنون کا ذکر کر کے بے نظیر
 کے نتیجہ اخلاقی تعلیم کے معنیوں کو بھی نہیں فراموش کرتے ہیں جیسا کہ فرماتے ہیں۔

سوا ان کمالوں کے کتنے کمال
 رذائل نفروں سے نفرت اُسے
 مروت کی خواہد میت کی چال
 سدا قابول سے ہی صحبت اُسے
 ہر اک فن میں سچ محج تھا اُسے بے نظیر
 گیا نام پر اپنے وہ دلپذیر

داستان سواہی کی تیاری کے حکم میں

اس داستان میں بادشاہ کا یہ حکم صادر فرمانا مذکور ہے کہ کل شاہزادہ سیر باغ کو جائے
 گاہ اس سیر سے مطالب بادشاہ کا یہ تھا کہ شاہزادہ جب شہر موگر گزے گا تو شہر کی رعایا کو وارث
 تاج و تخت کے دیکھنے کا موقع ملے گا اس کی پولیٹیکل مصلحت محتاج بیان نہیں ہے
 بادشاہ کو سیر کی اجازت دینے کی یہ وجہ ہوئی کہ جو روز شاہزادہ سیر کو نکلنے کو تھا وہ شاہزادہ
 کی عمر کے بارہویں سال آخر دن کے بعد کا قیاس کیا گیا تھا یعنی اہل تنجیم کے قول کے
 مطابق وہ دن قرار دیا گیا تھا جس کے ایک دن پہلے خطرہ کی گرہ کٹ جا چکی تھی مگر
 آئندہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کے حساب سے غلطی سرزد ہوئی تھی جس سے
 نتیجہ بدتر متبہ اور اہل تنجیم کا قول راست آیا واضح ہو کہ اہل تنجیم کو سہ فرام میں دخل رہا
 ہے البتہ اس وقت کی علم پر دور میں نجومیوں کے اقوال پر نہ کچھ اعتبار رکھتی ہیں اور نہ ان کے
 فن کو وقت کی نگاہ سے لیتے ہیں بلکہ فرام دنیا میں سب سے پہلے اہل اسلام نے نجومیوں کو چھوڑا
 سمجھا اور اس رو سے کہ ان کے پیشوا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلمذ فرمائی
 اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ فن تنجیم کو جسے اہل ہند جوتش کہتے ہیں علم ہندیت کا رتبہ
 حاصل نہیں ہے۔ بعد اسلام کے پہلے غنئی بت پرست قومیں تھیں اہل تنجیم کو قابل اعتبار جانتی
 تھیں اور اس وقت کی بت پرست قومیں بھی انھیں ہی عظمت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں اس
 میں شک نہیں کہ کبھی کبھی اہل تنجیم کا قول صادق بھی آجاتا ہے مگر ان کے اقوال ہرگز اس
 قابل نہیں ہوتے کہ ان پر پیشہ نگاہ کیا جائے جس طرح اس کہانی میں جین اہل تنجیم کے
 قول کا صادق آنا لکھتے ہیں اسی طرح جو لیس سول یعنی روم کے قیدصر اول کی
 حکایت مندرج کہ کتب تاریخ دیکھی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ قیدصر مذکور سے ایک

منجم نے کہا تھا کہ ماہِ سج کی پندرھویں تاریخ سے ہوشیار رہنا، جب وہ تاریخ اسی قبصر
کی اس منجم سے راہ میں ملاقات ہوئی۔ قبصر نے منجم سے کہا کہ کو آج پندرھویں تاریخ
ماہِ سج کی ہے۔ منجم نے کہا ماں وہ تاریخ آئی ہے مگر ابھی تک گز نہیں گئی ہے، اس
سے تھوڑی سی دیر کے بعد قبصر مار گیا اور منجم کا قول راست نکلا بھل اس داستان
میں میر حسن نے سانی نامہ کے اشعار ذیل خوب لکھے ہیں :

پلاسا قیام مجھ کو ایک جامِ مَل	جوانی پہ آیا ہے ایامِ گل
غینمت شمرِ صحبتِ دوستان	کہ گلِ بیخِ روزِ دستِ بوستان
شمرے بھلائی کا گر ہو سکے	نشانی سے بولے جو کچھ بول سکے
کہ رنگِ چمن پر نہیں اعتبار	یہاں چرخ میں ہے خزانِ بہار

داستانِ حمام میں نہانے کی لطافت میں

اس داستان کا خلاصہ یہ ہے کہ جب صبح ہوئی تو بادشاہ نے بیٹے سے فرمایا کہ
یا بادشاہ دھوکہ میرے لئے تیار ہو۔ جب حکم شاہ بے نظیر حمام میں گیا اس کے بعد شاہی سواری
بڑی تیاری سے نکلی جو بے سیر سے پھر کر بے نظیر واپس آیا تو اس نے شہب ماہ میں کوٹھے
پر آرام کرنے کی خواہش ظاہر کی بادشاہ نے اجازت دی مگر وہ راتِ عرصہ دوازہ سال
کے اندر پڑتی تھی لیکن حساب کی غلطی کے باعث اس کی خبر بادشاہ کو نہ تھی جب بے نظیر
نے کوٹھے پر آرام کیا، ہونے والی بات جہ ہونے کو تھا ظہور میں آیا پھر اچوکی سے کوئی
کام نہ نکلا۔ من المکتوب لا مفرد ولا مرہب *

یوں تو میر حسن کا کوئی شعر لطفِ شاعری سے خالی نہیں ہوتا مگر اس داستان

کے دو جزو اس جگہ قابل داد ہیں اول بے نظیر کا حمام میں غسل کرنا، دوم سواری کی تیاری یہ دونوں جزو خارجی شاعری کے پڑے کمال سے خبر دیتے ہیں آفرین صد آفرین حقیقت یہ ہے کہ جب تک خارجی شاعری پر اتنی قدرت نہ ہو شاعر کو شہنوی نگاری کا قصد نہیں کرتا چاہئے واقعی میر حسن ہمسائے ہندوستان کے شکستہ ہیں جو خارجی اور داخلی دونوں شاعروں پر یکساں قدرت رکھتے ہیں اگر اردو میں ڈراما نگاری ہوتی تو ہندوستان میں میر حسن ہی کا لیدر اس کے ہم پلہ اس صنف شاعری کے اعتبار سے نکلتے، بہر حال اب حضرات ناظرین پہلے کیفیت حمام کے بیان پر توجہ فرمائیں، حضرت مصنف فرماتے ہیں :-

عرق آگیا اُس کے اندام میں	ہوا جب کہ داخل وہ حمام میں
کہ جس طرح ڈوبے بے تنم میں گل	تن ناز نہیں نم ہوا اُس کا گل
مرد و مر سے طاس لے کر وہاں	پر سنار باندھے ہوئے لنگیاں
ہوا ڈٹا ڈٹا آب سے وہ چمن	لگے ٹٹنے اُس گھبڈن کا بدن
برسنے میں بجلی کی جیسے چمک	نہانے میں یوں تھی بدن کی دمک
نظر آئے جیسے دو گلبرگ تر	لبوں پر جو پانی پڑا سرسیر
کسے تو پڑی جیسے نوگس پادس	ہوا قطرہ آب یوں چہنم لوس
چلکنے لگا اس سے انداز حسن	لگا ہونے سے طاہر یا عجاز حسن
پڑا آب میں عکس ماہِ منیر	گیا حوض میں جب شہ بے نظیر
کسے تو کہ ساون کی شام و سحر	وہ گواہ بدن اور بال اُس کے تر
نہ دیکھی کوئی خوبی اُس سے شرب	نہی سے تھا بالوں کا عالم عجب
کہ جو ان جھگتی جائے صحبت میں رات	کہوں اس کی خوبی کی کیا تجھ سے آت

زمیں پر نفاک موجد نور خیز
 زمرد کے لئے ماتھے میں سنگ پا
 ہنسا کھل کھلا وہ گل نو بہار
 عجب عالم اس ناز نہیں کا ہوا
 ہنسا اس اداسے کہ سب تنہا پڑے
 دعائیں لگے دینے بے اعتبار
 کہ تیری خوشی سے ہے سب کی خوشی
 نہ آوے کبھی تیری خاطر یہ میل
 کیا عمل جو ایس لطفات کے ساتھ
 ہنسا دعو کے نگلا وہ گل اس طرح
 ہوا جب وہ فوارہ ساں آب بہیز
 کیا خادموں نے وہ آہنگ پا
 بیا کھینچ پاؤں کو بے اختیار
 اثر گدگدی کا جس میں پر ہوا
 ہوئے جی سے قربان چھوٹے بڑے
 کسا خوش کھے تجھ کو پروردگار
 مبارک تجھے زرد و شب کی خوشی
 چمکتا رہے یہ فلک کا سمیل
 اڑھا کھیس لائے اسے ماتھوں ماتھ
 کہ بدلی سے نکلے ہے مجس طرح

اہل انصاف جو کچھ اس فطری شاعری کی داد دیں بجا ہے بعد عمل کرنے کے بینظیر
 نے جو پوشاک سپنی اور جس طرح زیویات سے آراستہ کیا گیا اس کا بیان بھی ایک ایشیائی
 شاہزادہ کے تاملتہ حوالہ ہے خوف طوالت سے راقم حضرت مصنف کے ان اشعار
 کو یہاں درج نہیں کرتا ہے دوسرا فلو جو حضرات ناظرین کے قابل توجہ ہے یہ ہے
 کہ میرسن بڑی خوبی کے ساتھ بادشاہ اور بادشاہزادے کی سواری کی تیاری اور روانگی
 کو بیان فرماتے ہیں۔ یہ بیان ایسا ہے جس میں جس بھر بھی مبالغہ یا جھوٹ کو لگاؤ نہیں
 ہے لاریب میرسن کے بیانات رسم و رواج ملکی سے نہایت صحت کے ساتھ خبر
 دیتے ہیں جس داستان میں دیکھیے کچھ نہ کچھ ملکی بیانات ایسے ہیں کہ تاملتہ اہل مذاق کی
 پسندیدگی کے قابل ہیں یہی کیفیت کتاب الف لیلة کی ہے کہ اس میں چند اسلامی

فلکوں کے مہرسم وغیرہ نہایت عمدگی کے ساتھ اندراج پائے ہیں اہل واقفیت الف لیلہ کی نسبت لکھتے ہیں کہ بہت سے مضامین رسم رواج اس کتاب میں ایسی خوبی کے ساتھ درج پائے ہیں کہ سیاحوں کو بھی ان سے ایسی صحت کے ساتھ مطلع ہونے کا موقع نہیں ملا ہے ایسی طرح اس مندرجہ میں بھی بہت ملکی معاملات ایسی عمدگی کے ساتھ لکھے گئے ہیں کہ ان سے بہتر بیان صورت امکان نہیں رکھتا ہے بڑے بڑے شاہانِ درہلی کی سواریاں جس طور پر نکلتی تھیں اُس کی پوری تصویر اشعار ذیل میں نظر آتی ہے، فقیر کی دانست میں یہ بیان ایک تاریخی حقیقت رکھتا ہے اور ایسے سین کو پیش نظر کرتا ہے جس سے اگر جہاگیر شاہ جہان اور عالمگیر کے زمانے انکھوں میں گھوم جاتے ہیں :

کئے نغان گورہر کے اُس پر نثار	نہل گھر سے جس دم ہوا وہ سوار
ہوا جبکہ ڈنکا پڑی سب میں دھوم	زبس نغا سواری کا باہر ہجوم
ہزاروں ہی تھی ہاتھیوں کی قطار	برابر برابر کھڑے تھے سوار

سواری شاہنوازہ بے نظیر جانب باغ

شب و روز کی سبی طرح واریاں	سنری روپہی وہ عماریاں
سواروں کے عطر اور بالوں کی تان	چمکتے ہوئے بانے کے نشان
جھلا پور کی جنگلی ناکی	ہزاروں ہی اطراف میں پانکی
اور ان کے دبے پانوں کی پتھریاں	کماروں کی زربفت کی کرتیاں
چمکا چونڈ میں جس سے اُسے نظر	بندھیں گپٹیاں طاس کی سراپہ
جھلک جس کی ہر ہر قدم ہو پڑے	وہ ہاتھوں میں سونے کے موٹے کٹے

وہ نوبت کا دو لہا کی جیسے سماں
 سہانی وہ نوبت کی آٹھے صدا
 قدم با قدم بالباس نرمی
 چلے آگے آگے سے شاد کام
 جلو میں تہا می اسپر اور وزیر
 شہ در شاہزادے کو گذر انبیاں
 چلے سب قرینے سے بانہے قضا
 لباس نرمی میں ملبس تمام
 کچھ ایدھر اُدھر کچھ دے کچھ پیسے
 کہ خوبی میں روح القدس سے و چند
 جھلکتے وہ مہیش کے سائبان
 بدستور شاہانہ پہننی جریب
 لئے سونے روپے کے عاصے تمام
 بیالیں میں کتنے تھے ہر دم پکار
 ادب سے تفاوت اور دور سے
 دو جانب سے باگیں لیے آئیو
 بڑھے عمر دولت قدم با قدم
 کہے تو کہ باز ہساری چلی
 کہ ہر طرف تھی لاکھ عالم کی دھم

وہ ہا ہی مراتب وہ سرو رواں
 وہ شہنائیوں کی صدا خوشنما
 وہ آہستہ گھوڑوں پہ نقارچی
 بھاتے ہوئے ترائی نے تمام
 سوار اور پیادے صغیر و کبیر
 وہ ندیں کہ جس میں نے تھیں ٹھانیاں
 ہوتے حکم سے شاہ کے پھر سوار
 سجے اور سچائے سبھی خاص عام
 طوق کے طوق اور پر سے کے پیسے
 مرصع کے سازوں سے کوئل سمند
 وہ فیلوں کی اور میگڈمبر کی شان
 چلے پایہ تخت کے ہو قریب
 سواری کے آگے پئے اہتمام
 نقیب اور جلو دار اور چوب دار
 اسی اپنے معمول و دستور سے
 بیڑوں جو تلو بڑھے جا یو
 بڑھے جائے آگے سے چلتا قدم
 غرض ہر طرح سے سواری چلی
 ترائیوں کا جہدا تھا ہجوم

دکاؤں پر تھی بانے کی جھلک
 تہا ہی تھا وہ ختمہ سونے کا گھر
 ہوا چوک کا لطف ال چار چند
 گذرتی تھی رک رک کے ہر جاگاہ
 ہر اک سطح تھی جون زمین چسپن
 تما شتے کو نکلی زن حاملہ
 تما شتے کو نکلے وضع و شریعت
 پڑے آشیانوں سے اپنے نکل
 سو وہ آشیانے میں تڑپا کیا
 حضرت مصنف بادشاہ اور شاہزادے کی سیر سے واپس آنے اور شاہزادہ کے کوٹھے
 پر سونے کے حالات رقم کرنے کے بعد دنیا کی اعتباری میں جو اشعار لکھتے ہیں ذیل میں نند
 ناظرین ہوتے ہیں و انہی پر اشعار آبیہ تر سے لکھے جانے کا استحقاق رکھتے ہیں

قصدا را وہ من تھا اسی سال کا
 سخن ہولوی کا یہ سچ سے قدیم
 پڑے اپنے اپنے یہ سب عیش و سنج
 یہ جا کر یوں ہی رہے گا یہ دور
 کہ اس جو بنا کی نئی ہے نرنگ
 کہر بادہ عیش در جام ریخت
 نداری تعجب ز نیزنگ و ہر
 غلط و ہم ماضی میں تھا حال کا
 کہ آگے نفا کے ہوا حق حکیم
 نہ سمجھے زمانے کی کچھ اونچ نیچ
 نہ معلوم تھے اس زمانے کے طور
 یہ گر گٹ بدلنا ہے نہ مہر میں رنگ
 کہ ہر فرق مجھن نہ صد نام ریخت
 کہ آرزیک حقہ تر یاک و نہر

داستان شاہزادہ کے کوٹھے پر سونے کی اوپری کے اڑا لے جانے کی

اس داستان میں اسی قدر بیان ہے کہ بے نظیر کوٹھے پر سونا تھا کہ ایک پری اس کی صفین
ہو کر اُسے پرستان میں اڑا لے گئی مگر اس داستان میں بھی حضرت مصنف نے شاعری کا خاتمہ
کر دیا ہے پہلے تو ساقی نامہ کے شعرا آبدار لکھے ہیں ان میں سے یہ شعر بہت قابل لحاظ ہے +
جوانی کہاں اور کہاں پھر یہ سن مثل ہے کہ ہے چاندنی چارون

بعد ازاں شاہزادہ کے پلنگ کا بیان صفتِ راستی کے باعث نہایت مطبوع معلوم ہوتا ہے
ایشیائی سلاطین اعرار کے پلنگ اسی ساز و سامان کے ہوتے ہیں ان شعرا میں سے پلنگ کی
چارون کی تعریف کا یہ شعر نہایت قابلِ تحسین آفرین ہے ۔

کھینچی چادر اک اس پشیمن کی صاف کہ ہو چاندنی اس صفا کی غلاف
خوف طوالت سے اقم خضار پر کتفا کرتا ہے در نہ اور بھی اشعار میں جگہ دہج کرنے کے قابل
تھے واقعی حضرت مصنف کی شاعری کے کمالات کچھ نظر آتے ہیں کہ بے اختیار دل چاہتا ہے
کہ ہر شعر پر ریویو لکھنے پر حالِ منجمدیت سے کمالات کے حضرت مصنف کے چند کمالات بہت
کچھ قابلِ توجہ ہیں اول یہ کہ جہاں صنعتِ تشبیہ کو دخل فرماتے ہیں وہاں تشبیہ کا ایسا
انداز دیکھا جاتا ہے کہ دل کو تشبیہوں سے نفرت پیدا ہونے کے عوض ان کی طرہ رغبت
ہوتی ہے تشبیہوں کا استعمال خوش مذاقی کے ساتھ ہر شاعر کا کام نہیں ہے نہایت جائے
تعب ہے کہ میر جن کثرت سے استعمال تشبیہات فرماتے ہیں اور ان کی مرتبہ تشبیہات

خوش آمد معلوم ہوتی ہیں بلکہ اکثر تشبیہات تو ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی جدت خوش مذاقی لفظ اور صفائی کی تاثیر سے روح کو ایک حیرت انگیز تلذذ نصیب ہوتا ہے ان کی تشبیہات کے اس قدر مطبوع ہونے کا ظاہر اسباب ہی معلوم ہوتا ہے کہ تشبیہات میں بھی وہ فطرت کی راہ سے انحراف نہیں فرماتے ہیں یہ ایک خاص بات ہے جو ہر شاعر کو نصیب نہیں ہوتی جو یہ کہ ان کے استعارات ان کی تشبیہات کی طرح فطری انداز کے ہوتے ہیں اور کبھی احاطہ فطرت سے باہر نہیں جاتے سووم یہ کہ ان کی مبالغہ پر دمازی جاؤہ فطرت سے دور نہیں پڑتی ہے اس لئے ان کے مبالغے مبالغہ کی طرح لغزت انگیز نہیں ہوتے چہاں کہ یہ کہ سلسلہ بیان ایسا فطری ہوتا ہے کہ نفس زہن کو اس سے آسائش نصیب ہوتی ہے پیچم یہ کہ کلام میں ہر جگہ تناسب موجود رہتا ہے یہ وہ صفت ہے کہ صفت کے بغیر نہ حسن ظاہری اور حسن باطنی کا وجود ممکن ہے ششم یہ کہ ان کا کوئی بیان بغیر کسی مارل یعنی نتیجہ اخلاقی کے نہیں ہوتا چنانچہ ان داستان کا آخر شعر بھی مارل سے خالی نہیں ہے جیسا کہ فرماتے ہیں کبھی خوش ہے دل اور کبھی رومند زمانے کا جیسے ہے لپست بلند

داستان حالت تباہ کرنے والی کی شاہزادے

یہ داستان داخلی اور خارجی دونوں صنف شاعری پر مشتمل معلوم ہوتی ہے حضرت مصنف نے شاہزادے کے غائب ہونے سے جو کیفیت محل والوں کی ہوئی خوب منظوم فرمائی ہے لاریب ان کی خوبی بیان سے تحیر و علم کی تصویر پیش نظر ہو جاتی ہے اس بیان میں غم کرنے والوں کے ظاہری اور باطنی دونوں انداز بڑی تجریت فطرت کے ساتھ حوالہ قلم ہوئے ہیں بلاشبہ یہ بیان داخلی اور خارجی دونوں شاعریوں کا ایک عمدہ محسوس ہے استعار

ذیل محل سرا کی حیرت زدہ اور غمزہ عورتوں ایک پورا فوٹو دکھا رہا ہے سبحان اللہ کیا
تو دارالکلامی ہے: آفرین صد آفرین

کہ روزِ جدائی سے کیا ان پہ غم
تو دیکھا کہ وہ شہزادہ نہیں
نہ وہ گل ہے اس جانزدہ اس کی بو
کہ یہ کیا ہوا ہائے پروردگار
کوئی غم سے جی اپنا کھنے لگی
کوئی ضعف کھا کھا کے گرنے لگی
گئی بیٹھ ماتم کی تصویر ہو
رہی نرس اساکھڑی کی کھڑی
کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب
طمانچوں سے جو گل کئے سڑک گال

کہوں حال حیران زدوں کا رقم
کھلی آنکھ جو ایک کی واں کہیں
نہ ہے وہ پلنگ اور نہ وہ ماہرو
یہ ہے دیکھ یہ حال حیران کار
کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی
کوئی بلبلائی سی پھر نے لگی
کوئی ہنس رہا تھا دل گیر ہو
کوئی رکھ کے زبرد خنداں چھڑی
بہی کوئی کھلی کوہ اتوں میں داب
کسی نے بیٹے کھول سنبل سے بال

اس کے بعد حیرت بادشاہ کو شاہزادہ کے گم ہونے کی خبر پہنچی تو بادشاہ اور بادشاہ سلیم کا
کیا حال ہوا اس کی فطری تصویر حضرت مصنف یوں کھینچتے ہیں۔

سنی شہ نے ابقہ جب یہ خبر
کلیجہ پکڑاں تو بس رہ گئی
گرا خاک پر کہ کسے ہائے سپر
کلی کی طرح سے کس رہ گئی

اس جگہ پر باپ اور ماں کے غم کا فرق کس خوبصورتی کے ساتھ دکھلایا ہے سبحان اللہ!
کیا فطرت نگاری ہے حضرت مصنف اس کے بعد بادشاہ سلیم کا کوئی ذکر نہیں فرماتے
ہیں ظاہر ہے کہ عورت میں اتنی قدرت کہاں کہ ایسی آفت میں نصیبیتیں حالات کر سکے۔

بیٹے کے صدمہ سے اُسے عموماً چُپ لگ جاتی ہے یہ کام مرو کا ہے چنانچہ بادشاہ نے
دریافت حقیقت کی طرف توجہ کی جیسا کہ اشعار ذیل سے نمایاں ہے لہٰذا یہی چیزیں ہیں کہ
سچے شاعر کے صواکسی کو نہیں آتیں :-

ہوا گم وہ یوسف پڑی یہ جو و صوم	کیا خادیاں عمل نے ہجوم
کساتہ نے واں کا مجھے دوپٹا	عزیزہ جہاں سے وہ یوسف گیا
گیسے وہ شکر کولب بام پر	دکھایا کہ سوتا تھا یاں سیہبر
یہی تھی جگہ وہ جہاں سے گیا	کما ہائے بیٹا تو یاں سے گیا
مر سے تو جہاں میں کدھر جاؤں پر	نظر تو نے مجھ پر نہ کی بے نظیر
عجب بحر غم میں ڈبویا مجھے	غرض جان سے تو نے کھویا مجھے
کردن اس قیامت کا کیا میں بیباں	ترقی میں ہر دم تھا شور و فغاں

اس کے بعد اس خبر کے شہر میں مشہور ہونے کا بیان ہے۔ پھر جس باغ میں بے نظیر راکرنا تھا
اس کے بے رونق ہوجانے کی کیفیت نہایت شاعرانہ مذاق کے ساتھ تحریر ہے ہر چند
حضرت مصنف نے ویرانی باغ کے مضمون کو شاعرانہ پیرایہ میں طول دیا ہے مگر کہیں یہ
فطرت کی باگ ہاتھ سے نہیں چھوڑی ہے تشبیہات استعارات اور بالذکر پر دازیوں میں
تو اکثر فطرت کا رنگ عیاں ہے۔ لہٰذا بے رونقی باغ کا مضمون نہایت فطری انداز
رکھتا ہے حالت غم میں مکان و باغ کی صورت ایسی ہی دکھائی دیتی ہے جیسا کہ حضرت مصنف
نے ضبط تحریر فرمایا ہے مولانا حالی سلمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-
لن کے جانے سے سہلی کورسی گھر کی صورت نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت
حضرت آزل علی اللہ تعالیٰ فی الجنۃ کا یہ مطلع بھی مطلع بالا کا فطری رنگ رکھتا ہے۔

بغیر بارہراک گل ہے خارا نکھوں میں کھٹکت ہی ہے چمن کی بہار آنکھوں میں
 اس داستان کے آخر میں وزیر اکا بادشاہ کو سمجھانا مذکور ہے اس مہماتش میں حضرت
 مصنف نے حسب معمول کچھ اہل اشعار حوالہ قلم فرمائے ہیں اہل یہ بھی بڑی خوبصورتی کے
 ساتھ دکھا دیا ہے کہ کسی حال میں دنیا کے کام بند نہیں ہوتے، نہز آفت کیوں نہ آئے، دنیا
 جس طرز پر چلا کی ہے چلا کر سے گی مولفہ

خدا کی خدائی ہمیشہ رہے گی جو ہوتا رہتا ہے وہ ہوتا رہے گا
 ذیل میں حضرت مصنف کے اشعار نذر ناظرین ہوتے ہیں۔

وزیروں نے دیکھا جو احوال شاہ	کہ ہوتی ہے اب اس کی حالت تباہ
کہا گو حسب رائی گوارا نہیں	ولیکن خدائی سے چارا نہیں
نہیں خوب اتنا تمھیں اضطراب	نصیبوں سے تباہی ہے وہ تباہ
خدا جانے اب اس میں کیا بھیا ہے	یہ کہتے ہیں جیتوں کو امید ہے
خدا کی خدائی تو معمور ہے	غرض اس کے نزدیک کیا دور ہے
نہیں ایک صورت پر کوئی مدام	اُسی کی غرض ذات کو ہے قیام
یہ کہ اور شہ کو بٹھا سخت پر	بہر نوع رہنے لگے یک دگر
ٹاپا بہت باپ نے مال و زر	ولیکن نہ پالی کچھ اس کی خبر

داستان پرستان میں لے جانے کی

واضح ہو کہ میر جن اب ایک ایسا قصہ لکھتے ہیں جو ہمارے علم محسوسات سے
 باہر ہے یعنی اس داستان میں حضرت مصنف پر ہی اور پرستان کا ذکر فرماتے ہیں یہ ظاہر ہے

کہ واقعات کے رو سے کوئی معاملہ کسی نبی آدم کو پیش نہیں آیا ہے تاہم و سیر آثار و اخبار
 وغیرہ میں کہیں نہیں دیکھا جاتا ہے کہ کسی نے کبھی پری دیکھی ہو یا کوئی پری کبھی آدمی کو
 پرستان میں اڑانے لگی ہو۔ اس طور کے غیر معمولی بیانات صرف فسانہ اور شاعری کی
 تصانیف میں دیکھے جاتے ہیں لیکن ایسے بیانات کو غایت تسلسلگی کی بنیاد پر مذکور نہیں
 سمجھنا چاہیے یہ بیانات اس غرض سے حوالہ قلم نہیں کئے جاتے ہیں کہ لوگ انھیں قرین
 واقعات سمجھیں ان سے مجر و فسانہ گوئی اور شاعری کی غرضیں متعلق رہتی ہیں ہر بخاندہ آدمی
 جانتا ہے کہ ایسے بیانات فسانہ نگاروں اور شعرا کی قوت تخیل کے نتائج ہوتے ہیں، کون
 آدمی ہے جو ٹھیکیر کے اس پلے کو پڑھ کر جس کا نام *مڈر نائٹس ڈریم*
MIDE SUMNER (NIGHTS DREAM) ہے یہ نہیں سمجھتا ہے کہ اس میں پرلیوں کا جو ذکر ہے وہ مجر و
 اس شاعر عظیم المثال کی قوت تخیل کا نتیجہ نہیں ہے یا *ہملٹ* (HAMLET) میں جو حیوت
 کا ذکر ہے وہ شاعرانہ بیان نہیں ہے یا *ایڈوانٹیڈ* وغیرہ میں جو کثرت کے ساتھ
 دیوتاؤں کی کاروائیاں اور دیگر عجائبات مندرج ہیں وہ سب کے سب ایسے
 ایجادات شاعرانہ نہیں ہیں کہ جن کو اس وقت میں کوئی شخص امور واقعی مانتا ہے، اسی
 طرح الفیلڈ میں جو پرلیوں کی حکایات ہیں وہ تخیلی بیانات نہیں ہیں۔ یا *مور*
 (MOORE) شاعر انگریزی نے جو ایک پری کا فسانہ منظوم کیا ہے وہ فسانہ نہیں
 ہے پس مجر و اس بنیاد پر کہ ایسے قصے قرین واقعات نہیں ہیں اہل مذاق ان سے نفرت
 نہیں کر سکتے، ایسے قصے قابل گرفت تب ہی سمجھے جاتے ہیں جب ان کے بیانات
 میں تناسب کی خوبی نادر و ہوتی ہے یہ وہ خوبی ہے کہ جس کی عدم موجودگی سے ہر کلام
 ذلیل اور بے لطف معلوم ہوتا ہے پری دیوتا *مخاطب* وغیرہ کے وہی قصے قابل تفر

ہیں جن کے بیانات میں تناسب نہیں پایا جاتا ہے، فیکسیئر ہومر، ڈیبل، مور، فردوسی
 بالمعنی، کابل، اس صاحب الف لیلہ ایسے مصنفین ہیں کہ پہلے بھی ان کی توفیر ہو چکی ہے اور
 ائمہ بھی بڑھا کر سے گی۔ بعض تنگ چینی کی بات ہے کہ کوئی شخص فیکسیئر ہومر یا صاحب
 الف لیلہ کو بھی نظر سے دیکھے، حال کی شائستگی نہ اس کی اس کی مقصدی ہے نہ ائمہ کی
 شائستگی اس کی مقصدی ہوگی، ایسی تنگ چینی کا ماحضہ صرف انہیں حضرات کو لاحق دیکھا
 جاتا ہے جن کی وسعت نظر بہت کم ہے اور اس کمی وسعت نظر کے ساتھ اپنے کو بلند نگاہ
 والا ہیں اور حقیقت آگاہ سمجھتے ہیں لعمرو باللہ، اس زمانہ میں شائستگی کا مرض ایسا پھیلا کہ
 خدا یا تیری پناہ ایسے حضرات جہاں کچھ ادھوری یورپین وضع کے پابند ہو گئے اپنے کو
 شائستہ سمجھنے لگے مگر ظاہری وضع نہ بھی بدلی تو اپنے نئے خیالات کو عین حکماء و علمائے
 یورپ کے خیالات جانتے لگے یہ مرض طاعون چچیک ہڈیضہ سیاہ بخار وغیرہ سے زیادہ
 مضر قوم ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ ایسے لوگ زبان و علوم یورپ سے بے بہرہ رہ کر فضل و
 کمالات یورپ کی راہ کے خضر اپنے کو بتلاتے ہیں۔

افکان انزاسب و لیل قوم سہمد میسم طریق الما لکین
 المختصر ایسے قصے جن میں دیو پری وغیرہ کے بیانات مندرج پائے جاتے ہیں۔ تب
 ہی مذہم سمجھے جاسکتے ہیں جب ان میں تناسب کی خوبی نہیں پائی جاتی ہے اب حضرات
 ناظرین میر جن کے حنریاں کی طرف توجہ فرمائیں اس شاعر لاجواب کا ائمہ سخن نہ ہا لیا
 نہیں ہے کہ اس سے چشم پوشی کی جائے سبحان اللہ تناسب کلام ایسا ہے کہ اہل مذاق
 سے طلب ملے وہیں کبھی ناکام نہیں رہتا۔ حضرت مصنف ہیں داستان ہیرا شمار سانی نامہ
 کے بعد پہلے بے نظیر کو پرستان میں اڑھے جانے کے مضمون کو یوں لایق فرماتے ہیں۔

اُڑی جو پر ہی وہاں سے لے کر اُسے آ آ رہا پرستان کے اندر اُسے
 اس کے بعد پرستان کی کیفیت بیان فرماتے ہیں: ظاہر ہے کہ پرستان کو نہ میر حسن نے دیکھا
 تھا اور نہ آج تک کسی نبی آدم نے دیکھا ہے اس سے پرستان کا بیان سدا خیالی ہونے
 کے اور کیا ہو سکتا ہے مگر حضرت مصنف کا یہ بیان بھی قابلیت شاعرانہ سے خالی نہیں ہے
 ہر شعر چھپی فکر پر وال ہے اور حسب مراد قوت تخیل سے خبر دیتا ہے کچھ شعر ذیل میں درج
 کیئے جاتے ہیں۔

وہاں ایک تھا سیر کا اُس کے باغ	کہ جس کے گلوں سے ہوتا زہ باغ
ریا حیر و گل اس میں انواع کے	طلسمات گل اس میں انواع کے
طلسمات کے سانسے ویو اور دور	زیباں کے سسے کوٹھے نہیاں کسے در
نہ آتش کا خطر نہ بارش کا ڈر	نہ سردی نہ گرمی کا اس میں خطر
کسی کو جس چیز کا اشتیاق	نظر اُسے وہ چیز بالاسے طاق
جو اہر کے ذمی لوح و حس و طیبور	خراشاں پھر یں سخن میں دور دور
پھر کس دن کو سانسے ہر جان ہو	کہ میں رات کو کام انسان ہو
ان خیالی بیان باغ کے بعد نظیر کے پتہ لگا اُس باغ کے جنگل میں لایا جانے کو ہے تو عالم خراب میں تھا	
جب بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہے اور کیا اُس پر گزرتی ہے امتداد ذیل سے ظاہر ہوگا	
قضا رکھلی آنکھ اُس گل کی جو	نہ پائی وہاں شہر کی اپنے بلو
نہ وہ لوگ دیکھے نہ وہ اپنی جا	تو جو ہے اک ایک کو تک رہا
پہنچے کا یہ خواب دیکھا جو وال	لگا کہنے یارب میں آیا کہاں
نہ بس تھا وہ لڑکا تو سماں بھی کچھ	ہوا کچھ دلیر اور حیراں بھی کچھ

۱۷۱
اس فطرتی بیان کے بعد حضرت مصنف فرماتے ہیں

سرھانے جو دکھی مر چاروہ کہ ہے صہبی سی وہ اک شگ ماہ
کما کون ہے تو کس کا ہے گھر لے آیا مجھے کون گھر سے ادھر
پھر انز کو لے اور ادھر نقاب دیا اس پر ہی نے نہیں کر جواب
خدا جانتے تو کون میں کون ہوں مجھے بھی تجھ سے، میں کیا کہوں
پر اب تو نہ مہمان ہے میرے گھر لے آئے ہیں تجھ کو قضا و قدر

یہ گھر کو کر میرا ہے تیرا نہیں پر اب گھر یہ تیرا ہے میرا نہیں
اس کے بعد اتھا خاکو بے ضرورت سمجھ کر پری بے نظیر کو حقیقت حال سے یوں گاہ کر قری سے

ترے عشق نے مجھ کو شیدا کیا نرا غم مر سے دل میں پیدا کیا
چھڑا کر تر اچھ سے شہر دیار یہ بندی ہی لائی ہے تقصیر وار
پری ہوں میں اور یہ پریشان ہے یہاں سب یہ قوم بنی جان ہے

اس کے بعد حضرت مصنف صحبت نا جنس کی کیفیت یوں رقم فرماتے ہیں :-

کماں صورت جن کماں شکل انس غرض قہر ہے صحبت غیر جنس
پری کو توئی شادی میں مر کو غم پہ ناچار کیا کر سکے وہ صتم
کبھی یوں بھی ہے گوش ہونگا کہ معشوق عاشق کے ہو اختیار
غرض دل کو بھول توں لگایا داناں کہا اس نے جو کچھ کہا اس کو ماں
لیکن نہ عقل نہ ہوش و حواس ہے دہشیوں کی طرح وہ اُداس
کبھی اُنک آنکھوں میں بھر لائے وہ کبھی سانس لے کر کہے ہائے وہ
وہ محلوں کی چھینیں ڈھ گھر کا سماں لہے رو برو وصیان میں سر زماں

وہ شفقت جو مال باپ کی یاد آئے
 کبھی اپنی تنہائی کا غم کرے
 کرے یا وجہ اپنے ناز و نعم
 بہانے سے دن رات سو یا کرے
 غرض فطر ایساں کو ہر حال میں
 اشتہار بالا کی نظری غیر مبالغہ آمیز نہیں ہیں۔ واقعی حضرت مصنف نے اس جگہ
 شاعری کی اچھی داد دی ہے۔ اسے حضرات ناظرین اس جگہ پر کیا موقوف ہے نصاف
 یہی ہے کہ ہر جگہ پر جہاں جہاں حضرت شاعری کا موقع آیا ہے وہاں اپنے کمال شاعری کی جلوہ
 دکھلا جاتے ہیں داخل اور بھی خارجی شاعری پر اس قسم کی قدرت صرف چند شاعران
 دنیا کے سوا کسی میں نہیں دیکھی جاتی ہے۔ اسی بیانات کے بعد اس پر یہی کی زندگی
 کا طور یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ماہِ ریح نے بے نظیر سے پوشیدہ طور پر تعلق پیدا کیا
 تھا اس لیے باپ کے پاس بھی حاضری سے آیا کرتی تھی تا افسوسے راز نہ ہو جائے
 اس حاضری سے جو وقت پہنچتا تھا اسے بے نظیر کی صحبت میں بسر کرتی تھی مگر بے نظیر
 روز بروز یاد وطن سے کاہیدہ ہوتا جاتا۔ ماہِ ریح ہر طرح کی خاطر داری کرتی تھی اور
 اسباب آسائش کی فراہمی میں خاص بھرم نہیں کرتی تھی لیکن ان سب کوششوں سے
 کوئی حسب مراد نتیجہ پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ پر یہی یوں میں نہایت موشیافہ و شاعرانہ
 فہم تھی۔ بے نظیر کو اس طور مبتلا سے رنج و الم دیکھ کر سوچی کہ اس کی دل بستی کا سامان
 کیسے یہ سوچ کر کہ ریل غم کو سیر ہو انوری سے فائدہ عظیم تر تب ہوتا ہے ایک دن
 شاہزادہ سے یوں کہنے لگی۔

تو راتوں کو رو کر کے رہا ہائے
 کبھی اپنے اوپر دعا دم کرے
 فعال زیر لب ہ کرے دمدم
 نہ ہو جب کوئی تب وہ رو یا کرے
 کہ جوں مرغ ترے پیے نیا حال میں

کہا ایک دن اس نے سُن بے نظیر
 تو اک کام کر اک پہر بھر کہیں
 تو دگ رک کے دل کو دکر اپنے بند
 سر شام جاتی ہوں میں باپ پاس
 بگھوڑا میں دیتی ہوں کل کا بچھے
 گر گزشتہ کی طرف جائے کہیں
 تو پھر حال ہو جو گنہ گار کا
 کہا کیڑکے میں تم کو جاؤں گا بھول
 کہا ماہ رخ نے کہ تھے تیرے بخت
 ہوا تر سے تو کل اس کی یوں بھٹیو
 زمین سے لگا اور تا آسمان

مر سے دلم میں تو ہوا ہے اسیر
 کیا کر ملک اک سیر روئے زمین
 نہ پہنچے کہیں تیرے جی کو گزند
 اکیلا تو رہتا ہے اس جاؤ اس
 دلیکن یہ دے تو جھکا مجھے
 دیا دل کسی سے لگا دے کہیں
 وہی حال ہو تجھ سے دلدار کا
 مجھے جو کہا تم نے سر پہ قبول
 کہ بخشا تجھے میں سلیمان کا تخت
 جو برعکس جائے تو وہوں موٹیو
 جہاں چاہیو جا میو تو دلاں

منتظر بالاکمانی کی مزہ داری کے ساتھ کیسی فطرتی خوبیوں سے سمجھ نظر آتے ہیں ما رخ
 شاہزادہ کو اول مضمون اسیری یاد دلاتی ہے تا وہ خود اختیار ہو کہ اس سے آزادی کی نہ
 لئے بعد ازاں اسے ایک پہر کی سیر کی اجازت دیتی ہے اور یہاں لے کر معشوق کی صورت
 میں ملل واقع نہ ہو۔ اور پھر سیر کا وقت بتاتی ہے کہ جب وہ مجدد آباب کی خدمت میں
 حاضر ہوا کرتی ہے پھر گھوڑا دے کر اس سے چمچکا لیتی ہے پھر شاہزادہ تہیٰ فرصت
 کو بھی غنیمت سمجھ کر ماہ رخ کی تشفی کر دیتا ہے اس کے بعد ماہ رخ شاہزادہ پر احسان
 جاتی ہے اور احسان جتانے کے بعد گھوڑے سے کام لینے کی ترکیب بتاتی ہے
 سبحان اللہ کیا انداز بیان ہے لاریب حضرت مصنف اردو کے شکہ یہ میراں ہنگہ

ایک امر کل کے گھوٹے کی نسبت عرض کر دینے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ سابق پرستان کے بیان میں یہ مذکور آچکا ہے کہ وہاں طلسماتی چیزیں بہت تھیں پس طلسمی گھوٹے کا بھی ایسی جگہ میں موجود ہونا خلاف توقع نہیں ہے، حضرت مصنف کی شاعری کا یہ بڑا کمال ہے کہ کوئی بات بے وجہ حوالہ قلم نہیں فرماتے ہیں، مگر شاعری میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر کوئی بات کسی جگہ پہلے فرما جاتے ہیں تو دوسرے میں سدھیا پس شعر کے بعد اس بات کو کہنے کی وجہ ہویدا ہوتی ہے یہی کیفیت شکسپیئر اور صاحب الف لیلہ کی ہے کہ دور جا کر پہلے کی کہی ہوئی باتوں کا سبب کھلتا ہے، کل کے گھوٹے کا مضمون کتاب الف لیلہ میں بھی دیکھا جاتا ہے، یہ محبوب نہیں ہے کہ میر حسن نے اس خیال کو اس کتاب سے حاصل کیا ہو، مگر پرستان میں کل کے گھوٹے کا موجود ہونا زیادہ قریب پر اپنی نظر آتا ہے، گو جس طرز پر الف لیلہ میں کل کے گھوٹے کا بیان ہے بجا ہے خود محبوب فطرتی خوشحالی کے ساتھ حوالہ قلم ہوا ہے،

داستان گھوٹے کی تعریف میں

حضرت مصنف کی اطلاع عام بہت حیرت انگیز نظر آتی ہے اطلاع عام سے مراد اقامت یہ ہے کہ اپنے ملک کے ہر قسم کے امور سے انھیں واقفیت تھی یہی کیفیت حضرت سودا کی بھی معلوم ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ بے اس طرح کی اطلاع عام کے کوئی شاعر نہ جین کی سی شاعری لکھ سکتا ہے اور نہ سودا کی طرح اصناف شاعری پر قادر ہو سکتا ہے، شکسپیئر کی بھی ایسی رنگ کی اطلاع دکھائی دیتی ہے میر حسن اور سودا کی اطلاع عام سے شکسپیئر کی اطلاع عام کا فرق یہ ہے کہ یہ دونوں

ہندوستانی شاعر صرف ہندوستان کے معاملات و احوال و تمدن و معاشرت وغیرہ سے خبر رکھتے تھے اور شکسپیر کو اس طرح کی اطلاع تمام معاملات اور پے کے حامل متی یہاں پر حسین گھوڑے کی تعریف میں ایسی باتیں رقم کرتے ہیں جو اہل ہند کے مذاق کے نامتروافق معلوم ہوتی ہیں۔ حضرت معصفت کے اس جگہ کے اشعار جلد اول میں درج ہو چکے ہیں اس لئے یہاں پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں، بہر کیف اس گل کے گھوڑے پر بے نظیر روز سیر کو نکلتا تھا جیسا کہ فرماتے ہیں :-

یہ گھوڑا جو اس گل کی تھا بخش کا	فلک سیر تھا نام اس خوش کا
سر شام وہ بے نظیر جہاں	اسی بخش پر بڑے کے جلوہ کناں
ہر اک طرف سے ہو گزرتا تھا وہ	وہی اک پر سیر کرتا تھا وہ
پر جبکہ بجتا تو پیر شتاب	کچھ فرقتا باہر رخ کا عتاب

داستان وار درج ہونے میں بے نظیر کے باغ میں بدترینیر کے

یہ داستان الف لیلہ کے اس قصہ سے مشابہت کھتی ہے جس میں فارس کے بادشاہ ہزادہ کے گل کے گھوڑے کا بیان دیکھا جاتا ہے اس قصہ میں فارس کے بادشاہ ہزادہ بنگالہ کی بادشاہ ہزادی کے پاس اسی گل کے گھوڑے کے ذریعہ سے پہنچا تھا جس طرح کہ بے نظیر کا بدترینیر کے باغ میں پہنچا، اس داستان میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ الف لیلہ کے قصہ میں شاہ ہزادہ فارس اتفاقاً بنگال کی شاہ ہزادی کے گل کی چھت پر جا اترتا تھا، یہاں یہ کیفیت گندی کہ ہنگام سیر بے نظیر کو اتفاقاً ایک باغ نظر پڑا جس میں ایک عمارت بند

اس نے دیکھی اور بالقصہ اس کے کوٹھے پر اس نے اپنے گھوڑے کو اتارا اس کے
 بعد بے نظیر کا بد مزیر سے ملنا بھی الف لیلہ کے قصہ سے مشابہت رکھتا ہے مگر
 دونوں کا فرق جو ہے وہ اخلاقی پہلو کے اعتبار سے بہت قابل لحاظ ہے الف لیلہ
 کا قصہ بڑی عمدگی اخلاقی سے خبر دیتا ہے برعکس اس کے اس تنوی کی کہانی جو
 بے نظیر اور بد مزیر کی ملاقات پر مشتمل ہے اخلاقی تنزل سے خبر دیتی ہے وہاں نکال
 کی تباہی اور ایک شریفانہ وضع مہمان نواز، خوش خلق نیک نیا ایک کردار کا کتنا وعدت
 کے پیرا میں دکھائی گئی ہے برعکس اس کے یہاں بد مزیر کا ایسا فولہ کھینچا گیا ہے کہ
 شرفا کی نکتہ انگلیاں یا شرفا کی عورتیں خدا خواستہ اس طرح کی ہوس نہیں سکتی ہیں ظاہر
 یہ بڑے تعجب کی بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ میر حسن ایک ایسے عمدہ شاعر نے اپنی کہانی
 کی ہیروئن (HEROINE) کے بیان کو ایسی بدگویی کے ساتھ حوالہ قلم کیا ہے مگر
 حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت مصنف نے اپنے اس طرح کے بیان کی رو سے اس
 اخلاقی تنزل کی تصویر کھینچی ہے جو محمد شاہ بادشاہ دہلی کی حیا شیروں کا نتیجہ بنا جاسکتا
 ہے شاہی اخلاق کے تنزل کی مثالیں انگلستان کے بادشاہ جارج سوم و جارج چہارم
 کے زمانے میں بھی ہیں ان بادشاہوں کے ماؤں میں کیا کیا اخلاقی بے عزتیاں ظہور
 میں نہیں آئی تھیں اور اب وہی دربار ہے کہ حضرت ملکہ معظمہ انجمنی کی بدولت کس
 قدر دارالتمدیب ہو رہا ہے اہم نقیر میر حسن کے ایسے بیانات بے بنیاد نہیں ہیں
 جس طبقہ کے متعلق حضرت مصنف کا بیان ہے اس طبقہ کے اخلاقی معاملات ہی
 انداز کے ہو رہے تھے لاریب ہندوستان کا ایک ناواقف وضع آدمی ایسے
 بیانات پیش و پیش کو جو چندانہ کی داستانوں میں مندرج ہیں پڑھ کر منصف ہو

سکتا ہے اور واقعی بات بھی منقص ہونے کی ہے مگر جانا چاہتے کہ یہ بیانات ایک
 عہد کی اخلاقی حالتوں کو دکھائے ہیں اور اس دور سے ناقابل توجہ نہیں ہیں :
 واضح ہو کہ ہر چند ان چند داستان کے بہت ہی جو انہ پیرا یہ ہیں مگر جو انان
 صالح ان سے فائدے بھی اٹھا سکتے ہیں اس لئے کہ حضرت مصنف بڑے نچیل
 شاعر تھے اور اپنے بیانات کو مارل نتیجہ اخلاقی کے قرین کرنا خوب جانتے تھے اس
 داستان میں آپ باغ و محل کا بیان حوالہ فلم کر کے بے نظیر کی نسبت ایک مضمون لکھتے
 ہیں جو تمدنی مہلو کے مد سے اس وقت کے ہونہار نوجوانوں کو بہت مفید نظر آتا ہے
 آپ فرماتے ہیں :-

ملی جنس کی اپنی جو اس کو بولگا تلکے حیرت سے ہر ایک سو
 اے حضرات نورید کلان جوانی اگر آپ صاحبوں کی نظر سے اس مثنوی کا یہ چند گز سے تو بولگا
 اس شعر کو ملاحظہ فرمائیے گا یہ عجیب شعر ہے اس سے ایک بڑی تسلیم منج ہوتی ہے
 آپ ملاحظہ فرمائیں کہ میر حسن پہلے بے نظیر کا پرستان میں گرفتار رہنا بیان کرتے ہیں پھر
 پرستان میں غیر جنسیت کے باعث بے نظیر کا دل برفا تہ رہنا تحریر کرتے ہیں پھر بے نظیر
 کا ایک ایسے باغ میں پہنچنا جو مسکن بنی آدم تھا۔ رقم کرتے ہیں جہاں پہنچ کر جو اسے
 ہم جنسوں کی بول ملی اسے ذکر کرتے ہیں یہ ذکر تمدنی حیرت سے بہت قابل لحاظ ہے
 حضرت مصنف کے آئندہ کے بیانات سے معلوم ہو گا کہ اس جنسیت کی بنیاد پر
 بے نظیر نے ایک نا جنس کے مقابلہ میں اپنی جنس اور اپنے رتبہ کی ایک معشوقہ کے
 ساتھ وصل و پیوند کرنا پسند کیا یعنی ہر چند ماہ رخ جو اس کی مانتھ تھی گو کسی طرح کی حسین
 برونش مند نسیم اور سلیقہ مند تھی مگر اس نے اس سے دل نہ لگایا جب اس نے موقع پایا

اپنی ہی جنس سے اطلاق افسوس ہے ان ہندی نوجوانوں پر جو قوم کی عورتوں سے وصل و
پیوند کرنے پر دل و آخ کار اپنے کیئے کا نتیجہ بھگتے ہیں ان مانہ میں ہندی نوجوان تعلیم
کی نظر سے بہ کثرت انگلستان جاتے ہیں وہ ملک ہندیوں کے لئے پرستان کا حکم
رکھتا ہے پس وہاں ہزاروں ماہ رتوں سے ان کو سامنا پڑتا ہے، تجربہ سے معلوم ہوتا
ہے کہ جو بے نظیر کی روش اختیار کرتے ہیں ان کی بقیہ زندگی عافیت سے کٹ جاتی ہے
لازمیہ غیر جنس کے ساتھ مواصلت کبھی صورت عافیت نہیں ہوتی ایسی مواصلت
میں سوا نقصان کے کوئی فائدہ متصور نہیں ہے بہ بنیاد تجربہ نہ فائدہ مواصلت کرنے
والے کو ہوتا ہے اور نہ اس کے خاندان کو اور نہ اس کی قوم کو ایسی مواصلت کے نتائج
یہ ہوتے ہیں کہ مواصلت کرنے والے کو ایک ناجنس ساتھی کی بدولت تمام عزیز و اقربا
سے منقطع رہنا پڑتا ہے یعنی اکثر وہ باپ، ماں بہن بھائی سب سے چھوٹ جاتا ہے
اور اس کی بقیہ زندگی خارج از خاندان کے طور پر بسر ہوتی ہے اس طرح کی مواصلت
خرچ کثیر کا سبب بھی ہوا کرتی ہے جو بہت سی حالتوں میں مالی مصالح کے خلاف
مستعد ہے ذاتی نقصانات کے علاوہ خاندانی نقصانات بھی ایسی مواصلت میں بہت
ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے نوابی نسل واقع ہوتی ہے جنسوں کا پیدا ہونا کبھی خاندان کو
مضییہ نہیں ہو سکتا یہ جنس ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا وصل و پیوند ان کے باپ اور ماں
دونوں کی قوم سے دشوار ہوتا ہے ابھی وقت نہیں آیا ہے کہ اہل ہند فاتح قوم سے
مواصلت پیدا کریں اور ان کی جنس اولاد اپنی قوم یا فاتح سے بلا تکلف رشتہ و پیوند
کر سکیں خاندانی نقصانات کے علاوہ قومی نقصانات بھی کثیر ہیں درست نقصان
بین نویں ہے کہ جب ایک قابل آدمی غیر جنس عورت سے بیاہ کرنا ہے تو اس کی

قوم اس کی ذات سے صلہ و پیوند کے اعتبار سے محروم رہ جاتی ہے یعنی اگر ایسا شخص
 اپنی قوم میں بیاہ کرنا تو اس کی قوم کی ایک لڑکی اس کی موصلت سے ایک قابل شوہر
 پاتی برصلاف اس کے اس کے اچھے ہونے کا نفع ایک غیر جنس عورت لٹھاتی ہے
 علاوہ اس کے بسا اوقات ایسی موصلت کے کرنے والے اطوار و عادات کے اعتبار
 سے اپنی قوم کے نفع و ضرر سے اس قدر علیحدہ ہو بیٹھتے ہیں کہ ان کا شمار قوم میں فضول
 ہی فضول ہوتا ہے میں نہایت ہی خواہی سے اپنے ملک کے نوجوان حضرات کی
 خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ تعلیم و لایت کے بعد وہ جسٹس محمود صاحب کی روش
 اختیار فرمائیں محمود صاحب کو سب سے زیادہ موقع انگلستان میں موصلت پیدا کرنے کا
 تھا اور ہند میں بھی ان کو اس قسم کی موصلت کا موقع حاصل تھا جو انی خوب تر کی تعلیم یافتگی
 ہندیاں کی نجابت شرافت عالی خاندانی سب ہی باتیں حسب مراد تھیں مگر مجلسوں کے
 پیدا کرنے کی طرف مطلق مائل نہ ہوئے المختصر حضرت مصنف نے مضمون جنیت کو پیش
 نظر رکھ کر ایک عمدہ ہدایت نامہ اس عہد کے نوجوانوں کے لیے چھوڑا ہے۔ فقیر کی
 دولت میں یہ جنیت کا مضمون ایسا قابل توقیر ہے کہ ہر باپ کا ذمہ منصبی ہے کہ لڑکے
 کو ولایت بھیجنے کے پہلے میر حسن کی سنوی خوب پڑھائے واقعی یہ تصنیف ایک
 حکیمانہ رنگ رکھتی ہے جناب والد ماجد مرحوم نے راقم کو سترہ برس کی عمر میں درس
 کتاب کے طور پر اس سنوی کو پڑھایا تھا۔ عنفوان شباب کا الطباح بہت تو ہی ہوتا ہے
 اس کتاب سے راقم نے آئندہ دن بہت فائدے اٹھائے فقیر نے بھی اپنے لڑکوں کو
 اس کتاب کے بہت اجزا پڑھ کر سنائے ہیں اور الحمد للہ کہ وہ سب انگلستان سے
 باہر واپس آکر اور ذل خاندان رہ کر عافیت تمام کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔

اس داستان میں حضرت مصنف بدینیر کے باغ و محل کا بیان ہی فطرتی رنگ سے
 جو ان کی شاعری کا طور ہے زیب تم فراتے ہیں یہاں ان کی تحریر کا اعادہ خوف
 طوالت سے ترک کیا جاتا ہے مگر آخر کے کچھ شعرا جو تصوف کا رنگ دکھتے ہیں ان میں درج کئے جاتے ہیں
 نظر جس طرف جاتے نزدیک دور اسی ایک مہ کا ہے ہر جا ظہور
 نکل اپنی وحدت سے کثرت میں وہی نور ہے جس لوہ گر جا بجا
 حقیقت کو لیکن بصارت بھی ہو کہ دیکھے نہ اس کے سوا غیر کو

داستان تعریف بدینیر اور عاشق ہونا بے نظیر کا

اس داستان میں حضرت مصنف پہلے بدینیر کے حسن و جمال سے صبح و صبح لباس
 پوشاک زیور اور انگلی وغیرہ کو نہایت فطری اور خوش اسلوب رنگ سے بیان کرتے
 ہیں بعد ازاں بدینیر کا سراپا رقم کرتے ہیں یہ سراپا فحش وغیرہ سے تمام تر پاک ہے
 لاریب یہ سب مضامین اعلیٰ درجہ کی قوت شاعری سے خبر دیتے ہیں اور حضرت
 مصنف کی اطلاع عام کہ طہرت ہیں۔ سراپا نگاری کے بعد کے مضامین یہ ہیں کہ بنظیر
 بدینیر کو دیکھ کر نہایت تعجب سے ہوا اسی حال میں اُسے کسی نے دیکھ لیا اور اُسے درختوں
 میں چھپا ہوا پا کر محل کی خصوصیات وغیرہ کمال حیرت کے ساتھ اُس میں یہ گفت گو
 کرتے ہیں :-

کسی نے کہا کچھ نہ کچھ ہے بلا کسی نے کہا چاند ہے یاں چھپا
 کسی نے کہا ہے پری یا کہ جن کسی نے کہا ہے قیامت کا دن
 مگی کہتے ماتھا کوئی اپنا کوٹ ستارہ پڑا ہے فلک سے ٹوٹ

ہوئی صبح شب گیا اٹھ حجاب و خضوں میں نکلا ہے یہ آفتاب
 کسی نے کہا دیکھیو اسے بوا کھڑا ہے کوئی صاف یہ مردوا
 کسی نے کہا کچھ یہ اسرار ہے کسی نے کہا یہ تو دلدار ہے
 اس کے بعد بد مزیدہ کو اس واقعہ عجیب سے خبر ہوئی وہ خود بے نظیر کو دیکھنے گئی
 دیکھتے ہی متلائے عشق ہو گئی۔ واضح ہو کہ انسان کو عشق دو طور ہوتا ہے ایک تو
 معشوق سے رفتہ رفتہ اور دوسرا معشوق کو دیکھ کر فی الفور سے انگیزی میں فرسٹ
 سٹٹ تو کہتے ہیں دونوں طور کے عشق بشرطیکہ ان میں نفسانیت کو دخل نہ ہو علم عشق
 رکھتے ہیں بہر حال جب بے نظیر اور بد مزیدہ نے ایک دوسرے کو دیکھا غایت
 فریبتگی سے انہوں نے عشق کیا مگر وہاں نغم النساء و خت وزیر نے جو بد مزیدہ کی ایک ہم
 عمر رفیقہ تھی ان دونوں پر گلاب چھڑکا جس سے انھیں ہوش آگیا۔ آفاقہ کے بعد
 بے نظیر تو فرط حیرت سے وہاں ہی رہ گیا مگر بد مزیدہ شرم کھا کر اپنے محل کی طرف چلا گئی۔
 واضح ہو کہ اس ملک میں رواج ملکی کے باعث کسی شریف مرد کو کسی شریف
 عورت کے دیکھنے کا اس طرح پر موقع نہیں مل سکتا ہے لیکن اہل یورپ کو ہمیشہ
 عورتوں سے ملنے کا موقع حاصل رہتا ہے وہ بغیر دیکھے کسی عورت سے وصل
 پیوند نہیں کرتے اس میں ظاہری مصلحتیں ہیں مگر تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل یورپ کے
 مہلک اور نامبارک ہونے میں دیکھ بھال کو دخل نہیں ہے خیر اس داستان کا جو سین ہے
 وہ اس ملک کی معاشرت شرفا کے مطابق نہیں ہے لیکن حضرت مصنف کے یہ سارے
 بیانات تناسی خالی نہیں ہیں اس لئے کہ جو سختی پردہ کی یہاں کے شرفاء کے درمیان
 ہے وہ دیگر بلاد اسلام میں پائی نہیں جاتی ہے علاوہ اس کے جس طبقہ کے افراد کا

ذکر اس داستان میں ہے زبان کے یہاں ایسا سخت پردہ ہے اور نہ ایسے پردہ کا التزام
 مناسب حال ہے اگر اس طرح کا سخت پردہ شاہان اسلام میں مروج ہوتا تو نور الدین
 جہانگیر بادشاہ دہلی کو نہ جہاں کے دیکھ لیتے کا کب موقع ملتا یہ بیگم کھڑائی کے
 پہلے جلال الدین اکبر شاہ کے محل میں اپنی ماں کے ساتھ آیا جایا کرتی تھی ایام شاہزادگی
 میں جہانگیر کو اکثر اس کے دیکھنے کا موقع ملا کیا تھا اس واسطے وہ اس پر فریفتہ ہو رہا
 تھا اگر یہ موقع حاصل نہ ہوتا تو نہ جہانگیر کو فریفتگی لاحق ہوتی اور نہ شیرکان کی جان جاتی
 ان مختصر جس طبقہ کا ذکر حقیقت مصنف اس داستان میں کر رہے ہیں اس سے ملک کے
 عامہ تر نا کو ذاتی اطلاع نہیں ہے پس حضرت مصنف کے ان بیانات کو غیر فطری یا بعید از
 قیاس یا خلاف رسم ملک نہیں سمجھنا چاہئے امر واقعی یہی ہے کہ حضرت مصنف نے کہیں
 بھی سلسلہ تناسب کلام کو ماتمہ سے نہیں دیا ہے اور حق یہ ہے کہ حضرت مصنف ایک
 بڑے ذوق کا شاعر ہیں اور ان کی واقف نگاہی حضرت اہل مذاق کی توجہ فرمائی کی تا مگر مستحق ہے

داستان زلف اور چوٹی کی تعریف میں

حضرت مصنف زلف کی تعریف اس طرح پر جو الہ قلم کرتے ہیں کہ جس کی
 تعریف میں خاتمہ سو سو بیچ کتاب کھاتا ہے سبحان اللہ تشبیہات میں کیا کیا حدیں نمایاں
 ہیں لیکن ایک شعر ایسا ہے جو فردوسی کے اس شعر کا چور بہت ال طرح شکناں +
 گرہ داد شرب را پس قباب + قریب قریب ترجمہ معلوم ہوتا ہے اور وہ شعر یہ ہے
 موباف زری نے کیا ہے غضب دیا ہے گرہ دن کو دنبال شرب

خبر زلف اور چوٹی کی تعریف کے بعد کہانی کا عنوان یہ ہے +

تو گویا کہ مارا محبت کا جاں	غرض وہ مٹری جب دکھا اپنے بال
پھھیانہ کو اور مسکراتی چلی	ادائیں سب اپنی دکھاتی چلی
نہاں آہ آہ اور عیاں واہ واہ	غضب منہ پہ ظاہر لے ل میں چاہ
میں اب چھوڑ گھر اپنا جاؤں کہاں	یہ ہے کون کبخت آیا یہاں
پھھی جا کے اپنے وہ دلاں میں	یکہنتی ہوئی آن کی آن میں
پھھیابہ تار ایک میں آفتاب	دیا ہاتھ سے چھوڑ پردہ شتاب

ظاہر ہے کہ یہ ترکیب اس ملک کی خریف عورتوں کی نہیں ہوتی، مگر ایک ایسی جوان عورت کی نسبت جو پوری ازادی اور مطلق العنانی کے ساتھ باپ و راں سے علیحدہ اور ایک پرتکلف باغ کے پرتکلف مکان میں ہم عمر رقعا اور خواہوں کے ساتھ قیام پذیر ہو کوئی ایسا بیان جیسا کہ اس داستان میں دیکھا جاتا ہے کبھی بے محل یا بے موقع نہیں قرار دیا جاسکتا ہے اس بیان میں جس برابر بھی تناسب کلام میں نقصان لاحق نہیں ہے خوب بدترین اس پر پینٹیلے کو چھوڑ کر اپنے مکان میں جا چھٹی تب نجم النساء اسکے پاس پہنچ کر یوں کہنے لگی

مجھے جو چلے تو خوش آتے نہیں	تر سے ناز بے جا تو بھاتے نہیں
مری سمت ہلکے دیکھ تو ہائے مائے	نشل ہے کہن بجائے منڈیا ہائے
کیا ہے اگر تو نے گھاٹل اُسے	تو مدت چھوڑ اب نیم بسمل اُسے
ہلک اک حظ اٹھا زندگی کا تو	مزا دیکھ اپنی جوانی کا تو
میں عیش کا جام اب نوش کر	غم دین و دنیا فراموش کر
چین و جوانی یہ جوش و خروش	غفور است ایزد تو ساغر نوش
کہاں یہ جوانی کہاں یہ بہاد	یہ جوان کا عالم رہے یادگار

سدا عیش و درواں دکھاتا نہیں گیا وقت پھر اٹھ آتا نہیں
 سبھی یوں تو دنیا کے ہیں کاروبار و لے حاصل عمر ہے وصل یار
 خوشا وہ زمانہ کہ دو اک جگہ کہیں یک دگر جلوہ صرور مہ
 ظاہر ہے کہ ایسی فمائش سوا ایک نوجوان ہم عمر رفیق کے کون کر سکتا ہے کہ اس
 سلسلہ تقریر کے چند اشعار تو ایسے ہیں کہ ایک سن رسیدہ فلسفی بھی ان کی خوبی سے چشم
 پوشی نہیں کر سکتا ہے خیر اس تقریر کو سن کر بد مزیر نے جو کہا اور جو اس کا جواب نجم النساء
 نے دیا اس کا بیان کس قدر فطرتی رنگ رکھتا ہے حضرت مصنف فرماتے ہیں -

یہ سن کہے وہ تازیں مسکرا لگی کہنے اچھا بھلا ہی بھلا
 میں بھی تزا دل گیا ہے ادھر بہانے تو کرتی ہے کیوں بھڑ پھر
 لگی کہنے ہنس ہنس کے وہ ماہوش ہوئی تھی اُسے بکھ میں ہی تو عیش
 تمہیں نے تو چھڑ کا تھا مجھ پر گلاب بھلا میری خاطر بلا لوشتاب
 اس آئس کی منزل کی باتوں کے بعد نجم النساء بے نظیر کو لالائی پھر بد مزیر کا اٹھ کر پڑ کر اُسے
 بے نظیر کے پاس بٹھلایا اس جگہ پر حضرت مصنف نے ایک ہم عمر اور مستغنی رفیق کی
 کاروائی کو بڑی خوشامدولی کے ساتھ ہوا اظہر کیا ہے واقعی فطرت نگاری حضرت مصنف پر ختم
 ہے یہی شعری فطرت کی بخشش کے بغیر نصیب نہیں ہوتی اور فطرت کی بخشش کے بغیر

سمجھ میں نہیں آتی *
داستان ملاقات کرنا بد مزیر کا بے نظیر سے
 جب نجم النساء نے بد مزیر کو بے نظیر کے پاس بٹھلایا تو بد مزیر کے اُس وقت
 کے انداز نشست کو حضرت مصنف یوں زبیر تم فرماتے ہیں -

وہ بھی محب ایک انداز سے بدن کو چرائے ہوئے ناز سے
 منہ اچھل سے اپنا چھپائے ہوئے بجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے
 پسینے پسینے ہوا سب بدن کہوں شبنم آلودہ ہو یا سمن
 گھڑی و دنگ وہ مرد آفتاب ہے شرم سے پائے بند حجاب
 ظاہر ہے کہ یہ حجاب ایک فطری امر تھا اس کے دفع کرنے کے واسطے نغم النساء نے
 تیشہ و ساغر سامنے لاکر رکھا اور قسمیں لے کر بد مزین سے کہا کہ بے نظیر کو نے پلا۔
 جب بادہ نوشی کا شغل جاری ہوا تو سارا حجاب جاتا رہا، بے نظیر بد مزین یا ایک دگر
 تقبیل حال کرنے لگے شراب کا ماحصہ یہ ہے کہ اس سے حجاب جاتا رہتا ہے اور ازینہا
 آشکار ہو جاتا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا انعام ذیل سے ظاہر ہوتا ہے

کھلا جب کہ بند گرفت گو جوان نے حقیقت کہی موبہ ہو

کہی ابتد سے جو گزری تھی سب بتایا سب اپنا حسب اور نسب

پری کا بھی احوال ظاہر کیا چھپے ناز سے اس کو ماہر کیا

کہا اک پر کی ہے شخصت مجھے زیادہ نہیں اس سے فرصت مجھے

اس گفتگو کو سن کر بد مزین نے تقاضائے فطرت کے مطابق یوں جواب دیا

مردم پری پر وہ تم پر مرے بس اب تم فردا مجھ سے بیٹھو پرے

میں اس طرح کا دل رکھتی نہیں یہ شکر ت تو بندی کو بھاتی نہیں

عزت تم سے کیوں دل رکھائے کوئی بھلے چنگے دل کو جلائے کوئی

بے شمع سال کیوں کوئی اشک سے جلے کس بیٹے آتش رخسار سے

یہ جواب پا کر بے نظیر کو بد مزین کے پاؤں پر گر پڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا، ذیل کا مین

نہایت فطری رنگ رکھتا ہے۔

یہ سن پاؤں پر گر پڑا بے نظیر
کوئی لاکھ جی سے ہو مجھ پر خدا
کما چل سر اپنا قدم پر نہ دھر
یہ رمز و کنایہ جو ہونے لگے
زہی دل ہی میں آخرش دل کی بات
خبر رات کی سن اٹھا بے نظیر
اگر قید سے چھوٹے پاؤں کا
پرست بھیجیوں میں آرام میں
دل اس جا سے اٹھنے کو کرتا نہیں
کرم مجھ پر رکھو ذرا میسر جاں

کما کیا کروں آہ بدر منیر
میں تجھ نیندا ہوں مجھ سے کیا
کسی کے مجھے دل کی ہے کیا خبر
تو آس میں سنس سنس کے رونے لگے
پر بھر گئی اتنے عرصے میں رات
کما اب میں جاتا ہوں بدر منیر
تو بچھ آج کے وقت کل آؤں گا
کروں کیا پھنسا ہوں عجب نام میں
کوئی آپ سے جان سزا نہیں
میں دل چھوڑے طاہر ہوں اپنا یہاں

بے نظیر کہ کروانہ ہوا اور جدائی کا قلق ساتھ لینا کیا بقیہ رات اس نے پری کے ساتھ
بے چینی میں بسر کی اور بدر منیر بھی عذاب فراق میں مبتلا ہی جب صبح ہوئی تو بدر منیر کی اندوئی
حالت یہ تھی۔

کچھ امیڈل میں کچھ اک جی کو یاں
بوں ہنسی ایک چہرہ اداس
نجم النساء نے جو بدر منیر کی کیفیت دیکھی تو باتوں میں لگا کر اس سے کہنے لگی کہ میرا یہ جی ہوتا
ہے کہ تو آج خوب اپنا سنگار کر سے اور اپنے حسن کی بہار مجھے دکھلائے بدر منیر کو تو یہ نظر ہی
تھا کہ اس نے نجم النساء کو اس طرح پر ایک نازا امیز جواب دیا۔

کروں گے اس کا خاطر میں اپنا سنگار وہ ہے کون جس کو دکھاؤں بہار

اس کے بعد اس داستان میں بد مزین کے سنگار اور مکان کی آرائش کے بیانات ہیں
یہ بیانات ایک البیشانی شائزادی اور ایک البیشانی محل شامی کی آرائش کی پوری تصویر
اور حضرت مصنف کی بڑی اطلاع عام سے خبر دینے میں حقیقت یہ ہے کہ کوئی شاعر جب تک
کلیات مجزئیات سے باہر و طور پر یا خبر نہ ہوگا اپنے بیانات میں مصدوی کا عالم نہیں پیدا کر سکتا
ہے۔ ثنوی نگار کیلئے اطلاع عام بڑی حاجت ہے ایسے شاعر کو امور خارجیہ اور معاملات مجزیہ
سے کافی طور پر مطلع ہونا چاہیئے ورنہ ہزاروں غلطیاں اس سے سرزد ہوں گی یہ ممکن ہے کہ اگر
سے زبان کی کوئی غلطی سرزد نہ ہو مگر مضامین کی غلطیوں کا سرزد ہونا ایک امر یقینی ہے اسی عدم
اطلاع کی وجہ سے حضرت غالب اپنی ثنوی میں یہ مصرع "تو ک شد و پنچہ زدن ساز کرد نظر
فرما گئے ہیں اگر حضرت غفران مآب کو یہ معلوم ہوتا کہ شوک جانور سباعی نہیں ہے یعنی از قسم گور
اور نہ از قسم سنگ ہے تو مرزا نا اطمینان کو موقع اعتراض کیا ملتا، اس واسطے کہ اس مصرع میں
زبان کی گرفت کا کوئی موقع پایا نہیں جاتا ہے لہذا مختصر سچا ثنوی نگار وہی شاعر ہو سکتا ہے جو امرود
اور معاملات خارجیہ کے کلیات مجزئیات سے حسب مراد واقفیت رکھتا ہے سعدی شکیبہ
اور صاحب الف ایملہ کی حیرت انگیز کامیابیوں کا سبب سوا اطلاع کے دوسرا نہیں ہے۔

داستان بے نظیر کے آنے کی اور باہم صحبت کرنے کی

اس ثنوی کی داستانوں سے صرف نامعلوم داستان ایسی ہے کائنات بھیرن اور
داستان کو داخل ثنوی نہ کئے ہوتے یا اس داستان میں اس طرح کے بے باکانہ وصل کے
پہلو کو رقم نہ کرتے اس داستان کے مضامین کوئی روحانی جلوہ نہیں رکھتے نہ نیہار کسی
مذہب ملک میں ایسا نہیں ہوتا کہ ایک ہی صحبت کے بعد کوئی ناکتھا عورت اپنے حاضر سے

اس طو پر ہم آغوش ہونا گوارا کر سکے یہ ایک اسلامی شانزادہ اور شاہزادی کی کمائی ہے
 وصل قبل از نکاح چھ معنی دارد، یہ طور زناں بازاری کے سوا اور کس کا ہو سکتا ہے کسی
 شریف طبقہ کی ناکتخدا لڑکی تو اس طرح کا فوری وصل گوارا نہیں کر سکتی یہ داستان شنوی
 زیر عشق وغیرہ کا اخلاقی انداز دکھتی ہے فرق اسی قدر ہے کہ اس کے بیانات فطری
 خوبیوں سے خالی نہیں ہیں بحوب ہوتا اگر میر حسن اس داستان میں انتظار وصل کو دکھاتے اور
 محبت کی کھینچنے کی نئی سبکی حالتوں کو بیان کرتے اس سے اس داستان کی وقعت بڑھ جاتی
 اس فدی وصل نے تو بدرمیر و بے نظیر کو بے وقور کر دیا، لیکن اگر یہ دکھایا جاتا کہ بے نظیر
 رہا آیا کرتا تھا اور بدرمیر کی صحبت میں ایک پیر ما کہ تھا اور اس کا موقع مطلع ملتا

تھا کہ کس طرح سے پوری کی گرفتاری سے غلطی حاصل کر کے بدرمیر سے دستبرد ملنے
 کے مطابق مواصلت کی صورت پیدا کیجئے تو یہ واقعی داستان مطبوع صورت ہو جاتی
 اگر اس کی روزانہ کی حاضری اس داستان میں بیان کی جاتی تو بے شک اس کی یہ آمد
 شدہ رنگ پیدا کرتی جیسا کہ اہل فرنگ کا طوطی عقلمند کے پہلے بتوا کرتا ہے۔ اسے
 انگریزی زبان میں کورٹ شپ کہتے ہیں کورٹ شپ گولڈکس ہندوستان کے رواج
 کے خلاف ہے مگر اہل یورپ میں مذکور نہیں ہے بشرطیکہ کورٹ شپ کا زمانہ خیریت
 سے گزر جائے۔ درحقیقت یہ زمانہ انتظار کشتی کا زمانہ ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ اس
 سے محبوب نر زمانہ اس رواج کے پابندوں کو تیسراں کی تمام عمر میں نہیں آتا ہے

جو نر انتظار میں دیکھا نہ کبھی وصل بار میں دیکھا

خیر وصل کے بیان تک تو لاریب بڑی لغزش حضرت مصنف سے ظہور میں آئی ہے
 لیکن اس کے بعد کے مضامین پھر ذہنی لاجواب کہتے ہیں جو پنچیرل شاعری سے

منفک نہیں ہو سکتا۔ اشعار ذیل قابل توجہ ہیں۔

کہ اتنے میں دھڑ سے باجا پھر	یہ بیٹھے تھے خوش ہو کے باہم بھر
ہوئی غم کی تصویر بد مند سیر	پہرے ہ بجتے اٹھا بے نظیر
نہ دیکھا ادھر آنکھ اپنی اٹھا	نہ بولی نہ کی بات نہ کچھ کہا
پھر اول گا بولی کہ مختار سو	کہا مجھ سے پیاری نہ نیزا ہو
گیا تو وڑے منہ پہ آنسو وان	خفاں کے موٹے سٹے لو جو وان

داستان خیر پاناما، فتح کار بانی دیو کے عشق بے نظیر و

بد مند سیر سے اور قید کرنا بے نظیر کو

یہ داستان داخلی شاعری کا خاتمہ نظر آتی ہے شکستہ بلا سخن داخلی شاعری کا مالک ہے، مگر قابلیت کے رو سے میر حسن بھی اس بیکتا سے روزگار سے کم دکھائی نہیں دیتے اس داستان میں دو سین حوالہ قلم ہوئے ہیں ایک وہ جو بے نظیر سے متعلق اور دوسرا وہ جو بد مند سیر سے تعلق رکھتا ہے دونوں سین نہایت اعلیٰ درجہ کے داخلی پہلو رکھتے ہیں ان کے مضامین کے ڈیتے ہیں کہ میر حسن کو امور ذہنیہ کے بیان کی عجب حیرت انگیز قدرت حاصل تھی واقعی ان کے داخلی بیانات عالم درونی کی تصویر ہیں حسب ستور پہلے حضرت مصنف ساتی نامہ کے چند آبدار اشعار رقم کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں :-

پلا بھر کے ساتی مجھے بھر کے جام کہ ہے چرخ بھی دپٹے انتقام

یہ دونوں کو اک جا بٹھا تا نہیں
 کسی کا اسے وصل بھاتا نہیں
 یہ ہے شون وصل و دل سوز ہجر
 کر سے ہے شنب وصل کو روز ہجر
 جدائی جنھوں کی خوش آئی اُسے
 پھر اتنی بھی صحبت نہ بھائی اُسے
 اس کے بعد ماہ رُوح کے خیر پانے کے مضامین کو اس طرح پر جو القلم کہتے ہیں:-

کبھی دیو نے دی پری کو خیر
 کہ معشوق عاشق ہوا اور پری
 یہ سن کر وہ قلعہ بھید کا ہوئی
 لگی کہنے ایں یہ بلا کس یا ہوئی
 قسم مجھ کو حضرت سلیمان کی
 ہوئی دشمن اب اس کے میں جان کی
 کہا دہو سے سے مجھے تو بتا
 کما وہ کسی باغ میں تھا کھڑا
 کوئی ناز نہیں سی تھی اک اس کے ساتھ
 قنار اٹھا میں جو ہو کر ادھر
 کھڑی تھی بیٹھے مانتہ میں اس کے ہاتھ
 یہ اڑتی سی اس کی خیر سن پری
 وہ دونوں مجھے دال پٹھے تھے نظر
 تو کھا جاؤں گیا اُسے موت ہو
 کہا دیکھنے پاؤں اس کو فری
 وہ آئے تو آنگے مر سے باہر
 کہیں آدی زاد کل بے وفا
 یہی قول و اقرار تھا میرے ساتھ
 کہ ہیں آدمی زاد کل بے وفا
 رہا ہے بزرگوں نے سچ ہے کہا

حضرت ناظرین اشعار بالا اس غضبناک عورت کی ایک پوری تصویر ہیں جس کو اپنے
 معشوق سے بے وفائی کے سدھ کے اٹھانے کا اتفاق ہوا ہے۔ حضرت مصنف نے
 ایسی عورت کے معاملات و روئی کی مختلف اور پے درپے کیفیتوں کو جس قابلیت کے
 ساتھ جو القلم کیا ہے بہت کچھ قابلِ قدر و لحاظ ہے واہ واہ کیا فطری طر لقیہ بیان

ہے معشوق کے اوپر عاشق ہونے کی خبر پاتے ہی بلا در یافت حقیقت پر ہی شعلہ جھبکا ہوتی ہے پھر فرط حیرت و غضب سے جو بولتی ہے تو اسی نذر بولتی ہے کہ اب یہ بلا کیا ہوئی پھر تحقیق حال کی طرف مائل نہیں ہوتی ہے دفعتاً بے نظیر کی دامن جاں ہونے کی قسم کھا بیٹھتی ہے یہ منظر ارمی فعل کس نذر فطری انداز رکھتا ہے پھر حیرت پہلی کیفیت شدت غضب کی کم ہوتی ہے تب مختصر طور سے دیو سے جو بائے حال ہوتی ہے اس کے پوچھنے پر دیو چون کہو بے نظیر اور تہ پر ہی کے معاملات عشقیہ کے ساتھ کسی قسم کا تعلق تھا ایک بے لگاؤ شخص کی طرح بے نظیر اور بد منیر کے دیکھنے کی سرگزشت بیان کر دیتا ہے اس کی کیفیت کو سن کر پر ہی کو بد منیر کے ساتھ فی الفور سوتا ڈا ہ پیدا ہوتی ہے اور بد منیر کی نسبت ایسے الفاظ زبان پر لاتی ہے کہ ایک بڑھنناک سوتن کے سوا کسی کی زبان پر وہ نہیں سکتے اس اظہار عداوت کے ساتھ ہی پھر پر ہی بے نظیر کو خیال میں لاتی ہے اور اس سے انتقام کا ارادہ مصمم کرتی ہے اور اس انتقام کی وجہ معقول سابق کے قول و اقرار کو ٹھراتی ہے بالآخر ان سب پے در پے غضبناکی کیفیتوں کے بعد اپنے عشقی تعلق پر اظہار ندامت کرتی ہے اور قول بزرگیاں سے اپنی انحراف و زدی پر سخت پشیمان ہوتی ہے آفرین صد آفرین میر جن آپ کی شاعری ایسے نہ علم درونی نظر آتی ہے اگر آپ بان اردو کے شاعر نہ ہوتے تو اردو میں شکسپیر کی شاعری کا انداز کہاں دکھائی دیتا اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے معاملات خارجیہ کے بیانات تک شکسپیر نہیں پہنچتے ہیں بلکہ آپ کے اٹھو ذہنیہ کے بیانات بھی ایسے ہیں کہ قریب قریب شکسپیر کا مانگے جاتے ہیں اور تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ آپ شکسپیر کی شاعری پابندی نوانی و ردیلت کے ساتھ برتتے ہیں اور یہ وہ سخت پابندی ہے جس سے شکسپیر کو تاثر آزادی نصیب تھی

پیری کی غضبناکی حالتوں کو بیان کر کے حضرت مصنف بے نظیر کا اس کی حالت
غضبناکی میں سامنے آیا اور ارشاد کرتے ہیں :-

غضبناک بیٹھی تھی یہ تو ادھر	کہ اتنے میں آیا وہ رشکِ قمر
اسے دیکھ غصے میں وہ ڈر گیا	کے تو کہ جیتے ہی جی مر گیا
بلاسی وہ دیکھ اس کے پیچھے لگی	کما سن تو اسے موذی و مدعی
تجھے سیر کو میں نے گھوڑا دیا	کہ اس مالِ زادِی کو جوڑا دیا
الگ ہم سے یوں بننا اور چھوٹنا	یہ اوپر ہی اوپر مزے لوٹنا
مچلکا دیا تھا نہ تو نے یہی	بھلا اس کا بدلانہ لوں تو سہی
پھر اچھے راتوں کو دل شاد تو	کرے گا دنوں کو بہت یاد تو
مزاجہ کا دیکھ اپنے ذرا	جھکاتی ہوں کیسے کنویں رہ بھلا
تجھے جیسے ماروں تو کیا اسے غریب	دلے چاہتے ہیں یہ تیرے نصیب
کہ چاہ اہم میں پھنساؤں تجھے	ہنسنا ہے تو جھیا ر لاؤں تجھے

اشعارِ بلاکی فطری خوبیاں حضراتِ اہل مذاق پر پیدا ہوں ہم کہاں تک سمجھ نہ سکتی کرے
اس غضبناک اور انتقام طلب تقریر کے بعد پیری ایک دیو کو بے نظیر کے کنویں میں بند
کرنے کا حکم دیتی ہے بے نظیر کے کنویں میں بند ہونے کے مضامین بھی نہایت متاعِ عرنا تو بیا
لکھتے ہیں اور اس عاجز کی دانست میں ملا جاگی علیہ الرحمہ کے بیان قید چاہ سے جو ان کی
شکوئی بوسلف زلیجیا میں پایا جاتا ہے زیادہ حسن شاعرانہ رکھتے ہیں۔

واضح ہو کہ یہاں تک کا سین بے نظیر سے متعلق ہے اب حضراتِ ناظرین میں
ذیل پر توجہ فرمائیں جو بد نیزیر کی مددنی کیفیتوں سے تعلق رکھتا ہے حضرت مصنف فرماتے ہیں

پھنسا اس طرح سے جو وہ بے نظیر
 ہم دو دلوں میں جو ہوتی ہے چاہ
 نذرتی ہے دل کتنے میں لے لے راہ
 فلق وال جو گداتویاں عم ہوا
 رکاجی دہاں باں خفا دم ہوا
 نظریں ہوا اس کے عالم سیاہ
 کئی دن جو آیا نہ وہ رشک ماہ
 خدا جانے اس شخص کو کیا ہوا
 گئی کہتے نجم النسا سے ہوا

واضح ہو کہ یہ امر فطری ہے کہ جب دو دل میں راہ ہوتی ہے تو ان میں سے اگر ایک
 بتلائے غم ہو تا ہے تو دوسرا بھی بتلائے غم ہو جاتا ہے، اس کا ذاتی تجربہ اکثر اہل
 کو حاصل ہوا ہے حضرت مصنف نے یہاں دل را بدل رسمیت کے مضمون کو خوش سلوٹی
 کے ساتھ حوالہ قلم کیا ہے ظاہر ہے کہ بے نظیر کی مفارقت سے جو غم بد مزہ ہو گا وہ
 بنجم النسا کو نہیں سکتا تھا، گو بنجم النسا بد مزہ کی ایک بڑی درد مند و مستدار تھی بد مزہ کا
 تعلق بے نظیر کے ساتھ عشق کی بنیاد پر بالال اور بنجم النسا کا بالعرض تھا اس تعلق کو بد مزہ
 کے حضرت مصنف نے شعر آخر میں خوب کھلایا ہے فریق سے ایسا خطاب کہ خدا
 جانے اس شخص پر کیا ہوا اور ہی شخص کرے گا جس کا تعلق قلبی انتہا کو پہنچ گیا ہو گا، اللہ ہی
 کلام کی بلاغت اللہ ہی کیفیت درونی کی مصلوئی اللہ ہی واقعات بند ہی اللہ ہی فطرت
 نگاری ہی چیز میں کہ تاہم غیبی کے بغیر نہیں آتی ہیں یہ شخص عنایت ایزدی ہے اگر شے
 کسی ہوتی وہی نہ ہوتی تو ہر لائے مدرسہ سعدی شکستہ اور میر حسن بن مٹھیتا، اس خطاب کا
 جواب جو بنجم النسا نے دیا گو رکھا معلوم ہوتا ہے مگر مصلحت آمیز ہے اس کے جواب
 سے ہرید ہوتا ہے کہ وہ ایک مدبرانہ مزاج کی عورت تھی جیسا کہ ذہیر زادی کو باشعور
 اور دلشیز ہونا چاہئے وہ تاہم لیس فی اشعار ذیل بنجم النسا کے جواب پر مشتمل ہیں،

کہا اس نے بی تم کو سودا ہے کچھ
 خدا جاتے کس شغل میں لگ گیا
 وہ رہ رہ کے تم کو دلاتا ہے چاہ
 لکے جو کوئی اس سے رک جائیے
 بقول بھلا کچھ نکالا کرو
 وہ مستحق ہے اس کو پروا ہے کچھ
 مری چڑھ ہے اتنا بھی بڑا خدا
 عبت آپ کو تم کرو مت تباہ
 جھکے آتے اس سے جھک جائیے
 ذرا آپ کو تم سنبھالا کرو

یہ جواب پاکر بدر بنیہ چپ ہو رہی اس کی خاموشی تہمتز مقتضا سے فطرت تھی ایسے جواب کے
 بعد کوئی تبتلائے غم بخیر بان کھول نہیں سکتا، بد نیز کی خاموشی اس طرح پشتر ذیل میں حوالہ قائم ہوتی ہے
 بین چپ بی ل میں کھا پتچ دنا ب دیا پھر نہ اس بات کا کچھ جواب

سبحان اللہ حضرت مصنف انسان کے کو ائف درونی سے کس قدر باخبر تھے لاریب میر حسن
 اردو کے شکستہ ہیں اسی باخبری کی بدولت شکستہ کو الہامی شاعر دنیا تے مانا ہے اور بعد از
 اطلاع میر حسن کو بھی ایسا ہی مان سکتی ہے انصاف یہی ہے کہ میر حسن شکستہ کی طرح الہامی
 شاعر مانے جانے کے تہمتز سخی ہیں اگر میر حسن انگلستان ایسے قدر شناس ملک
 میں ہوتے تو بے شک ایسے ہی مانے جاتے ۛ

القصد جو ب کمئی دن گزر گئے اور بے نظیر کی کوئی خبر بدر بنیہ نہ پاسکی تو اس سے
 اس کی کیا حالت ہو چلی اس کی پوری کیفیت اشعار ذیل سے ہویدا ہوتی ہے سبحان اللہ
 کیا فطرت نگاری ہے شاعری عبارت اسی سے ہے ان اشعار میں مورد قلبہ کا بیان نہیں ہے
 امور قلبیہ کی معذوری ہے فی الواقع میر حسن کی نیچرل شاعری کو وہی سمجھے جس نے شکستہ
 کی تحصیل میں برسوں جان کھپی کی ہو نیچرل شاعری کا مذاق کھیل نہیں ہے بڑی مستحقوں
 سے یہ دولت نصیب ہوتی ہے ۛ

گئے اس پر جب دن کئی اور بھی
 یوانی سی ہر طرف پھرنے لگی
 ٹھہرنے لگا جان میں اضطراب
 تپ بھر گھروں میں کرنے لگی
 خفا زندگانی سے ہونے لگی
 تپ غم کی شائستگی کانپ کانپ
 نہ لگا ساہنسانہ وہ بولنا
 جہاں ٹھینا پھر نہ اٹھنا اُسے
 کہا اگر کسی نے کہ بی بی چلو
 جو پوچھا کسی نے کہ کیا حال ہے
 کسی نے جو کچھ بات کی بات کی
 کہا اگر کسی نے کہ کچھ کھائیے
 کسی نے کہا سیر کیجیے ذرا
 جوانی پلانا تو پینا اُسے
 نہ کھانے کی سزا دینے کا ہوش
 چمن پینہ مائل نہ گل پر نظر
 نقشہ اُسی سے سوال و جواب
 جو اُٹھے کچھ ذکر شعر و سخن
 تو پڑھنا یہ دو تین شعر حسن

بگڑنے لگے پھر تو کچھ طور بھی
 دہشتوں میں جا جا کے کرنے لگی
 لگی دیکھنے محنت آلودہ خواب
 در اشک سے چشم بھرنے لگی
 بہانے سے جا جا کے سونے لگی
 اکیلی لگی ونے منہ ڈھانپ ڈھانپ
 نہ کھانا نہ پینا نہ لب کھولنا
 محبت میں دن رات گھٹنا اسے
 تو اٹھنا اُسے کہ مال جی چلو
 تو کہتا یہی ہے جو احوال ہے
 پین کی جو پوچھی کسی رات کی
 کہا خیر بہتر ہے منگو ایسے
 کہا سیر سے دل ہے میرا بھرا
 غرض غیر کے ماتھے جینا اُسے
 بھرا دل میں اس کے محبت کا ہوش
 وہی سامنے صورت آٹھوں پہر
 سدا رو برو اس کے غم کی کتاب

غزل

یہ کیا عشق آفت اٹھانے لگا
میرے دل کو مجھ سے چھڑانے لگا
ملا میرے دل کو مجھ سے خدا
نہیں تو مرا جی ٹھکانے لگا
گنہ چشم خونبار کا کچھ نہیں
مرا دل ہی مجھ کو ڈبانے لگا
فلک نے تو آتنا سنسایا نہ تھا
کہ جس کے عوض یوں لانے لگا
نہیں مجھ کو دشمن سے شکوہ حتمی
مرا دوست مجھ کو ستانے لگا

غزل یا رباعی و یا کوئی فرد
دیگر اسی ڈھب سے پڑھنا کہ ہو جس میں دو
سو یہ بھی جو مذکور نکلے کہیں
نہیں تو کچھ اس کی بھی خواہش نہیں
سبب کیلکہ دل سے تعلق ہے سب
نہ ہر دل تو چہ بات بھی ہے غضب
گیا ہو حیب اپنا ہی جھوٹا نکل
کمال کی رباعی کمال کی غزل

حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ ایک مجبور غم دیدہ آفت رسیدہ رنج کشیدہ
مضطرب مبتلا سے مال بقیار بے آرام دل سوختہ جان باختہ کی اس سے بہتر کیا تصویر
کھینچ سکتی ہے جن یہ ہے کہ اہل انصاف جس قدر داغ سخن دیں بجا ہے اور ہل ہند جس قدر
اس تنہوی کو سراہے ناز سمجھیں سزاوار ہے *

داستان بدمنیر کے غم اندوہ کی اوریش بانی کے بلانے میں

بدمنیر کی حالت پھر بے نظیر سے جو ہو رہی تھی اس کی کیفیت بالا میں لکھی
جا چکی لیکن ایک دن کی سرگزشت یہ ہے کہ بدمنیر خواب روز سے سو کر جو اٹھی تو اس کا
جی چاہا کہ سیرچن کیسے کرتا ہے اس سے کچھ تفریح کی صورت پیدا ہو کثرت اندوہ و

دلال ہیں کبھی انسان کے دل کو سیر و تفریح کی طرف میلان ہوتا ہے یہ امر خلاف فطرت نہیں ہے اس خواہش سے وہ نکل سے برآمد ہو کر جن میں ایک زمرہ دی مورٹھے پر جا بیٹھتی، حضرت مصنف اس کے انداز نشست اس کی حقہ نوشی اس کی خواہشوں کی حاضری اور جن کے سماں کو جس فادر الکلائی کے ساتھ زریب تم کرتے ہیں اس کی زاد راقم کے احاطہ قدرت سے باہر ہے امور خارجمیہ کا بیان اس مختصر سے پن کے ساتھ شکسیر کے کسی پلے میں نظر نہیں آتا ہے صرف سروالٹر اسکاک کی لیڈی آف دی لیک میں البتہ یہ مرفح نگاری دیکھی جاتی ہے بہر کیف اس بیان کے بعد حضرت مصنف لکھتے ہیں کہ سیر جن میں بدرمیر کو نغمہ کا خیال آگیا۔ یہ امر خلاف فطرت نہیں ہے سیر جن میں نغمہ کی طرف میلان مقتضی سے طبیعت سے ایسا میلان ممکن ہے کہ کبھی ہوتا ہے کہ نغمہ سے اس کے اندوہ دلال میں کمی نہیں ہوتی آپ فرماتے ہیں :-

کہ اتنے میں کچھ جی میں جو آگیا ادا سے لگی کہنے وہ دلسرا

اسے ہے کوئی ماں ذرا حیا پڑو مری عیش بانی کو سے آئیو

عجب وقت ہے، اور عجب ہے سماں کرے دو گھڑی آ کے مگر ابہاں

خفا ہوں مرا جی بھی مشغول ہو کوئی دم تو داغ جگر پھول ہو

کسی طرح سے دل تو گلتا نہیں چلے ہے جگر دل سلگتا نہیں

یہ حکم پاتے ایک خادمہ عیش بانی کو بلالائی وہ عیش بانی بھی شاہی مہرانی تھی اس کے حسن و جمال لباس زلیور آرائش ساز و سازان آداب و لحاظ کا کیا گنا تھا اجاب بدرمیر کے حضور میں حاضر آئی وقت کے مطابق گوری کا حکم ہوا۔ اس نے گانا شروع کیا حضرت مصنف اس صحبت و رقص کے سماں کی تصویر یوں کھینچتے ہیں۔

ہوا حکم گوری کا جو بر ملا
 دیا آسماں پر جو طیلوں کو کھینچ
 لگی گانے ٹپدہ اس آں سے
 عجبتان پڑتی تھی انداز سے
 وہ تھی گنگری یا لڑھی نور کی
 گل و غنچہ کی طرح محبوب تھی
 غرض کیا کہوں اس کا میں ماجرا
 وہ گانے کا عالم وہ حسن بیاں
 گھڑی چار دن یا تری اس وقت تھا
 درختوں کی کچھ چھانواؤ کچھ دھوسا
 پیٹھے ہوئے روستوں پر تمام
 وہ لالہ کا عالم کسے کا رنگ
 گلہابی سا ہو جانا دیوار و در
 وہ پیادہ کا چھٹنا وہ پانی کا زور
 وہ سر و سہی اور آبِ رواں
 وہ اُرتی ہی نسبت کی دبی صدا
 وہ قصبے تال اور پتھر الایپ
 وہ دل بیسنا تاقہ پر صحر کے تاقہ
 نہ انسان ہی کا ہو دل اس میں بند

بیسے ساز اپنے سمجھوں نے اٹھا
 سر رک تھا سب میں لیا سب کا اینچ
 نکلنے لگی جان ہر تان سے
 کہ بیکل تھی ہر تان آواز سے
 مسلسل تھی اک پھل پھری نور کی
 کھلی اور زندگی ل کو مرغوب تھی
 عجب طرح کی بندھ گئی تھی ہوا
 وہ گلشن کی خوبی وہ دن کا سماں
 سہانا ہر اک طرف سایہ ڈھلا
 وہ دھانوں کی سہری سہری کا ریب
 رو پیلے سہرے ورق صبح و تمام
 وہ آنکھوں کے ڈوبے نشتر کی رنگ
 درختوں سے آنا شفق کا نظر
 سر اک جانور کا درختوں پر شور
 وہ مستی سے بانی کا ہنسنا و ہاں
 کہیں دور سے گوش پڑتی تھی آ
 وہ گوری کی تانیں وہ طیلوں کی تھپا
 اچھلنا وہ دامن کا ٹھوکر کے ساتھ
 ہوئے تھمکن کر چرند و پرند

غرض جو کھڑے تھے کھڑے رہ گئے
 جو بیٹھے تھے اگے وہ چل سکے
 اٹھے جس جگہ کو اڑے رہ گئے
 جو بیٹھے سو بیٹھے نہ چھل سکے
 گلوں نے ویسے کان اودھر لگا
 کھڑے رہ گئے شرمو کہ کر خرت
 بنے نسل آئینہ دیوار و در
 کہ ہو جائے پتھر کا پانی جگر
 بنو اس کے دل کا عجیب حال وہاں
 بندھا اس طرح کا جو اس جاسماں

حضرت مصنف کی اطلاع عام بہت قابل لحاظ ہے جس سے جتنی باتیں قصص و نثر سے متعلق ہیں
 پوری واقفیت کے ساتھ سوال و قلم ہوئی ہیں تاہم نثر کے بیانات عجب پر تاثیر
 کے ساتھ تم ہوئے ہیں بہت کچھ تو ان میں واقعات نثری کی حیثیت رکھتے ہیں لہذا یہاں
 قریب کے ساتھ اور فطری رنگ پر بندش پائے ہیں کہ دل کو ان کی جانب عجب طرح کی
 رغبت ہوتی ہے علاوہ اس کے مجمع خوباں صحبت و قصص تازگی سخن کیفیت و وقت ان سب کا
 سماں ایسی خوبی کے ساتھ دکھلایا گیا ہے کہ میر حسن کے سحر البیان ہونے میں ہر کہ شکر
 کا فرگہ دو کا مضمون مہادق آتا ہے تناسب کلام کی یہ خوبی ہے کہ اس سے زیادہ
 تناسب کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی جن صاحب نے اس شعر پر "دخو توں کی کچھ چھا لود
 کچھ وہ دھوپ نہ وہ دھانوں کی سنری وہ سرسوں کا روپ" یہ اعتراض وارد فرمایا
 ہے کہ دھان اور سرسوں کا ایک وقت نہیں ہوتا ان کا یہ اعتراض یا فن باغبانی یا فن زراعت
 کے اصول پر وارد کیا جا سکتا ہے ان دو پہلو کے سوا اور کسی پہلو سے اس شعر پر کوئی
 اعتراض وارد نہیں ہو سکتا ہے اگر زبان کی بدترکیبی پر کوئی اعتراض وارد کیا جائے تو

لائق کو اُس میں مجال گفتگو نہیں ہے کس واسطے کہ یہ ناچیز نہ زبان دان ہے نہ اہل زبان سے
 ہے بہر کیف اگر فن باغبانی کے رو سے یہ اعتراض وارد کیا گیا ہے اور قرینہ بھی ایسا ہی
 ہے کہ فن باغبانی کے رو سے یہ اعتراض وارد کیا گیا ہوگا کہ بس واسطے کہ یہ دھان اور سرسوں
 بد زنی کے باغ کے اندر واقع تھے جہاں وہ گانا سن بھی ظاہر ہے کہ سرگشتی کے
 لیے زراعتی کھیتوں میں تو وہ نہیں گئی تھی پس اُس کا جواب باغبانی کے فن کے
 رو سے یہ ہے کہ امر کے باغوں میں مجھ و سبزی کے خیال سے دھان اور جو بونے
 جاتے ہیں ان سے پیداوار کی غرض متعلق نہیں ہوتی جس فصل میں جو کوئی چاہے
 سبزی کی غرض سے دھان یا جو بو کر دیکھ لے پس جب ہر وقت میں دھان یا جو کا
 سبب تیار کیا جا سکتا ہے تو پھولی ہوئی سرسوں کے ساتھ دھان کے تختہ
 کا موجود رہنا خلاف امکان کیا ہے سرسوں بونے کے وقت حرب دھان یہ یا جائے
 گا اس میں ناکامیابی لاحق نہ ہوگی بلکہ تانی اگر اعتراض بالازراعت کے مہول بہ
 وارد کیا گیا ہے تو بھی حیرن کے کلام میں عام تناسب نقصان پایا نہیں جانا ہے کس
 واسطے کہ جن گلوں میں دو فصلیں یا تین فصلیں دھان کی ہو کرتی ہیں وہاں دھان کی
 سبزی سرسوں کے پھولنے کے وقت میں پائی جاتی ہے علاوہ اس کے ایک
 قسم دھان کی ہوتی ہے جسے بورہ کہتے ہیں یہ قسم سرسوں کے پھولنے کے وقت
 نہایت سبز ہوتی ہے یہ قسم دھان کے محال کے اعتبار سے فصل گرما میں تیار
 ہوتی ہے اس وقت کے بہت پہلے سرسوں تیار ہو کر کٹ جاتی ہے حضرت
 معترض کے ایسے اعتراض وارد کرنے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر دیسوں
 میں جب سرسوں پھولتی ہے تو دھان میں سبزی نہیں پاتی ہوتی ہے لیکن اگر

حضرت معترض کو پورے طور پر زراعتی معاملات سے اطلاع ہوتی تو ایسے معترض کے وارد کرنے پر جرات نہیں فرماتے، ایسے دیسوں میں کبھی کبھی سرسوں کے پھولنے کے وقت دھانوں کے بعض کھیتوں میں کافی طور پر سبزی باقی رہتی ہے، اس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ حسب حال پچھتا اور سرسوں اگات ہوتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ جانتا چاہیے کہ سرسوں کے بونے کے دو زمانے ہیں ایک ہتیا پختہ کے بعد اور دوم عین عریاں پہلی قسم جب سویر سے بولی جاتی ہے تو اس کے پھولنے کے وقت دیر کے بونے ہوئے دھانوں کا سبز رہنا غلات توقع نہیں ہے، لہذا معترضین کا شعر بچرل خاوری کے غلات نہیں ہے عام اس سے کہ باغبانی یا زراعتی نگاہ سے دیکھا جائے

ایک قصہ پر چند گانا بڑی خوبی کے ساتھ پورا مانتا کہ بد نیز کو اس سے تفریح طبع کی صورت پیدا نہیں ہوئی، چوٹ کھایا بڑا دل کیں گانے سجانے سے بہت تپ سماں و رقص سے تو غم و الم کی افزائش ہوتی ہے چنانچہ ایسا ہی بڑا جیسا کہ اشعار ذیل سے ظاہر ہوتا ہے :-

لگا تھا ز بس عشق کا اس کو تیر	گئی کھینچنے آہ بدر میر
بندھا اس کو عاشق کا اپنے خیال	گئی رونے آنکھوں پر پھر کر مال
کئیں کائیں لے آڑ اس کو راگ	ہوا سے ہوئی اور گلزار آگ
گئی کہنے ہے ہے دیکھوں میں میر	نہ ہواں میرے وہ یادش بخیر
دی جانے چرخ کے کچھل کو راگ	کہ عشق بن سب سے گلزار آگ
بھلا کیونکہ جی اس کا خوش حال ہو	کہ جوں کا غم جس کے نہاں ہو
جگہ میں اگر آہ کی سول ہو	لگے خار کیسا ہی کو پھول ہو

دردخیزوں کے عالم سے کیا ہونا
 جیسے یاد شدہ شہاد کی ہو کمال
 کرے گلشن و گل پہ کیا وہ نظر
 جسے اپنے گل کی نہ ہو سے خبر
 یہ کہ گراٹھی واں سے وہ دلربا
 چھپر کھٹ میں جا کر گری منہ چھپا
 خوشی کا جو عالم تھا ماتم ہوا
 ورق کا ورق ہی وہ برہم ہوا
 سب اچھٹے ہی لیں اس کے جاتی ہیں
 طوائف کہیں اور خواہیں کہیں
 یہ سچی تصویر اس شخص کی ہے جو حالت غم میں جلسہ نفس سرد کا شریک ہوتا ہے غم
 سے ان کے لئے مسرت خیز ہے جن کے دل بد غم سے آزاد ہیں نہ ایسوں کے واسطے
 جو قیدی رنج و سخن میں ملولند :

نغمہ وے کا ذکر مست چھپڑو
 ہجر میں ناگوار ہیں دونوں
 حضرت سودا نے خوب فرمایا ہے
 ہم سے مجوزوں کو لیکن کب خوش آتی ہے بہار
 جن کو وہل گل زغال ہے ان کو بھالی ہے بہار
 یہ گل کیا کیجے بڑھتی ہے دونی بے کلی
 خار حیران اور بھئی ل میں چھپاتی ہے بہار
 آخر میں حضرت مصنف تین شعر اخلاقی رنگ کے یوں حوالہ قائم فرماتے ہیں
 مری عقل اس جا پر حیران ہے
 کہ یارب یہ کیسا گلستان ہے
 ہر اک وقت ہے اس عالم جدا
 جو چاہویہ پھر ہو تو امکان کیا
 کبھی ہے خزان دل کبھی ہے بہار
 نہیں اک تیر سے یہ لیل نہار

داستان بے نظیر کے غم ہجر سے بد تمنیر کی بتقاری میں

حضرت مصنف نے اس داستان میں بد تمنیر کی غم زگی کا نوٹ اس طرح پر کھینچا ہے

زیاں پر تو باتیں ملے دل اداں
 نہ منہ کی خبر اور نہ تن کی خبر
 اگر سر کھلا ہے تو کچھ غم نہیں
 جو سستی ہے دو دن کی تو ہے وہی
 جو سینہ کھلا ہے تو دل چاک ہے
 نہ منظور سر نہ کابل سے کام
 پر لگندہ حیرت سے ہوش و حواس
 نہ سر کی خبر نہ بدن کی خبر
 جو کڑتی ہے میلی تو محرم نہیں
 جو ننگھی نہیں کی تو یوں ہی سہمی
 عم آلودہ صبح طرب ناک ہے
 نظر میں وہی تیرہ سنجستی کی شام

اس کے بعد حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ حسین بے آرائش بھی بھلے لگتے ہیں بلکہ بے آرائش ان کا حسن دو بالابر جاتا ہے یہ قول نہایت راست ہے اس میں مبالغہ کو خاص برابر بھی دخل نہیں ہے آپ فرماتے ہیں :-

دلیکن یہ خوبوں کا دیکھا سمجھاؤ
 نہیں حسن کی اس طرح بھی کمی
 غرض بے ادالی ہے یاں کی ادا
 جو ماتھے پہ چین چین غم سے ہے
 و آنکھیں جو رونے میں پھوٹ پھوٹ
 تب غم سے یوں تہمتاے میں گال
 گریبان سینہ پہ ہے جو کھلا
 نقابت سے چہرہ اگر زد ہے
 ادا سے نہیں یہ بھی عالم جدا
 حضرت مصنف کی شاعری کا یہ بڑا کمال
 کہ بگڑے سے زونا ہواں کا بناؤ
 جو بگڑی ہے بیٹھی تو گویا بینی
 بھلوں کو سمجھی کچھ لگے ہے بھلا
 تو وہ بھی ہے اک موج دریائے مے
 تو گویا کہ مونی بھر سے کوٹ کوٹ
 کہ جوں تک لگے ہو وقت زوال
 تو گویا پارہ ہے صبح عشرت فزا
 دیا آہ ہونٹوں پہ کچھ سرد ہے
 کہ سپہ چاندنی اور ٹھنڈی ہوا
 ہے کہ اکثر منقح مسائل بیان کر جاتے ہیں

واقعہ صحت محتاج آرائش نہیں ہے جیسا کہ حضرت سودا فرماتے ہیں :-
 نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی کہ جیسے خوشنما لگتا ہے دیکھو چاند بن گئے

داستان بقیاری بد مزہ کی بے نظیر کے فراق میں اور نغم النساء کے تسلی دینے میں

بد مزہ بھیرے نظیر میں یوں تو برابر بے قرار تھی مگر جب پورا مہینہ گزر گیا اور
 بے نظیر آیات اس کا قلق بڑھنے لگا عشق نے انداز جنوں کا پیدا کیا بقول حضرت
 مصنف :-

محبت کا سودا سا ہوس نہ لگا جنوں نغم وحشت کا بونے لگا
 سرکنے لگا پاس ناموس و ننگ لگی عقل اور عشق میں بونے جنگ
 غمخوشی طعنانے لگی دل میں شور جھٹلنے لگی نازانی بھی زور

واقع ہو کہ عشق ایک سو اسی مرض ہے اگر اس کا علاج وقت پر نہیں کیا جائے ، تو
 جنوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے عشق کا بہترین علاج عقل و عشق ہے مگر یہ علاج
 دشوار صورت ہے ظاہر ہے کہ بحالت وجود اس طود بد مزہ کے علاج کی کوئی
 شکل نہ تھی اگر اس کے عشق سے آثار جنوں نمایاں ہونے لگے تو امر تمام تر قرین
 فطرت تھا واقعہ حضرت مصنف بہت ہی اطلاع عام رکھتے تھے زینبہ ایسی
 شاعری ایک لایعلم شاعر سے انجام نہیں پاسکتی ہے الواقعہ حب بد مزہ کی یہ
 حالت پہنچی نغم النساء نے اس کے جوش کو مسکرت آئیناؤں سے کم کر دینا

چاہا جیسا کہ اشعار ذیل سے ظاہر ہوگا :-

یہ احوال دیکھ اُس کا دخت وزیر
تو وہ ہے کہ رجب کے تیسرے قوت
مسافر سے کرتا ہے کوئی بھی پیت
اُسے پار دن کے ہیں یہ آشنا
گئے آسمان گہ زبیں کے ہیں یہ
تو بھولی ہے کس بات پر اُسے بوا
سنو جانی اپنے پہ کوئی مرے
اگر آپ پر کوئی شہیدانہ ہو
وہ خوش ہو گا اپنی پری کو لیے
تھاری اُسے چاہ ہوتی اگر
بمخالفی یہ تقریر بڑے طبی اصول پر مبنی معلوم ہوتی ہے عشق کے علاج کا ایک یہ
بھی طریقہ ہے کہ معشوق کے حالات لغزت افزا اور خصال زشت کو عاشق کے
آگے بیان کرے ہیں مگر یہ طریقہ افراط عشق کی حالت میں سود مند نہیں ہوتا ہے
چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ اشعار ذیل سے ظاہر ہوگا :-

گئی کہنے تب اُس سے بد منیر
کسی کی بدی تو نہ کر عیب ہے
و اپنے دکوں تو ہے نیک ذات
ہو اُفتدیا اُسے پایا نہ ہو
کہ سنتی ہے اُسے میری نخت وزیر
کہ اُس کا خدا عالم الغیب ہے
ہوئی اس پہ کیا جا گیا واردات
گئے لتنے دن اب تک آیا نہ ہو

مجھے رات دن اس کا رہتا ہے ڈر
 نہ بانڈھا ہوا اس کو کسی صید میں
 پری نے کہیں طیش کھالاف میں
 پرستان سے بھی نکالا نہ ہو
 نہ لینے کے دکھ اس کے سب میں
 یہ کہ حال دل اپنا روئے غلی
 گئی منڈکری ماہِ آخر کو لیٹ

پری نے سستی ہو نہ پاں کی خبر
 کیا ہو نہ اس کے تئیں قید میں
 دیا ہو نہ پھینک اس کو قاف میں
 کہسی دیو کے منہ میں ڈالا نہ ہو
 بھلا اپنے جی سے وہ جیتا رہے
 گہرا استفاد کے پر وئے لگی
 چھپر کھٹ کے کوئے میں سر نہ لیٹ

اشعار بالا کس قدر فطری رنگ رکھتے ہیں اول تو معشوق کی برائی کا یقین ہی پیدا نہیں ہوتا ہے معشوق ہمیشہ خوش خصال ہی نظر آتا ہے جیسا کہ قول اسطو ہے 'معشوق یہی حسن العاشق و بجمہ عن اور اک عبوب معشوقہ' ایسی صورت میں بلا میں بے نظیر کی برائی کو کیونکر مان سکتی تھی! پس ضرور مزا کہ نجم النساء کو بدگوئی سے روکے، اور نجم النساء کی تردید میں بے نظیر کو خوبی کے ساتھ یاد کرنے سے پھر بے نظیر کی نسبت تعلق کے ساتھ اس کی غیر حاضری کیسے احتمالات کو کہ جائے آسمان اللہ کیا شاعری ہے اس کے بعد بے غرضی کی عاشقی کا اظہار کیا خوب عوالم فہم ہوا ہے آخر میں یکسی کا رو دینا کیا نیچرل رنگ لکھتا ہے اور روئے کے بعد منڈکری مار کر اور چھپر کھٹ کے کوئے میں سر نہ لیٹ کر سو جانا کیا یہی واقعہ نگاری ہے۔

خواب دیکھنا بد معنیہ کا بے نظیر کو کوئٹہ میں اور جوگن بن کر

نکلنا نجم النساء کا اس کی تلاش میں

واضح ہو کہ تزکیہ روح میں ریاضت کو بڑا دخل ہے تن پروری حجاب چہرہ چان
 ہوتی ہے فقرا نفس کشی سے روح کی صفائی پیدا کرتے ہیں فقیر کا تو بڑا درجہ ہے اس کی
 مشقیں اگر تصفیہ قلب روح کی شکل پیدا کریں تو مجب کیا ہے ہم دل دنیا بھی تکلیف
 دلی اٹھا کر کچھ نہ کچھ صاف دل ہو جاتے ہیں اس عاجز کا ذاتی تجربہ ہے کہ دلی مصائب
 کے زمانہ کے خواب نہایت حیرت انگیز ہوتے ہیں صاف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ
 قلبی کے اثر سے کچھ نہ کچھ دل کی اصلاح ہو جاتی ہے جس کے باعث روح میں بھی
 حسب استعداد قلبی کم و بیش طور پر صفائی آجاتی ہے پس قلبی تکلیفیں اٹھا کر ایسا
 خواب جیسا کہ اس داستان میں حضرت مصنف نے حوالہ قلم کیا ہے اگر بدرمہ
 نے دیکھا تو خلافت فطرت منقو نہیں ہے بلکہ علم ذہنیات کے روسے اس کا ایسا
 خواب دیکھنا نہایت قرین قیاس ہے کس واسطے کہ مضمون خواب قریب قریب
 دکھائی دیتا ہے جو عالم بیاری میں اس کے ذہن میں موجود تھا اور جسے بتلائے خواب
 ہونے کے قبل وہ نجم النساء سے اعادہ کر چکی تھی بہر کیف یہ خواب خالی از حیرت
 نہ تھا حیرت انگیز خواب بہت لوگوں نے دیکھے ہیں مجملہ ان کے ایک یہ خواب
 جس کو بڑا کٹر اہل کہ مہینی نے اپنی کتاب فلسفہ میں خواب کی بحث میں درج کتاب کیا
 ہے اور وہ یہ ہے کہ لندن میں ایک شخص نے اپنے دوست کی نسبت جو پائینٹ

کا ممبر تھا یہ خوابیکھا تھا کہ وہ فلاں کا کوٹ پہنے ہوئے ہوں آٹ کاٹس میں ایسیج سے
 رہا ہے اسی حالت میں ایک شخص آیا اور اس نے اس ممبر پر چھری چلائی مگر وہ چھری
 کی نوک اس ممبر کی کوٹ کے ایک ٹن پر جا لگی جس کے باعث وہ ممبر زخمی ہونے
 سے بچ گیا، جب خواب دیکھنے والا بیدار ہوا تو فوراً اس ممبر کے پاس گیا اور سارا معاملہ
 خواب کا کہہ سنایا اور تقاضائے دوستی سے التجا کی کہ اے دوست زہنبار ہوں
 آٹ کاٹس میں نہ جانا مجھے تمہاری جان کا خطرہ نظر آتا ہے مگر تمہی کے وہ دست
 نے کچھ توجہ نہ کی اور جواب میں یہ کہا کہ سب خواب خیال کی باتیں ہیں بروز حاضر
 جب وہ ممبر ہوں آٹ کاٹس میں گیا اور جس وقت وہ ایسیج سے رہا تھا ایک شخص
 آیا اور اس نے چھری ماری چھری کی نوک کوٹ کے ٹن پر پڑ کے ٹوٹ گئی اور
 قتل ہونے سے بچ گیا، اتفاق وقت سے وہ ممبر اس وقت اسی رنگ کا کوٹ
 بھی پہنے ہوئے تھا جیسا کہ اس کے دوست نے خواب میں دیکھا تھا، یہ ممکن تھا
 کہ کیفیت خواب سن کر وہ ممبر کسی اور رنگ کا کوٹ پہن کر حاضر پارلیمنٹ ہوتا، مگر
 چونکہ اس نے اپنے دوست کے خواب کو محض خیالی امر سمجھا تھا کوٹ کے پہننے کے
 وقت اس ممبر کو کوٹ کے رنگ کا مضمون کچھ یاد نہ رہا ایسے خوابوں کی توجہ ابھی تک
 کسی ملک کے علمائے ظاہری سے نہیں ہو سکی ہے لاریب یہ ایسے خواب ہیں کہ
 مجرد ہمارے ادہام اور خیالات کے نتائج نہیں ہیں کوئی شک نہیں کہ ان کو ہمارے
 معاملات سے تعلق ہے جس کو ہم اہل ظاہر کچھ نہیں جانتے، حضرات انبیاء کے
 بعض خواب کتب سماویہ میں مندرج پائے جاتے ہیں ان کی صورت سے بے دین
 کے سوا کون انکار کر سکتا ہے خوابوں میں وہ خواب بھی بہت کچھ قابل لحاظ ہے جس

کی بقیہ حضرت یوسف علیہ السلام نے زندان مصر میں فرمائی تھی عوام بھی کبھی کبھی
حیرت انگیز خواب تکلیفات قلبی کی حالت میں دیکھتے ہیں یہ شخص بھی حضرت
یوسف علیہ السلام کے ساتھ محبوبوں زندان تھا عجیب نہیں کہ مصائب قلبی اٹھاتے
اٹھاتے اُس کی روح میں کچھ تزکیہ کی کیفیت پیدا ہو گئی ہو جس کے باعث اُس نے
یہ عجیب خواب دیکھا انبیاء علیہم السلام کے خواب روایتے صادق ہوتے ہیں اس
لیے کہ ان کی روح پر فتوح مصفاہ منور کا ہوتی ہے لیکن کسی قسم کے تزکیہ کے
باعث عوام بھی بعض اوقات ایسے خواب دیکھتے ہیں کہ حیرت سے خالی نہیں ہوتے
بیشتر عوام مالئس کے خواب ان کے خیالات کے نتائج ہوتے ہیں مثل مشہور ہے کہ
مرغ کے خواب میں ماہانہ ایسے خواب احلام کا حکم رکھتے ہیں اور مطلق قابل توجہ متصور
نہیں ہیں۔ اب حضرات ناظرین میر حسن کے اشعار پر جو بد مزہ کے مضامین خواب پر
مشتمل ہیں توجہ فرمائیں :-

کہ دشمن نہ دیکھے یہ حال خراب	قضا نے دکھایا عجیب اس کو خواب
کہ رستم جیسے دیکھ ہو جائے نق	جو دیکھا تو صحر ہے اک نق ووق
فقط اک کوف دست میدان ہے	نہ انسان ہے وال نہ حیوان ہے
کہ اٹھتا ہے آہوں کا وال دھواں	مگر بیچ میں اس کے ہے اک کنواں
کئی لاکھ من کی ہے اک سل پٹری	کتوں کا ہے نہ نہ بنا اس سے اڑی
تسے چاہ غم میں بٹواہوں اسیر	صد اول سے ہے یہ کہ بد مزہ میر
کہوں کیا کہ ہے قید مجھ پر گراں	میں بھولا نہیں تجھ کو اسے میر سجان
فقط تیرے ملنے کا ارمان ہے	پر اس قید میں بھی ترا دھیان ہے

تو اس قید غم سے چھڑانے مجھے
یہ غم ہے کہ کچھ کو نہ ہوش سے خبر
جیوں میں اگر تیرے لگے مروں
نہیں وصل ممکن بغیر از وصال
اسی چاہ میں جائے گا دم بکل
کوئی دم کا مہمان ہوں آج کل

ان اشعار کے مقامین کی خوشگلی پر ششگلی سوز و گداز محتاج بیان نہیں ہے کلام کی خوبی
ایسی ہے کہ ہر چند بے نظیر ایک فرضی شخص ہے مگر اس کی بے چارگی بے کسی، رنج
کشی مصیبت زدگی بالیوسی پیش نظر ہو کر دل کو سخت چوٹ پہنچاتی ہے علاوہ اس کے
عشق میں استہلال بے غرضی محبت کی ثابت قدمی معشوق کی ایذا یابی کا انجبال بے نظیر
کی بڑی وقعت آنکھوں میں پیدا کرتی ہے سچان التذکیا انداز بیان ہے خلائی سخن اسے
کہتے ہیں یہی چیزیں ہیں کہ سیکھنے سے نہیں آتیں :

این سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدا لے بخشہ

انقصہ بے نظیر کو خواب میں اس طرح کلام کرتے دیکھ کر بد نظیر نے چاہا کہ کچھ بات کرے
مگر اتنے میں اس کی آنکھ کھل گئی، یہ بیان بھی فطری ہے اکثر حالت خواب میں ایسا ہی
ہوتا ہے جیسا کہ حضرت مصنف نے انداز بیان رکھا ہے آنکھ کھلنے پر جو حالت
بارہنر کی ہوئی یہ کیفیت بھی بہت خوش اسلوبی کے ساتھ حوالہ قلم ہوئی ہے پہلے تو بد نظیر
نے اپنی حالت غم کو چھپایا مگر جب راز غم پہمال نہ رکھ سکے تو ہمزاد خوابوں سے معاملہ
خواب کو بیان کیا جب بحکم النسا حقیقت حال سے مطلع ہوئی تو اس کو بڑی ہفتی لاری لاحق
ہوئی۔ اس جگہ کا سین زبان مصنف سے ذیل میں عرض کیا

جانا ہے :-

لگی کہنے وہ یوں نہ آنسو بہا
 بس اب رخصت ہو سکتی ہوں میں
 جو باقی رہا کچھ مے دم میں دم
 دگر مری تو بلا سے موئی
 کما شاہزادی نے سن اسے رفیق
 بھلی چنگی اپنی نہ کھو جان تو
 رسائی تری ہوگی کیونکہ ماں
 میں جیتی ہوں اس سر سے پر فقط
 دگر نہ میں رک ک کے مر جاؤں گی
 کہا اس نے کیا کیجئے پھر بھلا
 میں ہر عشق کا بیڑہ سمجھی تھی ڈول
 تجھے دیکھنا یوں گوارا نہیں
 یہ کہ اس نے رو داتا سنگار
 گریبان کو مثل گل چاک کر
 پھر اٹھے جو کچھ اُس کو ہوش دھواس
 اس کے بعد اُس کے جوگن بننے کا نوٹ حضرت مصنف نے بڑی خوبصورتی اور بڑی
 دانست کے ساتھ کھینچا ہے جوگ کے بھیس میں تلاش معشوق میں نکلنے کا مضمون ملک
 ہندوستان سے خصوصیت لکھا ہے بہت سے ہندی گیت دیکھے جاتے ہیں جن میں جوگی

ترے واسطے میں نے اب کھ سہا
 اسے دھونڈ لانے کو چلتی ہوں میں
 تو پھر آکے یہ دیکھتی ہوں قدم
 تو یوں جانو مجھ پہ صدقہ ہوئی
 ہوئی میں تو اس چاہ غم میں غریق
 کہ وہ ہے پری اور انسان تو
 مجھے بھی نہ سے ماتھ سے میری پاں
 کہ ہوتا ہے تجھ سے مرا غم غلط
 اسی طرح جی سے گز جاؤں گی
 پڑی اب تو اپنے ہی سر پہ بلا
 ترے غم سے آنے لگا مجھ کو ہول
 اس اندوہ کا مجھ کو پارا نہیں
 کیا انہی لپٹواز کو تار تار
 دیا خاک پر پھینک ایدھر ادھر
 سجا تہ پہ جوگن کا اس نے لباس

اور جوگن کے مضمون بڑی لطافت کے ساتھ بندش پاتے گئے ہیں اس جھیس کے اختیار کرنے کا ظاہر یہ سبب معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں جوگ ایک مروج امر ہے بہت زن و مرد مذہبی خیالات کی پابندی سے یہ شیوہ اختیار کرتے ہیں پس اگر کوئی شخص جوگ کا پیروی کسی خاص ضرورت سے بھی اختیار کرتا ہے تو اس پر تفتیش کی آنکھ نہیں پڑتی ہے اور صورت سے اس کی حقیقت حال پوشیدہ رہ جاسکتی ہے انگریزی شاعری میں جوگ کا مضمون قریب قریب نادر معلوم ہوتا ہے فقیر کو صرف دو تین لہجی انگریزی نظم سے اطلاع ہے جس میں فقیر نے جھیس کا مضمون بندش پایا ہے ان میں سے بہت پرورد اور ولادیزوہ فسانہ ہے جیسے گولڈ اسمتھ نے مظلوم کیا ہے اور جوگولڈ اسمٹس مہرٹ کے نام سے معروف ہے لفظ مہرٹ انگریزی ہے اس کے معنی تارک الدنیا اور فقیر ہے مگر یہ لفظ پوسے طور پر جوگی کا مترادف نظر نہیں آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ یہ قصہ اس کتاب کا جلد راجع میں درج پائے گا

واقع ہو کہ نجم النساء کا جوگن بن کر بے نظیر کی تلاش میں کلنا اس کی بڑی نیت مزاجی درد مندی اور دل سندی سے خبر دیتا ہے ظاہر ہے کہ یہ عورت دختر ذہنی اور بلا گفتگو عیش آرام میں پالی گئی تھی مگر دوست پر بڑا وقت جو اڑا تو ساری ذاتی راحتوں کو چھوڑ کر بنے دھڑک مصیبت کشی اور جان بازی کے لیے تیار ہو گئی اسی کو وفاداری کہتے ہیں البتہ جسے وقت میں کام آنا دوستداری ہے نہ بھلے وقت میں دوست کھلانے کیلئے دنیا موجود رہتی ہے :-

دوست منتہار آنکہ در عورت زند لاف یاری و برادر خواندگی

دوست اس باشد کہ گیر دوست در پریشانی حالی و در ماندگی

یہ قصہ بڑا اخلاق آموز ہے یہ لکھتا ہے واقعی نجم النساء کی یہ کلرد والی اس کی بڑی سرافت

نفسی سے خبر دیتی ہے اگر ذاتی غرض سے یہ عورت ہوگن کا بھیس اختیار کرتی تو اس کی یہ کارروائی معمولی طور کی ہوتی لکن واسطہ کوشش و مشق میں ایسی کارروائی اکثر زنِ مرد کی نسبت بیان کی گئی ہے مگر دوست کی ہمدردی کے تقاضے سے ایسی دستاورد کارروائی کو فہم کیا کرنا ایک وقت خاص لکھتا ہے خیر جب نجم النساء جوگن کا بھیس لے چکی اور تلاش بے نظیر میں جانے لگی اس وقت کا سین حضرت مصنف نے بڑی خوبوں کے ساتھ حوالہ قلم کیا ہے اس کی نخصت کی بندش نہایت فطری رنگ کھرتی ہے کلام کا عنوان ایسا نہیں ہے جس سے دل نہ بھرائے فیکر کی دانست میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اس کی نخصت کو پڑھے اور نتائج و مآل نہ نہر حضرت ناظرین شہناز دیل سے لذت یاب سوز و درد ہوں:

وہ نخصت جو اس طرح ہونے لگی	تو وہ صاحب خانہ رونے لگی
وہ درد کے دو ابرو غم یوں سے	کو جس طرح سادان سے بھادوں سے
یہاں تک بندھائیں کے رونے کا تار	بیسے چھوٹ دیوار و دریا یک بار
کھڑے تھے وہ جوگن کے جو گرد گل	وہ رو رہوئے شبنم آلودہ گل
نہ دیکھا کسی نے جو کچھ اختیار	کما حق کو سو نپا تھے لے سدا
چلی جس طرح بیٹھ اپنی دیکھا	اسی طرح دکھلا ہمیں منہ پھرا
کسی نے کہا بھو لہو مت مجھے	خدا کے تئیں میں نے سو نپا تھے
کما اس نے خیر اب تو جاتی ہوئیں	جو ملتا ہے تم کو لاتی ہوں میں
تمہیں بھی خدا کو میں سو نپا سنا	مرا بخشیدو تم کما اور سنا

یہ نخصت پر از درد و سوز ہونے کے علاوہ نسوانی پیرا یہ کیا خوب کہتی ہے طر فہ بیان ایسا ہے۔ جس سے تاثر ایک عورت کی نخصت اپنی بھولیوں کے مجمع سے میاں ہوتی

ہے یہاں بھی حضرت مصنف نے مصوٰی کا عالم دکھلایا ہے لازیب خوش اسلوبی بیان
ایسی ہی ہے کہ ایک عالم مصوٰی اس کی مدد سے نجم النساء کی بخت کی ایک سچی
تصویر کھینچ لے سکتا ہے

بقیہ داستان نجم النساء کی صحراوردی کی کیفیتوں پر مشتمل ہے اشعار ذیل بڑی

قوت شاعری سے خبر دیتے ہیں

جدامو کے القہہ روتوں کو چھوڑ
چلی اپنے گھریار سے منہ کو مٹ
نہ سدا بده کی لی اور نہ گل کی لی
نیکل شہر سے راہ جنگل کی لی
یہے بین پھرتی تھی صحرا نور و
تن چاک چاک درخ گرد گرد
کہ شاید کوئی شخص ایسا ملے
کہ جس سے وہ شیدا کا شیر ملے
جہاں بیٹھ کر وہ بجاتی تھی بین
تو سینے کو لگتے تھے آہو سے سین
وہاں بیٹھی غلق و دعویٰ لگا
بجاتی وہ جو گن جہاں جو گیا
صدا سے درختوں کو آتا خروش
لگے سنا آتا تھا صحرا کو جوش
تو لیتا انھیں درشت و امن پیار
گل نمسہ جو اس سے گرتے ہزار
کھڑے ہو گئے گرد اس کے سنتے درخت
کہیں حلقہ طلقہ کہیں تخت تخت
غصہ خارا سنتے تھے نثر نثر کے بین
بجاتی تھی جوں جوں بن بن کے بین
ہر اک عالم شوق میں تھی کھڑی
نظر جو کہ پڑتی تھی بوٹی جڑی
درد و درشت عشق بوٹی سے تھے سبھی
تمسا نہ دیکھا تھا جو یہ کبھی
وہ بیٹھی تھے کان اپنے او دھراگا
بیان تک کہ وہیں جو تھے نقش پا
کہ صحرا کے گل اس کے لگے تھے خا
گل نمسہ تر کی تھی یہ بہار

سُن آواز کی اس کی شان و شوکوہ
تہ پانی ہی سُن شد اس کا پہلے
نہ چشمتہ ہی کچھ آبدیدہ رہے
ہُوا بیل و گل کا یاں تک ہجوم
تجیر کا تھا واں ہر اک کو مقام
چمن کرتی پھرتی تھی جنگل کے تئیں
یہ ہر جا پر تھا اُس کے دم طلسم
شبِ رُوزِ گزشتہ مثل صبا
تکھنے لگی دُوب کے آواز کوہ
کنوئیں کے بھی دل میں اُٹھے دلوں کے
گر بیان کہ چاک دریا بہے
کہ گرتی تھیں واں اُلیاں جھوم جھوم
زبان کا نکلتا تھا ماتحتوں سے کام
لسانی تھی جنگل میں و گل کے تئیں
بندھا تھا اُسی دم دم طلسم
ہی طرح پھرتی تھی وہ جا بجا

وضع ہو کہ ان اشعار میں حضرت مصنف نے مبالغوں کا استعمال کثرت کے ساتھ کیا ہے ہر چند کثرت مبالغہ کلام میں بے تاثیر پیدا کرتی ہے مگر چونکہ یہاں ایسے مبالغوں سے کام لیا گیا ہے کہ فطری کیفیتوں سے علانیگی نہیں رکھتے طبیعت کو ان سے نفرت پیدا ہوتے کے عوض رغبت پیدا ہوتی ہے واقعی یہ حضرت مصنف ہی کا کام ہے کہ استعمال مبالغہ میں بھی فطری شاعری کے لطف کو ہاتھ سے نہ دیں۔

دستانِ فیروز شاہ جنوں کے یاد شاہ کے بیٹے کا عاشق ہونا جو گن پر
جیسا کہ بالا میں ذکر ہوا۔ نجم النساء جو گن کے بھیس میں جا بجا پھر کرتی تھی آخر کا
اس کی نیل مرام کی صورت مبدیٰ اسباب نے پیدا کر دی :-

مبدیٰ کے اسباب دیکھو ذرا
کہ قدرت میں اس کی ہے کیا کیا بھرا
پیدا و سید اس کے ہے اختیار
بنایا ہے اُس نے یہ سبیل و نہار

جمال میں ہے اندوہ و مشرت بہم کہیں صبح عیش اور کہیں شام غم

دورنگی زمانے کی مشہور ہے کہیں سایہ ہے اور کہیں نور ہے

اشعار بالا آئیے سے لکھے جانے کے مستحق ہیں ان میں قدرت خداوندی کا بیان خوب ادا ہوا ہے واقعی سبب الاسباب کے معاملات سمجھ میں نہیں آتے ح اچھ در و سرت نہ آید اہل کندہ بسا اوقات بے سڑسا مانی کی حالت میں ایسے ایسے سڑسا مان مہیا ہو جاتے ہیں کہ ان کے ظہور کا احتمال بھی نہیں ہوتا ہے لگہ کوئی ٹمیر سا ان نہیں ہے تو ایسے سڑسا مان کہاں سے موجود ہو جاتے ہیں انسان کو چاہیے کہ بے سڑسا مانی کی حالت میں پریشانی نہ ہو خدا پر تکیہ رکھ کر سرت نہ ہارے اپنی کوشش و فکر سے باز نہ گئے خداوند تعالیٰ محنت کی مزدوری دیتا ہے کسی نہ کسی صورت سے حصول دعا کی شکل پیدا کر ہی دیتا ہے البتہ نہیں کو جرمانی نصیب ہوتی ہے۔ جو جود و جود سے جان بچاتے ہیں وہ اپنی کاہل بھوی کا نام تو لے سکتے ہیں لیوں کو جو اپنے کو مد نہیں دیتے کبھی خداوند نہیں دیتا اس کا نامی میں جب نجم النصار نے کوشش کی معصیت اختیار کی تب خدا نے اس کی با مرادی کا سا مان ہم فرمایا حضرت معصنہ اس سا مان فرمائی کی سرگزشت اس طور پر امتداد کرتے ہیں و

تفہار اسما ناساک و شنت تھا	کہ اک رتب ہوا اس کا وائل بسترا
وہ تھی لظفاً شب چسار وہ	ادا سے وہ بھیڑ و مال و خاک مر
پچھی ہر طرف چاد نور تھی	یہی چاندنی اس کو منظور تھی
پھامرگ پھلے کو اور لیکے بین	دو ذلو سنبھل کر وہ زہرہ جبین
کہ ارا بجانے گئی شوق میں	گھی دست و پامانے ذوق میں
کہ ارا یہ بجنے نگاہ کے ہاتھ	کہ مر نے کیا دائرے مے سے ساتھ

بنوہا اُس جگہ اِس طرح کا سماں
 وہ سنسان جنگل وہ نورِ قمر
 وہ اجلا سا میدان چمکتی سی ریت
 دُختوں کے پتے چمکتے ہوئے
 دُختوں کے سایہ سے مرہ کا ظہور
 ویسا کہ جو گن کا منہ دکھیہ سکر
 گیا ماتھے سے سینِ کرمول
 وہ صورتِ خوش آئی جو انور کی
 ہوا بندہ گئی اِس گھڑی اِس اصول
 دُختوں سے لگ لگ کے باہیا
 کد اِسے کا عالم یہ تھا اِس گھڑی
 کہ تھی چاندنی ہر طرف غشِ برہمی

سبحان اللہ تم سبحان اللہ یہ سینِ عجب خوش اسلوبی اور راستی کے ساتھ حوالہ قلم ہوا ہے۔ مگر
 اِس کی حقیقت کو دہری سمجھ سکتا ہے کہ جسے ایسے سین کا ذاتی تجربہ حاصل ہوا ہے اِس سین کے
 بیان میں غص برابر بھی حضرت مصنف نے واقعات سے انحراف نہیں کیا ہے، اگر بے دیکھے
 ایسے سین کو حوالہ قلم کیا ہے تو معاذ اللہ اِس کے سوا اِس کو کیا کہہ سکتے ہیں۔ فقیر کو اپنے ایک دورہ
 نشکارِ قلمی میں پورے طور ایسے سین کے دیکھنے کا اتفاق پڑا ہے فرق یہی قدر ہے کہ اِس وقت
 فقیر تندرست اور تندرست تھا۔ جمعیت کے ساتھ جس طرح سفرِ شکار اختیار کیا کرتا ہے میں
 چالیس آدمی شامل تھے، ورنہ سنسان جنگل شب چاروہ سہانا دشت اجلا سا میدان چمکتی
 سی ریت نورِ قمر دُختوں کے پتے چمکتے غصِ رخسار چمکتے دُختوں کے سایہ سے مرہ کا ظہور

پیر کفایتیں حضرت مصنف کے بیان کے مطابق موجود تھیں ایسے سماں میں موسیقی کی حبیبی ضرورت منظور ہے محتاج بیان نہیں فقیر نے بین کار کو چاندنی راگ کی فرمائش کی (اگر ادارہ چاندنی واحد راگ کا نام ہے) اور وقت کی چیز کا کیا کہنا ہے ایسی بین بچی کہ شاید وہ باید سامعین کے دل ماتحتوں سے جاتے رہے اس وقت فقیر نے اس میں کے دو تین شعر بھی پڑھے قول راسر کا عجب اثر ہوتا ہے احباب اذواق جنہوں نے دعوت شدکار قبول فرمائی تھی۔ اور غایت کرم فرمائی سے شریک حال ہو رہے تھے حالت النشراح میں ایک زبان ہو کر حضرت مصنف کی طباعی کی نسبت فرمانے لگے کہ یہ شاعری نہیں ہے یہ الہام غیبی ہے۔ اور حقیقت امر بھی یہی ہے کہ شاعری الہام غیبی سے خالی نہیں ہو سکتی جو شاعری الہام غیبی سے خالی ہو وہ شاعری نہیں ہے تک بندی ہے لقصہ ایسے سماں میں نجم النساء میں بجا رہی تھی کہ اتفاق وقت سے فیروز شاہ جنوں کے بادشاہ کا بیٹا شرب ماہ میں سو پراپنا تخت اڑائے ہوئے چلا جا رہا تھا بین کی صدا سن کر اپنے تخت کو زمین پر اتار لیا اور نجم النساء کے حسن و جمال کو دیکھ کر فریفتہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھا کہ حقیقت میں وہ کوئی جوگن نہیں رہے یہ سرب بناوٹ کا بھیس ہے یہ سمجھ کر اس سے اس طور پر سوال کیا :-

پڑا تم پر ایسا کہو کیا جوگ
کیا واسطے کس کے تم نے یہ جوگ
کہہ سے تم آئے کہہ جاؤ گے
دیوانی ہم پر بھی فرماؤ گے

اس سوال نے مجھے کہ دل آئے بغیر یہ سوال نہیں ہوتا ہے جیسا کہ حضرت مصنف فرمانے ہیں وہ سمجھی کہ اس کا دل آیا ادھر کہ دل بھی تو کھتا ہے دل کی خبر

یہ زعام حالت دل کی موتی ہے مگر قابل لحاظ امر یہ ہے کہ عورت کو ایک خاص صلاحیت مودعہ ہے جس کے ذریعے سے وہ فوراً کیفیت عشق کو پہچان جاتی ہے گو کتنا ہی اُس کا

عاشق انصافے عشق میں کوشاں ہو اس شعر کے بعد حضرت مصنف یہ دو شعر رقم کرتے
ہیں جو محض امور فطری پر مشتمل ہیں اور جن کی خوبی بیان محتاج بیان نہیں ہے۔

خصل خار ہے عشق حسن آگ ہے سدا حسن اور عشق میں لاگ ہے
دیسے راگ ہے اور ان میں ہوا کہ دونوں طرف آگ سے ہے لگا

بیان دل آتے کے اسباب ہمہ وجوہ موجود ہیں کیونکہ بے چارہ فیروز شاہ مبتلا سے عشق نہ ہو
اس جگہ پر راگ کا مضمون بہت قابل لحاظ ہے واقعی راگ سے حسن و عشق دونوں کا عالم ہے
انسان ترقی کر جاتا ہے اول تو حسن خود بلائے جان ہے اس پر سے راگ پس عشق کا سر جہا
تک نہ چڑھ جائے وہی تعجب ہے۔

فیروز شاہ کی کیفیت عشق کو سمجھ کر نجم النساء نے اس سے کہا کہ ہر لول ہر توجہ سے
آیا ہے اوصہ می چلا جا، مگر یہ جو کہا سنس کر کہا اس کا مطلب وہی سمجھیں گے جو انداز خوبار
سے واقفیت رکھتے ہیں واقعی اس ایک لفظ سے سنا کے کلام نے اس سین میں جان دے
دی ہے اگر نجم النساء سنس کر فیروز شاہ کے سوال کا جواب نہ دیتی تو ایسے روکھے جواب سے
فیروز شاہ کے دل پر چوٹ لگتی اور جو مطلب نجم النساء کا اپنی تقریر سے نکلا ہرگز نہ نکلتا، فیروز شاہ
نے گورو کھا جواب پایا مگر اس سے بیدل نہ ہوا اس واسطے کہ معشوق کا سنس کر جواب دینا گورو کھا

سہی بہت امید افزا ہوتا ہے ظاہر ایسا تیش اور باطن ایسا شیریں جواب پاکر

کما تب پر پریا نہ سے واہ جی بہت گرم ہیں آپ اللہ جی

نہ دیکھے ہوا اتنا بھلا جاؤں گا ذرا بین سنکر بھلا جاؤں گا

ایسے جواب کی متوقع تو نجم النساء تھی یہی سن کر :-

کہا ہوتے سو تے سے اپنے کہو فیروز کو چھیڑو نہ بیٹھے دہو

یہی فیروز شاہ کی انکی مراد تھی ان آپس کے لطیفوں کے بعد خیم النساء کے دو برس اسی بیت میں وہ اب بیٹھا حضرت مصنف اس جگہ فیروز شاہ کی محویت کا فوٹو اس طویل پر کھینچتے ہیں +

نظر صحن پر گاہ گہ بین پردہ
سرا پا دل اس لعلت چلین پر
رہا تن بدن کا نہ کچھ اُس کو ہوش
بنا کر وہ جوں تیش پا چشم و گوش
وہ جو گن جو ہمتی درد و غم کی اسیر
ہو غم میں جو گن کہہ یہ بھی فقیر
نہ سُدھ گھر کی لی اور نہ لی راہ کی
جب آئی ذرا سُدھ تو پھر آہ کی

بخم النساء صبح مکہ بن بجاتی رہی اور فیروز شاہ برابر زار زار رہا۔ جب صبح ہوئی بخم النساء نے کانڈھے پر بہن دھری اور انگریزوں کے کراٹھی لگے کہ وہ کیا جانے پاتی :-

پر پڑا دے تہ تہ پکڑے اُس کا ہاتھ
شہابی جھا تخت پر اپنے ساتھ
زمین سے اڑا اُس سال کتیش
وہ لٹا کہا کی نہیں رسے نہیں
نہ مانا اور اس نے اڑا یا اُسے
پرستان میں لاجبھا اُسے

فیروز شاہ کا ایک غیر قوم کی جوان عورت کو پرستان میں لانا کہ آپس کے باپ سے چھپا رہتا اس لیے نہایت خوش خوش باپ سے جا کر حقیقت حال یوں عرض کی :-

پر ہوگی جو ہے ایک صاحب کمال
ذرا بہن سینے اور اس کے خیال
بہت آپس سے اٹھا میں گئے حفظ
بہت بہن سے میں کی بائیں گئے حفظ

فیروز شاہ کا باپ پارہ عقل رکھتا تھا جو ان بیٹے کی رضامندی ملحوظ رکھ کر

کہا اس نے بابا بہت خوب ہے
رہیشتہ سے رگ اپنا مرغوب ہے
کہا اڈ ہوگی جی بیٹھو ادھر
کہ رو روشن اپنے قدم سے یہ گھر
کھلے نخت بیٹے کے اور باپ کے
سر دل پر ہما سے قدم آپ کے

الغرض اس کے باپ نے مصلحت وقت کو خیال کر کے :-

ہست اس کی تعظیم و تکریم کی جگہ ایک پاکیزہ رہنے کو دی
واقع ہو کہ یہ جزو داستان تدبیر المنزل کے ایک بڑے ضروری مسئلہ سے خبر تیا ہے
اکثر جو باپ اور بیٹے کے درمیان جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اس کا سبب یہی ہوتا ہے
کہ باپ کمال نادانی سے جوان بیٹے کو مولود تازہ کے برابر بے اختیار اور مجبور سمجھتا ہے
یہ ایک بڑی غلطی ہے اس ناہمی کا باعث عجب عجب طرح کے خالص فسادات پیدا
ہوتے ہیں ہر باپ کا فرض منصبی ہے کہ جب بیٹا جوان ہو جائے تو اس کی آزادی میں
خلل انداز نہ ہو فقیر نے یہی آنکھوں سے چند ایسے نقشے دیکھے ہیں جن میں باپ کی
طرد سے حضرت مصنف کے بیان کے برعکس کاروائیاں ظور میں آتی ہیں عموماً ایسی
بد عقل کی کاروائیوں کے نتائج آپس کی بھوٹ اور خاندان بربادی کے سبب ہو کرتے ہیں

داستان فیروز شاہ کی مجلس آرائی اور جوگن کے بلانے میں

جب رات ہوئی نجم النساء کو فیروز شاہ کے باپ نے مجلس میں بلایا اور اس کی بڑی
خاطر داری کی پیری زاد سائے جوگن کی بہن سنے کو جمع ہوئے جب نجم النساء اگر مجلس میں
بیٹھی جتوں کے بادشاہ نے بڑی تمنا کے ساتھ اس سے

کہا ہمیں مشتاق کچھ گائیے سماں بہن کا ہم کو دکھلائیے

نجم النساء نے بڑی بے پروائی مگر معقول انداز کے ساتھ

کہا کچھ بجانا نہیں اپنا کام ہر اک طرح ہمیں ہر کا نام

ہے نیز افرمائیشوں سے فقیر و لے کیا کریں اب موٹے سر اسیر

اس جواب کو پا کر بادشاہ جن نے معذرت کے طور پر اور بڑی دلجوئی کے ساتھ
 کہا جوگی صاحب یہ کیا بات ہے کہ تم آپ کا ہم پر دن رات ہے
 جو مرضی ہو تو تم کو تکلیف دیں نہیں جس میں راضی ہو تم سو کریں

نغم النساء نے ایسی نرمی کا جواب پا کر
 کہا اس طرح سے جو فرماؤ گے تو ماں بندگی ہی میں کچھ پاؤ گے

یہ کہہ کر اُس نے بین کا نہ سے پردھری اور ایسی خوبی کے ساتھ یہاں تک بجائی کہ دل نخل کے
 دل گھیل گئے اور سمجھوں کی آنکھیں شمع محفل کی طرح اشکوں سے بھرائیں مگر فیروز شاہ جو
 مبتلائے عشق ہوا تھا اُس کا حال شعرا ذیل ہی سے خوب عیاں ہوتا ہے :-

کبھی سامنے آ کے کرتا نظر کبھی دیکھتا چھپ کے ایدھر اودھر

سنتوں کی کبھی اوٹ میں پڑے وہ کھڑا دیکھتا اس کو رہ کے وہ

کبھی ایدھر اودھر سے پھر پھر کہے آ پھلے اُس کے کھڑے کی لبتا بلا

وہ کو کچھ نہ سنتی نہ کہتی اُسے کن آنکھیں پڑو کیوہ بہتی اسے

نظر اس کی جب ان پڑتی اودھر تو یہ اور کی طرف نہ کرتی نظر

اس کن واد اپر وہ فیروز شاہ دل و جان سے کرتا تھا لحظہ آہ

اگر کوئی جو گن کی کرتا ثنا تو کھا رشتہ کتا کہ پھر تم کو کیا

ایسی بے چینی محفل نغمہ میں سوا عاشق کے کس کو ہو سکتی ہے الغرض نغم النساء کی بین باری
 نے ہمیں سامعین کو محو کر ڈالا جیسا کہ شعرا ذیل سے اس صحبت کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے ۔

بھی پہلی صحبت میں وال ایسی بین کہ غش کر گئے وہ جو قصہ کہہ نہیں

سراٹا پیری زاد کے باپ نے کہا کی دیا جوگی جی آپ نے

اسی طرح ہر شب کرم کیجئے مری بزم رشک ارم کیجئے
مقدم بہارا ار جھانا کرو نہیں اپنا شتاق جانا کرو
یہ گھر بار ہے آپ ہی کا تمام ہوئے آج سے ہم تھا سے غلام
تکلف کو موقوف کر دیجئے جو کچھ تم کو درکار ہو لیجئے
کہاں نے مطلب نہیں کچھ ہمیں تمہارا مبارک کہ ہے گھر تمہیں
کہاں ہم کہاں تم رہو ایہ جو ساتھ یہ تھی بات سب آب دانہ کے ساتھ

گانے بجانے کے بعد نجم النساء اپنی قیام گاہ میں چلی گئی مگر اس شب سے اس کا یہ سہول
بندھا کہ وہ ہر شب بادشاہ جن کی خدمت میں جاتی اور اسے اپنے نعروں سے مسرور ہوندا
کرتی اس درمیان میں فیروز شاہ کا جو عشق ترقی کرنا گیا اس کی حالت روز بروز تباہ
ہوتی گئی اس کی جالیوں کی کیفیت بڑی صحت اور قابلیت کے ساتھ حضرت معصوم نے
سوالہ قلم کی ہے خوف طوالت یہاں اس کا ذکر نہیں کیا جاتا، بیخبرہ دانستان بھی دیدنی ہے ارباب
شوق خود بخود ہی ملاحظہ فرمائیں مختصر جب فیروز شاہ کے عشق کی حالت برداشت سے
باہر ہو گئی تب اس نے ایک روز موقع پا کر نجم النساء سے اطوار دعا کیا نجم النساء نے بڑی رو دک
کے بعد صل کی امید دلائی مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کی کہانی خود سے سن کر فیروز شاہ اس
کے برادر عا میں کو نشان ہو فیروز شاہ نے وعدہ واثق کیا۔ نس پر نجم النساء نے ساری سرگت
یہ زینیر کے عشق اور اپنے جوگن کے بھیرا اختیار کرنے کی کہ سالی جن کے شانزادہ نے اپنی
قوم کی بلکہ ان سے کہا کہ پرستان میں ایک آدمی قید ہے تم جاؤ اور اس کا پتلا لگا لاؤ کامیابی
کی صورت میں حسب دستور ملک انعام پاؤ گے پر زیاد تلاش میں نکلے آخراں میں سے ایک کا
وٹاں گدڑو جہاں ماہر رخ کا قیدی مبتلا ہے چالم تھا گلیان چاہ سے بھیدے کرہ پر زیاد شانزاد

کے پاس واپس آیا اور اس سے حقیقت حال عرض کی پھر اس کے مجرا کے بعد انعام کا طالب
 ہوا حسب معمول شاہزادے نے انعام میں اُسے جو اہر کے پر لگا دیئے واضح ہو کہ سب
 مضامین اس داستان میں بڑی خوبی کے ساتھ بیان ہوئے ہیں لیکن بخوف طوالت رقم
 ان کے ریویو سے قلم کو روک لیتا ہے :

داستان پیغام بھجنے میں فیروز شاہ کے ماہِ رخ کو

مخبر سے دریافت کر کے فیروز شاہ نے ماہِ رخ کو ایک سخت حکم بھیجا وہ
 دوڑی اور شاہزادے سے عذر تقصیر چاہا جیسا کہ اشعار ذیل سے ظاہر ہوگا :
 کہا مجھ سے تقصیر اب تو کوئی کہا اس کو لے جائے یہاں سے کوئی
 اگر اب میں لاگو ہوں اس کی کبھی تو پھر پھونک دیجو مجھے تم تبھی
 پر اتنا یہ احسان مجھ پر کرو کہ اس کا پرستان میں چرچا نہ ہو
 مرے باپ کو یہ نہ ہووے خبر کہ پھر میں نہ ایدھر کی ہوں لے ایدھر
 یہ التجا بھی نہایت نیریل رنگ دکھتی ہے اکثر اشخاص جو اس طرح کی بطور
 کے قلمک ہوتے ہیں اپنے عریکے پنہاں رہنے کے بڑے متمنی ہوتے ہیں، مگر ان کے
 انحال قلمک کبھی پوشیدہ نہیں رہتے شیطان گھر گھر ان بد فعلیوں کی نمادی کرتا ہے ماہِ رخ
 کا جواب پاکر فیروز شاہ و ماں گیا، جہاں بے نظیر قید تھا، اُس کے حکم سے ایک دیو
 بے نظیر کو بڑی حفاظت کے ساتھ کنڑ میں سے باہر نکال لایا، یہ سب مضامین بڑی
 قابلیت شاعرانہ کے ساتھ حضرت مصنف نے حوالہ قلم کیسے ہیں سبحان اللہ! کیا
 سحر الہیانی ہے شاعری ہے کہ اعجاز ہے :

داستان کنویں سے نکلنے میں بے نظیر کے

جب بے نظیر کنویں سے نکلا تو اس طرح کی قید شدید سے جو اس کی حالت مہرہی تھی اُس کی تصویر اشعار ذیل میں کھینچی ہے۔

وہ جیسا تو نکلا و لے اس طرح	کہ سیار ہو نزع میں جس طرح
ز بس اوپر آنے کا تھا اس کو غم	کسے تو کہ پھرتا تھا اوپر کا غم
جہی خاک تن پر برنگ زمین	گہرا جیسے نکلے ہے پتلا کین
نہ آنکھوں میں طاقت نہ تن میں نواں	کہ جوں خشک ہو نہ گس بوستان
وہ تن مہرخ جو تھا سو سیلا ہوا	وہ جو طرا جو تھا سبز نیلا ہوا
وہ سر میں جو تھے اُس کے سبل سے بال	ہوئے لاغری سے بدن کی بال
فقط پوست باقی تھا یا استخوان	نہ تھا خون کا رنگ موجی دریاں
بدن سے رگوں کی تھی اُس ٹھہبند	کہ ابھی نہ جو جیوں رسیاں کبود
بدن خشک زرد اس طرح تھا وکل	خزاں دیدہ جو طرح برگ گل
وہ ناخن جو تھے اُس کے مثل ہلال	سو وہ ہو گئے بڑھ کے بدرکمال

حسن بیان محتاج متالیش نہیں ہے، رحمن کے مبالغہ بھی فطرت سے علیحدہ نہیں ہوتے، ایسے مبالغوں سے کبھی شاعری میں بٹا نہیں لگتا، واقعی حضرت مصنف بڑے سچرل شاعر ہیں یہی حال شکستہ پیر کا ہے کہ اس کے مبالغے خواہ تشبیہ اور خواہ استعارہ کی بنیاد پر ہوں کبھی فطرت سے بے رگاہ نہیں ہوتے، الفصیح بے نظیر اس طرح کنویں سے نکلا تو فریاد کیا اس کی حالت دیکھ کر رونے لگا بولڈان سے نظیر کو اپنے ساتھ نخت پر بٹھا کر دماغ سے آیا جا بجا نکلنا تھی مگر پہلے

فیروز شاہ نے اُسے کسی جگہ مصلحتاً چھپا رکھا پھر جسم النساء سے جا کر بے نظیر کے آنے
 کی خبر کی چونکہ وہ بے نظیر کے لیے بد حال ہو رہی تھی ایسی غیر متوقع خبر کا پر بڑے اضطراب
 کے ساتھ حقیقت حال دریافت کرنے لگی اور وہاں چلنے کے لیے جہاں بے نظیر تھا
 جلدی کرنے لگی فیروز شاہ نے اس امر کو خیال کر کے کہ خوشی میں بہت عاجلانہ کاروائی نہیں
 کرتے نجم النساء سے کہا کہ اس قدر عجبت کو راہ نہ دو پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر
 اطمینان کے ساتھ اُسے ماں لے آیا جہاں بے نظیر کو وہ تخت پر بیٹھا چھوڑ آیا تھا اس
 جگہ پر نجم النساء اور بدینیر کے آپس میں ملنے کا سین حضرت مصنف یوں رقم فرماتے ہیں :-

یہ اُس تخت کے گرد پھرنے لگی
 گئے لگ کے رونے لگی زار زار
 وہ دیکھے چونک آنکھ اٹھا بے نظیر
 کہا تو کہاں اور کس کا یہ جوگ
 کہا تیرے غم نے دیوانہ کیا
 بغل کھول کر پھر تو آپس میں مل
 بیاں دونوں اپنا جو کرنے لگے
 کسی سرگزشت میں تے اُس دم تک
 بلا اس کی لے لے کے گرنے لگی
 کیا اپنے تن من کو اُس پر نتار
 تو نجم النساء ہے یہ دخت وزیر
 کہاں یہ لباس اور کہاں تم یہ سوگ
 کہ عالم سے اپنے بیگانہ کیا
 وہ رویا کئے دہر تک متصل
 ذرا شک سے چشم بھرنے لگے
 کہ اس طرح پہنچے ہو تم شہک

اس کے بعد فیروز شاہ بے نظیر اور نجم النساء ایک روز ماں مقام کر کے مرکب ہوائی یعنی
 تخت کے دراجت سے بدینیر کے باغ میں جا کر سے بدینیر کو نجم النساء کے پھر بیٹنے کا سین بطور ذیل بیان فرماتے ہیں
 یکایک جو آوہ قدم پر گری
 پھر آخر جو دیکھا تو جو گن ہے یہ
 تو جھکی وہ تانہ راوی اور کچھ ڈری
 مر سے دروغم کی بروگن ہے یہ

کہا میری نجم النساء تو ہے جان
 تیرے منے کی کب اس تھی
 بہت اس نے چاہا کہ ہووے کھڑی
 کہا بارغم سے افاقہ نہیں
 بلائیں لگی لینے خجسم النساء
 ان اشعار کی قدر اہل مذاق صحیح کے سوا کون کر سکتا ہے واقعی ایسے اشعار کی قدرانی
 کے جیسے بڑی تعلیم یافتگی کی حاجت ہے نا تعلیم یافتہ زمانوں میں فطرت نگاری کبھی اپنے
 حق کو نہیں پہنچتی ہے جس وقت میں شکسپیر نے اپنے حیرت انگیز پہلے تصنیف کیے تھے
 اس وقت اس نادر روزگار کی کچھ بڑی قدر نہیں ہوئی تھی مگر جیوں جیوں تعلیم یافتگی دنیا
 میں پھیلی گئی اس شاعر الہامی کی قدر بڑھتی گئی ایسی طرح ایک وقت آئے گا جب حسین
 کی مثنوی بھی دیدہ حیرت سے دیکھی جائے گی اور اس کی ناپرسانی زائل ہو جائے گی
 اس میں کے بعد حضرت مصنف بدینہ اور تمام محل و باغ کی اس انقلابی حالت
 کو جو خجسم النساء کی غلیبت میں پیدا ہوئی تھی یوں رقم فرماتے ہیں :-

اسے شاہزادی کا تھا حال یاد
 نہ گھر کی وہ رونق نہ اس کا وہ حال
 پڑے سائے بہار اشت و دیوار و
 خوبیں جو تھیں پاس نہ نازنین
 نہ چوٹی گندھی اور نہ گنکھی درت
 سرک اپنے عالم میں دیکھو تو رنگ
 جو دیکھا تو بال اس سے کچھ نہ یاد
 گلوں سے لگا دل تنک پانمال
 محل کو جو دیکھا تو ٹوٹا سا گھر
 سویلی کچھلی کہیں کی کہیں
 جو جالاک تھی بن گئی وہ بھی سنت
 اڑا رنگ چہرے کا مثل تنگ

تہ گانا سجانا نہ وہ قصتے

نہ آرام جی کو نہ دل کو قرار
غرض بیٹھے اٹھتے اٹھتے ان پر تم

شجر گل کے اک جھاڑ سے میں کھڑے
کہ جوں زرد شیشے کی ہو آرسی

ضعیف و نحیف پریشان آداس
جلی شمع کی طرح انسہ بہا

اس کے بعد کا بیان وہ ہے کہ جب نجم النسا کے لانے کی خبر محل کے رہنے والیوں کو معلوم ہوئی تو انہوں نے اُسے گھبرایا، یہ سنیں نہ صرف فطری خوبی دکھاتا ہے بلکہ اس میں نانہ رسوم ملکی بھی خوب ادا ہوتے ہیں استعار ذیل قابل لحاظ ہیں :-

کیا مثل پہوانہ اسس پر ہجوم
مبارک سلامت ہوئی ایک دگر
کوئی دور کر اُس سے ملنے لگی
کوئی سر سے روٹی ٹھہرانے لگی
ادھر سے کوئی اور ادھر سے کوئی
لگی کرنے آپس میں چرچا کوئی
لگی کرنے گھبرا کے سب کو سلام
کہ اب راہ کی ماندگی ہے کمال

دلیکن محل میں بڑی جیب یہ دھوم
سنی ایک سے ایک نے یہ خبر
کوئی غنچہ کی طرح کھلنے لگی
ٹکے کوئی حد قے کو لانے لگی
کوئی اُنی باہر سے گھر سے کوئی
حقیقت لگی پوچھنے آ کوئی
ہوا سر پاپس کے زبں اڑ دام
کیا بیبی کل کہوں گی میں حال

جب ناز محل کی بھیر بھیر تبت بڑی تیز داری کے ساتھ نجم النسا، بادستہ کو خلوت میں لے گئی اڑ

بے نظیر کے آنے سے مطلع کیا یہ سن کر بد مزہ غایت مسرت سے غش کر گئی پھر افاتہ کے بعد
افراط حیرت کی حالت میں اُس نے پوچھا کہ کیا یہ بیچ مچ ہے یا اس سے کوئی چھٹیڑا ہے
نجم النساء نے بد مزہ کی بڑی خوبصورتی کے ساتھ تشفی کر دی بعد ازاں ساری سرگوشیوں کو
سنائی علاوہ اس کے پرینا کے آنے سے بھی بڑی بد مزہ نے پوچھا کہ پھر وہ دونوں کہاں
ہیں تب نجم النساء نے کہا کہ ہم نے انھیں درختوں میں چھپا رکھا ہے اب نجم النساء کی بقیہ گفتگو اور
بقیہ کیفیتیں اس داستان کی ذیل میں زبان حضرت مصنف عرض کی جاتی ہیں :-

عجب وقت میں میں ہوئی تھی جبدا	کہ دلبر کو تیر سے دیا لا ملا
مگر ایک یہ اپڑی بے بسی	کہ میں تیر ہی خاطر بلا میں خنسی
سواب ایک کرتے آتی ہوں میں	ہوا دوسرے کو بتاتی ہوں میں
یہ سن شاہزادی ہنس گئی کھنگھلا	کہ کیا کیوں آرا تھی جسم النساء
اے ایک ہے تو بڑی تر ہے	کہیں تو ہے امرت کہیں زہر ہے
چل اب چو چلے بس زیادہ نہ کہ	انھیں جا کے جلدی لے آؤ ادھر
کہا پھر پری زاد کے رو برو	بغیر از کہے کس طرح ہوگی تو
کہا وہ تو ایسا دیا انہیں	وہ اس بات کو کیا کہے گا نہیں
اگر دل میں کچھ تیرے دہوسا ہے	نہیں دور وہ بھی تر سے پاس ہے
ذر پوچھ لیجو تو اس بات کو	کہ وہ رو برو اس کے سویا نہ ہو
یہ سن کہ شتابی گئی وہ نگار	لیا جا کے آہستہ ان کو پکار
چھپائے ہوئے لاجبھیا دماں	وہ خلوت کا جو تھا قدیمی مکان
پھر اس سے یہ پوچھا کہ اے بے نظیر	کہے تو پہلی آو سے بد مزہ

پلو بہت ترقی کر جاتا اور یہ تنہی اخلاقی پایہ کے اعتبار سے اپنا جواب نہیں دیکھ سکتی لیکن
انہوں میں سے کہ بد مزین اور نغم النسا کی بی بی نظیر اور فیروز شاہ کے ساتھ ایسی موصفت دکھائی
گئی ہے کہ ان چاروں اشخاص نے اپنی حالتوں کو ناپسندیدہ سمجھ کر ان کی اصلاح کی طرف
مائل ہونا ایک سے ضروری جانا چاہنا سچے ان سبھوں میں یہ رائے قائم ہوئی گی کہ بد مزین اور
نغم النسا اپنے اپنے باپ کے گھر چائیں اور فیروز شاہ بھی طور سے بیاہ کے خواستگاریوں

نامہ بھیجا بی بی نظیر کا مسعود شاہ کو خواستگاری میں بد مزین کی

بی بی نظیر نے یہ رقعہ لکھا یہ الیرامی ہے جیسا کہ صدی اٹھنے اسبق کے بادشاہوں
کی خواستگاری کے رقعے اکثر ہوتے تھے یہ رقعہ خواستگاری کا ہے کہ ہے یہ تو خواہاں پیام
جنگ ہے اگر مخاطب نا فہم ہو تو رطائی کے تہہ صحنے میں کیا باقی رہ جاتا ہے ہندو راجاؤں
میں اکثر بیاہ لڑائیوں کے بعد انجام پائے ہیں اسی لیے ایک بیاہ ان کے خیال ہوتا تھا کہ
جیسے رکشاس کہتے ہیں اس بیاہ کا یہ طور تھا کہ دوٹھا صاحب سسر سارے سب کو
رطائی میں قتل کر کے دھن کو میدان جنگ سے روٹی ہوئی اپنے ٹک کو لے جاتے تھے۔

جواب نامہ بی بی نظیر کا ملک مسعود شاہ سے

رقعہ خواستگاری کا جواب بھی ترکی بہ ترکی نظر آتا ہے بہر حال
مسعود شاہ نے درخواست بی بی نظیر کی منظور کی، اور طرفین سے شادی کے
سامان ہونے لگے :

داستان بے نظیر اور اُس کے تجمل میں

اس داستان میں حضرت مصنف نے ہندوستانی ہیروں کی بارات کی ایسی سچی تصویر دیکھنی ہے کہ کسی اور شاعر سے نہیں کھینچ سکتی ہے یہی طرح بارات کی محفل آرائی اور سارات کے معاملات کے بیانات اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں سحان اللہ سبحان اللہ علی دوسومات بڑی قوت شاعری کے ساتھ اس طور پر جو القلم ہوئے ہیں کہ غیر ملک کا سیاح مجر و مجسّم کے بیانات کو پڑھ کر ہندوستانی بارات اور سارات کے جزوی معاملات کو آسانی کے ساتھ درک کرنے سے گنتا ہے کیا خوبی بیان ہے کہ اس داستان کو پڑھنے سے محسوس ہونے لگتا ہے کہ کوئی بھاری بارات بڑی تیاری کے ساتھ جا رہی ہے پھر بارات کی قیام گاہ میں ایک نہایت آراستہ و پیراستہ محفل ہو رہی ہے اسی طرح سارات میں جو کیفیتیں گذرتی ہیں وہ سب کی سب پیش نظر ہو رہی ہیں۔ واقعی میر حسن عجب ہیروٹ انگیز شاعر گذرے ہیں کہ معاملات خارجی و داخلی دونوں کے بیان پر کیسا قدرت رکھتے ہیں لاریب شکستہ کہ معاملات ذہنی کے بیان کی لاجواب قدرت ہے مگر معاملات خارجی کی مصوری میر حسن کے برابر یہ شاعر گرامی نہیں کر سکتا ہے۔ اقم المرحوف کی دانست میں اس قدرت کے اعتبار سے میر حسن کو شکستہ پختہ یعنی ترجیح ہے

نکاح ہونا بے نظیر کا بد مزہ سے اور شادی نجم النسا کی پری زاد سے
اور خصت ہونا آپس میں

یہ داستان بھی میر حسن کے کمال شاعری کا ایک نمونہ ہے۔ اس میں حضرت مصنف اپنے بے نظیر کے نکاح کا ذکر فرماتے ہیں بعد ازاں اس کے محفل میں دو لہجہ بن کر جانے کو بیان کرتے ہیں ان امور کے ساتھ جو رسوم انجام پاتے ہیں وہ اس و فور اطلاع اور خوش طواری

یہ ساتھ حوالہ قلم پونے میں کر پڑھنے والے کو عبرت دامن گیر ہوتی ہے پھر صبح کو خفتی کا سین
 و بیان کیا گیا ہے اور اس کے متعلق کے رسوم جو احاطہ تحریر میں در آئے ہیں نہایت ہی قابل
 ملاحظہ ہیں اس کا سین کا داعی (SUBJECTIVE) پہلو بھی محال قابلیت کے ساتھ مذکور
 ہوا ہے۔ دھن کو اپنی عیش گاہ میں لانے کے بعد بے نظیر پری زاد کے بیاہ کا سامان کرتا
 ہے اس کے بیاہ کی چومتی کے ساتھ اسی دھوم دھام سے بہری زاد اور جسبم النساء
 کی شادی انجام پاتی ہے اس شادی کے انجام کے بعد پری زاد اور نجم النساء پرستان کو چلے
 جاتے ہیں مگر بے نظیر سے اس کا اقرار کرتے ہیں کہ گو اس وقت کی مفارقت ایک
 امر مجبوری ہے مگر آئندہ ہمیشہ آپس میں ملتے رہیں گے۔ پری زاد اور نجم النساء کی رواگی کے
 بعد بے نظیر بدر منیر کے ساتھ اپنے باپ کے ملک کی طرف رُخ کرتا ہے تمام اجزا اس
 داستان کے کس قدر نچرل اور خوش اسلوب ہیں سبحان اللہ سبحان اللہ ۛ

دستان بے نظیر کا بدر منیر کو اپنے وطن لے جانے اور اس باپ سے

ملاقات کرنے میں

باپ کے شہر کے نزدیک پہنچ کر بے نظیر نے ایک باپ کے کنکہ تیار کیا جو لوگوں نے اسے
 دیکھا تو تمام شہر میں اس کے آنے کا شور مچ گیا اس کے ماں باپ کو بھی خبر ہوئی اسی خبر سے نگر جو ان کا
 مال ہوا اس کو حضرت مصنف کن نچرل خوبوں کے ساتھ ذیل میں منظوم فرماتے ہیں :-
 خبر یہ ہوئی جبکہ ماں باپ کو کیا گم آنھوں نے وہیں آپ کو
 زبیر ل تو تھا یاں رہی سے بھرا یہ سن ماٹھ اور پیا گئے نھر تھرا

لگے رونے آپس میں راز و نیاز
 ملائے گھم سے ہمارا حیدب
 یہ ہو گا کوئی دشمن ملک مال
 کوئی اس کا وارث تو آخر نہیں
 کہا ہائے ہم کو نہیں اعتبار
 یہ دشمن نہیں اپنے ایسے نصیب
 سو سن کر وہ ہم کو گرا خدا حال
 وہی لے کے جائے یہ جھگڑا کہیں

ظاہر کہ مصیبت زدگی میں بھی خیر ایسا ہی مل پیدا کر دیتی ہے سبحان اللہ فطرت کی تعینت حضرت
 معصت کو کس قدر ملحوظ رہتی ہے اس جگہ داخل پہلو کے حقوق کی غویب اور ٹسے میں کیا کہنا ہے کہ
 حضرت معصت خشک پتھر کی داخل شاعری کا اور کہیں مٹر مٹر ہکاٹ کی خارجی شاعری کا تماشا دکھلا
 ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہی شاعر قنزی نگاری کی داد دے سکتا ہے جس کو بیان کی یہ دہری تو
 خدائے تعالیٰ کی جانب سے موع ہوئی ہے ظاہر حضرت معصت خشک پتھر اور مٹر مٹر
 کی قوتوں کا مجموعہ معلوم ہوتے ہیں خیر جب لوگوں نے بے نظیر کے باپ کو بے نظیر کے
 کا لفظ لیا اور مکر بے نظیر کا نام اس کے آگے لیا یا تب تو باپ صاحب ننگے پاؤں
 کی طرف دوڑے اور سے بیٹے صاحب بھی چلے ہی آتے تھے باپ پر جو نظر
 باپ کے پاؤں پر بے نظیر یہ کہہ کہ کہ کہ خدائے دکھائے قدم آپ کے یا گر پڑا اس
 بعد حضرت معصت یوں فرماتے ہیں :-

سنی یہ صدا جوں ہی اس ماہ کی
 اٹھا سر قدم پر سے چھاتی لگا
 یہ بد بال شدت کہ غش کہ ہلا
 ملے پھر تو آپس میں وہ خوب سے
 تو اس غم رسیدہ نے پھر آہ کی
 پلٹ کے گھڑی دو تھک خوب سرا
 کہے تو کہ آسو کالٹ کر چلا
 کہ یوسف ملے جیسے یعقوب سے

پھر تو چوڑے رٹے سب کو دلی مسرت ہوئی، ابراہم گھر سر نو سے آباد ہوا بے نظیر
 بد مزہ کی سواری کو عمل سرا میں سے جا کر بد مزہ کو اتار اسی عرصہ میں بے نظیر کی نگین

نوقد مول پر گہڑا - دونوں تقاضائے فطرت سے خوب روئے مال نہ ہو اور بیٹے
 بوجھاتی سے لگایا۔ اس بگہڑ پر حضرت مصنف کا فرودہ مندرج ذیل ہوتا ہے -
 وہ مال خوب بیٹے کے گاہ کر گئے یہ روٹی کو آٹھو کے نالے چلے
 بہو اور بیٹے کو چھاتی لگا وہ دونوں کی لے لائق سے وہ بلا
 ہوئی جان اور جی سے اُس پر نثار پیایانی ان دونوں پر دار دار
 بعد حضرت مصنف اس کمائی کو اس طور پر تمام فرماتے ہیں کہ شہری گھر لے والے
 سب مل کر آپس میں رہنے لگے۔ بے نظیر کے باپ اور ماں نے بے نظیر کا سرنو سے
 خوب حوصلے دل کے نکالنے ذیل میں خوشی اور بہبودی کے مضامین بزبان حضرت
 درج پاتے ہیں -

کل میں عیاشی ہوئے چھچھے	وہ مرچھائے گل پھر ہوئے لہے
باشہر پر فضل پروردگار	وہی شہزادہ دہری شہریار
ہری لوگ اور وہ ہی چرچے تمام	وہی تازہ انداز کے اپنے کام
ہری بلبلیں اور وہی بوستان	خلفۃ گل و مجمع دوستان
بانی کے تمام پر حضرت مصنف کچھ دعائیہ مضامین یوں زیب رقم فرماتے ہیں -	
انمول کے جمال میں پھر سے جیسے ن	ہم سے تمہارے پھریں ویسے دن
علیں سب کے کچھڑے آہمی تمام	ہر حق محمد علیہ السلام
ہوئے جیسے وہ شاد ہوں شاد ہم	رہیں شہریں اپنے آباد ہم
رہے شاد نواب عالی جناب	کہ ہے آصف الدولہ جس کا خطا
خوشی اس کی ہے سر دباغ مراد	رہے اس کا روشن چراغ مراد

سخن حسین و سخن حسن
 رہوں شاد میں بھی غلام حسن
 حضرت مصنف کو جس طرح ہر قسم کے مضامین کی بندش پر قدرت ہے اسی طرح دعائیہ
 کی بندش پر بھی اختیار حاصل ہے پہلے سب بنی آدم کی خیر چاہتے ہیں پھر آقا کے
 مدعا فراتے ہیں اور آخر میں اپنی ذاتِ خاص کی نسبت دستِ بدعا ہوتے ہیں بسما
 کیا خوش مذاقی ہے کیا خوش کلامی ہے یہ خوش اسلوبی ایک امر مودع ہے سیکھنے
 آسکتی ہے ایں سعادت بزورِ بازو نیست : نانا نختہ فدائے نختہ زندہ : اس
 حضرت مصنف اپنی اس شغوی کی داد مانگتے ہیں اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ اگر ایسے
 کی داد نہ ملے تو اس سے بڑھ کر انصاف کشتی اور کیا ہو سکتی ہے آپ فراتے ہیں :-
 ذرا متصفو داد کی سے یہ جا
 زلیں عمر کی اس کماتی میں صروت
 جوانی میں جب بن گیا ہوں میں پیر
 نہیں شغوی ہے یہ اک پھل پھری
 نئی طرز ہے اور نئی ہے زبان
 ہے گا جمال میں مرا اس سے نام
 ہر اک بات پر دل کو میں خوں کیا
 اگر واقعی غور خاک کیجئے
 غرض جس نے اس کو سنا یہ کہا
 جو مصنف میں گئے کہیں گے یہی
 کہ ہے یادگار جمال یہ کلام
 تنبہ اس طرح رنگیں یہ مضمون کیا
 صلہ اس کا کم ہے جو کچھ دیجئے
 حسن آفسر میں مرجا مرجا
 نہ ایسی ہوئی ہے نہ ہوگی کبھی
 انصاف یہی ہے کہ حضرت مصنف نے اپنی شغوی کی تعریف بالا میں کوئی امر اعاطہ حق

یہیں ارشاد فرمایا ہے ماشعار بالا میں خس برابر بھی مبالغہ نے جگہ نہیں پائی ہے۔ بلاشبہ
 ذی ایسی ہی ہے کہ "نہ ایسی ہوئی ہے نہ ہوگی کبھی؛ مزا قلیل کا مصرعہ تیار نہ ہوگا وہ
 ہی سے باہر نہیں ہے آپ فرماتے ہیں کہ "بریں مثنوی باد پر دل نذا" حقیقت حال
 ایسی ہی ہے کہ وہ حضرات جو شاعری کا مذاق صحیح رکھتے ہیں اس مثنوی پر دل سے نذا ہیں۔
 رت مصحفی کا فرمانا کہ یہ بہت ناچہ چین سے بے بدل و تمام تر قرین حق ہے واقعی یہ
 ایک لاجواب بہت ناچہ چین سے بھی زیادہ خوشنما اور دل آویز ہے۔

ذی گلزار نسیم
 یہ مثنوی بھی بڑی شہرت رکھتی ہے اس کے مصنف حضرت نسیم خواجہ
 حیدر علی آتش کے شاگرد تھے، کہتے ہیں کہ خواجہ نے اس کی اشاعت
 پہلے اس کی نظر تائی فرمائی تھی۔ نیر جہالت ہو جو وہ یہ مثنوی بہت توجہ طلب ہے، اس کی نظم
 ہجرت انگیز اختصار کا عالم رکھتی ہے اس پر بھی ادائے مطلب کا ایسا جلوہ دکھلاتی ہے کہ
 باید زبان کی عمدگی اپنا جواب نہیں رکھتی یوں تو کوئی کلام بشری اعتراف سے پاک نہیں ہو سکتا
 ہی اس کی خوبی نظم اور عمدگی زبان بہت کچھ لائق تحسین ہے البتہ اس مثنوی میں حسین کی فطری
 یکم ہر ذہن تناسب خیالات جو مثنوی حسین میں دیکھا جاتا ہے اس مثنوی میں گویا نہیں ہے۔
 رن ایک نیچرل ناسر تھے ان کے اموذہ ہندیہ اور امور عاجیہ کے بیانات تناسب سے
 ی بھی جدا نہیں دیکھے جاتے ہیں یہ خوبی اس مثنوی میں کمتر نظر آتی ہے۔ میں شمالاً یہ عرض کرتا
 کہ تاج الملک کے چاروں بیٹوں کا ذکر حضرت نسیم یوں فرماتے ہیں :-

خالق نے بیٹے تھے چار فرزند عاقل و انا ذکی خسرو مند

ب زبان کیا خوب ہے اور نظم کیا چست ہے مگر کلام میں تناسب حسب مراد نہیں کھائی
 ہے حضرت نسیم کی ساری مثنوی پڑھ جانے کے بعد بھی کہیں سے ان چاروں صاحبزادوں

کی عقل مندی و انانی ذکاوت اور خود مندی کا کوئی پتہ نہیں لگتا ہے بلکہ حضرت نسیم کے آئن کے بیان حالات سے ان کی بے وقوفیاں اور بزرگیاں ظاہر ہوئی ہیں بزرگلاف اس کے میر حسن کی شہسوی کا اندازہ ہے کہ ساری شہسوی ہیں بلکہ کلام ایسے تناسب کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ بے اختیار دل میر حسن کے حسن کلام کا معترف ہو جاتا ہے ماننا چاہیے کہ تناسب ہی حسن ہے انسان ہی تناسب کے حامل رہنے سے حسین کہلاتا ہے اور ہر شے جو تناسب رکھتی ہے دل آویز ہوتی ہے اگر یہ تناسب گنزد نسیم کو حاصل رہتا تو اس شہسوی کی دل آویزی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی بہر حال یہ شہسوی اپنے رنگ میں چھی ہے۔ ذیل میں کچھ اشعار اس شہسوی کے عرض ہوتے ہیں۔

آوارہ ہونا بکاولی کا تاج الملوک گلچین کی تلاش میں

یوں بلبل غلام نعرہ زن ہے	گل کا بوالم چمن چمن ہے
اور غنچہ صبح کھلکھلایا	گلچین نے وہ پھول جب اڑایا
یعنی وہ بکاولی گل اندام	وہ سبزہ باغ خواب آرام
انٹھی نکلت سی فرش گل سے	جاگی مرغ سحر کے غل سے
پڑ آب وہ چشم حوض پائی	منہ دھونے جو آنکھ ملتی آئی
کچھ اور سی سی گل کھلا ہوا ہے	دیکھا تو وہ گل ہوا ہوتا ہے
جنہ جھلائی کہ کون سے گیا جل	گھبرائی کہ ہیں کدھر گیا گل
ہے ہے مجھے غارتے گیا کون	ہے ہے مرا پھول لے گیا کون
بوہو کے تو پھول اڑا نہیں ہے	ہاتھ اس پہ اگر پڑا نہیں ہے

نرگس تو دکھا کہ ہر گس گل - سو من تو بتا کہ ہر گس گل
 سنبل مرا تازیا نہ لاتا - شہشاہ انھیں سولی پر چڑھانا
 تھرائیں خواہیں صورت بید - ایک ایک سے پوچھنے لگی جمید
 نرگس نے نگاہ بازیاں کیں - سو من نے زیاں درازیاں کیں
 پتا بھی پتے کو جب نہ پایا - کہنے لگیں کیا ہو اتحاد ایا
 اپوں میں سے پھول لے گیا کون - بیگانہ تھا سبز سے کے سوا کون
 شبنم کے سوا چرا نے والا - اوپر کا تھا کون آنے والا
 جس کف میں گل بوداغ ہو جائے - جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے
 بولی وہ بکاولی کہ افسوس - غفلت سے بیچھول نہ پڑی دس
 آنکھوں سے عزیز گل مرا تھا - پتلی وہی چشم حوسن کا تھا
 نام اُس کا صبا نہ لیتی تھی میں - اُس گل کو ہوانہ دیتی تھی میں
 گل چیں کا جو ہائے ٹنڈ ٹوٹا - غنچے کے بھی منہ سے کھنڈ چھوٹا
 ادھار پڑا نہ تیرا چنگل - مشکیں کس لیں نہ تو نے سنبل
 ادباو صبا ہوا نہ تہلا - خوشبو ہری شگفتہ پاتا نہ تہلا
 بیل تو چمک اگر خبر ہے - گل تو ہری ہماک بنا کہ صر ہے

لاریت بان کی خوبی اور بندش کی جیتی اپنا جواب نہیں کھیتی رہے مگر اشعار بالا کے مضامین
 نہ جذبات قلبیہ کا کوئی زور دکھلاتے ہیں اور نہ کسی سین یا سینہری کا تاشا پیش نظر کہ
 لیتے ہیں شاعری کے اعتبار سے یہ اشعار اعلیٰ درجہ کے داخلی یا خارجی مضامین کی کوئی
 عیبیاں نہیں رکھتے حکمت و فلسفہ سے تو ان کو کوئی لگاؤ ہی نہیں ہے اور اخلاقی تعلیم کی

بھی ان کو ہوا نہیں لگی ہے۔ فطری شاعری کے نمونے یہ اشعار ہرگز نہیں مانے جا سکتے ہیں۔ ان کی جو خوبیاں ہیں مصنوعی انداز کی ہیں۔ فطرت پسندوں کے لیے اور ہی انداز کی شاعری درکار ہے۔ جو حضرات میجرن اور ٹیکسیر کے کلاموں کے لذت یاب ہیں ان کو اس ترکیب کے مضامین سے ہجرت قلبی کیوں کر نصیب ہو سکتی ہے۔ کلام کا فطری انداز کچھ عجیب لطف رکھتا ہے ذیل میں کچھ اشعار غنوی کی ترکیب کے کتاب مذہب عشق معروف بہ گل بکاؤلی سے درج کیے جاتے ہیں۔ ہر چند یہ اشعار کوئی علمی مسئلہ سے خبر نہیں دیتے ہیں مگر چونکہ ان میں ایک امیر گھر کی ہندوستانی وطن کا سچا فوٹو ہے یہ اشعار لطف سے خالی نہیں ہیں۔ یہ اشعار بکاؤلی کے عروس بننے سے تعلق رکھتے ہیں اور اہل مذاق کے قابل توجہ ہیں :-

پرستاروں نے یہ اس کو بنایا	جہاں میں حورِ حُضرت کو دکھایا
عجب صورت سے کی بالوں میں کنگھی	کہ بکھرا دیکھ کر ہر ایک کا جی
پٹ آئی جو یوں زلفوں کی یکبار	ہوئی کانور بو سے مشک تانار
بکھری گونڈھی وہ پاکیزہ چوٹی	کر سب اہل نظر کی جان لوٹی
جب اس کی موتوں سے مانگتے تری	فلک نے کشتاں قرآن کر دی
جو ٹیکا اس کے ماتھے پر لگایا	• فمر نے اپنے دل پر داغ کھایا
بزرگ مہرتاں تھا جو چہرہ	• ہوا تار شماعی مند یہ سہرا
وہ انگلیں بند کرنا بھی ادھتی	• حق مرگاں میں پوشیدہ جیامتی
جب اس کے کان میں بنایا جھکا	پریشاں ہو گیا عقیدہ تریا

پہن کر تھخہ خوشی سے رنگ نہر کا
 مسی آلودہ و ندال پیاکے پیاکے
 مسی مل کر جو بس اس نے پان کھایا
 مسی مالیدہ لب پر رنگ پاں ہے
 بنایا خال کا جل سے ذوقن پر
 پڑھی منہ پر دھن کے ایسی شیریں
 گلے میں پہنا جب موتی کا مالا
 اگر ہاتھوں میں ہیرے کے کٹھے تھے
 بہت اس کے سوا بھی اور گنا
 وہ کھڑا چاندرا گھونگھڑے میں چپکا
 چپکنے تھے شب پلدا میں تالے
 یہ مطلق پڑھ کے تاسخ کا سنایا
 تماشا ہے نہ آتش و صفواں ہے
 عجب جو بن تھا اس شک جہنم پر
 کہ پھپکی ہلکی نظروں سے شیریں
 بنات نعش کو سیرت میں الا
 نہ خالص کئے ٹیب پا پھڑے تھے
 مناسب جس جگہ تھا اس نے پہنا

ظاہر ہے کہ یورپ کا کوئی آدمی جو ہندوستان کی کسی اور دراجی باتوں سے واقف نہیں ہے
 اشعار بالا سے کوئی حُفظ نہیں اٹھا سکتا مگر ہر تعلیم یافتہ ہندوستانی آدمی جو شاعری کا
 مذاق صحیح سمجھتا ہے ضرور ہے کہ بیانات بالا سے متلذذ ہو اس لئے کہ یہ اشعار واقعات
 سے تواتر تعلق رکھتے ہیں حقیقت حال یہ ہے کہ ہندوستان میں دہلیوں دولت مند
 گھروں کی یہی طور پر سنواری جاتی ہیں پس ایسا سچا بیان واقعات کا جو شاعر انہذا کے
 ساتھ ہو کیوں کہ مطبوع اہل مذاق نہیں ہو سکتا ؟
 حکمت آموز مثنویاں : اس ترکیب کی مثنوی اردو میں بوستان سندی اور
 چند نام نہ عطا کئے یا یہ کی کوئی نہیں ہے ،
 تصوف آموز مثنویاں : اس قسم کی مثنویاں بھی اردو میں اعلیٰ درجہ کی نہیں ہیں کوئی
 ایسی نہیں ہے جو مولانا نے روم کا جواب سمجھی جائے ،

متصرف مضامین کی شہنشاہیں : اس انداز کی شہنشاہیں بہت ہیں سیکڑوں قصص و
 حکایات رنگ برنگ کے منظم ہوتے گئے ہیں ذیل میں ایک شہنشاہی غالب کی جو
 ام کی تعریف میں ہے درج کی جاتی ہے :

کیوں نہ کھولے درخیز تیرے راز	ماں دل درد مند ز مزمہ ساز
شاخ گل کا ہے گل فشاں ہونا	خامہ کا صفحہ پر رواں ہونا
نکتہ ہائے خرد فزا لکھئے	مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھئے
خامہ نخل رطب فشاں ہو بائے	بائے اموں کا کچھ بیاں ہو جائے
خرد و شاخ کوئی و میدان ہے	ام کا کون مرد میدان ہے
آنے یہ گو سے اور یہ چرگان	تاک کے جی ہیں کیوں ہے ارمان
پھوٹتا ہے جلے پھپھولے تاک	ام کے آگے پیش جاوے خاک
بادۂ ناب بن گیا انگود	نہ چلا جب کسی طرح مقدر
شرم سے پانی پانی ہوتا ہے	یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے
ام کے آگے نیشکر کیا ہے	مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے
جب خزاں آئے تیرے ہاں کی بہا	نہ گل اس میں نہ شاخ و برگ نہ بار
جان خیر میں پر مٹھا اس کمال	اور دوڑائے قیاس کہاں
کوہ کن باوجود سب گینے	جان میں ہوتی گر یہ شیرینی
پر وہ یوں سہل سے نہ سکتا جان	جان دینے میں اس کو مکتا جان
کہ دو اخانہ ازل میں مگر	نظر آتا ہے یوں مجھے یہ شہر
شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام	آتش گل پہ قند کا ہے قوام

جیسے ہے اُس سے جو کوئی جو کج فہم
 بنا ہے پاک طینت اس قدر وہ
 سبک چلنا کوئی کیا اس کو تہائے
 کریں ہر آفریں اس پر ہو کیا ہے
 نہ لگوئے کبھی متک پر سپیند
 ہو کیا اگر نہیں کرتا ہے تزیین
 نہ ہوئے قدر و قامت میں ہر موجود
 بجلال شان کا ہاتھی نہیں ہے
 عہدات دل ہے نالہ بجالہ بردار
 نہ کچھ ہو سیکے کعبو نہ کچھ وہ کھاٹے
 کوئی ہاتھی کی ہوتی ہے یہ اوقات
 غرض ہاتھی خدا دیو سے تو ایسا

کہ اس کی طبع کو آنکس کر سے وہم
 قدم ہرگز نہ رکھے خاک پر وہ
 جہان بگت بھجو کا فخر پھیلا جائے
 گویا اس کی وہ او ایزد را ہے
 بہت اس کی بزرگی سے ہے یہ تو
 اُسے کہتے ہیں اہل طبع رنگین
 بلند ہی عرش سے ہے اس کی افزود
 کہ جس پر ہر کوئی ایسا تھیں ہے
 ہے چرخ ہی پیش آہ ستر بار
 نظر بھی اس بندگی پر نہ آئے
 نہیں دم ماننے کی اس جگہ بات
 نہ فیل را جہ نہ پت سنگھ جیسا

اس کے بعد اس ہاتھی کی ہجو ہے۔ ہاتھی سے جو باتیں متعلق ہیں ایک بھی نہیں اٹھا رکھی گئی
 انہوں نے اس کتاب میں ہر پہلو سے اختصار ہی کی ضرورت ہے ورنہ ہجو کے اشعار کم از کم
 دس ہیں تو ضرور داخل کتاب ہذا کر دیئے جاتے۔ سبحان اللہ کیا شاعر گرامی سودا گند اس حقیقت
 ہے کہ سودا حضرت سودا کے اس قابلیت کی شہزادیاں کسی شاعر سے انجام نہیں پاسکتی تھیں۔

اشعار از مثنوی ہجو شبیدی کو تو ال

قوت انتخاب جواب دینے لگتی ہے کیا کلام ہے سبحان اللہ مجھ کو آذیل میں کچھ اشعار

مرض کر دیتے جاتے ہیں ورنہ لطف کلام تو پروردگاری شہنوشی سے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔
گشتِ حجبِ اِس کا پھرتا آتا ہے
سین کو جو رویہ مختصر بقدر
شہر کے پہنچ کیا کونوں میں اب
سبح کو بھیج دیکھو جسے
روزِ محشر کی دعوم ہے ہر شب
گویا پھینکتی ہے صورِ اسرائیل
مرے خوابِ عام سے چونکتے ہیں
چوروں کے ڈر سے فتنہ جاگتے ہے
کھلا رہتا ہے دیدہ متاب
بیٹھے ہے کر کے رزم کا سال
لگے ہے چلا شمع سے آکر
گم ہے خورشید کی بھی رشبِ ستار
دوڑو گھٹھڑی لے چلا ہے چور
بچنے کو غنچہ کے وہ روتی ہے

اس شہنوشی میں کوئی بات جو کہ تو اہل کے متعلق ہے اس شاعرِ نامی سے چھوٹ نہیں رہی ہے
اپنی اطلاع عام سے کام لینا حضرت سودا اسی کا کام ہے اس زور کا شاعر جو اصنافِ بطوری
پر اس قدر قادر ہو اُردو میں کوئی نہیں ہے حضرت سودا اپنے جواب آپ ہیں و

اشعار از شہنوشی بجا امیر دولت مند بخیل

حضرت سودا اس شہنوشی میں لکھتے ہیں کہ آپ کے ایک آشنا ایک امیر کی ملاقات کو

گئے اُن کے وہاں جانے ہی اب گھر آیا اور بارش ہونے لگی وہ میر محل میں چلا گیا اور پچیس وہ رات
مجموعی سے اس کے گھر رہنا پڑا بکا دل سے حسب ہدایت میر جو کھانے کے واسطے کہا تو
اُس نے اس مہر کی بجا لیت کے حالات بہت کچھ بیان کیے یہ بیانات حضرت سواد کی
بڑی طباعی اور مضمون آفرینی سے خبر دیتے ہیں آخر میں بکا دل نے یہ باتیں کہیں شعرا ذیل میں
منظوم ہیں :-

ایک فرزند یہ رکھے تھا اولاد	سارے گھر کا تھا اُس کے چشمہ چراغ
اُس نے اک روز یہ حماقت کی	آشنا اپنے کی ضیافت کی
نہ ضیافت کہ جس میں ہورنگ رس	اک رکابی طعام دو دیگر بس
تس پہ یوں پیش آیا یہ مردود	یاد آیا اُسے چھٹی کا دو
چاہتا تھا کہ سے یہ اس کو عاق	اور ماں کو بھی اس کے لیے طلاق
بار سے لوگوں نے آکے سمجھایا	تنب یہ جو روکے حق میں فرمایا
پتھر اس کے عوض یہ کیوں نہ جینی	کاش پچیس ترنا واں یہ ناشدنی
یاد و مجھ سے تو لاد لہ بہتر	میرا بیٹا اور اس قدر بہتر
اس کا دادا بھی گرہ نہ تھا عیاش	اس سلیقہ سے پر کرے تھا معاش
جو کوئی اُس کے گھر میں لوکر تھے	رات کو اس پہ یہ مقرر تھے
پھر تا وہ ٹکڑے مانگتا گھر گھر	لاتا آقا کے آگے جھولی بھر
اچھے چُن چُن کے آپ کھاتے تھے	برے تنخواہ میں لگاتے تھے
پیدا ہو کر گئے تھے یوں اجداد	سو یہ بد بخت سے ہے یوں برباد
جاننا تھا میں آپ ہی کو نفل	پر یہ مجھ سے بھی نکلا نامعقول

گڑھے پیسے پر سب اڑا دے گا
 انیلوں تک بیج بیج کھا لے گا
 اس دوا کی کے باپ کا اک روز
 آشنا تھا سودا ہر ٹرٹ دل سوز
 لایا کچھ ٹری پکا شراکس سے
 دونوں کھانے لگے وقت سے
 ان نے اک دو ایسے نو لے بڑے
 جد مہجوم دو ہیں ہو کے کھرے
 لگے کہنے نہیں شراکت نیک
 میرے سولنے اور تیرا ایک
 تھی بزرگوں کے اپنے تو یہ چال
 کرتی ہیں یاں حنیافین پامال
 خوب جو کچھ اٹھا خزینہ سے
 لو اتالیق کے مہینے سے
 سنا اس گھر کا یار تو نے حال
 جھ سے کھانے کا پھر کیس سوال

نعمی بیان کا کیا کتا ہے، بکا دل اپنے آقا کے حالات بیان کرتا ہے پھر بکا دل خود کچھ نہیں
 کتا ہے صرف اپنے آقا کے اقوال کا اعادہ کرتا ہے اس اعادہ میں آقا کی بی بی
 بیٹے دادا پر دادا سب کی ہجو ہو جاتی ہے یہ ترکیبیں حضرت سودا کے سوا کس سے انجام
 پاسکتی ہیں۔ واہ ری طباعی واہ ری مضمون افرینی واہ ری خوش اسلوبی میان کی حیرت انگیز
 قدرت شاعری کی اس شاعر گرامی کو عطا ہوئی تھی۔ اہل اطلاع حضرت سودا کی
 جس قدر قدر فرمائیں بجا ہے۔

اشعار از مثنوی ہجو ضاحک

اس مثنوی میں میر ضاحک کی بسیار نموداری کی ہجو ہے معلوم
 ہوتا ہے کہ میر ضاحک نے سودا کی ہجو کی تھی۔ یہ مثنوی ان کی ہجو نگاری
 کی مکافاست ہے اخلاقی سخن حضرت سودا پر نکتہ ہے۔ ذیل میں کچھ اشعار

اس شتوی کے درج ہوتے ہیں۔ پوری شتوی دیدنی ہے۔ مگر اس کتاب میں
اس کی گنجائش نہیں ہے :

جو اسے میہماں بلائے ہے	آفت اپنے وہ گھر پر لائے ہے
یہی کتاب پھر اس کے گھر بیٹھیے	اور کوئی نہ کھانے پر بیٹھیے
بولتا آئے ہے قدم بہ قدم	کہو کھانے کو جلد دیویں دم
نہ سلام و علیک نہ کچھ بات	صاحب خانہ سے کرے بذات
بیٹھیے ہی نکالے ہے یہ ذکر	پرٹ کی میرے تم کو ہے کچھ فکر
ہو کہ کچھ ان دنوں ہے کم سیری	دو ٹیالیں سوچا پس ادھ سیری
نان یا کو کہو یہ بلوا کر	جلد ان کو تنور لگوا کر
جب تلک کھانے تک چکیں سارے	ان ہی کو لا کے میرے سر سارے
جتنے دنیا کے بیج ہیں اشکال	استہان میں تھا منا ہے محال
جب تلک کھانا آئے ہی آئے	اسی تک تک میں جان کھا جاوے
کھانا آئے تو اس طرح ٹوٹے	جیسے کوئی کسی کا گھر لوٹے
مارے لقمے تو اس طرح بذات	جیسے جھاڑے کوئی پٹے کی بات
وہ جو لو کہہ طے ہوں جس تکے	منہ کو جیال ہوتا کہ ہر اس کے
دیگچے جب یہ چاٹ کر چھوٹے	منہ کو کھانے سے موڑے تو موٹے

اشعار از شتوی ہجو حکیم غوث

حضرت سہوہ اکی بڑی اطلاع عام اور ہیرت اگیز قابلیت شاعری کا ثبوت یہ

شکوئی بھی ہے واقعی مضمون آفرینی اس شاعر جاوید نگار پر ختم ہے، کچھ اشعار اس شکوئی کے نذر ناظرین ہوتے ہیں :-

سوہی تو وہ گور سے تھا تنگ تر	کتنے ہی بیمار تھے اور ایک گھر
گرد مونسے اس کے یہ بیمار ب	ان کے بیٹھا وہ ستم گار جب
کتنے لگا تھ کو شدت ہے قبض	چھٹے ہی اس شخص کی بھی نبض
لکھ دیا یہ اک کے سفوف یہود	کچھ نہیں کرنے کا بجز اس کے شو
ماش کی روٹی سے لکھا ساگ پست	اور غذا اس کو بیتلانی دوست
واسطے ہر فیہ کے لکھا اسپنول	صاحبیت عیس کو بتا یا کٹول
کر دیا مستحق کو جا فصد کر	لکھ یا مجنون کو شیر شتر
ساتھ کلنتی کے کہا کھا وہی	پوچھا جو ان نے کہ غذا کیا کہی
موضع مخصوص یہ چھڑ کو نمک	یہ کہا اس کو جسے تھی آتشک
زخم کو دبل کے کرانا ر قو	کینے لگا دیکھ کے ایک اور کو
نبض کہا دیکھوں میں لا اٹھوے	بیٹھ کے پھر پاس ہا کٹولی کے
خادمہ سے اس کی کہاے کینز	دیکھ چکا نبض کو جب بے تمیز
پر مجھے نقرس کا ہے ڈر بیشتر	درہ مکر اس کو ہے یا درہ سر
کینے لگا دو اسے ماہ العرع	کر کے پھر آخر کو مقرر صرع
کچھ نہ اُسے دیجیو پتر آش جو	اور جو کھانے کی گئے اس کو لو
واسطے اس کے یہ دوا زہر ہے	کتنے لگی سن کے یہ کیا قہر ہے
کرتے ہو کیوں قتل کا اس کے خیال	لغوہ و فواج اسے ہے پیرال

لقوہ و قالج ہو جسے یا صرع دیکھیے اس کتبیں ماہ القرح
 یہ کمال بھونگاری ہے۔ مرض مشخص کے خلاف دواد غذا کی تجویز کیا خوش اسلوبی کے
 ساتھ دکھلائی گئی ہے بحقیقت یہ ہے کہ حضرت سودا کی طباعی اپنا جواب نہیں رکھتی ہے
 لاریب حضرت سودا ایک بڑے شاعر گذرے ہیں فطرت نے انہیں شاعری کی بے
 حد قابلیت بخشی تھی اپنی اطلاع عام سے جس قدر انہیں کام لینے کی صلاحیت حاصل تھی
 دنیا میں بہت تھوڑے شاعروں کو نصیب ہوئی ہے ۶

اشعار از مثنوی بھوجو چیک مرزا فیضو

اہل اطلاع سے پرستیدہ نہیں ہے کہ اطلاع عام مرزا فیض سودا کی ایک
 حیرت خیز انداز دکھتی ہے ہندوستان کے ہر قسم کے معاملات سے اس شاعر
 گرامی کو خبر تھی حضرت سودا کی کلیات کی سیر سے صاف ہویدا ہوتا ہے کہ اپنی اطلاع
 عام کی بدولت حضرت سودا ہر قسم کی شاعری پر قدرت رکھتے تھے واقعی کون سی
 بات شاعری کے ایسی ہے جو حضرت کی کلیات میں نہیں ہے اس مثنوی کے اشعار
 بھی حضرت کی بڑی اطلاع عام سے خبر دیتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت میرزا شکاری
 کے فن سے بھی پوری اطلاع رکھتے تھے ناواقف فن ہرگز اس نحو بصورتی کے ساتھ
 ایسی مثنوی نہیں لکھ سکتا ہے۔ حضرت سودا نے اس بات کو ثابت کر دیا
 ہے کہ شاعر کو سہ دان ہونا چاہیئے۔ حقیقت حال بھی یہی ہے کہ اصناف شاعری
 پر تادو ہونے کے لئے اطلاع عام کی بڑی ضرورت ہے میرزا دانست میں حضرت
 سودا اطلاع عام کے اعتبار سے ہندوستان میں اپنے جواب آپ ہیں جیسا کہ

شکستہ انگلستان میں ذیل میں کچھ اشتہار اس مثنوی کے بدیہ ناظرین سموتے ہیں :-

آہ و داد ہلا ز دست روزگار
 قوش خالوں میں بیغم ہے اشکار
 سر سے ہر ایک باز نہ لے چکی کلاہ
 رخت ہر شاہیں نے پہنا سیاہ
 ہو گئے تجروں کے دل غم سے وہیم
 باشندہ باخین ہنگری بھی یتیم
 کیا ترمختی کیا کہی کیا بیسیرا
 یک بیک ان سے مانہ یوں پھیرا
 آہ کچھ مت پوچھو اب اس کا سبب
 کیا کوں یاروں تم سے غضب
 زلفیضہ کی چپک مر گئی
 قوش خانے جاگے دیوان کہ گئی
 کس قدر ہے آسماں بے اقیاناز
 آہ کیا مارا ہے اس نے شاہباز
 وضع دوراں سخت نا انصاف سے
 دیکھو یار ویر کیا انصاف سے
 میرزا غمگین سوں چڑیاں تبادلوں
 گھونٹے چیموں کے بول بادلوں
 دیکھ تو سارو کو کیا خرمند ہے
 ڈھڈھ کو اس سے خوشی وہ چند ہے
 مانے کیا تیر کے گھر تادی آج
 پدیناٹ غوغائی کے گھر اہل ساج
 بیک کیا کیا بارتی ہے قہقہے
 کیسی دتیر کر دی ہے چھچھے
 مانے وہ مرزا کہ جس کا سن کے نام
 آب ہو سیرخ کا زہرہ تمام
 سو کیا اس کو فکارتے یوں دلیل
 مرتے ہی چپک کے بگڑا ہر نیل
 جب نکتے گھر سے وہ بازار کو
 تیز کرتے وال چھری کی دغار کو
 دیکھ کر ان کے تئیں نیپے تمام
 بند کر انکھوں کو گتے رام رام
 ان سے یہ کہتے اگر منظور حرم
 ہے تمہیں اور ہم کی ہنر شرم

تو چھرا او پھٹکیوں کے جانور
 بیج دو جلدی نہ ہو ایسا کہیں
 اس سخن کو جس گھڑی سنتے تھے وہ
 یہ تو دینے کیا ہیں کئی اکڑ زمین
 جبے مرزا ہو گیا اس کا یقین
 ایک خرمرہ کوئی دیتا نہیں
 ذیل میں ایک حکایت منظم بھی اس شاعر گرامی کی داخل کر دی جاتی ہے یہ ترکیب
 حضرت سعدی کی بوستان کی ہے اگر حضرت سعدی نے اس صنف شاعری کی طرف
 ذبح فرمائی نہ ہوتی تو اردو میں ایک کتاب بوستان کا جواب نہ ہو جاتی ۛ

حکایت

منہ ہے کہ اک مرد اہل طریق
 صفت سے تو وضع کی موصوف تھا
 غرض چاہیے آدمی میں جو چیز
 قضا کار مجلس میں ہوتا کہیں
 کسی نے کیا اس سے کدن سوال
 جو ملنے میں نہاٹ تھ کے پھلے کام
 کہا راستی ہے جو تم نے کہا
 کہ جس حال میں دوں اس کو اڑا
 پس ہمت کے نزدیک سے کیا بھلا
 غرض جیتے گزے میں اہل کمال
 نہایت ہی واقع ہوا تھا طبع
 کریمی کے عالم میں معروف تھا
 رکھے تھا بھی خوبیاں وہ عزیز
 اڑا تانا نہ منہ سے گلے کے تئیں
 وضع سے کیا ہے تیرا مال
 تو حال اٹھانے سے تکلف نام
 دے اس سے یہ ہے مراد غاف
 ہے ممکن کسی اور پر بیٹھے جا
 کہ میں اور پر طالبوں اپنی بلا
 ہر اک کا سمجھتے تھے اپنا سماں

تو کز محنت دیگران بے غمی نشاید کہ نامت نمنند آدمی

مثلث و مخمس

یہ دونوں تفضیلات میں عام اس سے کہ شاعر خود اپنے کلام یا کسی دوسرے شاعر کے کلام پر تفضیل کرے مثلث عبارت ہے تین مصرعوں سے جس میں اول مصرع تفضیل کا ہوتا ہے ہی طرح مخمس مراد ہے پانچ مصرعوں سے جس میں تین مصرعے تفضیل کے ہوا کرتے ہیں یہ عرضی ترکیب مثلث اور مخمس کی ہے مگر نفس شاعری کے اعتبار سے مثلث اور خمسہ کو ایسا ہونا چاہیے کہ تفضیل کے مصرعے اصل مصرعوں سے ایسے دست و گریبان ہوں کہ سرسُوم بھی ان کے آپس میں کوئی امتیازی امر لاحق نہ ہو یعنی تینوں یا پانچوں مصرعوں میں ایسی چہ پائی پیدا ہو کہ اصل مصرعوں سے تفضیل کے مصرعے نام کو بھی جدا نہ معلوم ہوں اکثر غزلوں پر تفضیل کی جاتی ہے مگر مثلث کے اعتبار سے مخمس تفضیل زیادہ دیکھی جاتی ہے سلاموں کی بھی تفضیل ہوتی ہے اور زیادہ مخمس ہی ہوتی ہے

تفضیل فارسی

ذیل میں حضرت حافظ علیہ الرحمہ کی ایک غزل کا خمسہ عرض ہوتا ہے

ہر کسے را در ورون خلوت دل راہ نیست ہر گدائے لائق قرب جو از شاہ نیست
حق شناسی کار ہر بلذیت گمراہ نیست ز اہل ظاہر رست از حال ما گاہ نیست
در حق ما ہر چہ گوید جائے بیخ آراہ نیست

ایک بار دست مطالب خالی از ہر مدعاست دوش بہت عاری ز اندازہ شمال قباست

بستیم اگر بہ طواف حرم احرام
 تا توبہ نہ کر دیم لمے از سہ مے گلہ نام
 در یکدہ چوں ساخته ز نڈال ہر ابد نام
 صد بار گر نفیم رہ کعبہ و یک گام
 بے مصلحت پیر خرابات نہ نفیم

آں شوخ ازاں روز کہ با ماشدہ باغی
 کو خرمی عید دریں سینہ داعی
 داریم دل غمزہ چوں طبل باغی
 صد عید شد و رفت در آشفته داعی

ہرگز بہ کسے بہر طافات نہ نفیم
 جستم بہ آفاق ہمہ رشتے زمین را
 دیدیم بندہ نر فلک استاد حنہیں را
 بر خاک درش رفتہ بسایم چہیں را
 اشعار شنیدم و ندیدم مکیں را
 مشغول صناعتیم و پے ذات نہ نفیم

تضمین اردو

اردو میں غزلوں اور سلاسل پہ زیادہ تضمینیں دیکھی جاتی ہیں اردو غزلوں اور
 سلاسل کے علاوہ فارسی غزلوں اور سلاسل پر بھی اردو تضمینیں پائی جاتی ہیں ذیل
 میں کچھ اردو تضمینیں بشکل مثلث محض ہدیہ ناظرین ہوتی ہیں :-

مثلث اردو

یہ مثلث میر پرویز علی مرحوم کا ہے آپ کڑا ناک پور علاقہ فتح پور بہسوا کے
 ساکن تھے سخی مخلص فرماتے تھے آپ کا زمانہ اور خواجہ آتش صاحب کا زمانہ ایک
 تھا، استاد مصحفی کے تقاضے شعر گوئی کا متعل شروع کیا تھا صاحب دیوان

ہیں مگر آخر عمر میں نوحے اور سلام کہا کرتے تھے موسیقی میں پورا دخل رکھتے تھے بے
 ہمتا خوش آواز بھی تھے اکثر یورپی زبان میں پاتی یعنی نامے تعیندے کر کے بڑی خوش
 الحانی سے پڑھتے تھے اور رویا کرتے تھے آپ سادات کرام سے تھے۔ اور
 مولوی وحید صاحب مدرس بھی جن کا ذکر سابق میں آچکا ہے سندھی سادات میں سے
 تھے۔ میر پروش علی صاحب جس وقت پلٹنے میں تشریف لائے تھے من شریف
 ان کا انٹی سے متجاوز تھا آدمی بہت فداور جسم اور جگر تھے ایک قطعہ آپ کا
 سابق میں درج ہذا ہر چکا ہے۔ اب ذیل میں آپ نے جو اپنی غزل کو مثلت
 فرمایا ہے یہ بھی نذر ناظرین ہوتا ہے *

مثال شمع ہم ثابت قدم ہیں سر کٹا تے ہیں مزا کیا ضربِ شمشیرِ قاتل کا اٹھاتے ہیں

شہادت کی جو ہم کو بھوکا ہے تلوار کھاتے ہیں بڑا اندیشہ ہے کھیل کھہرِ فرقت میں جاتے ہیں

خدا پہلے بلاتا ہے کہ وہ پہلے بلاتے ہیں

کسی دن مہرابی اور عنایت پر جواتے ہیں یہ فراتے ہوئے کوٹھے سے وہ جلوہ کھاتے ہیں

کلیجا تمام لوکھڑکی کا پروہ ہم اٹھاتے ہیں

تعالیٰ شانہ کیا وقت ہے اور کیا زمانہ ہے عجب اس عاشق کا الٹا پلٹا کا زانہ ہے

ہمیں سوٹھے ہیں ان سے اور ہم ان کو نہاتے ہیں

ذرا سننا کہ میرا بجز سنے کے قابل ہے جہاں تھا بیٹھا مشکل وہاں اٹھنا مشکل ہے

کہ پانوں کے انگوٹھے سے مراد امن ملتا ہے

سزا تھی بے تحاشا جو زمین پر نہ کہے بل کئے ابھی سوکا تھا انگلوں کو مگر باہر نکل آئے

یہ لڑکے کیا کسی کی بات کچھ خاطر میں لاتے ہیں
 یہ کوئی بات ہے اپنی نگاہوں میں سمائے گا فلک کیا چودھویں کی چاند تو ہم کو دکھائے گا
 ہم ایسے طرشت میں کھیں کا منہ دھاتے ہیں
 کریں بل زمین پر کچھ اپنے مکانوں کی فرشتوں سے کو اب خیرا نگیں آسمانوں کی
 وہ نالے کرتا مول جو عرش کے پائے ہلاتے ہیں
 کوئی لپچھے تو ان سے اس میں کچھ میرا بھی ہو مقصد سنی ہے صیدا ہو کے لئے کس شوخ کی آمد
 سخی جو تارائے برشت پر اکھیں بچھاتے ہیں

اردو میں غزل حافظ شیراز کی تترخانیس

عادل گل کوئے تو گلدار اند اسیر دام بلائے تو دل شکار اند
 غبار راہ و فائے شہسوار اند غلام نگیں مست تو نا جدار اند
 خراب بادہ لعل تو بوشت یار اند
 ہمائے مد نظر تھے بہت نشیب و فراز نہ کوئی واقف اسرا تھانہ محرم راز
 یہ کیا کریں کہ یہ ہے فقہا سے راز و نیاز نرا حیا و مرا آبدیدہ شد نماز
 وگرنہ عاشق و معشوق راز دار اند
 خرام ناز سے پامال ہے جہاں بیکس ہے عاشقوں کا تڑپے ساتھ ساتھ کاشک
 دے نہیں تجھے احوال پر کسی کے نظر زبیر زلف دوتا چوں نگہ کنی بنگ
 کہ دریاں و سیارے چہ بے قرار اند
 کہ ہے ہر مغال دیکھنا یہ رنگ سخن ہے تازہ تو یہ بھی یاد کہ شراب کہن

بکے ہے تیرہ درونِ اعطاس کی بات سن
بیابانِ بسکدہ و چہرہ از خوانی کمن

سرو بصومعہ کا سجا سبیا کار اند
سیاہ پوش ہے اک خلق تک جہاں نگیں
وہ کون ہے کہ پریشانِ فتنہ حال نہیں
بہا کے کئے کا تجھ کو اگر نہ آئے یقیں
گزار کن چو صیابِ بنفشہ زاد وہ ہیں

کہ از قفا و ل زلفت چہ سو گوار اند
بہیں امید مانی نہ از دئے خلاص
نہ عادت تگے دوہنے جہتوئے خلاص
چہ ناگوار بنت جی کو گفتگوئے خلاص
ز دام زلف تو دل را بسا دئے خلاص

کہ بستگان کیند تو درست کار اند
ہے سر پہ خاک کلا کر ہے لباس بدن
کہ درست دل نگیں عبیرِ پیرا ہن
غبارِ فرق سے آئینہ نہیں روشن
ز نقشِ سپہ و حافظِ ہی تو انیدن
کہ ساکنان در دوست خاکسار اند

یہ تھیں استادِ مومن خاں کی ہے
مصرعے لگاتے ہیں مطلع میں فارسی کی تفسیر سے چارہ نہ تھا
حافظ علیہ الرحمہ کے شعروں پر اوردو کے

تخمیس غزل زنداز زند

جسے کہ یاد نہ ہو اپنا آتش بیاں صبیاد
بھلا وہ خاک کسے حال بوستاں صبیاد
عبثتِ عبت لور نہ ہو مجھ سے بگال صبیاد
کھلی ہے کوچِ قرض میں مری زباں صبیاد
میں ماجرائے چین کیا رول بیاں صبیاد

خزایہ تمام سے ہمراہ سایہ ساں صبیاد
چمن میں تھا کبھی بن میں رول و اں صبیاد

غرض کہ ساتھ ہی پہنچا جہاں تہاں صیاد جہاں گیا میں گیا دام لے کے اں صیاد

پھر تلاش میں میری کہاں کہاں صیاد

بتناگ کر دیا دنیا کے کارخانے نے بٹھایا خاکِ مذلت پر سر اٹھانے نے

پھنسیا لالا کے کہاں حریف اِن ماننے نے دکھایا کینجِ قفس مجھ کو اب دانے نے

وگر نہ دام کہاں میں کہاں کہاں صیاد

کچھ اور مجھ کو شکایت نہیں ہے یہ گلا بہار کیا کہ خزاں میں پھول نہ اک تنکا

عبرت یہ اوستم ایجاد کیوں غضب توڑا اجاڑا موسم گل ہی میں استیاں میرا

الہی ٹوٹ پڑے تجھ پر اسمان صیاد

بیاں کر نہیں سکتا جو میری حالت ہے جو اس باختہ ہوں مجھ پر اک مصیبت ہے

ابھی ہوں تازہ گرفتار زورِ خوشنت ہے عجب قہقہہ ہے کچپ اک حکایت ہے

سناؤں گا گلِ دہلی کی داستان صیاد

کلام کرتا ہے وہ دل جو خوش آتا ہے حکایت گلِ دہلی مجھے سناتا ہے

ہر ایک بات میں سو سو طرح بھجاتا ہے اداس دیکھ کے مجھ کو چمن دکھاتا ہے

کئی برس میں تو ہوا ہے مزاجِ دال صیاد

خدا گواہ ہے تعریف ہو نہیں سکتی زیادہ گھر سے ہے راحت مجھے قفس میں بھی

کب اس کی ذات سے اتنی مجھے توقع تھی عزیز رکھتا ہے کہ تا ہے خاطر میں میری

ملا ہے خوبی قسمت سے قندِ دال صیاد

میں اس کے دام میں تازہ زینہار اے رند یہ کشمکش نہ اٹھاتا میں زینہار اے رند

کبھی قریب نہ جاتا میں زینہار اے رند قریب دانہ نہ کھاتا میں زینہار اے رند

نہ کرتا دام اگر خاک میں نہاں صیاد
حضرت رند نے خود اپنی غزل کی تصنیف حسب شاہ امجد علی شاہ بہادر مرحوم کی ہے

میر تقی میر کی غزل کی تخمیں

میری چوشت کا جو کچھ حال سنا کیسے بعد
ہو گیا جوش جنوں حد سے صواب میر سے بعد
سونا جنگل جو نظر اُس کو پڑا میر سے بعد
اُس کے سجادہ نشین تیس ہوا میر سے بعد
نہ رہی دشت میں خالی مری جا میر سے بعد

باغ عالم میں وہ بیل ہوں کہ ہواں چین
میں نہ ہوں گا تو نہ ہو گا کوئی خواہاں چین
پھاڑ ڈالیں گے گریباں کو ہواں چین
منہ پر رکھ دامن گل و دین گے مرغان چین
ہر روش خاک اڑائے گی میر سے بعد

کیا کہوں اس سے کہ وہ ہے نہایت کمسن
یاد کیا ہے کہ وہیں گے اسے طفلی کے دن
سب پہ ظاہر کیے دیتا ہوں میں حال ایاطن
اب تو ہنس ہنس کے لگاتا ہے ہنس دی لیکن
خوں رلانے گا اُسے زنگ حنا میر سے بعد

سنا سنا ہٹ سی کہ ٹھٹھی ہے بدن میں ہر صبح
جان آجاتی ہے گویا مرے تن میں ہر صبح
آہ بھر کر یہی کہتا ہوں کفن میں ہر صبح
وہ ہوا خواہ چین ہوں کہ چین میں ہر صبح
پہلے میں جاتا تھا وہ باد صبا میر سے بعد

میں ہی دلوہاڑ اکیلا نہیں صحرا میں ہوں
بعد میر سے ابھی ہوں گے بہت سے جنوں
کہتے تلووں کا ابھی سچہ کو بہانا ہے نول
تیز رکھنا سر خدا کو اسے دشت جنوں
شاید آجائے کوئی آبلہ پا میر سے بعد

گر گیا جبکہ امانت تو پھری کچھ تقدیر
 غم ہوا اس کو بہت ہو گئی حالت تیز
 جیتے جی تو نہ خبر لی نہ ذرا کی تدبیر
 بعد مرنے کے سری قبر پر آیا وہ تیر
 یاد آئی سر سے عیسیٰ کو دوا میرے بعد

مخمس سلام فصیح از رسول رحیم اللہ تعالیٰ

السلام اسے گھر معدن عالی انبی
 السلام اسے قبر بیچ رسول عربی
 انت مولائی نافذ یک بامی و ابی
 خضر کون مکان حق نی تھے کولقب
 عابد و زاہد و مستوق خدا عاشق رب
 فخر حمزہ مشرف ہاشمی و مطلبی
 کٹ کیا دشت مصیبت میں گلستان نبی
 کس طرح تیر نہ ہے اشکوں سے دامن نبی
 پادرت زیب لب کو ترو تو قوت نہ لبی
 رات دن جن پر بنا ذکر خدا اسے محمود
 آہ ان سینہ کہ آغوش نبی جالیش لود
 پانہد شہر برل سینہ یابے ادبی
 قبلہ خلق سمجھتے ہیں تجھے کعبہ پر سنت
 ایک نہ تھا کہ تھی دوش محمد پشست
 چاک اس غم سے نہ کیونکر ہو کر بیان نبی
 جال بقران لب خشک تھے جان نبی
 عرش اعلیٰ بھی تھے پایہ فوض ہے لپست
 ای چال است کہ دغاگتت عرفاں است

کفن از خلد نیا ورد رسول عربی

تیری توقیر سے آگاہ ہے دنیا ساری ہے رسول اللہ سے تڑپا لہ بجاری
 تو نے سر سے کسے کیا دین کا سکہ جاری اللہ اللہ کہ عجب رتبہ عالی داری

آنکہ باحزرتہ شاہ شہدا ہم لہتی

کیا قیامت ہے کہ قبروں میں ہوئے دفن یسین رہ گئی لاش تیری بے کفن اے سرور دین
 تن نازک یہ تیرا ہے غضب اور گرم زمین مگر از حال تو آگاہ نشد روح امین

ہمد جنابان تو سے بود در آیام صبی

دل لڑ جائیں جدھر ہو تیری آواز بلند سن کے تقریر تیری لطف فیصلہ ہوں بند
 اے شہنشاہ زمان چھپرے کے میداں میں سمند رجز از بہر چہ خوانی بہرہ کس کی دامد

خسر و ملک حجازی شدہ والا حبیبی

چاہتا تو جو سپاہ ستم ارا کی شکست جیتنے سر کس تھے وہ اک ان میں ہوا جتنے لپیت
 لائے شک رنکچھڑ لیں کوئی ظلم پرست باز در سجدہ بند بر دم خضر این است

مغفرت بہر غلامان ز خدای طلبی

کام لکھا تھا تیرے نام پر چو روز است حق نے وہ چشم تھی پر کیا اے محمد پرست
 جانتے ہیں یہ وہی جو شے غزال ہیں مرست بخشش امت عاصی بیت نول تو مرست

بہر اسٹش امت تو بہ رنج و توبی

فیض پاتا ہے تھے سے در سے سزا کا جہنم تیری ہر بات ہے اللہ و محمد کو پسند
 نسل خود شید فلک بزم جہاں میں ہر چند چارہ نور بلاشبہ و شک یکساں اند

تو ازاں ناگرا سے نور خدا منتجی

ہے بکارِ محمّد جو ہوتجھ سے گلہ مند
 گوشہ قبر میں پہنچائے ہیں زہرا کو گزند
 باغ فردوس ہے گھر جن کا وہ نلاں میں بند
 آل لیلین بر سن آل زیاد آزاد اند
 دادا اے چرخ جفا کار باں بولاجبجی
 چھوڑ مونس کی طرح الفت خیا کے قریح
 در در کھتا ہے تو مولا تجھے کہیں گے صحیح
 عین کر چل کے تمنائے ولی پیش ضریح
 تدر دان تو امام حسین است فصیح
 پس چرا مطلب خود از درگاہی طلبی

مسدس

عروضی ترکیب مسدس کی یہ ہوتی ہے کہ ایک بند چھ مصرعوں کا ہوتا ہے۔ چار
 مصرعے تو ایک ہی قافیہ رکھتے ہیں مگر آخر کے دو مصرعے جو ٹیپ کے مصرعے کہلاتے
 ہیں پہلے چار مصرعوں سے علیحدہ قافیہ رکھتے ہیں اردو میں اس عروضی ترکیب کی بابتدی
 کے ساتھ تین قسموں کی شاعر میں برتی جاتی ہیں یہ ہیں :-

(۱) اسوخت - جیسے اسوخت امانت - اسوخت مرین وغیرہ وغیرہ

(۲) مسدس حکمت آموز، جیسے مسدس کہریا، مسدس عالی مظلّمہ وغیرہ وغیرہ

(۳) امراتی حال، جیسے مرثیہ مانے میر ضمیر و مرزا دلگیر و میر نثار مرزا دہر و میر دلگشا

وغیرہ وغیرہ

دانش ہرک فارسی میں یہ قسمیں شاعری کی اس عروضی ترکیب کے ساتھ کتر دکھی جاتی ہیں
 اور اگر ہیں تو حسب مراد تصنیفیں راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزری ہیں اس لئے
 فارسی کی کوئی ایسی تصنیف درج نہ انہیں کی جاتی ہے اب حضرات ناظرین صرف اردو کی

مسلسل نگاریوں پر نظر توجہ ڈالیں :

نمبر (۱) واسوخت

یہ ایک عاشقانہ رنگ شاعری کا ہے اور مسلسل طور پر غزل سے زیادہ اس میں
موقع جذبات تبدیلہ و واردات ذہنیہ کی بندش کا حامل ہے مگر افسوس ہے کہ کوئی واسوخت
آج تک حسب مراد تصنیف نہیں ہوا، اس وقت تک جتنے واسوخت اردو میں
دیکھے جاتے ہیں نہایت پوری خیالات سے بھرے نظر آتے ہیں بلکہ اس قدر
بے ربط خللاف فطرت اور نسبت مضمون میں کہ طبیعت ان کے پڑھنے سے گریز کرتی
ہے ایسے واسوخت کسی تعلیم یافتہ خوش مذاق تشریف طبیعت پاک طہنیت شخص کو پسند
نہیں آسکتے، ایسے واسوخت کے وہی حضرت قندوان ہو سکتے ہیں جن کے دل و دماغ
خیالات فاسد سے خراب ہوئے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اگر عشق کی تفسیح کی کسی کو دیکھنا
ہو تو اردو کے واسوختوں کو دیکھنے فقیر کی دانست ہیں اور وہ کہ جو بہترین واسوخت
سمجھا جاتا ہے وہ عشق کی تفسیح کا بڑا سے بڑے کار نامہ ہے جس واسوخت کو دیکھئے
اس میں عشق تمام تر فسق کے پیرا میں دکھلا گیا ہے۔ واسوخت میں عموماً اسی طرح
کے مضامین باندھے جاتے ہیں جو قابل اعادہ مضمون نہیں ہیں مگر مثلاً اصلاح مذاق کے
خیال سے مدح ذیل ہوتے ہیں :

پہلے شاعر صاحب اپنے ایسے زمانہ کو بیان فرماتے ہیں جب انہیں عشق سے
سڑکار نہ تھا عشق کے نام سے انہیں شوشت ہوتا تھا، مگر ان کا ایک دوست تھا
جو قبلاً کے عشق ہوا تھا اس شاعر صاحب نے پوچھا تو جو عاشق ہے تو

یہ بتا کہ عشق کیا چیز ہے۔ دوست صاحب نے فرمایا کہ نہایت تعجب کی بات ہے
 کہ تو نے کبھی دل کسی کو نہیں دیا نہ شربت ہوس نہیں پایا کسی سے ہم لہجہ نہیں ہوا نہ تیرے
 کنار سے واقف نہیں ہوا اپنے دوست سے یہی تقریریں کر شاعر صاحب کے دل میں عشق جگ
 کر گیا اسی کا سوو اپید ہو گیا کہ عشق کرنے کے واسطے کسی نوجوان صورت کو ڈھونڈنا۔ یہ
 اب ہر جمع شاعر صاحب تلاش معشوق کی نظر سے جانے لگے کہاں گئے کہاں۔ گھر
 آخر ایک معشوق نظر آیا اب اس کے دل کی نگر میں اس کے کوچہ میں روز بائٹھ گئے
 اس کے دروازے کے سامنے کھڑے ہونے لگے پھر اشارہ بازی شروع کی پھر اس سے
 اس کے گھر کے اندر جانے کی تمنا دلوانی، وہ معشوق بھی چونکہ کسی اصول زندگی کا پابند نہ
 تھا اس نے شاعر صاحب کو اندر لے کر گئے بلایا گھر کے اندر کچھ بے سرو پا گفتگو آپس میں ہوتی
 گئی اس روز سے عاشق معشوق ساتھ رہنے لگے شاعر صاحب نے اپنے معشوق کو حاضر
 کے طریقے بتائے البتہ اس میں ڈریش کرنے کا حکم کھلائے جب کچھ روز اس طرز پر گزرنے اور شاعر صاحب
 کی عیاشی سے گزرنے لگی تو ان کے معشوق نے پہلے پوشیدہ طور سے پھر کھلے طور سے زباں
 پر ایشیا کر کے گھر جانا شروع کیا ایسے معشوق سے ادکس چیر کی امید ہر گز تھی ایسا معشوق
 ایسا نہیں کرتا تو کیا کرتا بہ حال بے چارے شاعر صاحب نے اس ادارہ مزاج معشوق
 کو بہت سمجھایا اپنے احسانات جنہے ذکر احسانات میں یہ بھی فرمایا تو فن حاضریت
 سے بالکل بے بہرہ تھا، تجھ کو لباس پہننا نہیں آتا تھا، جوتی کٹھنھی کے طریقے سے تو
 کچھ بھی واقف نہ تھا۔ تجھے مٹی لگانا نہیں آتی تھی گفتگو کا طریقہ کچھ نہیں معلوم
 تھا، یہ سب کمالات تجھ میں میری بدولت پیدا ہوئے جب تو سب کچھ سمجھ سکتے
 چکا تو اب میرے پاس نہیں رہتا ہے۔ دس دس روزوں تک غیر دل میں پڑا رہتا ہے خیر

شاعر کا احسان فرماؤں کب استاد کی سنتا ہے بیچاے شاعر کی فہمائشیں کچھ کارگرنہیں ہوئیں
 اور وہ آوارہ نزع معشوق بتلائے بدعالی رہا۔ تب شاعر صاحب نے ایک اور معشوق
 پیدا کیا جس کے ساتھ شہد روز صحبت گرم رکھنے لگے پھر حضرت نے معشوق سابق
 کو اپنے اس نئے معشوق کی خبر کی اور اس کے کمالات صوری و معنوی اس پر ہی معشوق
 سابق پر ایک بیان طولانی کے ساتھ ظاہر کیئے اس سے معشوق سابق کے دل میں قنوت
 کی نلک جواہری دور کہ شاعر صاحب کے گلے لگ گیا اور پوچھنے لگا کہ واقعی تم نے کوئی نیا
 معشوق پیدا کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ اب تم سے میں انحراف درزی نہ کروں گا صاحب
 قسم کھا چکا کہ شاعر صاحب نے بھی قسم کھائی کہ صرف تجھ کو چھیرنے کے لیے نئے معشوق
 کا قہقہہ گڑھا تھا اس روز سے معشوق سابق کے ساتھ شاعر کی پھر عشق سے گزرنے لگی :-
 حضرات اہل مذاق میری اس سمع خواہشی کو معاف فرمائیں نظا ہر سے کہ سارا
 قصہ بالا طوابع و اسوخت نگاری ہے اس کے جتنے مضامین میں غیر فطری حاصل اور ناپاک
 ہیں اگر اسی کا نام واسوخت نگاری ہے تو ایسی شاعری پرسوسو نفرین حضرت
 شاعری کوئی بیگارتے نہیں ہے اس سے دنیا اور دین دونوں کو نفع پہنچ سکتا ہے
 یہ کوئی سی شاعری ہے۔ جس سے نہ دنیا کا فائدہ حاصل ہو اور نہ دین کا یہ شاعری
 کیا ہے یہ تو ادبانی کا ہدایت نامہ ہے ادبائش سے ادبائش شخص اس سے اور زیادہ کیا کر
 سکتا ہے۔ تجربت سے، اہل انعام سے جو ایسے واسوخت ذوق شوق سے پڑھتے ہیں اور ایسی
 بیڈیاں سر لوں کو شاعری سمجھتے ہیں جب خدائے تعالیٰ کسی قوم پر اور بار نازل کرتا ہے
 تو پہلے اس کے اخلاقی انداز خراب ہو جاتے ہیں ایسی شاعر ماں مہا ذائقہ قوم کے کس دفتر
 بتدل سے خبر دیتی ہیں یا رحمت یا الرحم الرحمن اگر کائنات صحت مذاق کے ساتھ کوئی واسوخت

لکھا گیا ہوتا تو اردو میں عاشقانہ شاعری کا عجیب تماشا نظر آتا چونکہ غزل کے اعتبار سے اس وقت کا اردو وسیع تر ہے اس میں جذباتی مضامین زیادہ گنجائش کے ساتھ جگہ پاسکتے ہیں اگر شعرائے عال غیر فطری عمل اور ناپاک مضامین سے بچ کر اس وقت نگار کی مدافیح کے ساتھ فرمایاں تو اردو کی شاعری کی بڑی ترقی متصور ہے یہ میدان شعرائے بالکل کی توجیہ کے قابل ہے داخلی (SUBJECTIVE) شاعری غزل برائی کے اعتبار سے اس وقت نگاری کے طلقہ پر زیادہ وسعت کے ساتھ برتی جاسکتی ہے۔

نمبر ۲ مسدس حکمت آموز

اس عروسی ترکیب کے ساتھ دو تصنیفیں بہت قابل توجیہ ہیں ایک مسدس کریم اور دوسرا حالی کریم برائے خود شیخ سعدی کی ایک لاجواب تصنیف ہے اس کے اشعار کی تصنیف جو لغیر اکرا آبادی سے ہے مضامین کے اعتبار سے چھی ہے۔ اچھے شعر کا یہی تفسا ہے کہ اس کی تصنیف بھی چھی ہو۔
راقم الحروف کی دانست میں شخص کو پاپا پیٹے کہ ایک ہار لٹیر کے اس مسدس کو پڑھئے اور لڑکوں کو ضرور پڑھائے کریم کے پیسے شعر کی تصنیف جو اس فطری شاعر کے اشعار سے ہے درج ذیل ہوتی ہے :-

صد دل سے لئے مومن پاکباز وضو کر کے پڑھ بیچ وقتی نماز

بوقت مناجات با صد نیاز تو کہ اپنے ماتحتوں کو کر کے دواز

کریم باہر بخشائے برمال ما

کہ ہرستم اسیر گند ہوا

جب وقت میں تصنیف لاکو پڑھتا ہوں تو مجھے وہ زمانہ یاد آتا ہے جب مسلمانوں میں نماز

ایک ضروری فرض خداوندی سمجھی جاتی تھی اور بے نماز کو پیرانِ اسلام گمراہ اور قابلِ استہزاء سمجھتے
 تھے اور اب وہ زمانہ ابگیا ہے کہ نماز گزار ذلیل اور بے لطف سمجھا جاتا ہے یورپین تعلیم کا
 یہی تقاضا ہے کہ ناماندوزہ حج خمس اور زکوٰۃ کو نئی روشنی دالے لایعنی فعل سمجھتے ہیں یہ کوئی
 تعجب کی بات نہیں ہے اس لیے کہ یورپین تعلیم کا وہی اثر یورپین عیسائیوں پر ہوتا ہے جو
 مسلمانوں پر ہوتا ہے یعنی یورپین عیسائیت بھی اسی قدر ضعیف ہو جاتی ہے جیسا کہ یورپین تعلیم
 سے مسلمانوں کے اسلام میں ضعف آ جاتا ہے میں اس جگہ مسلمانانِ ہند کی نسبت عرض کرنا
 ہوں ترکِ ایران کے مسلمان یورپین تعلیم پا کر کیا ہو جاتے ہیں مجھے اس کی خبر نہیں ہے
 یورپین تعلیم کے مسلمان ہوں ایک ہی دو ایسے نظر آتے ہیں جو بیخِ قتی نماز کے پابند ہیں اور
 بیخِ قتی نماز تو درکنار عید کے نمازی بھی ایسے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں قریب قریب
 نادر ہیں یورپین تعلیم جو عیسائی اور مسلمانوں دونوں کو اپنے اپنے مذہب میں ضعیف کر چکی
 ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تعلیم خس براہِ ریحی روحانی انداز نہیں رکھتی ہے یہ تعلیم سراسر مادیات
 سے لعلن رکھتی ہے اس تعلیم کو معاد سے کوئی بحث ہی نہیں ہے۔ اس تعلیم کی غرض معاش
 ہی معاش ہے تعجب ہے کہ اس نقصانِ عظیم پر بھی یہ تعلیم نبی آدم کے لیے مفید سمجھی جاتی
 ہے البتہ معلوم ہوتا ہے کہ انسانے زمانے کے نزدیک انسان بے روح بہت ہے اور جب بے
 روح اس کی خلقت واقع ہوئی ہے تو اس کو روحانی تعلیم کی کیا حاجت ہے میری دانست میں
 تمام یورپ کی حالت قابلِ گورہ ہے کہاں ہیں حضرت مسیحؑ اپنی دنیا طلب اُمت پر فوجہ
 کیوں نہیں فرماتے کہاں اس جتنا سبکی روحانی تعلیمات اور کہاں آپ کی امت کے تعلقات
 مادی مصرع "بہ بین تفاوت و کجا است تاہ کو" سے نوجوان مسلمانوں تم بالیقین
 جاگو کہ تمہاری تعلیم کی غایت میز کرسی چھری کا بنا کوٹ پتلون نہیں ہے انصوس ہے کہ تم

اپنے روحانی معاملات سے غافل بیٹھے ہو، تم کو یاد رکھنا چاہیے کہ تم کو دنیا اور دین دونوں سے یکساں تعلق ہے، صرف دنیا کے ہو رہنا بڑے خسار سے کی بات ہے، فراموشی خداوند کی پابندی ایک ضروری امر ہے، مردِ آخر میں مبارک بندہ امت -

دوسرا حکمت آموز مسدس شمس العلماء، مولانا حالی مدظلہ کا ہے، یہ مسدس مسلمانان کے سابق اور موجودہ حالات کی تصویر ہے اور عرض اس تصنیف کی یہ ہے کہ مسلمانانِ حال جو مبتلائے بدعالی میں ترقیوں کی راہیں اختیار کریں جس سے دنیا کی سربا آوردہ قوموں کی طرح ان کو بھی خوش حالی نصیب ہو، مسدس نامطبوع رنگینوں سے تاملتہ پاک ہے اور حقیقت حال یہ ہے کہ مولانا حالی کے سوا کوئی شاعر ایسا مسدس لکھ بھی نہیں سکتا تھا ایسے مسدس کے لکھنے کے واسطے شاعر کو تاریخی معلومات سے پورے طور پر باخبر ہونا ضروری ہے، علاوہ اس کے اس کو بالآخر تشبیہ استعارہ وغیرہ کی طرف فطری طور پر کم میلان ہونا چاہیے، واقعی یہ مسدس ایک ابالی کچھڑی اور بے مزاج سالن ہے اور ایسا ہی ہے کہ ہر کچھ برائی اور مرغِ مسلم پکانے والے طعام پڑے پک نہیں سکتا، میں اطمینان کے ساتھ عرض کر سکتا ہوں کہ میٹر مومن غالب آتش اور دیگر رنگین طبع شعرا، مگر ایسی مسدس نگاری پر قادر نہیں ہو سکتے تھے ان کی اعلیٰ رنگین مزاجی ایسی سادہ تصنیف پر ان کو نہیں تاؤر ہونے سے سکتی تھی، حقیقت یہ ہے کہ ہر کلاس سے دہرے ہی طرح مولانا حالی اگر اساتذہ بالا کے مقابلہ میں غزل سراؤں کے میدان میں گوسے سبقت لے جانا چاہتے تو ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ جیسا کہ میرے اس بیان کی تائید خود مولانا کا دیوان کرتا ہے۔

ذیل میں کچھ بند مسدس حالی کے نذر ناظرین ہوتے ہیں

بیان ملک عرب و بعثت آن صلعم

عرب جس کا مذکور ہے یہ وہ کیا تھا جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا
 زمانہ سے پیوند اس کا جدا تھا نہ کشورستان تھا نہ کشور کشا تھا
 تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایا
 ترقی کا تھا والی قائم تک نہ آیا
 نہ آب و ہوا ایسی تھی روح پرور کہ قابل ہی پیدا ہوں خود جس سے جو ہر
 نہ کچھ ایسے سامان تھے والی میسر کنول جس سے کھل جائیں دل کے سلسر
 نہ سبز و تھا صحرا میں پیدا نہ پانی
 بدقت بسر ہوتی تھی زندگانی
 زمیں سنگلاخ اور ہوا آتش افشاں لوؤں کی لپٹ باد صحر کے طوفان
 پہاڑ اور ٹیلے سراب اور بیاباں کھجوروں کے جھنڈ اور خار نیلاں
 نہ صحرا میں غلہ نہ جنگل میں کھیتی
 عرب اہل کل کائنات اس کی یہ تھی
 نہ وال مصر کی روشنی جلوہ گر تھی نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی
 وہی اپنی فطرت پہ طبع بشر تھی خدا کی زمیں بن سحی سر بسر تھی
 پہاڑ اور صحرا میں ڈیرا تھا سب کا
 تلے آسمان کے بسیرا تھا سب کا
 کہیں آگ پختی تھی والی بے محابا کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا

بہت سے تھے تثلیث پر دل سے پیدا
بتوں کا گل سو بسو جا جسبہ تھا

کر کشوں کا ارب کے نفاصد کوئی

طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

۱۰ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تا کا
خیل ایک معمار تھا جس بنا کا
کہ اس گھر سے آئے گا چشمہ ہڈی کا

وہ تیر تھ تھا اک بت پرستوں کا گویا

جمال نام حق کا نہ تھا کوئی جو یا

قبیلہ قبیلہ کا بت اک جدا تھا
یہ مغزی پہ وہ تاملہ پر فدا تھا
کسی کا ہسل تھا کسی کا صفا تھا
اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا

نہاں ابرطلت میں تھا مہر انور

اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

چلن ان کے جتنے تھے سب جتیا نہ
ہر اک ٹوٹ اور مار میں تھا یگانہ

فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے تسل و غارت میں جلاک ایسے

دندے ہوں جنگل میں بے باک ایسے

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھے تھے
سلجھے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھے تھے

جو دو شخص آپس میں رڑ بیٹھے تھے
تو صد ما قبیلہ بگڑ بیٹھے تھے

بلند ایک ہونا تھا گرداں شرارا

تو اس سے بھرک اٹھا تھا ملک سارا

وہ بکرہ اور تغلب کی باہم لڑائی
 قبیلوں کی کودی تھی جس نے صفائی
 صدی جس میں آدھی انہوں نے گنوائی
 تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی

نہ جھگڑا کوئی ملک دولت کا تھا وہ

کرشمہ اک ان کی جہالت کا تھا وہ

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا
 کہیں پہلے گھوڑا بٹھانے پہ جھگڑا
 لب جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا
 کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا

یوں ہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں

یوں ہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر
 پھر سے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور
 تو خوف شہادت سے بے رحم مادر
 کہیں زندہ گاڑا آتی تھی اس کو جا کر

وہ گو دایسی نفرت سے کرتی تھی خالی

جننے سانپ جیسے کوئی جننے والی

جو ان کی دن رات کی دل لگی تھی
 قعیس تھا غفلت تھی دیوانگی تھی
 شراب ان کی گھسی میں گویا بڑی تھی
 غرض ہر طرح ان کی حالت بڑی تھی

بہت اس طرح گزری تھیں ان کو صدیاں

کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں

یکایک ہوئی غیرت حق کو حرکت
 ادا خاک لٹائی نے کی وہ ودیعت
 بٹھا جانب بوقبیس اور رحمت
 چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت

ہوئی پہلو سے آمنہ سے سویدا

دعاۓ خلیلؑ و نوید مسیحاؑ
 ہوئے محو عالم سے آثارِ ظلمت کہ طالع ہوا ماہِ برجِ سعادت
 نہ چھٹکی مگر چاندنی ایک مدت کہ تقابیر میں ماہِ شباب رسالت
 یہ چالیسویں سالِ لطفِ خدا سے
 کیا چاند نے کھیت غارِ حرا سے

۵۹ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لائے والا
 مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرانے کا غم کھلانے والا
 فیقروں کا مہیا ضعیفوں کا ماہ
 قیمتوں کا دالی غلاموں کا سو

خطا کار سے ہر گزر کرنے والا بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
 مفسد کا زبرد رہ کر نے والا قبائل کو شیر و شکر کرنے والا

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
 اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا الامم علی محمدؐ ال محمد

نمبر ۳ - مرثی

اس زمانہ میں مرثیٰ بشکلِ مسدس لکھے جاتے ہیں۔ میرِ ضمیرِ مرحوم کے عہد
 کے پہلے اس کی عروضی ترکیبِ مریح اور جنس کی ہوا کرتی تھی۔ جاننا چاہتے کہ عہدِ میرِ مرثیٰ
 سے اردو میں مرثیہ نگار ہی شاعری کی دشوار ترین صنفِ شاعری ہو گئی ہے اور اس کا دلچسپ
 اس قدر ذبیح ہو گیا ہے کہ اس کے ذکر کے ساتھ ہومر و جبلِ طعن و الملکی بیاس اور فردوسی
 کی رزمی تصنیفات کا ذکر اتفاقاً ناسبتِ قرین محلِ کھلائی دیتا ہے ناسی میں صیغہ شاعری

کی گویا نذر ہے اہل ایران کی مرثیہ نگاری اُردو کی مرثیہ نگاری کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتی ہے میر انیس کے مرثیہ نگاروں محمد آل محمد سے تعلق رکھتے ہیں ان معاملات کو وہی حقیقت کے ساتھ تاریخی حیثیت بھی حاصل ہے مصائب کشی کی بنیاد پر نماز ترین ان معاملات سے واقف کر بلا ہے اس واقعہ کے سمجھنے کے لیے اسلام کے تاریخی معاملات نڈان و نڈرب سے پوری واقفیت کا حامل رہنا ایک امر ضروری ہے مگر یہاں ایسے معاملہ کے درج کرنے کی گنجائش نہیں ہے پس جن حضرات کو اس واقعہ عظیمہ کے اسباب یا تعلق بہا پر نظر ڈالنا منظور ہو تو فقیر کی کتاب معروف بہ نڈال محمد کو ملاحظہ فرمائیں۔

میر انیس صاحب ہندوستان کے

اردو بولنے والے حصوں میں مرثیہ

میر انیس صاحب کی شاعری

نگاری کی شہرت رکھتے ہیں جانتا جا سکتے کہ میر صاحب کی مرثیہ نگاری ایک زدی مرثیہ نگاری ہے یہاں بیٹے کہ واقعہ کر بلا کی مرثیہ نگاری زدی شاعری کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے پس حضرت کی شاعری کا شمار پھر مرد جل ملٹن فردوسی اور بیاس کی شاعریوں کے ساتھ ایک فردوسی امر ہے جس طرح یہ سب شعرائے نامی زدی مضامین حوالہ قلم کرتے گئے ہیں میر صاحب بھی اسی طرح زدی مضامین کو تھا مضامین واقعہ کے باعث اپنے مرثیوں میں کثرت کے ساتھ جگہ دیتے گئے ہیں ایسی حالت میں میر صاحب کی شعرائے مبدوق الذکر کی طرح زدی شاعر کہتا ہے محل نہ ہو گا واضح ہو کہ اگر زدی میں زدی شاعری کو ایک پوسٹری (EPIC POETRY) اور زدی شاعر کو ایک پوسٹریٹ (EPIC POET) کہتے ہیں میر صاحب اصطلاح انگریزی کے مطابق ایک ایک پوسٹریٹ تھے مگر کس درجہ کے ایک پوسٹریٹ تھے اس کی حقیقت راقم کی آئندہ

کی تحریروں سے منکشف ہوگی +

راقم اس وقت تک صرف ہومر ورجل اور فردوسی کی رزمی شاعریوں پر اپنے خیالات کا اظہار کر چکا ہے۔ ملٹن و الملکی اور بیاس کی رزمی شاعریوں پر اسے بجائے زنی کا ابھی تک موقع نہیں ملا ہے۔ اگر حیات نے وفا کی ان شعر اسے نامی کے کلام پر بھی انشاء اللہ تعالیٰ ریویو کی نویت آہی جائے گی۔ جلال ان تینوں شعرا سے نامی یعنی ہومر ورجل اور فردوسی ہی صرف البواشعرا ہومر ہی ہے جس کے ساتھ میر صاحب کا موازنہ صورت رکھتا ہے۔ ورنہ ورجل جو ہومر کا متبع ہے میر صاحب کا ہرگز ہم پایہ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ اور نہ اس ہم پایگی کا استحقاق فردوسی کو حاصل ہے۔ میر صاحب کو فردوسی ہر مند کہتا ہے۔ شک میر صاحب کی ایک بڑی ناقد شناسی ہے۔ حضرات ناظرین راقم کے اس ریویو پر نظر غور فرمائیں جسے اس نے کتاب شاہنامہ پر سبالی میں لکھا ہے۔ تب طالبان تحقیق پر روشن ہو جائے گا کہ فردوسی ہیں اور میر صاحب میں کیا فرق حاصل ہے۔ میری دانست میں ہومر ایک بڑا رزمی شاعر تھا لیکن اگر ہومر میر تھا تو میر صاحب سوا میر تھے اس افزونی کی وجہ یہ ہے کہ میر صاحب خود نفس قدرت شاعری میں ہومر سے زیادہ تھے۔ یہ کہ میر صاحب کو سبجیکٹ (SUBJECT) یعنی شاعری کا موضوع ایک ایسا واقعہ بزرگ واقعہ لگا ہے جس کا جواب دنیا میں نظر نہیں آتا ہے۔ اس واقعہ عظیم کے ساتھ واقعہ ورجل کی کو کوئی نسبت نہیں ہے۔ شاہزادہ ٹرائی کا قصہ ایک ناپاک قصہ ہے اور ہرگز نہ قابل لغزین ہے۔ یہ ہومر ہی کی قابلیت شاعری مثنیٰ حسن نے اسے قابل توجہ بنا دیا ہے۔ ورنہ شاہزادہ ٹرائی کے قصہ میں کوئی ایسی عظمت کی بات نہیں پائی جاتی ہے جس کی طرف اہل مذاق کو کسی طرح کی رغبت خاص پیدا ہو سکے۔ برخلاف اس کے

کرنا کا معاملہ ہے کہ نہایت اعلیٰ درجہ کے امور دین اخلاق اموئیمبر المنزل اور امور سیاست
مدن وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ایسے معاملات کی طرف توجہ کرنا ہر ذمہ دار ہر ذمی علم ہر حکیم اللہ
فلسفی کا کام ہے۔ یہ واقعہ معاملات عالم کی تمام قوموں کا خلاصہ ہے پس کچھ تعجب نہیں
اگر میر صاحب کی شاعری کو اس طرح کے ارفع مضامین نے ایک بقیاس مدد دی ہے
جس سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک عمدہ سبجکٹ کے دستیاب ہونے سے میر صاحب
ہومر سے سوا میر معلوم ہوتے ہیں لاریب یہ امر میر صاحب کے مرجح سمجھے جانے کا ایک
بڑا سبب دکھائی دیتا ہے مگر نفس شاعری کے اعتبار سے بھی راقم کی دانش میں میر صاحب
کی کیریکولنگاری ہومر کی کیریکولنگاری سے بڑھی معلوم ہوتی ہے اگر رائے راقم کی صحیح ہے
تو ایسی صورت میں شاعر ہونے کی حیثیت سے میر صاحب صاحب ہومر پر فوقیت رکھتے ہیں میر
صاحب کی کیریکولنگاری کی بحث آئندہ آنے کو ہے ÷

میر صاحب کے معاملات شاعری واقعہ کر بلا ہر پلو سے ایک اہم اور دکھائی دیتا ہے اس اپنا
سبجکٹ بنانے کے لیے لاریب میر صاحب سب سے تین شخص فطرتے ہیں کوئی شک نہیں
کہ میر صاحب نے ذمی شاعری کا نام لے کر دیا ہے میر صاحب کے مرانی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے
کہ شاعری ایک فطری امر ہے نہ ناکسی نہیں ہے اگر کسی ہوتا تو ہر شخص جو بڑھا لکھا ہے۔
میر صاحب کا کمال پیدا کر لیتا، بلاشبہ و شک میر صاحب ہر لہما می شاعر کرامی ہیں کہ تاہم
غیبی کے بغیر میر صاحب کا کمال کوئی نبی آدم پیدا نہیں کر سکتا ہے یہ امر راقم کے داخل
عقیدہ ہے کہ شعراء خدا کے فدا کر دیتے ہیں اور جو ان میں زیادہ صلاحیت شاعری کی لکھتا
ہے اس کے ساتھ زیادہ تائید غیبی شامل حال ہوتی ہے ہر ملک میں شعرا مورد الہام
ہوا کرتے ہیں غلکسپیر کی روح جو ارباب حروفی کے قدیم سے طلب کی گئی تھی اس کو اس سنہ

بیان کیا کہ فلاں فلاں (Page ۱) ہم نے محض المامی طور پر جو اہل قلم کئے ہیں ان پر
 کی تحریر کے وقت مجھے کچھ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ میں کیا لکھ رہا ہوں البتہ مجھے ایسا معلوم ہوتا
 تھا کہ تائید غیبی میرا ساتھ ہے یہی ہے اور میں لکھ رہا ہوں مگر کیا لکھ رہا ہوں اس کو
 سمجھ نہیں سکتا تھا میرے خیال میں میرا صاحب کبھی حال و دم مرثیہ نگاری کیسی ہی ہوتا ہوگا
 کہ تائید غیبی جھنڈی قلم میں پیدا کرتی ہوگی اور میرا صاحب بند پر بند لکھے جاتے ہوں گے، جو
 حضرات تائید غیبی کے قائل نہیں ہیں لازم ہے کہ ارواحِ خوانی کا فن سیکھیں، میں بھی
 ایک زمانہ میں المام و تائید غیبی و دعوتِ ارواح و امتدادِ ہمت سے انکار کرتا تھا مگر
 الحمد للہ کہ پہلے کے وہ سب اٹھ مارہ خیالات المہ معصومین کی روحانی تعلیمات کی بدولت
 رفع دفع ہو گئے اب میں بدہیات کی طرح ماننا ہوں کہ المہ معصومین اپنے غلاموں کی ہر طرح
 پر تائید کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں، میں اب شیخ نجدی کے اس خیال کا مرکز شریک نہیں ہوں
 جس کو اس نے اپنی غایت شامت سے قبرسالتاب پر ظاہر کیا تھا ازل اطلاق سے
 پوشیدہ نہیں ہے کہ جب یہ تنگ حوصلہ ظاہر ہیں خود پرست قبرسالتاب کو نہیں پر گیا تو
 اس نے نہایت بے ادبانہ انداز سے قبر پاک کی طرف رخ کر کے یہ کہا کہ: "اے وہ شخص
 جو اس میں مدفون ہے، ہر وقت تجھ سے میرا عذاب ہوتا رہتا ہے اس راندہ درگاہ کو نہیں معلوم ہو
 سکا کہ انبیا و اوصیاء بعد وفات بھی جیسا کہ حکم رکھتے ہیں اس کمبخت نجدی کے دماغ میں
 یہ بات چویندہ تھی کہ سرود کائنات جو ربوبیت حیات فرما چکے تو خاک ہو گئے، میں خاک ہو
 کر اس جناب میں کیا باقی رہ گیا، پھر آنحضرت سے ہر شامت نجدی کا عصارہ ہوتا ہے تو کلام
 ہوتا ہے کہ شمس العلماء مولیٰ زبیر احمد صاحب نے ایسے ہی نجدیوں میں تسلیم پالی ہے
 جو رسول و آل رسول کے مقابلہ میں ایسی بے ادبیوں سے پیش کرتے ہیں اللہ

نہ لاجل: یہ بات کوئی تعجب کی نہیں ہے، صاحب میں بھی شیخ نجدی کے پیروان
 میں تھا، تو یہی طرح کی شامت کی باتیں کیا کرتا تھا۔ خبر جاننا چاہیے کہ شعراء
 کو تاہم غیبی ضرور شامل حال ہو کرتی ہے۔ میر انیس صاحب کا موبد
 من اللہ ہونا ایک امر یقینی ہے اگر بلا تاہم غیبی کوئی شخص میر صاحب کے برابر
 کا شاعر ہونا چاہیے تو کوشاں ہو کر دیکھ لے میر صاحب کے کلام میں اس قدر خوبیاں
 ہیں کہ خود میر صاحب اپنے کلام کی تصنیف کے وقت ان سے خبر نہیں ہوتے
 ہوں گے، بعد تصنیف جب اپنے کلام معجز نظام پر نظر ڈالتے ہوں گے تو اس پر بھی بہت
 سی خوبیاں ان کے کلام کی ان سے مخفی رہ جاتی ہوں گی، الہامی کلام کا یہی حال ہوتا ہے
 کہ وقت تصنیف کئے والا ان کی تمام خوبیوں پر اطلاع نہیں پاتا ہے بلکہ ایسا بھی ہوتا
 ہے کہ کئے والے کو تاہم عمر اپنے کلام کی بہت سی خوبیوں سے بے خبری رہ جاتی ہے
 میں مثلاً ایک شعر میر صاحب اس موقع پر درج کرتا ہوں جس کی نسبت میرا گمان یہی ہے
 کہ میر صاحب خود اس کی تمام خوبیوں سے واقفیت نہیں رکھتے تھے، وہ شعر یہ ہے:

طائر ہوا میں محورن سبزہ زار میں جھنگل کے شیر موند سے تھے کچھ اڑیں

یہ شعر رمضان صبح سے نطق رکھتا ہے، گو اس شعر سے ہی شخص حسب مراد منکر ذہن ہو سکتا ہے
 جو علم حیوانات سے بے خبر ہے، علم حیوانات سے مراد وہ علم ہے جس کو انگریزی میں
 (Zoology) کہتے ہیں، اس علم کی دالالت سے انسان تمام حیوانات کو زمین
 کی سچی کیفیتوں سے بجا طاقت بشریہ اطلاع پاسکتا ہے، یہ علم کوئی ظنی یا خیالی نہیں
 ہے، اس علم کی بنا تحقیق پر واقع ہوئی ہے، اس لیے کہ اس کے مسائل تصحیح اور استقرا کے
 ذریعہ سے بیقہ پاتے گئے ہیں اور اس بنا پر یہ علم تاہم علم کا حکم رکھتا ہے، یہ علم مسلمانان

ہند سے بالکل جا تارہا ہے اس وقت اس علم کی کوئی حسب مراد کتاب عربی فارسی یا اردو میں نہیں دکھائی دیتی ہے۔ عربی میں علامہ فخر الدین رازی کی کتاب مولیٰ شدتہ ہے جس میں علم حیوانات سے علامہ موصوف نے بحث کی ہے مگر وہ ایک ناکافی ہی تصنیف ہے اور اس عہد کے ایسے کوئی بھاری سرمایہ تحقیق نہیں ہے بلاشبہ حضرات علائقے ہند تمام تر اس علم سے دور ہیں صرف دور ہی نہیں بلکہ اس علم کو چسپاں قابل توجہ نہیں سمجھتے ہیں صرف وہی اشخاص ہندی اس علم سے مناسبت رکھتے ہیں جنہوں نے ہندوستان یا انگلستان میں انگریزی یاد اور کسی یورپین زبان کے ذریعہ سے اس علم کی تحصیل کی ہے اردو میں جو کتاب مجائبہ مخلوقات دیکھی جاتی ہے وہ ایک لٹری کتاب ہے اور علم حیوانات سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی ہے۔ غیر مرصاحب کے شعر بالا سے وہی شخص لذت یاب ہو سکتا ہے جس کو علم حیوانات سے بہرہ حاصل ہے۔ ماننا چاہیے کہ صبح کے وقت ظہور کو سوا کے ساتھ محبوبیت رہتی ہے، یہ محبوبیت ظہور کو سوا کے ساتھ دہ پہر یا شام کو نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ صبح کو ظہور کو اس کی حاجت نہیں ہوتی ہے کہ قبل اس کے کہ وہ تلاش رزق میں اڑیں اپنے بازوؤں کو پرواز کے قابل بنالیں شب بھر بے کار سنے سے ان کے بازو مشق تازہ کے محتاج ہو جاتے ہیں اس لیے کچھ ظہور تو آسمان میں گھنٹے اڑھے گھنٹے تک ادھر ادھر مارتے پھرتے ہیں اور کچھ جنگلوں اور باغوں میں ویش کی ترکیب سے بھاری بھاری اور ذرت ذرت اٹھے پھرتے ہیں اس باضت کی محتاجی تمام ایسے ظہور کو ہوتی ہے جن کو اپنی پرواز کے ذریعہ سے دن بھر سامان رزق بھر کرنا ہوتا ہے زیادہ ظہور ایسے ہی دیکھے جاتے ہیں جن کی رزق بانی کا مدار ان کی پرواز ہے پس صبح کو ظہور کا محو ہونا ایک فطری امر ہے اور کس قدر حقیقتات

علم حیوانات قرین ہے ہرن کو صبح کے وقت سبزہ زار کے ساتھ محویت کی وجہ سے ہوتی ہے
 کہ جس قسم کے ہرن کو صبح کے وقت سبزہ زار کے ساتھ محویت ہوتی ہے۔ بیشتر سبزہ
 زار میں رہتی ہے جنگلوں میں نہیں رہتی چونکہ اس قسم کے ہرن شہ چری نہیں کرتے ہیں
 اور چری کے عوض شہ بھر جگالی کیا کرتے ہیں صبح ہونے نہایت جلد کے ہو جاتے ہیں پس
 صبح کے ہونے چری میں مشغول ہو جاتے ہیں چونکہ صبح کو انھیں بھوک کی شدت پیدا ہو
 ہو جاتی ہے، بھوک ان کو سبزہ زار کے ساتھ محویت پیدا کرتی ہے یہ ہرن اقسام غزال
 سے ہوتے ہیں ان کے نور کے صفت در شاخص خم خم سر پہ ہوتی ہیں اور بیشتر یہ ہرن صحرا
 پسند ہوتے ہیں اور ہمیں ہرن کی باہاڑوں میں رہتی ہیں یا جنگلوں میں صبح کے وقت یہ نہیں سبزہ
 زار کی طرف نہیں رخ کرتی ہیں اس لئے کہ شب کو چری کر کے آسودہ رہتی ہیں برخلاف غزالوں
 کے جو شب کو چری نہیں کرتے اور جن سے مراد ساعر مشور بالہ میں ہے دوسرے مصرع میں
 میر صاحب جنگل کے شیر کے ہونے کا ذکر فرماتے ہیں اور اس کے ہونے کی جگہ کو کچھاد قرار
 دیتے ہیں سبحان اللہ سبحان اللہ کیا تناسب کلام ہے عالم علم حیوانات کے سوا کون
 شخص ایسا پر یہ بیان اختیار کر سکتا ہے جائے لحاظ ہے کہ اس ساعر گرامی نے صرف
 شیر کا ذکر نہیں فرمایا، بلکہ جنگل کے شیر کی قید لگا دی۔ جانتا یا سب سے کہ شیر دو قسم کے
 ہوتے ہیں، ایک کامسکن بہاڑ ہوتا ہے اور دوسرے کامسنگل عادات و خواص میں بھی یہ
 دونوں قسم کے شیر موافقت نہیں رکھتے مزاج بھی دونوں کے دو طرح کے ہوتے ہیں اور
 معاشرت کے طور بھی دونوں کے جداگانہ دکھائی دیتے ہیں، بہاڑی شیر ذات بھر تلاش
 رزق میں ادھر ادھر پھیر کر صبح کو بہاڑ کے کسی غار میں جو اس کامسکن ہوتا ہے، جا چھتا
 ہے اور شام کے قریب تک سوتا رہتا ہے پھر شام ہوتے تلاش رزق میں نکلتا ہے

بیشتر کچھارے کوئی علاقہ نہیں رکھتا، مگر جو جنگل کا شیر ہوتا ہے وہ دن کچھادی میں بسر کرتا
 ہے اور صبح کو بیشتر سونا کا کرتا ہے، راقم نے دونوں طرح کے شیر دیکھے ہیں اور شکار بھی کیے
 ہیں لاریب علم حیوانات کی اطلاع اور ذاتی معلومات کے حامل رہنے سے میر صاحب
 کا یہ شعر ان کے پڑھنے والے کو عجب لطف کلام بخشا ہے راقم کو اس کی اطلاع نہیں
 ہے کہ میر صاحب علم حیوانات سے واقفیت رکھتے ہیں یا نہیں زیادہ قریبہ ہی کا
 ہے کہ اس علم کے غیر مروج ہونے کے باعث حضرت کو اس کی تحصیل کا موقع نہیں ملا
 تھا، یہ بھی راقم کو نہیں معلوم ہے کہ حضرت سفر شکار اختیار فرمایا کرتے تھے یا نہیں
 زیادہ قریبہ ہی کا قریبہ ہے کہ سیر شکار کی طرف توجہ فرمانے کا کم موقع رکھتے تھے مگر
 علم حیوانات کی بڑی اطلاع سے جو یہ شعر خبر دیتا ہے اس کی تاویل اس کے سوا اور کیا
 کی جا سکتی ہے کہ میر صاحب کو لداکی اور پیر ایسے ایسے مضامین دستیاب ہو کر تے تھے
 کیریکر ٹنگاری کی بحث راقم نے شاہنامہ کے لگاؤ میں کی ہے فردوسی کی
 کیریکر ٹنگاری کا نقص دکھایا جا چکا ہے اسی کے ساتھ ہومر کی کیریکر ٹنگاری کی خوبیاں
 بھی نہ صرف شاہنامہ کے لگاؤ سے دکھلائی جا چکی ہیں بلکہ خود ہومر کی شاعری کے
 بیان میں حوالہ قلم ہو چکی ہیں لاریب ہومر کی کیریکر ٹنگاری بہت اعلیٰ درجہ کی ہے اور
 ایسی ہی ہے کہ اس کی کیریکر ٹنگاری کی نسبت یاد پر ڈرانا جیسی صنف شاعری کا ایجاد
 ظہور میں آیا، اب ہم میر انیس صاحب کی کیریکر ٹنگاری کی خوبیوں کو عرض کرنا چاہتے ہیں۔ یہ
 خوبیاں دستوراً پیرایہ لکھتی ہیں۔ اور میر صاحب کی بڑی قابلیت شاعری سے خبر
 دیتی ہیں۔ یوں تو میر صاحب کی کیریکر ٹنگاری بھی اچھا و ڈرانا کی باعث ہو
 سکتی تھی۔ اگر دنیا میں ڈرانا کو وجود نہیں ہوا ہوتا۔ مگر میر صاحب کی کیریکر ٹنگاری کی

بڑی دشواری یہ ہے کہ میر صاحب کو اپنی کیریکچرنگاری میں معاملات روحانیہ کو پیش نظر رکھنا پڑا ہے معاملات روحانیہ کا التزام کوئی انسان کام نہیں ہے میر صاحب کے کیریکچر میں (CHARACTER) وہ امتیاز گرامی ہیں جو واقعہ کر بلا سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً نامہ اور ایلیٹ کے رستم و گلیو یا کھٹروا کیلینز نہیں ہیں یہ وہ حضرات ہیں کہ امام من جانب اللہ اور عزیزان پروردان امام من جانب اللہ میں پروردگے سب ایسے ہیں جو دنیا کو ایک ذلیل شے جانتے اور حیات ثروت دنیا کو محض برابر بھی نہیں سمجھتے ہیں ان کے دل توحید و عدل و معرفت کے انوار سے روشن ہیں اور کفر و ظلم و حرص و ہوا کی ظلمتوں سے تمام تر پاک ہیں۔ یہ سب کے سب ایسے ہی برابر ہیں کہ معاد و آخرت کے خیالات کے سوا کوئی اور دنیا کا خیال ان کا مرکز و خاطر نہیں ہو سکتا تمام صفات روحانیہ سے متصف ہیں اور ایسے ہی ہیں کہ اپنے کمالات باطنی کے ذریعہ سے فعلاً و قولاً دین محمدی کو سچ ثابت کر سکے ہیں ملٹن کی رومی تصنیف جو پیر پٹاپرین لاسٹ کے نام سے مشہور ہے ہر چند معاملات عالم بالا سے لڑنے لڑنے رکھتی ہے مگر روحانی نشروں سے خالی نہیں ہے ملٹن تصنیف نامی میں لکھایا ہے کہ خدائے تعالیٰ سے شیطان نے کس طرح بناوت کی اور اس نافرمانی سے کس طرح وہ یسین قعر دوزخ میں ڈالا گیا پھر اپنی فدایت کو لے کر اس عاقبت برباد نے کیونکر اٹکے تھا کے لشکر ملائکہ سے مقابلہ کیا اور کس طرح پر لشکر خدا کو اُس نے شکست دی مگر میری اہانت میں یہ شاعر نامی اپنی تصنیف گرامی میں شان خداوندی کو اس شکست کے بعد قائم نہیں رکھ سکا ہے ملٹن لکھتے ہیں کہ شیطان نے زمین کے اندر بیچ کر لوہے نکالے اور توپیں ڈھالیں اور باروت ترکیب دی۔ جب لشکر ملائکہ سے صفت اراپی ہوئی تو اس نے جبرئیل میکائیل اور دیگر ملائکہ پر ایسی گولہ باری کی کہ سارے ملائکہ سخت زخمی ہوتے گئے اور لوگوں کے

صدے سے یہ کیفیت گزری کہ غیر مقرب ملائکہ مقرب ملائکہ پر چوٹ کھا کھا کر گئے پھر
 لشکر ملائکہ کو سخت ہزیمت لہرایا ہوئی، جب اس شکست کی خبر خدا سے تعالیٰ کو پہنچی
 تو خدا سے تعالیٰ کو سخت تشویش دامنگیر ہوئی، جناب باری کو اس کا یقین ہو گیا کہ شیطان
 اس ذات پاک اور جمیع ملائکہ کو اسمانی مقامات سے نکال پھینکے گا، اس حالت بھاریگی
 میں خدا سے تعالیٰ کو چین نہیں آتا، حضرت جل شانہ کو شیطان کے غضب سے بچنے کی کوئی
 تدبیریں سوچی تھی، بلاخر حالت پریشانی میں خدا صاحب نے اکلوتے بیٹے حضرت مسیح کے پاس
 تشریف لے گئے اور خدائے سے شکست فوج ملائکہ اور اپنی بی بی کا معاملہ کہ سنایا
 خدائے نے اپنے پدھر محرم کی پریشانیوں کے حالات سن کر نہایت تشویش بخش کلمات فرمائے جس سے
 فی الجملہ خدا صاحب کی تسکین کی صورت پیدا ہو گئی، اس کے بعد خدائے سے ایک تخت نور پر سوار
 ہو کر شیطان کے مقابلہ کو تشریف لے گئے اور شیطان کو شکست فاش دی، مصرع
 اگر پدھر تو اندیسہ تمام کند : واضح ہو کہ ہر چند پیر پڑا، لاسٹ ایک ایسی تصنیف ہے جس کو
 تمام روحانیت سے تعلق ہے مگر ظاہر اس کتاب کے بعض معاملات روحانیت کچھ ایسی
 بد ترکیبی سے حوالہ ظہور ہوئے ہیں کہ دل میں عظمت پیدا کرنے کے عوض طہیبت کو ان سے
 تنفر پیدا ہوا ہے، لہذا یہ ملن کے بیانات بالانہ صرف عزت و جبروت خداوندی کے کم کر
 بیٹھے والے نظر آتے ہیں بلکہ اپنے ابتدائی انداز سے یہی محترم اور مضمک بھی دکھائی دیتے ہیں
 بر خلاف اس کے میر صاحب کے بیانات میں اس سے خدا سے تعالیٰ کی تعجب و تقدیس
 کی ایسی شکل قائم ہوتی ہے کہ شان کبرائی پیش نظر ہوتی ہے۔
 واضح ہو کہ زمی شاعری جن جن زبانوں میں دیکھی جاتی ہے نہ صرف تمام دنیا میں نہیں
 بلکہ عالمی ممالک میں ہے بلکہ قومی اعتبار سے ان زبانوں کے بولنے والوں کو بھی جاہت

اور ثروت حاصل رہی ہے، ہومر اہل یونان سے تھا اور اس کی شاعری کی زبان یونانی ہے
 ورجل اہل البطالیہ سے تھا اور اس کی شاعری کی زبان لاطینی ہے، ملٹن اہل انگلستان سے
 تھا اور اس کی شاعری کی زبان انگریزی ہے، فرڈوسی اہل عجم سے تھا اور اس کی شاعری کی
 زبان فارسی ہے، والمکی اہل ہند سے تھا اور اس کی شاعری کی زبان سنسکرت ہے، ظاہر ہے
 کہ یہ سب زبانیں پایہ امتیاز رکھتی ہیں اور ان کے بولنے والے بھی قومی اعتبار سے اہل ثروت
 سے شمار کیے جانے کا استحقاق رکھتے ہیں، مگر میر انیس صاحب نے مذہبی شاعری کا جلوہ ایک ایسی
 زبان میں دکھلایا ہے کہ نہ وہ زبان ابھرنے تک اعلیٰ درجہ کی سمجھی جاتی ہے اور نہ اس کے بولنے والے
 کسی طرح کا دنیاوی امتیاز رکھتے ہیں، ایسی حالت میں اگر میر انیس صاحب کے کلمات اہل دنیا
 سے پوشیدہ رہ جائیں تو جائے تعجب نہیں ہے، حقیقت حال یہ ہے کہ ابھی تک یورپ اور
 امریکہ میر صاحب کے نام سے مجنی واقف نہیں، تعلیم یافتہ دنیا ابھی تک نہیں جانتی
 ہے کہ ہزارہا سال ہندوستان کی ایک ناپرساں اور غلام زبان میں ایک ایسے شاعر نے مذہبی
 شاعری کی اتنی بڑی داد دی ہے کہ اگر ہومر اس وقت زندہ ہوتا تو اس ناپرساں شاعر کی طباطبائی
 سے حیرت زدہ ہوتا، میر صاحب کو کم از کم عباس اعظم کے عماد میں پیدا ہونا اور فارسی زبان
 میں اپنے کلام کا جلوہ دکھلانا تھا، مگر ایسی مرضی الہی نہ تھی، حیث صدیف کہ میر صاحب نے
 ایسے زمانہ میں نشوونما پکڑی، جب مسلمان ہندو اخلاقی تمدنی اور تمام جہتوں سے انتہائی
 ابتذال کو پہنچ چکے تھے، لہذا یہ زمانہ میر صاحب کے ظہور کے لئے مناسب تھا۔
 پس زبان اور قوم دونوں کی وجہوں سے میر صاحب کی طباطبائی کو ذہنی شہرت کے حاصل
 کرنے کا موقع نہ مل سکا، اب اس کی کو امید ہوتی ہے کہ میر صاحب کی شہرت آردو بولنے
 والے صوبجات ہند سے باہر قدم رکھ سکے، آردو کی یہ حالت ہندو رہی ہے کہ سرکار انگلستانہ کی

مردود ہے اور اردو بولنے والے مسلمان ایسی سچی میں مبتلا ہیں کہ ممتاز اقوام دنیا سے
 ان کا کسی میں شمار نہیں ہے اگر زبان کی حیثیت سے اردو کوئی ممتاز زبان ہوتی اور اس کے
 بولنے والے کسی طرح کا دار دنیا میں رکھتے تو میر صاحب کی شہرت آپ ہی آپ تمام
 تعلیم یافتہ دنیا میں پھیل جاتی بحالت موجودہ باوجود حال رہنے ایک عظیم المثال قوت شاعری
 کے میر صاحب کی نسبت یہ ہرگز امید نہیں کی جاسکتی ہے کہ میر صاحب یورپ ایشیا
 اور امریکہ میں ہر دور و محل ملٹن فردوسی والکی اور بیاس کی طرح ایک معروف مذہبی
 شاعرانہ جائیں گے کس قدر تعجب ہے کہ یورپ میں عمر خیام کے نام کے کلب قائم ہوتے
 گئے ہیں مگر ابھی تک کوئی انیس کلب قائم نہیں ہوا ہے اور نہ ایسے کلب کے قائم ہونے
 کی کوئی امید کی جاسکتی ہے حالانکہ شاعری کے اعتبار سے میر صاحب عمر خیام سے کہیں
 ارفع درجہ کے شاعر ہیں واقعی دنیا کے لئے یہ ایک ستم کی بات ہے کہ میر صاحب
 جیسا شاعر دنیا میں آیا اور دنیا اس سے بے خبر رہ گئی اسی کو افتاد زمانہ نہ کہتے ہیں خیر اگر دنیا
 میر صاحب سے واقف نہ ہوگی تو اس کا علاج ہی کیا ہے مگر زیادہ تر ستم کی یہ بات ہے کہ
 ہندوستان کے اردو بولنے والے صوبجات بھی میر صاحب کے کالات سے حسب مراد طور پر
 اطلاع نہیں رکھتے ہیں ہندوستان میں میر صاحب کی قدر شناسی کو نہ کر سکتی ہے مسلمانوں
 کی کیفیت ہے کہ وہ بھی شاعری کا مذاق صحیح بہت کم رکھتے ہیں کچھ مسلمانوں کو مذہبی اسباب
 میر صاحب کی شاعری کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتے ہیں کچھ مسلمان حضرات مولویت کے تقاضا
 عموماً شاعری سے اجتناب رکھتے ہیں غرض یہ کہ ہندوستان کے اردو بولنے والے طبقوں میں بھی
 میر صاحب قریب قریب ایک غیر معروف شخص ہوا ہے ہیں۔ خدا بھلا
 کرے مولانا خلی، مولانا اشتمری اور بعض دیگر اہل مذاق کا جو میر انیس

کو دوست ناس اہل ہند بنانے میں کوشاں ہوئے ہیں۔ کاش ایسے صاحبان علم و فضل اہل یورپ کو بھی میر صاحب کے کمالات سے باخبر کر دینے میں سعی فرماتے۔ ایسی کالوں سے نہ صرف اہل یورپ کی آنکھوں کے آگے ایک نیا اور بڑا میدان خیالات فریج کا پیش ہو جاتا بلکہ خود اوروں بھی ایک غیر متوقع توجہ پر سیدھا کرتی ہیں۔
 رزمی شاعری کی فہمت :-

اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ رزمی شاعری کا درجہ ہر زبان میں ارفع کھائی دیتا ہے۔ اس صنف شاعری کے برتنے میں شاعر کو داخلی (SUBJECTIVE) اور خارجی (OBJECTIVE) دونوں پہلوؤں کے مضامین ہندی پر یکساں اعمال رہنا چاہئے جس شاعر کو ان دونوں پہلوؤں مضامین ہندی پر اختیار حاصل نہیں ہے اس سے رزمی شاعری کا مرحلہ طے نہیں پاسکتا ہے۔ ہومر دس جمال اندرونی معاملات کو حوالہ مقرر کرتا ہے، ہاں اندرونی معاملات کی تصویر پیش نظر کر دیتا ہے اس کے بیان سے غضب، غصہ، رحم، محبت، عداوت، رشک وغیرہ وغیرہ جو اندرونی کیفیتیں ہیں سامع کی نظر میں شکل ہو جاتی ہیں اسی طرح جب یہ شاعر نامی اشیائے خارجیہ کو زیرِ قلم کرتا ہے تو خارجی چیزیں تمام تر آنکھوں کے سامنے حاضر ہو جاتی ہیں اس کی صورت نگاری لاطائی کے میدانوں کو اور بہادران جنگ کی نبرد آزمائیوں کو فوٹو سے بھی زیادہ واضح طور پر آنکھوں کے آگے قائم کر دیتی ہے یہی حال میر انیس کی شاعری کا بھی ہے میر صاحب کے حُسن بیان سے معاملات خواہ اندرونی ہوں خواہ بیرونی یکساں طور پر پیش نظر ہو جاتے ہیں اس کی توضیح آئندہ آئے گی داخلی اور خارجی پہلوؤں پر قدرت رکھنے کے علاوہ رزمی شاعر کو ان دونوں پہلوؤں کی آمیزش پر بھی اختیار حاصل رہنا چاہئے رزمی شاعر کو اس آمیزش کی اکثر حاجت ہوتی

ہے اس آمیزش کی صلاحیت حسب مراد طور پر نہیں حاصل ہوتے سے شاعر کا کام
 سیدھا اور بد مزہ معلوم ہوتا ہے ہومر کو اس کی بڑی صلاحیت نمود عتی اور می صاحب بھی
 اس کی بے حد قابلیت رکھتے تھے مثلاً خیمہ گاہ کا مضمون خارجی پہلو کے سوا داخلی پہلو
 نہیں کھ سکتا ہے اور جب کسی خیمہ گاہ کا بیان قابلیت کے ساتھ انجام پائے گا تو اس
 خیمہ گاہ کا فوٹو پیش نظر ہو جائے گا مگر خیمہ گاہ امام حسین علیہ السلام کا بیان ایسا ہونا چاہیے
 کہ مجرد ظاہری فوٹو کی کیفیت نہ پیدا کرے بلکہ ایسا ہو کہ رنج و ملال بے چادگی بلےسی
 منظریت وغیرہ کے داخلی پہلوؤں کو بھی ایسے ہو جس سے امام حسین کی خیمہ گاہ اور
 خیمہ گاہوں سے صرف تمیز نہ ہو سکے بلکہ دل پر حسب مراد حمزہ و نیت کا عالم بھی پیدا کر سکے
 اب ہم ذیل میں کچھ خارجی اور کچھ داخلی مضامین کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ یہ تو
 ناممکن ہے کہ اس کتاب کے تنگ دائرہ میں تمام ایسے ایسے مضامین کو جگہ مل سکے ہے
 جن کو میر صاحب حوالہ قلم فرما گئے ہیں تاہم ذیل کی مثالوں سے کسی قدر اس کا اندازہ
 ہو سکے گا کہ آپ کو واہرب العطا بانیے کس درجہ کا شاعر بنایا تھا اور آپ کی قوت
 شاعری کیا عظیم المثال پر ابر کھتی ہے جو خارجی اور داخلی دونوں قسم کی مضمون بندی
 کا کمال یکساں طور پر دکھلائی ہے۔

خارجی مضامین کی مثالیں : پیلہ راقم خارجی مضامین کی مثالیں پیش کرتا ہے
 نمبر ۱ :- شام سے عمر سعد کا کہ بلا میں نا اور امام کے فوجی معاملات کا دریا حال کرنا
 اس کثرت سپاہ پہ ناگہ ہوتی یہ دھوم آج شام سے سپر سعد نفس و مشوم
 جس کے جلو میں لاکھ سواروں کا ہے ہجوم اکثر ہیں یکہ تاز جو انان شام و روم
 بس کھل گیا نہ طور صفائی کا ہونے کا

اب کل سے بندوبست لڑائی کا مجھے گا

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوا نشان
 امد میں یہ ظلم کا دریا سے سیکر
 موبوں کی طرح سب تھے صیغہ پیش میں رواں
 لہراتے تھے ہوا سے علم مثل بادیاں
 رہتا تھا دشت کیوں بل اس طرح بچتے تھے

باجوں کا تھا یہ شور کہ بادل گر جتے تھے

جگلی وہ رویوں کے پے سے تاروں کے
 خوفِ خدا نہ جن کو نہ اندیشہ اجل
 مکار و بدستار و دغا باز و پردغل
 شکلیں مہیب یو سے تدارکوں پہ بل
 بدخواہ خاندان رسالت پناہ تھے

ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تو اور کھینچے پڑے کے جھے دو طرف سوار
 غل ہو گیا سلامی کے باجوں کا ایک بار
 ڈنکے کی دہم دم تھی صدا آسماں کے پار
 آگے بڑھے چلو یہ نقیبوں کی تھی پیکار
 گھمٹوں پہ گر و پیش رُئساں تمام تھے

نڈیں کر جلو میں ہزاروں غم سلام تھے

اترا قریب خیمہ فرس سے وہ خیرہ سر
 سر پہ لگایا دور کے خادم نے چترند
 پہلے تو اپنی فوج پہ ظالم نے کی نظر
 بولا کسی سے پھر وہ سونے نر دیکھ کر

خیمہ ہے کس طرف کو خدہ خوش خصال کا

دیا یہ تو عمل نہیں نہر اس کے لال کا

خولی نہ تب کہ اگر ہماری طرف ہے نہر
 آئے تھے یا اتنے کے خاطر امام دہر
 فرماتے تھے یہ نہر تو ہے میری ماں کا نہر
 ہم نے اٹھا دیا انھیں لیکن بہ جبر و قہر

عباس مستعد تھے سمجھوں سے لڑائی کو
 بشیر پھیر لے گئے سمجھا کے بھائی کو
 نہ وہ دھوپ میں ہے نیمہ زنگاری حسینؑ
 راحت نہ رات کو ہے کوئی دم نہ دین کعبین
 پہروں علی کی بیٹیاں روتی ہیں کر کے بین
 آفت میں مبتلا ہے محمدؐ کا قورعین
 بچوں کی مار سے پیاس کے حالت عجیب ہے
 نیمہ نہ سالے میں ہے نہ دریا قریب ہے

بولا شعی کہ کتنی ہے فوج شہ امم
 سنتے تھے وال سپاہ حسینی کی دھوم ہم
 اس نے کہا حسینؑ کے یاور بہت ہیں کم
 فاقوں کے مارے م میں کسی کے نہیں ہجوم
 ایسی نہ فوج کچھ ہے نہ ایسے نشان ہیں
 میں نے تو خود گنا ہے اکاسی جو ان ہیں

ہے کہ علم یہ قلت لشکر کا ہے نشان
 یہ حال ہے ٹاٹھوا جیسے بڑا کارواں
 اردو میں جنس غم کے سوا جنس ہے گراں
 غلہ کی یکمی ہے کہ ہے قحط آب و مال
 اسوار تہی قلبیں ہیں پیادے بھی تھوڑے ہیں
 کل سترہ تراونٹ ہیں اور میں گھوڑے ہیں

بتدہا سے بالاپر ریویو : بندہ ماے بالا ارض کر بلا میں عمر ابن سعد کی آد کا سین پیش کرتے
 ہیں ابن سعد شام سے ایک لاکھ سوار لے کر میدان کر بلا میں پہنچتا ہے اس کی فوج کے
 نشانات نمودار ہوتے ہیں اس کا لشکر عظیم ہے باطلہ کا ایک سو جن زن سمنہ جنگی باجے اس کے
 لشکر کے بادل کی طرح گرجتے ہیں اس کے لشکر می رومی اور شامی ہیں یہ ایسے ہیں کہ نہ خدا سے
 ڈرتے ہیں اور نہ موت کی پروا کرتے ہیں طوار ان کے نام محمد بن مسلم بن ان کی حبیب اور قتلان کے

دلو کے سنے پر سب کے سب خاندان ہمیر سے عداوت رکھنے والے ہیں جس وقت ابن سعد اپنا اسلامی
 کے باجے بچنے لگے، وہیں شام گھوٹوں پر اس کے گرد پیش تھے اور نزاروں غلام زبیر کو حملہ میں
 سبمان لگا دیا سچی تصویر برصاحب نے ایک ایشیائی میٹر شکر کی گھنٹی ہے خاص کر ایک ایسے میٹر شکر
 کی جو خلیفہ وقت یعنی زبیر کی طرف سے امام حسین کے انسداد اور مقابلہ کو بھیجا گیا ہے پھر اپنے غم
 کے قریب گھوٹے سے ابن سعد اترتا ہے حسب ستر فرامد مہس کے سر پر چتر لگا تا ہے چونکہ یہ
 شخص میٹر شکر ہے پہلے اپنی فوج کی طرف نظر کرتا ہے اس کے ساتھ ہی فرات کی طرف دیکھ کر گھبرا
 سے پوچھتا ہے کہ امام حسین کا خیمہ کدھر ہے اور فرات پر تو ان کا کین قبضہ نہیں ہے یہاں میر صاحب
 ایک بو شیا جہز ل کا فوٹو اپنے ناظرین مرانی کے سامنے پیش کرتے ہیں لادیب کیمپ پر پہنچ کر فریبولین
 اور ویلنگٹن بھی غنیم کی نسبت اسی طرح پر دریافت حال کرتے ہوں گے جیسا کہ ابن سعد سے ظہور میں
 آیا، المختصر ماضیوں سے خوفی نے فوراً ابن سعد کا اطمینان کر دیا کہ دریا لشکر زبیر کے ہاتھ میں ہے
 اس کے بعد اس نے خبر دی کہ امام علیہ السلام دریا کے کنارے سے اتر چاہتے تھے کہ اترتے نہیں پائے
 اس پر عباس مستعجب چلا کہ ہوئے گر ان کے بھائی امام حسین غصے سمجھا کر پھیرے گئے اب خیمہ
 امام حسین کا دھوپ میں استاد ہے نہیں اور ان کے تمام لوگوں کو نہ دن کو رات، اور نہ رات کو
 چھین غصیب، ان کے بچوں کا پیاس سے برا حال ہے ان کا خیمہ دھوپ میں ہے اور ان سے
 دریا دور واقع ہے بل مہر سے اطمینان بلکہ کہ دریا امام حسین کے قبضہ میں نہیں ہے اب ابن سعد
 لشکر امام علیہ السلام کا حال پوچھتا ہے کہ آپ کی فوج کتنی ہے شام میں تو فوج حسین کی بڑی جھوم
 سختہ ہیں، یمن کی فوجی جواب میں کہتا ہے کہ امام علیہ السلام کے مددگار بہت تھوڑے ہیں وہ بھی
 ناقول سے تباہ مال ہوئے ہیں کچھ ایسی فوج ہے اور نہ کچھ ایسے نشان ہیں گھنٹی کے فقط کاٹتی
 جو ان میں لشکر میں صرف ایک علم ہے جس سے مرید ہے کہ فوج کم ہے لشکر کا حال سے ہنسنے

کاروان کا حال ہو رہا ہے کھانے پینے کا کوئی سامان نہیں ہے سوار پائے بہت تھوڑے ہیں
 سترہ اونٹ اور بی گھوڑے ہیں سبحان اللہ کیا اسلوب کلام ہے میر صاحب کے تناسب کلام
 کا کوئی جواب نہیں ہے یہی تناسب جو کسی مرثیہ نگار کو نہیں ہوا ہے یہ تناسب اگر
 کہیں ہے تو پھر ہر مری کے کلام میں دیکھا جاتا ہے میر صاحب کے کسی پوسے مرثیہ پر نظر ڈالئے
 یا اس کے کسی جزو کولاحظہ کیجئے تو اس کے کل یا جزو کو تناسب سے مافی نہیں پائے گا یہ تناسب
 کی خوبی میر صاحب کے حصہ کی ہے جاننا چاہیے کہ دوسرا نام تناسب کا اعتدال ہے واقعی جو
 اعتدال میر صاحب کے مرثیوں میں موجود ہے کسی شاعر کے مرثیوں میں نہیں ہے میر صاحب کی
 تشبیہوں میں اعتدال ہے میر صاحب کے استعارات میں اعتدال ہے اور میر صاحب کے مبالغوں میں
 اعتدال ہے یہی اعتدال ہے جس نے میر صاحب کو جمیع مرثیہ نگاران عالم سے علیحدہ کر رکھا ہے
 جاننا چاہیے کہ تمام عالم کا انتظام اعتدال پر ہوتا ہے حکیم کی نظر سے دیکھیے تو معلوم ہو کہ
 نظام شمسی اور جبین نظام فلکی کا مدار اعتدال پر ہے یہ نظام شمسی جس سے ہم کو تمام تر تعلق ہے
 میں کامرکز آفتاب ہے اس کے گرد بہت سے سیارے گھومنا کرتے ہیں ازل و اقصیت سے پوشیدہ
 نہیں ہے کہ آفتاب اور سیارات میں جسمی تناسب نہ ہوتا تو یہ نظام شمسی حالت موجود پر نہیں رہتا۔
 آج جہاں آفتاب کی روشنی ہو جائے تو سب سیارے کھنکھ کر آفتاب سے چپاں ہو جاتے ہیں
 پھر یہاں وہاں کسوف و خسوف وغیرہ وغیرہ سب کو نثار دہی سمجھے گا صرف یہ تناسب ہی ہے
 جس سے رعد آفتاب طالع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے چاند نکلتا ہے اور ڈوبتا ہے اور جو کچھ
 ہوتا رہتا ہے ہوتا رہتا ہے یہ تناسب ہی ہے جس سے جن کو وجود حاصل ہے یہ تناسب ہی ہے
 جس سے ہر ذی حیات زندہ ہے اگر تناسب نہیں تو کچھ نہیں ایسی طرح یہ تناسب ہی ہے
 جس نے میر صاحب کے کلام کو اجواب بنا رکھا ہے بند ٹٹے بالا از ابتدا انتہا سبحان اللہ

کس طرح زبردتاً سب سے آراستہ ہیں کہ خط و قال کو بھی بے اعتدالی کہیں پر نظر نہیں آتی ہے بہ طرز
 بیان لادیب عین تناسیب، اور اسی لیے کمال حسن کا منظر قائم ہے حضرات ناظرین آخر کے
 ٹیپ کے دونوں مصرعوں کو ملاحظہ فرمائیے کہ تناسیب کچھ پورے پورے اور سب سے تکلفی کی پوری
 تصویر ہیں۔

نمبر ۲ :- لشکرِ اعدا سے حضرت قاسم علیہ السلام کی جنگ

کیونکہ تمام فوج سے وہ تشنہ لب لڑے اک اک لڑا نہ آہ بہم ہو کے سب لڑے
 کھا کھا کے زخم مثل امیر عرب لڑے جانبا زیاں غضب کی دکھائیں غضب لڑے

جلوہ میں تشنہ لابی دکھا دیا

بچپن میں لڑکے زور جوانی دکھا دیا

لشکرِ اجنبیوں میں گھوڑا پٹ کے آئے یوں آئے جیسے شیر دلادر چھپٹ کے آئے
 بجلی گری ادھر کو بدھر کو پلٹ کے آئے صف کو بچھا کے کئے پے کو پلٹ کے آئے
 فرسوخ تھا کھلے ہوئے تھے زخم سینے کے

بن کر لو پٹکتے تھے قطرے پسینے کے

کاٹے رسلے تیغ سے کارِ مسلم لیا دستِ یحییٰ نے جنگ سے آرام کم لیا

چھو دست چپ میں نینچ دوسر کو بہم لیا تیور لائے سنبھلے منہ سے لو پوچھا دم لیا

یاں بند ہو کے آنکھ کھلی جتسنی دیر میں

سور تیروں کو توڑ گئے اتنی دیر میں

آفر اسپاہ میں وہ چودھویں کا ماہ رو سکے تھی فوج تیروں سے اور بچھیوں راہ

لشکر کے ساتھ تھا پسر سعد و سیاہ تو اڑ چل رہی تھی کہ اللہ کی پسناہ

غل تھا کہ روند ڈالاجے لشکر کے باغ کو

ماں غازیو بجھاو حسن کے چرخ کو

تینیں چڑھائی تھیں جو لعینوں نے سان پر پڑتی تھیں وہ قریب سے اُس ناآدان پر

تیروں بہ تیر تھے تو کمانیں کمان پر بلہ تمام فوج کا تھا ایک جان پر

یوں برچھین تھیں چار طرف اُس جناح کے

جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

غش میں بھگا فرس بہ جو وہ غیرت فخر مارا کسی نے فرق پہ اک گرز گا دوسر

برچھی گئی جو سینہ پہ چکر سے ہوا جگہ گرتے تھے اس پ سے کہ کمر پر پڑا تیر

طارق کی تیخ کھا کے پکار سے امام کو

فریاد یا حسین بچاؤ غلام کو

بند ہائے بالا پر ریویو: یہیں دکھلا رہا ہے کہ حضرت قاسم علیہ السلام لشکر اعدا میں

گھرے ہوئے ہرل درتن تنہا بڑی بہادری کے ساتھ ایک فوج کثیر سے لڑ کر زخمی ہوئے

ہیں در آخر کار زخموں سے چور ہو کر گھوٹے سے زمین پر گرتے ہیں لاریب یہاں بھی تناسب

کلام دہی ہے جو میر انیس کی شان ہے اتنا سب سے تو آپ کا کلام کبھی خالی نہیں ہوتا ان بندوں

پر بھی وہی امت دال ملحوظ رہا ہے جس سے آپ کی شاعری علیحدہ ممتاز نظر آتی ہے کوئی

شک نہیں کہ تہجیت فطرت میر صاحب کا کام ہے یہی تہجیت فطرت آپ کے کلام میں تناسب

اور اعتدال پیدا کرتی ہے جس سے آپ کی شاعری معتدی کی دلہ دیتی ہے واضح ہے

کہ میر صاحب کے سرائی کے بند ایسے نہیں ہیں کہ صرف فردا فردا خوب ہیں بلکہ اجمالی حیثیت سے

ان کے تناسب اور اعتدال کا جلوہ اور بھی واضح طور پر دکھلائی رہتا ہے تناسب کی خوبی عجب

خوبی ہوتی ہے بغیر تناسب کے حسن کا وجود نامکن ہے اگر کسی شخص کے جسم کے مضافاً فرداً
 خوبصورت ہوں مگر ان میں تناسب موجود نہ ہو تو ایسا شخص حسین نہیں کہا جاسکتا۔ تناسب کی
 معدومی علیحدہ علیحدہ ہر جزو بدن کی خوبصورتی وہ اجمالی حیثیت نہیں پیدا کر سکتی ہے جس
 کو حسن کہتے ہیں میر صاحب کا ہر مرتبہ جو اس قدر حسین انداز رکھتا ہے اس کا سبب یہی ہے
 کہ حضرت کامرتیہ مطلع سے مقطع تک تناسب کی خوبی سے غالی نہیں پایا جاتا ہے یہ وہ
 خوبی ہے کہ ان کے صاحبزادے میر نفس صاحب جو ہم کے مرثیوں میں بدحوہ آتم نہیں پائی جاتی
 ہے اس لیے میر نفس صاحب کے مرثیوں میں انیس صاحب کے مرثیوں کے درجہ کو نہیں پہنچتے ہیں۔
 میر انیس صاحب کا احوال کلام ایک جہت انگیز انداز رکھتا ہے سبحان اللہ آپ کے
 مبالغہ تشبیہات اور امتداع سے بھی امتداع سے غالی نہیں ہوتے ہیں آپ بالائیل ایک
 بند کی ٹیپ یوں رقم فرماتے ہیں :-

یوں پھیاں تھیں جاہل اس جس بنا کیے جیسے کہ ان نکلتی ہے گد افتاب کے
 اس تشبیہ کا احوال قابل لحاظ ہے اور صفت اس تشبیہ میں رکھی گئی ہے کہ تشبیہ
 اپنی ذاتی حیثیت سے مدح کا ایک نفس پہلو پیدا کرتی ہے لاریب میر صاحب کا کلام بے حد
 بلیغ ہو کرتا ہے جو ہم کی لاطمی ہے جو کہا کرتے ہیں کہ میر صاحب صرف فصیح تھے - بلیغ
 تھے کہیں قدر یہ قول بے سمتی ہے فصاحت بلاغت جدا نہیں ہوتی چونکہ میر صاحب بلاغت
 ہیئتہ اعلا احوال میں رہتے ہیں اس لئے آپ کا کلام بادی النظر میں بلیغ نہیں معلوم ہوتا ہے جو ہم
 غیر معتدل بلاغت کو بلاغت جانتے ہیں اس لئے ہمیں میر صاحب کے کلام کی بلاغت بلاغت
 نہیں معلوم ہوتی ہے۔

نمبر ۱۰۰ - تلوار کی تعریف :-

لگا لگ سہتی چار طرف شعلہ فشاں برق وہ برق کہ خود لگتی ہے جس سے اماں برق
 یاں موج تو اس کیل جو یاں ابر تو واں برق منہ نہ پرشش قدر بدن آگ نہ بال برق
 سرکش تھا جو نادی یہ جس لاتی تھی اسی کو
 نہ سے پہ بھی گرتی تھی تو کھاتی تھی اسی کو

اٹھ کر کبھی ٹھہری کہ پنی کبھی چمکی سر گر گئے گردن جھڑس تیغ نے خم کی
 سیدھی صدف دشن کو ملی راہ عزم کی سیغی تھی کہ گویا دم شمشیر پہ دم کی
 دم بھر میں صدفیں صاف تھیں بیدار گردن کی
 تھی مدینہ کی طرح خاک پہ بوجھار سردن کی

کسکے سرد گردن میں جدائی نہ دکھائی صدف کون سی تھی جس کو صفائی نہ دکھائی
 کس کو اسید حق کی ٹٹائی نہ دکھائی منتقل میں کسے عقدہ کشائی نہ دکھائی
 بیلا ہو ہوا ناریوں کا رول کے نکلے
 شیرازہ اجڑا سے بدن کھول کے نکلے

اک ضرب میں ہاتھ اس کے اڑا تے سر اُسکا شاخیں کیٹیں اس نخل ستم کی ٹراس کا
 دل اس کا وہ پارہ کیا کا ٹھا جگہ اُس کا دم نہو گیا آخر ادھر اُس کا ادھر اس کا
 جس جا پہ جھکے خون کی ندی نہیں بہ جائے
 کیا دقل تھا اس کا کہ کسی بات پر رہ جائے

تھا صورت آئینہ تمام اس کا بدن صفا خون چپتی تھی پروکھو تو منہ صفا نہ ہن صفا
 چہلتی تھی برسن نہ نہ نکلتا تھا سخن صفا ہوں میں تو وہ جا دیک کہ کوئی ہوں نہ صفا
 نازل ہیں نامراد ہیں ناپاک ہیں اعدا

میں برق غضب ہوں جس کا خاک میں اعدا

چم خم سے ہلال فلک نیلو فری تھی
مارا تھا نیراں کو مگر نول سے بری تھی

شکوہی تھی تھی اور نئی جس کو گری تھی
تھی تیغ کہ قبضہ میں سیماں کے پر تھی

اک آگ لگی وار چہرہ جل گیا اس کا

جو آگیا سایہ میں بدن جل گیا اس کا

ایک اور ٹیپ تلوار کی تعریف میں نہایت لاجواب سے وہ یہ ہے

اشرف کا بناؤڑ ٹیپوں کی شان ہے
تا ہوں کی آبرو ہے سپاہی کی جاں ہے

واقعی یہ کیا سچی تعریف تلوار کی ہے
واقعہ نگاری مہر صاحب پر تم ہے

ہند ہائے بالا پر ریویو۔ واضح ہو کہ کسی زبان میں تلوار کی تعریف ان ترکیبوں سے نہیں

کلیجی جاتی ہے ازل عرب بھینٹہ سے شمشیر و دست ہے ہیں مگر ذکر شمشیر کے میوا

کوئی خاص تعریف شمشیر کی عربی زبان میں اہم کی نظر سے نہیں گزری ہے سو مگر اہلیہ

اور ورجل کی اینٹیلھی ہستی تعریفات سے نظر آتی ہیں۔ خیر فطری حد تک ہر شے کی تعریف

ولی مضائقہ نہیں کھی مگر جب تلوار کی تعریف ہین ہین اور آسمان کے قلابے ہلا سے

بدلتے ہیں تو یہی تعریفوں کا مطلق اثر دل پر نہیں ہوتا ہے بلکہ یہی تعریفیں موجب نفرت

ہو جاتی ہیں جو مدوح کے ہاتھی گھوڑے اور تلوار کو عجائب الخدو قات بنا دیتی ہیں قصیدہ

کو شعر کا ایک خاص شیوہ ہے مگر بعض مرثیہ گوئیوں نے بھی وہی روش اختیار کی ہے

لاریب یہ تلمیح نہایت نالپ نہاید ہے بہر حال میر نہیں صاحب نے ہر چند تلوار اور

گھوڑے کی تعریفیں اکثر نظم کی ہیں لیکن فطری انداز سے آپ کے بیانات چندال

ملحوظ نہیں رہتے ہیں اس لیے دل آویزی سے بھی چندال خالی نہیں پائے جاتے ہیں

میزم گھوڑے کا بیان :- مضامین خارجہ کی پوچھی مثال
 لکھتا ہے ادھم قلم اب سرعت عقاب^{۱۲} نعل اس کی ماہ تو ہیں تو ستم رشک آفتاب
 پستی میں سیل ہے تو بند ہی میں ہے سحاب سرعت میں برق گوم روانی میں جیسے آب

اڑنے میں اس فرس کو پرندوں پر اوج ہے
 اک شہور تھا قدم نہیں دریا کی موج ہے
 انہوں نے زلفت سحر سے خوشبو ایال کی دیکھیں تو لیں بلائیں سدا بال بال کی
 پر بال خرام ناز میں شاگرد چال کی نغصہ میں حسرت شیر کی شوخی غزال کی

وہ جن تن پہ ساز کا جو بن یراق کا
 دلدل کے ماتھے پاؤں تو چہرہ براق کا
 نازک مزاج و لہرن اندام و تیز رو گردوں میسرادیہ پیما و برق دو
 اس کا نہ اک قدم نہ زخمی ہرن کی سو دور روز سے نہ گاہ ملی تھی اسے نہ جو

رفقار میں ہوا تھا اتار سے میں برق تھا
 سرعت میں کچھ کی تھی نہ چھل بل میں فرق تھا
 حصر سے تند بوسے بیکٹ ہو لے سے تیز چالاک فہم و فکر سے ذہن رسا سے تیز
 طاؤس کبکٹ تیر و عقاب ہما سے تیز جانے میں اڑکے ہد ہد شہر سب سے تیز

ذی جاہ تھا سجد تھا فیروز بخت تھا
 رہوار کیا ہوا یہ سلیمان کا تخت تھا
 سہما جما اڑا ادھر آیا ادھر گیا چمکا بڑھا جمال دکھایا بٹھرا گیا
 تیروں سے اڑکے بھڑکیوں نے خطر گیا برہم کیا صفوں کو پروں سے گزر گیا

گھوڑوں کا تو بھی ٹاپ ہے اُس کی نوکارتھا

ضربت تھی نعل کی کہ سروسی کا وار تھا

کوئی خاک نہیں کہ گھوڑے کی ترفیں شترائے عرب کے کلام میں حسب مراد طرہ پر بھی جاتی
 ہیں جیسا کہ کچھ اشعار گھوڑے کی ترفیں میں اس کتاب کی جلد اول میں جہاں مرزا القیس
 کے قصیدہ لامیر نے جگہ پائی ہے مروج ہوتے ہوئے ہیں میر صاحب کے اشعار بالا بھی قابل
 توجہ ہیں اس لیے کہ اُن میں بہت سے فطرتی مضامین پائے جاتے ہیں اور جہاں جہاں
 میر صاحب نے مبالغوں سے کام لیا ہے اُن کے اسلوب لطف سے خالی نہیں
 دکھائی دیتے ہیں عموماً فارسی گو اور اردو گو شعرا جو قصیدہ نگاری کا پیشہ کرتے ہیں
 اُن کے مروج کے گھوڑے عرب حالات کے گھوڑے نظر آتے ہیں اس ابتذال
 سے لڑھکتا میر صاحب نے اپنے بیانات کو محفوظ رکھا ہے یہ کم قابل قلوبات نہیں
 ہے ایشیائی بد مذلتی سے تھوڑا احتساب بھی ایشیائی شاعر کے لئے ایک بڑا
 سرمایہ امتیاز مکتوب ہے ۶

بعد پیش کرنے خارج مضامین کی مثالوں کے رقم ذیل میں داخلی مضامین کی مثالیں
 تقدیر نظر کرتے تھے ۶

میرزا میر نہیں صاحب کی التجار گاہ باری تعالیٰ میں واسطے بخشش مضامین
 اور حصول حسن کلام کے ۱-

پارہ چمن لفظ کو گلزار ارم کہ
 اے ابرکرم خشک زراعت پہ کرم کہ
 توفیق کا ہر ایک توجہ کوئی دم کہ
 گننام کو اعجاز سب نول میں رقم کہ
 جیسا کہ یہ چمک حیرت سے پرتو سے نہ جائے

قسیم سخن میری قلمرو سے نر جائے

اس باغ میں چشمے میں ترے فیض کے جاری
بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گندی

ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری
پھل ہم کو بھی مل جائے یا منت کا ہمدانی

وہ گل ہوں عنایت چمن طبع انکو کو

بلبل نے بھی منو گھانہ ہو جن پھولوں کی بو کو

خواص طبیعت کو عطا کر وہ لآلی
ہو جن کی جگہ تاج سر عرش پہ خیالی

ایک ایک لڑی نظم ترے پاس ہو عالی
عالم کی نگاہوں سے گرے قطب شمالی

اسب ہوں در یکساںہ علاقہ ہو کسی سے

نذر ان کی یہ ہوں گے جنہیں شتر ہے نہ کسی سے

بھرتے در مقصود سے ہر موج و نال کو
وہ یا بے معانی سے بڑھا طبع رواں کو

آگاہ کر انداز تکلم سے زباں کو
عاشق ہو فصاحت بھی وہ سخن بیان کو

آستھیں کا سموات سے غل تا بہ سمک ہو

ہر گوش بنے کان ملاححت وہ نمک ہوس

ساتی کے کرم سے ہودہ دور اور حلد جام
جس میں عوض نشہ ہو کیفیت انجام

ہر مست فراموش کسے گردش آیام
صوفی کی زباں بھی تر ہے فیض سے ناکام

ہاں بادہ کشتہ لوجھ لو میخانہ نشیں سے

کو تر کی یہ موج آگئی ہے خلد بریں سے

اول طرفت رزم بھی چھوڑ کے جب ہزم
جنسیر کی خبر لائے مری طبع الوداع ہزم

قطع سرا عارا کا ارادہ ہو جو بالبحزم
دکھلائے ہیں بکوزباں معرکہ رزم

جل جایش عدد آگ بھڑکتی نظر آئے
نوار پہ تنوار چسکتی نظر آئے

ہر ایک زبان ماہ سے تا ممکن ماہی عالم کو دکھا دی برکش سیف الہی
جرات کا جہنی تو ہے یہ چلائیں سپاہی لاریب تھے نام یہ ہے سکھ شازی
ہر دم یہ اشارہ ہو دوات اور قلم کا
تو لاک و محار ہے اس طبل و علم کا

بتدہا سے یا الیہ ریو لو؛ یہ مناجات طولانی ہے یہاں صرف چند بند ابتدائے مطلع سے
نمونہ کے طور پر درج کیے گئے ہیں لاریب شاعر کی مناجات اس سے زیادہ خوش اسلوبی کے ساتھ
حوالہ نقل نہیں ہو سکتی ہے یہ ایسی ہی مناجات ہے کہ یقیناً مدگاہ عجیب الدعوات میں قرین اجابت
ہوئی میر صاحب جس نعمت کے طالب ہوئے لاریب اس سرکار و ارب العطا یا سے
انہیں مل گئی روز عنایت ایہ زوی کے بغیر ایسے کلام کا نصیب ہوا تو قے سے باہر ہے۔
سبحان اللہ و اعلیٰ مضامین پر بھی میر صاحب کی طبیعت عالی کس قدر افضیا کرتی ہے۔ اس
مناجات کے مضامین تمام تر داخلی پہلو رکھتے ہیں کہ کس قدر حسن قبول کی شان ان سے آشکارا
ہے حقیقت حال یہ ہے کہ کوئی شاعر زمی شاعر نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے خارجی اور
داخلی مضامین کی بندش پر یکساں قدرت حاصل نہیں رہتی اب ذیل میں داخلی و دنیائیں داخلی
مضامین کی ہدیہ ناظرین ہوتی ہیں :-

نمبر ۲، حالت قلب! ام حسین علیہ السلام حضرت بالو کی بوقت رخصت علی اکبرؑ
مضامین داخلی کی دوسری مثال:

ہر تھپار پسر سجتا ہے گھبراتے ہیں ما باپ
سزا بقدم بید سے تھراتے ہیں ما باپ

زخم اُس نے نہیں کھائے پرخم کھاتے میں باب اکبر بھی جیتے ہیں مٹے جاتے ہیں ما باب

اللہ ری العزت پسر ماہ لقا کی

دل سینے میں کتا ہے دکائی ہے خدا کی

سر پیٹ کے جب گرد پسر بھرتی ہے ماد ہیں بال کھلے سر سے گری پڑتی ہے چادر
آہستہ اشارہ ہے کر یا سب جٹ پمیر رو کو نہیں ماتحتوں سے چلے اب علی اکبرؑ

ہیں صاحب العزت نہیں رحم ایگا تم پر

تم بیٹے کو رو کو نہیں گرتی ہوں قدم پر

صاحب کے فرزند کو چھاتی سے لگاؤ روٹھے ہوں جو مجھ سے علی اکبرؑ کو مشاؤ

مال ان کی ہیں زنیب نہیں اس وقت بلاؤ اس داغ سے لونڈی کے کلیجے کو بچاؤ

اکھارہ برس سامنے آنکھوں کے رہے ہیں

پالا ہے بڑے دکھ سے بڑے رنج سے ہیں

بانو سے اشارے میں یہ فرماتے ہیں شہبیر اس وقت کلیجے پر مرے چلتی ہے شمشیر

ہے ہے میں کر دل کیا کوئی بنتی نہیں تدبیر باب سے چھڑاتی ہے تے لال کو تقدیر

کس طرح میں روک لوں اس ماہ لقا کو

تنہائی شہبیر ہے منظور خدا کو

انتے میں کمر باندھ چکے اکبرؑ جبار سینے میں دھرکنے لگا بانو کا دل زار

فرزند کا منہ تنکنے لگے سید ابرار ہم شکل پیر ہوئے خودت کے طلبکار

ماتحتوں سے کلیجہ شہبیرے پر نے سنبھالا

گرنے جوگی ماں علی اکبرؑ نے سنبھالا

فرمایا پیر صدقے ہو اے اکبر ذی شان
 کیا کہتے ہو نصرت کسے کہتے ہیں می جان
 دم کس میں ہے دے کون تمہیں نصرت مدائن
 دنیا سے پریشانی کی حلت کا ہے سالن

ماں باپ چراغِ سحری ہیں علی اکبرؑ

ہم تم سے بھی پہلے سفری ہیں علی اکبرؑ

کس طرح بھلا دلخ جوالی ہو گوارا
 سہرا بھی تو دیکھا نہیں بابا نے تمہارا
 عباس سے قوت مخنی وہ دنیا سے سارا
 اب کوئی نہیں ہے مری پیری کا سہارا

میدانِ بلا میں یہ دعا کرنے کے دن ہیں

بتلا علی اکبرؑ شریہ ترے منے کے دن ہیں

اکبرؑ نے کہا شرم سے گردن کو جھکا کر
 میں قبلہ و کعبہ کی رضا سے نہیں باہر
 ہے آپ سے انصاف طلب ایک دلبر
 سب قتل ہوں وہ جان بچانے علی اکبرؑ

فرزندِ حسن کی شجاعت کا بیاں ہو

اور جو ہر شمشیرِ حسینی نہ میاں ہو

بکھر رہیں خالق نے شجاعت کا دیا ہے
 مردوں سے عوضِ خون عزتِ ازل کا لیا ہے

مولا کوئی دنیا میں ہمیشہ بھی جیا ہے
 دو روز سے پانی نہیں خادم نے پیا ہے

اب جانِ حزینِ جسم میں گہرائی ہے بابا

کوثر یہ ہیں پیاس لے جاتی ہے بابا

ملکٹ سے ہوا تقریرِ پسر سے دل سرد
 کچھ بس نہ چلا روئیے گردن کو جھکا کر

فرمایا کہ پانی مجھ ہوتا جو میسر
 تم کا ہے کو بابا سے بچھڑتے علی اکبرؑ

کوثر یہ چلے تشر ذراں باپ کے گھر سے

انہوں نے کہا میں نے بہت پیاس کو مارا حضرت کی قسم ہے نہیں اب ضبط کا بار
 شہ نے کہا یہ داغ بھی کر لیں گے گوارا روزنا تو ہے اس کہ نہیں کوئی ہمارا
 آفت کا کبھی دکھ میں نہ شکوہ کیا ہم نے
 عباس علی مرگئے تب کیا کیا ہم نے
 تم ہوتے تو یہ ہوتا کہ لاشے کو اٹھاتے اور قبر جمادی اسی جگہ میں بناتے
 ہم غسل و کفن ہاتھ سے فرزند کے پاتے اس دشت میں مکتے تو جلا و صوف کھاتے
 مرضی جو تھادی نہیں بس باپ کا کیا ہے
 کچھ غم نہیں پر خیر ہمارا ابھی خدا ہے

بند ہائے بالا پر ریویلو: بند ہائے بالا میں عجب درد انگیز سین میرا میں صاحب کی
 فطرت نگاری سے پیش نظر کر دیا ہے حضرت علی اکبرؑ شکر زید سے سامنا کرنے کے
 یہ تشریف سے جا رہے ہیں امام حسین علیہ السلام دو بھائیوں حضرت عون: محمد بھائی حضرت
 عباسؑ اور بھتیجے حضرت قاسم کے داغ غم اٹھا چکے ہیں اور اب آپ کے بیٹے علی اکبرؑ
 کی شہادت کی باری آ رہی ہے حضرت شہر بانو کے دم میں دم نہیں ہے حضرت امام علیہ السلام
 کے دل پر جو گندہری ہے کچھ کہا نہیں جاسکتا، مادہ و پدر کی جو حالت ایسے وقت میں
 تقاضائے فطرت سے ہو سکتی ہے اسے میر صاحب کی قابلیت شاعری نے خوب
 دکھلایا ہے مادہ و پدر کے فراق غم کی تصویر نہایت تعبیرت فطرت کے ساتھ کھینچی گئی ہے
 اضطراب مادہ اور استقلال پدر کے بیانات ایک حیرت انگیز انداز رکھتے ہیں لاریب
 حضرت علی اکبرؑ کی شخصیت کا سین بند ہائے بالا میں اس قوت ڈراما نگاری کے ساتھ حوالہ

قلم ہوا ہے جو شکستہ اور کالی داس کو اور رب العطا یا نے نخبی تھی ،
 نمبر ۳: حال انتقال حضرت زینب علیہا السلام وقت نخصت حضرت عون و محمد

مضامین داخل کی تیسری مثال :-

ناگاہ ہوا اشور مبارز طلبی کا
 منہ سرخ ہوا غیظ سے ہم شکل نبی کا
 پھر قصد لعینوں نے کیا بے ادبی کا
 راہیت بھی برطعافون رسول عربی کا

حید کے نواسوں کے بھی ابو وہ بل آیا

چھوٹا تویر بگڑا کہ پر سے نکل آیا

گھرا کے پکارے جو انھیں سید ابرار
 بس پھر کے گرسے پالوں پہ آنا کہ وہ جبار
 کی عرض لہو عجز کہ اسے کل کے مددگار
 ہم دونوں غلام اب ہر جانست کے طلبگار

بیاب ہیں دل جان مصیبت میں پڑی ہے

اے نور خداورہ نوازی کی گھٹری ہے

مرنے کو اگر پہلے گئے قاسم و اکبر
 یا شاہ ہمیں دو دھنہ پھر تختیں گی مادر
 شہزادی وہ تصویر بہ ہم شکل پیمبر
 توفیر ہی میں ہے کہ ہم صدقہ ہوں ان پر

مالک بن خدیو نہ ہیں سردار ہیں دونوں

ہم ان کے بزرگوں کے نمک خوار ہیں دونوں

بسمل جو ہرئے مسلم مظلوم کے پیارے
 ہم خمیہ میں جا سکتے نہیں شرم کے مارے
 ماں نے کہا جو گا کہ اینک نہ سدا ہے سے
 جانوں کہ بچاتے ہیں جگر بند ہمارے سے

خاص ہیں جو توفیر شہادت نہیں ملتی

کیا جانیں اسے وہ کیا جازت نہیں ملتی

حضرت یہ ہے روشن جو ہمارا ہے ارادا سن کم ہیں یہ بہت ہے جو انوں سے زیادا
نانا تو علی جعفر طیار ہے دادا ہم ڈھونڈتے ہیں صبح سے فردا کا جادا

شیروں کی طرح بلشہ مسجد میں پلے ہیں

تلواروں سے ہم کھیل کے اس گھر میں پلے ہیں

وہ تیغ کے مالک ہیں تو تختہ میں ہم بھی دادا کی طرح منے پر تیار ہیں ہم بھی
نانا تھے جو کار تو جس رار ہیں ہم بھی سڑے کے شہادت کے طلب گار ہیں ہم بھی

ہے ہوش و فاعمر کے پیمانے بھر سے ہیں

ہم صبح سے سرنند کو ہاتھوں پر چمے ہیں

ہم آپ مرنے کے لئے جا نہیں سکتے زخم تبر و تیغ و سناں کھا نہیں سکتے
بے حکم جو مطلب ہے اسے پانہیں سکتے آداب سے کچھ لب پہن لائیں سکتے

ہم سمجھے رہیں سب سے یہ تقدیر ہماری

ہاتھ آپ کے ہے عزت و توقیر ہماری

ہم دونوں غلام اکبر و صغر کے ہیں یا شاہ الفت کو بس اب دل سے اٹھا دیجئے لائے
اماں کا تو ناز کہ ہے مزاج آپ ہیں آگاہ بنت اسد حضرت باری ہیں وہ دی جاہ

پوچھیں گی خفا بند کے تو کیا ان سے کہیں گے

آزاد وہ ہو میں وہ تو کہیں گے نہ رہیں گے

عادت ہیں یہ خوبوشہ مردان کی ہے ساری شب کو بھی یہ فرمایا تھا ہم سے کئی باری
تم یہ نہ سمجھو کہ میں عاشق ہوں تمہاری بھالی سے مجھے جان نہ اولاد ہے پیاری

کس کام کے پھر سر جو تصدق نہ کرو گے

تب دودھ میں بخنوں کی جو عزت سے مرگے

یہ کہے جو رنے لگے زینب کے چکر بند
حضرت نے کہا میں ہوں بطالِ رفا مند
کھوئے ہر کسی بھائی نے ہمیشہ کے فرزند
کس منہ سے کہوں آہ کہو فناک کے پیوند

تنہائی کا دکھ فاطمہ کا لال سے گا

لاشے کے اٹھانے کو بھی کوئی نہ ہے گا

الیکڑ کو تو ہمیشہ رنے میں نے تمہیں بالا
ماموں سے جدا ہونے پر جب ہنسنے لگا

اب کون ہے غربت میں مرا تھامنے والا
دل کا کوئی ارمان نہیں تم سے نکالا

دس سال بھی پورے ہنیں دنوں کے سنوں میں

دنیا سے جہل لے چلی بچپن کے دنوں میں

دونوں سے یہ فرما کے اوجھرتے تھے شیر
چپ بیٹھی تھی رانڈوں میں ادھر شاہ کی ہمیشہ

سسرانور پھاٹک میں اور لب پہ یہ تقریر
محبوب کیا بیٹوں نے ہے ہے مری تقدیر

میں جانتی تھی پہلے اجازت دہی لیں گے

اس کی زنجیر تھی کہ دعا وقت پہ دیں گے

آتا ہے دم صبح سے یاں لاشے پہ لاشا
ان کے بیسے اوروں کی لڑائی ہے تاشا

پائی نہ اجازت یہ سخن خوب تراشا
باتیں ہیں یہ ساری مجھے باور نہیں حاشا

سکتے ہیں دلاور کہیں روکے سے کسی کے

وہ سب بھی تو یہاں سے تھے حسین ابن علی کے

ہانوں نے کہا دنوں کی عمر میں ابھی کیا
نگھر سے وہ نکلے نہ کوئی معرکہ دیکھا

میدان کی رضا دیتے نہ ہوں گے شہ والا
آزاد نہ ہوں آپ یہ غصہ کی نہیں جا

سن لیجئے گارن میں جو کچھ کام کریں گے
 حیدر کے نواسے ہیں بڑا نام کریں گے
 فرمایا کہ ماں جو مجھے تقدیر دکھائے
 جی جاؤں گی مرکز جو وہ میدان سے لائے
 کیوں شاہ سے نصرت کا سخن لب پہ لائے
 کیا جانے کس فکر میں ہیں مہرے سے جائے
 جو چاہیں کریں بیٹوں کے قابل میں کہاں ہوں
 اب ہر مہرے فرزند میں دونوں کی ماں ہوں
 بزرگ تھا فاضلہ جو خبر لے کے یہ آئی
 فرمایا کہ اب لٹٹی ہے زینب کی کمائی
 لویسے خوزادوں نے رضا جنگ کی پائی
 لے بنت علی روپے ہیں آپ کے بھائی
 بچے بھی شریک شہدات ہوتے ہیں لوگو
 دو بھانجے ماموں پہ فدا ہوتے ہیں لوگو
 فاضلہ سے یہ سننا تھا کہ بس رونے لگے سب
 اور خاک پر سجدے میں جھکیں حضرت زینب
 فرمایا کہ صد شکر برآیا مرا مطلب
 عزت کے سچوں کی تحفے ہاتھ پر یارب
 بہتر ہے جو لٹنے کو وہ پیاسے گئے دونوں
 بے خوشخبری آئے کہ مائے گئے دونوں
 بند مائے بالابر رو لویو : فطرت نگاری میر نہیں ماحاسب کا حصہ ہے بند مائے یا لا تا متروا
 کی خدیوئوں کا انداز رکھتے ہیں حضرت زینب کا کیر کیر طعوب ہی جو القلم نواسے جو جو مصفتیں
 شہتہ لافق کی بیٹی میں ہونی چاہئیں آپ میں موجود تھیں چونکہ بھائی کی فدائی تھیں بیٹوں کو بھی بھائی پر
 تصدیق کروا لیا آسان سمجھی تھیں ظاہر میں قیاس ہی دکھائی دیتا ہے کہ امام علیہ السلام کی مجرت میں
 اپنے لڑکوں کا خیال بھی رہتا ہے باقی نہیں رہتا تھا کہ اصل وجہ اس شہیدگی کی یہ تھی کہ بالیقین آپ

اپنے جہاں گواہوں میں جانب اللہ جانتی تھیں اس لیے بیٹوں کی شہادت کی بھی آپ کو پورا اندیشہ ہی
 تھی یہ بات آپ ہی کے ساتھ مختص نہ تھی جتنے ذکور وانات حضرت امام علیہ السلام کے
 شریک حال تھے ان سب افراد کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ امام علیہ السلام امام من جانب اللہ ہیں
 من جانب اناس نہیں ہیں ظاہر ہے کہ اس زور عقیدہ کے ساتھ کون کجنت ایسا ہو سکتا
 تھا کہ امام علیہ السلام کا ذمائی نہ ہو نا۔ خاندانِ پیغمبر کے حضرات اور ان کے تابعین جو شریک واقعہ
 کہلا تھے یہ سب حضرات تو امام علیہ السلام کو امام من جانب اللہ جانتے ہی

تھے گویا صحیح حضرت عمر کو بھی شک کہ زید سے نکال لائی، ورنہ حضرت امام علیہ السلام کا طرد
 ہوا ایک ایسے بغیر شخص کا جس کو دنیاوی فائدہ کی حرص برابر اب نہ ہو محض خلافِ فطرت ہوتا
 لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ جسے امام علیہ السلام کو امام من جانب اللہ مانا اور حضرت کے لئے
 مرجع مانے کو ایسا مانا، ظاہر ہے کہ اس زور عقیدہ کے بغیر کوئی شخص اپنی ہلاکت گوارا
 نہیں کر سکتا۔ چہ لیں حضرت زین العابدین کے ساتھ کہ امام علیہ السلام امام من جانب اللہ
 ہیں کیونکہ اپنے بیٹوں کو حضرت پر تصدق کر ڈالنا ایک ضروری نہیں سمجھتے واضح ہو کہ حضرت
 زین العابدین کے گریہ کے علاوہ حضرت امام علیہ السلام حضرت باقر حضرت عون حضرت محمد اور حضرت
 فضیلہ کے پارٹ (PART) یعنی ان کے قومی اور فعلی معاملات میر صاحب نے ڈراما نگاری
 کے اسی اصول کی پابندی کے ساتھ حسنِ نبع پر جو آلہ قلم فرمائے ہیں ہو اور نیک سپہری اس سے

زیادہ ڈراما نگاری کا جو نہیں دکھلا سکتے تھے
 میر صاحب کے مرثیہ کس طرح کے مضامین پر مشتمل ہیں، وضع ہو کہ میر صاحب کے مرثیہ
 عموماً ایسے مضامین ہیں جیسے حمد و کلام خداوند تعالیٰ جل شانہ، اشناؤ کلام حضرت رسالت
 مناقب کلام حضرت میر علیہ السلام، مدح و کلام حضرت خاتونِ جنت علیہا السلام، مدح و کلام حضرت

مدح جناب امام حسین علیہ السلام مدح حضرت عباس علمدار علیہ السلام مدح حضرت علی اکبر
 حضرت قائم حضرت عون و حضرت محمد سلام الدار علیهم مدح حضرت زینب علیها السلام مدح
 حضرت شہر بانو علیها السلام ذکر ولادت حضرت امام حسن علیہ السلام ذکر ولادت امام حسین
 و سیایا و کرم و اخلاق و مناجات و کلمہ صبر و فضائل آنحضرت حال رواحی آنحضرت از مدینہ
 منورہ بانب مکہ معظمہ حال رواحی آنحضرت جانب کوفہ از مکہ معظمہ حال زحمت سفر ذکر
 انصار جناب امام حسین علیہ السلام تیاری ہائے جنگ فریقین در مقام کربلا رجز حضرت امام
 حسین مع کلمات و عطف و پند و جنگ امام علیہ السلام با اعدائے دین رجز و جنگ علی اکبر علیہ السلام
 رجز و جنگ حضرت عباس علیہ السلام رجز و جنگ حضرت قاسم علیہ السلام رجز و جنگ حضرت
 عون و محمد علیہما السلام رجز و جنگ حضرت حر علیہ السلام حالت قلب حضرت امام حسین علیہ السلام
 وقت نصرت و شہادت حضرت علی اکبر علیہ السلام حالت قلب آنحضرت وقت شہادت
 علی صغر علیہ السلام حالت قلب آنحضرت وقت نصرت شہادت حضرت عباس علیہ السلام
 حالت قلب آنحضرت وقت شہادت حضرت قاسم علیہ السلام و قاداری حضرت عباس
 جلال حضرت عباس علیہ السلام و قاداری و دینداری حضرت حر علیہ السلام قدر دانی حضرت
 افزائی حضرت حر علیہ السلام از جانب امام حسین علیہ السلام ستم کربلا حضرت زینب وقت
 نصرت حضرت عون حضرت محمد علیہما السلام اضطراب حضرت زینب وقت رواحی امام
 حسین علیہ السلام جانب میدان جنگ شہادت آنحضرت جنگ امام علیہ السلام با اعدائے
 دین و شہادت آنحضرت ستمگامہ میان جنگ صبر استقلال حضرت امام زین العابدین
 در حالت مصیبت رواحی اہل حرم جانب شام و یار نیریز زندان شام سالک ہماننداری
 از جانب شیرین اکبریز آزاد کردہ حضرت امام حسین علیہ السلام بیانات مناظر قدرت

بیانات صبح و شام بیانات اموزہ جدید بیانات امور ذہنیہ تعریف الصب تعریف
تقریر بیان لشکر زید بیان ماسدان لشکر زید بیانات بے ثباتی دنیا و العلابات
عالم ظاہر ہے کہ یہ ایک مختصر فرست میر صاحب کے مضامین مراشی کی ہے ان
میں سے کچھ بند جو مضامین بالاسے تعلق رکھتے ہیں بل میں راج پاتے ہیں :-

نمبر ۱ :- حضرت عباس علیہ السلام کی وفاداری ۔ (مضامین بالا کا پہلا نمونہ)
گجر کے بڑھانہ و پسر سعد بد انجام عباس سے کی عرض کے لئے صاحب صحابہ
سن لیجئے کچھ شام کے حاکم کا یہ پیغام پر آپ تک آتے ہوئے گھبرا رہا ہے اندام

بھنھلائے ہوئے شیر سے اندیشہ ہر جان کا

میں چند نفس آپ سے طالب ہوں اماں کا

کی چین بہ چین ہو کے یہ عباس نے تقریر پیغام مجھے بھیجے گا کیا حاکم بے پیر
بندہ ہوں میں حاکم ہیں مے حضرت شہید شہوہ سے تجھیں لوگوں کا یہ جیلہ و تزیویر

ہے کام و فاسے ہیں اور ہم سے وفاقو

فرزند عالی تنگ سمجھتے ہیں وفاقو

وہ تم ہو جو کرتے ہو و غارل و فاسے مطالبے محمد سے تمہیں کچھ نہ خدا سے
سادات کا سر کاٹتے ہو تیغ جفا سے مہماں ہیں یہ جس کے جو میں دونوں سے پیار سے

کھا کھا کے قسم پھر گئے تم اپنے سخن سے

ہم وہ ہیں کہ کھتے پہ چلے گئے وطن سے

گر صلح کا پیغام بھی لایا ہے تو بے کار میں کتنا ہوں بائیں گے نہیں سید ابراہ
دو جہانجے اسے گئے اک بھائی کا دلدار صدر یہ اٹھایا ہے کہ ہے لڑی سے بیزار

کھل جائے گا شمشیر و سپر باندھ چکے ہیں
 وہ دیر سے نئے پہ کر باندھ چکے ہیں
 کچھ سوچ کے یہ کہنے لگا ظلم کا بانی
 سچ ہے کہ بچے گا نہ یہ اللہ کا جانی
 پر آپ گنوا تے ہیں عبرت اپنی جوانی
 کوئی تو رہے خلق میں حیدر کی نشانی
 غصہ کے نازد وہ کے نہ طیش کے دن ہیں
 راتیں ہیں یہ آرام کی یہ عیش کے دن ہیں
 کیوں کرتے ہو بے فائدہ جینے سے کنارہ
 چھوٹا ہے بھی عمر میں سرزند ہمارا
 جب اپنے دی جان تو گویا اُسے مارا
 عباس حب رانی کرو بھائی کی گوارا
 مابین لحد ساتھ برادر نہیں جاتا
 بھائی کوئی بھائی کے لئے مر نہیں جاتا
 برسنے ہی تھمرا گیا اس شیر کا اندام
 غصہ کے سبب سُرخ ہوئی چھتم میری نام
 قبضہ کو جو دیکھا تو اُٹکنے لگی صمصام
 فرمایا کہ ظالم تجھے دیتا ہے یہ پیمانام
 شاید نہیں آگاہ مرے جد و پدر سے
 ایسا ہوں کہ پھر جاؤں گا زمر کے سپر سے
 بس دُور ہو گئے نہیں سننے کی مجھے تاب
 سرتن سے اتاروں ترا و ظالم کذاب
 میں بھائی کا دشمن ہوں یہ ہے کونسا آداب
 کیا قدر پھر اس کی ہے جو موتی کی لگی آب
 تبتہ ہے یہ بہ نوب شاہ ولایت کا تصدق
 ہم جانتے ہیں جان کو عزت کا تصدق
 آگے مرے تو ذکر سپر کا مرے لایا
 شمشیر کے بچوں پہ تجھے جسم نہ آیا

بہتر سے تو ہے سن میں زیادہ مرا جایا پانی تو کہاں دودھ بھی جس نے نہیں پایا

دل سینہ میں لکڑے ہو کہ صدر ہو جگر پہ

سو بیٹے ہوں تو صدقہ کرواؤ ان کے پسر ہو

ہوتا ہے چمن فاطمہ کا ظلم سے برباد موسم بہرے عیش کا ہے اسے ستم ایجاد

مارا گیا بیوہ کا پسر قاسم ناشاد رونے میں ہی شیر خدا کرتے ہیں فریاد

ہم سے جنھیں الفت ہے ہا تم میں رہین گے

تا حشر اسے حشر کا دن لوگ کہیں گے

بھائی کے لئے جی سے گرز جاتا ہے بھائی جاتا ہے برادر بھی بدھ جاتا ہے بھائی

کیا بھائی بہوتیوں میں تو ڈر جاتا ہے بھائی آج آتی ہے بھائی پہ تو مر جاتا ہے بھائی

نعین بھی بہم زریز میں ہوتی ہیں اکثر

قبریں بھی بس از مرگ قبریں ہوتی ہیں اکثر

بھائی نے مرے کون سی کی نگھ سے برائی پالا ہے مجھے جانتی ہے ساری ندائی

کیا کچھ نہ ملا کون سی عزت نہیں پائی جان ان پہ تصدق ہے اہل کئی نوکائی

بہم ایمیں گے جو شرط محبت کی جزا ہے

تا فہم اسی موت میں جینے کا مزا ہے

کافر ہوں کہ نہ قبلہ ایماں سے پھر اوں تو کوہ طلائے تو میں لالچ میں نہ اوں

فاتے ہوں تو بھائی کے عوض ہر چھیاں کھاؤں مقتل سے تیرپا ہوا ان تیروں چاہوں

کس منہ سے کہوں میں کہ قربت میں قرین ہوں

بھائی سکتے حسن میں تو غلام شدہ دیں ہوں

بیل کو کبھی سحر گسل تر نہیں بھاتا
پروانہ کہیں شمع کو ہے چھوڑ کے جاتا
ہے موت جو معشوق کو عاشق نہیں پاتا
قمری کو سوسا سروس کے کچھ خوش نہیں آتا

تنبلیں جہاں یہ دل فرزانہ وہیں ہے
مخمل میں جہاں شمع ہے پروانہ وہیں ہے
کننے پر جلوں تجھ سے بھجا جو کنے نہ فہم
دول رنج میں دل کو شہ خوشیوں کے نہ ہے فہم
پہنچے انھیں دکھ ہاتھ سے بازو کنے نہ فہم
آنکھوں کی بدی سامنے آرو کے نہ ہے فہم

ہرٹ جا نہیں تیغ اب مری واللہ چلے گی

شیروں سے زہیر بازی رو باہ چلے گی

جرات کو جبری نے کبھی چھوڑا ہر تو کد سے
آقا کو کسی نے کبھی چھوڑا ہر تو کد سے
شہر کو انہی نے کبھی چھوڑا ہر تو کد سے
احمد کو علی نے کبھی چھوڑا ہر تو کد سے

وہ ہم نہیں کرتے جو زمانے کا چلن ہے

دنیا میں وفا اپنے گھرانے کا چلن ہے

میں حسرت دنیا کی تمنا نہیں رکھتا
قطرہ کی طمع فیض کا دریا نہیں رکھتا

اُعلیٰ جو ہے ادنیٰ کی وہ پروا نہیں رکھتا
پتے سے علاقہ سرتوئی نہیں رکھتا

کافر کی طرف صاحب ایماں نہیں جلتے

بتخانہ کو کبھی سے مسلمان نہیں جاتے

بند ماسے بالاپر ریو لویہ: واضح ہو کہ بند ماسے بالامیں میر انیس صاحب نے داخل شاعری
کے پہلو کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ برتا ہے اور ڈراما نگاری کا لطف بڑی قابلیت
شاعرانہ کے ساتھ دکھایا ہے ہر چند میر صاحب نے شاعری برتتے ہیں مگر یہ میر محقق

ہے کہ اعلیٰ درجہ کی رزمی شاعری سے ڈراما نگاری نے وجود پکڑا ہے پس کوئی جائے
 تعجب نہیں ہے کہ میر صاحب کے مرثی اعلیٰ درجہ کے ڈراما کا حسن امان رکھتے ہیں جو مر
 کی رزمی شاعری ڈراما نگاری کی موجود گزری ہے جیسا کہ سابق میں عرض ہو چکا ہے لادیب
 میر صاحب کی ذہنی شاعری سے بھی صیغہ شاعری وجود پذیر ہو سکتی تھی اگر اس عہد
 کے عوض میر صاحب جو مر یا جو مر کے پہلے کا زمانہ اپنے ظہور کے لئے پائے ہوتے تھے
 بحالت موجود میر صاحب کی رزمی شاعری بہت کچھ ڈراما کی اعلیٰ درجہ کی خوبیاں رکھتی ہے
 اور اس پہلو سے بھی اہل مذاق صحیح کیلئے بہت کچھ قابل توجہ ہے اہل واقفیت سے پوشیدہ
 نہیں ہے کہ ڈراما نگاری کی کامیابی کے لئے شاعر میں نہ صرف داخلی اور خارجی امور کی
 بندش کی بڑی صلاحیت درکار ہے بلکہ ان دونوں کی آمیزش کی بھی بڑی قوت حاصل کرنی
 چاہیے میر صاحب کو یہ قوت بھی دایرہ العطا پانے بہ درجہ اتم بخشی ہے آپ کے نام
 مرثی آپ کی اس قوت کی شہادت دیتے ہیں اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ اس قوت کے
 بغیر کوئی شاعر رزمی شاعری کی داد نہیں دے سکتا ہے کمالی حقیقی علی اہل تحقیق ۶

جاننا چاہیے کہ بند ہانے والا میں میر صاحب نے ابن سعد کی ترغیب وہی کے مضمون
 کو حوالہ دیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ یزید یوں کی طرف سے یہ کوشش عمل
 میں لائی گئی تھی کہ آل مرثضیٰ سے کوئی آدمی بھی یزید یوں کا ساتھ دیتا یہ ایسی ترکیب تھی
 کہ کوئی بھی آل مرثضیٰ سے ان کا ساتھ دے دیتا تو واقعہ کہ بلا کا ادھر ہی نقشہ پیدا ہو
 جاتا بالفرض اگر حضرت عباس علیہ السلام عمر بن سعد کے کہنے سے شکر امام علیہ السلام
 سے کنارہ کش ہو جاتے تو دنیا کو یہ کہنے کو سوجاتا کہ یہ واقعہ ایسا کہ حسین علیہ السلام کے
 مخالفوں پر خود حضرت کے بھائی بھی تھے مگر حضرت عباس کب امام علیہ السلام کے

مخالفت بن سکتے تھے یا کوئی بھی آل ہاشم سے حضرت کی مخالفت گوارا کر سکتا تھا اس وقت کے علویوں کی کسی حالت میں اپنے خاندانی تعلقات سے علیحدہ نہیں ہو سکتے تھے اور خاندانی دینی اور دنیوی تعلقات سے علیحدہ ہونے کو ننگ جانتے تھے جیسا کہ کہا گیا ہے۔

اذا العلوی تابع تا صبیاً
وان الکلب خیب منہ طبعاً
بمذہبہ فباہو من ابیہ
فان الکلب طبع ابیہ فیہ

یعنی جو علوی سبذنا صبی کا مذہب اختیار کرتا ہے تو اس سے کتا بہتر ہے اس لیے کہ کتا اپنے باپ کا طعم قائم رکھتا ہے اس وقت کے آل مصطفیٰ اور اولاد مصطفیٰ بطریقہ آباء سے علیحدگی اختیار کرتے گئے ہیں ان چار مصرعوں پر نظر غور ڈال کر اپنی موجودہ حالت کا موازنہ فرمائیں اخیر میراں صاحب اسی ترغیب دہی کو پیش نظر رکھ کر فرماتے ہیں کہ عمر ابن سعد ضرورت وقت دیکھ کر حضرت عباس سے کتا ہے کہ کچھ حکمت نام کا پیام ہے سن لیجئے مگر حضرت عباس اس کا پیام سننے کے متحمل نہیں ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حاکم شام مجھے کیا پیام بھیجے گا میں حضرت عبید کا بندہ ہوں مجھ سے بیوفائی ممکن نہیں تو اور تیری قوم کا شہیدہ مگر اور بیوفائی ہے میں فرزند علی ہوں فرزند علی دعا کے مرتکب نہیں ہو سکتے بالفرض اگر تو صلح کا پیام بھی لایا ہے تو اب صلح کا وقت نہیں رہا حضرت شہید کے دو بھائی اور ایک بھتیجا مارے جا چکے ہیں حضرت امام ہرگز صلح پر رضی نہیں گئے حضرت والا شہید و سپہ باز بھگ کر جنگ کے لئے مستعد ہو چکے ہیں۔ اس تقریر کو سن کر ابن سعد بلا لاکڑائی میں شہید تو مارے ہی جائیں گے آپ اپنے کو کیوں تباہ کرتے ہیں آپ جوان ہیں اور ابھی آپ کا لڑکا صغیر سن ہے آپ اپنی رلاکت کیوں گوارا کرتے ہیں کوئی تو جہان میں حمید کی نشانی ہے آپ اپنی جان نہ کھویں۔

حضرت عباسؓ نے اس کے جواب میں کچھ فریادہ سرایا و فاشعار سے مملو
 نظر آتا ہے لاریب ان بندائے بالا میں حضرت عباسؓ کا کیریکٹر جس خوبصورتی
 کے ساتھ دکھلایا گیا ہے احاطہ توصیف سے باہر ہے حضرت عباسؓ کی اخلاقی قوتیں
 از قسم شجاعت و فاداری استقلال خودداری بے غرضی انکسار و فعداری آزادی
 ہمتنا وغیرہ وغیرہ اس ندرت کے ساتھ دکھلانی گئی ہیں کہ اس کا جواب نہایت نامہ تو کیا
 ایلیڈ کے کسی حصہ میں بھی نہیں پایا جاتا ہے یہ چند بند حضرت عباسؓ کے کیریکٹر کو
 اس صفائی کے ساتھ دکھلاتے ہیں کہ آپؓ بیکر شجاعان لشکر امام علیہ السلام سے ایک
 علیحدہ رنگ کے شجاع دکھائی دیتے ہیں آپ کے کردار سے آپ کا ایک خاص طرح کا
 جلال نمایاں ہے اور آپ کی گفتار سے آپ کا ایک خاص طرح پر حضرت امام علیہ السلام
 کے ساتھ متمسک ہونا ظاہر ہوتا ہے واہ کیا حسن بیان ہے آپ نہایت خوش اسلوبی
 کے ساتھ اپنے کو امام علیہ السلام کا بھائی بھی دکھلاتے ہیں پھر امام حسنؓ کے مقابلہ میں اپنے کو
 امام علیہ السلام کا ایک بندہ بھی قرار دیتے ہیں یہ فرق مراتب کا مضمون نہایت عمدہ انداز
 سے حوالہ رقم ہوا ہے مختصر یہ ہے کہ اپنے زور قلم سے میر صاحب نے حضرت عباسؓ کا کردار
 کی ایک ایسی سچی تصویر کھینچی ہے کہ دیکھنے والا ہزار شجاعوں میں آسانی کے ساتھ آپ کو
 پہچان لے سکتا ہے ازل و اقلیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ یہی کیریکٹر نگاری
 زدی شاعری کی جان ہے یہی طرح ہر مہر بھی بڑی قابلیت شاعرانہ کے ساتھ بہادران
 ٹرائی و یونان کے مختلف انداز کی ایسی تصویریں کھینچتا ہے کہ ہر بہادر ایک دوسرے
 سے علیحدہ دکھائی دیتا ہے مثلاً اس کے بیان سے کیلیڈ اور کیریکٹر ایسے دو بہادر نظر
 آتے ہیں جن کو ایک دوسرے سے تمیز کرنے کے لیے کوئی بڑی صلاحیت و بہکار

نہیں ہے، اکیلیز ایک سفاک بے باک پر غیظ و غضب نیرواز ماکی تصویر پیش کرتا
 ہے اس کے برخلاف ہلکا ایک متین، رحمدل مستقل مزاج اور مال اندیش مرد میدان
 کا فرٹو سامنے لا کر رکھ دیتا ہے اس کی بھڑنگاری نے ہومر کو جس کا ذکر ابو القدا موح
 اپنی کتاب المختصر فی احوال البشر میں پیش کرتا ہے، ابو الشعر اور کلبا ہے اور لاریب
 اب اس خطاب کے تمام تر مستحق میر صاحب ہیں کیا کسی کو معلوم تھا کہ زمانہ ہومر سے
 سیکھڑوں صدیوں کے بعد ہندوستان میں پھر ایک ایسا شاعر گرامی اُردو نہ جان
 کا پیدا ہو گا جس کو ابو الشعر اور نہیں کہنا ایک عظیم حق تلفی کا حکم رکھتا ہے، مگر
 افسوس ہے کہ جس قدر ہومر کی شہرت دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اسی قدر میر صاحب کی
 شہرت دنیا کے ایک تنگ دائرہ میں محدود ہو رہی ہے میر صاحب کی قوت شاعری سے
 یورپ کو بے خبر نہیں رہنا چاہیے، مسلمانوں میں ماشاء اللہ اس وقت نواب عماد الملک
 سید حسین بلگرامی صاحب بالقابہ ایک ایسے جوہر کیا موجود ہیں کہ اگر نواب ممدوح
 میر صاحب کی قابلیت شاعری سے انگلستان کو باخبر کرنا چاہیں تو ان صاحب
 سے یہ کار و شواہد کسی حد تک انجام پاسکتا ہے میں نواب ممدوح کی تخصیص اس لئے
 کرتا ہوں کہ وہ صاحب انگریزی زبان کے پوسے ماہر ہیں انگریزی میں جو ان کی نظمیں
 بغیر کی نظر سے گزری ہیں وہ اس کی شاہد ہیں کہ نواب ممدوح انگریزی زبان پر غیر معمولی
 طور سے قادر ہیں اور انگریزی شاعری کا عمدہ مذاق بھی رکھتے ہیں علاوہ عربی فارسی
 وغیرہ کے اُردو ان کے لیے زبان مادری کا حکم رکھتی ہے اگر نواب ممدوح میر صاحب
 کی روح کو خوش نہ کر سکیں تو پھر ہم مسلمانوں میں ظاہر نواب ممدوح کے بعد سترہ حاد علی
 خالص صاحب بیرسٹر لکھنؤ کو مستثنیٰ کر کے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا ہے جو اُردو اور

انگریزی پر یکساں قدرت اور اس کے ساتھ اچھا مذاق شاعری بھی رکھتا ہو۔

نمبر ۲- صبح شرب عاشورہ اور نماز صبح کا بیان :-

مضامین بالا کا دوسرا نمونہ

جب رات عبادت میں بسر کی شبہ دینے سجود میں مہم عشق کی سر کی شہ دینے
دیکھا جو سپیدی کو سحر کی شہ دینے مگر رُخ اکبر پہ نظر کی شہ دینے

فرمایا سحر قتل کی ظسا ہر ہوئی بیٹیا

لو اٹھ کے ازاں دو کہ شرب آخر ہوئی بیٹیا

دینا میں ازل سے سحر ہی نہیں آئی یہ صبح دکھائے گی بھرے گھر کی معنائی

دولت نہ رہے گی نہ بضاعت نہ کمائی بیٹے سے جدا ہو گا پدر بھائی سے بھائی

آج احمد و حیدر کے گریبان پھٹیں گے

اٹھارہ نبی فاطمہ کے حلق کیٹیں گے

بندہ وہی جو دکھ میں رہے صابر و شاکر اک جاں ہے سو موجود ہے اک سحر حاضرا

بہتر ہے اٹھے جتنا سبک بار مسافر یہ مرحلہ عمر کی ہے منزل آخر

خلقت ہمیں سر پیٹے گی رٹے گی جہاں میں

اب صبح کوئی ہم کو نہ سوئے گی جہاں میں

جو اہل حرم پر وہ عصمت میں ہیں مشہور کھل جائیں گے انہو میں ان کے سر پر نور

جھلے سے نئی رائد نہ نکلے یہ ہے دستور ان رائدوں کا خمیہ بھی جلا دینگے یہ مقہور

عش سوگی کبھی اور کبھی اشتر سے گرے گی

زہر آگی بہو شام میں سر ننگے پھرے گی

مرتا ہے پد جس کا اُسے جیتے ہیں پُرسا ہونے کی تہیوں پر مرے قید کی ایذا
 آزار میں عابد پر تم ہوئیں گے کیا کیا لے جائیں گے تاشام اُسے کانٹوں پر عدا

اک حشر بیاتحت میں اور فوق میں ہوگا

یہ کہ کے ٹوٹھے بہریتیم شہ صفدر جینگل میں اذال دینے لگا دلبر سرد
 وہ صورت حسن اور خوش المانی اکبر ہر شخص کو یاد آگئی آواز پیمبر

ہر نخل کو اک وحدتِ ان ظلم کے بن میں

تھا بئیل حق گو کہ چمکتا تھا چسپن میں

اکبر کی صدا سنتے ہی زینب یہ پکار ی تا حشر بے خلاق میں آواز تمھاری
 قربان موذن کے نمازی کے میروای قائم یہ جماعت رہے یا حضرت باری

ہر شام یوں ہی طاعت معبود ادا ہو

ہر صبح کو اس دین کے ڈنکے کی صدا ہو

آگے تھا عبا اور مے ہوئے شاہ حجازی پیچھے تھے صفیں باندھ ہوئے سارے نمازی
 ابراہیم نضر زماں صفدر و غازی مہتمی ان یہ خدا کو نظر بند ہوا نمازی

دنیا میں یہ بستے نہ کبھی ہوں گے کسی کے

معراج میں تھے ساتھ حسین ابن علی کے

وہ چاند سے چہرے پیدائگی عبا میں وہ خشک بانوں پر اثر دار دعائیں
 لہجے وہ عرب کے وہ خوش آمد صدائیں مشتاق تھیں جو رہیں کہ یہ جلدی ادھر ہیں

اک جوشِ محبت انھیں دکھلا تھا کوثر

کیا سب کی ملاقات پہ لہرا تھا کوثر
تیسرا وہ ظائف سے ہوئی جبکہ فراغت
بس ہوگئی اک مجلس ماتم وہ جماعت
حضرت نے پڑھی اٹھ کے محمد کی زیارت
فرما کے یہ ان سب گئے خیمہ میں حضرت

باہر علم فوج خدالاتے نہیں جلدی

سب لوگ مسلح ہوں کہ ہم آتے ہیں جلدی

حضرات ناظرین میرا سب صاحب کے کن کن کلام کی وادی جائے جہاں سے
جس مرتبہ کو پڑھئے اس کا ہر شعر ہر مصرع واد طلب ہے بندائے بالصبح عاشورہ اور
نماز صبح کی کیفیتوں سے خبر دیتے ہیں ان بندوں میں مضامین کے حاجی اور داخلی
(SUBJECTIVE AND OBJECTIVE) دونوں پہلو نیا بیت خوش اسلوبی
کے ساتھ حوالہ دہن ہوتے گئے ہیں مگر ان کی آمیزش نے اور بھی زیادہ مزہ پیدا کر دیا ہے مضامین
بندائے بالیہ ہیں؛ کہ حضرت امام علیہ السلام رات عبادت میں بسر کر چکے ہیں صبح
ہوتی آتی ہے معلوم ہے کہ آج شہادت کا دن ہوگا حضرت علی اکبر کی طرف مڑ کر اشارہ
فرماتے ہیں کہ بیٹا اٹھو اذان صبح دو یہ کام کہ روز قتل کے پہلے کی رات اس اطلاع
کے ساتھ کہ روز قتل آنے کو ہے انسان عبادت میں بسر کرے سو اس کے اور کسی
کا نہیں ہو سکتا ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے اپنی جانب سے شہدے دین اور امام
المومنین بنایا ہے اللہ اکبر خدا پر آپ کا یہ اطمینان اور تکیہ اس طرح پر راضی برضا
رہنے کی توفیق پھر جب وقت فریضہ سحری کا آتا ہے تو امام عالی مقام اپنے
صاحبزادے کو اذان صبح کی ہدایت فرماتے ہیں غرض کسی وقت عبادت کا سلسلہ
ٹوٹتا نہیں ہے یہ سب ایسی باتیں ہیں کہ صرف امام من جانب اللہ کے لیے محقق

کی گئی ہیں امام کو جیسا ہونا چاہیے اور امام کو جیسا کرنا چاہیے اس بات کو میرا صاحب کا
 بنلول نہایت خوش اسلوبی سے دکھا رہا ہے پھر امام علیہ السلام بیٹے کو خبر دیتے ہیں کہ
 یہ عاشورہ محرم کی سحر ہے اولاد پیغمبر کے قتل کا دن ہے اٹھا رہے نبی فاطمہ کو پھر نماز سحر
 نصیب نہ ہوگی ایسی سحر جو پھر سے گھر کی صفائی دکھلانے کی پھر دکھلائی نہ دے گی مگر
 بندہ کو صابر و شاکر رہنا چاہیے مرضی مولیٰ از رحمہ ولی اس کے بعد آپ کے اہل حرم
 کا کیا حال ہوگا اور کیا مصیبتیں نہیں لاحق ہوں گی ان باتوں کو ارشاد فرما کر حضرت
 امام علیہ السلام تمیم کے لیے بڑھے، پانی تو بنا رہی تھا، وضو کس سے فرماتے۔ خیر
 علی اکبر اس صبح میں اذان دینے لگے خوش الحان بہت تھے بہت شخص کماواز پیمبر یاد آ
 گئی، سامعین کا جو حال ہوا ہوگا محتاج بیان نہیں ہے حضرت علی اکبر کی صلہ سے اذان
 سن کر حضرت زینب عاٹیں دینے لگیں یہ نعلن حضرت زینب کے حضرت علی اکبر کے
 ساتھ ایک خاص وجہ رکھتا تھا وہ یہ کہ آپ نے انھیں پالنا تھا، میرا صاحب اپنی فطرت نگاری
 سے کہیں چوکتے نہیں ہیں اذان ہونے کے بعد امام علیہ السلام نے امامت فرمائی نماز
 جماعت کے ساتھ انجام پائی امام اور نمازیوں کی تصویر جیسی میرا صاحب نے کھینچی ہے
 کب کسی سے کھینچ سکتی ہے بعد نماز حضرت خیمہ اطہر میں یہ فرما کر تشریف لے گئے، کہ
 سب لوگ مسلح ہو جائیں ہم خدا کا علم لے کر آتے ہیں سبحان اللہ سبحان اللہ کیا شاعری
 کا انداز ہے خیالات کا سلیماؤ، بیانات کا بے ساختہ پن، مضامین کا ارتفاع۔
 فطرت کی تبعیت، طبیعت کی روانی، اولیٰ خیالات کا زور، کلام کا تناسب اور ان
 خوبیوں کے ساتھ مرتبت کا قیام، یہ سب کی سب ایسی باتیں ہیں کہ غیر موبدین اللہ شاعر
 کا حوصلہ پست کر دینے والی ہیں واضح ہو کہ بندہ اسے بالاتما تر مذہبی پہلو رکھتے ہیں

جو اشخاص نہ خدا کے قابل ہیں اور نہ عبادتِ خدا کی توفیق رکھتے ہیں ان کو ایسے کلام سے
 کیا حفظ نصیب ہو سکتا ہے صبح کی نماز کیا دولت ہے اس کو وہ کیا جانتے جس نے نہ پڑھی
 نہ قضا کی، افسوس کہ نماز کی قید ان حضرات میں نہیں کبھی جاتی ہے جو ہندوستان میں اب تعلیم
 یافتہ مسلمانان کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں اس وقت شاید ہزار تعلیم یافتہ اشخاص
 میں ایک ایسا شخص نکلے گا جو فریضہ سچا گانہ کو ادا کیا کرتا ہوگا، لوہ پ کی تعلیم عجیب طبع
 خیز انداز رکھتی ہے عیسائی عیسائیت سے آزاد اور مسلمان مسلمانیت سے دور ہو جاتا
 ہے پھر کالے گولے سب مل کر ایک ہو جاتے ہیں معاد کا مقصود ہی درمیان سے اٹھ
 جاتا ہے واہ یہی تعلیم لوہ پ تیرا کیا کتا ہے سہ

کفر و اسلام کے بلوں کے تھے ایک کیا ہاتھ پر ہاتھ نہ کیوں بیشع و برہمن مارے
 ذٰلِیْلاً تَنْزِیْخٌ مُّؤْمِنًا بَعْدَ اِذْ هَكَذَا بَیْنَا
 مصتاین بالاکا تیسیر النورہ -

وہ صبح اور وہ چھانو ستاروں کی اور وہ نور دیکھے تو غش کرے اپنی گولے اوج طور
 پیدا گوں سے قدرت اللہ کا ظہور وہ جا بجا و خرتوں پر تسبیح خواں طبع

گلشنِ نخل تھے وادی میں اساس سے

جگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی اس سے

ٹھنڈی ہوا میں سبزہ صحران کی وہ لپک شرمائے جس سے طلسم نگاری فلک
 وہ چھو مناد نغزوں کا پھولوں کی وہ تھک ہر برگ گل یہ قطرہ شبنم کی وہ چمک

سیر سے نخل تھے گوہر کتا تار تھے

پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

قرآنِ صنعتِ فلیم آفسیدگار تھی ہر ورقِ چنودت تہ صبیح اشکار
عاجز ہے فکرِ شاعرانے ہنرِ شعار ان صنعتوں کو پائے کمال عقلِ سادہ کار

عالم تھا محمدِ قدرت ربِ عبادِ پر

میں کیا تھا وادیِ مینو سوادِ پر

وہ نور اور وہ دشت سہما سادہ فضا دراج و کیکٹ تینر و طاوس کی صدا
وہ بھوش گل وہ نالہ مرغانِ خوش نوا سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا

پھولوں کے ہنر سبز شجرِ سرخ پوش تھے

تھالے بھی نخل کے سب بگلِ فروش تھے

وہ دشت و بسیم کے چھوٹے وہ سبزہ زار پھولوں پہ جابجا وہ گہرائے آبادار
اٹھارہ بھوم بھوم کے شانوں کا بار بار بالائے نخل ایک جو بلبلِ توکل ہزار

نواں تھے زہرِ گلشن زہرِ اجواب کے

شبنم نے بھر دیئے تھے کٹوے گلاب کے

وہ قبروں کا چار طرفِ سرد کے ہجوم کو کو کا شور زانہ سخنِ سرہ کی دھوم
سبحان ربنا کی صد راہتی علی العموم جاری تھے وہ جوان کی عبادت کے تھے رسوم

کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِ علایکِ طرح

ہر خار کو بھی ٹوک ڈال تھی خرد کی طرح

چیزیں بھی اٹھ اٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار اسے دان کش ضعیفوں رازق تھے سناہ
یا سحی یا قدیر کی تھی ہر طرفِ پیکار تسبیح تھی کہیں کہیں تسلیل کرو کار

طارق ہوا میں محو ہرنِ سبزہ زار میں

جنگل کے شیر سونک ہے تھے کچھار میں

کانٹوں میں اک طرف تھے ریاض بنی کے پھول
نوشہ بو سے جن کی خلد تھا جنگل کا مرفض طول
دنیا کی زینت نیت کا شانہ رسولؐ
وہ باغ تھا لگائے تھے خود جسے رسولؐ

ماہِ عزاء کے عشرہ اول میں لٹ گیا

وہ باغیوں کے ماتھے سے جنگل میں لٹ گیا

بند مانے بالا پر ریلو پورہ۔ اہل واقفیت پوشیدہ نہیں ہے کو مناظر قدرت کے بیانات
فارسی کی شاعری میں گو یا مقصود ہیں ابن بان کی شاعری کا ہمارا تشبیہ استعاذہ اور بالعموم معلوم ہوتا ہے
خاقانی کو دیکھتے یا مائی کو پڑھتے کہیں بھی صبح نہ شام نہ کسی سینیری یا سین کا بیان فطرتی
انداز پر دکھائی دیتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اتنے بڑے بڑے شعراء، کبھی مناظر قدرت کی طرف
میلان طبعی نہ تھا یا ان کی شاعری کی ضرورتیں ان کو ان دلاویز معاملات کی طرف متوجہ ہونے نہیں
دیتی تھیں اردو کے شعراء کا بھی یہ حال کیجا جاتا ہے مگر مناظر قدرت کی طرف حسب مراد طور پر
توجہ کہنے کی پہلی مثال میر نہیں صاحب ہیں بند مانے بالا میں میر صاحب نے صبح کی کیفیت کو شہرت
کے ساتھ نہایت دلکش انداز پر زیبِ قلم فرمایا ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت نے صبح کی
ایک لاجواب تصویر کھینچی ہے صبح کا نور ستاروں کی چھالو گلیوں کی نمود و طیبور کی تسبیح خوانی
چھولوں کی بوسے جنگل کا بسنا، بسوا کی ٹھنک سبزہ صحرائی کی لہک و خوش کا جھومنا چھولوں کی
مہکت برگ گل پر قطرہ شبنم کی جھلک و لذت کا سہانا پن دراج و لکٹ تیسرے و ملاوس کی
آوازیں کثرت و روش مرغان خوشال احسان کے: لے لے گلہا سے گو ناگوں کی کثرت جگر کو
نٹکی پہنچانے والی صبح کی ہوا چھولوں کے سبز سبز و زرت ان پر لال لال چھول نسیم کے
جھونکے سبزہ زار کا عالم تاشخوں کا جھوم جھوم کر بار بار اٹھنا اتر لوں کا شور اور ان کے

تاریخ شہرہ کی دھوم زبان حال سے صرف گلوں کا مدح خداوند تعالیٰ نہیں کرنا بلکہ خاوروں کا بھی
 نوک بان سے خدمت جملہ کجا لانچونہی تاک کا ہاتھ اٹھا اٹھا کر ادائے سپاس لینی اگر ہر
 طرف سے تسبیح و تہلیل کی ہمارا جلوہ کی خوبیت ہوا کے ساتھ بہن کی خوبیت سبزہ دار سے جمل
 کے شیروں کا چھایا میں ہونگنا یہ سب کے سب صبح کے متعلق ایسے مضامین ہیں کہ کسی فارسی
 یا اردو کے شاعر کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ خواب میں بھی نصیب نہیں ہو سکتے ہر قسمی
 اس جگہ میر صاحب نے اپنی خارجی شاعری کا کمال دکھلایا ہے پھر ان خارجی مضامین سے
 داخلی اثر جو نفسِ فرین پر پیدا ہوتا ہے وہ ایسا عالم رکھتا ہے جو بیان سے باہر ہے اگر کمال
 کمال فن نہیں کہیں گے تو کسے کہیں گے ایسی صبحِ فردوسی کو تو کیا ہومر کو بھی نصیب نہیں
 نہیں ہوتی ہے واقعی میر صاحب ایک حیرت انگیز شاعر گزرے ہیں تبہیتِ فطرت کے
 ساتھ اپنے مضامین کی پرواز ہمیشہ علیٰ کی طرف ہوتی ہے پستی کی طرف تو طبیعت کبھی رخ ہی
 نہیں کرتی اس شاعری کو عجز نہیں کہیں تو کیا کہیں الحق میر صاحب کی شاعری ایک
 الہامی شاعری ہے جیسا کسی کی مجال ہے کہ اس لادبیری کے ساتھ بڑے بڑے نازک اور لطیف خیالات
 کو اس روانہ و دواں طہ پر سامعین کے گوش قبل تک پہنچا سکے بندائے بالا سے ظاہر
 یہی معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب کو محاطاتِ فطرت پر بڑی نظرِ حال تھی اور علمِ حیوانات وغیرہ
 میں بھی پورا دخل تھا کہ جب حضرت دشتِ صحرا میں قیام پذیر ہوئے صحرا کی کل دلالہ کی
 سیر کی وحوش و طیور پر حقیقہاً نظر ڈالی، ایک آپ نے علمِ حیوانات کی تحصیل فرمائی
 اس کا کوئی پتا راقم کو نہیں ملتا ہے لاریب تا یہ غیبی کے بغیر ایسے اشعار کسی شاعر کے
 قلم سے نہیں نکل سکتے ہیں راقم کو میر صاحب کی نسبت پورا یہ عقیدہ ہے کہ آپ ملہ اور
 مویذین اللہ تھے :

واضح ہو کہ بندہ اسے بالا سے پوئے طور پر وہی شخص لذت یاب ہو گا جس نے
 صحرائی نشینی اور دشت نوردی میں اپنی عمر کا ایک کافی حصہ بسر کیا ہے غارت نشینی کیا جانے کہ صحرا
 جنگل و دشت وغیرہ کا کیا عالم ہوتا ہے کہوند کل صحرائی چھوٹے ہیں جنگل کی ہوا کسی ہوتی ہے
 جلیب و خوش کیا عالم رکھتے ہیں اس طرح کی ہزاروں باتیں ہیں جہیں صحرائی نشین اور دشت نوردی
 جانتے ہیں اور دوسرا نہیں جانتا، اس وقت میر صاحب کے ان بندوں نے واقعہ کو کیا کیا گذشتہ
 سیریں یاد دلا دی ہیں کیا کیا دشت و صحرا دل کی آنکھوں کے سامنے چھ رہے ہیں کیا کیا مناظر
 قدرت جو اس وقت چشم ظاہر کے سامنے نہیں ہیں دیدہ باطن کے پیش نظر سو رہے ہیں واہ
 میر صاحب کیا کہنا ہے سبحان اللہ! آپ بڑے پرتاثر فطرت نگار ہیں مگر آپ کے کلام سے
 لذت یاب ہونے کے لئے ضرور ہے کہ انسان خود بھی فطرت پسند اور فطرت فہم طبیعت رکھے
 اور معاملات فطرت سے بقدر طاقت بشری پیروی و اقتف بھی ہو۔ کوپہر (COUPER) اور
 ٹامسن (THOMPSON) یہ دو انگریزی شاعر ایسے تھے جو خلقت سے صحرا
 پسند تھے اور آبادی سے ویرانہ کو زیادہ دوست رکھتے تھے ان دونوں کے کلام ان کی اُفتاد
 طبیعت کا پورا رنگ دکھلاتے ہیں ظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر صحرا پسندی ان کی دشت
 میں داخل نہیں ہوتی تو ان کے کلام کا رنگ ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ تجربہ میر صاحب سے کہ
 نہ جنگل میں رہے نہ صحرا میں مگر جنگل صحرا و خوش و طیب سب کی تصویریں ہو ہو کھینچ لیں۔
 کسی طرح کا مضمون ہو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب کے ذاتی متعلقات کے اندر ہے ایسا ہی
 شاعری نہیں ہے تو کیا ہے اگر یہ شاعری الہامی نہیں ہے اور اس حیثیت سے ہر شخص برت
 سکتا ہے تو دنیا کے مولانا پیر فقیر عابد نا بد عالم فاضل ناظم ستار سے کیوں کوئی حضرت
 چار بند میر صاحب کے انداز کے تحریر فرما کر سخن سنجی کا جلوہ نہیں دکھلاتے ہیں؛

نمبر ۲۷: رجز امام حسین علیہ السلام

ہرم وہ ہیں کہ نماندے کو تہہ زمین بخشا
سرداری فردوس کا افسر ہمیں بخشا
اقبال علی خلق پیمبر ہمیں بخشا
قدرت ہمیں دی زود ہمیں نہ زمین بخشا

ہم لوہ ہیں گھر طور تجھلا ہے ہمارا

تخت بن داؤد مصلحت ہے ہمارا

کس جنگ میں سینہ کو سپر کر کے نہ آئے
کس مرحلہ صعب کو سر کر کے نہ آئے

کس فوج کی صف دی زبر کر کے نہ آئے
تھی کون سی شب جس کو سر کر کے نہ آئے

تھا کون جو ایسا نہ مصمام نہ لایا

اُس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا

ہمنام بھی کچھ کم تھے نہ غار تھے تھوڑے
طاقت تھی کہ غزوی کو کوئی لات مارے

بادکشوں نے سجدے بھی کیے تھے جھوٹے
بے توڑے وہ بت جبر و صغدانے چھوڑے

کعبہ کو صفا کر دیا خالق کے کرم سے

نکلے اسد اللہ اذالے کے حرم سے

دیکھو تو یہ ہے کون سے جوار کی تلوار
کس شیر کے قبضہ میں ہے گداز کی تلوار

دیر پانے بھی دیکھی نہیں اس دھار کی تلوار
بجلی کی یہ بجلی ہے تو تلوار کی تلوار

قہر و غضب اللہ کا ہے کاٹ نہیں ہتے

کتے ہیں اسے موت کا گھر گھاٹ نہیں ہے

گر فیض ظہور نہ لولاک نہ ہوتا
بالائے زمین گنہگار لولاک نہ ہوتا

یکھ خاک کے طبقے میں کجبر خاک نہ ہوتا
ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا

یہ شور اذال کا سحر و شام کہاں تھا
ہم عرش پر چڑھتے تو یہ اسلام کہاں تھا

حضرت عباسؓ کا جہنم

روکے ہمیں نکل کے جو طاقت کسی میں ہو
گر لائے ریش کو جو حرارت کسی میں ہو
لے تیغ میان سے جو شجاعت کسی میں ہو
آئے جو حرب و ضرب کی قدرت کسی میں ہو

دو ہاتھ میں علی کے پسر وار پار ہیں

دیر یا نہیں کہ رک گیا ہم ذو الفقار ہیں

تم کیا پہاڑ بیچ میں گر ہو تو مال دیں
سیروں کو ہم ترانی سے باہر نکال دیں

عدت نہ ایک کو دم جنگ و جہال دیں
پانی تو کیا ہے آگ میں گھوٹے کو ڈال دیں

منہ دیکھتے ہیں جو ہیں گدبان گھاٹ کے

لیجا میں گھر یہ تیغ سے وہاں کواٹ کے

سرکش ہیں سب ہماری زبردستیں تیر
دادا استجماع باپ جو اندوہم دلیر

جب ان پٹھے کر دیئے ہیں خمیوں کے ڈھیر
لائے ہیں جا کے آگ سے پانی خدا کے شیر

عفریت بھاگتے ہیں چوٹیں ہماری ہیں

بیرالعد ہیں کو دکے تلواریں ماری ہیں

جرات جلو میں سستی ہے نصرت رکاب میں
سرکاٹے ہیں سپر کے تینوں کی آب میں

کلمے ہوئے ہیں شیروں کے حملے کتاب میں
فصلیں ہیں اپنے زور کی خیر کے باب میں

ناصر ہیں بارگاہ نکاس بارگاہ کے

دفتر الٹ و پیٹے ہیں عرب کی سپاہ کے

بنا رہا ہے بالاپر ریویلو: واضح ہو کہ یہاں ان عرب کا یہ دستور تھا کہ میدان جنگ
 میں اپنے ہم نبرہ کے گئے فخریہ کلام بشیر نظم کی شکل میں پڑھا کرتے تھے اور بعد ازاں مشغول
 پیکار ہوتے تھے اس وقت تانی کو رجز کہتے ہیں۔ رجز سخاوی کا دستور زمین اور ملاحظہ و دوزل
 میں تھا مثلاً میں خیر کی جنگ کی مثال پیش کرتا ہوں اس جنگ کی سرگزشت یہ ہے
 کہ خیر کا قلعہ یہودیوں کی ملکیت تھا اور اس کے سردار حرب اور اس کا بھائی عارث
 تھے یہودیوں نے رسول اللہ کے بلخی کو مار ڈالا تھا اس لیے آنحضرت نے ان پر
 لشکر کشی کی تھی۔ مابینہ سے رسول اللہ کی روانگی کے وقت علی علیہ السلام کی آنکھیں
 جوش کر گئی تھیں اس کے باعث آپ مجبوراً مدینہ میں رہ گئے تھے جب یہودیوں
 خیر سے مسلمانوں کا سامنا ہوا تو حرب اور اس کے بھائی نے دو روز تک یہودیوں
 کو شکست دی دو دن تک یہ حالت گذرائی کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما
 اسلام کے تھے ان دونوں جیہوں سے شکست کھاتے تھے اور وہ دونوں بھائی ان
 دونوں علم برداران لشکر اسلام کا نائب جیہہ رسول تک کرتے تھے جیہہ رسول ان کے
 قریب پہنچے مگر حرب اور اس کا بھائی سخنان نامہ مسلمانوں کو سنانے لگے مگر لشکر اسلام
 میں کوئی ایسا بہادر تھا کہ ان ملعونوں کا سنا کر ایسی نازک حالت میں علی حضرت
 رسول کی پیشین گوئی کے مطابق حضور رسالتاً سیرا بیچنے رسول اللہ نے لشکر اسلام
 کا علم علی کو تفویض فرمایا اسے تاکہ تاریخ خیر کی آنکھوں کا جوش کم نہیں ہوا تھا۔ مگر
 رسول اللہ نے اپنا علم سیرا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں پر لگا دیا جس سے وہ جوش چھین جاتا
 رہا علی رضی اللہ عنہ نے قلعہ خیر کے سامنے حرب سے مقابلہ فرمایا۔ وقت مقابلہ مرتبہ پہنچنے
 یہ شعر رجز کا پڑھا:

مشائخ السلام لعلی عجزت

قد علمتني خبيو اني مر حجب

اس پر علی مرتضیٰ نے جواب میں فرمایا ہے

فليكنم بالسيف كمثل السنود

انا الذي سمعتني اعني حيدر

لما حصل ذوالفقار حیدر کرانے وہ دونوں بدبختوں کوئی ناکر دیا شیخ کا قلعہ فتح ہو گیا اور رسول اللہ نے کامیابی کے ساتھ مدینہ کو معاودت فرمائی معلوم ہوتا ہے کہ علی مرتضیٰ نصرت دین خدا کے واسطے جھڑپوں سے بچنے لاریب اگر علی کی تلوار نہ ہوتی تو بدر خندق اور خیبر احد جین کی فتحیں دین خدا کو نصیب نہیں ہوتیں اور کچھ جلد اول اس کتاب کی اور بھی اسلام کو کسی طرح کا سٹخ کام حال نہیں ہو سکتا یہ غیر خدا کے زمانہ کا اسلام بلاشبہ شک بہت دیکھ علی کی تلوار کا منت کش نظر آتا ہے :

شمس العلماء لانا محمد سعید صاحب جنفی رئیس عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مطلع کس قدر فرین جی ہے آپ فرماتے ہیں :

بہر نصرت عیال ازینخ ابرو سے علی شد قوی دین نبی از نور بازو سے علی بال مختصر و جبر خوئی مبارزال عربک عام طریقہ تھا فارس کے بہادر دل ہیں اس کا رواج کمتر دیکھا جاتا ہے شاہنامہ فریبی میں ایک مقام پر بجز خوئی کا اندازہ پایا جاتا ہے وہ ہیں طرح پر ہے کہ جب بستم نے گیو کو شاہزادہ کنجیر و کے ملک افراسیاب سے لے آنے کے لیے روانہ کیا تھا تو گیو اپنی تعریف میں اپنے دشمن کے مقابلہ میں کہتا ہے کہ میں بستم سے نیرو آزماؤں سے کم نہیں ہوں میری قوت اور سیری بہادری کا امتحان پہلے بستم نے کر لیا تھا تب مجھے اپنی بیٹی دی وغیرہ وغیرہ :

دونوں رجز بالا جو ایک نسو ابام علیہ السلام اور دوسرا حضرت عباس کی طرف سے

کیا خوب پر یہ بیان رکھتے ہیں دونوں بجز کا بین فرق یہ ہے کہ ایک امام وقت کا جزیہ ہے اور دوسرا اُس بہادر کار جو قریب ششہ ہزار پیر و اندر جان نثار امام علیہ السلام کا ہے میرا نیا صاحب کو کہ یہ بیکر طرنگاری اور فرق مراتب کے دکھلانے میں ایک ہجرت انگیز دست گاہ حاصل تھی ظاہر ہے کہ یہ باتیں زبمی شاعری کی جان میں نہیں باتوں نے ہو کر ابوالشعر آگیا ہے اور انہیں باتوں سے نثر نے زبمی شاعری میں ایک بڑی شہرت حاصل کی ہے :-

نمبر ۵: شیرین امام علیہ السلام کی آمد کی خبر پاکیزہ جانی کا سامان کرتی ہے :-
 یہ کہہ کے اُس نے فرض کیا گھر میں سرسیر مومن کے دل کی طرح مصفا برادہ گھر
 مستر بچھائی پیر شہ شاہ سحر و ریر تکیوں کو صاف کر کے لگایا ادھر ادھر

کستی تھی پیر سے گھر میں ابھی سے جو لوہے

یہ آمد امام زمن کا ظہور ہے

الان ہے یہ شاہ کی خواہر کے واسطے بی نرم فرش ہے علی اکبر کے واسطے
 جھمکے کی جا یہ ہے علی صغر کے واسطے یہ گھر شاہ دین کے برادر کے واسطے

راحت سے شہ نشین یہ امام زمن رہیں

حجرہ یہ اس لیے ہے کہ دلگھا وطن رہیں

کرسی کو لاسکے جلد کسی جا بچھاتی تھی تختوں کو کشتیوں میں کبھی وہ لگاتی تھی

سجیہ سے میں بہر شکر کبھی سر بھجواتی تھی گہرا کے صحن سے کبھی ڈیاڑھی پچھاتی تھی

چہرے پہ اک خوشی تھی پہ دل بہہ قرائفا

فروز نفا طرہ کا سے انتظار تھا

جاگ کبھی خواہوں سے کرتی تھی یہ کلام کھانا پکاؤ جلد کہ آتے ہیں اسب امام

بھر کر کے آب سرد کے رکھ دو تو میں جام
 لبریز آب گرم کے کر دو سب تو تمام

پارہ لیسویوں کو خیر سے جو بگھر میں لاؤ گی

ہاتھوں سے اپنے پالوں بھول کے وصلوں کی

ہمسایوں گنتی تھی نہیں نہیں کے بار بار
 اب کچھ زیارت سلطان آباد

سے باغ فاطمہ پر عجب حسن کی بہار
 رکھ کر ریاض غلہ ہے ایک ایک گلخوار

سب نوزہال گلشن دین لاجو اسب ہیں

قد سرو باغ حسن میں رخ آفتاب ہیں

شہزادہ سستان پھیر کو دیکھیو
 سرور ریاض حضرت شہر کو دیکھیو

کیا نوجوان ہیں شہ کے برادر کو دیکھیو
 سب ایک سمت تم علی اکبر کو دیکھیو

ہو گا کبھی یہ حسین ملک کا نہ ہو گا

جلوہ ہے اس بزمی میں محمد کے نور کا

خالق رکھے اُسے صد سی سال بمقراہ
 نام خدا ہے شادی کے قابل وہ گلخوار

بہنیں نداد ہیں باپ تصدق جو ماں نشا
 سر پر چھو بھی نے پاپیہ گیسو رکھے ہیں چادر

چہرے کے لگے نیر تباہ بھی ماند ہے

عالم کی روشنی ہے اندھیری کا چاند ہے

اب خیر بیگ گدازگاہ اٹھارہ سو سال
 شادی کر بیٹی بیٹی کی بانہ سے خوشحال

زینب کے اس کے بیابہ کار مان ہے کمال
 ہر دم ہی دعا ہے کہ دوٹھا ہے بے برکات

کوئی نہیں بیتیں طلب شام و روم سے

شادی خدا جو چاہے تو ہو گی دھرم سے

جب پہل گئی اسے انہیں باتوں میں دہرہ
شعور سے پھر یہ کہنے لگی وہ نکو سیر
اب تک نہ آئے گھر میں شہنشاہ بھرورد
اُترے کہاں کسی سے مفصل سنی خبر

بستی سے ساتھ لے کے ہر اک اپنے بھائی کو

جا پیشوائے خلق کی تو پیشوائی کو

کیوں مری طرف سے یہ تو چوم کر قدم
لوندی کو سرفراز کرو یا شہرام
کہتے ہیں اغینا غر با پرسد اکرم
اب بے حضور چین نہیں مجھ کو ایک دم

کچھ آج سے طیش سی دل بے قرار میں

آنکھیں سپید ہو گئی ہیں انتظار میں

قربان ہو گئی مرا گھر کچھ نہیں ہے دور
خامہ تناول آن کہے اس جا کریں حضور
ہم لوگ منت غاک ہیں حضرت خدا کے نور
ہو گا یہ کہہ آپ کے کہنے سے رشک طور

کہنا حضور راہ ہدایت کی شمع ہیں

پروانے یاں سحر سے نیارت کو بیج ہیں

عصر آجی ہے آپ کے آنے میں کچھ اگر
آنے میں کیوں حرم کے جوتی دیہ اس قدر
ڈیورٹھی پر بندوست ہے یا شاہ بھرورد
گڑوا رکھی ہیں نے فقاہیں اِدھر اِدھر

محل میں گھٹی ہوئیں گی زہرا کی پسیاں

عباس لے کے آئیں زانی سواریاں

عوم ہیں یہ قصہ مشہور ہے کہ جب نزل حرم صید بن کر بلا سے قید ہو کر شام کو روانہ
ہوئے تو راہ میں ان حضرت کو قلعہ شیریں جو ایک کوہ پر واقع تھا ملا، وہاں شیریں اپنے شوہر
کے ساتھ تھی تھی شیریں ایک آنا کر وہ لوندی حضرت امام علیہ السلام کی تھی آزاد ہوئے

برہمنی قلعہ دار سے اس کا بیاہ ہو گیا تھا، ان شیریں اپنے شوہر کے ساتھ نہایت آرام سے زندگی
 بسر کرتی تھی اور اس کو پوری خوش حالی نصیب تھی، جب اہل حرم کی آمد کی خبر شیریں کو ہوئی
 تو اس نے مہمانی کا سامان کیا، یہ شوہر اسے نہیں پہنچی تھی کہ امام علیہ السلام مع علیؑ اور اسامہ
 عباس و عوفان و محمد شہیدؑ چکے ہیں وہ سمجھ رہی تھی کہ امام علیہ السلام اپنے لوگوں کو لیئے
 ہوئے اس کی جانب تشریف لائے ہیں بندہ اسے بالائیں شیریں کی مہانداری کے مضامین
 سے تعلق رکھتے ہیں میرا بقیہ صاحب کے بیانات ہمیشہ فطری انداز کے ساتھ سزاوارتہ لفظوں سے
 ہیں کس قابلیت شاعرانہ کے ساتھ مہانداری اور اس کے تعلقات کی تصویر کشی آپ نے
 فرمائی ہے میرا صاحب کس قادر الکلامی کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی مہانداری کے سامان ایسے
 محترم مہمان کی آمد کی خوشی جو شیریں کو تھی ہمسایوں سے اس کا اظہار پھر یہ کیسے حمان ہیں
 اس کے پرکشش محبت آگین اور عقیدت مندانہ بیانات پھر مہمان عالی مقام کی تشریف
 آوری میں جو ہر سہوئی نو شیریں کا شوہر سے یہ کہنا کہ توجا اور دیکھ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام
 اب تک کیوں نہیں تشریف لائے یہ انتظار اور اضطراب کا عالم پھر شوہر کو حضور امام
 علیہ السلام میں پیام لے جانے کی ہدایت وغیرہ وغیرہ ایسی ایسی خوبصورت مصدوریاں
 ہیں کہ جن کا انہما میرا سہوئی کے قلم کا کام تھا، حقیقت یہ ہے کہ ہر مرتبہ میں مشیت
 کا قلم رکھنا تا سب کلام کو لائق سے جانے نہیں دینا اور ہر قدم پر فطرت کا پیرو رہنا یہ
 خاص انداز میرا صاحب کا ہے یہی خوبصورت تصویر کشیاں ہر دم کی ایڈٹ میں دیکھی جاتی
 ہیں اور وجہ اور ملٹن نے بھی ہر دم کے متن میں شاعرانہ مصدوری کا کمال دکھایا ہے۔
 کوئی شک نہیں کہ دونوں شاعروں نے اپنی اپنی تصنیف میں اس اہل شہرہ کی تہنیت
 سے بہت سی مدویں پائیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے حیرت ہے میرا میں کے کلام

پر کہ جو یقیناً ان تینوں شعرا سے نامور سے مطلق خبر نہیں رکھتے تھے مگر فطرت نگاری اور
 شاعرانہ مطلق ہیں، کم سے کم اپنی استعداد خاص کی بدولت محمد سوم کے ہم پل بلجئے یا اس سے
 بھی گرا ہی نہیں ثابت ہو سکتے۔

مرزا ادیب صاحب کے کلمات: واضح ہو کہ ایک مرتبہ سلطان الذکرین جناب
 مرزا ادیب صاحب اعلیٰ الشرفا منی الجنتہ کا فقیر کی نظر سے گزرا ہے جو بندہ نئے بالا کے
 مضامین سے تعلق رکھتا ہے یعنی حب اہل حرم واقعہ کو بلا کے بعد حالت سیری میں مشرق
 کو چاہے تھے لفظ شیریں ہمک حرم وقت پہنچے اشیریں اس کی اُمیدوار ہوئی کہ جناب امام
 اس کے مجال ہوں جناب مرزا صاحب غفران آب کے مرتبہ کا پہلا مصرع یہ ہے کہ
 جب حرم قلعہ شیریں کے برابر آئے

یہ مرتبہ لاریٹ پدنی ہے اس مرتبہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی جناب محمد
 بٹے خلاق سخن اور عالی طبیعت تھے لاریٹ آپ سلطان الذکرین تھے مگر مرتبہ نگاری
 کا بجا ہے اور کئی شک نہیں یہ مرتبہ حضرت کا بہت ہی سہی طرح حضرت کے بہت
 سے ادیبی مزاجی ہیں جو نہایت سہی طرح میں حضرت کو سلطان الذکرین نہیں
 کہنا ایک بڑی سچی ہے جناب غفران آب ایک بڑے مذہبی شاعر تھے حضرت کو
 اس کی بھی بقدر استعداد پابندی تھی کہ بالکل شعری ادایات سلسلہ نظم میں خل نہ پائیں لاریٹ
 میر انیس صاحب مرحوم ایک بڑے ذہنی شاعر تھے اور ذہنی شاعر ہونے کی حیثیت سے
 ہومر یا کسی ذہنی شاعر کے ساتھ آپ کا موازنہ نامناسب نہیں سمجھا جا سکتا ہے مگر
 میر صاحب کا موازنہ مرزا صاحب کے ساتھ جبکہ یہ دونوں شاعری کے جدا گانہ پہلو ہیں
 کو برتتے ہیں کوئی معقول شکل نہیں رکھتا ہے ذہنی شاعر کا موازنہ ذہنی شاعر کے ساتھ اور

مذہبی شاعر کا موازنہ مذہبی شاعر کے ساتھ لطف سے خالی نہیں ہو سکتا مگر جسے جو موازنہ
 سے نہ کوئی معقول نتیجہ منترتب ہو سکتا ہے اور نہ اہل مذاق کو ایسے موازنہ سے کوئی حظ کی
 صورت پیدا ہو سکتی ہے شاعری سے علیحدہ ہو کر جناب مرزا دین صاحب اعلیٰ اللہ فی الجنتہ
 کا دوجہ ہوصاۃ انسانی کو نسبت کر دینے والا نظر آتا ہے آپ تمام تر صفات ملکوتی سے متصف
 اور لازیب شاہان خدا سے تخیہ اولیا و خدایا کی خوبیاں دایرہ العطا یا نے حضرت کو بخشی
 تھیں آپ کی سخاوت و ایثار شہرہ آفاق ہے علم و فضل کے ساتھ توفیق عبادت بہت
 کچھ خدا نے پاک نے عطا فرمائی تھی انلاق محمدی کے آپ پورا نمونہ تھے جو وہ سخی بدل
 عطا میں اپنے بھلا آپ تھے بلعیت ہے حد شریف اور غیور پائی تھی منکر مزاجی خاکساری
 اور فرقی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے خوش مزاجی خوش اخلاقی خوش وقتی آپ پر ختم تھی
 عمر کبھی بھی کسی غیبت نہیں کی تازلیت کسی سے تڑس ہو کر نہ بولنے رفتار گفتار کردار
 سب میں لیکتا تھے وقت تھے بالمتصرف حضرت کی خوبیاں حضرت اہل بیت علیہم السلام
 کی خوبیوں کا تمام تر پرتو تھیں حقیقت یہ ہے کہ جن حضرات کے آپ مداح تھے ان کے
 تفصیلات آپ کے شامل حال تھے جناب محمد رفیع کے والد ماجد شمس العلماء شیدہ حمید الدین
 خاں بہادر مرحوم و مدفون کے بڑے ولی دوست تھے رافضی احمد و کویٹری عقیدت مندی
 جناب نگران آسے تھی اور آج تک بچے خلیا تو مجھ بندہ گنہگار کے پرانم کو اس سلطان
 الذکرین کے صداقت میں معاف فرما اور اس کے جلد و صبر و محصورین کے طفیل میں مجھ
 بتلائے عصیان کو اپنے ہوا رحمت میں جگہ دے ۔
 نمونہ کلام مرزا دین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ فی الجنتہ
 بانہ کاربو اعتقد جو سلطان ہم سے ہمراہ کنیزیں کسی آئی تھیں عجم سے

ایک ایک کا آزاد کیا فرط کرم سے شیریں رہی خدمت کو پرآزاد تھی غم سے
 کیا بانود شیریں کی شیریں کو دلا بھتی
 دل ان پر تصدق تھا تو جان ان پر خدا تھی
 اک دن لب شیریں سے کہیں شہنشاہ یہ ناگاہ کیا چشم ہے شیریں کی زہے صفوت اللہ
 آراستہ بانو نے کیا اس کو لب سد جاہ اور عرق کی لاریب بن خوش چشم ہے یا شاہ
 سب خاک میں تم فاطمہ کے لود بصر ہو
 ہے عین خوشی میری جو منظور نظر ہو
 شیریں تو ہے کیا چیز بھلا تم پر میں واری ہے جان جو شیریں وہ نہیں کسی پیاری
 شیریں مری کوٹھی ہے میں کوٹھی بول تمہاری کوٹھی میں کرتی ہوں یہ اسے عاشق باری
 مطلب تو ہے نہ کوٹھنوی شاہ وہ جہاں سے
 بخشا دل جہاں سے بخشا دل وہ جہاں سے
 شہ نے کہا تم دل سے خیال اور رکھو دور کی مدد جو آنکھوں کی فقط مدد غمی منظور
 ہے خلق پیہر کے گھرانے کا تو مشہور اور چشم کرم اپنے گھرانے کا ہے ستور
 واللہ بدون پر بھی مجھے نیک نظر ہے
 دو آنکھیں ہیں پر سب پر مری ایک نظر ہے
 پھر پوچھا کہ بخشا سے وہ بولی کہ بخشا خدا ہرے ہم آزاد سے کرتے ہیں اچھا
 کچھ خرچ دو اس کو نہ کرے راہ میں ناقا پوچھا کہ بھی پہناؤ کہ حق تم پر ہے اس کا
 شیریں کوئی چیز ان کے اب ہم سے نہ ملے گی
 ایک روز وہ ہو گا کہ یہ چادر تھیں دے گی

تب دوزخ کے بانو نے گئے اُس کو لگایا شہد کی بہنوں کے لباس اُس کو پہنایا
 پھر اپنے برابر اُسے زینب سے بھجایا تعظیم کی مکرّم کی اور منس کے سنا یا
 فطرس کا شرف آج تجھے حق نے دیا ہے

شہزادہ جبریل نے آزاد کیا ہے
 شیریں سے تب اندوہ جدال سے بکراہ
 ادرشہ کے قدم چوم کے بولی وہ حق آگاہ
 ہے عرض جو مجھ کو کسی نازل کرے اللہ
 تو دیر شیریں ہو مستبول حرم شاہ
 بھجوا دل جو سو غامت نہ رو کیجیو میری
 مشکل میں پیاروں تو داد کیجیو میری

ترب حضرت سجاد پر شیریں بیوی قرآن
 اور بولی خوداد سے تر اللہ گمان
 بابا سے سداش مرزا تم کجیو ہر آن
 نہیں نے تجھیں پالا ہے ذرا لہر کا پڑے عین
 غابہ سے محبت طرح جدا ہوتی تھی شیریں
 یاں رو تے تھے سجاد و ماں رونی تھی خیریں

گوارے سے شیریں سے تبا کیرو اٹھایا
 آنکھوں سے بہت نھنے سے نادر لگایا
 پھر جھولے کے اندر عاتکے کے لٹایا
 اللہ نبی کا مرے شہزادے پر سایا
 دنیا کا تجھے سب چشم و جاہ ہو اکبر
 اور سونے کے سہرے سے ترایا ہو اکبر

اب عرض ہے شیریں کی تم اقرار یہ فرماؤ
 ایسا نہ ہو تم بیاہ میں لڑائی کو نہ بلاؤ
 یہ خاد مہ بھی کیجئے دھن بیاہ کے تم لاؤ
 آباد ہو چین کرو زلیست کا پھسل پاؤ
 ہالفت کی نہ آئی یہ منطلوم ازل ہے

تقدیر میں اکبر کی فقط بھی کاپھل ہے

الفصیحہ گئی شاہ کے حجرے کو شیریں
تو ہویا کہاں سے لے گئے رونے شہزادیں
گردشہ دیں پھر کے گلی کتنے وہ ٹھگیں
قرآن گئی رو تے ہو کیا دوجھے تسکیں

یا شاہ میں صدقے میں خدا پھر نہ لو گے

اس طرح جو رو تے ہو تو کیا پھر نہ لو گے

اب دو مکے مقصد میں خدا اس کا ہے آگاہ
یا تو مجھے ذہنوں سے لگا رہنے دیا شاہ
یا گھر میں مرے آنے کا وعدہ کر ولند
فرزند نبی کی میں ضیافت کروں لخواہ

میراث نبی پائی ہے فرزند علی نے

فضہ کی ضیافت تو نہ رو کی تھی نبی نے

شیریں سے غلاب ہوے یوں سید ابرار
اچھا ترے گھر آنے کا میں کرتا ہوں اقرار
اُس ن تھل نہ تجھے جو سے گا نہ ہمار
عابد تو پیادہ مرا ہونے گا میں اسوار

پیاسا کئی دن کا ترے گھر آدے کا شیر

پیاسا ہی ترے گھر سے چلا جاوے گا شیر

وہ بولی بجلا جاتے ہیں دوں کی تمھیں پریا
حضرت نے کہا خیر سمجھ لیں گے جو ہوگا
پہنچانے کو شیریں کے گئے وہ تک آنا
رتے سے کہا ہے تجھے اللہ کو سونپنا

کھینچو یہ دعا چین نے غم سے ہمیں بھی

آزاد خدا کہے سے جہنم سے ہمیں بھی

تاجہ پشام کے تھا مسکن شیریں
ہر سایہ عزیز ایک یہودی تھا خوش آئین
جس شبہ یہ گئی سو تا تھا وہ منہ تھی میں
پھر خدا کو شیریں ملی گیا تو انھیں شیریں

دیدار پیسبر کا ملا دین خندا کا
 روشن کیا شیریں نے گھر اس بل وفا کا
 شوہر سے وہ ذکر شدہ دین کرتی تھی اکثر
 کہتی تھی کبھی دوسری بی بی کے ہر بلبر
 نام ایک کا سجا دے اور ایک کا اکبر
 وہ نول سے عیال قدرت رب ازلی ہے
 بس نام خدا ایک نبی اور ایک علی ہے

گا کہ یہ عیال کرتی تھی وہ عاشق مولا
 مولا مرے آئین تو ذرا شرم نہ کرنا
 میں لڑکی کی تو غلام ان کہ ہے گویا
 خدمت میں مگر بستہ سدا پہو مہیا
 وہ کہتا تھا تو ان کی میں ان کا یہ گھر ان کا
 تقدیر یہ کہتی تھی کہ اسے گا سر ان کا
 دن پوچھتا تھا آئندہ لاکھ جو شوہر
 نب کہتی تھی شوہر سے یہ وہ عاشق مرشد
 یہ پوچھتا میں قبول گئی وہ اسے مقدر
 تاریخ مقدر نہیں آتا ہے مقدر
 کہتا ہے یہ دل آئیں گے مولا مرے گھر میں

یا اہ محرم میں و ماہ صفر میں

شیریں کو عیب الفت سلطان احمد تھی
 ہر دم شہ و ملا کی وہ مشتاق قدم تھی
 آنکھ اس کی سوتے صورت بانو سے مجھ تھی
 پتلی صفت قید نما سوتے حرم تھی
 عش کرتی تھی اقرار امام دو جہاں پر
 اس کی نہ خبر تھی کہ سر آئے گا سناں پر
 ڈیوڑھی ہمساز اور کے تڑپ کے اسے آنا
 اور شام کو در و افستے سے روتے پہتے پہانا

گم صبح سے مولیٰ کے لئے فرس پھانا اور شام کے نزدیک بعد میں ٹھانا

شر کے لیے تیار کبھی کرتی غذا کو

مولا جو نہ آتے تو کھلا دیتی گدا کو

ناگاہ ہوا شاہ سے برگشتہ زمانا جائزہ کیا فرزند پیمبر کا ستانا

مسلم کا مدینہ سے کو فہ کو آنا آخر کو ہوسٹے شاہ بھی شیر سے روانا

وال بکھے نبی قبر سے اور شاہ وطن سے

یاں روح بکھنے لگی شیریں کے بدن سے

تقلید دہاں دو بدہ آقا کو پھرتی شیریں یہاں در کبھی آتی کبھی جاتی

گھبرائے کبھی کوہ کے نیچے اتر آتی وہ گیر دل کو جا جا کے سزاہ سناقی

دنیا میں ہیں ہوں اور نہیں دنیا کی خبر ہے

لوگو تمہیں کچھ دلبر زہر کی طبر ہے

پائی جو زاس نے خبر سبیل پیمبر ذریعے سے ہوتی تاک لذات وہ مضطر

کچھ پی لیا کچھ کھا لیا جو آیا لیستر سوئے کے لیے فرس زمیں دونوں ہوا پر

اندیشوں نے یہ حال کو تبدیل کیا تھا

پوشاک بدلنا بھی غسٹہ چھڑو یا تھا

ہمسایاں کہتی تھیں بنایا ہے یہ کیا حال پوشاک جو میلی ہے تو کچھ بہتے ہیں مال

وہ کہتی تھیں نیرنگ نظر آتا ہے ایسا مال صیافت جمعی کو نہیں ہوتا مرا احوال

پوشاک کی کچھ جھگ کو خبر ہے نہ رفا کی

الذلیس اب خبر کر سے آل عبا کی

بند ہوتے بالا حضرت مصنف کے ذریعہ بیان غلطی سخن اور عالیٰ خیالی سے
 پس سے طور پر خبر ہوتے ہیں بلاشبہ جناب مرحوم اپنے جواب آپ تھے
 خاموشی شناسے تو حمد شناسے تو

الحمد کہ یہ دوسری جلد بھی بہارستان سخن کی تمام ہوئی، مگر مرثیہ نگاری
 کے لگاؤ سے راقم کا فرض منصبی تھا کہ استاد فن جناب فضیلت آب مرزا اوج صاحب
 ادام اللہ تعالیٰ فاداتہ کے نمونہ کلام سے بھی اپنی تصنیف کو زینت دیتا لیکن نہایت
 جاسے حضرت ہے کہ حضرت محمدؐ کا کوئی کلام اس پر پھولان کو دستیاب نہ ہو سکا حالانکہ
 اس ناچیز کو حضرت کے کلام بلاغت نظام سے مشرف ہونے کا اتفاق بار بار ہوا ہے
 آپ جناب سلطان الذکرین مرزا پیر صاحب اعلیٰ اللہ مقارنہ فی الجنتہ کے ایسے خلف
 الصدق ہیں کہ مائتہ اللہ جنھوں نے اپنی حیرت انگیز قابلیت شاعری سے اپنے پدر
 بزرگوار کے نام نامی کو اوج بالائے اوج بخشا ہے پدر نامدار و پسر نامجو جناب اوج
 لاویب ایک بڑے زری شاعر ہیں آپ کا نذر کلام تناسب مضامین اور فلسفانہ انداز
 بیان بہت کچھ قابل قدر ہے آپ جناب میر نہیں صاحب اور اپنے والد عالی مقام
 کی ترکیب شاعری سے بالکل ایک جدارنگ رکھتے ہیں اور یہ ایسا رنگ ہے کہ فری
 غم اسے آسانی کے ساتھ تیز کر لے سکتا ہے مجھے اس کا بھی افسوس ہے کہ کوئی
 نمونہ حضرت شاد مظاہ کی مرثیہ نگاری کا عدم دستیابی کی وجہ سے فقیر کی اس
 تصنیف میں داخل نہیں کیا جاسکا، آپ کا کلام بھی ایک خاص رنگ رکھتا ہے
 اور نہایت قابل ترجمہ ہے۔ فقط

جہاں سے

مگر میری نگاہ

نہا اور میرا

لیکن نہایت

باب درجہ کا

آج بار بار

کے لیے غلط

میں سے اپنے

سزا کو جناب

انہ کے ساتھ

پہنچا اور اعمال

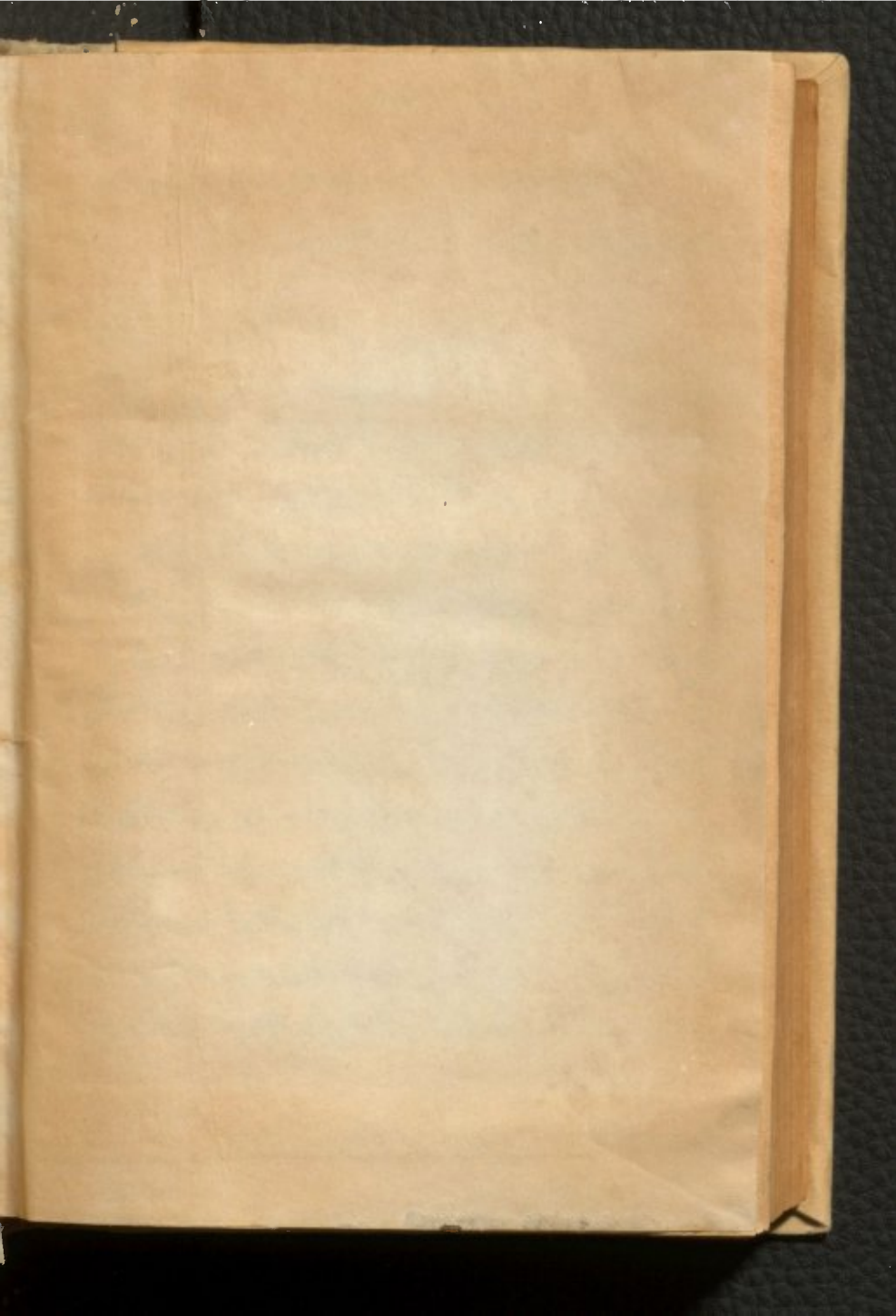
میں سے کہ

میں سے کہ

میں سے کہ

میں سے کہ

میں سے کہ



40422

مکتبہ اسلامیہ دارالافتاء دارالحدیث

لکھنؤ، ۱۹۴۱ء

مکتبہ اسلامیہ دارالافتاء دارالحدیث